شامِ آرزُو

ایم سُلطانہ فخر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

شام آرزو

رات کی پراسرار تاریکی میں سنسان ویران علاقے اور نامعلوم راستوں پر اپنا بکس سنبھالے مصیبت کی ماری طوبیٰ آگے ہی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک بے کسی اور کس مپرسی کا عالم طاری تھا اس پر، آنکھیں پرنم تھیں مگر خوف و دہشت اور غم و غصے کا احساس اشک بہانے کی اجازت نہیں دیتا تھا دھندلائی ہوئی آنکھوں کے آگے اندھیروں کی سیاہ چادر تنی تھی۔ منزلوں کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ سمت ہی کا کوئی تعین کر سکتی تھی۔ کبھی دن کے وقت تنہا گھر سے باہر قدم نہ نکالا تھا کجا کہ رات کی اس مہیب تاریکی میں وہ بھی تن تنہا اور بے یار و مددگار اپنی اسی پلنگ کی چادر میں لپٹی.... اشکوں کی دھند میں وہ خوفزدہ ہو کر بار بار ادھر ادھر دیکھتی اور اپنی رفتار تیز کر دیتی۔ کدھر جانا ہے؟ کہاں پناہ لینی ہے یا اس سفر کا اختتام کیونکر اور کب ہوگا؟ اس نے کچھ سوچا ہی نہ تھا یا شاید سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ بس ماں کی صورت کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی میں پیش آنے والے واقعات ایک ایک کر کے اس کی نگاہوں میں گھوم رہے تھے اور کوئی ان دیکھی طاقت آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ تمہیں پناہ دینے والا اور تمہارے سر پر ہاتھ رکھنے والا کون ہے بھلا جو تم یہ بکس کا بوجھ اٹھائے ادھر ادھر بھٹکتی پھر رہی ہو۔ اس بھری دنیا میں تمہارا کون سا ایسا ٹھکانا رہ گیا ہے جہاں تم عزت اور سکون سے زندگی بسر کر سکو۔ اس ذلت اور خواری کی زندگی سے تو بہتر یہی ہے کہ تم مر جاؤ۔ ہاں تمہیں مر ہی جانا چاہیے۔ بکس کا بوجھ اٹھائے مزید آگے بڑھنا اس کے لیے دوبھر ہو رہا تھا۔ خود اپنا وجود ہی کسی بھاری بوجھ سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ مر جانے کا قوی ارادہ ہو رہا تھا۔ اس لیے ہمت بھی جواب دیتی جا رہی تھی اور وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی اب بھی آگے بڑھ رہی تھی کہ یکا یک ایسا محسوس ہوا جیسے ایک شدید دھچکے کے ساتھ اسے کسی نے زمین سے اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا ہو۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ وہ بکس سمیت اچانک دھکا لگنے سے اچھل کر

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کچھ فاصلے پر کچی سڑک کے کنارے جا گری تھی اور بکس بھی ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں دور جا گرا تھا۔ مگر یہ اچانک کیا ہو گیا تھا' کس وجہ سے ہوا تھا؟ اسے یہ بھی سوچنے اور محسوس کرنے کا موقع نہ ملا۔ وہ منہ کے بل زمین پر گری اور اپنے معطل ہوئے حواسوں کو قابو میں کرنے کی کوشش میں ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی۔ گرنے کی وجہ سے چادر بھی سر سے ڈھلک گئی تھی اور وہ اس صورت حال کو سمجھ بھی نہ پائی تھی کہ جوتوں کی چرچراہٹ کے ساتھ ہی عقب سے ایک کرخت سی مردانہ آواز اس کے کانوں کے پردوں کو چھید کرتی محسوس ہوئی۔ آن کی آن میں ہوش و حواس بھی درست ہو گئے۔

''تم کسی کا چوری کر کے باگا ہے کیا۔ اتنا زور کا بونپو (بھونپو) بجایا تم نے سنا بھی نہیں۔''

مگر طوبیٰ میں اس وقت اتنی ہمت کہاں تھی کہ اس شخص کی بات کا جواب دے سکتی۔ اس نے جلدی سے سر سے ڈھلکی ہوئی چادر کو پھر سر پر ڈالا اور سمٹ سمٹا کر بیٹھ گئی۔

''ادے تیک ٹیک بتاؤ۔ کیا گر سے باگ کر آیا ہے؟'' پہلے سے بھی سخت اور کرخت لہجے میں پوچھا گیا۔ ایک تو رات کا وقت' اس پر سنسان اور ویران علاقہ' مستزاد یہ کہ اجنبی اور اجڈ شخص تو بلائے بے درماں کی طرح اس کے سر پر نازل ہو گیا تھا۔ طوبیٰ سہمی سمٹائی بیٹھی تھی۔ دل کسی لرزیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا اور یہ نئی صورت حال اب اچھی طرح اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ دراصل وہ ایک جیپ تھی جس سے ٹکرا جانے کی وجہ سے طوبیٰ کو اتنا زبردست دھچکا لگا تھا کہ وہ اچھل کر دور جا گری تھی۔ جیپ چند فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی جس کی ہیڈ لائٹس میں وہ بہت صاف اور واضح نظر آ رہی تھی۔ اس شخص نے اس کے بے مثال حسن کی ایک جھلک دیکھ لی تھی۔ اور اپنی سرخ آنکھوں میں شیطانی سی چمک لیے وہ اس کے جواب کا منتظر کھڑا تھا۔ نہ معلوم کون ہے اور میری خاموشی سے کیا مطلب لے۔ ویسے بھی وہ مجھ پہ چوری کرنے اور بھاگ آنے کا شبہ کر رہا ہے۔ اسی خیال سے طوبیٰ اپنی ہمت مجتمع کر کے کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں نے کچھ چرایا ہے نہ میں گھر سے بھاگ کر آئی ہوں۔ آپ میرے بکس کی تلاشی لے سکتے ہیں۔''

''بکسا؟ کدراہے تمارا بکسا...؟'' اس نے طوبیٰ کے نزدیک ہو کر انتہائی خباثت سے پوچھا اور طوبیٰ چاروں طرف نظریں دوڑا کر اپنے بکس کو تلاش کرنے لگی مگر اس کا بکس کہیں قریب گرا ہوتا تو نظر بھی آتا اور پھر چاروں طرف تاریکی بھی تو چھائی ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی خودرو جھاڑیاں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر اسے اپنا بکس کیسے نظر آ سکتا تھا۔ ویسے بھی خوف و دہشت کی وجہ سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ پھنسی پھنسی اور مرتعش سی آواز میں بولی۔

''وہ... وہ پتا نہیں کہاں گیا۔ شاید کہیں گر گیا ہے؟''

''ارے تم ام سے مخول نئی کرو لڑکی۔ ام کو ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ ایس ٹیم تم اور کیوں آیا اور کدر سے آیا اے۔'' اجنبی اس کی بات کون جانے... کیا سمجھا۔ اس نے اتنی کرختگی سے اپنی بات کہی کہ طوبیٰ ایک بار پھر سرتاپا لرز کر رہ گئی۔

''میں اس دنیا میں بالکل تنہا ہوں۔ میرا کوئی گھر ور نہیں ہے۔ آپ یقین کریں میں چور ہوں نہ کہیں سے بھاگ کر آئی ہوں... اور میرا بکس ٹکر لگنے سے یہیں کہیں گر گیا ہے۔'' وہ بڑی عاجزی سے بولی۔

''تمہارا اگر کوئی نہیں تب امارے ساتھ چلو۔ امارا گھر میں تم بوت آرام سے رہے گا۔ چلو اٹھو چل کر امارا جیپ میں بیٹھو ورنہ ام تمہارا ساتھ بوت خرابی کرے گا۔'' اس شخص کے لہجے میں رعونت اور ایک حکم سا شامل تھا مگر چہرے پر ایک خباثت آمیز مسکراہٹ مگر طوبیٰ نے یہ سب دیکھا ہی کب۔ اس کے تو پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔ کس قدر بے بس اور لاچار تھی وہ کہ نہ اس شخص کو جھڑک سکتی تھی اور نہ اس کے ساتھ جانے سے انکار ہی کر سکتی تھی۔ بڑی لجاجت سے کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں نے تمہارا تو کچھ نہیں بگاڑا جو تم مجھ سے برا سلوک کرو گے۔ میں تو خود زمانے کی ستائی ہوئی ہوں۔ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اور یہاں سے چلے جاؤ۔''

''دیکھو ام جو بات کرتا ہے ویسا ہی کرو ورنہ ام تم کو اِدر سے اٹا کر اُدر ڈال دے گا۔'' وہ شخص غرانے کے سے انداز میں بولا۔ اور اس کے اس قدر نزدیک آ گیا کہ وہ ہڑبڑا کر اپنے دکھتے ہوئے جسم کو سنبھالتی ہوئی اٹھی اور گرتی ہوئی جیپ کے پاس پہنچی اور چپ چاپ جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھ گئی جو پیچھے سے بند تھی۔ یعنی اس پر چھت پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سوا اسے کوئی چارہ بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر مزید انکار کرتی یا اس کی خوشامد درآمد کرتی تو وہ اجڈ شخص نامعلوم اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتا اور اب بھی وہ اس کے ساتھ کس طرح پیش آئے۔ خطرات اور وسوسوں میں گھری طوبیٰ کے ذہن سے وہ تلخ باتیں بھی نہ نکلیں جن کی بدولت اسے اس نازک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ بے حس و حرکت جیپ کے بند پچھلے حصے سے نظر آتے تاریک ماحول پر نظریں گاڑے یوں بیٹھی تھی جیسے اس کا ہر احساس مر چکا ہو۔ اسے یہ بھی احساس نہ ہوا کہ کب اس اجنبی شخص نے اس کا بکس وہیں جھاڑیوں میں سے اٹھا کر لا کر جیپ میں اپنے پاس رکھا اور جیپ میں بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ جیپ تاریکی میں ڈوبے اونچے نیچے اور خراب و خستہ راستوں پر ہچکولے کھاتی اڑی چلی جا رہی تھی اور جیپ چلانے والا بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ مضبوط قوی اور چوڑے چکلے شانوں والا شخص جو خاصا پختہ عمر نظر آ رہا تھا اور اس کے مزاج کی تنی اور سختی اس کے ناک نقشے پر بڑی گہرائی سے ثبت تھی۔ نہ معلوم کیا ارادے رکھتا تھا اور اسے کہاں لیے جا رہا تھا۔ اس کا ذہن سیاہ دماغ کچھ بھی سوچنے کے قابل نہ رہا تھا ورنہ وہ چاہتی تو بڑی آسانی سے جیپ سے چھلانگ لگا سکتی تھی مگر دماغ کے ساتھ اس کے تمام قویٰ بھی مفلوج سے ہو کر رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ ایک مقام پر روک دی گئی۔ تب بھی طوبیٰ کی محویت اور بے حسی پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ حتیٰ کہ وہ شخص اتر کر پچھلے حصے کی طرف آیا اور اس سے اترنے کے لیے کہا تو ایک دم ہی تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ البتہ اس کی آواز پر اس نے ٹھہر ٹھہر کر کھلے ہوئے حصے سے باہر کے منظر پر ایک نظر ڈالی۔ سامنے ہی سڑک سے چند قدم اُتر کر کوارٹر نما رہائشی مکانات نظر آئے جو قطار کی صورت میں آگے پیچھے بنے ہوئے تھے اور ایک ہی وضع قطع کے تھے۔ سرے والے کوارٹر کے آگے ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا جس میں ایک لالٹین جل رہی تھی۔ باقی تمام کوارٹرز تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے اور کچھ ایسا ہو کا عالم طاری تھا جیسے وہاں کوئی ذی روح آباد ہی نہ ہو۔

''آؤ اور یہ امارا گھر ہے۔ جلدی سے اترو۔'' اس شخص نے اسے اپنی جد ہماد لیے کر کہا اور پھر منہ پھیر کر بڑی کراری آواز میں کسی کو پکارا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

''زبیر خان....اے زبیر خان!'' اور اس کی آواز سے طوبیٰ دہل کر جلدی سے نیچے اتر آئی۔ اس کے اترتے ہی ایک سایہ تیزی سے اس کی طرف بڑھتا نظر آیا جو اپنی علاقائی زبان میں کچھ کہتا اس اجنبی شخص کے پاس آ کر رک گیا۔ اس شخص نے آنے والے سے جو غالباً زبیر خان ہی تھا اپنی زبان میں کچھ کہا اور زبیر خان جلدی سے جیپ کے اگلے حصے میں رکھے طوبیٰ کے بکس کو اٹھا کر اندر لے گیا۔ طوبیٰ ابھی تک اپنی جگہ پر ہی کھڑی تھی۔ اجنبی شخص نے اس سے کہا۔

''ام کو مالم نئیں تمارا کیا نام اے۔ لیکن ام تم کو گلرخ بولے گا۔ یاد رکھو تم اور امارا گر میں گل رخ ہوگا۔'' اجنبی کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ طوبیٰ اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی۔ زبیر خان اس کا بکس اندر کوارٹر میں رکھ کر آیا۔ تو اجنبی نے اسے پھر کچھ ہدایات دیں اور پھر طوبیٰ کو اندر جانے کا اشارہ کیا تو زبیر خاں کے ساتھ اس نے چپ چاپ اندر کا رخ کیا۔ وہ دروازہ کوارٹر کے عقب میں تھا جس سے اندر داخل ہو کر طوبیٰ نے زبیر خان کی پذیرائی میں ایک چھوٹا سا صحن عبور کیا اور زبیر خان کے پیچھے ایک کوٹھری نما کمرے تک آئی تو دہلیز پر ٹھٹک کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ شخص دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا اور نیم تاریک سے ماحول میں بڑا پُر ہیبت لگ رہا تھا۔ اس کے لباس کا رنگ اتنا واضح نہ تھا البتہ سیاہ صدری اور آدھی پیشانی کو ڈھانپے سر پر رکھی کلاہ کے نیچے چمکتی ہوئی آنکھیں ہی نظر آ سکیں جن سے سختی اور سفاکی مترشح تھی۔ اتنی دیر میں پہلی بار آنے والے خطرات نے طوبیٰ کی رگوں میں دوڑتا خون منجمد کر کے رکھ دیا۔ اصل میں کوٹھری نما کمرے میں لالٹین جل رہی تھی اور ایسی جگہ رکھی تھی کہ کمرے میں بنی چھوٹی سی کھڑکی سے لالٹین کی روشنی دروازے پر پڑ رہی تھی۔ طوبیٰ جھجکتا کر کمرے میں آ گئی۔ جہاں ایک جوان سی لڑکی پھول دار شلوار، گھٹنوں تک لمبا شلوکا پہنے اور کھدر نما ململ کا موٹا سا دوپٹہ سر پر ڈالے کھڑی نظر آئی۔ زبیر خان نے اس سے سرگوشی میں کچھ کہا تو وہ طوبیٰ کو نظر انداز کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ شخص اسے دیکھ کر صحن میں آ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ زبیر خان بھی اس کے ساتھ باہر چلا گیا تھا۔ وہ لڑکی اس شخص سے بات کرنے کے بعد اندر آئی تو سب سے پہلے اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی اور لالٹین اٹھا کر طوبیٰ کے پاس آ گئی۔ بالکل قریب سے پڑتی لالٹین کی مدھم روشنی میں بھی لڑکی کے چہرے کے نقوش اتنے واضح تھے کہ طوبیٰ اسے ایک ہی نظر میں دیکھ کر چونک سی اٹھی۔ لڑکی کا چہرہ اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہی ٹھیٹھ سرحدی عورتوں کے سے خدوخال اور ناک نقشہ جسے پہلے بھی اس نے کہیں دیکھا تھا۔

''بیٹو۔'' لڑکی نے پھر اسے بیٹھنے کی پیش کش کی مگر اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ طوبیٰ خاموشی سے کمرے میں ایک طرف بچھی واحد چارپائی پر ٹک گئی۔

''آرام سے بیٹو۔ تم کو ادر ہی رہنا اے۔'' لڑکی نے اپنے اسی اکھڑپن سے کہا۔ اصل میں وہ چاہ رہی تھی کہ طوبیٰ اپنی چادر اتار کر پلنگ پر ڈھنگ سے بیٹھے۔ لڑکی دیکھی دیکھی سی تھی اور پھر اسے دیکھ کر طوبیٰ کو یہ اطمینان تو ہو گیا تھا کہ اس کا واسطہ ایک لڑکی سے پڑا ہے، اس لیے اس نے اپنی چادر اتار کر تہہ کی اور پاؤں اٹھا کر چارپائی پر سمٹ کر بیٹھ گئی۔ لڑکی ابھی تک کھڑی ہی تھی۔ اس نے لالٹین زمین سے اٹھائی اور اسے طوبیٰ کے قریب کر کے بے پناہ تجسس کے ساتھ طوبیٰ کو دیکھنے لگی۔ اور پھر بری طرح چونک کر پیچھے ہٹی اور لالٹین ہاتھ میں لیے کچھ دیر ورطہ حیرت میں ڈوبی طوبیٰ کو ایک ٹک دیکھتی رہی پھر

لالٹین کو طاقچے میں رکھ کر طوبیٰ کے قریب آ کر بولی۔

''کیا تم وہی ہو.....وہی.....تم کو یاد اے ام ایک بار ملے تھے۔'' لڑکی کا انداز بڑا چلبلا سا تھا۔ چہرے سے مسرت مترشح تھی اور آنکھوں میں ایک شوخ سی چمک۔ طوبیٰ نے بھی غور سے اس کی شکل دیکھی اور چارپائی پر قدرے پھیل کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''ہاں لگتا تو ایسا ہی ہے کہ میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔ مگر یاد نہیں آ رہا کہاں دیکھا ہے۔ اصل میں میرا حافظہ کچھ کمزور ہے۔''

''لیکن مجھے تو یاد ہے۔'' لڑکی نے آنکھیں نچا کر یوں کہا کہ جیسے اپنی یادداشت پر نازاں ہو۔

''اچھا تمہیں یاد ہے تو تم ہی بتا دو۔'' طوبیٰ نے اس نیم تاریک سی کوٹھری کے اندھیرے میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''آ چا۔ دیکو.....تم اپنی ماں کے پاس ہوتی تھیں نا.....مطلب جب تم ادھر اپنی ماں کے ساتھ اپنے چاچا کے گھر آئی تھیں۔'' لڑکی نے پہیلیاں بجھوانے کے سے انداز میں کہا۔

''ہاں مگر مجھے پھر بھی یاد نہیں آ رہا کہ تم سے کہاں ملاقات ہوئی تھی۔'' طوبیٰ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا تو لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ام ریلوائی میں تم سے ملا تھا یاد ہے۔ ام جلدی میں تمہارا ڈبے میں بیٹ گیا تھا۔'' آخر لڑکی نے بتا ہی دیا اور طوبیٰ کو بھی سب کچھ یاد آ گیا مگر وہ بغیر تاثر دیے خاموش بیٹھی رہی۔

''چہ.....خیر.....لے اب روٹی کھاؤ۔'' لڑکی کو ایکدم ہی اسے کھانا کھلانے کا خیال آیا تو وہ جلدی سے طاقچے کی طرف بڑھی۔

''نہیں میں کھانا کھا کر آئی ہوں۔'' طوبیٰ نے جلدی سے کہا۔ پریشانی نے بھوک اور پیاس بالکل ہی اڑا دی تھی۔ وہ بظاہر لڑکی سے باتیں کر رہی تھی مگر اس کا دماغ ادھر اُدھر بھٹک رہا تھا اور لڑکی اس سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو وہ دروازے کی طرف لپکی اور ادھر طوبیٰ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس سے نگاہ اٹھا کر دروازے کی طرف بھی نہ دیکھا گیا۔ لڑکی دروازہ پر ہی کھڑی اپنی زبان میں کسی سے باتیں کرتی رہی۔ پھر دروازے کی کنڈی لگا کر اس کی طرف پلٹی تو اس کے ہاتھ میں بڑے سائز کا جست کا گلاس تھا جسے ایک کاغذ کی مدد سے اس نے پکڑ کر رکھا تھا۔

''لے یہ پکڑ۔ یہ زبیر خان تیرے واسطے دودھ لایا ہے۔'' لڑکی نے اس کے قریب آ کر گلاس اس کی اس طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے اتنی تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں دودھ بالکل نہیں پیتی۔'' طوبیٰ بولی۔

''چہ خیر.....آج پی لو۔ تم ہماری مہمان ہو۔ تم کو اسے پینا ہے۔'' لڑکی نے اصرار کرتے ہوئے کہا تو طوبیٰ نے چپ چاپ دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا اور چند گھونٹ پینے کے بعد برا سا منہ بنا کر وہ گلاس لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لو تمہارے کہنے سے پی لیا۔ اب جتنا باقی رہ گیا ہے وہ تم پی لو'' اور لڑکی نے جو بڑے شوق اور دلچسپی سے اسے دودھ پیتے دیکھ رہی تھی اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر ہونٹوں سے لگا لیا اور ایک سانس میں باقی ماندہ دودھ پی گئی۔ پھر گلاس کو چارپائی کے پائے کے پاس فرش پر رکھ کر اس نے لکڑی کی ایک پیٹی پر

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پڑا ایک پھولدار کھیس اٹھایا اور اس سے بولی۔

''لے اٹھ۔ میں تیرے لیے بستر بنا دوں۔'' طوبیٰ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور وہ کھیس چارپائی پر ڈالنے میں اس کی مدد کرنے لگی۔ کھیس بچھا کر لڑکی دھپ سے چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''اس پر ام آرام سے ساتھ سو میں گے۔ آ تو ادھر لیٹ جا۔''

اس نے اپنے قریب طوبیٰ کے لیے جگہ بناتے ہوئے کہا۔ طوبیٰ نے قدرے تامل سے کام لے کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور پھر چپ چاپ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''تو اپنے چاچا کے گھر آئی تھی نا؟'' لڑکی نے اپنے ڈیڑھ پاٹ کے دوپٹے کا تکیہ بنا کر اس پر سر رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''ہاں، مگر وہ لوگ مجھے ملے نہیں۔'' طوبیٰ بھی اس کے قریب لیٹتے ہوئے بولی۔ اور چادر اپنے اوپر ڈال لی۔

''اچھا... تو تو اتنے دن کہاں رہی۔'' لڑکی نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ خاصا ٹیڑھا سوال تھا طوبیٰ سٹ پٹا گئی مگر پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''میں لاہور واپس چلی گئی تھی'' اور پھر اس نے جلدی سے بات پلٹی۔ ''وہ جو اس رات ریل کا حادثہ ہوا تھا نا۔''

''ہاں ہاں۔'' لڑکی بیچ میں ہی بول پڑی۔

''اس میں میری امی فوت ہوگئی تھیں۔''

''ہائے ربا... فوت ہوگئی تھی تیری ماں۔'' لڑکی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''چچ چچ۔ بڑا افسوس ہے تو اب تو اپنے ابا کے پاس رہتی ہے؟''

''نہیں، خالہ کے پاس۔ میرے ابا تو بہت پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ بس وہی خالہ رہ گئی تھیں وہ بھی فوت ہو گئیں تو اب پھر میں اپنے چچا کے یہاں آ رہی تھی کہ راستے میں تمہارے بھائی مل گئے اور وہ مجھے یہاں لے آئے۔'' طوبیٰ نے لڑکی کے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے قصہ کوتاہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاہا بھائی... وہ میرا بھائی نہیں باپ اے۔'' لڑکی نے ہنس کر کہا اور پھر لیٹ گئی۔

''اچھا وہ تمہارا باپ ہے مگر میں تو اسے تمہارا بھائی ہی سمجھی تھی۔'' طوبیٰ نے پست لہجے میں کہا۔

''دلبر خان میرا باپ اے... نذیر خان کی پیدائش پر میری ماں فوت ہوگئی تھی۔ دلبر خان نے ہم دونوں کو پالا۔ ہماری وجہ سے اس نے دوسرا عقد بھی نہیں کیا۔'' لڑکی ذرا سانس لینے کو رکی پھر بولی۔

''میرا باپ خراب آدمی نہیں۔ وہ تجھے بی آرام سے رکھے گا۔'' شاید لڑکی نے طوبیٰ کے چہرے کے تاثرات پڑھ لیے تھے۔ وہ اسے اطمینان دلانے کی غرض سے بولی مگر طوبیٰ ذرا بھی مطمئن نہ ہوئی۔ بلکہ اسی خیال سے اس کا دل بیٹھنے لگا کہ اب وہ نہ معلوم کب تک ان لوگوں کی قید میں رہے گی۔

''تیرا چاچا اور کس جگہ رہتا اے؟'' لڑکی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

''مجھے اپنے چچا کا پتا معلوم ہوتا تو میں یوں در بدر ماری ماری کیوں پھرتی؟'' طوبیٰ آزردہ سی ہو کر بولی۔

''چل خیر اب سو جا۔ میرا ابا آئے گا تو تیرے چاچا کا پتا کرے گا۔ تو حیران نہ ہو۔'' لڑکی نے ہمدردانہ

لہجے میں گویا پھر اسے اطمینان دلایا مگر طوبیٰ کو بھلا اس کی طفل تسلیوں سے اطمینان ہوتا۔ اس نے بات کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے ابا تو یہیں ہوں گے نا؟''

''نئیں وہ تجھے ادھر چھوڑ کر کام پر چلا گیا اے۔ تین روز بعد واپس آئے گا۔ تب ام اس کو بولے گا تمہارے چاچا کا پتا کرنے کو۔'' لڑکی نے کہا۔ اسے جمائیوں پر جمائیاں آ رہی تھیں۔

''اتنی دیر ہوگئی مجھے یہاں آئے لیکن تم نے اب تک مجھے اپنا نام بھی نہیں بتایا۔'' لڑکی کے بار بار ایک ہی بات کہنے پر طوبیٰ نے بات گھمائی۔

''لے اب میرا نام ہی تجھے یاد نہیں۔ میرا نام شاہ گل ہے۔ شاہ گل!'' لڑکی بولی۔

''او ہاں ہاں... اب مجھے یاد آ گیا۔ تم حادثے کے وقت ہمارے ساتھ ڈبے میں ہی تھیں پھر وہاں سے کیسے نکلیں؟'' طوبیٰ نے اٹی بات کہہ کر سوال کیا۔

''میرے سر پر چوٹ لگی تھی۔ میرا باپ مجھے شفا خانے لے گیا تھا۔ تیرا نام گل رخ ہے نا؟'' شاہ گل نے پوچھا۔ تو طوبیٰ ایک دم ہی ہاں نہ کہہ سکی قدرے توقف کے بعد بجھے بجھے انداز میں بولی۔

''ہوں۔ یہی سمجھ لو۔''

''ہاں تم اپنے نام کی طرح خوبصورت ہے بالکل گل کی طرح نازک!'' لڑکی طوبیٰ کی طرف دیکھتے ستائش سے انداز میں مسکرا کر بولی مگر اس کی تعریف طوبیٰ کو ذرا نہ بھائی۔ یہ اس کا حسن تو اس کے لیے ایک عذاب بن گیا تھا۔ شاہ گل کو سخت نیند آ رہی تھی۔ اس نے ایک جمائی لے کر کہا۔

''اب سونا نہیں کیا گل رخ۔ اماری طرف غروب کا بعد سب سو جاتا ہے۔''

''ہاں ہاں... مجھے بھی سخت نیند آ رہی ہے تم بھی اب سو جاؤ۔'' طوبیٰ جس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ شاہ گل کے الٹے سیدھے سوالات سے اکتا کر بولی تو شاہ گل نے فوراً ہی دوسری طرف کی کروٹ اور کچھ ہی دیر بعد خراٹے لینے لگی مگر اس نے ریل کے سفر کی یاد دلا کر طوبیٰ کی بہت سی یادیں تازہ کر دی تھیں۔ اس پر جب سے وہ اس شخص کے چنگل میں پھنسی تھی اس پر ایک سہم سا سوار تھا۔ تھکن سے چور ہونے کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ لاہور سے آغا پور تک سفر کی تمام یادیں اس کی یادداشت کی سطح پر ابھر رہی تھیں کہ جب وہ اپنی والدہ کے ساتھ ٹرین میں سفر کر رہی تھی تو پنجاب ہی کے کسی علاقے کے ایک چھوٹے سے جنکشن پر ریل تھوڑی دیر رک کر آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ تب ہی شاہ گل بڑی عجلت اور پریشانی میں اسی سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں چڑھی تھی۔ جس میں یہ دونوں ماں بیٹیاں اور دو اور عورتیں سفر کر رہی تھیں۔ شاہ گل کے ساتھ کوئی سامان وغیرہ بھی نہ تھا۔ وہ جب سے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئی تھی ایک برتھ پر سمٹی بیٹھی تھی۔ ایک تو اس کے اچانک آ جانے کی وجہ سے کمپارٹمنٹ میں ایک بساندی پھیل گئی تھی اور اس پر وہ دونوں خواتین جو کسی کھاتے پیتے گھرانے کی معلوم ہوتی تھیں اسے دیکھ دیکھ کر ناک بھوں چڑھا رہی تھیں۔ دوسرے چند اسٹیشن گزر جانے کے بعد ایک بڑے جنکشن پر جب ٹرین رکی اور ٹی ٹی سب کے ٹکٹ چیک کرنے آیا تو معلوم ہوا کہ شاہ گل کا ٹکٹ اس کے باپ کے پاس تھا اور ٹی ٹی مشتبہ ہو کر اسے کہہ رہا تھا کہ وہ ریل سے اتر جائے مگر شاہ گل تھی کہ کسی طرح اترنے کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر عشرہ بیگم

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

نے اس پر ترس کھا کر اس کے ٹکٹ کے پیسے ٹی ٹی کے حوالے کر دیے اور اسے سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا۔ مگر شاہ گل تھی کہ روئے جا رہی تھی اس کا کہنا تھا کہ اس کا باپ اسی اسٹیشن پر رہ گیا ہے۔ جہاں سے وہ ٹرین میں سوار ہوئی تھی۔ بہرحال عشرہ بیگم نے اسے تسلی دلاسے دے کر کھانا کھلایا۔ رات پڑ گئی تھی۔ اس لیے اسے سمجھا بجھا کر سلا بھی دیا تھا۔

اگلی صبح شاہ گل بیدار بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ جسے طوبیٰ اس کا بھائی سمجھی تھی اسے ڈھونڈتا ہوا آ گیا تب کہیں جا کر اسے اطمینان ہوا۔ دوسری دونوں خواتین اگلے کسی اسٹیشن پر اتر گئی تھیں۔ اور ان کے جانے کے بعد اتفاق سے اس کمپارٹمنٹ میں کوئی دوسری سواری نہیں چڑھی تھی۔ شاہ گل تقریباً طوبیٰ کی ہم عمر ہی تھی۔ گو طوبیٰ کے مزاج میں فطرتاً بڑی تمکنت تھی اور شاہ گل ایک دم اجڈ سی لگ رہی تھی۔ اس کے باوجود بھی دونوں آپس میں خاصی گھل مل گئی تھیں شاہ گل نے ہی اسے بتایا تھا کہ وہ چارسدہ کے ایک دیہی علاقے میں اپنی خالہ کی سرپرستی میں پروان چڑھی ہے کیونکہ اس کی ماں اس کے بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھی۔ اور اس کا باپ اپنے کام کاج کی وجہ سے اچھی طرح اس کی پرورش اور دیکھ بھال نہیں کر سکتا تھا۔ اور اب وہ کئی سال بعد اپنے گھر جا رہی ہے۔ بس ان کے درمیان اسی قسم کی باتیں ہوئی تھیں۔ پھر دوسری رات شروع ہوئی تو دونوں اپنی اپنی جگہ پڑ کر سو گئی تھیں اور جب آنکھ کھلی تو دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ یعنی وہ اندوہناک حادثہ وقوع پذیر ہو گیا۔ جس نے دوسروں کے ساتھ اس کی ماں کی جان لے لی تھی اور وہ دوسری لڑکی جو کمپارٹمنٹ میں بے ہوش پڑی ملی تھی۔ وہ یہی شاہ گل تھی۔ اپنے دل آزار خیالوں سے نکل کر طوبیٰ نے قریب سوئی شاہ گل پر ایک نظر ڈالی جو بے غل و غش پڑی سو رہی تھی۔ کیسا بے فکری کا انداز تھا۔ جیسے کوئی غم ہو نہ غم روزگار۔ طوبیٰ کو اس پر بڑا رشک آیا۔ وہ بڑی دیر تک خاموش لیٹی اپنی بدقسمتی کا نوحہ کرتی رہی۔

حالات کچھ عجیب سی نوعیت اختیار کر گئے تھے۔ اور طوبیٰ کو گویا ہی دل پر جبر کر کے اس نئے ماحول میں رہنا پڑ رہا تھا۔ لیکن چونکہ یہ بھی ایک مجبوری تھی اور طوبیٰ فطرتاً خاصی سمجھدار تھی اس لیے اپنا مقدر سمجھ کر اس نے اس نئے ماحول سے بھی سمجھوتہ کر لیا۔ ماحول بھی بہت سادہ دنیاوی آسائشوں اور حرص و ریا سے پاک تھا۔ جہاں ایک لگے بندھے معمول کے مطابق زندگی بسر ہوتی تھی۔ طوبیٰ نے بھی اس ماحول میں خود کو بڑی حد تک ڈھال لیا تھا۔ یعنی وہ شاہ گل کے لباس کی وضع قطع کے کپڑے پہننے لگی تھی۔ اسی انداز میں بالوں کی مینڈھیاں گوندھ کر ان کی دو چوٹیاں بنا لیتی تھی۔ ادھ کچا گوشت اور گھانی پر سکی روٹیاں، موٹے موٹے نان اور مکئی کی گروا یا بعض ایسی سبزیاں جو...... دیکھنی تو کجا کبھی ان کا نام تک نہ سنا تھا اُسے زبردستی حلق سے اُتارنی پڑتیں چائے اور کافی کی جگہ دودھ اور لسی، وہ بھی زبیر خان اور شاہ گل کے انداز میں ایک سانس میں غٹاغٹ پی جاتی تھی۔ شاہ گل اور دلبر خاں کے ساتھ تو وہ گھل مل گئی تھی۔ زبیر خان گو پندرہ یا سولہ برس کا ہی تھا مگر مضبوط قوی اور چوڑی چکلی جسامت کا مالک تھا۔ بے حد شرمیلا اور بھولا بھالا سا۔ اپنی اسی سادہ مختصر اور محدود سی کائنات میں پلا بڑھا تھا۔ اس لیے اسے بات کرنے کا ڈھنگ بھی نہ آتا تھا۔ بس بات بات پر دانت نکال دیتا یا شرما جاتا۔ طوبیٰ کو وہ بے ضرر سا ہی لگتا تھا۔ البتہ اگر خدشہ تھا تو وہ دلبر خان کی طرف سے تھا جو پورے چھ روز بعد واپس آیا تھا۔

اس کوارٹر نما چھوٹے سے گھر میں...... چھوٹی سی انگنائی کی ایک سمت دو چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بنی ہوئی

تھیں اور ان کوٹھریوں اور کمرے کے درمیان ایک سائبان پڑا ہوا تھا۔ جہاں ایک جھلنگا سی چارپائی والے دلبر خاں یا تو بیٹھا رہتا تھا یا سوتا رہتا تھا۔ شاہ گل اور زبیر خاں اس سے بہت ڈرتے تھے اور جب سے وہ آیا تھا۔ دونوں ہی سہمے سہمے سے نظر آ رہے تھے اسی وجہ سے زبیر خاں گھر سے باہر نہیں نکلا تھا اور شاہ گل چپ چپ سی اپنا کام کرتی رہی تھی اور طوبیٰ تو ڈر کے مارے اندر ہی دُبکی رہی تھی۔ دلبر خاں صبح تڑکے ہی آیا تھا۔ اور بیشتر وقت سوتا ہی رہا تھا۔ سہ پہر ڈھلتے اُٹھا تو شاہ گل جلدی جلدی اس کا کھانا پروس کر اس کے پاس پہنچی۔ اور جب اسے کھانا کھلا کر واپس آئی تو طوبیٰ سے بولی۔

''میرا باپ مجھ پر سخت غصہ کرتا تھا یہ کھانا تو کیوں لائی۔''

''اچھا تو کیا تم نے اچھا کھانا نہیں پکایا تھا۔'' طوبیٰ سمجھی شاید اس سے سالن وغیرہ جل گیا ہے۔

''نہیں... کھانا تو ٹھیک تھا لیکن وہ تیری بات کرتا تھا کہتا تھا گل رخ کدھر ہے اسے کام پر لگاؤ۔'' شاہ گل کی سادگی سے کہی بات کا مفہوم سمجھ کر طوبیٰ کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین کھسک گئی۔ گویا وہ چاہتا ہے کہ میں...... اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''تو خاموش کیوں ہو گئی گل رُخ۔ کیا تجھے ابا کا کام کرنا اچھا نہیں لگتا۔؟'' شاہ گل نے طوبیٰ کے خوبصورت چہرے پر تردد کی لکیریں دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں نہیں۔'' طوبیٰ بری طرح اپنے پریشان خیالوں سے چونکی۔

''نہیں... بس وہ... وہ مجھے تمہارے ابا سے ڈر لگتا ہے۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی۔

''لیکن امارا باپ برا آدمی نہیں ہے۔ اور اگلا روز وہ کام پر چلا جائے گا۔'' شاہ گل بولی۔

''اور تم امارا اگر نہیں آ گئی اسے ابا کا خوف ہے تو بھی امارا ساتھ کام کرے۔''

طوبیٰ جس کے لیے یہ اطلاع کسی خوشخبری سے کم نہ تھی کہ دلبر خان اگلے روز چلا جائے گا۔ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''ہاں ہاں میں بھی اب تمہارے گھر کی ہی ایک فرد بن گئی ہوں۔ میں گھر کے سارے کام کیا کروں گی۔'' لیکن اس کے باوجود بھی طوبیٰ کو اس خیال نے دیر تک پریشان رکھا کہ وہ دلبر خان کا سامنا کیسے کرے گی۔ اور اگلا دن اس کے لیے بہت ہی پریشان کن ثابت ہوا تھا۔ ایک تو طوبیٰ کو کھانا پکانے میں شاہ گل کا ہاتھ بٹانا پڑا تھا اس پر دس بجے کے قریب وہ کھانا لے کر جس میں بھنا ہوا ادھ کچا گوشت اور شاہ گل کے تنور پر پکائے ہوئے موٹے موٹے سخت نان اور بغیر دودھ کی چائے شامل تھی۔ دلبر خان کے سامنے پہنچی تو وہ جو اپنی چارپائی پر بیٹھا اپنی پشاوری جوتی گانٹھ رہا تھا۔ اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے ایک نظر اسے دیکھا۔ اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو طوبیٰ نے اس کے پہلو میں چارپائی پر رکھ دیا تھا۔ طوبیٰ نے اسے کھانے کی طرف متوجہ دیکھ کر موقع غنیمت سمجھا اور پلٹ کر واپس جانے لگی تو دلبر خان اپنی کرخت آواز میں بولا۔

''اوئے گل رخ، ادر امارا بات سنو۔'' تو وہ جہاں تھی وہیں گڑ کر رہ گئی۔ ''تم اور کسی سے بات نہیں کرے گا۔ اپنا متعلق لی نہیں بتائے گا اور ادر امارا مکان میں رہے گا۔ بس اے امارا فیصلہ اے۔'' دلبر خان نے بڑے تنبیہی انداز میں کہا اور پھر سرہانے پڑی اپنی واسکٹ کے نیچے سے ایک خنجر نکال کر طوبیٰ کو دکھاتے ہوئے کہا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"تم نے کوئی شرارت کیا یا ادر سے بھاگا تو ام تم کو پہلے سے اُدر پہنچا دے گا۔ اَم تمہارا حلقوم کاٹ دے گا۔" گویا یہ دھمکانے اور ڈرانے کی انتہا تھی۔ طوبیٰ کی شہابی رنگت دھوئے کپڑے کی طرح سفید پڑ گئی۔ اور وہ سن سی کھڑی رہ گئی۔

"تم کام کرنے کی پریکٹس کرو۔ اِدر امارا طرف عورت بوہت کام کرتی۔" دلبر خان نے خنجر کو اس کی جگہ پر واپس رکھتے ہوئے پھر کہا اور پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اور ادھر طوبیٰ اپنے لرزتے کانپتے وجود کے ساتھ اس کوٹھڑی میں آ گئی جو باورچی خانے کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔

دلبر خان تو اسی روز شام کو اپنے کام پر واپس چلا گیا تھا۔ نہ معلوم کیا کام کرتا تھا وہ۔ شاہ گل نے اس کے کام کے متعلق طوبیٰ کو کچھ بتایا تھا نہ ہی طوبیٰ نے خود اس سے پوچھا۔ لیکن اس کے چلے جانے کے بعد بھی طوبیٰ کو اطمینان نہیں ہوا تھا۔ اصل میں وہ اس کی دھمکیوں سے اتنی خائف نہیں تھی جتنی اس خیال سے کہ اب نہ معلوم اسے کب تک یہاں قید ہو کر رہنا پڑے گا اور نہ معلوم کبھی چھٹکارا بھی ملے یا پوری زندگی یہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر گزارنی پڑے۔ ادھر دلبر خان کی سرخ سرخ اور پیلاہٹ مائل آنکھیں اسے ہر دم خوفزدہ کیا کرتیں۔ اور ادھر شاہ گل اور زبیر خان جو ہر دم اس کے سر پر سوار رہتے تھے۔ اس پر کڑی نگاہ رکھتے تھے نہ اپنے گھر میں کسی کو آنے دیتے اور نہ اسے باہر نکلنے کی اجازت ہی دیتے اور وہ ہر دم اپنے ہی پریشان خیالوں میں الجھی رہتی۔ اس کا تو کوئی گھر تھا نہ در ایک چچا کا دم تھا سو ان کے یہاں سے دھتکار دی گئی تھی۔ کبھی کبھی اس کے خیال بھٹک بھٹکا کر ذوالفقار کاسل کی طرف چلے جاتے تو اسے شہزادی شہوار یاد آ جاتیں۔ اور ان کی یاد آتے ہی وہ سوچتی اگر میں ان کے یہاں جا کر پناہ لوں تو؟ مگر دوسرے ہی لمحے وہ اپنے اس خیال پر خود کو ملامت کرتی۔ بُرے وقت میں تو سایہ بھی جدا ہو جاتا ہے۔ کجا کہ وہ لوگ جو میرے لیے بالکل غیر اور اجنبی ہیں نہ میں اگر اس بے سروسامانی کی حالت میں ان کے یہاں پناہ لینے کی کوشش کروں تو وہ مجھے اب پہچانیں گے نہیں۔ اور خود میری غیرت کیسے یہ گوارا کرے گی کہ میں انہیں اپنے ان ناگفتہ بہ حالات سے آگاہ کروں۔

اُف نہ جانے میری عقل اتنی ناکارہ کیوں ہو جاتی ہے جو میں اتنی غلط باتیں سوچنے لگتی ہوں اور کبھی بہت ہی رنجیدہ اور ملول ہوتی تو سوچ سوچ کر پچھتاتی کہ میں جیپ سے کود کیوں نہ گئی۔ اونچے نیچے راستے تھے۔ جا بجا کھڈ اور کھائیاں۔ اگر چھلانگ لگا دیتی تو کبھی کی اس بے درد دنیا سے کوچ کر چکی ہوتی۔ پھر تو کوئی غم رہتا نہ فکر نہ یوں در بدر ٹھوکریں کھانی پڑتیں۔ آہ میں نے کتنا سنہری موقع کھو دیا۔ جب کہ موت کی تلاش میں ہی میں سرگرداں تھی۔ پھر مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میری عقل کیوں مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ اب نہ معلوم یہ ظالم شخص مجھ سے کیا سلوک کرے۔ اور یہ میرے لیے کیا ارادے رکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے تو خباثت اور شیطانیت ہی برستی ہے۔ اُف میں کیسے ان بے سلاخوں والے زندان سے نکلوں اور کدھر جاؤں۔ اے کاش امی کے ساتھ ساتھ میرا بھی قصہ ختم ہو جاتا تو کم از کم اس قید و مذلت اور کانٹوں بھری زندگی سے تو نجات مل جاتی۔

وقت کا ان دیکھا پنچھی اپنی تیز اڑان کے ساتھ تیزی کے ساتھ اُڑ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دو ماہ کا عرصہ بھی گزر گیا تھا۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے طوبیٰ کے کسی نے بال و پر کاٹ کر رکھ دیے ہوں۔ وہ جس طرح بھی دلبر خان کی قید میں زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ اسی کا دل جانتا تھا۔ دلبر خان اب ہفتے

میں ایک بار آنے کے بجائے ہر چوتھے روز موجود ہوتا تھا گو وہ سارا دن سائبان کے نیچے بیٹھے یا لیٹے ہی گزارتا تھا بلکہ زبیر خان کے ساتھ رات کو سوتا بھی وہیں تھا۔ مگر طوبیٰ کو ہر دم اس کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا کیونکہ طوبیٰ جب بھی اس کے سامنے سے گزرتی یا اس کے سامنے آتی وہ ٹکٹکی باندھے اپنی سرخ سرخ اور حریص نظروں سے اسے دیکھتا رہتا تھا۔ شاہ گل خود بھی باپ کے رنگ ڈھنگ دیکھتی تھی مگر منہ سے بالکل خاموش تھی۔ اُس نے ایک بار بھی طوبیٰ سے باپ کے رویے کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔ البتہ کئی بار طوبیٰ کو اطمینان دلا چکی تھی کہ اس نے دلبر خان سے طوبیٰ کے چچا کا پتا چلانے کا مطالبہ کیا ہے مگر طوبیٰ اسے دم دلاسے پر محمول کرتی رہی اور پھر شاہ گل پر جو ہر دم اس کی کڑی نگرانی کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اڑوس پڑوس کی عورتوں کو بھی اس سے ملنے یا بات کرنے نہیں دیتی تھی وہ کیسے اعتماد کر سکتی تھی۔

وقت بھی کتنا بے ثبات اور بے غرض ہوتا ہے۔ کسی پر مصیبتوں اور آفتوں کے پہاڑ ہی کیوں نہ ٹوٹ پڑیں۔ کوئی جیے یا مرے یا پھر مر مر کر جیے۔ وہ اپنی بے نیازی اور بے ثباتی سے آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ طوبیٰ کو دلبر خان کے یہاں رہتے چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا اور یہ چھ ماہ اس کے لیے صدیوں سے کم نہ تھے۔ وہ اس زندان میں ایک طرح سے عمر قید ہی کاٹ رہی تھی۔ کم از کم اسے تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ اب زندگی بھر وہ اس قید سخت سے رہائی نہ پا سکے گی۔ اور اس کی یہ نئی زندگی تو جسم مجبوری اور بے چارگی بن کر رہ گئی تھی۔ اس لیے بھی اس نے اس اُجاڑ اور بے کیف ماحول سے کسی قدر سمجھوتہ کر لیا تھا۔

دلبر ایک خرانٹ اور شقی دل انسان تھا۔ وہ پڑوسیوں سے بھی نہ زیادہ خود ملتا اور نہ بیٹی کو ملنے دیتا تھا۔ اور جب سے طوبیٰ کو لایا تھا۔ شاہ گل کو سختی سے پڑوسیوں سے ملنے کی ممانعت کر دی تھی۔ جب بھی دلبر خان کی آمد متوقع ہوتی اس پر ایک ہم سا طاری ہو جاتا تھا اور جتنے دن بھی وہ گھر پر گزارتا تھا اس کی جان پر بنی رہتی تھی۔ مگر اس مرتبہ دلبر خان گھر آیا تو کچھ اتنی عجلت اور گھبراہٹ میں تھا کہ آتے ہی اپنا بوریا بستر باندھا اور لباس وغیرہ تبدیل کر کے واپس چلا گیا۔ اصل میں وہ کسی رئیس کی زمینوں کی رکھوالی کرتا تھا۔ اور اسی رئیس نے زمینوں کا حساب لینے کی غرض سے اسے اپنی اقامت گاہ پر بلایا تھا اور چونکہ اسے بس سے جانا پڑ رہا تھا۔ اس لیے وہ اپنی جیپ بھی گھر ہی چھوڑ گیا تھا۔ اور یہ بات شاہ گل نے طوبیٰ کو بتائی تھی۔ دونوں بہن بھائی باپ کے جیپ چھوڑ کر چلے جانے پر بہت خوش تھے۔ زبیر خان اندھیرے اُجالے ہر وقت جیپ لیے ادھر ادھر گھومتا پھرتا تھا۔ اور اس بات پر شاہ گل اس سے بہت لڑتی تھی کہ وہ اسے کیوں نہیں لے جاتا۔ آخر ایک دن زبیر خان ان دونوں کو سیر کرانے کی غرض سے تورم خیل کی اس سرسبز شاداب وادی میں لے گیا۔ جو پہاڑ کے دامن میں واقع تھی۔ اور قدرتی حسین مناظر سے بنی پڑی تھی۔ پہاڑ کی ترائیوں میں دور تک پھیلے ہوئے جنگلات' شفاف قل قل کرتے چشموں کا آب رواں' نیچے میدانی علاقے میں پھیلے کھیت روح تک کو تر و تازہ کرتے لگ رہے تھے۔ جیپ سے اتر کر یہ تینوں کافی دیر تک ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہے پھر زبیر خان ان سے واپس چلنے کا تقاضا کرنے لگا۔ صرف دو تین گھنٹے تو ہوئے تھے انہیں آئے، شاہ گل ابھی جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ زبیر خان جب اس پر بگڑنے لگا تو اس نے اس سے کہا۔ "تم جیپ میں جا کر بیٹھو ہم دونوں پانی پی کر ابھی آتے ہیں۔" اور زبیر خان چونکہ جلدی میں تھا اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں اس کا باپ واپس نہ آ گیا ہو۔ اس لیے چپ چاپ جیپ میں جا بیٹھا۔ اور شاہ گل ہنستی ہوئی طوبیٰ کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

"آؤ چشمے سے پانی پی کر آتے ہیں۔" اصل میں تو زبیر خان کو دق کرنے کے لیے وہ اس سے چھپنا چاہ رہی تھی۔ دونوں چشمے پر آ گئیں شاہ گل پانی پینے لگی تو طوبیٰ کو بھی شرارت سوجھی۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے سرکی اور شاہ گل کو آواز دے کر سرپٹ بھاگنے لگی۔ شاہ گل نے اسے بھاگتے دیکھا تو خود بھی اس کا پیچھا کرنے لگی۔ مگر چونکہ وہ بہت آگے نکل آئی تھی اور بار بار پیچھے مڑ کر شاہ گل کو دیکھ رہی تھی۔ کہ کسی سے اس بری طرح ٹکرائی کہ سارا جسم ٹوٹ کر ہی رہ گیا۔ گرنے کو تھی کہ ٹکرا جانے والے نے اسے اپنی مضبوط گرفت میں تھام لیا اور اس کی جان ہی تو نکل گئی۔ ڈر کے مارے کچھ دیر اس کی طرف دیکھا بھی نہ جا سکا۔ مگر جب اس پر نگاہ پڑی تو یوں محسوس ہوا جیسے وزنی سلیں اس کے سر پر آ گری ہوں۔ اپنی بصارت پر یقین ہی نہ آیا۔ تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی اور تصویر حیرت بنی اسے دیکھتی رہ گئی۔ اور وہ بھی استعجاب اور بے یقینی کے چٹکھاڑتے اور کف اڑاتے بحر میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اور ابھی یہ پہچان لفظ..... "آپ" سے آگے نہ بڑھی تھی کہ کہیں قریب ہی سے شاہ گل نے اسے آواز دی تو وہ سر پر پیر رکھ کر ایسی بھاگی کہ اس کو کچھ بھی سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا ادھر زبیر جیپ میں بیٹھا ہارن پر ہارن دے رہا تھا وہ شاہ گل کا ہاتھ پکڑ کر جیپ کی طرف بھاگی دونوں کے جیپ میں بیٹھتے ہی زبیر خان نے جیپ اسٹارٹ کی اور گھر روانہ ہو گیا۔

طوبیٰ اپنے زندان میں واپس آئی تو ایسی لٹی لٹی اور اجڑی اجڑی جیسے کسی نے اس کا سب کچھ چھین لیا ہو۔ شہریار اسے اس قدر غیر متوقع ملے بھی تھے۔ تو بھلا کہاں اور کن حالات میں کہ وہ ان پر اپنی اصلیت بھی نہ جتا سکی تھی۔ بلکہ اس ڈر سے کہ کہیں سچ مچ وہ اسے پہچان نہ پائیں۔ وہ ان سے بچ کر بھاگ آئی تھی ان کے تو یہاں وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ میں اس روپ میں بھی ان سے مل سکتی ہوں۔ ہونہہ بھلا کہاں میجر کی بھتیجی اور کہاں گل رخ مجھے اس روپ میں دیکھ کر تو وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کی آنکھیں دھوکہ کھا گئی ہیں۔ وہ دل میں سوچتی۔ مگر دل تو ہر شے سے اُچاٹ ہو گیا تھا۔ اکتا گیا تھا۔ اپنی ہستی ایک بوجھ کی طرح لگنے لگی تھی۔ یوں جیسے شہریار اس کے دل سے جینے کی لگن بھی چھین کر لے گئے ہوں۔ وہی شہریار جو پہلی نظر میں اس کے من کو بھا گئے تھے۔ جو اس کے دل کے بند دریچوں پر دستک دینے والے پہلے مرد تھے۔ اور جنہیں خود اپنے سے بھی چھپ کر وہ چاہتی چلی آ رہی تھی۔

کیونکہ وہ آسمان پر چمکنے والے چاند تھے۔

اور ان کے مقابلے میں وہ ایک ذرہ خاک کی مانند تھی۔

بے وقعت اور بے حقیقت۔

بے کس، بے بس اور بے یار و مددگار۔

وہ اس چاند کو پکڑنے کی تو کیا، دیکھنے کی بھی تمنا نہ کر سکتی تھی۔ لیکن تھی تو انسان ہی۔ اس کے سینے میں امنگوں اور ارمانوں بھرا نہ سہی ایک دھڑکتا ہوا دل ضرور تھا۔ جو ایک مرد کی چاہت سے معمور تھا۔ لبریز تھا۔

اور دل تو ایک نگار خانہ ہے۔

اس نگار خانہ دل میں اچھے، بُرے، قیمتی، سستے، بھدے، خوبصورت، کسی بھی رنگ سے رنگ آمیزی کی جا سکتی ہے۔ اور پھر دل پر کسے اختیار ہوتا ہے۔ وہ تو اپنی خواہشوں اور تقاضوں سے انسان کو اپنا مطیع

بنا دیتا ہے۔ طوبیٰ اگر چاند کو پکڑنے یا دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتی تھی تو چاند کا تصور اپنے خیالات میں سجانے کی مجاز تو تھی انسان کے دل اور خیالات کو تو کوئی پابند نہیں کر سکتا۔ البتہ وہ خود اپنی روایتوں اور رواجوں کا پابند ہوتا ہے۔ جیسے کہ طوبیٰ تھی۔ جس کے خوش رنگ تخیلات اسے فلک کی بلندیوں سے بھی آگے اڑا کر لے جاتے تھے۔ نہ جانے کہاں کہاں بھٹکاتے تھے۔ مگر جب اپنی بے بسی اور حالات پر نظر پڑتی تو اس کے تخیلات کے پرندے کے پر کٹ جاتے اور وہ دھڑام سے پستیوں میں آ گرتی۔ مگر اب تو دل کچھ ایسا واہی ہو گیا تھا کہ دلبر خان کے چھوٹے سے گھر میں اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کسی طرح یہاں سے نکل کر بھاگ جائے مگر راہیں تو ساری مسدود ہو چکی تھیں۔ ایک نہیں دو دو پہرے دار اس کی کڑی نگرانی کرتے نظر آتے تھے حتیٰ کہ رات کو زبیر خان کمرے کے دروازے کی باہر سے کنڈی لگا کر سوتا تھا۔ دن کو شاہ گل سائے کی طرح ساتھ ساتھ ہولی تھی۔

گلابی جاڑا شروع ہو گیا تھا۔ اور خون کو منجمد کر دینے والی ہوائیں برف پوش پہاڑوں سے آہستہ آہستہ وادی تورم خیل کی طرف کوچ کر رہی تھیں۔ گرم ملکوں کی طرف کوچ کرنے والے چرند اور پرند ایک ایک کر کے نظروں سے معدوم ہوتے جا رہے تھے موسم کی چیرہ دستی نے سرسبز اور شاداب درختوں اور پودوں کا سارا حسن چھین لیا تھا۔ دلبر خان یوں تو اپنے معمول کے مطابق آتا اور جاتا ہی رہتا تھا مگر جتنے دن بھی وہ گھر پر رہتا۔ طوبیٰ کی جان سولی پر چڑھی رہتی تھی۔ اور جب وہ چلا جاتا، تب بھی طوبیٰ پر ایک سہم سا سوار رہتا۔ لیکن اس مرتبہ جب دلبر خان اپنے کام سے واپس آیا تو جیسے گھر کا ہی ہو کر رہ گیا جبکہ طوبیٰ سمجھ رہی تھی کہ وہ حسب سابق جلد ہی اپنے کام پر واپس چلا جائے گا مگر پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے گھر میں رہتے۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اب کام پر ہی نہ جائے گا۔ اسی طرح اپنی کھاٹ سائبان کے نیچے ڈالے وہ سارا دن بیٹھا یا لیٹا ہی نظر آتا تھا۔ بہت ہوتا تو شام کو تھوڑی سی دیر باہر کا چکر لگا کر آ جاتا۔ اسی طرح اپنی سرخ سرخ ڈراؤنی آنکھوں سے طوبیٰ کو دیکھتا رہتا۔ اگر طوبیٰ کمرے یا اس کوٹھری نما باورچی خانے میں بھی ہوتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے دلبر خان کی خونی نظریں دیواروں کو کاٹ کر اس کے جسم میں پیوست ہو رہی ہیں۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرتی کہ دلبر خان کسی طرح جلد سے جلد چلا جائے مگر ایک دن۔ رات کو برابر برابر چارپائی پر لیٹنے کے بعد شاہ گل بولی۔

"پتا بھی ہے اتا اس بار لمبی چھٹی لے کر کیوں آیا ہے؟" تو اس کے پاس لیٹی طوبیٰ کا دل کسی انجانے سے خوف سے دھک دھک کرنے لگا۔ شاہ گل کا لہجہ بھی تو کچھ رازدارانہ سا تھا۔ وہ ڈوبتی سی آواز میں بولی۔

"نہیں بھلا مجھے کیا پتا۔" تو شاہ گل آہستہ سے ہنس کر بولی۔

"وہ امارہ رشتہ پکا کر کے آیا ہے۔"

"اچھا، مگر کس سے؟" طوبیٰ نے پست سے لہجے میں پوچھا۔

"لے تجھے اے بھی پتا نہیں۔ وہ اماری خالہ کا لڑکا ہے۔ جب ام چھوٹی سی ہوتی تھی نا تب امارا اس کا ساتھ رشتہ ہو گیا تھا۔"

"اچھا..... مگر اس کا نام کیا ہے؟" طوبیٰ نے پوچھا شاہ گل کچھ دیر خاموش رہی پھر کچھ شرمیلے سے انداز میں بولی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

''اس کا نام اقبال خان ہے۔ وہ کراچی میں میوے کا تجارت کرتا ہے۔''

''لیکن تُو تو کہہ رہی تھی کہ تیرا رشتہ بچپن میں ہی اس سے طے ہو گیا تھا پھر اب تیرا باپ...'' طوبیٰ نے کہنا چاہا تو شاہ گل ہنسنے لگی۔

''ابا تو ہمارا شادی کا تاریخ مقرر کر کے آیا۔ اے اور ہماری طرف لڑکے کے گھر سے شادی کا دن بتایا جاتا اے۔ اقبال خان کا باپ نے ابا کو بولا اے اگلا چاند جب دس روز اوپر چڑھ جائے گا۔ تب میری خالہ اور آئے گی اقبال خان بھی آئے گا۔ شادی کے واسطے۔'' اور طوبیٰ کے پیروں سے زمین کھسک گئی۔

''پھر تو تُو یہاں سے چلی جائے گی؟'' اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''ہاں تو اور ہی رہے گی کیا؟'' گل ہنس کر بولی۔ اور چاہنے کے باوجود طوبیٰ اس سے نہ پوچھ سکی کہ تیرے جانے کے بعد اس گھر میں میں تنہا کیسے رہ سکوں گی؟ شاہ گل کو خود ہی احساس ہوا تو اس نے کہا۔

''ابا نے تمہارے چاچا کا پتا کیا تھا۔ لیکن تمہارے چاچا کا گھر اسے ملا ہی نہیں۔'' طوبیٰ اس کی بات کا کیا جواب دیتی۔ جبکہ اسے معلوم تھا کہ محض اسے بہلاوا دینے کو شاہ گل جھوٹ بول رہی ہے اور اس کی خاموشی پر شاہ گل نے اوندھی ہو کر کہنیوں کے سہارے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تو اور تنہا رہنے کے خیال سے پریشان اے نا۔'' مگر طوبیٰ نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کے پاس شاہ گل کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا بلکہ اس لیے کہ شاہ گل سے کچھ کہنا وہ فضول سمجھتی تھی۔

''سن!'' شاہ گل نے بڑے رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی۔

''تم فکر نہ کرو، زبیر خان تیری حفاظت کرے گا۔ اما سے بول دوں گی۔''

طوبیٰ نے پھر بھی کوئی تاثر نہ دکھایا۔ تو شاہ گل کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولی۔

''زبیر خان تجھے میری جیسی بہن سمجھتا اے۔ وہ کسی کو تیری طرف دیکھنے بھی نہ دے گا۔''

''کیا تمہارے باپ دلبر خان کو بھی نہیں؟'' طوبیٰ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھا۔ تو شاہ گل سٹپٹا گئی۔ پھر بڑی قطعیت سے بولی۔

''ہاں اس کو بھی نہیں۔ اما ابا پ کو بھی نہیں۔''

''یہ اگر دلبر خان کی بیٹی کا وعدہ ہے تو میں اس پر کیسے یقین کر لوں۔ تجھے شاید یاد ہو کہ ایک بار پہلے بھی تُو نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا مگر تیرے باپ نے تجھے جھڑک کر تیری زبان بند کر دی تھی۔ تو بھی میری طرح مجبور ہے شاہ گل۔ کیونکہ دنیا کی ہر لڑکی تقریباً مجبور ہی ہوتی ہے۔'' طوبیٰ لیٹے لیٹے ایک دم ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور اس کی دیکھا دیکھی شاہ گل بھی کہنیوں کا سہارا چھوڑ کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی پلکیں بار ندامت سے جھک گئی تھیں۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں طوبیٰ اس کے چہرے پر پھیلے ہر تاثر کو بڑی آسانی سے دیکھ سکتی تھی۔

''تم ہی سوچو شاہ گل تمہارے جانے کے بعد تمہارا بھولا بھالا کمسن بھائی تمہارے سخت گیر باپ کے سامنے کہاں تک ٹھہر سکے گا۔ کیونکر اس کا مقابلہ کر سکے گا؟'' شاہ گل اس سے نظر ملا کر بات کرنے کے قابل نہ رہی تھی۔ وہ خواہ کتنی بھی جاہل اور کم عقل تھی مگر تھی تو ایک لڑکی ہی۔ جو اپنے دل میں اس

خوبصورت سی بے بس اور لاوارث لڑکی کے لیے تھوڑے ہمدردی کے جذبات رکھتی تھی۔ طوبیٰ کی حقیقت سے پُر باتوں نے اسے قائل ہی نہیں گنگ سا کر کے رکھ دیا تھا اور اُس کی خاموشی سے ہی طوبیٰ کو کچھ ہمت بندھی تو اس نے کہا۔

''سنو شاہ گل۔ تمہیں اگر میرا اتنا ہی خیال ہے تو پھر مجھے آزاد کر دو۔ دیکھو تم ہی سوچو، تم چلی جاؤ گی تو پھر میں یہاں.....'' مگر شاہ گل نے اس کا فقرہ بھی پورا نہ ہونے دیا۔

''نئی نئی ایسا نہیں کرتا۔ وہ مجھے قتل کر دے گا تو اور سے جانے کا نہ سوچ گل رُخ۔ وہ تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔'' شاہ گل اس طرح خوفزدہ ہو کر بولی۔ جیسے اس کا باپ اسے قتل کرنے کی غرض سے اس کے سر پر کھڑا ہو۔

''اچھا ٹھیک ہے اگر میری موت یونہی تمہارے باپ کے ہاتھوں لکھی ہے تو میں اب کبھی کچھ نہ کہوں گی۔'' طوبیٰ نے مایوسیوں میں گھر کر بڑی یاسیت سے کہا۔ مگر شاہ گل اس کے فقرے کا مفہوم بالکل نہ سمجھ سکی۔ بلکہ اسے تسلیاں دیتی ہوئی اٹھی اور لالٹین گل کر کے واپس چارپائی پر آ کر لیٹ گئی۔ شاید اس کے پاس طوبیٰ کو مزید دلاسہ دینے کے الفاظ باقی نہ رہے تھے اسی لیے منہ ڈھانپ کر جلد ہی سو گئی۔ مگر طوبیٰ کو بڑی دیر تک نیند نہیں آئی۔ وہ اپنی یہاں سے رہائی کے منصوبے بناتی اور بگاڑتی رہی۔ اس کا دل تو اس زندان میں کبھی لگا ہی نہ تھا۔ بس ایک مجبوری کے تحت ہی رہی تھی کہ اسے ظالم شخص نے مقید کر لیا تھا۔ لیکن شہریار کو دیکھنے کے بعد سے تو اس کا دل ایسا اداس ہوا تھا کہ وہ ہمہ وقت یہاں سے فرار ہونے کی تدبیریں سوچتی رہتی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے چاند کی چوتھی تاریخ بھی ہو گئی۔ شاہ گل اپنے اسی دیسی حساب سے ایک ایک دن پوروں پر گن رہی تھی۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ ہر دم ہنستی کھلکھلاتی ہی نظر آتی تھی۔ دلبر خان بھی دو تین روز سے کہیں گیا ہوا تھا۔ اور چونکہ شاہ گل کے بیاہ میں اب چند روز ہی رہ گئے تھے۔ اس لیے اڑوس پڑوس کی عورتیں اس کے یہاں جمع ہو کر دوپہر کو بڑا ہلڑ مچاتی تھیں۔ گو یہ بستی آٹھ کوارٹروں پر اور چند کچے مکانوں پر مشتمل تھی۔ اس کے باوجود بھی دلبر خان کے گھر میں عورتوں اور بچوں کی خاصی تعداد جمع ہو جاتی تھی۔ اور ان کی آمد کی وجہ سے اگر دروازہ کھلا بھی رہتا تو اس پر زبیر خان محلے کے لڑکوں کے ساتھ تعینات رہتا تھا۔

شاہ گل اس کی طرف سے کھٹک گئی تھی۔ شاید اس وجہ سے ہی..... ایک منٹ کو بھی اسے اپنے پاس سے ہلنے نہ دیتی تھی۔ ویسے طوبیٰ نے بھی اب تک فرار کا منصوبہ نہیں بنایا تھا۔ شاید وہ اپنے فرار کے معاملے میں غفلت برت رہی تھی یا پھر ہمت و حوصلہ ہار بیٹھی تھی۔

اس روز جب چاند کی چھٹی تاریخ تھی ڈھلتی سہ پہر میں پورے ایک ہفتہ بعد دلبر خان پھر واپس آ گیا تھا۔ وہ شاہ گل کے جہیز کے لیے کچھ سامان خریدنے گیا تھا۔ اس لیے دونوں بہن بھائیوں کو اس کا شدت سے انتظار تھا۔ وہ واپس آیا تو دونوں کی جیسے عید ہو گئی۔ وہ ٹین کی ہلکی چادر کا نیلے رنگ کا روغن شدہ بکس جس پر رنگ برنگے پھول پڑے تھے شاہ گل کے لیے لایا۔ اور شاہ گل خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ باپ کے ہاتھ سے بکس لے کر اندر کمرے میں آ گئی تھی۔ اور ایک ایک چیز کو بڑے ذوق و شوق سے کھول کھول کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے طوبیٰ کو اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ سامان ہی کیا تھا۔ کل چار

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

عدد شوخ وشنگ اور گنوار رنگ کے کپڑوں کے جوڑے، گلٹ پر چاندی کا ملمع چڑھے چند زیورات۔ المونیم اور دیسی چینی کے چند برتن، سر میں لگانے کا تیل، پیتل کی سرمہ دانی، دو پرانے سینگ کی ایک کنگھی اور ایک عدد چھوٹا سا گھٹیا قسم کا آئینہ۔ بس یہی کل اشیاء تھیں جو بکس سے برآمد ہوئی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر شاہ گل کی کھلتی ہوئی گندمی رنگت خوشی سے سُرخ ہو رہی تھی۔ وہ ساری چیزوں کو اپنے اردگرد پھیلائے، ایک ایک چیز طوبیٰ کو دکھا رہی تھی کہ پیچھے سے دلبر خان نے اچانک آ کر اپنی کرخت آواز میں اسے مخاطب کیا۔

''اوے گل رخ۔ اے ام تمارا واسطے لایا اے۔'' اور طوبیٰ نے ڈبل کر پیچھے دیکھا وہ ایک چنری نما سُرخ اوڑھنی جس پر چمکی (سنہری مسالہ) لگی ہوئی تھی ہاتھ میں لیے بڑی خباثت سے مسکرا رہا تھا۔

شاہ گل جواب تک اپنی چیزوں میں مگن تھی۔ سر گھما کر پہلے اوڑھنی پر نظر ڈالی اور پھر باپ کی طرف دیکھا۔ جس کی حریص سی نظریں طوبیٰ پر مرکوز تھیں۔ شاہ گل کو یہ انداز ذرا بھی نہ بھایا۔ وہ سب کچھ بھول کر باپ کو دیکھنے لگی۔ بیٹی کو اپنی طرف متوجہ پا کر دلبر خان نے ہنستے ہوئے زرد پڑتی طوبیٰ سے کہا۔

''اٹو! اس کو ایسا کر کے دکاؤ۔'' اس نے ہاتھ سے اس اوڑھنی کو اوڑھ کر دکھانے کا اشارہ کیا... مگر طوبیٰ جیسے اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی تھی۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ دلبر خان نے اس کی اس خاموشی سے فائدہ اٹھایا اور خود بڑھ کر اوڑھنی طوبیٰ پر ڈال دی۔ اور بکس کے دوسری طرف عین اس کے سامنے آ کر اسے دیکھا اور عجیب بھونڈے سے انداز میں ہنسنے لگا۔

اور مارے سہم کے طوبیٰ کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بڑے وحشت زدہ انداز میں ایک بے بسی شامل کر کے شاہ گل کی طرف دیکھا جو باپ کی طرف متوجہ تھی۔ پھر جونہی اس کی نظریں طوبیٰ کی نظر سے ملیں وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور وہ اوڑھنی طوبیٰ کے سر سے اتار کر اپنے اوپر ڈالتے ہوئے باپ سے مخاطب ہو کر اپنی کھڑی کھڑی اردو میں بولی۔

''دیکھو بابا یہ امارا اوپر بھی تو سجتا اے نا۔ ام بی تو گل رخ کے جیسا اے۔ ام تمارا دختر ہے اے نا۔'' اتنی سرعت سے دوپٹہ اوڑھنے کی حرکت کے ساتھ وہ یہ فقرے کہہ گئی تھی کہ تھوڑی دیر کو تو دلبر خان سناٹے میں آ گیا۔ جوان بیٹی نے کتنی سادگی اور سادہ لوحی سے باپ کو اس کی ڈھلتی ہوئی عمر کا احساس دلایا تھا۔ بامعنی دیگر وہ اپنے الہڑپنے میں بھی باپ پر کتنی خوبصورتی سے چوٹ کر گئی تھی۔ جس کا دلبر خان اس سے متوقع نہیں ہو سکتا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد عقاب کی طرح بیٹی پر جھپٹا اور اس کے سر سے اوڑھنی گھسیٹ کر پھر طوبیٰ پر ڈال دی۔ اور بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا۔ وہ اپنی زبان میں اسے نہ معلوم کیا کیا کہہ رہا تھا۔

اس کی آواز میں آگ اگلتی توپوں کی گھن گرج تھی۔ اور شاہ گل کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں سی نکل رہی تھیں۔ طوبیٰ جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ دلبر خان باہر جا کر بھی برابر گرج اور کڑک رہا تھا۔ گو طوبیٰ اس کی زبان سے ناواقف تھی۔ اور اس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑ رہا تھا مگر دلبر خان کا دھمکیاں دینے کا انداز اور تیورا سے بہت کچھ سمجھا گئے تھے۔

اور طوبیٰ کو خطرے کی بُو بہت قریب سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ دماغ میں بھی گھن گھن سی ہو رہی تھی۔ اور آنکھوں کے آگے تاریکی کی سیاہ چادر سی تنی نظر آ رہی تھی۔ اسے اس دنیا میں ایک شاہ گل ہی

اپنی ہمدرد اور خیر خواہ نظر آ رہی تھی۔ مگر ایک تو وہ بھی اس کی طرح سخت مجبور تھی۔ دوسرے اس زندان میں آ کر طوبیٰ نے اپنے خودی کے جذبے کو بھی گہری نیند سلا دیا تھا۔

وہ اپنے اوپر پڑی ہر افتاد کا تمام تر ذمہ دار اپنی قسمت کو ہی سمجھنے لگی تھی۔ اس لیے کسی کی ہمدردی بھی اسے سخت گراں گزرتی تھی..... اس کے خیال میں ہمدردی کا مستحق وہ انسان ہوتا تھا۔ جس کی خوشحال اور فارغ البال زندگی میں اچانک کوئی افتاد آ پڑی ہو یا وہ کسی ناگہانی آفت کا شکار ہو گیا ہو۔

مگر جس کی قسمت میں دردر کی ٹھوکریں ہی لکھی ہوں۔ ذلت اور خواری رقم کر دی گئی ہو اور پیدا ہی اسی غرض سے کیا گیا ہو کہ دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرے۔ اس سے کوئی ہمدردی کرنا حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور اپنے انہی خیالات کی وجہ سے وہ عدم اعتمادی کا شکار ہو گئی تھی۔ اور اب تک دم بخود سی اپنی جگہ پر بیٹھی تھی کہ شاہ گل اپنے آنسو پونچھتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

اور طوبیٰ کے نزدیک آ کر اس نے طوبیٰ کے گرد فرش پر پڑی وہ سُرخ اوڑھنی اٹھائی اور اس کا گولا سا بنا کر اسے بڑی حقارت سے دور پھینکتے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی۔ اور پھر طوبیٰ کے پاس فرش پر بیٹھ کر اپنے جہیز کی چیزیں سمیٹنے لگی وہ اب بھی آہستہ آہستہ سسکیاں لے رہی تھی۔ مگر طوبیٰ نے اس کی کسی بات کا ذرا سا بھی نوٹس نہیں لیا۔ البتہ اس کی چیزیں قرینے سے بکس میں رکھنے میں اس کی مدد کرنے لگی۔ تب شاہ گل نے اس سے کہا۔

''تم ام سے کس وجہ سے ناراض ہوتی گل رخ۔ دیکھو اور تمارا واسطے ابا نے مار کایا ہے۔''

تب بھی طوبیٰ خاموش ہی رہی۔ بھلا کہتی بھی کیا وہ بھی جانتی تھی کہ شاہ گل اس سے بھی زیادہ مجبور ہے۔ شاہ گل تھوڑی دیر تک اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد بولی۔

''دیکھو گل رخ ام کیا کر سکتی اے ابا کہتا اے تمہارا کوئی نہیں۔ وہ تم کو اور اپنا پاس رکھنا چاتا اے۔''

شاہ گل نے تھوڑی دیر توقف کیا اور پھر کہنے لگی۔

''تم اور بوت خوش رہے گی امارا سے بھی زیادہ۔'' اور تب طوبیٰ نے سخت بیزار کن لہجے میں اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میرے نزدیک خوشی اور غم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ شاہ گل میں ہر ماحول میں رہنے کی عادی ہوں۔'' اور شاہ گل اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ اپنا بکس بند کر کے کمرے کے ایک کونے میں رکھا اور باہر نکل گئی۔ باہر اب سناٹا پڑا تھا۔

دلبر خان شاید باہر چلا گیا تھا۔ پورے گھر پر ایک ایسی خاموشی مسلط تھی جھٹپٹے کا وقت ہو چلا تھا۔ اور طوبیٰ اب تک چارپائی پر پڑی نہ معلوم کیا سوچ رہی تھی۔ ایک دم ہی کسی خیال کے تحت اٹھی۔ باہر جھانک کر دیکھا۔ باہر سناٹا پڑا تھا اور سامنے ہی باورچی خانے میں شاہ گل روٹیاں پکا رہی تھی۔ تب وہ جلدی سے کمرے میں پلٹی چارپائی آہستہ سے کھسکا کر اپنے بکس کا تالا کھولا اور اس میں سے جلد جلد چند ضروری چیزیں نکالیں۔ جن میں ایک ساڑھی، ایک نیم گرم چادر، اور ایک پوٹلی بھی شامل تھی۔ اور اسی سرعت سے بکس کو مقفل کر کے پہلے چارپائی کو اس کی جگہ پر رکھا۔ پھر وہ ساری چیزیں چادر میں لپیٹ کر پلنگ کے نیچے پائے کے پاس رکھ دیں۔ کمرے میں اب خاصی تاریکی پھیل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد شاہ گل اس کا اور اپنا کھانا لے کر آ گئی۔ اندھیرا بہت ہو رہا تھا۔ اس لیے طوبیٰ نے اس سے پوچھا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''آج تم نے لالٹین نہیں جلائی؟'' تو پہلے تو وہ کچھ سٹپٹائی پھر آہستہ سے بولی۔

''نہیں لال مین۔ ابا اپنے سات لے گیا ہے۔'' جواب بے حد مختصر تھا اور بے حد بے ربط سا۔ طوبیٰ کا ماتھا ٹھنکا ویسے بھی شاہ گل بڑی سراسیمہ سی نظر آ رہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر کہہ نہ پا رہی ہو۔ شام بھی آہستہ آہستہ رات کی سیاہیوں میں حلول ہوتی جا رہی تھی۔

دلبر خان اور زبیر خان اب تک واپس نہیں آئے تھے۔ شاہ گل سرِ شام ہی سو جانے کی عادی تھی۔ مگر اس روز دیر تک جاگتی رہی تھی۔ اس کا وہ شوق، لگن اور خوشی بھی کافور ہو چکی تھی۔ جو اپنے جہیز کا سامان دیکھ کر اسے ہوئی تھی۔ آخر کچھ دیر سے ہی سہی اسے نیند آ گئی۔ مگر طوبیٰ پر تو ایک انجانا سا خوف مسلط تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اس کی چھٹی حس بار بار اسے کسی خطرے کا احساس دلا رہی ہو۔ اس سے لیٹنا بھی نہیں گیا تھا۔ شاہ گل کے سوتے ہی وہ آہستہ سے اٹھ کر فرش پر بچھے اس چھوٹے سے بورے پر آ بیٹھی تھی۔ جو شاہ گل نے اپنا سامان رکھنے کے لیے بچھایا تھا۔ گو رات کا پہلا پہر شروع ہی ہوا تھا۔ مگر اس ویران سی بستی میں تو دن کے وقت.... الو بولتا تھا۔ اس پر ان دنوں چاند کی راتیں بھی نہ تھیں۔ کمرے میں بھی اس وقت گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور اپنے پریشان خیالوں میں غلطاں اور پیچاں طوبیٰ کی کچھ دیر کو آنکھ ہی لگی تھی کہ کسی عجیب سے وحشتناک احساس نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ فضا میں بھی ایک پراسراری سنسناہٹ دینے والی تحریک رچی تھی۔ وہ چوکنا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دروازہ کھلا تھا اور دہلیز پر ایک قد آدم ہیولا کھڑا تھا۔ کون ہو سکتا تھا۔ یہ.....؟ طوبیٰ کو سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ خوف سے رکتی دھڑکنوں کے ساتھ آنکھیں پھاڑ کر وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اور اسی دم اس ہیولے میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور وہ چارپائی کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ دروازے سے چارپائی تک کا فاصلہ ہی کتنا تھا۔ یہی کوئی ڈھائی تین گز، مگر اس کی رفتار بہت دھیمی اور محتاط تھی۔ یوں جیسے ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھ رہا ہو۔ گھڑی بھر کو تو طوبیٰ سے خوف و دہشت کے مارے سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ مگر پھر اس نے فوراً ہی اپنے معطل ہوتے حواس یکجا کیے۔ ہاتھ بڑھا کر نہایت پھرتی سے چارپائی کے پائے کے پاس رکھا اپنا سامان اٹھایا اور گھٹنوں کے بل رینگتی ہوئی دیوار سے لگی لگی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

اس اثناء میں وہ ہیولا چارپائی کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کے پاس ہلکی پاور کی ٹارچ بھی تھی۔ جسے روشن کر کے وہ کمرے میں ادھر ادھر ڈالنے لگا تو طوبیٰ کے ہوش ہی اڑ گئے۔ ایک لمحے کو تو اسے اپنی ساری کوششیں مفلوج ہوتی لگیں۔ مگر اس سے کوئی نادیدہ طاقت اس کی رہنمائی کرتی لگ رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے پھر ایک بار اپنی تمام تر ہمت یکجا کی اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر وہ تیزی سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ خوش قسمتی سے اس روز خلاف توقع داخلی دروازہ بھی کھلا تھا۔ جس سے نکل کر وہ سرپٹ بھاگنے لگی۔ نامعلوم اور نادیدہ علاقہ تھا۔ سمت کا بھی کوئی تعین نہیں کر سکتی تھی۔ جدھر منہ اٹھا تھا ادھر ہی بھاگ پڑی تھی۔ اور ایک ایسے قطعے سے گزر رہی تھی۔ جس کے بیچوں بیچ بنی کچی سڑک کے دونوں اطراف میں دائیں طرف خودرو چھوٹی چھوٹی چھدری چھدری جھاڑیاں اگی تھیں جو دائیں طرف۔ میدانی حصے میں بہت آگے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور بائیں طرف اونچی نیچی پتھریلی چٹانوں اور ٹیلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا اور طوبیٰ اس کچی پگڈنڈی میں لگی لگی بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ چونکہ اسے معلوم تھا کہ کمرے میں اسے نہ پا کر دلبر خان فوراً ہی اس کی تلاش میں نکل گیا ہوگا۔ اور اسے ڈھونڈتا ادھر آ گیا

تو.... اور اس تو کے جواب میں بگٹٹ بھاگ رہی تھی۔ بلا رکے اور بلا ایک لمحہ ضائع کیے کہ کچھ ہی دیر بعد رات کے سناٹے کو چیرتی سائیں سائیں کرتی ہواؤں کے ساتھ جیپ کی گھر گھر کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ تو سرپٹ بھاگتی ہوئی طوبیٰ نے اپنے پکڑ لیے جانے کے خوف سے بھاری پڑتے قدموں کے ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جیپ پگڈنڈی کے دوسرے سرے پر تھی اور سیدھ باندھ کر اس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ گو فاصلہ کافی تھا۔ مگر جیپ کی ہیڈ لائٹس سے خارج ہوتی روشنی میں وہ آسانی سے دیکھی جا سکتی تھی۔ ایک بار پھر طوبیٰ کی ہمت جواب دینے لگی اور اس کے قدم سست پڑنے لگے۔

ادھر جیپ بھی لمحہ بہ لمحہ اس کے نزدیک آتی جا رہی تھی۔ مگر پھر کسی نادیدہ طاقت نے اس کی ہمت بندھائی وہ کچھ اور تیزی سے بھاگنے لگی۔ مگر بھاگنے سے فائدہ بھی کیا ہوتا۔ آخر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو طوبیٰ نے بھاگ کر ایک چھدری مگر بڑی سی جھاڑی کے پیچھے پناہ لی۔ اور ابھی اس جھاڑی کے پیچھے ڈھنگ سے بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ دلبر خان کی جیپ عین اسی جھاڑی کے آگے آ کر رکی۔ اور وہ زبیر خان کے ساتھ اس سے باہر کود پڑا۔

اپنی زبان میں جلدی جلدی نہ معلوم کیا کیا کہہ رہا تھا۔ انداز بالکل غرانے کا تھا۔ گو اپنی نوماہ کی رہائش کے دوران طوبیٰ اس کی زبان کے چند الفاظ سیکھ گئی تھی۔ مگر اس وقت تو اس کے کانوں میں الارم بج رہے تھے دوسرے وہ اتنی ثقیل زبان بولتا تھا کہ اس کے پلے کچھ بھی نہ پڑتا تھا۔ جیپ سے دلبر خان کو اترتا دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ اور خوف دہشت سے پھٹی پھٹی آنکھیں چھدری جھاڑی کے جھروکوں میں سے دونوں باپ بیٹوں پر جمی تھیں۔

نہ معلوم اس نے زبیر خان سے کیا کہا تھا۔ کہ زبیر خان فوراً ہی جیپ کے عقب میں کہیں چلا گیا۔ اور اس کے جاتے ہی دلبر خان نے اپنا گراری دار خنجر نکالا۔ اور اسے ایک ہاتھ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے ٹارچ کی روشنی جھاڑیوں پر ڈالنے لگا۔ وہ اونچی آواز میں بڑے جذب و جلال کے ساتھ اپنی زبان میں کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ طوبیٰ کا تو وہی حال ہو گیا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ سانس روکے دم بخود سی جھاڑی کے پیچھے دبکی بیٹھی رہی اب تو اپنے پکڑے جانے کا اسے پختہ یقین ہو گیا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں چاقو کی چمکتی ہوئی تیز دھار بہت نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی۔ وہ اگلی دو جھاڑیاں چھوڑ کر تیسری جھاڑی میں اسے تلاش کرتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پھر گھوم کر وہ ٹارچ کی روشنی ڈالتا عین اس جھاڑی کے پاس آ گیا۔ جہاں وہ چھپی بیٹھی تھی۔ اور طوبیٰ کے ہوش ایک بار پھر اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ چاہتی تھی کہ اٹھ کر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرے کہ وفعتاً زبیر خان نے بڑی کراری آواز میں دلبر خاں کو پکار کر کچھ کہا۔ تو وہ تیزی سے اس کی طرف پلٹ گیا۔

غالباً جیپ کے عقب میں ہی دونوں کی بات پر بحث کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں بہت واضح طور پر سنی جا سکتی تھیں۔ خطرہ ابھی ٹلا نہ تھا اس لیے وہ اس جھاڑی سے ہٹ کر پیچھے پھیلی ہوئی کسی جھاڑی میں بھی پناہ لے سکتی تھی۔ ویسے بھی دہشت کے مارے اس کے اعضاء مفلوج سے ہو کر رہ گئے تھے۔ ہلنے جلنے کی سکت ہی کہاں رہی تھی۔ دونوں باپ بیٹے آپس میں باتیں کرتے ہوئے تیزی سے چرنزدیک آئے تو ڈر کے مارے اس نے آنکھیں بند کر لیں مگر اگلے ہی چند لمحوں بعد جیپ تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ تب بھی طوبیٰ کو خوف سے نجات نہ ملی۔ پگڈنڈی بہت آگے تک چلی گئی تھی۔ شاید کسی بڑی سڑک

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے جا کر ملتی تھی۔ یا آگے جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ طوبیٰ کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا وہ اپنی اسی پوزیشن میں جھاڑی کے پیچھے دبکی جیپ کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ دور جا کر بائیں طرف مڑ نہ گئی۔

اور تب کہیں جا کر طوبیٰ کی تھوڑی سی جان آئی مگر اس سے اسے اس جھاڑی کے پیچھے پناہ لیتے بن رہی تھی نہ باہر نکلتے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں خطرہ اس کے سر پر منڈلاتا لگ رہا تھا۔ اس پر اس نے لباس بھی وہی قبائلی پہن رکھا تھا۔ جسے وہ دلبر خان کے گھر سے ہی تبدیل کرنا چاہ رہی تھی۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے بغل میں دبی گٹھڑی کھولی اور اوڑھنی اور شلوکا اتار کر جلد جلد ساڑھی باندھی اور وہ نیم گرم کریم رنگ کا چادرہ اوڑھ کر وہ پوٹلی اٹھائی۔ اور دلبر خان کے کپڑے پھینک کر پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ مگر اب اس کی رفتار قدرے ہلکی تھی۔ رات کا سماں چاروں اور اندرون کا راج۔ سنسان' بیابان اور ویران علاقہ' جس میں دور دور تک کسی متنفس کا گزر نہ تھا۔ اور ادھر یہ حالات کا شکار' بے یار و مددگار' کمزور سی لڑکی جس پر خوف و دہشت اس درجے طاری تھا کہ خنک ہواؤں میں بھی پسینے پسینے ہوئی جا رہی تھی۔ جسم کانپ رہا تھا۔ حلق میں کانٹے سے پڑ رہے تھے۔ دماغ سن ہو رہا تھا۔ پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ برہنہ پا تھی۔ اس لیے خوبصورت اور نازک تلوے جگہ جگہ سے زخمی ہو گئے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہر جھاڑی اور ہر پودے کے پیچھے دلبر خان اور زبیر خان اس کی گھات میں بیٹھے ہوں۔ اس کا تعاقب کر رہے ہوں۔ پھر بھی اپنی جان و عزت بچانے کی غرض سے وہ رواں دواں تھی۔ نہ یہ احساس تھا کہ کہاں جا رہی ہے۔ کدھر کا رخ کر رہی ہے نہ یہ معلوم تھا کہ اس کا یہ سفر کب ختم ہوگا۔ کہاں جا کر ختم ہوگا۔ اور اس وسیع و بسیط نیلی چھت کے نیچے اسے کہاں پناہ ملے گی۔ بس وہ تو منہ اٹھائے چلتی چلی جا رہی تھی۔ جیسے یہ سفر زندگی کے سفر کا ایک کٹھن اور صبر آزما حصہ ہو' یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب ساری عمر وہ چلتی ہی رہے گی۔ یہ سفر زندگی کے آخری سانسوں تک جاری رہے گا۔ آسمان پر جلتے ننھے ننھے چراغوں کے درمیان کہکشانی راستہ اسے اپنی طرف آنے کی دعوت دیتا لگ رہا تھا۔ کھڈ' کھائیوں' پہاڑی سلسلے' راستوں کے نشیب و فراز' سب کچھ اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کے نیچے سے کھسک کر پیچھے چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ کتنی ساعتیں بیت گئی تھیں۔ کہ اب ٹانگوں نے مزید آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ ایک چوڑی چکلی پکی سڑک تھی۔ جس پر وہ نکل آئی تھی۔ جس پر فاصلے فاصلے سے برقی کھمبے ایستادہ تھے۔ اور اوپر بلندی تک چلی گئی تھی۔ اور اس چڑھائی پر آ کر ہی طوبیٰ کے ہاتھ پیر اور اعضا جواب دے گئے تھے' مزید آگے بڑھنے کا یارا نہ رہا تھا۔ اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی تھی۔ کہ پیچھے بہت قریب سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس اس پر پڑی۔

اور اس کے ساتھ ہی بریک لگنے کی آواز آئی تو طوبیٰ کے جواب دیتے ہوئے اعضاء بالکل ہی دم توڑ گئے۔ اور وہ دھم سے جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ اور اسی دم کوئی گاڑی سے اتر کر اس کی طرف جھپٹا۔ قدموں کی چرمراہٹ بڑی واضح تھی۔ دلبر خان اس کے قریب آ گیا تھا۔ طوبیٰ کے ہوش بالکل ہی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اور بے ہوش ہو کر وہیں ریتلی زمین پر ڈھے گئی۔

چڑھتے سورج کی نکھری نکھری دھوپ میں باہر کی ہر شے جگمگا اٹھی تھی۔ اور زندگی کی ہنگامہ آرائیاں مکمل طور پر جاگ اٹھی تھیں جب طوبیٰ کو ہوش آیا یا اس کی آنکھ کھلی، جانے کون سی جگہ تھی۔ پہیوں کی گڑگڑاہٹوں کی کٹ کٹ' دور سے آتی دبی دبی آوازیں اور فضا میں رچی ایک عجیب سی بو۔ وہ آنکھیں بند

کیے بڑی دیر تک اس ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

دلبر خان کا خوف اب بھی اس پر غالب تھا اب تو آئندہ پیش آنے والے حالات کا سامنا کرنے کی اس میں سکت ہی نہیں رہی تھی۔ اسی وجہ سے وہ آنکھ کھول کر کسی پر بھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کہ اسے ہوش آ گیا ہے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اور اس کے حواس بحال ہو رہے تھے۔ ماحول کا نیا پن اسے عجیب سا احساس دلا رہا تھا۔ مثلاً نرم' گداز بستر جس پر وہ لیٹی ہوئی تھی' پرسکون اور خاموش خاموش سا ماحول جس میں دواؤں کی بو رچی تھی۔ آخر جب اس کا تجسس حد سے بڑھ گیا تو اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں اور گردن گھمائے بغیر بڑے محتاط انداز میں ڈھیلے گھما کر ادھر ادھر دیکھا اور جب کوئی ایک بھی متنفس نظر نہ آیا تو اس نے اپنے گرد و نواح کا جائزہ لینے کی غرض سے پوری آنکھیں کھول کر گردن گھمائی۔ یہ ایک صاف ستھرا کمرہ تھا۔ اور اسے سمجھ لینے میں دیر نہ لگی کہ کسی ہسپتال کا کمرہ ہے۔ اور ابھی اس نے اپنی بائیں طرف گردن گھمائی تھی کہ کرسی پر بیٹھی نرس اُس کی طرف متوجہ تھی جلدی سے اٹھی اور اس پر جھک کر بولی۔

''او تھینک گاڈ۔ آپ ہوش میں آ گیا۔'' اور پھر اس کی کلائی پر انگلیاں ٹکا کر اس کی نبض دیکھنے کے بعد نرس نے پھر اس سے کہا۔

''یو آر پرفیکلی آل رائٹ۔ مطلب آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ بی بی۔'' نرس کے لہجے سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ مگر طوبیٰ یہی سمجھی کہ وہ اس کے آنکھیں بند کرنے کو جتا رہی ہے۔ اس نے بھی سوچا کہ اب آنکھیں بند کر کے لیٹنے سے کیا فائدہ کوئی عمر ساری اس بستر پر تھوڑی گزارنی ہے۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں کھول کر نرس کی طرف دیکھا۔ سیاہ رنگت کی ایک دبلی پتلی سی عورت سفید لباس پہنے اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''آپ اور آرام سے لیٹا رہو بی بی! ہم ابھی فون کر کے آتا ہے۔'' اس نے طوبیٰ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کہا اور فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''اُف خدایا۔ کہیں وہ دلبر خان کو میرے ہوش میں آ جانے کی اطلاع دینے تو نہیں گئی۔ یقیناً یہی بات ہے اب وہ کسی بھی لمحے نرس کے ساتھ یہاں آ جائے گا۔ اُف اب میں کیا کروں۔؟ اس کی دسترس سے بچ کر کہاں جاؤں۔ میں تو اب مر کر بھی اس کے ساتھ رہنا گوارا نہیں کر سکتی۔'' وہ ابھی یہی سوچ سوچ کر اپنا خون خشک کر رہی تھی کہ نرس واپس آ گئی۔ اور طوبیٰ نے ڈر کے مارے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ نرس چپ چاپ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اور آہستہ سے اس کا شانہ ہلا کر بولی۔

''او پن یور آئیز بی بی ہم آپ کا ٹمپریچر لینا مانگتا ہے۔'' اور پھر اس نے لوشن کی شیشی میں پڑا تھرمامیٹر اس کی طرف بڑھایا۔ تو طوبیٰ نے منہ کھول کر وہ تھرمامیٹر منہ سے لگا لیا۔ اور خود گھڑی میں سیکنڈ گننے لگی۔ اور پھر تھرمامیٹر اس کے منہ سے نکال کر اس کا ٹمپریچر دیکھا اور بولی۔

''او نو رمل۔ ہم تو پہلے ہی بولا تھا کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔'' اور پھر تھرمامیٹر لوشن بوتل میں ڈال کر اس کے سرہانے رکھی چھوٹی سی الماری سے ایک شیشی نکالی۔ اور طوبیٰ سے بولی۔

''لو یہ ٹیبلٹس کھا لو بی بی۔''

''کیسی ٹیبلٹس؟ میں کوئی بیمار تو نہیں ہوں۔ جو یہ ٹیبلٹس وغیرہ کھاؤں۔'' طوبیٰ قدرے چڑ کر بولی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

"ہاں مگر ڈاکٹر کا انسٹرکشن یہی ہے بی بی۔ اس نے بولا تھا کہ جیسا آپ کو ہوش آئے ہم آپ کو یہ ٹیبلٹس کھلا دیں۔"

"لیکن میں تو ہرگز نہیں کھاؤں گی۔ یہ گولیاں۔" طوبیٰ ہٹیلے انداز میں بولی تو نرس نے ہتھیلی پر نکالی ہوئی دونوں گولیاں شیشی میں واپس ڈال دیں اور تھرمامیٹر ٹرے سے اٹھا کر بولی۔

"اچھا ہم ابھی تھوڑا دیر میں آئے گا۔ ڈاکٹر کو آپ کا طرف سے انکار کرنے کو بولتا ہے۔" اور پھر جانے لگی تو اس نے اسے پکارا۔

"مگر سنیے سسٹر۔ کیا آپ نے ابھی تک میرے بارے میں کسی کو اطلاع نہیں دی؟" آخر اس سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔ تو اس نے نرس سے پوچھ ہی لیا۔

"اور کس کو اطلاع کرنے کو تھا۔ ادھر تو شیر ولی انچارج کرنل شفیق ہی ہوتا ہے۔ جس کا آپ پیشنٹ ہے۔" نرس قدرے رُوکھے انداز میں بولی۔

"اچھا تو یہ ملٹری ہسپتال ہے۔"

"نہیں۔ یہ پرائیویٹ کلینک ہے۔ اچھا اب ہم جاتا ہے۔ بارہ بج چکے ہیں۔ اس ٹائم کرنل بڑا شورٹ وقت پر اس طرف آتا ہے۔" نرس نے عجلت سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ تو طوبیٰ کے پریشان خیالوں نے ایک بار پھر اسے آ گھیرا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر دلبر خان اسے اس ہسپتال میں کیوں لایا ہے۔ اُف جانے اس نے ڈاکٹر کو میرے متعلق کیا بتایا ہو؟ اور ان کیٹنگ والوں کا ایمرجنسی میرے لیے آیا ہو۔ لیکن مجھے یہاں داخل کرانے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔ میں تو بالکل بھی چنگی بھلی ہوں۔ بس ذرا سے بے ہوش ہی تو ہوئی تھی۔ پھر اس نے اپنے پورے جسم کو بغور دیکھا۔ اور ایک ہلکی سی سسکاری کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا تھا۔ اس پر پلاستر چڑھا ہوا تھا۔ بے ہوش ہونے کی وجہ سے اس کے گھٹنے کی چوٹ اور کٹ لگے تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دروازے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی تو طوبیٰ نے دلبر خان کے خوف سے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ نرس بھی اس کے ساتھ تھی۔ قدموں کی چاپ اس کے بیڈ کے پاس آ کر رک گئی تھی اور نرس انگلش میں کہہ رہی تھی۔

"یس ڈاکٹر شی از ویری ہیڈ سٹرونگ۔" نرس کے منہ سے ڈاکٹر کا تذکرہ سن کر طوبیٰ نے فوراً ہی آنکھیں کھول دیں۔ آنکھوں کے سامنے ایک ادھیڑ عمر بردبار سی شخصیت نظر آئی جو سفید اوور آل پہنے، اسٹیتھوسکوپ کانوں سے لگائے بڑی گہری نظروں سے طوبیٰ کو دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو بے بی۔ کیا حال ہے آپ کا۔ ادھر کوئی تکلیف تو نہیں؟" طوبیٰ سے نظر ملتے ہی ڈاکٹر نے پوچھا۔

"جی نہیں ڈاکٹر۔" طوبیٰ نے جواب میں صرف اسی قدر کہا۔ ڈاکٹر اسٹیتھوسکوپ سے اس کا معائنہ کرنے لگا۔

"ادھر چوٹ تو نہیں ہوتا۔" اسٹیتھوسکوپ گلے میں ڈالنے کے بعد ڈاکٹر نے اس کا گھٹنا دبا کر پوچھا تو منہ سے ہلکی سی سسکی نکلنے کے باوجود طوبیٰ نے کہا۔

"تھوڑا سا... آئی ایم فیلنگ آل رائٹ۔" اس کے جواب پر ڈاکٹر دھیرے سے مسکرایا اور پھر [illegible] اس سے باتیں کرنے کے لیے جب نرس اس کی [illegible] ہو گئی۔

"سنیے ڈاکٹر۔ میرے گھٹنے میں فریکچر تو نہیں ہوا۔" طوبیٰ نے نرس کے جاتے ہی ڈاکٹر سے پوچھا۔

"نہیں۔ صرف ہڈی کھسک گئی ہے۔ مگر ڈر کی کوئی بات نہیں ہفتے عشرے تک آپ چلنے کے قابل ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"اُف ہفتے عشرے تک؟" طوبیٰ نے پریشان ہو کر زیر لب کہا۔

"آپ گھبرایئے نہیں۔ ممکن ہے اس سے پہلے ہی آپ ٹھیک ہو جائیں۔" ڈاکٹر نے اسے اس قدر ہراساں دیکھ کر پھر تسلی دی۔ اور ڈاکٹر کی نرمی و شفقت نے طوبیٰ کو اس سے بات کرنے کی ہمت دلائی۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں ڈاکٹر! کہ میں یہاں تک کیسے پہنچی یا کون مجھے یہاں تک لایا؟" طوبیٰ نے پوچھا تو اس کے سوال پر ڈاکٹر تھوڑا سا گڑبڑا گیا۔

"آپ اپنے دماغ پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالیے بی بی۔ آپ اطمینان رکھیے۔ آپ یہاں ہر طرح سے محفوظ ہیں۔"

"لیکن اس میں دماغ پر بوجھ ڈالنے کی کیا بات ہے۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہی ہوں کہ مجھے یہاں کون لایا ہے؟

پلیز ڈاکٹر آپ صرف اتنا ہی بتا دیجئے۔" اور ڈاکٹر جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ تبھی نرس گلوکوز اور شیشیاں لیے اندر آ گئی اور ڈاکٹر اسے کچھ ہدایات دے کر چلا گیا اور نرس بھی اسے کوئی دوا کھلا کر چلی گئی تو ایک بار پھر طوبیٰ شدید قسم کے اندیشوں میں گھر گئی۔

جانے کیا وقت تھا اور کیسا عجیب سا احساس۔ جس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی اور کمرہ بھی سنسان پڑا تھا۔ اف تو کیا میں اتنی دیر تک سوتی رہی ہوں؟ طوبیٰ نے دل میں سوچا اور کہنیوں کا سہارا لے کر تکیے سے ٹیک لگا لی ہی تھی کہ نرس مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور بولی۔

"اوہ آپ تو اتنی دیر تک سویا بی بی کہ لنچ بھی نہیں کھایا ادھر ہم نے آپ کو ڈسٹرب کرنا اچھا نہیں سمجھا۔"

"ہاں پتا نہیں کیوں مجھے اتنی نیند آتی ہے۔" طوبیٰ نے بڑی روہانسی سے کہا تو نرس نے پھر اس کا نبض چیک کیا اور پھر اس کے انکار کے باوجود اسے زبردستی ایک سیرپ پلا کر بولی۔

"ابھی ادھر آپ کا ایک وزیٹر آیا تھا۔ وہ بڑی دیر سے ویٹنگ روم میں بیٹھا ہے۔ ہم ابھی اسے ادھر بھیجے گا۔" اور پھر نرس باہر جانے لگی تو طوبیٰ ڈپٹ کر بولی۔ "نہیں میں کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی تم اسے یہاں مت بھیجنا۔"

"وہ تم کو ادھر لایا ہے بی بی۔ پھر تم اس کو کیسے نہیں جانتا اور ہم اس کو کیسے واپس بھیج سکتا ہے؟" نرس نے قدرے جھنجلا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی اور طوبیٰ کو یوں لگا جیسے دلبر خان نہیں ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کو آ رہا ہو۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھ کر کہیں بھاگ جائے۔ مگر یہ بھی کچھ آسان نہیں تھا۔ گھٹنے پر پلاستر چڑھا ہوا تھا۔ اور تلوے زخمی ہو رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کمرے سے نکلنے کی کوشش بھی کرتی تو کافی وقت صرف ہو جاتا۔ جانے یہ مجبوری کی وہ دلبر خان کی نظروں سے بچ سکتی تھی۔ اور بوجھل سی ہو چکی تھی۔ ایک ایک پل موت کے لمحوں کی طرح بوجھل اور اذیت ناک لگ رہا تھا۔ یوں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

جیسے اس پر نزع کا عالم طاری ہو۔ کہ تبھی وہ نرس کے ساتھ اندر گیا۔ اور خوف و دہشت کی وجہ سے نہیں بلکہ طوبیٰ نے نفرت سے پھر آنکھیں بند کرلیں اس کی کریہہ اور خونخوار شکل دیکھنی ہرگز بھی گوارا نہ تھی۔ کچھ دیر تو ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آواز آتی رہی جن میں دلبر خان کی بھاری آواز خاصی نمایاں تھی پھر نرس نے اس کے بیڈ کی پٹی کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔

''یہ سویا نہیں جاگ رہا ہے۔'' اور پھر مکمل خاموشی طاری ہوگئی اس نے نرس کی سینڈلوں کی کٹ کٹ کی آواز دروازے تک سنی تھی۔ گویا وہ اس کو تنہا چھوڑ گئی تھی۔ پھر یہ خاموشی کیسی؟ یہ جلاد شخص آ کر خاموش کھڑا کیا کر رہا ہے۔ ایک ایک لمحہ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ بند پپوٹوں پر پلکوں کی لرزاہٹ میں اضافہ ہو گیا تھا۔ انجام کار اس نے آنکھیں کھول کر اس طرف دیکھا جدھر نرس کھڑی تھی۔ ادھر نظر پڑتے ہی کائنات منجمد سی ہوتی نظر آئی۔ اس نے پلکوں کو بار بار جھپکایا پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو رگڑ کر غور سے اس کی طرف دیکھا پھر بھی اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا۔ وہ کسی سحر زدہ انسان کی طرح ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ یوں جیسے نگاہیں پتھرا گئی ہوں۔ اس کی نظروں کے عین سامنے اپنے قیمتی اور خوبصورت شام کے سوٹ میں ملبوس پرنس شہریار کھڑے تھے اسی کی طرح ایک دم ساکت سے انگلیوں میں سگریٹ دبائے وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہ نگاہوں کا چونکا دینے والا تصادم تو بالکل نہ تھا، کیونکہ شہریار کے سپاٹ سے چہرے سے گہری سنجیدگی عیاں تھی۔ اور نگاہوں میں ایک سرد اور بے صبری کیفیت پنہاں تھی۔ ٹھہر ٹھہر کر گزرتے ہوئے لمحے طوبیٰ کی انا پر تازیانے لگا رہے تھے، بے یقینی اور استعجاب کی وہ لرزہ براندام سی کیفیت اب غفلت اور شرمساری میں بدلتی جا رہی تھی۔ پھر جب اس کی پلکیں بار ندامت سے جھک کر اس کے حسین عارض پر اپنا عکس چھوڑنے لگیں اور دل میں ہوتی درد اور کرب کی ٹیسیں ناگوار سی دھڑکنوں میں رخنہ ڈالنے لگیں تب شہریار کے جذبات سے عاری سپاٹ سے چہرے پر سایہ فگن سنجیدگی سے مسکراہٹ کی ایک ہلکی سی کرن پھوٹی اور انہوں نے بہت ہی رسمی سے انداز میں گویا اس کی خیریت پوچھی۔

''کہئے یہاں آپ کیسا فیل کر رہی ہیں؟'' اور طوبیٰ کو ان کا یہ فقرہ بہت بے معنی دیتا نظر آیا۔

''بالکل ٹھیک۔'' طوبیٰ کو پست سی آواز میں کہنا ہی پڑا۔ دل پر تو جانے کیسی قیامت ٹوٹے پڑ رہی تھی کہ سب کچھ اتھل پتھل ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ خیال کہ اب وہ اس اتفاقی ملاقات کی ساری تفصیل پوچھیں گے تو میں ان کو کیا بتاؤں گی۔ اسے ہراساں کر گیا تھا۔

''بہر حال آپ یہاں ہر طرح محفوظ ہیں۔ جب تک آپ کے گھٹنے کی تکلیف دور نہ ہو آپ بے خوف و خطر یہیں رہیے۔'' ان کے بظاہر اطمینان دلانے والے یہ فقرے بھی طوبیٰ کی حمیت پر ضرب بن کر لگے۔ اب کسی بھی لمحے وہی سوال۔ جس کی وہ منتظر تھی۔ بڑے ہی کٹھن لمحے تھے۔ ایک وہ لمحات جو جان اور عزت بچانے کی کوشش میں بڑے جاں گسل ثابت ہوتے ہیں اور ایک وہ لمحات بھی۔ جب انسان اپنا اور اپنی عزت کا بھرم قائم رکھنے کے لیے جھوٹ اور ریا سے کام لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ مگر وہ تو رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔ اب تو جھوٹ اور ریا سے بھی کام نہیں لے سکتی تھی، چاندی جبیں پر ندامت کے ننھے ننھے قطرے ابھرے تھے۔ اور اپنی بے بسی اور بے چارگی کے احساس نے حسین چہرے کی بچی کھچی سرخی بھی اڑا کر رکھ دی تھی۔ شہریار بھی کچھ کچھ اس کیفیت کو بھانپ گئے تھے۔ انہوں

نے نزدیک ہی پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ فی الحال اپنے دماغ پر کوئی بوجھ نہ ڈالیے۔ ہماری یہ اتفاقی ملاقات جن حالات کے تحت بھی ہوئی ہے مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ البتہ اس کلینک میں آپ کو ایک نفسیاتی مریضہ اور عزیزہ کی حیثیت سے داخل کرایا گیا ہے۔ اور اس بات کا آپ بھی خیال رکھیے گا۔'' ان کی نظریں طوبیٰ کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے میں کوشاں تھیں۔

''غالباً آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ یہ مصلحت کیوں برتی گئی ہے؟'' انہوں نے اسے پریشان سا دیکھ کر بھاری لہجے میں کہا۔

''جی؟'' طوبیٰ نے پلکیں اٹھا کر ان پر ایک استفہامی سی نظر ڈال کر پوچھا۔

''یعنی اس طرح ہمارے اور آپ کے وقار پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ میرے خیال میں تو آپ کو بھی حالات کی نزاکت کا اندازہ ہوگا۔ اور آپ کو ایک عزیزہ ظاہر کرنے کی وجہ سے ہی آپ کی دیکھ بھال کے لیے خاص طور پر یہ نرس مامور کی گئی ہے تاکہ آپ کا شمار کلینک کے عام مریضوں میں نہ ہو۔''

وہ اپنے دائیں بائیں کرسی کے ہتھوں پر کہنیاں ٹکا کر تھوڑے سے اس کی طرف جھک کر بولے۔

''بہتر ہے۔'' طوبیٰ نے گردن ہلاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ اس کی دراز گھنیری پلکیں اب بھی اس کے رخساروں پر جھکی ہوئی تھیں۔ اور چہرے سے خفت اور سراسیمگی صاف عیاں تھی۔ اس نے ایک لخت پلکیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور شہریار جو کسی سوچ میں مستغرق بیڈ کے سرہانے کھلی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بھی بڑے غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھا انہیں اس کی خوبصورت نگاہوں میں بہت سے سوال مچلتے نظر آئے۔

''کیا آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہیں۔'' شہریار نے ایک روادارانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''جی!'' وہ بھینے بھینے خفیف سے انداز میں آہستہ سے بولی۔

''تو ارشاد۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔

''وہ.... وہ میرا مطلب تھا۔ میری یہ چوٹ تو بہت معمولی سی ہے۔ یعنی میں ایک دو روز میں چلنے کے قابل ہو جاؤں گی۔'' طوبیٰ اپنی بات کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

''ہاں یقیناً جلد ہی ہو جائیں گی۔'' شہریار نے اس کی ہچکچاہٹ کو محسوس کر کے کہا۔

''تو پھر ہفتے عشرے تک یہاں رکھنے کی کیا ضرورت ہوگی؟'' طوبیٰ نے آخر کہہ ہی دیا۔

''کیا آپ کہیں جانا چاہتی ہیں؟'' شہریار نے سیدھے سادے سے انداز میں پوچھا۔

''کہیں تو کیا، لیکن جلد یا بدیر مجھے یہاں سے جانا تو پڑے گا ہی۔'' طوبیٰ ان کے سوال پر سٹپٹا کر بولی۔

''مگر کہاں جانا پڑے گا۔؟'' شہریار نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔ اور طوبیٰ کچھ بھی کہنے کے قابل نہ رہی۔ کوئی گھر تھا نہ در۔ پھر بھلا کیا انہیں بتاتی کہ کہاں جاؤں گی۔ پست سی آواز میں بولی۔

''یہ تو خود مجھے بھی نہیں معلوم۔''

''آپ کو نہیں معلوم؟'' شہریار بری طرح چونکے کیونکہ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ وہ ان سے اپنے چچا کے یہاں جانے کا کہے گی۔ مگر اس کے جواب کی روشنی میں اسی دم ان کی نگاہوں کے سامنے کسی فلم کی طرح کچھ عرصے پہلے وقوع پذیر ہونے والے محیر العقول واقعہ کی ریل گھوم گئی۔ انہوں نے خود اپنے ہی سوال کو ٹالنے کی غرض سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

''ٹھیک ہے پہلے آپ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں پھر دیکھا جائے گا۔'' اور اس کے ساتھ ہی اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

''اچھا اب ہم چلتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنے علاج معالجے میں غفلت نہیں برتیں گی۔'' اور پھر وہ اسے یونہی کچھ سوچتا چھوڑ کر کمرے سے نکل گئے۔ اور ان کے جانے کے بعد وہ بڑی دیر تک یونہی پلکیں رخساروں پر گرائے بے حس و حرکت لیٹی رہی۔ ان کی موجودگی میں جتنے لمحے گزرے تھے، بڑے گراں ہو کر گزرے تھے۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد تو دل کی بستی قیامت گزر جانے کے بعد کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اس سے اسے یہ بھی احساس نہ رہا تھا کہ وہ اس کے دل میں کون سا مقام رکھتے ہیں۔ اور اس کے لیے کیا بن گئے ہیں۔ وہ تو سوچ سوچ کر رنجیدہ اور متاسف ہو رہی تھی کہ یہ نرس شہریار مجھ سے کیسے ٹکرا گئے۔ کیا وہ انہی کی کار تھی جس سے ٹکرا کر میں بے ہوش ہو گئی تھی۔

اُف میرے معبود۔ ایسا کیوں ہوا؟ خواہ وہ مجھے اٹھا کر یہاں لائے یا کوئی اور؟ مگر میں ان تک کیسے پہنچی..... یا خدا تو نے مجھے اتنی ذلت اور خواری کی زندگی ہی دی تھی تو کم از کم اتنا تو کرتا کہ ان لوگوں کے سامنے میری لاج رکھ لیتا۔ یہ لوگ تو میرے حالات سے قطعی لاعلم ہیں۔ اگر انہوں نے آج مجھ سے کچھ نہیں پوچھا تو آئندہ تو پوچھ ہی لیں گے تو پھر کیا میں ان کو یہ بتاؤں گی کہ میری خالہ نے میرے مشکوک کردار کی وجہ سے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ اور میں ایک بدطینت اور شیطان صفت شخص کے ہاتھ لگ گئی تھی جس کی قید میں میں نے یہ آٹھ نو ماہ کا عرصہ گزار دیا ہے اور اس قید سے نجات حاصل کر کے اِدھر اُدھر ڈولڈانی پھر رہی تھی کہ آپ سے ٹکراؤ ہو گیا۔

اُف نہیں نہیں۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ میں تو مر کر بھی یہ سب نہ کہوں گی۔ انہی سے کیا کسی سے بھی نہیں۔ خواہ اس سلسلے میں مجھے کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ اُف خدایا یہ کیسا ستم ہے کہ ایک مشکل سے نکل نہیں پاتی کہ دوسری مشکل مجھے آ گھیرتی ہے۔

واقعی طوبیٰ کا کہا درست ہی تھا کہ وہ ایک مشکل سے نکلتی نہ تھی کہ دوسری مشکل اس کے سر پڑ جاتی تھی۔ اسے اس کلینک میں آئے پورے آٹھ روز ہو گئے تھے اور دو روز قبل ہی اس کے گھٹنے کا پلاسٹر اتار دیا گیا تھا اور وہ ہلکے ہلکے لنگ کے ساتھ اب چہل قدمی کرنے کے قابل ہو گئی تھی مگر جوں جوں روبصحت ہوتی جا رہی تھی۔ توں توں اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس عرصے میں ایک بار بھی شہریار نے اسے پلٹ کر نہ پوچھا تھا۔ اور اب طوبیٰ یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہی تھی۔ کہ کلینک کے اخراجات کا بل ادا کیے بغیر وہ کلینک سے کس طرح باہر قدم نکالے گی اور جائے گی بھی تو کہاں جائے گی۔ کس جگہ پناہ لے گی۔ اس بے درد دنیا میں تو ایک نہیں سینکڑوں اور ہزاروں دلبر خان ہی دلبر خان موجود ہیں۔ اور وہ کسی کے بھی ہتھے چڑھ سکتی ہے۔ قدم قدم پر خطرات کھڑے ہوں گے۔ وہ یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی رہی کہ کرے تو کیا کرے۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ اسی کلینک میں رہ پڑے۔ اور ڈاکٹر کی خوشامد درآمد کر کے کوئی چھوٹی موٹی ملازمت سنبھال لے مگر یہ بھی ممکن نہ تھا کیونکہ پرنس نے اسے اپنی کسی عزیزہ کی حیثیت دے کر داخل کرایا تھا۔ اس کا گھٹنا بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔ مگر وہ راستہ لنگڑا کر چلتی تھی تاکہ کلینک میں کچھ اور دن گزار سکے۔ لیکن تاکے۔ دو تین روز اور گزر گئے تھے۔ اور ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا۔ کہ ''اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ جس وقت چاہیں گھر جا سکتی ہیں۔'' تب سے وہ

اندر ہی اندر ہولے جا رہی تھی۔ یہ سوچ سوچ کر کہ اب کسی وقت بھی ڈاکٹر اس کے اخراجات کا بل پیش کر دے گا تو پھر وہ کیا کرے گی۔ بس اسی ذلت سے بچنے کے لیے اس روز اس نے ہسپتال کا لباس اُتار کر اپنی اس گٹھڑی میں سے جو الماری میں رکھی ہوئی تھی اپنی ساڑھی نکالی اور اسے پہن کر اس انتظار میں بیٹھ گئی کہ کب موقع ملے اور کب وہ چپکے سے یہاں سے نکل جائے کہ اچانک ہی شہریار کمرے میں داخل ہو گئے۔

''شہریار.....'' انہیں دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنیں یکبارگی چیخ اٹھیں۔ مگر نگاہیں جھکتی ہی چلی گئیں کیونکہ وہ ان کی آنکھوں میں اپنے اتنے دن بعد بھی کلینک میں موجود ہونے کا کوئی بھی تاثر دیکھنا نہیں چاہتی تھی مگر انہوں نے تو اس کی خیریت بھی نہیں پوچھی اور آتے ہی بولے۔

''اوہ آپ تیار ہیں۔ خیر چلیے ہمارے ساتھ آئیے۔'' اور وہ تو یوں لگا جیسے اسی تمنا میں بیٹھی تھی۔ فوراً اٹھ کر ان کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی۔

''مس رومیکا!'' انہوں نے نرس کو پکارا۔ جو دہلیز پر ہی کھڑی تھی۔

''یس سر۔'' نرس نے مستعدی سے کہا۔

''یہ ان کا سامان کار میں پہنچائیے۔'' انہوں نے اس کی چھوٹی سی حقیر گٹھڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا تو طوبیٰ پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ نرس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور اس کی گٹھڑی اُٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

''آئیے۔'' انہوں نے بھی باہر کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ اور طوبیٰ چپ چاپ ان کے پیچھے چل دی۔ مگر انہوں نے رُک کر اس کے آگے بڑھ جانے کا انتظار کیا۔ اور طوبیٰ کے قدم سے قدم ملا کر کلینک کی لابی طے کرتے ہوئے باہر اپنی کار کے نزدیک پہنچے تو کرنل شفیق اور ان کے ماتحت کو اپنے انتظار میں کھڑا پایا۔ نرس بھی طوبیٰ کی گٹھڑی رکھ کر وہیں کھڑی تھی۔ کرنل کے ماتحت نے بڑھ کر طوبیٰ کے لیے دروازہ کھولا اور کرنل شفیق نے شہریار کے لیے۔

''ہماری عزیزہ آپ کی بڑی شکر گزار ہیں کرنل۔ اور ہم بھی کہ آپ نے ہمارے لیے اتنی زحمت اٹھائی۔'' انہوں نے گویا اپنی اور طوبیٰ کی طرف سے کرنل شفیق کا شکریہ ادا کیا۔

''اوہ نو سر..... یہ تو میرا فرض تھا۔ آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔

''بہرحال ہم آپ کی کارکردگی سے بہت خوش ہیں کرنل۔'' شہریار کرنل سے مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔ اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے تو کرنل شفیق نے ان کو دروازہ بند کرتے دیکھ کر کھڑکی پر تھوڑا سا جھک کر کہا۔

''مجھے اس کلینک کی چند خامیوں کے بارے میں آپ سے کچھ عرض کرنا ہے سر کار۔ لیکن اس وقت تو آپ۔''

''نہیں نہیں۔ آپ اپنا مدعا بیان کیجیے۔ ہمیں ایسی کوئی جلدی نہیں ہے'' شہریار کرنل کی بات قطع کر کے بولے۔

''نوازش جناب..... میں یہ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ ہمارا یہ کلینک بعض اہم سائنٹیفک آلات سے اب تک محروم ہی ہے جن کے بغیر بعض پیچیدہ امراض کا علاج ممکن ہی نہیں۔'' کرنل نے اپنی بات کہہ کر قدرے توقف کیا۔ اور پھر بولے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

"حضور کلینک کا یہ سارا انتظام وانصرام آپ ہی کی عنایات کا مرہون منت ہے۔ آپ اس کی تعمیر کے سلسلے میں ہمیں ایک خطیر رقم دے چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مطلوبہ آلات کی دستیابی میں جو اڑچنیں آئے گا۔ اس کا اندازہ تو آپ کو ہوگا۔" کرنل شفیق کہتے رہے اور ادھر شہریار نے ڈیش بورڈ میں رکھی چیک بک نکالی اور ایک چیک کاٹ کر کرنل کے ہاتھ میں تھما دیا اور بولے۔

"فی الوقت تو یہ رقم قبول کریں۔ اس سے آپ کا تھوڑا بہت تو کام چل ہی جائے گا۔" کرنل شفیق نے بے تابانہ چیک پر درج رقم پڑھی اور خوش ہو کر بولے۔

"اوہ یس...... یس سر۔ اٹس بی یونڈ مائی امیجینیشن۔ اٹس ٹو مچ سر۔ آپ کی بڑی مہربانی آئی ایم ویری گریٹ فل حضور۔" بیس ہزار کا چیک دیکھ کر کرنل شفیق خوشی سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ شہریار انہیں یونہی مسرور اور شادمان چھوڑ کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ہاں وہ سفر ہی تھا۔ سنسان علاقہ۔ ویران سڑکیں، نشیب و فراز میں سے گزرتے ہوئے چھوٹے موڑ۔ کہیں کچی اور ناہموار پگڈنڈیاں، راستہ بھی شیطان کی آنت کی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ خاصے دور نکل آئے تھے مگر انہوں نے طوبیٰ سے اب تک کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہی سوچ سوچ کر طوبیٰ کے دم پر بنی جا رہی تھی۔ کہ وہ اسے اس کے چچا کے یہاں نہ لے جا رہے ہوں۔ اسی وجہ سے ان کی خاموشی اسے سخت کھل رہی تھی۔

اُف خدایا یہ مجھے لے کر چچا جان کے یہاں پہنچے تو پھر۔ پھر تو میری ساری حیثیت اور اوقات ان پر کھل جائے گی۔ اس خیال نے اسے سخت ہراساں کر رکھا تھا۔ سفر جاری تھا اور چھوٹے جاگیرداروں کی کار بہت سارے موڑ کاٹتی اور اونچے نیچے راستوں پر ڈوبتی ابھرتی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ بالآخر پورے تین پونے تین گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد جب دھوپ درختوں کی پھنگیوں کو چھوتی اور پربتوں پر سے پھسلتی مغربی افق پر کہساروں کے پیچھے کہیں سمٹنے لگی تو وہ ایک بستی میں داخل ہوئے۔ خاصا بارونق علاقہ تھا۔ جہاں اوپر تلے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھپریل کی چھتوں کے ہٹ نما خوبصورت بنگلے بنے ہوئے تھے۔ جن کی نچلی منزل میں کہیں کہیں جدید طرز کی دوکانیں بنی ہوئی تھیں۔ کاریں بھی کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ مقامی لوگ بھی چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ اور اکا دکا غیر ملکی بھی اور یہ جگہ آغا پور تو کہیں سے بھی نہیں لگ رہی تھی۔

"یہ گلپاش ہے۔ سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز۔ یہاں دنیا کے تقریباً ہر حصے سے سیاح آتے ہیں۔" آخر ان تین گھنٹوں میں پہلی بار شہریار نے لب کشائی کی۔ اور اس نے کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ شفیق کی زبانی اس نے گل پوش کی خوبصورتی کی بڑی تعریفیں سن رکھی تھیں۔ کئی بار انہوں نے اس کے ساتھ گلپاش جانے کا پروگرام بھی بنایا تھا مگر اس پروگرام کی تکمیل بھی بھلا کن کے ہاتھوں اب ہوئی تھی۔ وہ بھی کن حالات میں۔ اس کے ذہن سے دل کو ایک دھچکا سا لگا اور وہ آزردہ سی ہو کر باہر پھیلے منظر کو دیکھنے لگی۔ شہریار نے پھر کچھ نہیں کہا۔ کچھ ہی دیر بعد خاصی بلندی پر واقع ڈامر کی ایک پختہ سڑک پر آ گئے۔ جس کے ایک طرف گہرے گہرے کھڈ تھے اور دوسری طرف قدرے بلندی پر خوبصورت بنگلے بنے ہوئے تھے اور وہیں کچھ آگے جا کر وہ ایک طویل اور دو منزلہ عمارت کے احاطے میں داخل ہوئے اور ایک طرف اپنی کار روک لی۔ کار رکتے ہی ایک باوردی بیرا کار کی طرف لپکا۔ اس کے آتے ہی شہریار نے اس سے کچھ کہا۔ اور پھر طوبیٰ کی طرف مڑے۔

"یہاں کا سب سے عمدہ ہوٹل ہے اور فی الحال ہم نے آپ کی رہائش کا بندوبست اسی میں کیا ہے۔ آیئے اندر چلیے۔"

"ہوٹل......" طوبیٰ ہوٹل کا سن کر کچھ زیادہ ہی ہراساں ہو گئی مگر شہریار نے اس کے یوں بوکھلا کر ہوٹل کہنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اس اثناء میں بیرا ان کے لیے دروازہ کھول چکا تھا۔ وہ خاموشی سے باہر اتر گئے۔ بیرا اس کی طرف کا دروازہ کھولنے جانے لگا۔ تو انہوں نے کھڑکی پر ذرا سا جھک کر کہا۔

"آیئے اتریے۔" ان کے بے حد دھیمے لہجے میں تحکم تھا۔ طوبیٰ نے ایک مشکوک سی نظر ان پر ڈالی۔ اور بیرے کے دروازہ کھولتے ہی باہر آ گئی۔ بیرے نے بالائی منزل کے ایک کمرے تک ان دونوں کی پذیرائی کی۔ یوں تو اس ہوٹل میں اور بھی لوگ موجود تھے۔ مگر شاید کہیں اندر تھے جو نظر نہیں آ رہے تھے۔ مگر ہلکے ہلکے میوزک سے ہم آہنگ ہو کر ان کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ مگر بالائی منزل میں سناٹا پڑا تھا۔ کمرے تو ایک ہی طرز پر بنے ہوئے تھے۔ درمیان سے گزرتے ہوئے کوریڈور کے آمنے سامنے ایک ہی وضع قطع کے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ تین ادھر اور تین ادھر' کل چھ ہی کمرے تھے۔ جن میں بالکل سرے پر بنے ہوئے کمرے پر بیرے نے رک کر "کی ہول" میں چابی گھمائی اور پھر دروازہ کھول کر بڑے مودب انداز میں جھک کر سیدھے ہاتھ سے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا۔ گو شہریار کے کہنے پر وہ اس کمرے میں پہلے داخل ہوئی تھی۔ لیکن دہلیز کے آگے ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ جب کہ شہریار آگے بڑھ کر کمرے کے وسط میں جا کھڑے ہوئے تھے۔ اور چاروں طرف نظریں دوڑا دوڑا کر کمرے کی آرائش اور ترتیب کو دیکھ رہے تھے۔ جو بے حد سادہ مگر حد درجہ آرام دہ تھی اور جس میں ایک خوبصورت ڈبل بیڈ پڑا ہوا تھا۔ بیرا کمرے کی لائٹ جلا کر کب کا جا چکا تھا۔ شہریار کچھ دیر کمرے میں ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر اس کی طرف پلٹے۔

"ہوں۔ تو کمرہ پسند آیا آپ کو؟" ان کا لہجہ محسوس کیے جانے والی حد تک شگفتہ تھا۔ اور وہ جوان سے آنکھ ملاتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ دل میں ہزاروں وسوسوں کی دھمک لیے دہلیز چھوڑ کر کمرے کے وسط میں جا کھڑی ہوئی۔ اور شہریار بھی دیوار میں نصب الماری کے آگے جا کھڑے ہوئے جس کے پٹ کھول کر انہوں نے کہا۔

"اس میں آپ کی ضرورت کی بعض اشیاء موجود ہیں۔ انہیں آپ بلاتکلف استعمال کر سکتی ہیں۔" تو اس نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے ایک نظر الماری پر ڈالی اور پھر جلدی سے رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ کیونکہ شہریار اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"آپ بیٹھتی کیوں نہیں۔ جب کہ آپ کو اسی کمرے میں رہنا ہے۔" وہ اسے خود سے اس قدر کتراتے ہوئے دیکھ کر اس کے نزدیک آ گئے۔

"سمجھ میں نہیں آتا آپ کو کس نام سے مخاطب کروں۔" افشاں' طوبیٰ...... یا؟" وہ معنی خیز سی مسکراہٹ کے ساتھ "یا" کو ادا کر کے خاموش ہو گئے۔ اور ان کے کہنے پر طوبیٰ کا رنگ فق ہو گیا۔ یہ یا اسے یا نہیں گل رخ تھی۔ گویا اب وہ کٹھن لمحہ آن پہنچا ہے جسے خود پر سے گزارنے کی مجھ میں ہمت ہے نہ سکت۔ اس نے لرز کر دل میں سوچا۔ "اب یہ مجھ سے گل رخ کے بارے میں استفسار کریں گے اور میرے دربدری کی خاک چھاننے کا سبب پوچھیں گے تو میں ان کو کیا کہوں گی۔ انہیں کیا بتاؤں گی۔" طوبیٰ کو اپنے دل کی دھڑکنیں رکتی محسوس ہوئیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

رات کی مہیب تاریکی میں اچانک جل اٹھنے والی قسم قسم کی روشنیوں نے جنگل کے اس وسطی حصے کو جگمگا تو دیا تھا مگر اتنے جانوروں کی موجودگی میں بھی جنگل کی ویرانی بدستور قائم تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے ویران بیاباں گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنگل کے اس حصے میں ایک زبردست گڑگڑاہٹ اور دھماکہ خیز آوازوں نے ان بیکراں ویرانیوں میں ایک تلاطم سا مچا دیا تھا جس سے چرند پرند اور حشرات الارض ہی نہیں خود رو جھاڑیاں اور بڑے بڑے تناور درخت بھی تھرا اٹھے تھے۔ انجن سمیت اگلی چند بوگیاں پٹری سے اتر جانے کی وجہ سے یہ ایکسپریس کو ایک اندوہناک حادثہ پیش آیا تھا۔

رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ اماوس کی راتیں تھیں اس لیے بھی چہار سو گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ سرچ لائٹس، پٹرومیکس لالٹینوں اور ٹارچ کی روشنیاں بھی بس ایک محدود دائرے میں حادثہ کو ہی منور کیے ہوئے تھیں۔ سوتے سوتے اچانک زخمی ہو جانے والے نیم جان مسافر اپنے زخموں کی تکلیف سے کراہ رہے تھے۔

بچے عورتیں اور مرد اس اچانک آپڑنے والی افتاد اور تکلیف سے چیخ رہے تھے اور پچھلی بوگیوں کے حادثہ سے محفوظ رہ جانے والے مسافر الٹی ہوئی بوگیوں پر جھکے بدحواسی کے عالم میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو گلا پھاڑ پھاڑ کر پکار رہے تھے۔ ریلوے پولیس کے سپاہی افسران ریلوے کا سارا عملہ امدادی پارٹیاں اور قرب وجوار کی بستیوں سے آنے والے بہت سے لوگ جائے حادثہ پر کھڑے الٹی ہوئی بوگیوں سے زخموں سے چور اجسام اور لاشیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کر رہے تھے۔ انجن سمیت اگلی صرف چار بوگیاں ہی الٹی تھیں اور ان سے اگلی دو بوگیاں باہم یوں جڑی کھڑی تھیں جیسے ایک دوسرے کے سہارے ٹکی ہوں۔ اور ان کے داخلی دروازے کچھ اس طرح جڑ گئے تھے کہ اندر جانے کا راستہ بھی بند ہو گیا تھا۔ صرف کھڑکیوں کے ذریعے ہی اندر کودا جا سکتا تھا مگر ابھی تک ان تینوں بوگیوں کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔ ان دونوں بوگیوں میں سے اگلی بوگی انٹر کلاس کی تھی اور پچھلی سیکنڈ کلاس کی۔ جن کی طرف سے عدم توجہی کی وجہ سے الٹی ہوئی بوگیوں کے مسافروں کی بدحالی اور کسمپرسی تھی۔ جو بہت خستہ اور شکستہ حالت میں الٹی ہوئی بوگیوں کے اندر پھنسے ہوئے تھے۔ کیسا دل خراش منظر تھا۔ دیکھنے والوں کے قلوب اس منظر سے پانی پانی ہوئے جاتے تھے۔

ابھی کچھ ہی دیر بعد ایک فوجی جیپ جائے حادثہ سے کچھ فاصلے پر آ کر رکی اور اس میں سے دو آدمی بڑی عجلت اور پریشانی میں اترے اور تیزی سے چلتے ہوئے الٹی ہوئی بوگیوں کے قریب آ گئے جہاں بہت سے لوگ امدادی کاموں میں سرگرم عمل تھے۔ ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے جو ادھیڑ عمر کا تھا اور جس کا فوجی لباس اور امتیازی نشان اسے میجر ثابت کر رہا تھا۔ قریب ہی کھڑے ایک پولیس والے کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''آپ کے انچارج اس وقت کہاں ہوں گے؟''

''جی فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' پاس ہی کھڑے ایک دوسرے پولیس والے نے مڑ کر بڑے شائستہ انداز میں پوچھا۔

''اوہ السلام علیکم۔ دراصل اسی ٹرین سے میری ایک عزیزہ اپنی بیٹی کے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔ میں انہیں کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔'' میجر نے اپنی گھبراہٹ اور پریشانی میں جلدی سے اپنے آنے کا سبب بتایا۔

''یہ دونوں خواتین کہاں سے آ رہی تھیں؟'' انچارج نے پوچھا۔

''لاہور سے'' میجر نے بتایا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ کس کلاس سے سفر کر رہی تھیں؟'' انچارج نے دوسرا سوال کیا۔

''وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن امکان غالب یہی ہے کہ وہ سیکنڈ کلاس سے ہی آ رہی ہوں گی۔'' میجر نے پرخیال انداز میں بتایا۔

''لیکن کیا آپ کو انہوں نے اپنی آمد سے مطلع نہیں کیا تھا۔'' انچارج نے پھر ایک سوال جڑ دیا۔ تو میجر قدرے جھنجھلا کر بولا۔

''اطلاع نہیں دی تھی تو کیا مجھے الہام ہوا تھا؟''

''نہیں جناب یہ سب پوچھنے سے تو میرا مقصد صرف یہ تھا کہ شاید آپ کو معلوم ہو کہ آپ کی عزیزہ کس درجے سے سفر کر رہی تھیں۔ کیونکہ اس ٹرین میں تو صرف ایک ہی سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ ہے اور وہ بھی حادثے سے متاثر ہو گیا ہے۔''

''تو کیا وہ بوگی بھی الٹ گئی ہے؟'' میجر کے ساتھی نے جو ایک نوعمر اور خوش شکل لڑکا تھا۔ گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

''نہیں.... مگر.... اچھا آئیے میرے ساتھ چلیے حادثے سے پیدا شدہ پچویشن کو آپ خود ہی دیکھ لیں'' انچارج نے اسی دم دونوں بوگیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھی چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لیے۔ ایک دوسرے کے سہارے کھڑی دونوں بوگیاں سامنے ہی تھیں اور چند لوگ بانس کی سیڑھیوں کو ایک کھڑکی سے لگائے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

''یہ دیکھئے جناب! یہ پچویشن ہے ان بوگیوں کی شکر ہے یہ الٹی نہیں۔'' انچارج ان دونوں کے ساتھ ان بوگیوں کے قریب رک کر بولا۔

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بوگیاں خالی ہیں۔ ورنہ ان کے اندر اگر کوئی مسافر ہوتا تو....'' میجر کے ساتھی لڑکے نے پنجوں کے بل اچک کر بوگیوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے اظہار خیال کے طور پر کہنا چاہا تو انچارج اس کی بات کاٹ کر بڑی تشویش سے بولا۔

''تازہ تازہ دماغ ہے نا صاحبزادے اس لیے آپ نے میری توجہ ایک بڑی اہم بات کی طرف دلائی۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ان دونوں بوگیوں میں کوئی مسافر ہی نہ ہو بلکہ اس کے اندر چھائی ہوئی خاموشی باعث تشویش ثابت ہو رہی ہے۔''

''لیکن اب تو ہمیں جلد از جلد اندر پہنچنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کوئی ہماری امداد کا منتظر ہو۔'' میجر نے ہراساں ہو کر کہا۔

''پھر تو سیڑھی کے ذریعے ہی اندر جانا پڑے گا۔ خیر ٹھہریے میں ابھی اس کا بھی انتظام کر دیتا ہوں۔'' انچارج عجلت میں بولا۔ کھڑکی سے لگی بانس کی سیڑھی کے قریب آدمیوں سے اس نے اندر کمپارٹمنٹ میں جانے کیا کہا اور پلٹ کر میجر اور ان کے بیٹے سے بولا۔ ''یہ لوگ روشنی لے کر اندر اتر رہے ہیں۔ میرے خیال میں آپ خود اندر جا کر اطمینان کر لیں۔''

میجر نے پلٹ کر نوجوان لڑکے کی طرف دیکھا اور بولے۔

''ایسا بھی تو ممکن ہے کہ انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہو'' گو یہ بات انہوں نے منہ ہی منہ میں کہی

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تھی مگران کے بیٹے نے سن لی تھی۔ مگر وہ آگے بڑھ کر خاموشی سے ان کے اندر اترنے کا انتظار کرتا رہا کیوں کہ انچارج سمیت دو تین آدمی سیڑھیوں کے ذریعے کمپارٹمنٹ کے فرش پر پڑے نظر آئے۔ بالائی برتھوں پر رکھا ہوا سامان بھی فرش پر اور سیٹوں پر ادھر اُدھر بکھرا پڑا تھا۔ اس لیے آگے بڑھنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ سپاہی فرش پر برابر تارچ کی روشنی ڈال رہا تھا۔ اور ادھر میجر کی ٹارچ بھی فرش پر پڑے اجسام کی تعداد کا اندازہ لگانے کے لیے سارے کمپارٹمنٹ میں گھوم رہی تھی۔ اس کمپارٹمنٹ میں صرف تین ہی مسافر نظر آئے۔ تینوں عورتیں تھیں جو بے ہوش اور زخمی حالت میں تھیں۔ ایک عورت فرش کے بیچوں بیچ اوندھی پڑی تھی۔ دوسری ایک برتھ کے نیچے بے سدھ پڑی تھی۔ اور تیسری غسلخانے کے دروازے کے آگے۔ انچارج فرش کے بیچوں بیچ اوندھی پڑی عورت کو سیدھا کرنے میں مصروف ہو گیا جس کے سر سے خون رس رہا تھا۔ اور میجر انچارج اور سپاہی کو ادھر مصروف دیکھ کر برتھ کے نیچے پڑی ہوئی عورت کی طرف بڑھے۔ دونوں باپ بیٹوں نے جھک کر بڑی احتیاط سے اسے باہر کھینچا اور میجر نے دوزانو ہو کر بیٹھتے ہوئے تارچ اس کے چہرے پر ڈالی تو تھوڑی دیر کو تو یوں محسوس ہوا کہ ساکت سے رہ گئے ہوں۔ گو یہ ان کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ یعنی ریل کا حادثہ کیونکہ انہوں نے دوسری جنگِ عظیم میں اس سے بھی کہیں زیادہ بھیانک اور اندوہناک مناظر دیکھے تھے۔ بنی نوع انسان کی ایک بڑی تعداد کو تہ تیغ ہوتے ہوئے اور بھنے ہوئے دانوں کی طرح جنگ کی آگ میں جلتا اور چٹختا دیکھا تھا اور وہ بڑے دل گردے کے آدمی تھے۔ مگر ارتباط رشتہ، احساسات اور جذبات کی ایک علیحدہ دنیا ہوتی ہے جو بسا اوقات ایک پتھر سے پتھر دل اور بے حس نیم مردہ حیات کو اچانک جھنجوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اور میجر اپنے فرائضِ منصبی اور اصولوں کے لحاظ سے سخت ضرور تھے مگر بے حس اور سنگدل ہرگز نہ تھے۔ ان کے سکوت میں اچانک ہی ایک جوار بھاٹا سا اُٹھنے لگا اور لمحے لمحے پر بھاری یادیں ماضی کی المناک حقیقتوں کے سنگریزے چن کر لانے لگیں تو دل پانی ہو کر آنکھوں کی راہ بہہ نکلا۔ یہ بے سدھ پڑی خاتون جو معمر نظر آ رہی تھیں اور جن کی ساکت ہوتی نبضوں کو بڑی دیر تک ٹٹولنے کے بعد ان کے ہاتھ سینے پر رکھ کر میجر نے بڑی احتیاط اور احترام سے ان کا سر ایک زخمی ٹھوڑی پر رکھ کر گلوگیر لہجے میں کہا۔

"آہ بھابی جان! اس طرح آنے سے تو بہتر تھا کہ آپ ہم سے ملنے کا ارادہ ہی ترک کر دیتیں۔ کیونکہ قدرت نے ہمارے درمیان جو فاصلے قائم کر دیے تھے آپ کا انہیں پاٹنا شاید قدرت کو نہیں بھایا۔ اب آپ ہیں بھی تو کب بھابی کہ میں خود بولتے بولتے تھک جاؤں یا میری آنکھوں سے رنج و الم کا دریا بہہ بہہ کر طغیانی کی صورت اختیار کر لے مگر آپ کی یہ ابدی نیند کبھی نہ ٹوٹے۔ یہ کیسی سزا ہے بھابی!" میجر کی آواز اشکوں کی یلغار میں ڈوب گئی تھی۔ اور اب وہ بغیر آواز نکالے۔ بغیر سسکی بھرے سیل اشک بہا رہے تھے۔ ان کا بیٹا بھی کافی متاثر نظر آ رہا تھا۔ تارچ کی روشنی مرحومہ کے چہرے پر مرکوز کیے ساکت سا کھڑا۔ بھیگی بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ پھر چند بہت ہی گراں اور بوجھل لمحے اسی عالم میں بیت گئے۔ بیٹے کو باپ کے غم کا احساس ہوا تو اس نے تارچ بند کرتے ہوئے کہا۔

"بس پاپا بس کریں۔ چچی اماں کے ساتھ۔"

میجر کو بھی ایک دم یاد آ گیا کہ ان کی بھاوج کے ساتھ ان کی بھتیجی بھی سفر کر رہی تھی۔ جیب سے رومال نکال کر انہوں نے اپنے آنسو پونچھے اور اوپر برتھ پر پڑا ہوا ایک موٹا سا کھیس اپنی بھاوج پر ڈال کر اٹھتے ہوئے ان کا چہرہ اس وقت رنج و الم کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"ہم نے اب تک ان خاتون کو نہیں دیکھا پاپا۔ یہ لوگ تو اس سرحدی لڑکی کی مرہم پٹی میں ہی لگے ہوئے ہیں۔"

میجر کے بیٹے نے انچارج اور ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا جو کھڑکی کی راہ باہر جاتے ہوئے سپاہی کو ہدایت دینے کے ساتھ ساتھ کہہ رہا تھا کہ اگر پیٹرومیکس نہ ملے تو لالٹین ہی لیتے آنا جو اس زخمی لڑکی کے سر پر اسی کے دوپٹے سے پھاڑی ہوئی پٹی باندھ رہا تھا۔ اصل میں اس نے اپنے ماتحت سپاہی سے طبی امداد دینے والی پارٹی کے کسی رکن کو بلوایا تھا۔ تاکہ جلد از جلد اس زخمی لڑکی کو طبی امداد پہنچائی جا سکے۔ میجر اس طرف ایک نظر ڈال کر چپ چاپ اس خاتون کی طرف بڑھ گئے جو غسل خانے کے دروازے کے آگے اپنے جسم کو سمیٹے کروٹ کے بل پڑی تھی۔ اسے سیدھا کرنے میں اپنے باپ کی مدد کرتے ہوئے لڑکے نے کہا۔

"یہاں پانی بھی تو نہیں ہے۔"

"پانی تو غسل خانے کے نل سے بھی مل سکتا ہے مگر پہلے مجھے تو دیکھ لینے دو۔ کہیں بھابی جان اسے بھی اپنے ساتھ ابدی سفر پر نہ لے گئی ہوں۔" میجر کی آواز میں اشکوں کی نمی نہیں صدمات کا شکستہ پن تھا۔ لڑکے کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔

"مگر پاپا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ چچی جان تنہا ہی آئی ہوں۔"

"نہیں یہ ممکن ہی نہیں۔ اچھا تم اس پر روشنی تو ڈالو۔ میں بھی تو دیکھوں۔" میجر کچھ اور کہنے ہی والے تھے کہ لڑکی کے ہاتھوں اور سر کو ہلکی سی جنبش ہوئی اور اس نے ڈوبتی ہوئی پست آواز میں پانی مانگا اور اسی دم میجر نے اپنے بیٹے سے کہا۔

"یہ پانی مانگ رہی ہیں عارف"

عارف نے فوری طور پر ان کے حکم کی تعمیل کی۔ لڑکی کا سر تھوڑا سا اونچا کر کے اور اپنے ایک ہاتھ سے اسے سہارا دے کر میجر نے پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا تو اس سے ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ بکھری بکھری سیاہ دراز زلفیں غلافی پپوٹوں پر لرزتی ہوئی پلکوں کی گھنیری جھالر کندن کی طرح دمکتی ہوئی رنگت اور ہر لحاظ سے پُرقیامت۔ لڑکا بھی تارچ کی روشنی اس کے چہرے پر مرکوز کر کے پلک جھپکانا بھول گیا۔

واہ کیسا جہاں سوز حسن تھا۔ ایسا حسن جس کے بارے میں صرف سنا ہی ہو کبھی دیکھا نہ ہو یا پھر جو داستانوں اور افسانوں کی تصوراتی تشبیہات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ورنہ حقیقی دنیا میں وہ بھی آج کے اس کھوٹ اور ملاوٹ کے دور میں جب کہ بالوں سے لے کر پلکیں اور جسم کے اعضاء بھی مصنوعی استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بے تحاشا اور بے پناہ حسن کا مرقع اتفاق...... اور کرشمہ ہی دیکھنے کو مل سکتا ہے اس کا حسین تر چہرہ ستا ستا سا تھا اور اسے اپنی گردن ہلانے میں بڑی دقت محسوس ہو رہی تھی۔

باپ نے تاریکی میں کھڑے بیٹے کی طرف یوں دیکھا جیسے اس سے تصدیق کرانا چاہ رہے ہوں کہ کیا یہ وہی لڑکی ہے جو رشتے میں میری بھتیجی ہوتی ہے۔ عارف بھی باپ کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا واقعی یہ اعظم چچا کی لڑکی ہے۔ چچی چچا تو واجبی سی شکل و صورت کے تھے۔ پھر ان کی لڑکی کو یہ لازوال سا حسن کہاں سے مل گیا۔ نہیں..... نہیں..... یہ نہیں نہیں۔ خدا کرے یہ اعظم چچا ہی کی لڑکی ثابت ہو۔ حقیقت کی کسوٹی پر اپنی پہچان کو پرکھتے پرکھتے عارف نے سچائیوں سے منہ موڑ کر تمنا

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کی۔ پانی کے چند گھونٹ حلق سے اتارتے ہی لڑکی نے آنکھیں تھوڑی تھوڑی وا کر کے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک دم ہی گھبرا کر اٹھنا چاہا مگر ایک ہلکی سی سسکاری کے ساتھ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اور میجر لڑکی سے کچھ پوچھنے ہی والے تھے کہ اسی دم کھڑکی کے ذریعے پھنس پھنسا کر ایک لحیم شحیم اور فربہ اندام شخص اندر آیا اور اس کے پیچھے ریلوے کا ایک ملازم جس کے ہاتھ میں ایک بڑے سائز کی لالٹین تھی۔ نووارد فربہ اندام شخص ملیشیا کی گھٹنوں تک لمبی قمیص اور گھیر دار شلوار پر سیاہ رنگ کی میلی سی واسکٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے سر پر میلی چیلی اور بوسیدہ سی کلاہ تھی۔ اور لالٹین کی روشنی میں اس کے چہرے پر برستی کرختگی بہت واضح طور پر عیاں تھی۔ اس نے آتے ہی بڑے کھردرے لہجے میں انچارج سے کچھ پوچھا۔ تو انچارج بولا۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے خان صاحب! اس ڈبے میں صرف تین مستورات ہیں۔ دو بے ہوش ہیں اور ایک حادثہ کا شکار ہوگئی ہیں۔ مگر وہ ان میجر صاحب کی عزیزہ ہیں۔ باقی دونوں لڑکیوں کو آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کی ہمشیرہ ان میں کون سی ہیں۔''

انچارج کی بات سن کر نووارد کے سخت اور کھردرے چہرے پر فکر و تردد کے سائے لرزنے لگے اور ادھر عارف نے دل ہی دل میں دعا کی کہ خدا کرے یہ اتنے زبردست حسن کی مالک لڑکی نووارد کی بہن ثابت نہ ہو۔ نووارد چونکہ کمپارٹمنٹ کے اسی وسطی حصے میں آ کر کھڑا ہوا تھا۔ جہاں وہ بے ہوش لڑکی پڑی تھی۔ اس لیے پہلے اسی پر جھک گیا۔ دوسرے آدمی نے لالٹین قریب کر کے لڑکی پر روشنی ڈالی تو نووارد سراسیمہ ہو کر گھٹنوں کے بل اس لڑکی کے قریب بیٹھ گیا اور اس کی نبض پہ ہاتھ رکھ کر پکارا۔

''شاہ گل..... ہوئے شاہ گل.....!''

''تو یہ آپ کی بہن ہے؟'' انچارج نے نووارد کے خاموش ہوتے ہی پوچھا۔

''ہاں، یہ ہمارا بہن ہے کیا اس کا وفات ہوگیا؟'' نووارد نے سراسیمگی کے عالم میں پوچھا۔

''نہیں خان صاحب! ان کے سر میں چوٹ آئی ہے۔ اس لیے یہ بے ہوش ہیں۔ لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ طبی امداد ملتے ہی اسے ہوش آ جائے گا۔'' پولیس انچارج نے نووارد کو اس قدر ہراساں دیکھ کر اس کی ڈھارس بندھائی۔ اور عارف نے دل ہی دل میں شکر یہ ادا کیا۔ اس پر اور میجر پر اس وقت جو اضطراب کا عالم طاری تھا وہ بھی دور ہوگیا۔ اب تو گویا وہ یقینی طور پر ان کی عزیزہ ثابت ہوئی تھی۔ اس کے باوجود بھی میجر چاہ رہے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے لڑکی کو گھر بھیج دیں مگر نووارد کی بہن کی حالت کے پیش نظر پہلے اس لڑکی کو کمپارٹمنٹ سے باہر نکالنا تھا تا کہ جلد از جلد اسے طبی امداد بہم پہنچائی جا سکے۔ کھڑکی کی راہ زخمی اور بے ہوش مسافروں کو باہر نکالنا بھی آسان نہ تھا۔ ادھر میجر کی یہ کوشش تھی کہ خواتین کی بے حرمتی نہ ہو۔ خیر، شاہ گل کا تو بھائی آ گیا تھا مگر دوسری لڑکی کی تلاش میں اب تک کوئی نہیں آیا تھا اور ادھر میجر کو اپنی بھاوج کی تجہیز و تکفین کی فکر پڑی تھی۔ لاش حاصل کرنے کے سلسلے میں دوسرے معاملات بھی نمٹانے تھے۔ انہوں نے کچھ سوچ کر انچارج سے کہا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے میری بھتیجی حادثے سے اتنی متاثر نہیں ہوئی۔ وہ تو ہوش میں بھی ہے۔ البتہ حادثے کا دھچکا اس پر ضرور بیٹھا ہے اور ان حالات کے پیش نظر میں چاہتا ہوں کہ میری بھتیجی کو اس کی والدہ کی موت سے لاعلم رکھا جائے۔'' انہوں نے یہ سب کچھ سوچ کر کہا تھا۔ مگر انچارج ان کی اس سوچ تک نہ پہنچ سکا البتہ ان کے خیال کی تائید ضرور کی۔

''جی ہاں آپ کی رائے تو نہایت صائب ہے۔ ظاہر ہے ماں کی اچانک موت آپ کی بھتیجی کے لیے کسی سانحے سے کم ثابت نہ ہوگی لیکن ان کی نظروں سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں ہے'' اس کے جواب پر میجر کچھ دیر بالکل خاموش کھڑے رہے پھر اچانک ہی لڑکی کی طرف مڑے اور اس کے قریب جھک کر بولے۔

''سنو بیٹی! میں تمہارا چچا اطہر علی ہوں۔ عشمہ بھابی۔ تمہیں لے کر ہمارے یہاں آ رہی تھیں نا؟ مگر اس وقت وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ شاید ہمیں انہیں ہسپتال بھی لے جانا پڑے تم سے اگر ہو سکے تو اپنا سامان پہچاننے میں ہماری مدد کرو۔''

لڑکی غسلخانے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی تھی۔ لالٹین آ جانے کی وجہ سے کمپارٹمنٹ میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لڑکی نے آہستہ آہستہ اپنا سر اپنے گھٹنوں پر سے اٹھایا مگر نگاہ اٹھا کر کسی طرف دیکھا نہیں بس جہاں تک سر اٹھ سکا تھا وہیں پہ ساکت ہو کر بیٹھی رہی۔ انچارج بھی بڑے غور سے لڑکی کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی لڑکی کے نزدیک ہو کر پوچھا۔

''سنیے بیٹی! آپ اتنا تو بتا سکتی ہیں کہ آپ کہاں سے آ رہی ہیں اور کس کے ساتھ ہیں؟''

''آپ کا یہ سوال درست نہیں۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ یہ میری بھتیجی ہے اور لاہور سے اپنی ماں کے ساتھ آ رہی تھی کہ یہ حادثہ پیش آ گیا۔'' میجر نے قدرے ہراساں ہو کر انچارج کے سوالات کی تردید کی۔

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ خیر آپ خود ہی ان سے بات کیجیے۔'' انچارج بڑی رسانیت سے بولا۔ میجر نے پھر جھک کر لڑکی کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے سامان کے متعلق پوچھ رہا تھا بیٹی! تم صرف ہمیں اس کی تفصیل بتا دو۔''

میجر کی بات سن کر نہیں بلکہ اس کے شانے ہلانے کی وجہ سے لڑکی نے چونک کر نیم وا سی آنکھوں سے میجر کی طرف دیکھا۔ اپنی طرف اسے متوجہ دیکھ کر میجر نے جلدی سے اپنی بات دہرائی۔

''میرا سامان..... مگر کیسا سامان۔ آپ کس سامان کو پوچھ رہے ہیں۔'' لڑکی کی مترنم سی آواز آہستہ سے کھنکی پھر اس نے آہستہ آہستہ اپنے سر کو ادھر ادھر گھمانے کی کوشش کی۔

''بھئی وہی سامان جو آپ لاہور سے اپنے ساتھ لے کر ٹرین پر سوار ہوئی تھیں۔'' انچارج کچھ زچ ہونے کے سے انداز میں بولا۔

''ہائیں۔ میں کہاں ہوں؟ یہ کون سی جگہ ہے آپ۔ آپ لوگ۔'' وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم ہی چپ ہو کر میجر کی طرف دیکھنے لگی جواب تک اس پر جھکے ہوئے تھے۔

''میں تمہارا چچا اطہر ہوں بیٹی! شفق..... صوفیہ..... شکیلہ ان سب کو تم جانتی ہی ہو نا؟'' میجر نے پھر کچھ بے تابانہ سے انداز میں اس سے پوچھا۔

''ش..... شفق..... صوفیہ..... شکیلہ۔'' لڑکی نے زیر لب آہستہ آہستہ یہ تینوں نام دہرائے اور پھر ایسی خاموش ہوئی جیسے قوت گویائی ہی سلب ہوگئی ہو۔

''ذرا میری بات سنیے میجر صاحب!'' انچارج نے میجر کا شانہ دبا کر آہستہ سے کہا اور میجر نے سیدھا ہو کر مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ انچارج میجر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمپارٹمنٹ میں لے گیا۔ اور رازدارانہ لہجے میں بولا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''جہاں تک میرا اندازہ ہے آپ کی بھتیجی اپنی یادداشت کھو چکی ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ جلد از جلد انہیں اپنے گھر پہنچا دیں۔ ورنہ کچھ ہی دیر بعد سروے کی غرض سے جو چند افسران یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ان کی موجودگی میں اگر آپ کی بھتیجی نے آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیا تو یقیناً معاملہ الجھ کر رہ جائے گا۔ سامان کی آپ فکر نہ کریں۔ خان صاحب اپنا سامان لے کر جا چکے ہیں۔ باقی جتنا سامان اس وقت یہاں موجود ہے آپ کی بھاوج اور بھتیجی کا ہی ہوگا۔''

انچارج کے مخلصانہ مشورے پر جیسے میجر کی دلی مراد بر آئی مگر انہوں نے اپنی کسی کیفیت کو بھی انچارج پر ظاہر ہونے نہ دیا..... بڑے تردد کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

''شکریہ انچارج صاحب! آپ کی رائے نہایت صائب ہے لیکن اپنی بھاوج کی لاش کو یہاں چھوڑ جانا بھی میرے لیے ممکن نہیں۔'' پھر قدرے توقف کے بعد انہوں نے عارف سے کہا۔

''سنو بیٹے..... اس بچی کو یہاں ان لوگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں۔ میرے خیال میں یہی بہتر رہے گا کہ تم اسے گھر لے جاؤ بعد میں اس کے بارے میں جو بھی تصفیہ ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہمارے یہاں کم از کم یہ حفاظت سے تو رہے گی۔'' میجر کی باتوں سے بے یقینی سی عیاں تھی۔ انہوں نے بہت آہستہ سے یہ بات عارف سے کہی تھی۔ عارف نے تجسس سے انداز میں ان کی صورت دیکھی اور تھوڑے تامل کے بعد کہا۔

''بہتر ہے پاپا..... مگر امی جان سے۔''

''تمہاری امی جان اس وقت بے غل وغش پڑی سو رہی ہیں۔ تم اسے شفق کے پاس چھوڑ کر فوراً واپس آ جاؤ۔ میں جلد از جلد اپنی اس آخری ذمہ داری سے بھی نمٹ لینا چاہتا ہوں۔ اور ہاں...'' انہوں نے آہستہ سے عارف کو کوئی ہدایت کی اور پھر قدم بڑھا کر لڑکی کے پاس پہنچے۔

''اٹھو بیٹی آؤ گھر چلیں۔'' انہوں نے آہستہ سے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

''گھر..... کس کے گھر؟'' لڑکی نے آنکھیں پوری طرح کھول کر پوچھا۔

''میرے گھر..... خود تمہارے اپنے گھر.....'' میجر نے بڑے دلار سے بتایا۔ لڑکی پھر بھی اپنی جگہ پر جمی بیٹھی رہی۔

''آیئے چلیں۔'' عارف بھی اس پر جھک کر بولا۔ لڑکی اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ تو میجر نے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور اسے کھڑکی کے قریب لا کر کھڑا کر دیا۔ اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگے۔

''ٹھہریے۔'' انچارج نے انہیں روکا۔

''میں ان کے لیے اسٹریچر منگوا لوں۔''

''نہیں اسٹریچر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ آہستہ آہستہ خود چل سکتی ہے۔ البتہ کھڑکی کو پار کرنا ضرور کار دارد ہے۔'' میجر بولے اور انچارج خاموش ہو گیا۔ عارف نوعمر ضرور تھا۔ لیکن بہت سمجھ دار لگ رہا تھا۔ اس نے جلدی سے کھڑکی سے باہر رینگ کر سیڑھی پر اپنے قدم جمائے اور لڑکی کو بھی اپنی تقلید کرنے کو کہا۔ لڑکی بھی بلا تامل دیکھتے ہی دیکھتے کھڑکی سے باہر رینگ گئی سیڑھی پر سے اترنے میں عارف نے بڑی احتیاط اور نرمی سے اس کی مدد کی۔ اور اپنا سہارا دے کر لڑکی کو سیڑھی پر سے اتار لیا۔

جیپ زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ مگر لڑکی نے ضرور آہستہ آہستہ قدموں سے چل کر یہ فاصلہ طے کرنے

میں وقت لگا دیا۔ اور عارف سے مدد لیے بغیر خود ہی جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عارف نے بھی خاموشی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گھر کا رخ کیا۔ عارف کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ اور وہ نجانے اس وقت کیا کیا سوچ رہا تھا کہ جائے حادثہ سے گھر تک کا ایک گھنٹہ کا راستہ اس نے بڑی خاموشی سے طے کیا۔ اپنے ہٹ نما خوب صورت بنگلے میں پہنچ کر اس کی یہ خود فراموشی ٹوٹی۔ جیپ کو پورٹیکو میں روک کر وہ نیچے اترا تو لڑکی بھی اس کی دیکھا دیکھی جیپ سے نیچے اتر آئی۔

عارف نے پورچ کی سیڑھیاں چڑھ کر کال بیل بجانے کے بجائے ایک مخصوص سے انداز میں بند دروازے پر دستک دی اور کچھ ہی دیر بعد ایک ملازم نے دروازہ کھول دیا۔ عارف نے مڑ کر لڑکی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اور اس کے ساتھ چلتا ہوا کوریڈور کے سرے پر پہنچا ہی تھا کہ شفق کھڑی نظر آئیں۔ ان کی خوبصورت آنکھوں میں انتظار کی تھکن ابھی باقی تھی اور چہرے پر فکر و تردد کے ساتھ ساتھ تجسس اور پریشانی بہت واضح طور پر عیاں تھی۔ وہ عارف کو دیکھ کر بے تابانہ اس کی طرف بڑھیں۔ تاکہ حادثے کی تفصیلات معلوم کریں۔ لیکن..... عارف کے پیچھے سادہ سے کپڑوں میں ملبوس ایک حسین وجمیل لڑکی کو آتا دیکھ کر وہ اپنی جگہ پر ٹھٹک گئیں۔ پھر چچا زاد ہونے کی حیثیت سے اس لڑکی سے اپنے رشتے کی نوعیت کا خیال آیا تو تیزی سے اس کی طرف لپکیں اور جھٹ سے اسے گلے سے لگا لیا اور بڑی اپنائیت سے بولیں۔

''شکر ہے تم صحیح سلامت پہنچ گئیں۔'' لڑکی محبت اور لگاؤ کے اس اچانک مظاہرے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ اس پیچھے کھڑی خوبصورت سی نازنین کو دیکھ کر پلکیں جھپکانے لگی۔ اس کا ہر انداز بہت غیریت اور اجنبیت لیے تھا۔

''یہ فی الوقت مسئلہ متنازعہ بنی ہوئی ہیں۔ اور یہ اپنی یادداشت بھی کھو چکی ہیں۔'' عارف نے انگلش میں اپنی بجیا سے کہا اور ادھر عارف کی بات پر بجیا کی حیرت میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہو گیا پھر بھی وہ بڑے دلار سے لڑکی کے شانوں پر اپنا ہاتھ پھیلا کر اسے اپنے کمرے تک لے آئیں۔ عارف دانستہ وہیں رک گیا تھا۔ بجیا لڑکی کو کمرے میں چھوڑ کر فوراً..... اس کی طرف پلٹیں۔

''یہ تم یہاں کھڑے کیا سوچ رہے ہو اور ہاں چچی اماں کہاں ہیں؟'' بجیا نے گردن ٹیڑھی کر کے دروازے کی طرف دیکھنے کی کوشش میں پوچھا۔ عارف کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر بڑے افسردہ سے لہجے میں بولا۔

''بیڈ نیوز بجیا' چچی اماں اس حادثے کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں۔''

''حادثے کا شکار ہو گئیں۔ یہ کیا کہہ رہے ہو تم عارف۔ ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا واقعی کوئی بہت بڑا حادثہ ہوا ہے۔'' بجیا کچھ بے یقینی سے اور کچھ چچی اماں کی موت کے صدمے سے اونچی آواز میں بولیں تو عارف نے فوراً ٹوکا۔

''خدا کے لیے بجیا ذرا آہستہ بولیے۔ ان محترمہ کو کسی بات کا علم نہیں اور حادثہ بڑا ہو یا چھوٹا ظاہر ہے ایک حادثہ ہی ہوتا ہے۔ انجن سمیت پوری چار بوگیاں الٹ جانا کوئی معمولی بات نہیں۔''

''اچھا تو کیا چچی اماں والی بوگی بھی الٹ گئی تھی؟'' بجیا نے دہل جانے کے سے انداز میں پوچھا۔

''یہ ساری تفصیلات بعد میں سن لیجئے گا۔ اس وقت تو میں واپس جا رہا ہوں۔ پاپا بے چینی سے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

میرے منتظر ہوں گے۔'' عارف نے عجلت کا اظہار کیا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

''تو کیا تم ہسپتال جا رہے ہو؟'' بجیا نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں جائے حادثہ پر، چچی اماں نے ہمیں ہسپتال لے جانے کی بھی زحمت نہیں دی۔'' عارف نے بتایا۔

''اف خدایا تو پھر پاپا انہیں یہیں لے کر آ رہے ہیں۔'' بجیا نے پھر پوچھا۔

عارف اس وقت جواب دینے کے موڈ میں نہ تھا۔ کچھ جھنجھلا کر دروازے پر رکا اور بیزار لہجے میں بولا۔

''اصولاً تو یہیں لانا چاہئے۔ لیکن یہ سب کچھ تو پاپا کی مرضی پر منحصر ہے۔'' اور بجیا خاموش ہی ہو گئیں۔ ان کی تو پہلے ہی ساری خوشی کافور ہو گئی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ کس طرح اس خبر بد کو، اس غم انگیز حادثے کو قبول کریں۔ روئیں چلائیں۔ یا پاگلوں کی طرح قہقہے لگائیں۔ ان کے تین کنول رنج و ملال کی متلاطم جھیلوں میں ڈوب گئے تھے۔ عارف سیڑھیاں اتر کر جیپ میں بیٹھنے لگا تو اسے کچھ یاد آیا۔

''ہاں سنیے۔ وہ ابھی اس حادثے کے متعلق امی جان کو کچھ نہ بتائیے گا۔ پاپا نے سختی سے تاکید کر دی ہے۔'' بجیا نے خاموشی سے اس کی بات سنی اور اسی وقت اندر مڑ گئیں۔ اور اپنے کمرے کے قریب پہنچ کر کچھ دیر یونہی کھڑی ہاتھ ملتی رہیں۔ آنکھوں سے بھی ساون بھادوں کی جھڑی لگی تھی۔ اور دماغ میں تیزی سے سارے واقعات گھوم رہے تھے۔ عارف نے جو کچھ بھی اس اجنبی لڑکی کے بارے میں کہا تھا۔ اس کی روشنی میں وہ بھی سوچ رہی تھیں۔ کیا یہ واقعی چچی اماں اور چچا جان کی اکلوتی بیٹی ہے۔ یہ اتنے بے تحاشا حسن کی مالک۔ سرد سے جذبات کی حامل اجنبی لڑکی؟ اگر یہ واقعی وہی ہے تو بڑی بدقسمت ہے۔ بیچاری جو باپ کی شفقت سے ہمیشہ محروم رہی۔ اب جان چھڑکنے والی ماں نے بھی اپنی ممتا کا مقدس دامن اس کے لیے تہی کر لیا۔ اب نہ جانے کس کل اونٹ بیٹھے۔ آخر امی جان کے سامنے کیا عذر پیش کیا جائے گا۔ پاپا نے اپنی کسی مصلحت کے تحت امی جان کو اس واقعے سے لاعلم رکھنے کی تاکید تو کر دی ہے مگر یہ نہیں سوچا کہ نشان کا ہاتھی کے مصداق یہ لڑکی تو موجود ہے۔ اب اس بات کو تو امی کا ذہن کبھی تسلیم نہیں کرے گا کہ چچی اماں خود تو وہیں رک گئیں اور اپنی بیٹی کو ہمارے پاس بھیج دیا اور پھر بیٹی بھی وہ جو سب سے بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہے اس وقت، عارف کہہ رہے تھے کہ انہیں اس کی دماغی صحت پر بھی شبہ ہے۔ اوہ میں بھی کیا سوچنے لگی۔ اگر وہ چچا کی بیٹی نہیں بھی ہے تب بھی ایک مہمان کی حیثیت سے ہمارے گھر آئی ہے۔ یقیناً اب مجھے بھی اس سے اسی طرح پیش آنا چاہئے۔ آخر انسانیت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے نا اور انسانیت کا رشتہ تو سب سے پرانا اور عظیم ہے۔ اسی خیال سے بجیا نے اپنے دل کو سنبھالا۔ جلدی سے آنسو پونچھے اور کمرے میں گھس گئیں لڑکی ان کے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی حیران حیران سی نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ بجیا کمرے میں آئیں تو انہیں دیکھ کر وہ کھڑکی کی طرف گھومی اور باہر دیکھنے لگی۔ بجیا سیدھی چلتی اس کے پیچھے آن کھڑی ہوئیں۔ اور اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر دھیمے اور سوگوار سے لہجے میں بولیں۔

''یہاں کیوں کھڑی ہو آؤ میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ اس وقت تمہیں آرام کی بہت ضرورت ہے۔

رات کا سفر ہوتا ہی تکلیف دہ ہے۔'' اور لڑکی ان کی بات پر یوں چونکی جیسے وہ ان کی زبان سمجھنے سے قاصر ہو یا پھر انہوں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو۔ اس نے ان کی طرف گھوم کر انہیں غور سے دیکھا پہچان کی ہلکی سی رمق بھی اس کی آنکھوں میں نہ تھی۔ گھڑی بھر کو تو بجیا بھی اس کی ان خالی خالی سی نظروں سے سٹ پٹا سی گئیں۔ مگر جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

''آؤ نا.... اس قدر تکلف سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے گو ہم نے ایک دوسرے کو پہلے کبھی دیکھا نہیں مگر تمہیں ہم سے اپنے رشتے کا تو علم ہوگا۔ اور اپنوں سے تو کوئی بھی اتنی غیریت نہیں برتتا۔'' بجیا کے لہجے میں دلدہی اور اپنائیت تھی۔ لڑکی خاموشی سے ان کے بستر پر بیٹھ گئی۔ بجیا نے بھی اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اگر چاہو تو اپنا یہ لباس تبدیل کر سکتی ہو۔ نہانے سے ذرا فریش نیس بھی آ جائے گی۔ ٹھہرو میں تمہارے لیے کپڑے نکالتی ہوں۔ تمہارا سامان تو ذرا دیر سے آئے گا۔'' اس کے ملگجے سے لباس کو دیکھ کر بجیا اپنے کپڑے نکالنے فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نہیں میرے یہی کپڑے ٹھیک ہیں۔'' اتنی دیر میں لڑکی نے لب کشائی بھی کی تو اس طرح جیسے پتھر سا مار دیا ہو۔ بجیا کے نازک سے احساسات کو ٹھیس تو بہت پہنچی مگر انہوں نے اپنی کسی بھی بات سے اپنی ناگواری کو ظاہر ہونے نہ دیا۔ وہ تو پہلے ہی دل گرفتہ ہو رہی تھیں اور انہیں لڑکی کے ساتھ گزرنے والی افتاد کا بھی احساس تھا۔ اس لیے اپنے اسی مخصوص اپنائیت بھرے لہجے میں بولیں۔

''اچھا تو پھر تم لیٹ جاؤ۔ ابھی تو صبح ہونے میں کافی دیر ہے اور تم تو دیر سے بھی اٹھو تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ جب تک دل چاہے سو لینا۔'' بجیا نے مسکرانا چاہا مگر ناکام رہیں۔ لڑکی پھر بھی خاموش رہی۔ بلکہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بجیا کے دل میں عارف کے ڈالے ہوئے شکوک پختہ ہونے لگے۔ کچھ سوچ کر انہوں نے کہا۔

''اوہ میں تو بھول ہی گئی۔ دراصل اس جانکاہ حادثے نے تمہارے ساتھ ساتھ ہمیں بھی حواس باختہ کر دیا ہے۔ ورنہ میں تو تمہارے آتے ہی ملازم سے تمہارے لیے چائے تیار کرنے کو کہہ چکی ہوں۔'' بجیا اپنی بات کہہ کر منتظر سی اس کے تاثرات دیکھتی رہیں۔ انہوں نے دانستہ حادثے کا ذکر کیا تھا مگر لڑکی اسی طرح چہرہ جھکائے خاموش بیٹھی رہی ذرا سا چونکی تک نہیں تو انہوں نے جلدی سے خود ہی کہا۔

''ٹھیک ہے میں ابھی تمہارے لیے گرم گرم چائے لاتی ہوں۔ شاباش اتنے میں تم جوتے اتار کر لیٹ جاؤ۔'' بجیا نے آہستہ سے اسے تھپکا اور پھر جھپ سے باہر نکل گئیں۔ اندر باورچی خانے میں ملازم نے چولہے پر چائے کا پانی تو رکھ دیا تھا۔ مگر وہیں نیچے ٹائلوں کے فرش پر پڑ کر سو گیا تھا۔ خدا ترس بجیا نے اس نوعمر ملازم کی نیند میں دخل ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ خود ہی کیتلی میں چائے دم کی اور ٹرے میں چائے کے برتن سجا کر دبے پاؤں باورچی خانے سے باہر نکل آئیں مگر اپنے کمرے میں آ کر دیکھا تو لڑکی ان کے بستر پر چت لیٹی اپنی آنکھوں پر بازو رکھے بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ اس کے اس بے پروائی سے سونے کی ادا پر بجیا کو اس پر بڑا ترس آیا۔ ہر بات میں خدا کی کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اب اس بیچاری سے اس کا حافظہ چھین لیا ہے۔ تاکہ یہ اچانک آ پڑنے والی اس افتاد کو سہار سکے۔ بجیا نے دل میں سوچا اور پھر ان کا دھیان ایک دم ہی اپنی چچی کی طرف پلٹ گیا۔ وہ کسی بھی لمحے اپنے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

والد اور بھائی کی آمد کی منتظر تھیں اور یہ سوچ سوچ کر آبدیدہ ہوئی جارہی تھیں کہ مدتوں بعد اپنی چچی کو دیکھیں گی بھی تو بھلا کس عالم میں۔ اس سوئی ہوئی لڑکی پر نگاہیں مرکوز کیے کیے ان کے تخیلات کی پرواز انہیں بہت پیچھے ماضی کی ان راہداریوں میں چلنے پر اکسانے لگی۔ جن پر خود بھی چلنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ مگر اپنے والدین کی زبانی انہوں نے ان کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔

☆☆☆

شیخ حسنات ایک معمولی درجے کے ٹھیکیدار تھے۔ دوسری جنگ عظیم کا ابتدائی دور تھا جب انہوں نے فوجی ٹھیکہ لیا تو اس نئے فوجی ٹھیکے نے ان کی چاندنی کردی۔ وہ مٹی میں ہاتھ ڈالتے تو وہ سونا بن جاتی ہے اور یہ ہاتھ میں مٹی کا سونا بن جانے کی تاثیر پیدا ہوجانا گو انسان کی اپنی مسلسل جدوجہد، ٹھوس عزائم۔ سعی پیہم اور محنت کی بدولت ہی ہوتا ہے مگر دنیا اسے قسمت کا دھنی ہونے یا... قسمت کا ستارہ اوج ثریا تک پہنچنے سے تعبیر کرتی ہے اور دنیا تو ازل سے مادہ پرست ہے۔ اس پر دولت بھی انسان کی چند بنیادی خامیوں کو اس طرح ڈھانپ دیتی ہے۔ جیسے مشجر کا غلاف چڑھا گاؤ تکیہ جو باہر سے تو اس قدر خوبصورت اور شاندار لگتا ہے مگر اندر سے کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے خوبصورت غلاف کے نیچے نئی روئی بھری ہوئی ہے یا روئی کے پہل میں چیتھڑے بھر کر انہیں گاؤ تکیے کی شکل دے دی گئی ہے۔ بظاہر اور فطرتاً بھی شیخ صاحب بڑے نیک نفس صوفی منش خدا ترس اور شریف انسان تھے لیکن بعض واقف کاروں کا کہنا تھا کہ ان کے آباؤ اجداد نچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور مفلوک الحال لوگ تھے۔ غدر کے زمانہ میں اپنی قوم سے غداری کر کے فرنگیوں کے حامی بن گئے تھے۔ اور یہ فرنگیوں کی غلامی کا ہی صدقہ ہے جو آج اتنے بڑے سرمایہ دار بنے بیٹھے ہیں۔ خیر دنیا کا کیا ہے۔ وہ تو پیٹھ پیچھے بادشاہ کو بھی نہیں چھوڑتی۔ کسی کو ہنستے دیکھ سکتی ہے۔ نہ روتے۔ تو پھر شیخ صاحب کی ثروت کو کیسے برداشت کر لیتی۔ شیخ صاحب صرف مالدار ہی نہیں تھے ان کی امارت کے ساتھ ساتھ ان کی سخاوت بھی مشہور تھی۔ ان کے در سے کوئی خالی نہیں جاتا تھا۔ یتیم خانوں کی امداد بیواؤں کے وظیفے ناداروں کی ضرورتیں پوری کرنا گویا ان کا فرض تھا۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی۔ عشمہ بیگم جو اس وقت جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی۔ عشمہ کی تربیت انہوں نے بڑی عمدگی سے کی تھی گو ان کے خاندان میں لڑکیوں کو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھانے کا رواج نہ تھا۔ مگر بیٹی کے ذوق وشوق کے پیش نظر انہوں نے اپنی روایات کے خلاف اپنی لاڈلی اور چہیتی بیٹی کو میٹرک تک تعلیم دلوائی تھی۔ عشمہ بیگم کے علاوہ دو ہستیاں اور بھی ایسی تھیں جنہیں شیخ صاحب عشمہ کی طرح ہی رکھتے تھے۔ اور وہ شیخ صاحب کے بڑے اور مرحوم بھائی کی اولادیں اکرم اور اعظم تھیں جو عمر میں عشمہ سے بڑے تھے اور جن کی پرورش شیخ صاحب نے عشمہ بیگم کی طرح بڑے ناز و نعم میں کی تھی۔ انہیں خوب پڑھایا لکھایا۔ اکرم نے علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے کیا تھا۔ اور اعظم نے حال ہی میں گریجویشن کر کے ملازمت اختیار کر لی تھی۔ شیخ صاحب کے خاندان میں خوبصورتی کا فقدان تھا۔ صرف اکرم ہی ایک ایسی ہستی تھے جن کی مردانہ وجاہت پر فخر کیا جاسکتا تھا۔ یوں تو اعظم بھی خاصے پرکشش تھے مگر ان کا رنگ سانولا تھا۔ اور اکرم کے مقابلے میں ناک نقشہ بھی معمولی سا۔ ادھر عشمہ بیگم بھی خوبصورت نہ تھیں۔ اپنے خاندان والوں پر ہی گئی تھیں۔ البتہ رنگت خاصی اجلی اجلی تھی۔ اونچی اٹھان اور جوانی کے روپ نے انہیں خاصا جاذب نظر بنا دیا تھا۔ جب سے جوان ہوئی تھیں ایک سے

ایک بڑے اور اعلا گھرانوں کے ان پر پیام آرہے تھے۔ مگر شیخ صاحب کی نظر انتخاب اکرم پر پڑی تھی بلکہ اکرم کو اپنی فرزندی میں لینے کی آرزو بہت دیرینہ تھی۔ مگر کچھ اپنے ٹھیکے کے سلسلے میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے کچھ اپنی بیوی کی مسلسل علالت کے سبب اور سب سے بڑھ کر اکرم کے برسر روزگار ہونے کے انتظار میں وہ اپنی اس دلی اور دیرینہ خواہش کو اب تک عملی جامہ نہ پہنا سکے تھے۔ لیکن اب جنگ کے شعلے آہستہ آہستہ سرد پڑتے جارہے تھے۔ اتحادیوں کی فوجیں جرمنی کے قلب تک گھس آئی تھیں۔ اور جرمن قوم پسپا ہورہی تھی۔ اس لیے شیخ صاحب کا کام بھی مندا پڑ گیا تھا۔ لیکن شیخ صاحب کے نزدیک یہ کوئی تردد کی بات نہ تھی۔ اگر ان کا کام بالکل ٹھپ بھی ہوجاتا تو ان کے پاس اللہ کا دیا اتنا کچھ تھا کہ وہ اسی کروفر کے ساتھ۔ بے فکری سے پیر پسار کر ساری عمر اپنے کنبے اور دوسروں کا پیٹ پال سکتے تھے۔ انہیں تو بس ایک ہی فکر تھی کہ کسی طرح جلد از جلد اپنے سب سے بڑے فرض سے سبکدوش ہوجائیں۔ بیٹی اٹھارہ برس کی ہوچکی تھی۔ اس زمانے میں چودھویں برس لڑکی کی شادی کرنے کا رواج تھا۔ اٹھارہ برس کی لڑکی تو بڑی عمر کی مانی جاتی تھی۔

اکرم ان دنوں لکھنؤ میں مقیم تھے۔ کسی سرکاری محکمے میں وہ ایک اعلا آسامی پر فائز تھے۔ ایک بار چھٹی پر آئے تو شیخ صاحب نے ان کی نسبت عشمہ سے ٹھہرائی۔ گو اکرم کو یہ رشتہ پسند نہیں تھا۔ مگر چچا کی مروت اور شفقت بلکہ احسانات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی زبان بند رکھی اور بہت سعادت مندی سے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

اصل میں اکرم جو بہت سنجیدہ مزاج اور ریزرو ٹائپ سے تھے۔ ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے وہ عشمہ سے ہمیشہ ادب اور وقار سے پیش آتے رہے تھے کچھ اس وجہ سے بھی ان کو یہ رشتہ پسند نہ آیا تھا۔ اکرم چار پانچ روز کی چھٹی پر آئے تھے واپس چلے گئے تو عشمہ کی والدہ نے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کے گھر کی یہ پہلی خوشی تھی اور ان کی ایک ہی اولاد تھی۔ اس لیے وہ دل کے سارے ارمان نکالنا چاہتی تھیں۔ اور بہت دھوم دھام سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے کی خواہاں تھیں۔ مگر شیخ صاحب سادگی پسند تھے۔ خدا ترس اور انسان دوست ہونے کی وجہ سے پرائی آگ میں اپنے ہموطنوں کا ایندھن بننا ان کے دل کو زخمی کیے دیتا تھا۔ اس لیے ایک ماہ بعد بڑی خاموشی اور سادگی سے انہوں نے اکرم اور عشمہ کی شادی کر دی۔

عشمہ خالص مشرقی ماحول کی پروردہ ضرور تھیں مگر اتنی قدامت پرست اور تنگ نظر نہ تھیں۔ جیسے کہ اپنی روایات کے سختی سے پابند لوگ ہوا کرتے ہیں۔ وہ اقدار کے تنزل کا دور تھا۔ دوسری عالمگیر جنگ نے دنیا کی بیشتر تہذیبوں اور تمدن کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ گو ہندوستان محاذ جنگ سے دور تھا مگر بیچ میں ہونے کی وجہ سے اور برطانوی اقتدار کے زیر نگیں ہوجانے کی وجہ سے جنگ کے شعلوں کی تپش سے محفوظ نہیں تھا۔ غلامی کی زنجیر اور افسر شاہی کے جوئے نے اقدار کو پیس کر رکھ دیا تھا۔ جبراً ابھرتی ہورہی تھی دیسیوں کی، عوام میں خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔ وہ بددل اور خوفزدہ تھے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد کھو چکے تھے اور اپنی اپنی جانیں بچانے کی فکر میں تھے۔ خصوصاً ہندو پنے سرمایہ دار اور مارواڑی بڑے بڑے شہر چھوڑ کر گاؤں اور قصبوں میں پناہ لے رہے تھے۔ کیونکہ مشرق میں جاپانی بمبار کلکتہ کو نشانہ بنا چکے تھے۔

UrduPhotos.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ادھر عشمہ جو اپنے خاندان میں عورتوں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ تھیں۔ یعنی میٹریکولیٹ... نئی قدروں اور ترقی کی پذیرائی کی امنگ ان کے دل میں بڑی شدومد سے موجود تھی۔ انہوں نے اکرم کو اپنے دل کی تمامتر گہرائیوں سے چاہا تھا۔ چپکے چپکے ان کی پرستش کی' خیالوں میں حاصل زیست بنالیا تھا۔ حالانکہ ان کی طرف سے اشارتاً بھی کوئی حوصلہ افزا بات نہیں ہوئی تھی۔ مگر یہ چاہت کا سرچشمہ تو دل میں آپ ہی آپ پھوٹا تھا اور عشمہ بیگم اپنے ماحول اور فطری شرم کے باعث جس کے اظہار کی کبھی جرات بھی نہ کرسکی تھیں۔ مگر جب باپ نے خود ہی بیٹی کی تقدیر کا فیصلہ اکرم کے حق میں کر دیا تو دل کی سب سے بڑی آرزو اتنی آسانی سے پوری ہو جانے پر وہ پھولے نہیں سمائیں۔ پھر تو یک گونہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اکرم انہی کے ہیں۔ اور ہمیشہ انہی کے ہو کر رہیں گے۔ پھر بھلا اظہار کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر وہ اپنے اس پاک اور سچے جذبے کا اظہار کرنے کی شائق ہی کب تھیں۔ وہاں تو اس زمانے میں عشمہ کی لڑکی کے دل میں کسی لڑکے کی چاہت پیدا بھی ہوتی تھی تو روایات اور رواج کا ہوا اس چاہت کا تو اندر ہی اندر گھونٹ دیتا تھا۔ عجیب زمانہ تھا وہ بھی' اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی وہی ڈگی چال سادگی اور میانہ روی' ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کا سوال نہ نمائشی گھوڑے بن کر اڑے اڑے پھرنے کا خیال نہ جوڑ توڑ نہ خود نمائی' نہ دیدوں کا پانی ڈھل جانے کی کوئی مثال' اسلام کے ناموس کی ہر جگہ اور ہر زمانے میں اپنی ایک علیحدہ روایت رہی ہے۔ جو وہاں بھی جوں کی توں قائم تھی۔ دوسری عالمگیر جنگ کے خون آشام شعلے اسے ذرا سا بھی متاثر نہ کر سکے تھے۔

عشمہ بیگم گو اتنی حسین نہ تھیں بلکہ خوبصورتی تو ان کو چھو کر بھی نہ گزری تھی۔ مگر اونچی اٹھان کھلتی ہوئی اجلی رنگت اور بھرپور جوانی نے ان میں جاذبیت سی پیدا کر دی تھی۔ گو ایک رفیق زندگی کی حیثیت سے اکرم ان کی خواہشات پر پورے نہیں اترے۔ چونکہ اکرم کی سنجیدگی اور خاموشی بدستور برقرار تھی انہوں نے زندگی بھر کی رفاقت کے سمبندھ پر ذرا بھی خوشی اور ولولے کا اظہار نہیں کیا بلکہ شادی کے بعد تو ان کی خود فراموشی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ جس نے انہیں گنگ سا کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر عشمہ کو کسی بات کی پروا نہ تھی۔ ان کے لیے تو اکرم کی رفاقت ہی کافی تھی۔ ان کا جذبہ ایک طرفہ نہ تھا۔ اور وہ ایک مشرقی لڑکی تھیں جو سخت سے سخت مزاج کے شوہر کو اپنے آخری سانسوں تک نباہ دیتی ہے۔

بارات کو ٹھہرانے کے لیے ایک علیحدہ گھر لے لیا گیا تھا۔ جہاں سے وہ اپنے گھر سے رخصت ہو کر گئی تھیں کیونکہ اکرم لکھنؤ کے ایک ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھے اور فی الفور انہیں رخصت کرا کے لکھنؤ نہیں لے جاسکتے تھے۔ شادی کے بعد عشمہ بیگم اپنا سارا سامان لے کر عارضی طور پر جب تک اکرم لکھنؤ میں اپنی رہائش کا بندوبست کرتے۔ اپنے میکے میں ہی قیام کرنے کے ارادے سے چلی آئیں۔ یہ سب شیخ صاحب کی مرضی اور مشورے سے طے پایا تھا۔ مگر ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود اکرم لکھنؤ میں کسی معقول مکان کا بندوبست نہ کر سکے تھے۔

اصل میں اس عرصے میں وہ ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھ سکے تھے۔ مختلف شہروں میں ان کا تبادلہ ہوتا رہا تھا۔ اس پر وہ ہر ماہ بڑی پابندی سے اپنی سسرال آتے اور چند روز رہ کر چلے جاتے۔ اسی کے پیش نظر شیخ صاحب کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملا تھا مگر عشمہ بیگم خوب جانتی تھیں کہ یہ سب بہانے ہیں ان سے فرار حاصل کرنے کے۔ اسی عرصے میں جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اور فاتح افواج اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس آ رہی

تھیں۔ ہٹلر کا ہوس ملک گیری کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا تھا۔ پھر بھی اتنی بڑی اور شدید جنگ تھی۔ لاکھوں انسان لقمۂ اجل بن چکے تھے جو کرائے کا ایندھن بننے کے لئے گئے تھے۔ ان میں کچھ اپنی ذمہ داری پوری کر کے آ گئے تھے۔ کچھ جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں بھسم ہو گئے تھے۔ اور چند باغی ہو کر یا تو دشمن سے جا ملے تھے یا اپنی خود ساختہ جماعت بنالی تھی۔ انہی دنوں اکرم کا تبادلہ دہلی ہو گیا تھا اور اب مزید مکان نہ ملنے کا بہانہ کرنا اکرم کے لیے ممکن نہ تھا۔ پنچکوئیاں روڈ پر انہیں پہلے ہی سے ایک چھوٹا سا بنگلہ نما مکان مل گیا تھا۔ انہوں نے دہلی پہنچتے ہی عشمہ کو بلا بھیجا۔ شیخ صاحب آخر تو ایک جہاندیدہ آدمی تھے۔ اپنی بیٹی کی خاموشی اور اداسی کا سبب ان سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ انہوں نے اکرم کے رویے سے بھی بہت کچھ اندازہ لگا لیا تھا۔ اور اب انہیں اپنے جلد بازی سے کام لینے پر افسوس ہو رہا تھا۔ مگر اب تو دونوں کو ایک اٹوٹ بندھن میں باندھ چکے تھے۔ داماد نے بیٹی کو دہلی بلایا تو خود اسے دہلی چھوڑ گئے۔

اعظم گو اپنے بھائی کی طرح خوبرو نہ تھے لیکن ان میں ایک مخصوص سی کشش ضرور تھی۔ عشمہ بیگم کے متعلق کوئی ایسا ویسا خیال دل میں لانا ان کو روا تھا نہ جائز۔ لیکن دل پر کسے اختیار ہوتا ہے جانے کب عشمہ بیگم کو دل میں بسائے ہوئے تھے۔ انہیں عشمہ کی شادی کی ذرا سی بھی خوشی نہ ہوئی تھی اگر ان کے بڑے اور عزیز تر بھائی کی جگہ کوئی اور عشمہ بیگم سے شادی کرنے کی کوشش کرتا تو وہ ہرگز ہرگز برداشت نہ کر سکتے۔ عشمہ کی شادی نے انہیں ایک اذیت میں مبتلا کر دیا تھا اصل میں ان کا دل اس بات کو قبول کرتا تھا نہ وہ عشمہ بیگم کی محبت سے دستبردار ہونا چاہتے تھے۔ شادی کے بعد اکرم مہینے مہینے بعد آتے اور چند روز رہ کر چلے جاتے تو عشمہ بیگم سے اپنا غم سنبھالے نہ سنبھلتا۔ وہ سب سے چھپ کر اکرم کی سرد مہری اور بے گانگی پر آنسو بہاتیں اور ہر دم خاموش اور کھوئی کھوئی سی رہا کرتی تھیں۔ ان دونوں اعظم کو نئی نوکری ملی تھی۔ اور وہ الہ آباد ہی میں مقیم تھے۔ یعنی شیخ صاحب کے یہاں ہی اور ان کی نظروں سے عشمہ بیگم کی یہ اجڑی اجڑی سی کیفیت پوشیدہ نہیں تھی۔ وہ موقع کی تاک میں رہتے تھے اور جب بھی عشمہ بیگم اداس ہوتیں وہ انہیں اپنے بھائی سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔ بھی کہتے۔

"نہ معلوم بھائی جان کو کیا ہو گیا ہے۔ نئی نئی شادی ہوئی ہے پھر بھی ان کی طبیعت کا کھردرا پن نہیں جاتا۔ میں نے تو آج تک انہیں خوش ہی نہیں دیکھا۔"

"آخر آپ کب تک یہاں پڑی سڑا کریں گی۔ دنیا کی کوئی بیوی بھی بغیر شوہر زیادہ عرصہ نہیں رہ سکتی۔ آپ ان سے کہیے نا کہ آپ کو اپنے پاس بلالیں۔ لکھنؤ میں مکانوں کی کمی تو نہیں"۔ اور کبھی کہتے "پردیس میں شوہر کو تنہا چھوڑ دینا ٹھیک نہیں بھابھی۔ آپ کو تو دنیا کے نشیب و فراز سے ذرا بھی واقفیت نہیں۔ اس طرح مرد پرائے ہو جاتے ہیں۔" عشمہ بیگم خاموشی سے سب کچھ سنتیں مگر منہ سے کچھ بھی نہ کہتیں۔ اعظم، بھائی کی طرح انہیں عزیز تھے بلکہ بھائی ہی تھے۔ وہ ان کی ہمدردی اور دلدہی کو ان کے خلوص و محبت کا اظہار سمجھتیں۔ ادھر اعظم تھے کہ انہیں بھڑکانے اور ورغلانے میں کوشاں رہتے۔ اکرم چلے جاتے تو وہ یہ ظاہر کر کے کہ بھابھی کا دھیان بٹا رہے ہوں۔ تقریباً روز ہی اپنے آفس سے آ کر عشمہ کے پاس تھوڑی دیر ضرور بیٹھتے۔ عشمہ بیگم ان کی باتوں پر خاموش ہو جاتی تھیں۔ انہوں نے کبھی ان

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

کے خیالات وخدشات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نہ ہی کبھی اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا۔ ان کی اس بے زبانی اور رواداری نے اعظم کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ اب وہ کسی نہ کسی طور پر انہیں اپنے دل احساسات سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے باتوں ہی باتوں میں اصل موضوع نکالا۔

''مجھے تو اب بھائی جان کی بے نیازی پر کوفت ہونے لگی ہے۔ آج ہی ایک دوست لکھنو سے آیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ بھائی جان وہاں بڑے ٹھاٹھ سے رہ رہے ہیں گھر بھی بڑا کشادہ ہے۔ پھر آپ کو بلانے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی....؟''

''لیکن وہ تو کوئی ہاسٹل ہے جہاں وہ مقیم ہیں۔ وہ وہاں تنہا تو نہیں رہتے۔ اسی لئے نہ بلاتے ہوں گے۔'' عشمہ بیگم نے اپنی اسی بیوی والی مشرقی روایت کو قائم رکھتے ہوئے الٹا اکرم کی طرف داری میں کہا تو اعظم چپ سے ہو گئے۔ مگر کچھ توقف کے بعد بولے۔

''یہ تو آپ کی بے انتہا چاہت اور حسن اخلاق کا نتیجہ ہے جو آپ کچھ خیال نہیں کرتیں۔ لیکن اس بات سے تو میں بھی ناواقف نہیں کہ بھائی جان اس رشتے سے ذرا خوش نہیں صرف چچا جان کی مروت اور لحاظ میں انہوں نے ہامی بھر لی تھی۔ مگر اب اس کا نتیجہ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں۔'' دیور کی صاف گوئی پر عشمہ بیگم کے دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی۔ اعظم جو کچھ بھی کہہ رہے تھے کچھ غلط تو نہ تھا۔ گو ان کی ہمدردی میں ہی کہہ رہے تھے مگر ایک چاہنے والے بھائی کے لیے دوسرے بھائی کا یوں زہر اگلنا انہیں بالکل اچھا نہ لگا۔ کچھ اپنی انا کا بھی خیال تھا۔ وہ اپنے دکھتے ہوئے دل پر قابو پا کر بولیں۔

''تعجب ہے آپ نے کس بات سے یہ اندازہ لگایا ویسے بھی آپ ان کے چھوٹے بھائی ہیں اور وہ آپ کو بے انتہا چاہتے ہیں۔ پھر آپ ان کے خلاف کیوں بولتے رہتے ہیں۔''

''تمہاری ہمدردی میں۔'' اعظم نے انہیں تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ عشمہ کو عجیب سا لگا۔ کیونکہ شادی کے بعد بڑی بھاوج ہونے کی حیثیت سے وہ انہیں بھابی کہنے لگے تھے۔ اور اسی احترام سے پیش بھی آتے تھے۔ مگر عشمہ بیگم نے ان کے تم کہنے پر زیادہ توجہ نہ دی۔ بڑی متانت سے بولیں۔

''مجھ سے زیادہ قریبی رشتہ تو آپ کا ان سے ہے۔'' اعظم کو جیسے اپنے دل کی بات کہنے کی راہ مل گئی جھٹ سے بولے۔

''نہیں۔ یہ صرف تمہارا خیال ہے ورنہ دنیا میں سب سے نزدیکی رشتہ میرا تم سے ہوتا ہے۔'' اور عشمہ سمجھیں کہ وہ اپنے بھائی ہونے کی فوقیت جتا رہے ہیں۔ ہنس کر بولیں۔

''ہاں آپ کا خیال درست ہی ہے پہلے ہمارا کہرا رشتہ تھا اب دوہرا ہو گیا ہے۔ اور اگر نہ بھی ہوتا تو پرانا رشتہ ہی کیا کم ہوتا ہے۔ میری چاہت بہر طور ہمیشہ قائم رہتی۔''

''کاش ایسا ہی ہوتا یا ہو سکتا۔'' اعظم نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''کیا ہو سکتا؟'' اعظم کی بات عشمہ بیگم کی سمجھ میں نہ آئی تو انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''کہ تمہارا دل میری اور صرف میری چاہت سے ہمیشہ لبریز رہتا اور اس چاہت کا کوئی بھی حصہ دار نہ بنتا تم مکمل طور پر میری ہوتیں تو میں تمہاری رفاقت میں اس دنیا میں ہی اپنی جنت پا لیتا۔'' اعظم جذباتی سے لہجے میں بولے وہ یہ کیا کہہ رہے تھے۔ کچھ دیر تو عشمہ بیگم ہکا بکا ان کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ کوئی ان سے ایسی نازیبا گفتگو بھی کر سکتا ہے۔ مارے غصے کے ان کا

خون کھولنے لگا۔ آج تک کسی سے اونچی آواز سے بھی بات نہ کی تھی۔ غصے میں پھنکتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور بڑے ملامت آمیز لہجے میں گرج کر بولیں۔

''تو تم اتنے دنوں سے اپنے بھائی کے خلاف زہر اگل اگل کر یوں اپنا راستہ ہموار کر رہے تھے۔ بے حمیت انسان تم کو رشتوں کی نزاکت کا پاس بھی نہ رہا۔ تمہیں یہ بھی احساس نہ رہا کہ میں تمہارے سگے اور جان چھڑکنے والے بھائی کی امانت ہوں۔ اور بدقسمتی سے اس چچا کی بیٹی ہوں جس نے تمہیں اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہا ہے۔ اور تمہاری پرورش کی ہے۔''

مارے غصے کے عشمہ بیگم کے منہ سے ڈھنگ سے الفاظ بھی ادا نہ ہو رہے تھے۔ مگر اعظم پر ڈھٹائی اور بدی سوار تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ روا ہوتا ہے۔ ان پر عشمہ بیگم کی ڈانٹ پھٹکار کا ذرا سا بھی اثر نہ ہوا تھا۔ انہوں نے بڑی لاپروائی سے کندھے جھٹک کر کہا۔

''دل پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا عشمہ! تم یوں گرمی دکھا کر میرے خیالات کو پلٹنے میں کامیاب تو نہیں ہو سکتیں۔ تم اگر بدقسمتی سے میری بھابی بن گئیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں موسمی تغیر کے ساتھ ہی اپنی طبیعت، اپنے خیالات اور اپنا دل بھی بدلتا رہوں۔ میں نے تمہیں بڑی شدت سے چاہا ہے۔ چاہتا ہوں اور چاہتا رہوں گا۔ کیونکہ میں تو ایک ایسی آگ میں جل رہا ہوں جو دل کے آتشکدے میں مدت سے لگی ہوئی ہے۔ جسے ذخار سمندروں کا جوشیلا پانی بھی نہیں بجھا سکتا اور پھر اپنے دلی جذبات کا اظہار کوئی گناہ تو نہیں۔''

''یہ دلی جذبات نہیں شیطانی وسوسے ہیں اعظم! بہتر یہی ہے کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ بات اگر بڑھ گئی تو خواہ مخواہ دلوں میں کھنڈت پڑ جائے گی۔'' عشمہ بیگم غصے میں بھری خود ہی اعظم کے پاس سے اٹھ آئیں۔ چند روز تک تو عشمہ کا صدمہ کے مارے برا حال رہا۔ مگر وقت بکار خود ہر مرض کی دوا ہوتا ہے۔ اعظم چند ہی روز بعد ٹرانسفر ہو کر بریلی چلے گئے تھے۔ اور ادھر عشمہ کو خود اپنی پریشانیاں لاحق تھیں۔ اس لیے بات رفت گزشت ہو گئی تھی۔ پھر بھی عشمہ بیگم کو کبھی کبھی خیال ضرور آ جاتا تو دل چاہتا سب کچھ اپنے والد کے گوش گزار کر دیں یا پھر اکرم سے ہی کہہ دیں لیکن اکرم سے کہنا انہیں بیکار ہی لگتا۔ کہ وہ نجانے ان کی بات کا کیا مطلب لیں اپنے بھائی کو مورد الزام ٹھہرائیں یا ان سے ہی بدگمان ہو جائیں۔ ان کا رویہ پہلے ہی کون سا اچھا تھا۔ اور عشمہ بیگم کے خیال میں ان کی حد درجہ بیگانگی اور غفلت کی وجہ سے ہی اعظم کی جرأتیں اتنی بڑھ گئی تھیں۔

اعظم سے تو انہیں سخت نفرت ہو گئی تھی مگر چاہتے ہوئے بھی وہ یہ بات کسی سے بھی نہ کہہ سکیں کہ دل الگ برے ہوں گے۔ اور جگ ہنسائی الگ ہو گی۔ یہ بھی قدرت کا کیسا مذاق تھا کہ اس نے عشمہ بیگم کو دنیا کی ہر نعمت سے نوازا تھا۔ مگر چین وسکون سب سے بڑی نعمت سے انہیں محروم ہی رکھا تھا۔ وہ اپنے شوہر کے پاس بھی آ گئی تھیں تو ان کے معمولات میں یا رویے میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ شروع شروع کے چند دن تو اکرم نے گھر ہی میں گزارے تاکہ عشمہ گھر کے تنہا اور ویران سے ماحول کو سمجھ لیں۔

اس کے بعد اکرم کے پھر وہی شب و روز شروع ہو گئے۔ اس زمانے میں برصغیر ہندوستان کی سیاست میں بحران سا آیا ہوا تھا۔ یوں تو بہت ہی سیاسی پارٹیاں تھیں۔ مگر کانگریس پارٹی کو سب سے زیادہ اولیت اور اہمیت حاصل تھی۔ کانگریس پارٹی کی قیادت ہندوؤں نے سنبھال رکھی تھی۔ حالانکہ اس

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں مسلمان لیڈر بھی برابر کے شریک تھے۔ اور برٹش سامراج کی ریشہ دوانیوں اور سختیوں سے تنگ آ کر اپنا حق خود اختیاری واپس لینا چاہتے تھے۔ پہلے تو ان کا نعرہ تھا کہ ہندو مسلم بھائی بھائی ہیں۔ اور پورے اشتراک سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے حقدار ہیں۔ لہٰذا انہیں آزادی ملنی چاہئے۔ اپنا ملک واپس ملنا چاہئے۔ ایک مسلمان لیڈر کی حیثیت سے شروع شروع میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اس پارٹی میں شمولیت اختیار کر رکھی تھی۔ مگر جب گاندھی جی اور نہرو وغیرہ کے غاصبانہ عزائم کا علم ہوا اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ ہندوؤں کی صدیوں سے قائم اسلام دشمنی' نظریاتی اختلاف' تعصبانہ ذہنیت' بزدلانہ عیار فطرت اور ناپاک عزائم مسلمانوں کو کبھی پنپنے نہ دیں گے تو دور اندیش دانشمند اور ہمدرد مسلمان لیڈر نے اپنی ایک علیحدہ سیاسی پارٹی کا اعلان کر کے اس کی قیادت سنبھال لی اور نظریہ پاکستان کو حقیقی صورت دے کر مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کر دیا۔ اور مسلمانوں کو اپنے احساسات اور جذبات کے اظہار کی ایک نئی راہ مل گئی۔

قائداعظم کی قیادت ان کے لیے مشعل راہ کا کام دے رہی تھی۔ شہر شہر اور قریے قریے سے مسلمان جوق در جوق قائداعظم کے جھنڈے تلے جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ چاند تارے کی درخشاں شبیہ علم آزادی پر اتر آئی۔ مسلمان پہلے ہی ہندوؤں کی عیاریوں اور مکاریوں سے تنگ تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ وہ پس پردہ بھی انگریزوں سے ساز باز کرتے رہتے تھے۔

اکرم نے بھی مسلم لیگ میں شمولیت کر لی تھی وہ سرکاری ملازم تھے اس لیے کسی بھی سیاسی پارٹی میں شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر ان کا کہنا یہی تھا کہ مسلم لیگ میں شمولیت کرنے کی وجہ سے ان کی مصروفیات اتنی بڑھ گئی ہیں کہ انہیں آدھی آدھی رات تک سر اٹھانے کی مہلت نہیں ملتی اور اجنبی جگہ اور تنہا گھر میں یہ آدھی آدھی رات کا وقت عشمہ جس طرح بھی گزارتی تھیں ان کا دل ہی جانتا تھا۔ قریب ہی پتھریلے ٹیلوں جیسی پہاڑیوں پر بھوری بھٹیاری کا محل تھا جہاں غریب اور مفلوک الحال لوگوں کی چند جھونپڑیاں بھی تھیں اور انہی لوگوں میں سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت عشمہ کے گھر کے سارے کام کرنے پر مامور کی گئی تھی جو آٹھ بجے صبح آتی اور سرِ شام واپس چلی جاتی اور اکرم کہیں دو بجے رات کو گھر لوٹتے تھے۔ عشمہ بیگم کو تنہا رہنے کی عادت تھی نہ کبھی اتفاق ہی ہوا تھا۔

بیس سال کی عمر ہوتی ہی کیا ہے۔ گو اس زمانے میں لڑکیوں کو چونکہ ایک ہی ماحول ملتا تھا وہ بھی گھریلو قسم کا اور بزرگ خواتین کی صحبت میں۔ اس لیے لڑکپن ہی سے ان میں یہ شعور پیدا کیا جاتا تھا کہ گھر داری کے کاموں میں انہیں طاق ہونا چاہئے اور شادی ہونے کے بعد اپنے بیوی ہونے کے فرائض میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ ان کی ذرا سی غلطی اور چوک پر دوسرے گھر کا حوالہ دیا جاتا تھا اور یوں کمسنی میں ہی لڑکیوں کے اندر ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو جاتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ پندرھویں برس شادی ہوئی اور سولہویں برس بچہ ہو گیا۔ بیسویں برس پہنچنے تک وہ ایک منجھی ہوئی فرض شناس اور ذمہ دار خاتون ہو جاتی تھیں اور عشمہ تو اکلوتی تھیں۔ بڑے ناز و نعم میں پلی تھیں بلکہ بھونرے میں پلی تھیں۔ کئی کئی ملازمائیں ان کی خدمت گزاری کو موجود تھیں۔ پھر بھی دہلی آ کر انہوں نے اپنے شوہر کی روش پر اف تک نہیں کی تھی۔ مگر اب جب سے اکرم نے بتایا تھا کہ اعظم کا تبادلہ بھی دہلی ہو گیا ہے اور وہ مستقل طور پر

ان کے گھر میں رہنے آ رہے ہیں' عشمہ بیگم کی جان پر بنی جاتی تھی۔ گھر سے میاں کی ہر دم عدم موجودگی' شام سے لے کر آدھی رات تک کا وقت تنہا اعظم کی معیت میں گزارنا آسان نہ تھا۔ بڑی بی تو اپنے معمول کے مطابق سرِ شام ہی چلی جاتی تھیں۔ میاں سے یہ کہنے کا ہوا بھی نہ پڑتا تھا کہ اعظم کو کسی دوسری جگہ ٹھہرائیں وہ تو غنیمت ہوا کہ اعظم تنہا نہیں آئے تھے بلکہ بریلی سے الہٰ آباد پہنچے تھے تاکہ اپنا ضروری سامان جو شیخ صاحب کے ہاں رکھا تھا ساتھ لیتے جائیں تو صوفیہ بیگم بھی ان کے ساتھ ہو لیں۔

صوفیہ بیگم عشمہ بیگم کی خالہ زاد بہن تھیں اور اعظم ان کی رشتے کی ایک پھوپھی کے لڑکے ہوتے تھے۔ یوں تو عشمہ بیگم کے میکے میں بہت سی رشتہ دار لڑکیاں تھیں سگی ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں مگر یہ صوفیہ بیگم بھی ان کی طرح اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں۔ بچپن ہی سے آپس میں دونوں کو دل لگاؤ تھا جو بڑھتے بڑھتے گہری دوستی میں تبدیل ہو گیا تھا۔ صوفیہ کے والد گورکھپور میں ہی رہتے تھے اس لیے عشمہ کی چھوٹی خالہ دنوں عشمہ کے ہاں رہ کر جاتی تھیں۔ بڑی خالہ بمبئی میں رہتی تھیں۔ ان کے شوہر بھی سخت گیر تھے اس لیے وہ میکے کم ہی آتی تھیں۔ عشمہ بیگم کے بچپنے میں ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسی لیے ان کی اولاد اپنے ننھیال والوں سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ ماموں بھی ایک ہی تھے جو ہمیشہ پردیس میں ہی رہے تھے۔ بس لے دے کر صوفیہ بیگم ہی رہ گئی تھیں۔ جنہیں عشمہ دل و جان سے چاہتی تھیں۔ صوفیہ بیگم فطرتاً بھی بڑی اچھی عادت کی مالک تھیں اور صورت شکل کے لحاظ سے سارے خاندان میں ان کا ثانی کوئی نہ تھا۔ شیخ صاحب کو بھی ان سے بہت انسیت تھی۔ صوفیہ بیگم کے والدین بہت قدامت پرست تھے اور گھریلو طور پر صوفیہ بیگم نے جتنا علم بھی حاصل کیا تھا وہ عشمہ بیگم اور ان کی استانی سے ہی کیا تھا مگر پھر بھی ان کی تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔

شیخ صاحب نے صوفیہ بیگم کو اپنی بہن کے لڑکے اطہر علی سے منسوب کر دیا تھا۔ اطہر کا رجحان شروع سے ہی سپہ گری کی طرف تھا۔ دوسری عالمگیر جنگ میں ہندوستانیوں کی بھرتی شروع ہوئی تو انہوں نے بھی اپنی خدمات پیش کر دیں اور انہیں فوراً ہی فوج میں کمیشن مل گیا۔ اسی اثنا میں ان کا عقد صوفیہ بیگم سے ہو گیا تھا۔ شادی کے دو ماہ بعد ان کو محاذ پر جانے کا حکم مل گیا اور سب کو رنجیدہ اور پریشان چھوڑ کر چل دیے۔ صوفیہ بیگم شوہر کی جدائی میں روتی اور تڑپتی رہتی تھیں۔ عشمہ بیگم کی جب نئی نئی شادی ہوئی تھی ہمیشہ صوفیہ بیگم کی دلجوئی میں لگی رہتیں۔ حالانکہ خود ان کا دل بھی زخمی تھا۔ شوہر کا سایہ سر پر ہوتے ہوئے بھی وہ ان کی محبت اور یگانگت سے محروم تھیں۔ ان کا دل دکھی تھا اور صوفیہ بیگم کا دکھ دوسری نوعیت کا تھا۔ ان کے شوہر ان کے والد اور شیدا تھے۔ صرف دو ماہ کا ساتھ رہا تھا۔ پھر محاذ پر بھیج دیے گئے تھے اور جنگ کے دوران ہی لاپتہ ہو گئے تھے۔ کوئی خیر تھی نہ خبر۔ ہیڈ کوارٹر کی طرف سے بھی ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ یہی معلوم ہو جاتا کہ زندہ ہیں یا لڑائی میں کام آ گئے۔ اور اب تو جنگ بھی ختم ہو گئی تھی اور رفتہ رفتہ ہندوستانی سپاہی بھی واپس آ رہے تھے۔ اطہر علی کے بارے میں سبھی کو یقین ہو چکا تھا کہ جنگ کا شکار ہو چکے ہیں مگر صوفیہ بیگم اس بات کو ماننے پر تیار نہ ہوتی تھیں۔

انہی دنوں اکرم کو سن گن ملی کہ اطہر نے چونکہ انڈین نیشنل آرمی جوائن کر لی تھی اس لیے وہ ایک باغی قیدی کی حیثیت سے میجر شاہنواز وغیرہ کے ساتھ دہلی آ رہے ہیں۔ انہوں نے بالا ہی بالا شیخ صاحب کو یہ خبر پہنچا دی تھی اور انہوں نے صوفیہ بیگم کو اعظم کے ساتھ دہلی بھیج دیا تھا۔ عشمہ بیگم اب تک اس بات

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

سے لاعلم تھیں۔ صوفیہ بیگم کے آنے پر ہی انہیں معلوم ہوا تھا کہ اطہر علی کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ لال قلعہ دہلی میں قید رکھا گیا تھا اور ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ (کورٹ مارشل) ہونے والا تھا۔ صوفیہ کی حالت اس وقت کچھ ایسی تھی جیسے وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکی ہوں۔ نہ مرتے بنتی تھی نہ جیتے۔ بیچ منجدھار میں نیا پھنسی تھی۔ کوئی دعا در وا اور وظیفہ نہ چھوڑا۔ دلی بائیس خواجاؤں کی چوکھٹ کہلاتی ہے اور صوفیہ بیگم نے کوئی درگاہ اور کوئی آستانہ نہ چھوڑا دل سے دعائیں ہوئی تھیں جو بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت پا گئیں۔ اطہر علی جن کے بارے میں طے تھا کہ انہیں گولی سے اڑا دیا جائے گا ایک دن ہنستے مسکراتے گھر آ گئے اور کچھ عرصے اکرم کے یہاں قیام کر کے صوفیہ بیگم کو لے کر گورکھپور چلے گئے۔ اب پھر عشمہ بیگم کو اسی پریشانی نے آ گھیرا۔

اعظم کی موجودگی ان کے لیے مسلسل پریشانی کا باعث بن گئی۔ گو اعظم ان سے لاتعلق ہی رہتے تھے اور وہ بھی ان سے کترائی کترائی سی رہتی تھیں مگر اب تو تنہا رہنے کا سوال تھا۔ صبح سے سہ پہر تک تو اعظم گھر سے باہر ہی رہا کرتے تھے۔ مگر شام کو بڑی بی کے جانے کے بعد عشمہ بیگم کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ صوفیہ اور اطہر کے جاتے ہی اکرم کے پھیرے ہی روز و شب ہو گئے تھے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا تھا کہ شاید بھائی کے آ جانے کی وجہ سے وہ دس گیارہ بجے تک واپس آ جاتے تھے پھر بھی تنہائی کے یہ چند گھنٹے عشمہ پر بڑے بھاری ہوتے۔ مگر اعظم نے کبھی جیسے چپ سادھ لی تھی۔ گھر میں موجود بھی ہوتے تو بھاوج سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ انہی دنوں عشمہ کو اپنی والدہ کی شدید علالت کی اطلاع ملی تو حیران و پریشان اکرم کے ساتھ الہ آباد روانہ ہو گئیں۔ اکرم کا ارادہ تو عشمہ کو چھوڑ کر ایک دو دن بعد واپس آ جانے کا تھا۔ مگر ساس تو مرض الموت میں گرفتار ہوئی تھیں ان کے پہنچنے کے دو دن بعد رحلت کر گئیں۔ اس وجہ سے اکرم کو پورے ایک ہفتے الہ آباد رکنا پڑا۔ مگر عشمہ بیگم پورے دو ماہ تک میکے رہیں۔

ادھر سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں دونوں سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے مطالبات منوانے پر تلی بیٹھی تھیں۔ برطانوی حکومت اپنی عیارانہ حکمت عملی سے کانگریس کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ اور ہندومت اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھ رہی تھی۔ فرقہ وارانہ تعصب نے صوبہ بہار اور بنگال میں آگ لگا دی تھی۔ اور اقلیتی علاقوں کے مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو چکا تھا۔ مگر دوسری طرف مسلم لیگ نے بھی اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں۔ اور قائداعظم نے اپنی علیحدہ مملکت قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ کیونکہ یہ ان کا جائز مطالبہ تھا۔ مسلمان صدیوں سے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کرتے آئے تھے۔ اور انگریزوں نے مسلمانوں سے تخت و تاج چھینا تھا۔ مگر انگریزوں کی اسلام دشمنی تو شاید ازل سے قائم تھی۔ وہ دونوں فریقوں کو آپس میں لڑوا دینا چاہتے تھے۔ اور پس پردہ ہندوؤں کی مدد کر رہے تھے۔ اس لیے مسلمان ہی ان کی عیارانہ چالوں کا نشانہ بنتے رہے۔

خصوصاً مغربی بنگال میں جو قحط اور افلاس کی وجہ سے ایک پسماندہ علاقہ تھا ہندوؤں نے سب سے زیادہ مظالم وہیں ڈھائے تھے۔ اور پاکستان کی حمایت سب سے زیادہ بنگالی مسلمانوں نے ہی کی تھی اور اپنے صوبے کے اکثریتی حصے کو پاکستان میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ بڑی ہنگامی سی صورتحال ہو گئی تھی۔ جگہ جگہ مسلم لیگ کے اجلاس ہو رہے تھے۔ کانفرنسیں بلائی جا رہی تھیں۔ پاکستان کا وجود عمل میں آتا نظر

آ رہا تھا۔ گاندھی جی بڑا شدید قسم کا سیتہ گرہ کرا رہے تھے۔ کبھی مرن بھرت رکھتے تو کبھی اپنی شاطرانہ چالوں اور سیاسی ہتھکنڈوں سے ریوڑ سے بچھڑ جانے والے مسلمانوں کو گھیر گھیر کر واپس لانے میں کوشاں نظر آتے۔ فرقہ وارانہ عصبیت کا بھوت دیہاتوں اور قصبوں سے نکل کر شہروں کا رخ کرنے لگا تھا۔ چھرا گھونپنے کی وارداتیں اور راہ چلتے مسلمانوں پر حملے ہونے لگے تھے۔

عشمہ بیگم اپنے گھر واپس آ چکی تھیں۔ ان کا گھر پچکوئیاں روڈ پر تھا۔ یعنی گاندھی آشرم سے تھوڑے سے فاصلے پر۔ اردگرد آبادی بھی زیادہ تر ہندوؤں کی تھی۔ سینٹ تھامس کے گرجا گھر سے ملحق گاندھی آشرم کے قرب و جوار میں ہندو سیٹھ اور ساہوکار ہی رہتے تھے۔ گاندھی آشرم کے عقب میں تھوڑے فاصلے پر بھورے بھنیاری کا محل تھا۔ دائیں طرف میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر سڑک پار کر کے ملتانی ڈھانڈا تھا اور اس کے قریب پتھر پھوڑوں کی بستی.... گویا عشمہ بیگم چہار طرف دشمنوں کے نرغے میں گھری بیٹھی تھیں۔ بڑی پھوپھی ایک دن آتیں تو دو دن غائب رہتیں۔ کیونکہ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ ادھر اعظم صبح سے جاتے تو رات گئے ہی آتے اور کبھی آپ ہی آپ غائب ہو جاتے تو دو دو دن تک صورت ہی نہ دکھاتے عشمہ کو ان کی غیر حاضری سے کوئی سروکار تھا نہ دلچسپی وہ تو الٹا شکر کرتیں کہ چلو ایک طرح سہوں سے جان تو چھوٹی ہوئی ہے مگر اکرم کے معمول میں اب بھی فرق نہ آیا تھا۔ عشمہ بیگم سارا سارا دن اور آدھی آدھی رات تک تنہا بیٹھی ہولا کرتیں مگر میاں کے سامنے اُف تک نہ کرتیں۔ انہوں نے تو جیسے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

پھر وہ روز سعید بھی آ گیا جس کی خاطر مسلمان اپنا خون بہاتے آئے تھے اور بے دریغ اپنی جانوں کی قربانیاں دے رہے تھے۔ مطالبہ پاکستان منظور کر لیا گیا تھا اور ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی آزادی مل گئی تھی۔ مگر یہ آزادی مسلمانوں کو بہت مہنگی پڑ رہی تھی۔ اکالی دل اور سیوک سنگھ کی منظم پارٹیاں مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہو گئی تھیں۔ اور دلی کی فضا مسلمانوں کے خون سے رنگی جانے لگی تھی اور اسی پر ہی موقوف نہیں پورے ہندوستان میں فسادات کی آگ بھڑک چکی تھی۔ ہر شہر اور قریے میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔

شیخ صاحب اپنی بیٹی اور بھتیجوں کی طرف سے بڑے فکرمند تھے۔ ایسی بری بری خبریں آ رہی تھیں کہ انہیں الہ آباد سے کوچ کرنا ہی پڑا۔ ادھر اکرم کو ٹائیفائڈ ہو گیا اور وہ بستر سے ایسے لگے کہ گھر کے ہی ہو کر رہ گئے۔ عشمہ بیگم ان کی جی توڑ خدمت کرتیں رہیں مگر اعظم کی بے حسی میں فرق نہ آیا۔ وہ بیمار بھائی کی بھی پروا نہ کرتے اور دنوں غائب رہتے۔ وہ تو شیخ صاحب کے اچانک ہی آ جانے سے عشمہ بیگم کی ڈھارس بندھی تھی مگر تیزی سے بگڑتے ہوئے حالات کے پیش نظر اور اپنے محبوب شوہر کی علالت کی وجہ سے ان کی پریشانی میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ پنجاب سے آنے والے سکھ اور ہندو شرنارتھیوں نے جن کی بڑی تعداد قرول باغ اور پوسا روڈ میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھی۔ حالات کو اور بھی دگرگوں بنا دیا تھا اور گزشتہ روز رام جس کالج میں جو کہ قرول باغ سے آگے سرائے رہلہ خان کے نزدیک کالے پہاڑ پر واقع تھا۔ میٹرک کا امتحان دیتے ہوئے مسلمان لڑکوں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا تھا اور شہر کے بیشتر علاقوں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا تھا۔ اور اکرم جس ڈاکٹر کے زیر علاج تھے۔ وہ دریا گنج میں رہتا تھا۔ حالانکہ بنگالی ہندو تھا مگر حالات کے پیش نظر اس نے اکرم کا علاج کرنے سے انکار کر دیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

تھا۔

اعظم بھی گھر پر موجود نہ تھے۔ جوان کے ذریعے ہی کسی ڈاکٹر کو بلا لیا جاتا۔ ادھر اکرم کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ آخر شیخ صاحب نے اکرم کو اردن ہاسپٹل میں داخل کرانے کا مشورہ دیا اور ایک دن خود ہی اردن ہسپتال جانے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں کے اسٹاف سے مدد لے کر اکرم کو بحفاظت ہسپتال لے جا سکیں۔ عشمہ ہی نہیں خود اکرم بھی انہیں منع کرتے رہ گئے۔ عشمہ بیگم نے تو کتنی ہی قسمیں بھی کر لی کہ وہ نہ جائیں مگر شیخ صاحب نہ مانے۔ کہنے لگے ''موت اور زیست تو اللہ کے اختیار میں ہوتی ہے۔ میرا کوئی بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ ماسوا اس کے کہ میری موت ہی آئی ہو۔ تم اس قدر پریشان نہ ہو میں جس کام کے لیے نکل رہا ہوں۔ انشاء اللہ اسے پورا کر کے جلد ہی واپس لوٹوں گا۔''

عشمہ بیگم کے دل میں تو صبح سے ہی ہول اٹھ رہے تھے۔ شوہر کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ دیکھ کر ہراساں ہوئی جا رہی تھیں۔ باپ چلے گئے تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے ان کا کوئی بڑا مضبوط سہارا چلا گیا ہو۔ شیخ صاحب کہہ کر تو گھنٹے دو گھنٹے کا گئے تھے مگر دو روز گزر گئے تھے۔ وہ واپس نہیں لوٹے تھے۔ ادھر اکرم پر غشی سی طاری تھی۔ بخار بھی شدت پکڑ گیا تھا۔ ادھر نہ کوئی ہانک کو نہ پکار کو بڑی بی نے بھی کب کا آنا چھوڑ دیا تھا اعظم بھی کہیں روپوش تھے۔ ادھر باپ کا غم ادھر شوہر کی فکر' ادھر قتل' وخون اور غارت گری کا بازار گرم۔ بے چاری کو آنسو بہانے کی اجازت بھی نہ تھی۔

گزشتہ رات پہاڑ گنج پر حملہ ہوا تھا اور بلوائیوں نے مسلمان عورتوں کی درگت بنائی تھی۔ تو عشمہ کو اپنی موتی کی طرح پاک عزت کا تحفظ بھی خطرے میں پڑتا نظر آ رہا تھا۔ جان کی تو خیر انہیں پروانہ تھی جان اگر عزت کے ساتھ جاتی تو انہیں ذرا بھی پروانہ ہوتی۔ لیکن وہاں تو وہ درندہ صفت سیاہ اور بے ضمیر قوم اسلام کے ناموس کو دھجیاں اڑا رہی تھی۔ مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کو جبراً آبرو ریزی کر کے ان کے سینے کاٹ کر پھینک دیے جا رہے تھے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے انہیں تہ تیغ کیا جا رہا تھا۔ برہنہ عورتوں کا جلوس نکال کر بھرے بازار میں ان کی عصمتیں لوٹی جا رہی تھیں۔ بچوں کو ایسی ایسی اذیتیں دے کر قتل کیا جا رہا تھا کہ انسانیت بھی تھرا اٹھی تھی۔ نہتے بوڑھے اور جوان مرد گولیوں اور کرپانوں سے شکار کیے جا رہے تھے۔ غرضیکہ وحشت و بربریت کا بازار گرم تھا۔ موت کا رقص شروع ہو چکا تھا۔ اور پورا ہندوستان روم کے اکھاڑے کی طرح آگ وخون کی ہولی کھیل رہا تھا۔ اپنا حق مانگنے والوں کی ہی شامت آئی ہوئی تھی۔

اصل میں مسلمانوں کی ایک چوتھائی تعداد اب تک پاکستان جا چکی تھی۔ باقی جو تین چوتھائی بچ رہے تھے۔ وہ اپنے پاک وطن کے لیے پر تول رہے تھے۔ اور کچھ اپنے جمے جمائے گھروں کو اور اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر ان کی تعداد بہت مختصر تھی ایک بڑی اور کثیر تعداد تو اپنے نوزائیدہ ملک کی طرف ہجرت کرنے کے لیے تیار بیٹھی تھی اور ان تمام میں پیچھے رہ جانے والوں کو ہندوؤں اور سکھوں نے اپنی دیرینہ دشمنی اور ہوسناکی کا نشانہ بنایا تھا۔ دونوں ریاستوں کا بٹوارہ ہونے کے بعد مسلمان فوجی اور سول افسروں اور ملازموں کو ان کی آسامیوں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ صرف گنتی کے چند مسلمان پولیس اور بعض دیگر شعبوں میں تعینات تھے مگر ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ادھر قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ ہندو اور سکھ' مسلمانوں کو جن کی خانہ تلاشی لینے کے بعد فوج نے ان

کے ہتھیار چھین لیے تھے۔ کرپانوں اور تلواروں کی زد پر رکھ کر کہتے تھے۔

''لو آؤ ہم تم کو پاکستان پہنچا دیں۔ لو جاؤ اپنے پاکستان۔'' اور پھر ان کو تہ تیغ کر دیا جاتا۔ پنجاب اور دلی میں تو سب سے زیادہ سکھوں نے ہی اپنی درندگی اور بربریت کے مظاہرے دکھائے تھے۔ بوڑھے' مرد' عورتوں اور بچوں اور جوانوں کو قتل کر دیا تھا۔ اور جوان لڑکیوں کی عصمت وعفت کو پارہ پارہ کر کے انہیں اپنی قیدی رکھ لیا تھا۔ بہت سی لڑکیوں کو شدھی کر لیا گیا تھا۔ گویا ہر طریقے سے ہندو اور سکھ اسلام کی جڑیں کاٹ دینا چاہتے تھے۔ پاکستان کی بنیادیں گرا دینا چاہتے تھے۔ اسی پاکستان کو تقسیم کے وقت جس کا ایک بڑا حصہ انگریز ساہوکاروں نے ریڈکلف اور ماؤنٹ بیٹن نے ہندوؤں سے ساز باز کر کے اور بھاری رشوت لے کر عین وقت کے وقت غصب کر لیا تھا اور اسی دھوکہ دہی کی وجہ سے مسلمانوں کو بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا اور یہ سب ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ہوا تھا۔

اسی پاکستان کو جس کی بنیادیں لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جان کی قربانیاں دے کر ڈالی تھیں اور جن بنیادوں میں پانی نہیں ان کا خون ڈالا گیا تھا جس کی تعمیر سیمنٹ اور گارے سے نہیں ان قربان ہو جانے والے لاکھوں شہیدوں کی ہڈیوں کے سرمے سے کی گئی تھی۔ حق کی آواز کو آج تک کوئی نہیں دبا سکا ہے اور وہ تو ایک زندہ اور حقیقی تحریک تھی۔ جسے اپنی حماقت کے گھمنڈ اور اختیار کے زعم میں ہندو اور سکھ کچل دینا چاہتے تھے مگر ''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد'' کے مصداق وہ تحریک جس نے عجم وروم کے جبروت اور جاہ وحشم کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا وہ تو یونہی حادثوں کی دھوپ میں تپ تپ کر کندن بنتی ہے۔

عشمہ بیگم باپ کی طرف سے تو نا امید ہو ہی گئی تھیں۔ اب شوہر کی طرف سے بھی ان کی امیدوں کے چراغ بجھتے جا رہے تھے۔ اعظم کے بارے میں بھی ان کا خیال تھا کہ انہیں کسی ہندو یا سکھ نے مار کاٹ کر رکھ دیا ہوگا کیونکہ وہ چوتھے پانچویں دن تو آ جاتے تھے۔ اب تو انہیں بھی آئے پورا ڈیڑھ ہفتہ ہو گیا تھا۔ گوا چھوتوں نے ہندوؤں اور سکھوں کی لوٹ مار میں بڑی مدد کی تھی۔ متمول مسلم گھرانوں کی نشان دہی کی تھی۔ مگر جو حلال خوری عشمہ کے یہاں کام کرتی تھی وہ کچھ نرم دل تھی اور اسی نے عشمہ کو بتایا تھا کہ ہندوؤں کا اگلا نشانہ انہی کا محلہ ہوگا۔ ہندو اور سکھ ہزار ہزار کے جتھوں میں حملہ کرتے تھے اور ان کے ساتھ فوج کی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی جو مسلمانوں پر مشین گنوں اور بندوقوں کے دہانے کھول دیتی۔ اس لیے جو مسلمان یکجا ہو کر اپنے دفاع کے لیے بلوائیوں کا مقابلہ کرتے وہ مشین گنوں اور بندوقوں کے سامنے زیادہ جم نہیں سکتے تھے۔ تلواروں اور کرپانوں کی زد سے بچ کر بھاگنے والے اور اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرنے والے مسلمانوں کا بھی یہی حشر ہوتا تھا۔ کہ ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگتی تھی اور کوئی قسمت کا دھنی ہی اس بوچھاڑ سے بچ کر نکل کر بھاگنے میں کامیاب ہوتا تھا۔

مہترانی کی زبانی عشمہ بیگم نے جب سے سنا تھا کہ ان کے محلے پر حملہ ہونے والا ہے۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑے جا رہے تھے۔ ایک طرف بیمار اور جاں بلب شوہر تھا اور اپنے تنہا اور بے یار و مددگار ہونے کا احساس اور دوسری طرف اپنی عزت پر بنتی نظر آ رہی تھی۔ عزت جو مسلمان عورت کی سب سے قیمتی بلکہ انمول متاع ہوتی ہے اور جو اسے جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہی چلی جائے تو پھر عورت میں سوائے صنف کی شناخت کے رہ ہی کیا جاتا ہے اور وہاں تو درندگی کھلے عام پھر رہی تھی۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

گھر سے کہیں باہر قدم نکالنے کا خیال بھی سراسر ہلاکت خیز تھا اور پھر اکیلا ہنستا بھلا نہ روتا۔ اپنے جاں بلب شوہر کو تنہا چھوڑ کر جانا بھی ممکن نہ تھا۔ اور جاتیں بھی کہاں۔ بس خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر دل پر جبر کیے بیٹھی رہیں مگر دل تھا کہ بیٹھا جا رہا تھا۔

اکرم نے دو روز سے آنکھ نہیں کھولی تھی۔ بھوک اور پیاس تو کجا دو دن سے کھیل تک اڑ کر منہ میں نہ گئی تھی۔ اور ان کی پریشانی میں عشمہ بیگم نے بھی ڈھنگ سے کچھ کھایا نہ تھا۔ فکر و پریشانی نے نیند بھی اڑا دی تھی۔ شہر میں چہار طرف کرفیو کا نفاذ تھا۔ اور بعض علاقوں میں مارشل لاء بھی لگا دیا گیا تھا۔ مگر صرف مسلمانوں کے لیے۔ کیونکہ بلوائی کرفیو اور مارشل لاء کے دوران بھی بلوے کرتے پھر رہے تھے۔ عشمہ بیگم نے دن تو جوں توں کر کے کاٹ ہی دیا۔ تنہائی اور سناٹے کے سوا اور کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی۔ مگر سارا دن ہی ست ہی ست پر جان رہی۔

پچھلے دو دن سے آسمان بھی گھرا گھرا تھا اور بوندا باندی ہو رہی تھی۔ مگر اس روز تو سارا دن ہی وقفوں سے گرج اور چمک کے ساتھ بارش ہو رہی تھی۔ اور سرِ شام ہی اتنا اندھیرا ہو گیا تھا۔ کہ عشمہ بیگم کو اس اندھیرے میں اپنا وجود گم ہوتا محسوس ہو رہا تھا اندر ہی اندر جانے کیسا اچھان سا انھر رہا تھا کہ طبیعت بکھری جا رہی تھی۔ باہر بھی مکمل سناٹا تھا۔ ایسا بیکراں سناٹا جس نے ہواؤں کی باگیں بھی تھام رکھی تھیں اس سناٹے کو دور کہیں چلتی ہوئی گولی کی آواز یا مین روڈ سے گزرنے والی کسی گاڑی کا زناٹہ ہی گھڑی بھر کو منقطع کر کے رکھ دیتا تھا۔ وقت بھی جیسے تھم کر رہ گیا تھا۔ اصل میں پریشانی میں وقت کے ان دیکھے پر بھی ناکارہ ہونے لگتے ہیں۔ اور وقت کاٹے نہیں کٹتا مگر خوشی میں یا وقتی خوشی میں ان پروں کی پرواز میں اتنی تیزی آ جاتی ہے کہ پلک جھپکتے میں وقت یوں پھر سے گزر جاتا ہے کہ احساس تک نہیں ہوتا۔ اور یہ سارے احساسات انسان کی عاجل اور بے صبر فطرت کے نتیجے میں ہی ہوتے ہیں۔

عشمہ بیگم اپنے بیمار اور نحیف و نزار شوہر کا پلنگ گھسیٹ گھساٹ کر بیچ کے کمرے میں لے آئیں۔ اکرم سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے بیچارے میں جان ہی کتنی رہ گئی تھی مگر وہ عشمہ بیگم کا سہاگ تھے۔ ان کی محبت تھے اور اپنی جان بچانے سے زیادہ عشمہ کو ان کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ بس اپنے بچاؤ کے لیے انہوں نے یہی کیا کہ گھر کے سارے دروازے بند کر دیے اور خود بھی اکرم کے ساتھ کمرہ میں بند ہو کر بیٹھ گئیں۔ اکرم کو تو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو وہ کیا کر لیتے۔

رات کے دس بج چکے تھے اور عشمہ بیگم شوہر کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں۔ اور سوچ رہی تھیں کہ ہو سکتا ہے شانتی (مہترانی) نے مجھے ڈرانے کو جھوٹ بکا ہو ورنہ اب تک تو کسی چڑیا کے بچے کی آواز نہیں آئی۔ اور واقعہ بھی یہی تھا۔ اب تو بڑی دیر سے کسی گولی کے چلنے اور گاڑی کے گزرنے کی آواز بھی نہیں آئی تھی۔ مکمل اور گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا اور ابھی عشمہ بیگم انہی خیالوں اور فکروں میں غلطاں و پیچاں تھیں کہ بے سدھ پڑے اکرم کے جسم کو جنبش ہوئی اور انہوں نے آہستہ سے پانی مانگا اور عشمہ بیگم اپنے خیالوں سے چونک کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جلدی سے سرہانے رکھی پیالی میں پانی ڈالا پیالی ان کے منہ سے لگا دی اکرم نے چند گھونٹ لے کر منہ ہٹا لیا۔ عشمہ بیگم نے گھبرا کر ان کے ماتھے کو چھوا۔ بخار بدستور تھا مگر قدرے ہلکا ہو گیا تھا۔ عشمہ بیگم کی کچھ جان میں جان آئی۔ دل پر سے بھی تفکرات کا بوجھ کچھ ہلکا ہوتا لگا۔

''آپ کے لیے چائے بنا دوں؟'' وہ ان پر جھک کر پوچھنے لگیں۔ مگر اکرم آنکھیں بند کیے خاموش

پڑے رہے۔

''سنیے۔ آپ کو بھوک تو نہیں لگ رہی۔'' انہوں نے پھر پوچھا۔

اکرم نے بہت آہستہ سے نفی میں گردن ہلا دی۔

''کیا آپ کچھ افاقہ محسوس کر رہے ہیں۔'' عشمہ بیگم نے بے تابانہ پوچھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اکرم کو اٹھا کر بٹھا دیں اور دل کھول کر ان سے باتیں کریں۔ مایوسیوں کے عمیق اندھیروں میں اس وقت بے سدھ پڑے شوہر کا جنبش کرنا اور پانی مانگنا انہیں یوں لگا جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل جائے جیسے مہیب اندھیروں میں روشنی کی کوئی ہلکی سی کرن مل جائے۔ شوہر یقین اور تحفظ کا کتنا بڑا حصار ہوتا ہے۔ کیسا مضبوط اور پائیدار سہارا ہوتا ہے۔ وہ اپنا سوال کر کے منتظر اور پر امید نظروں سے اکرم کی طرف دیکھتی رہیں۔ اکرم نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور ان کی نیم وا سی نظریں عشمہ پر جم سی گئیں۔

عشمہ ایک اضطراری سی کیفیت میں مبتلا تھیں اور اکرم کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ شوہر کی بیماری اور مضمحل نظروں سے ان کی نظریں چار ہوئیں تو انہوں نے اپنے دل میں ایک عجیب سے احساس کو رینگتے پایا۔ چار پانچ برس کے ازدواجی دور میں عشمہ کی تمنا کے باوجود اکرم نے کبھی انہیں ایسی نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا اور اب اچانک ہی اتنے نازک اور پریشان لمحوں میں اکرم کی بے نور ہوتی آنکھوں سے محبت کے چشمے سے ابلتے دکھائی دیے تو عشمہ بیگم تصویرِ حیرت بنی ان کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ اکرم نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔ اور وہ حیران و پریشان سی جلدی سے ان کے قریب بیٹھ گئیں اور اکرم ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کچھ کہنا ہی چاہ رہے تھے کہ قریب ہی کہیں ست سری کال اور جے ہند کے نعروں کی آواز گہرے سناٹوں کو چیرتی ان کی سماعت سے ٹکرائی۔ عشمہ بیگم نے ہول کر شوہر کی طرف دیکھا مگر یوں لگا جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ وہ عشمہ سے کچھ کہنے کے لیے اپنی ساری قوت مجتمع کرنے میں کوشاں نظر آ رہے تھے۔ عشمہ بیگم کا نازک سا ہاتھ اب تک ان کے بے جان استخوانی سے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ عشمہ بیگم بھی تھوڑی دیر کو اپنی پریشانی بھول گئیں۔

''عشمہ۔'' بڑی دیر بعد اکرم نے ڈوبتی سی آواز میں اتنے آہستہ سے کہا کہ عشمہ کو جھک کر ان کی بات سننی پڑی۔

''میں تمہارا مجرم اور خطا کار ہوں عشمہ۔ تمہاری والہانہ محبت کا جواب گرمجوشی سے نہ دے سکا۔'' اکرم نے کانپتی ہوئی دھیمی آواز میں بڑی مشکل سے یہ الفاظ ادا کیے۔ عشمہ بیگم جواب میں کیا کہتیں۔ اب گوں سی ہو کر ان کی طرف دیکھتی رہیں۔ شوہر نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف بھی کیا تھا تو بھلا کس موقع پر۔ اور کس عالم میں کہ جان اس وقت سولی پر چڑھی ہوئی تھی۔ اکرم اتنی سی بات کہہ کر ہی تھک گئے تھے۔ انہوں نے نڈھال ہو کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور باہر کہیں قریب ہی سے شیطانی نعروں اور چیخ و پکار کی آوازیں دل میں سوراخ کرتی لگ رہی تھیں۔ اکرم نے کچھ دیر دم لے کر پھر کہا۔

''لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میرا دل ہمیشہ تمہاری ہمدردی اور پیار سے معمور رہا۔'' پیار کے یہ چند بول عشمہ کے دل میں اٹھتے غبار کو طوفان کی شکل دے گئے۔ آنکھوں سے ساون اور بھادوں کی جھڑی لگی تو جل تھل کا سماں پیدا کر گئی۔ دل ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو رہا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

تھا۔

''سنو عشمہ! یہ رونے کا وقت نہیں ہے۔ روتی تو تم اب تک رہی ہو اور شاید زندگی بھر روؤ گی۔ مرد نااہل اور ناقدر شناس ہوتا ہے تو عورت ساری عمر رو رو کر تین گنوائی رہتی ہے۔ میں نے تمہیں کبھی کوئی خوشی نہیں دی۔ کوئی سکون نہیں دیا پھر بھی۔ پھر بھی۔'' اکرم کے ہاتھ کمزوری سے ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اور ہونٹوں پر پپڑیاں سی جم گئی تھیں۔ وہ پھر سانس لینے کو رکے تو عشمہ بیگم جلدی سے بولیں۔

''یہ آج مجھے شرمندہ کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ میں نے تو کبھی بھول کر بھی ایسی کوئی بات نہیں سوچی۔ خواہ مخواہ ان پریشان خیالوں سے آپ کی طبیعت اور خراب ہو جائے گی۔'' پھر انہوں نے اٹھ کر پانی کی پیالی اکرم کے منہ سے لگا دی۔ اکرم نے چند گھونٹ لیے اور آہستہ سے پیالی کو ہٹا دیا۔

''سنو میری ہمدم۔ وقت بہت کم ہے۔ بہت ہی گراں اور مخدوش۔'' اکرم نے کہا تو عشمہ بیگم پیالی میز پر رکھ کر جلدی سے ان کی طرف مڑیں کہ کہیں وہ بات اکرم کے دل ہی میں نہ رہ جائے جو وہ کہنا چاہتے ہیں نہ جانے آئندہ کیا حالات ہوں۔

''میں نے تمہیں کچھ نہیں دیا سوائے دکھ اور آزار کے مگر اس کے باوجود مجھے تمہاری ذات پر پورا پورا بھروسا ہے کہ میرے خالی اور شکستہ کشکول میں آخری بار تم تھوڑی سی بھیک ضرور ڈال دو گی۔ عشمہ میرا بھی سوائے تمہارے اور خدا کی ذات کے اور کوئی نہیں ہے اور یہ خیال مجھے قبر میں بھی چین نہیں لینے دے گا کہ میں نے اپنے سفر کے اختتام پر بھی تمہیں تکلیف سے ہی نوازا ہے۔'' اکرم سے بولا نہیں جا رہا تھا یا ان پر رقت طاری ہو گئی تھی۔ جو باقی الفاظ ان کے حلق میں ہی اٹک کر رہ گئے۔

''آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج اس نے یہ دن دکھایا کہ میں آپ کو ہوش میں دیکھ رہی ہوں۔ خدا نے چاہا تو آپ جلدی روبصحت بھی ہو جائیں گے۔'' عشمہ کا دل کٹا جاتا تھا اور وہ شوہر کے خیالوں کی تردید میں لگی ہوئی تھیں۔ اور اکرم کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عشمہ کے سوا وہ دنیا کی ہر شے سے اپنا ناتا توڑ چکے ہیں۔ وہ اپنی بات کہنے کی دھن میں تھے۔ عشمہ کے جواب کو نظر انداز کر کے انہوں نے پھر ٹوٹے ٹوٹے لہجے میں کہا۔

''میں اس آخری وقت میں جب کہ شیرازہ حیات بکھرنے کو ہے تمہیں ایک ذمہ داری سونپ رہا ہوں۔ یقین جانو عشمہ تمہارے لیے سارے احساسات دل میں رکھنے کے باوجود اس ذمہ داری کی وجہ سے میں اتنا مجبور تھا کہ تمہیں تمہارا حق بھی نہ دے سکا۔''

''اوفوہ۔ آپ پھر وہی بات لے کر بیٹھ گئے۔ خدا نہ کرے دشمنوں کا منہ کالا۔ جو آپ کو کچھ ہو۔ خدا نے اتنا تو کر دیا ہے کہ آپ بات کرنے کے لائق ہو گئے ہیں اور آپ کے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے کجا کہ آپ ایک ذرا سی ذمہ داری کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔'' عشمہ بیگم انہیں دلاسا دیتی ہوئی بولیں۔ حالانکہ خود ان کے دل کا عجیب حال تھا۔ اشک بارش میں بہنے والے پرنالوں کی طرح ان کی آنکھوں سے رواں تھے اور باہر مچتے ہوئے شور سے بدن کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔

''نہیں جانِ من یہ ذمہ داری ذرا سی نہیں ہے۔ اس کے لیے تمہیں اپنے احساسات کو تہ تیغ کرنا پڑے گا۔ اپنے دل اور دماغ سے جنگ کرنی پڑے گی۔ اپنی طبیعت پر جبر کرنا پڑے گا اور مجھے امید نہیں کہ تم ایک ایسی ذمہ داری لو گی جو تمہارے لیے ایک مستقل عذاب بھی ثابت ہو سکتی ہے۔'' اکرم اب

قدرے جم کر بات کر رہے تھے۔ عشمہ بیگم نے افسردگی سے دل میں سوچا۔ یہاں تو ایک پل کی بھی خبر نہیں۔ وہ درندہ صفت انسان قریب ہی آگ اور خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ نہ معلوم ہم دونوں کا کیا حشر ہو اور یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ بات تمہارے لیے ایک مستقل عذاب ثابت ہو سکتی ہے۔ عشمہ بیگم بڑے خفا کی لہجے میں بولیں۔

''آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں۔ ورنہ آپ کہہ کر تو دیکھیے عشمہ تو اپنا دل بھی نکال کر پیش کر سکتی ہے۔ کجا کہ آپ کی سونپی ہوئی ذمہ داری کو نبھانا۔ وہ تو میرا ایمان ہو گا۔''

اور اسی دم اتنے قریب سے جے ہند کے نعرے کی آواز سنائی دی کہ عشمہ بیگم کو اپنا دل اچھل کر حلق میں آتا محسوس ہوتا مگر اس وقت ان پر اکرم کی بات سننے کی دھن سوار تھی۔ اکرم بڑے نڈھال سے ہو رہے تھے۔ ان کی پیشانی پسینوں سے تر تھی۔ پھر بھی انہوں نے بڑے مختصر سے الفاظ میں اپنے دل میں مچلتا ہوا لاوا اگل ہی ڈالا۔ ٹوٹے ٹوٹے اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کوئی بہت بڑی ذمہ داری اپنی وفا شعار اور بامحبت بیوی کو سونپتے رہے اور عشمہ بیگم بڑی حیرت اور انہماک سے سب کچھ سنتی رہیں۔ جب وہ نڈھال ہو کر خاموش ہو گئے تو عشمہ نے کہا۔

''آپ کی ہر بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے بھلا سرتابی کی مجھے مجال کہاں۔ اور اب یہ ذمہ داری تو آپ نے مجھے سونپ دی ہے دعا کیجیے کہ اسے پورا کرنے میں میں کامیاب رہوں۔ لیکن..... لیکن بشرطیکہ زندگی نے اجازت دی۔'' اکرم نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ بڑی ممنون اور پیار بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''ہاں تو وہ چیز کہاں رکھی ہے؟'' عشمہ بیگم نے ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔ باہر ایک حشر سا بپا تھا۔ اس لیے عشمہ کو اونچی آواز میں پوچھنا پڑا اور پھر وہ اکرم پر جھک گئیں۔

''میرے تکیے کے نیچے غلاف کے اندر۔'' عشمہ بیگم نے یونہی جھکے جھکے مشینی انداز میں وہ شے ان کے تکیے سے برآمد کر لی۔ اور پھر خوف و دہشت سے بھری نظروں سے اکرم کی طرف دیکھا۔ کوئی پچھلا دروازہ زور زور سے پیٹ رہا تھا۔ اور شور عین سر پر آ پہنچا تھا۔ مگر اکرم یوں آنکھیں بند کیے لیٹے تھے جیسے ہر چیز سے بے نیاز ہوں۔

''سنیے۔'' عشمہ بیگم نے پریشانی اور بدحواسی میں انہیں جھنجھوڑا پھر اور کچھ نہ سوجھا تو دوڑ کر جلدی سے کمرے کی لائٹ بجھا دی اور ٹٹولتی ہوئی اکرم کے پاس چلی آئیں۔

''یہ تم نے روشنی کیوں بجھا دی عشمہ جب کہ میری زندگی کا چراغ کسی بھی لمحے بجھا چاہتا ہے۔ دیکھو وہ درندے آ گئے ہیں تم اپنی جان بچاؤ عزت بچاؤ۔ خدا کے لیے عشمہ جلدی سے کہیں بھاگ جاؤ۔'' اتنا کہہ کر اکرم خاموش ہو گئے۔ عشمہ بیگم کچھ دیر خاموش کھڑی ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہیں۔ پھر اچانک ہی انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے دل میں کوئی شے چیخ کر ٹوٹ گئی ہو۔ ادھر دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ عشمہ بیگم نے گھبرا کر پھر لائٹ جلا دی۔ اور اکرم کے پاس آئیں مگر اکرم اتنی دیر میں زندگی کی قید و بند سے آزاد ہو چکے تھے۔ عشمہ بیگم چیخ مار کر ان سے لپٹ گئیں۔ اور رو رو کر کہنے لگیں۔

''اس کسمپرسی کے عالم میں آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے اکرم۔ آپ نے مجھے یکہ و تنہا کیوں چھوڑ دیا اکرم آپ کہاں چلے گئے۔ میں نے تو کبھی آپ سے آپ کی غیر حاضری کا شکوہ نہیں کیا تھا۔ کبھی حرف

Urdu Photo.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

شکایت تک زبان پر نہیں لائی تھی۔ ''ابھی وہ تڑپ تڑپ کر یہی کہہ رہی تھیں کہ دھپ سے پچھلے صحن میں کوئی کودا۔ اور وہ دہل کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اسی دم عین کمرے کے دروازے پر دستک ہونے لگی۔ کوئی توڑ دینے کے سے انداز میں دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ عشمہ بیگم نے گھبرا کر لائٹ بجھادی۔ مارے خوف و دہشت کے آنکھوں سے رواں آنسو بھی بہنے بند ہو گئے تھے۔ اور وہ تھر تھر کھڑی کانپ رہی تھیں۔ اس وقت ان کو اپنی جان کا نہیں عزت کا خیال ستائے دے رہا تھا کہ دستک کے ساتھ ساتھ ہی اعظم کی آواز آئی۔ وہ حلق پھاڑ کر کہہ رہے تھے۔

''بھابی دروازہ کھولیے میں اعظم ہوں۔ جلدی کیجئے بھابی۔'' اور عشمہ بیگم کو یوں معلوم ہوا جیسے انہیں کسی نے گہرے اور عمیق سمندر میں ڈوبنے سے بچالیا ہو اپنی کپکپاہٹ پر قابو پا کر عشمہ نے جلدی سے دروازہ کھولا۔

اعظم دروازے کے آگے کھڑے تھے۔ اندر اور باہر اتنا اندھیرا تھا کہ وہ ان کا ہیولا ہی دیکھ سکیں۔ باہر سے مظلوموں کی آہ و بکا کے شور کے ساتھ گولیوں کی سنسناہٹ اور بے ہنگم کی آوازیں اتنے قریب سے آرہی تھیں کہ کان پڑی آواز تک سنائی نہ دیتی تھی۔ اعظم نے عشمہ کو دیکھتے ہی بڑی عجلت اور گھبراہٹ میں کہا۔

''جلدی چلیے بھابی۔ ہمارے محلے پر حملہ ہو گیا ہے۔ بلوائی ادھر ہی کا رخ کر رہے ہیں۔''

''اچھا ایک منٹ ٹھہریے۔ میں ابھی آئی۔'' عشمہ بیگم نے بھی اسی عجلت اور گھبراہٹ میں کہا۔

''ایک منٹ بھی ٹھہرنے کی گنجائش نہیں ہے بھابی۔ خدارا جلدی کیجئے۔ یہی کیا کم غنیمت ہے کہ ہم وقت کے وقت پہنچ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ تنہا ہوں گی۔'' اعظم کہتے رہے اور عشمہ بیگم بجلی کی سی تیزی سے اندر پلٹیں اور پھر دو تین منٹ بعد ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس لیے اعظم کی طرف بڑھیں۔ اعظم نے ان کے ہاتھ سے وہ اٹیچی کیس لیا اور تیزی سے باہر کا رخ کیا۔ اور باہر کھڑی جیپ میں عشمہ بیگم کو بٹھا کر پوری قوت سے ایکسیلیٹر دبادیا۔ جیپ جس قدر تیزی سے آگے بڑھی۔ اسی قدر تیزی سے حملہ آور ہوتے ہوئے بلوائیوں نے ان پر گولیاں چلائیں۔ تیسرے یا چوتھے مکان میں آگ لگادی گئی تھی۔ جس کی تیزی سے اوپر اٹھتی ہوئی لپٹوں نے تاریکی کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ جیپ کے پچھلے حصے میں گولیاں لگی تھیں مگر اعظم کمال ہوشیاری سے جیپ کو بچالانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

اعظم کی بروقت امداد نے عشمہ بیگم کی عزت اور آبرو تو بچالی تھی لیکن اب بھی ان کے دل کو دھڑکا لگا ہوا تھا کہ نہ جانے آئندہ کیا حالات پیش آئیں۔ کس کروٹ اونٹ بیٹھے۔ بے چاری کے حواس معطل ہو رہے تھے۔ اور دماغ سن سا لگ رہا تھا۔ انہیں تو یہ بھی پتا نہ چلا کہ اعظم نے کتنے آتشکدوں پر جیپ روک کر بچے کھچے خانماں بربادوں کو اپنی جیپ میں سوار کرایا ہے۔ ان کی سسکیاں اور آہ و زاری بھی عشمہ کی اس بے حسی کو نہ توڑ سکی۔ اعظم بہت سے فسادزدہ علاقوں سے گزرتے ہوئے آئے تھے اس لیے وقت کے ساتھ ساتھ فاصلہ بھی طویل ہو گیا تھا۔ آخر اپنی منزل پر پہنچ کر انہوں نے جیپ روک دی۔ پچھلی جانب جیپ میں کھچا کھچ بھرے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کے مظالم کا شکار مرد و زن اور بچے ایک ایک کر کے اتر گئے۔ تو اعظم نے پتھرائے ہوئے سے انداز میں بیٹھی عشمہ بیگم سے مخاطب ہو کر کہا۔

''آپ بھی یہیں اتر جایئے بھابی۔'' تو عشمہ بیگم نے قدرے چونک کر خالی خالی نظروں اور سپاٹ

READING Section

چہرے کے ساتھ ان کی طرف دیکھا۔ اور پھر باہر کے منظر پر نظریں دوڑانے لگیں۔ بڑا عجیب و غریب سا سماں تھا۔ ٹوٹی پھوٹی سی عمارت تباہ حال لوگوں کا ایک جم غفیر لالٹینوں کی بیمار اور مضمحل سی روشنیاں جن کا عکس گڑھوں میں جمع شدہ بارش کے پانی میں یوں کانپ رہا تھا جیسے کسی سنسان' بیابان قبرستان میں بہت دور کسی قبر پر جلتے دیے کی لو لرز رہی ہو۔ اس پر شور و غل کا یہ عالم کہ کان پڑی آواز تک سنائی نہ دیتی تھی۔ اس کھنڈر نما عمارت کے اندر ٹوٹے ہوئے اور شکستہ حصوں سے ہو کر جہاں تک نگاہ جا سکتی تھی۔ انسانوں کا ایک بھنبھناتا اور ٹھاٹھیں مارتا سمندر سا نظر آرہا تھا۔ گیلی لکڑیاں اور گھاس پھونس جلانے کی وجہ سے دھوئیں کے کثیف بادل سے اٹھ رہے تھے۔

''یہ پرانا قلعہ ہے۔ بھابی۔ یہاں سارے تباہ حال لوگوں نے پناہ لی ہے یہاں کسی قسم کا کوئی خدشہ نہیں۔'' اعظم نے ان کے تجسس کو پڑھ لیا تھا۔ عشمہ نے ان کی طرف دیکھا نہ کوئی جواب ہی دیا۔ بے حد خاموشی سے جیپ سے نیچے اتر گئیں اور بارش کی ہلکی ہلکی بوندوں نے مصیبت کی ماری عشمہ کا استقبال کیا اعظم نے جھک کر پاؤں پائیدان میں رکھا ان کا اٹیچی کیس نکالا اور ان کی طرف آتے ہوئے انہیں وہ اٹیچی کیس تھما کر پوچھا۔

''بھائی جان اور چچا جان آخر کون سے اسپتال میں ہیں۔ میں نے تو یہاں کے سارے اسپتال کھنگال ڈالے۔ اصل میں میں نے ہی چچا جان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ بھائی جان کو اسپتال میں داخل کرادیں۔ اور اسی وجہ سے آپ کی طرف سے میں بھی فکر مند تھا کہ آپ تنہا ہوں گی۔'' عشمہ کو مہر بلب دیکھ کر اعظم اپنی ہی کہے جا رہے تھے۔ اور عشمہ بیگم کو اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ انہوں نے آتے ہی کیوں نہ اکرم کے متعلق بتادیا۔ اب نہ جانے ان درندوں نے کسی کو گھر میں نہ پا کر اکرم کی لاش کی کس کس طریقے سے بے حرمتی کی ہوگی اس خیال سے ان کے حواس تھوڑے تھوڑے بجا ہونے لگے مگر اعظم کی بات کا جواب وہ پھر بھی نہ دے سکیں۔ بلکہ خود کو ملامت کرنے لگیں کہ تم کتنی خود غرض بن گئی تھیں عشمہ۔ اس وقت تمہاری محبت کہاں جا سوئی تھی۔ جب وہاں سے تم اپنی جان بچا کر بھاگ رہی تھیں جو تمہیں اپنے مرحوم شوہر کا بھی خیال نہ آیا۔ تم نے اپنی وحشت اور دہشت میں اعظم کو کچھ بھی نہیں بتایا اب کس منہ سے ان سے کچھ کہو گی۔ خود کو ملامت کرتے کرتے ان کی آنکھوں سے اشکوں کا ریلہ سا بہہ نکلا۔ مگر بڑی خاموش گریہ زاری تھی یہ۔ اندر سے روح تڑپ رہی تھی۔ اور باہر ایک سکوت سا طاری تھا۔ ایسا سکوت جو زندگی کی سرحد پھلانگنے کے بعد طاری ہوتا ہے۔ اعظم نے نظر بھر کر ان کے بہتے ہوئے اشکوں کو دیکھا۔ اور یہی سمجھے کہ وہ اپنی وقتی پریشانی اور بے بسی کے سبب یوں بے دریغ اپنی وفا کے موتی لٹا رہی ہیں۔ دونوں کی پریشانی مشترک تھی۔ انہوں نے دھیمے سے دلدہی کے انداز میں کہا۔

''وہ دونوں بھی وہاں آپ کی طرف سے سخت پریشان ہوں گے مگر حالات پر کس کو اختیار ہے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ سارے شہر میں کرفیو لگا ہوا ہے اور بھائی جان کی تو حالت ہی ایسی نہیں۔ خیر میں تو آپ کی طرف سے غافل نہیں رہا۔''

مگر دل دہی کے یہ الفاظ تو اونگھتے کو ٹھیلے کا بہانہ کا کام کر گئے۔ عشمہ بیگم با آواز بلند چھکوں یوں رونے لگیں کہ اعظم کو اپنا دل پانی ہو کر ان کے اشکوں کے ساتھ بہتا محسوس ہوا۔ کچھ دیر تو بالکل خاموش

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اور بے حس وحرکت کھڑے رہے۔ پھر بڑے کرب سے بولے۔

''بھائی بعض اوقات انسان اپنے حالات سے اس قدر بے بس ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی زندگی کا ہر قدم اپنی مرضی کے خلاف اٹھانا پڑتا ہے مگر یہ وقت ان باتوں کے سوچنے کا نہیں تھوڑی دیر کو میری نفرت اپنے دل سے نکال دیجئے میں پوری سچائی سے کہتا ہوں کہ میں اپنا ناموس سمجھ کر آپ کو وہاں سے نکال لایا ہوں۔''

''اف۔ نہیں نہیں۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں اعظم بھائی۔ آپ کے سوا میرا اس دنیا میں رہا ہی کون ہے۔ ابا میاں، اکرم کوئی بھی تو نہیں رہا۔'' اعظم کی بات پر عشمہ بیگم نے تیزی سے بہتے ہوئے اشکوں کو اپنے آنچل سے پونچھتے ہوئے سسکیوں کے درمیان گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب؟ خدارا کچھ تو بتایئے بھابھی۔'' اعظم نے بیقراری سے پوچھا اور تب عشمہ نے رو رو کر ساری بپتا اعظم کو کہہ سنائی جسے سن کر اعظم سناٹے میں آ گئے۔ کچھ دیر تو ایسا محسوس ہوا جیسے آسمان سر پر گر رہا ہو اور زمین پیروں کے نیچے سے کھسک رہی ہو۔ ظلم و بربریت کے اخلاق سوز اور دلخراش نظارے دیکھے تھے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے لوگوں کے گلے کٹتے دیکھے تھے۔ لاشوں کے انبار دیکھے تھے مگر بھائی اور چچا کی موت کی خبر ایسی تھی جس نے برداشت کا مادہ ختم کر دیا تھا۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کھیل کھیل ہوا جا رہا تھا۔ چچا باپ کی طرح عزیز تھا اور بھائی۔ ماں جایا۔ ایک ہی گوشت پوست سے ڈھلا۔ جو ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا تھا۔ وہ بھی ایسی کسمپرسی کے عالم میں کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کوئی منہ میں پانی ڈالنے والا تک نہ تھا۔

''بھائی جان کا کیا بنا؟'' اعظم نے بڑی مشکل سے اپنے معطل ہوتے حواسوں کو قابو میں کر کے مری مری آواز میں پوچھا۔

''کچھ..... کچھ بھی نہیں کوئی انگلی تک تو چھوانے والا نہ تھا۔ بس جس وقت آپ دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔ اسی وقت انہوں نے دم توڑا تھا۔'' عشمہ بیگم ہچکیاں لیتی ہوئی بولیں۔

''لیکن۔ لیکن آپ نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ واقعی انہوں نے دم توڑ دیا ہے آپ نے اس وقت مجھے کیوں نہیں بتا دیا۔ آہ بھابی یہ آپ نے کیا کیا۔ ان ظالموں نے تو میرے بیمار بھائی کو نہ معلوم کیسی کیسی اذیتیں پہنچا کر ذبح کیا ہوگا۔'' اعظم کے لہجے میں جھلاہٹ آ گئی تھی۔

''یہی فکر تو مجھے بھی کھائے جا رہی ہے کہ ان درندوں نے ان کی لاش کی بڑی بے حرمتی کی ہوگی۔ آپ یقین جانیے۔ اعظم بھائی انہوں نے میرے ہی ہاتھوں میں دم توڑا ہے۔ وہ مجھے عزت بچانے کی تاکید کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔'' اپنی صفائی میں اتنا کہہ کر بھی عشمہ چور بنی رہیں۔ اعظم نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ بڑے ہی جذب میں جیپ میں بیٹھے اور بڑی ہی برہمی سے بولے۔

''میں اس وقت وہیں جا رہا ہوں۔ اگر زندہ بچ کر واپس آ گیا تو۔ تو آپ وہاں سامنے والے درے میں کہیں جگہ بنا لیجئے تاکہ مجھے ڈھونڈنے میں دشواری نہ ہو۔'' اعظم نے اتنا کہا اور تیزی سے جیپ لے اڑے۔ عشمہ کو یوں لگا جیسے آخری سہارا بھی چھن گیا ہو۔ بربادی سی بربادی تھی۔ اپنی ذرا سی چوک پر خود اپنی ہی نظروں میں گری جاتی تھیں۔ خیالات کا ریلا تھا کہ طغیانی کی طرح دل و دماغ کو بہائے لیے جاتا

تھا۔ کبھی کچھ سوچتیں اور کبھی کچھ۔ کبھی اپنے والدین کی شفقت اور محبت بھری گود یاد آ جاتی تو کبھی اکرم کے ساتھ گزرے ہوئے چند سال۔ اور پھر ان کے رویے سے دل ٹوٹنے لگتا تو ان کے وہ آخری الفاظ یاد آ جاتے جو ان ساری کلفتوں کا ماحصل تھے۔ نچوڑ تھے۔ اور ان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھے اور بھی اس ذمہ داری کا احساس جو انہوں نے سراپا التجا بن کر انہیں سونپی تھی اور ان کی پہلی اور آخری خواہش تھی۔ جسے پورا کرنا عشمہ کا ایمان بن گیا تھا۔

گویا بات بڑی دلآزار اور تکلیف دہ تھی۔ ایسی اذیت پہنچانے والی کہ عشمہ کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو صاف صاف انکار کر دیتی مگر آفرین ہے عشمہ پر اور آفرین ہے ان مشرقی عورتوں پر جو وفا کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ بارش میں اب تیزی آ گئی تھی اور بوندا باندی ہوا ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ بیگم اپنے پریشان خیالوں میں اب تک وہیں کھڑی تھیں جہاں اعظم انہیں چھوڑ کر گئے تھے۔ بارش کا زور بڑھا تو ان کی محویت ٹوٹی۔ اور انہوں نے اپنے شکستہ اور شکست خوردہ سے قدم پرانے قلعے کی نیم شکستہ عمارت کی طرف بڑھا دیے۔ اندر اس وقت بڑی دھکم پیل ہو رہی تھی۔ جو لوگ باہر کھڑے تھے۔ وہ بارش سے بچنے کے لئے اندر دروں اور ٹوٹی پھوٹی چھتوں والے دالانوں میں پناہ لیتے رہے تھے اس ہڑبونگ میں کسی کی کسی کو خبر نہ تھی۔ میدان حشر کا سا سماں تھا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ ادھر عشمہ بیگم بیک کر چوڑا ہو گئی تھیں۔ کبھی بلا ضرورت گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور نکالا بھی تھا تو دو دو اور تین تین ملازموں کے ساتھ۔ وہ بھی برقع میں اور اب یہ عالم تھا کہ اعظم کے جلدی کرنے پر اپنے پلنگ کی چادر اپنے اوپر ڈال کر باہر نکل آئی تھیں۔ اس میں بھی پناہ بھی نہیں مل رہی تھی۔ اٹیچی کیس کی متاع عزیز کی طرح اب تک بغل میں دبا ہوا تھا۔ آخر وہ بھی دل پر جبر کر کے اس بھیڑ میں سے راستہ بناتی ہوئی ایک کھلے ہوئے درے کے اندر پہنچ گئیں۔

دو روز گزر گئے تھے عشمہ کو اس درے میں پناہ لیے ہوئے پچھلے دو دن سے چھاجوں پانی پڑ گیا تھا اور دو دن اور تین راتوں کا عرصہ عشمہ نے کھڑے اور بیٹھے گیلے اور میلے کپڑوں میں اعظم کی راہ دیکھ دیکھ گزار دیا تھا۔ عجیب نفسا نفسی کا عالم تھا۔ زخم خوردہ۔ غم زدہ۔ اور تباہ حال لوگ تھے۔ ایک ہی کشتی کے سوار ایک ہی حال میں رہتے۔ مگر آپا دھاپی اور خود غرضی کا یہ عالم ایک دوسرے کو کھانے کے لیے تیار ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہر شخص خود کو مظلوم سمجھ رہا تھا۔ کسی کی کسی کو پروا نہ تھی۔ اس پر اس بے سروسامانی اور کسمپرسی کے عالم میں غلاظتوں کے ڈھیر لگے تھے۔ ادھر بارش ادھر غذا کی کمی طرح طرح کے وبائی امراض پھیل رہے تھے۔ اور کوئی بھی پرسان حال نہ تھا۔

اپنی بھیڑ میں عشمہ بیگم کا اضافہ دیکھ کر اس درے پر قابض عورتوں اور مردوں نے ناک بھوں بھی چڑھائی تھی اور بعض نے تو منہ پھوڑ کر کہہ بھی دیا تھا کہ یہاں سے اپنا یہ تان تمبیرہ اٹھاؤ پہلے ہی تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے کہ تم بھی آ گئیں ڈولی چڑھ کے۔ عورتیں نچلے طبقے کی تھیں۔ عشمہ بیگم نے ان کے منہ لگنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ تو صرف اعظم کے انتظار میں ان کے حسب ہدایت وہاں ٹھہرنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ آخر تیسرے دن ان لڑاکا عورتوں کی منہ زوری سے تنگ آ کر انہیں وہ جگہ تبدیل کرنی پڑی۔ یہاں بھی سب کی نظریں بدلی بدلی سی تھیں یہ ایک مغلیہ طرز کا چودرہ تھا جس کی ٹوٹی جھڑتی نیچے کو جھکی چھت چھلنی کی طرح ٹپک رہی تھی۔ ٹپکا زیادہ تر چھت کے بیچ کے حصے میں لگا تھا۔ اس لیے بہت سے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

لوگوں نے سروں اور کونوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ مگر پتھریلا اور بوسیدہ فرش سارا گیلا تھا۔ کچھ لاعلمی کی وجہ سے اور کچھ اعظم کی وجہ سے آگے کہیں جانے کی تو عشمہ بیگم کی ہمت ہی نہ پڑی تھی۔ عشمہ بیگم نے اسی پناہ گاہ کو بہت غنیمت جانا اور سب سے ہٹ کر وہیں ایک طرف بیٹھ گئیں۔ آنکھوں کے آگے ترمرے سے ناچ رہے تھے اور ہاتھ پیروں میں تشنج کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ پورے چار دن سے کھیل تک اڑ کر منہ میں نہ گئی تھی۔ اور یہاں آ کر تو ایک قطرہ پانی کا بھی حلق میں نہ اترا تھا یہاں بھی ان کے آ جانے پر لوگوں کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں مگر شاید ایک تنہا اور بے ساز و سامان عورت کو دیکھ کر کسی نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا یہاں تو اور بھی بارش کا پانی تیزی سے ان پر پڑ رہا تھا۔ مگر عشمہ بیگم جیسے ہر احساس سے بری الذمہ ہو گئی تھیں اور اٹیچی سینے سے لگائے گیلی چادر میں لپٹی سکڑی سمٹی بیٹھی تھیں اب تو اعظم کی طرف سے بھی مایوس ہو گئی تھیں۔ اور عجیب عجیب سے خیال ان کے پریشان سے دماغ میں گردش کر رہے تھے۔

کبھی اکرم کے ساتھ اپنے جذبے اپنے ساتھ اعظم کے جذبے کا موازنہ کرتیں تو اسی نتیجے پر پہنچتیں کہ جذبہ اگر صادق ہو تو مرد ہو یا عورت یکساں طور پر ایک ہی لگن اور ایک ہی سے احساسات اور ایک ہی ولولے انگیز ہوتا ہے اور اعظم کو یہی ولولہ اور لگن میری جان بچانے کی خاطر آگ اور خون کے دریا سے نکال کر لائی تھی۔ کبھی کبھی انسان اپنا دلی مقصد پانے کے لیے خود غرض بھی بن جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی نادانی ہوتی ہے۔ مجھے اعظم سے اس قدر نفرت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کبھی ایک دم ہی خالی پیٹ میں بل سا پڑتا تو وہ ہر خیال بھول کر ادھر ادھر دیکھتیں کہ کہیں سے تھوڑا سا پانی ہی مل جائے اور پھر اس خیال سے نجات ملتی تو اکرم کا خیال۔ ان کی سونپی ہوئی ذمہ داری کو ایک لگن کی صورت میں دل کو ابھارتا نظر آتا تو سوچتیں آخر میں جوان اور تن تنہا عورت کہاں تک حالات کا مقابلہ کر سکوں گی۔ کسے معلوم زندگی کی شام آج ہی یہاں ہو جائے ایک دمڑی پاس نہیں اور یہ اٹیچی اس میں تو صرف چند ہلکے ہلکے زیور ہیں۔ یا پھر۔ یا پھر۔

جھٹپٹے کا وقت تھا۔ بارش تھم گئی تھی۔ مگر آسمان ابھی تلا کھڑا تھا اور عشمہ صبح سے اپنے خیالوں میں غلطاں اور پیچاں اسی طرح سکڑی سمٹی بیٹھی تھیں سامنے کونے پر قابض ایک مختصر سے کنبے کی ایک جوان لڑکی بڑی دیر سے یہ نظارہ دیکھ رہی تھی کہ گیلی چادر میں لپٹی ایک عورت یا تو گھٹنوں یوں بیٹھتی جیسے مٹی کا کوئی بت ہو۔ یا ایک دم ہی گھبرا کر سر اٹھاتی اور حیران و پریشان سی ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ آخر جب شام پڑنے لگی تو اس لڑکی سے نہ رہا گیا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر عشمہ بیگم کے پاس آئی اور پوچھا۔

''کیا آپ کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے۔'' عشمہ بیگم نے سہمے سہمے انداز میں لڑکی کی طرف دیکھا جو خاصی قبول صورت اور خوش اخلاق لگ رہی تھی پھر بھی عشمہ بیگم اس کی طرف سے مطمئن نہ تھیں بڑی رکھائی سے بولیں۔

''ہیں تو۔ لیکن شہر گئے ہوئے ہیں۔'' بڑا ٹکڑا توڑ سا جواب تھا مگر لڑکی بھی بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے ان کے روکھے پھیکے جواب کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ اور بولی۔

''آپ کے شوہر شہر گئے ہیں اور ابھی تک نہیں آئے؟ آپ تو صبح سے یہاں تنہا بیٹھی ہیں۔''

''ہاں لیکن وہ میرے شوہر نہیں بھائی ہیں۔'' عشمہ بیگم نے یوں کہا جیسے بات کرنے کا موڈ نہ ہو۔

''چلیے بھائی ہی سہی ماں جائے کی تو بات ہی اور ہوتی ہے اور شہر میں تو بڑی ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ آپ نے ناحق انہیں جانے دیا۔ خیر کوئی ضروری کام ہوگا۔'' لڑکی بڑی چرب زبان ثابت ہوئی تھی۔ کم از کم عشمہ کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا انہوں نے جواب میں خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

''خیر فکر مت کیجئے۔ خدا نے چاہا تو صحیح سلامت ہی آئیں گے مگر آپ نے تو صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔ شاید اپنے بھائی کے انتظار میں۔''

''ہاں انہی کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ میرے پاس تو کوئی ساز و سامان بھی نہیں۔'' عشمہ بیگم نے بیزاری سے لڑکی کی بات کاٹی۔

''اے ہے تو کیا رات تک اگر وہ نہ آئے تو آپ بھوکی پیاسی بیٹھی رہیں گی۔'' لڑکی نے عشمہ بیگم کے اکھڑ انے اور بیزار ہونے کے باوجود بڑے تردد کا اظہار کیا۔

''اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے وہ تو تین روز سے شہر گئے ہوئے ہیں پہلے میں وہاں ڈرے میں بیٹھی رہی۔ پھر یہاں آ گئی۔'' عشمہ بیگم کو اجنبیت اور غیریت کے باوجود لڑکی کا لہجہ بڑا اپنا اپنا سا لگا۔

''مائیں۔ یعنی آپ نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا؟'' لڑکی نے آنکھیں پھاڑ کر اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''تو پھر کیا کرتی۔'' عشمہ بیگم زچ سی ہو کر بولیں۔ یہ لڑکی خواہ مخواہ ہی سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

''ہوں۔'' لڑکی نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے بڑا دکھ پہنچا ہو۔ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

''اگر آپ کچھ خیال نہ کریں تو جو کچھ دال دلیہ موجود ہے آپ کے لیے لے آؤں؟'' عشمہ کو یوں لگا جیسے قدرت کی طرف سے انہیں کوئی سزا مل رہی ہو۔ بھلا کہاں باپ کے گھر میں ایک لنگر سا جاری رہتا تھا۔ ہر ضرورت مند کی حاجت پوری کی جاتی تھی۔ اپنے گھر میں بھی عشمہ دو چار کا پیٹ بھر کر کھاتی تھیں

''لیجئے آپ بھی کیسا شرمندہ کر رہی ہیں باجی ہم بے چارے غریب لوگ بھلا کس لائق ہیں کہ کسی کو اپنا نمک کھلائیں۔ میں تو آپ کے خیال سے کچھ کہہ رہی تھی کہ نہ معلوم آپ کے بھائی کب واپس آئیں۔ بغیر کھائے پیے بھلا انسان کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔'' لڑکی نے خجالت بھرے انداز میں کہا۔

''یہاں جینے کی کسے تمنا ہے میری بہن۔ سب کچھ تو لٹ گیا ہے ایک وہ بھائی بچا تھا سو وہ بھی اب ملے نہیں پلا۔'' عشمہ بیگم کے ذہن میں ایک دم ہی اپنی بربادی کا خیال گھومنے لگا تو انہوں نے ایک سرد سی آہ بھری اور بڑی آزردگی سے کہا اور لڑکی کا ان کی ہمدردی سے لبریز دل کٹ کر رہ گیا۔

''ارے نہیں باجی اتنی مایوسی بھی ٹھیک نہیں۔ آپ کے بھائی انشاء اللہ ضرور آئیں گے۔ میرا دل کہہ رہا ہے۔ اچھا چاہے جو سی بھی شرط لگا لیجئے۔ مگر کوئی شرط رکھی جائے۔'' لڑکی نے اپنی بات کی روانی میں چند لمحے رک کر سوچا اور پھر خوشی کا اظہار ایک کھلی کھلی مسکراہٹ سے کرتی ہوئی بولی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے ایسا کیجئے آپ اس وقت ہمارا دال دلیہ کھا لیجئے اور جب آپ کے بھائی آ جائیں گے تو ان کے ساتھ جو کچھ ہوگا وہ میں کھا لوں گی بس شرط پوری ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے نا؟'' لڑکی نے اپنے اپنائیت بھرے بے تکلف سے انداز میں اتنی سادگی شامل کر کے کہا کہ عشمہ بیگم کے جذبات سے عاری تنے تنے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ انہوں نے بھی دل میں سوچا۔ ''یہ زندگی تو ابھی باقی ہے۔ نہ جانے اس کا اختتام کس طرح ہو۔ مگر جب تک بھی ہے جیتی جان کو تو سب کچھ ہی چاہیے۔ کپڑا روٹی اور سر چھپانے کو آسرا۔ اعظم تو اب شاید ہی واپس آئیں۔ کیوں نہ میں اس مخلص سی لڑکی کا دال دلیہ قبول

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

کرلوں تو ویسے بھی عشمہ بیگم بھوک و پیاس کی شدت سے نڈھال ہو رہی تھیں بڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بالآخر انہوں نے کہا۔

''اچھا بھئی اب تو تمہاری شرط پوری ہی کرنی پڑے گی۔ اس طرح خدا میرے بھائی کو بھی بھیج دے گا مگر پہلے تمہیں میرا ایک کام بھی کرنا پڑے گا۔'' ان کی آمادگی پر لڑکی نے کھل کر پوچھا۔

''کون سا کام جلدی بتایئے باجی۔ شاید میں آپ کے کام آسکوں۔'' اور عشمہ بیگم نے اپنے گلے سے سونے کی زنجیر اتار کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اس کا وزن ڈیڑھ تولے ہے۔ اسے کسی طرح بکوا دو تو تمہارا احسان مجھ پر دگنا ہو جائے گا''۔ اور لڑکی نے ان کے ہاتھ میں چمکتی سونے کی زنجیر کو دیکھ کر اپنا بڑھا ہوا ہاتھ گھبرا کر پیچھے ہٹا لیا۔

''نہیں نہیں۔ باجی اسے اپنے پاس ہی رکھ لیجئے۔

''ارے نہیں میری بہن۔ میں سودے بازی نہیں کر رہی میرے پاس ایک دھڑی بھی نہیں ہے۔ خدانہ کرے اگر بھائی نہیں آئے تو بے روپے پیسے کس طرح زندہ رہ سکوں گی۔'' عشمہ بیگم کی بات پر لڑکی انہیں پلکیں جھپکا کر دیکھتی رہی جیسے ان کی بات کی صداقت کو پرکھ رہی ہو۔

''اس سارے مجمع میں ایک تم ہی ایسی نظر آئیں جس کے دل میں خوف خدا، ہمدردی اور خدا ترسی ہے۔ ورنہ یہاں آکر تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے ایک پالتو جانور آ گیا ہو جس پر کوئی بھی توجہ دینے کو تیار نہ ہو۔'' عشمہ بیگم نے لڑکی کے تجسس کو بھانپ کر کہا۔

''ہاں ہمارے انہی اعمالوں کی سزا تو ہمیں مل رہی ہے۔ لیکن باجی آپ یہاں کے حالات سے واقف نہیں۔ یہاں ایک سے ایک دھاڑی اور دھوکے باز موجود ہے۔ آپ کی ضرورت دیکھ کر کوئی کوڑی کے مول بھی اس قیمتی زنجیر کو نہیں خریدے گا اور پھر میں تو ایک لڑکی ہوں اپنے گھر کے مردوں سے کہوں گی تو وہ الٹے میرے سر ہو جائیں گے۔ خیر آپ ابھی اسے اپنے پاس رکھیے میں آپ کے لیے کھانا لے آؤں۔'' لڑکی نے کہا۔ اور عشمہ بیگم کا جواب سنے بغیر جلدی سے اپنے کونے کی طرف بڑھ گئی۔ اور پھر فوراً ہی کھانا لے کر پلٹ بھی آئی۔ اور عشمہ کے آگے رکھ کر بولی۔

''لیجئے۔ یہ ہے ہم غریبوں کا کھا جا بھاجی۔ یہ پتلی نسوت پانی مونگ کی دال۔ کیا کیا جائے۔ یہاں کچھ ملتا ہی نہیں اور جو ملتا بھی ہے تو اتنا مہنگا کہ جیب اجازت ہی نہیں دیتی۔''

''تم اب مجھے شرمندہ کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ ارے یہ دال تو اس وقت میرے لیے من سلویٰ سے بھی بہتر ہے۔'' عشمہ بیگم خجل سی ہو کر بولیں۔ پراٹھا کھانا کھانے کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔ انہوں نے کھانے کے لیے اپنے ضمیر کو آمادہ کرنے کی کوشش میں لڑکی کو باتوں میں لگایا۔

''تم کہاں کی رہنے والی ہو؟''

''قرولباغ کی۔'' اور عشمہ بیگم کو وہ دن یاد آ گیا جب قرولباغ پر حملہ ہوا تھا۔ اور اسی روز ان کے والد اردن اسپتال جانے کے لیے گھر سے نکلے تھے باپ کی یاد نے انہیں آبگوں کر دیا۔

''قسمت کے دھنی تھے باجی جو پہلے سے جانیں بچا کر بھاگ آئے تھے ورنہ ہمارے محلے کا ایک بھی فرد زندہ نہیں بچ سکا۔'' لڑکی نے عشمہ کو خاموش دیکھ کر افسردگی سے بتایا پھر پوچھا۔

''اور آپ کہاں کی رہنے والی ہیں؟''

''الہ آباد کی۔'' عشمہ نے پست سی آواز میں بتایا۔

''تو پھر دلی کیسے آ گئیں؟'' لڑکی نے سادگی سے سوال کیا۔

''الہ آباد میرا آبائی وطن ہے مگر میں دو سال سے دہلی میں مقیم تھی۔'' عشمہ بیگم نے سوزش کرتی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے کہا۔

''اچھا۔ ہم بھی تو یوپی کے رہنے والے ہیں مگر میرے دادا دہلی آ کر بس گئے تھے۔ میں بھی دہلی میں ہی پیدا ہوئی تھی۔'' لڑکی کچھ خوش ہو کر بولی۔

''تمہارا کیا نام ہے؟'' عشمہ بیگم نے سپاٹ سے لہجے میں پوچھا۔

''شکیلہ۔'' لڑکی نے فوراً بتایا۔

''بڑا عام سا نام ہے میرا شکیلہ۔ مگر بہت ہی برا۔ عشمہ خاتون۔ لیکن اگر عشمہ کے بجائے بدنصیبی ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔'' عشمہ نے بڑے دل گرفتہ سے لہجے میں کہا۔

''ہائے اللہ آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں باجی۔ یہ قسمت وسمت کچھ نہیں ہوتی۔ اصل میں تو واقعات اور حالات ہوتے ہیں۔ اب یہ جو اتنے سارے خانماں برباد ہیں کیا ان سب کی قسمتیں تاریک ہو گئی ہیں؟'' شکیلہ جیسی نوعمر لڑکی نے بڑی عقل کی بات کہی تھی۔ عشمہ بیگم ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔ کھانا اب بھی ان کے سامنے رکھا تھا۔ شکیلہ کو ایک دم ہی خیال آیا تو بولی۔

''میرے خیال میں تو میں یہ رکابیاں اٹھا لوں۔ آپ نے تو اتنا کھایا ہے کہ بھوا نہیں چھوڑا۔ بس ساری جنت کی جھاڑو ہی دے ڈالی۔'' شکیلہ کا انداز بیان بہت شگفتہ تھا۔ عشمہ ایک بار پھر اس کی بات پر مسکرا اٹھیں۔

''اوہو۔ دراصل تمہاری دلچسپ باتوں میں کھانا کھانا بھی بھول گئی۔'' عشمہ نے جلدی سے کہا انہوں نے اب خود کو یہ پرایا کھانا کھانے پر آمادہ کر لیا تھا اور ابھی کھانے کے لیے ہاتھ ہی بڑھا رہی تھیں کہ قریب ہی کہیں پیچھے سے اچانک اعظم کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سے پوچھ رہے تھے۔

''شکر ہے شکیلہ میرے بھائی آ گئے ہیں۔'' انہوں نے بڑی جاندار آواز میں شکیلہ سے کہا۔ اور شکیلہ جلدی سے اپنی طرف چلی گئی۔ اعظم نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ تیزی سے ان کے قریب آئے مگر حلیے سے بے حلیہ۔ بال دھول میں اٹے الجھے الجھے۔ شیو بڑھی ہوئی۔ مسلے دسلے اور میلے کپڑے۔ چہرے پر گہرا اضمحلال اور سرخ سرخ آنکھیں۔ متورم پپوٹے، کسی سے دست گریباں ہونے کے بعد بھی انسان کا حلیہ ایسا نہیں بگڑتا جیسا ان کا بگڑا ہوا تھا انہوں نے عشمہ بیگم کو بات کرنے کا بھی موقع نہ دیا۔ وہ ایک پیکٹ جس پر تیل کے دھبے پڑے تھے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے عجلت میں بولے۔

''کب سے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں بھابی۔ خیر یہ پیکٹ سنبھالیے اور اب یہاں سے نہ ہلیے گا میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔''

''لیکن۔ لیکن کچھ تو بتا کر جایئے اعظم بھائی۔ آخر آپ کہاں تھے اور اب کہاں جا رہے ہیں کم از کم کچھ کھا کر تو جایئے۔'' عشمہ بیگم بھی اسی عجلت کے ساتھ ان کو روکنے کے ارادے سے بولیں۔

''نہیں آپ کھایئے بھائی۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں مجھے تو بس یہی خیال مارے دے رہا تھا کہ بھوک و پیاس کے مارے آپ کا کیا عالم ہوگا۔'' اعظم بولے اور پھر عشمہ کا جواب سنے بغیر الٹے پیروں واپس مڑ گئے اور ان کے جاتے ہی حیران و پریشان سی عشمہ پیکٹ ہاتھ میں لیے ادھر ادھر دیکھتی رہ گئیں۔ پھر کچھ سوچ کر انہوں نے اشارے سے شکیلہ کو بلایا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''کیا بات ہے آپ کے بھائی پھر کہیں چلے گئے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں انہیں ایک ضروری کام تھا مگر شرط تو تم نے بدی تھی اب جیت بھی تم ہی گئیں۔ میرا بس چلتا تو اس وقت تمہارا منہ میٹھا کراتی۔ خیر چلو پھر سہی۔ اس وقت تو تم ذرا کھانے میں میرا ساتھ دو۔'' اصل میں عشمہ بیگم نے شکیلہ کے چہرے پر وہ تاثرات پڑھ لیے تھے جو اعظم کے آتے ہی ان کے ہاتھ میں کھانے کی چیزوں کا بڑا سا پیکٹ دیکھ کر اپنی دال روٹی کے کمپلیکس میں مبتلا ہوئے تھے۔ شکیلہ ان کی پیشکش پر نہال ہوگئی۔

''معلوم نہیں کیا کیا اٹھا لائے ہیں میرے بھائی۔ تم خود ہی یہ تھیلی کھول کر دیکھ لو۔ مگر میں تو تمہاری لائی ہوئی یہ دال ہی کھاؤں گی۔'' عشمہ بیگم بڑے دوستانہ لہجے میں بولیں۔

''کیوں کیوں؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''بھول گئیں کیا۔ شرط اسی بات پر تو لگی تھی۔ اور پھر اس میں تمہارا خلوص بھی تو شامل ہے یہ تو مجھے قورمے اور بریانی سے بھی زیادہ لذیذ لگے گی۔'' عشمہ بیگم نے بتایا۔

''زبردستی کا خلوص تھا ورنہ آپ تو اتنی غیریت برت رہی تھیں کہ مجھے بھاگنے میں ہی خیریت نظر آ رہی تھی۔'' شکیلہ نے متاثر ہو کر گلہ سا کیا۔ وہ پیکٹ میں سے کباب پراٹھے' کچوریاں اور سموسے نکال کر کاغذ پر رکھتی رہی۔

''میں اپنے ہوش میں نہیں تھی میری بہن۔ خیر خلوص اگر زبردستی کا بھی ہو تو خلوص ہی ہوتا ہے جو آج کل بہت گراں ہے۔ اچھا اب بسم اللہ کرو۔''

عشمہ نے کہا اور دال کی پلیٹ آگے کھسکائی۔ دونوں بڑی خاموشی سے کھانا کھاتی رہیں۔ گو شکیلہ نے بس چکھنے کی حد تک ہی کھایا مگر وہ عشمہ بیگم کو اتنی رغبت اور خوشی سے دال کھاتے دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتی رہی۔ اور جب کھانا ختم ہوا تو جھوٹی پلیٹیں اٹھا کر شکیلہ اپنی طرف چلی گئی۔

شکیلہ چلی گئی تو ان کا خیال پھر اعظم کی طرف چلا گیا اور ان کا بدن آنکھوں میں گھوم گیا اور انہیں سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ کہ اعظم اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی جان بچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ گزشتہ شب ہی دو اسپتالوں پر حملہ ہوا تھا۔ اور بیمار معذور اور زخمی مسلمانوں پر حملہ کر کے ہندو اور سکھ سورماؤں نے اشوک چکر حاصل کرنے کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ اعظم واقعی اپنے ہوش میں نہ تھے۔ ہمدردی اور اخوت سے لبریز دل اپنے آفت زدہ بہن بھائیوں کے لیے تڑپ تڑپ اٹھتا تھا۔ وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر عین بلوے کے دوران آگ اور خون کے درمیان میں چھلانگ لگا دیتے اور جو جو بھی ہاتھ آتا اسے پناہ گزینوں کے کیمپ میں چھوڑ آتے۔ پتا نہیں کتنی باعصمت لڑکیوں کو انہوں نے ہندو اور سکھ درندوں سے بچایا تھا۔

اچانک ہی وارد ہوتے تھے اس لیے بلوے کی ہر بولنگ میں کسی کی نظر ان پر نہیں پڑتی تھی۔ یا پھر تائید غیبی حاصل تھی مگر بعض مرتبہ تو دشمن کے نرغے میں بھی آ گئے تھے۔ اور ایک مرتبہ تو دشمن کی سنسناتی ہوئی گولی پنڈلی کو بھی چیر گئی مگر ان پر بھی ایک جنون سوار تھا۔ انہوں نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ تخت یا تختہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی حتی المقدور مدد کریں گے اور یہی جذبہ اگر انہیں موت کے منہ میں لے جاتا تو وہاں سے نکال کر بھی لے آتا تھا۔ یہ جیپ جو ان کے تصرف میں تھی کسی سکھ کی تھی جو اپنے ہی ہم قوم کی گولی لگنے کی وجہ سے اس میں مرا پڑا تھا۔ حد تو یہ تھی اعظم کو پٹرول بھی بڑی آسانی سے مل جاتا۔ اب کے

اعظم عشمہ بیگم کو چھوڑ کر گئے تو چار پانچ دن گزر گئے مگر وہ نہیں آئے۔ اگر شکیلہ یوں ارزانی سے اپنا خلوص نہ لٹاتی تو نہ جانے ان کا کیا حشر ہوتا نہ وہ زنجیر ہی بکی تھی اور نہ ایک دھیلا ہی پاس تھا۔ بس شکیلہ ہی زبردستی اور اصرار کر کے انہیں تھوڑا بہت کھلا دیتی تھی اور عشمہ بیگم قدرت کی اس عجیب و غریب حکمت پر حیران رہ جاتیں کہ پے در پے غم بھی ایسے موقع پر دیے کہ ان غموں پر ماتم بھی کرنے کا موقع نہ ملا۔ باپ مرے تو اکرم کی پریشانی اور حالات کی ستم ظریفی نے جی بھر کر نوحہ کرنے کی بھی اجازت نہ دی۔ شوہر مرا تو ایسے وقت جب کہ خود اپنی جان پر بن رہی تھی۔ آدم خور درندے اپنے خونی جبڑے کھولے کھڑے تھے۔ اور اب یہاں اکیلی اور تن تنہا پہنچیں تو قدرت نے ایک ہمدرد و غمگسار اور خیال رکھنے والی ہستی کو پیدا کر دیا۔ جس کے ساتھ بیٹھ کر نہ صرف وقت اچھا گزر جاتا تھا بلکہ اجاڑ اور سوگوار چہرے پر مسکراہٹ بھی آ جاتی تھی۔

شکیلہ کی عمر صرف سترہ برس تھی مگر باتیں وہ بڑی عاقلانہ کرتی تھی۔ اور پھر عشمہ بیگم کا اتنا خیال۔ یہ اس کا خلوص ہی تو تھا۔ ورنہ یوں کون کسی کی خوشامد کرتا ہے اب تو ہر بات اور ہر چیز میں اس قدر ملاوٹ اور کھوٹ پیدا ہو گیا ہے کہ دنیا ہی کھوٹی لگنے لگی ہے پھر بھی انسانیت جہاں جہاں زندہ ہے بنی نوع انسان کے مادی اور شخصی ارتباط کو کسی نہ کسی طور پر قائم رکھے ہوئے ہے۔ اور شکیلہ اس بات کا زندہ ثبوت تھی۔ حالانکہ اندر سے وہ بھی بہت دکھی تھی۔ ماں مر چکی تھی اور باپ نے دوسری شادی کر کے اس پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ سوتیلی ماں سہارنپور کی رہنے والی تھی۔ اور زچگی کے لیے اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔ اور شکیلہ کا باپ جو کہ ایک آڑھتی تھا اپنے بیٹے بہو پوتا پوتی اور شکیلہ کو لے کر پاکستان جانے کے بجائے سہارنپور جانے کا قصد رکھتا تھا مگر حالات اتنے ابتر ہو گئے تھے کہ فی الحال سہارنپور جانے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا اس لیے پناہ گزینوں کے اس کیمپ میں حالات معمول پر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جب کہ شکیلہ اور اس کے بھائی بھاوج کی تمنا تھی کہ وہ پاکستان جائیں مگر باپ کے سامنے زبان کھولنے سے ڈرتے تھے۔ ان دنوں تباہ حال مسافروں کو پاکستان کی سرحدوں تک پہنچانے کے لیے اسپیشل گاڑیاں بھی چل رہی تھیں۔ مگر ان ریلوے کے ذریعے سفر کرنے والے مہاجرین قسمت سے ہی پاکستان پہنچتے تھے کیونکہ راستے میں انہیں روک لیا جاتا تھا اور ہندو اور سکھ جتھے خون میں نہائی لاشیں ہی پاکستان بھیجتے تھے۔ صاحب حیثیت لوگ ہوائی جہاز سے بھی سفر کرتے تھے۔ لیکن سیٹیں ہی مشکل سے ملتی تھیں۔

عشمہ بیگم اعظم کا انتظار کرتے کرتے عاجز سی آ گئی تھیں۔ آخر کہاں تک شکیلہ کے سر پڑ کر کھاتیں۔ اس کا باپ اور بھائی بھاوج تو شروع دن سے ہی شکیلہ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اور ادھر شکیلہ بھی ضد پر آ گئی تھی اپنا پیٹ کاٹ کر عشمہ کو زبردستی کھلاتی۔ گو چائے اور چٹ پٹے کھانوں کی رسیا عشمہ بیگم نے صبح کا ناشتہ چائے اور رات کا کھانا تو بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ مگر دن کا کھانا شکیلہ اپنی قسمیں دے کر اپنے ساتھ کھلاتی۔ اور یہ سب اب ان کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کریں تو کیا کریں۔ وہی مثل تھی کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔

ایک دن انہی خیالوں میں غلطاں و پیچاں تھیں کہ اعظم آ گئے اس مرتبہ وہ پھر کھانے پینے کی ڈھیر ساری چیزیں لائے تھے۔ اور پہلے کی طرح عجلت بھی نہیں دکھا رہے تھے۔ مگر بڑے الجھے الجھے اور گنگ سے تھے۔ بس عشمہ کو اتنا ہی بتایا کہ اکرم کی لاش فرش پر پڑی تھی۔ اور دشمنوں نے پورے گھر کا صفایا کر رکھا تھا میں بھائی جان کو اپنے قبرستان میں دفن کر آیا ہوں۔ انہوں نے ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بس تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھتے ہوئے بولے۔

''میرا کام تو اب تقریباً ختم ہو چکا ہے اتفاق سے ہوائی جہاز کے ٹکٹ بھی مل گئے ہیں۔ انشاء اللہ پرسوں ہماری روانگی ہوگی۔ آپ تیار رہیے گا۔''

گو عشمہ بیگم کو اس خبر سے کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی مگر دل ہی دل میں انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اعظم اگلے دن آنے کا کہہ کر پھر چلے گئے تھے۔

''کیا بات ہے باجی یہ آپ کے بھائی اس قدر پریشان سے کیوں نظر آ رہے ہیں۔'' اعظم کے جاتے ہی شکیلہ آئی تو اس نے اعظم کے بار بار جانے اور خراب حلیے پر اپنے تجسس کا اظہار کیا۔ اور عشمہ بیگم سوچتی رہ گئیں کہ اصل بات شکیلہ کو بتائیں یا نہیں، کچھ کہہ کر کسی کی نیکی کو رائیگاں کرنا انہیں اچھا نہیں لگ رہا تھا بات بنا کر بولیں۔

''اصل میں شہر میں ہمارے چند عزیز ہیں میرے بھائی انہی کی خبر گیری کو جاتے ہیں۔'' پھر جلدی سے بات گھمائی۔

''آخر تمہارے والد کو پاکستان جانے پر کیوں اعتراض ہے؟''

''اس لیے کہ امی اور بچے سہارنپور میں ہیں۔ مگر بھیا اور بھائی کو تو بھیج سکتے ہیں۔ لیکن... لیکن۔'' شکیلہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچائی تو عشمہ بیگم نے کہا۔

''لیکن کیا۔ بھئی یہ تم مجھ سے اتنی غیریت کیوں برت رہی ہو۔'' اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد شکیلہ نے دبی زبان سے کہا۔

''اصل میں بھیا ابا کے ساتھ کام کرتے ہیں اور ابا کی اتنی استطاعت نہیں کہ وہ اکٹھے پانچ آدمیوں کو پاکستان بھیج سکیں۔

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اسپیشل ٹرینوں کا آج کل کیا حشر ہو رہا ہے اگر ہم جائیں بھی تو ہوائی جہاز سے ہی جا سکتے ہیں اور یہ بھی ہو ہی نہیں سکتا۔''

''اچھا تو کیا تمہارے بھیا تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں؟'' عشمہ بیگم نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''ہاں۔ گو بھائی ایسا نہیں چاہتیں مگر شکر ہے بھیا کو میرا بہت خیال ہے۔ وہ سوتیلی ماں کے ہاتھوں میرا حشر خراب ہونے دینا نہیں چاہتے۔'' شکیلہ نے بتایا۔

''ہاں۔ آخر سگا بھائی جو ہوا نا۔'' عشمہ بیگم نے آہستہ سے کہا۔

''کچھ پتا بھی ہے تمہاری باجی اب جلد ہی تم سے بچھڑنے والی ہے۔'' عشمہ بیگم نے کچھ توقف کے بعد بتایا۔

''ہائیں۔ نہیں۔ خدا نہ کرے۔'' شکیلہ بے کل سی ہو کر بولی۔

''لو تو کیا ارادہ ہے۔ کیا ساری عمر اسی کھنڈر میں رہ کر گزار دوں۔ یہ تو ایک عارضی ٹھکانہ ہے۔ جہاں ہم دل پر جبر کیے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں اور پھر تم بھی تو ایک نہ ایک دن یہاں سے چلی جاؤ گی۔'' عشمہ بیگم افسردگی سے مسکرائیں۔ شکیلہ کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

''ہاں باجی یہی خیال تو کبھی کبھی مجھے بے کل کر دیتا تھا تب میں سوچتی ہوں کہ کاش آپ مجھے نہ ملی ہوتیں یا پھر خدا نے آپ کی محبت میرے دل میں نہ ڈالی ہوتی تو کم از کم آپ کی جدائی اتنی شاق تو نہ

گزرتی۔''

عشمہ بیگم بھی آبدیدہ ہو گئیں بڑی دیر تک خاموش سی کچھ سوچتی رہیں پھر انہوں نے اپنا چھوٹا سا اٹیچی کیس کھولا اور اندر ایک نظر ڈالی اور اس میں سے کچھ نکالا۔ اور جلدی سے اسے بند کر دیا۔ اور روتی ہوئی شکیلہ پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

''یوں تو میری محبت کا بہت دم بھرتی ہو۔ اگر ایک بات کہوں تو مان لوگی؟''

''کیا بات؟'' شکیلہ نے تعجب سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''پہلے وعدہ کرو کہ مان جاؤ گی۔'' عشمہ بیگم نے مشروط سے انداز میں کہا۔

''لیکن پہلے بات تو بتائیے۔ اچھا وعدہ رہا کہ آپ کی بات مان جاؤں گی۔

''چلو تو پکی بات رہی۔ لہٰذا اسے سنبھالو۔'' عشمہ نے اپنی مٹھی کھول کر اس کے آگے کر دی ان کے ہاتھ میں ایک نیکلس چمک رہا تھا۔ شکیلہ یوں چونکی جیسے وہ نیکلس نہیں کوئی زہریلا کیڑا ہو۔

''یہ۔ یہ کیا ہے باجی؟'' مارے حیرت اور سہم کے اس کے منہ سے یہی نکل سکا۔

''بھئی نیکلس ہے اور ایک بڑی بہن اپنی چھوٹی بہن کو یہ تحفہ پیش کر رہی ہے۔

''مگر۔ مگر یہ اتنی قیمتی چیز۔'' شکیلہ نے کہنا چاہا۔

''دیکھو تم وعدہ کر چکی ہو۔ اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔'' عشمہ بیگم اس پر اپنا حق جتانے کے انداز میں بولیں۔

''مگر باجی۔ آپ کا دل ٹوٹنے کے خیال سے اگر میں یہ نیکلس لے بھی لوں تو اپنے ابا اور بھائی سے اس کے بارے میں کیا کہوں گی۔ ایمان سے باجی میرے ابا بڑے نکیلے اور ظالم ہیں مار مار کر میرا کچومر نکال دیں گے۔'' شکیلہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ابا کو بتاؤ ہی کیوں کہ یہ میں نے تمہیں دیا ہے۔'' عشمہ نے کہا۔

''اچھا تو ایسا کرو اپنے بھائی کو بتا دو کہ میں نے تمہیں دیا ہے اور اس لیے دیا ہے کہ اس کے پیسوں سے جہاز کی سیٹیں بک کرا کے تم پاکستان پہنچ جاؤ۔'' عشمہ بیگم نے رائے دی۔

''میرے بھائی تو پورے جلاد ہیں کبھی مانیں گے ہی نہیں۔'' شکیلہ نے کہا۔

''اچھا تو پھر اس نیکلس کو میری نشانی کے طور پر رکھ لو اسے اپنے سینے سے لگا کر رکھنا۔ دیکھو شکیلہ اگر تم نے انکار کیا تو سچ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔'' عشمہ بیگم نے کچھ اتنا اپنائیت بھرے انداز میں اصرار کیا کہ شکیلہ نے ہچکچاتے ہوئے وہ ہار ان کے ہاتھ میں سے لے ہی لیا۔

''باجی خلوص کی کوئی قیمت تو نہیں ہوتی۔ میرا خلوص بے وقعت سہی مگر آپ کا خلوص تو میرے لیے بہت گراں ہے۔ اس پر آپ خود ہی زیر بار بھی ہو رہی ہیں۔'' غیرت مندی شکیلہ اس قیمتی تحفے پر شرمندہ ہوئی جا رہی تھی۔

''اب یوں چلتے چلتے غیرت کی باتیں تو نہ کرو۔ تمہارے خلوص کے آگے یہ ہار تو کیا بڑی سے بڑی دولت ہیچ ہے۔ اب اسے تو بھول ہی جاؤ اور جس طرح بن پڑے لاہور پہنچنے کی کوشش کرو۔ گو مجھے خود اپنی منزل کا پتا نہیں ہے لیکن قسمت اگر تمہیں لاہور لے جائے تو ریڈیو پر ضرور اعلان کرا دینا۔ میں روزانہ باقاعدگی سے ریڈیو سنا کروں گی۔'' عشمہ نے بات پلٹنے کی غرض سے بالکل ہی ایک انہونی سی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

بات کی تو شکیلہ ہنستے ہنستے دوہری ہوگئی۔

''واہ باجی وہی مثل ہوگئی کہ بنیا تو لتا نہیں اور کہتے ہو کہ پلڑا نہ مارو۔ یہاں سہارنپور ہی جانے کے لالے پڑے ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں کہ پاکستان پہنچ کر ریڈیو پر اعلان کرا دینا۔''

''پھر تو تم جلد ہی بھول جاؤ گی کہ کوئی باجی بھی تھیں جن کی زندگی کے ایک تاریک دور میں تم نے تھوڑی دیر کو ان کا ہاتھ تھام کر اندھیرے میں گرنے سے بچا لیا تھا۔'' عشمہ بیگم اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑنے کے خیال سے آزردہ ہو کر بولیں۔

''اچھا باجی' شرمندہ کرنے میں کیا کچھ کسر رہ گئی ہے جو آپ بار بار میرے ایک حقیر سے جذبے کو جتا جتا کر میرا سر جھکائے دے رہی ہیں۔ سچ جانیے باجی' جب سے آپ کے جانے کی خبر سنی ہے اندر ہی اندر میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ جانے کیسی انسیت ہوگئی ہے مجھے آپ سے جو آج تک کبھی کسی سے نہیں ہوئی۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ آپ۔ جو ہر لحاظ سے مجھ سے برتر ہیں' یعنی حیثیت' حسب ونسب اور شخصیت' ہر اعتبار سے آپ نے اپنے اور میرے درمیان اس فرق کو کبھی بیچ میں حائل ہونے نہیں دیا۔'' شکیلہ بھی افسردہ سی ہوگئی تھی۔

''ارے نہیں بھئو یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ اس وقت تو ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ اور پھر میں ایک حقیر اور ناچیز سی ہستی ہوں۔ تم خواہ مخواہ ہی مجھے شرمندہ کرنے پر تلی ہوئی ہو۔

''نہیں باجی انسان کا حسب نسب تو اس کی نشست و برخاست اور گفت و شنید سے ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور آپ کے تو چہرے اور بشرے سے بھی صاف عیاں ہے لیکن خیر میں بھی آپ کی اسی بات سے متاثر ہوئی کہ آپ نے اس فرق کو.....''

''کیسی باتیں کرتی ہو شکیلہ۔ انسانیت اور اشرف المخلوقات ہونے کے ناتے سے ہم سب ..... ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہیں۔ شرافت اور اچھا ظرف کسی ایک ہی کی میراث تو نہیں۔'' عشمہ بیگم نے شکیلہ کی بات کاٹ کر کہا۔

''یہ اور بات ہے مگر ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے موتی چھوٹے اور بڑے بھی تو ہو سکتے ہیں۔ ایمان سے باجی یہ سوچ سوچ کر تو ابھی سے میرا دم الٹا جاتا ہے کہ آپ چلی جائیں گی تو میں ایسی دلچسپ باتیں کس سے کیا کروں گی۔ مجھے تو یہ آپ کا خالی کونا بھی آٹھ آٹھ آنسو رلائے گا۔ پتا نہیں کیوں میں نے آپ سے دل لگایا تھا۔'' شکیلہ نے عشمہ کے چلے جانے کے بعد کے تاثرات جس انداز میں بیان کیے عشمہ بیگم آبدیدہ ہوگئیں۔

''تم کیا سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے بچھڑنے کا کوئی غم نہ ہوگا۔ نہ معلوم کب تک یاد آتی رہو گی اور کبھی خدا ہمیں ملائے گا بھی یا نہیں۔'' عشمہ بیگم نے اپنے آنسو پی کر افسردگی سے کہا۔

''یہ تو خدا ہی جانے مگر باجی میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ زندگی کے کسی دور میں بھی پاکستان آنے کا موقع ملا تو سب سے پہلے آپ سے ہی آ کر ملوں گی۔ آپ یوں کیجئے کہ ہمارا سہارنپور کا پتا لے لیجئے۔ خدا نے چاہا تو کبھی نہ کبھی تو یہ بگڑے ہوئے حالات معمول پر آئیں گے۔ اور پھر شاید ڈاک بھی کھل جائے پھر تو آپ مجھے خط لکھیں گی نا؟''

''کیوں نہیں۔ خدا کرے تمہارے منہ سے نکلی بات سچ ہو جائے اور حالات معمول پر آ جائیں۔ یوں تو میرے بہت سے رشتہ دار ہیں مگر اب تو سمجھو کہ سگوں میں یہی ایک بھائی رہ گیا ہے۔ اور اس کے

بعد تمہارا نمبر ہے۔'' عشمہ بیگم حد درجہ یگانگت سے بولیں تو شکیلہ خوش ہو کر ان سے لپٹ گئی اور اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکی تو ہچکیوں اور سسکیوں سے رونے لگی۔ عشمہ نے بھی اس گریہ وزاری میں اس کا ساتھ دیا۔ تھوڑی دیر تک آنسو بہا لینے کے بعد عشمہ بیگم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس سے کہا۔

''لاؤ اپنا پتا تو دے دو شکیلہ۔ لیکن اگر ممکن ہو سکے تو لکھ کر دینا میرا حافظہ ذرا کمزور ہے۔'' اور شکیلہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی اثبات میں سر ہلا کر اپنا پتا لکھوا کر لانے کے لیے چلی گئی۔ اگلا دن بھی اس نے عشمہ بیگم کے پاس بیٹھ کر گزارا خوب وعدے وعید ہوئے ایک دوسرے کو یاد رکھنے کی قسمیں کھائی گئیں۔ مگر نہ شکیلہ نے ان کے ماضی کے متعلق کچھ پوچھا اور نہ ہی انہوں نے اسے کچھ بتایا۔ دونوں وقت کا کھانا اور چائے بھی شکیلہ نے ہی انہیں پیش کی۔ عشمہ بیگم کا اس دن کچھ عجیب حال تھا۔ ایک آنکھ رو رہی تھی اور دوسری ہنس رہی تھی۔ اپنے وطن کو چھوڑ کر اپنے اوپر ہو گزرنے والے سانحے کو یاد کر کے ان کا دل اندر ہی اندر لٹا بھی جا رہا تھا اور اپنے نئے وطن کو جس کی تعمیر اپنوں ہی کے خون میں بجھی ہوئی تلواروں کے نیچے سے گزر کر ہو رہی تھی۔ دیکھنے اور اس تک پہنچنے کا خیال دل کو گدگدا رہا تھا۔ ایک ایسی ناقابل بیان کیفیت تھی کہ عشمہ بیگم خود کو ہواؤں کے دوش پر اڑتا دیکھ رہی تھیں۔ ایسا ہلکا پن' ایسا سرور تھا جو شوق کی سرمستیوں کو چھوتا لگ رہا تھا۔

اگلے دن وہ ابھی شکیلہ کی لائی ہوئی چائے پی کر بیٹھی ہی تھیں کہ اعظم آ گئے اور اس دن شکیلہ انہیں دیکھ کر اپنے کونے کی طرف نہیں بھاگی اعظم اپنا ہر کام مکمل کر کے آئے تھے۔ اس لیے پوری تیاری سے آئے تھے۔ لباس گو اتنا اجلا نہ تھا۔ مگر میلا چیکٹ بھی نہ تھا نہ خود ہی حلیے سے بے حلیہ نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی بڑی عجلت کا اظہار کرتے ہوئے عشمہ سے کہا۔

''آیئے بھابی بڑی مشکل سے عین وقت پر پہنچ سکا ہوں۔ گیارہ بجے جہاز کی روانگی ہے اور اس وقت ساڑھے دس بج رہے ہیں۔'' اور عشمہ بیگم بھی بولا کر اٹھ کھڑی ہوئیں بوقت رخصت انہیں شکیلہ سے ڈھنگ سے بات کرنے کا ہی نہیں رونے کا رلانے کا موقع بھی نہ ملا مگر شکیلہ کی سسکیاں انہیں ہوائی اڈے پر پہنچنے تک سنائی دیتی رہیں۔

تیسرا باب

صبح کے چار بج چکے تھے ساری رات پریشانی میں کاٹ کر اور ٹہل ٹہل کر پرانی یادوں کے بکھرے ہوئے ریزوں کو سمیٹتے سمیٹتے شفق اپنی ہوش وخرد کی دنیا میں واپس آئیں کچھ چونک کر انہوں نے سوئی ہوئی لڑکی پر ایک نظر ڈالی لڑکی دنیا و مافیہا سے بے خبر بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ عارف اور میجر ابھی تک واپس نہ لوٹے تھے شفق کا دماغ طرح طرح کے پریشان کن خیالات اور وسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اس پر چچی کی موت کسی صدمے سے کم نہ تھی اور یہ سوچ سوچ کر دل پھٹا جا رہا تھا کہ زندگی میں پہلی بار انہیں دیکھنے کا اتفاق بھی ہوگا تو بھلا کس صورت میں کہ میں ان کا مرا ہوا منہ دیکھوں گی اور ادھر امی جان۔ اف وہ تو شاید ہی اس صدمے کو برداشت کر سکیں۔ وہ ابھی یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں کہ باہر جیپ رکنے کی آواز آئی اور شفق سب کچھ بھول کر دروازے کی طرف لپکیں۔ اور دہلیز پر ہی ٹھٹک کر رہ گئیں عارف اور میجر جیپ سے اترے۔ گھر کے ملازم گل سے جیپ میں رکھا سامان اتروا رہے تھے۔ جو بہت مختصر تھا۔ ایک پرانی طرز کا صندوق' ایک سوٹ کیس' ایک ٹوکری اور ایک بستر بند' گل کو کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

ہدایت دے کر دونوں باپ بیٹوں نے دروازے کا رخ کیا۔ اور شفق کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر عارف قدم بڑھا کر ان کے پاس آ گیا۔

''ارے آپ یہاں کھڑی ہیں بجیا' مگر وہ پراسراری شے کہاں ہیں؟'' اس نے متجسس سے انداز میں پوچھا۔

''وہ سو رہی ہے۔ مگر تم اکیلے کیسے آ گئے؟'' شفق نے قدرے سراسیمگی سے پوچھا۔

''نہیں میں اکیلا تو نہیں آیا بجیا۔ پاپا بھی میرے ساتھ آئے ہیں کیا اب آپ کی آئی سائٹ اتنی دیک ہو گئی ہے کہ۔''

''یہ مذاق کا موقع نہیں ہے عارف!'' شفق نے اسے ہلکے سے جھڑکا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے بجیا کہ آپ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں۔ یعنی چچی اماں کے بارے میں نا؟'' عارف نے قدرے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''ہاں ہاں بھئی ظاہر ہے انہی کے متعلق پوچھنا چاہ رہی ہوں۔ انہیں کہاں چھوڑ آئے پاپا۔'' شفق قدرے جھلا کر بولیں۔

''پاپا نے اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے انہیں یہاں لانا مناسب نہیں سمجھا۔'' عارف نے قدرے لاپروائی سے کہا۔

''پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو عارف۔ ڈھنگ سے بتاؤ کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ بھلا اس وقت مصلحت برتنے کی بھی کوئی تک ہے۔'' بجیا زچ ہو کر بولیں۔

''یہ تنک وک تو پاپا ہی کو معلوم ہوگی۔ میرے تو خود کچھ پلے نہیں پڑا۔'' میجر کو قریب آتا دیکھ کر عارف نے آہستہ سے کہا پھر بھی میجر نے اس کی بات سن لی۔

''کیا پلے نہیں پڑا بیٹے؟'' انہوں نے نزدیک آ کر پوچھا۔

''بیٹے پاپا کیا چچی اماں کی لاش پر پولیس نے قبضہ کر لیا ہے؟'' شفق نے بے تابانہ پوچھا۔

''نہیں۔ بھلا پولیس کے قبضہ کرنے کا کیا سوال۔'' میجر صاحب نے اندر کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

ان کے مضمحل سے چہرے پر رنج و غم کی پرچھائیاں بہت واضح طور پر نمایاں تھیں۔ شفق چاہنے کے باوجود ان سے مزید کچھ نہ پوچھ سکیں۔ دونوں بہن بھائی باپ کے پیچھے پیچھے خاموشی سے ان کے کمرے میں آ گئے۔

''تمہاری امی تو نہیں جاگیں؟'' میجر اطہر جو اس وقت گہری سوچ میں مستغرق تھے۔ انہوں نے اپنے اسی سوچتے سے انداز میں پوچھا۔

''نہیں پاپا شکر ہے وہ بڑے آرام سے سو رہی ہیں۔ مگر جب صبح کو۔'' شفق کچھ کہتے کہتے رکیں تو میجر اطہر نے ان کی بات پوری کرتے ہوئے کہا۔

''جب وہ اٹھیں گی تو سب سے پہلے عشمہ بھابی کے متعلق ہی پوچھیں گی اور انہی سب باتوں پر غور کر کے تو میں عشمہ بھابی کو بالا ہی بالا ان کی آخری آرام گاہ پہنچا آیا۔''

''جی پاپا۔'' شفق نے بڑی حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

''ہاں بیٹی میں نے یہی مناسب سمجھا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ تمہاری ماں دل کی مریضہ ہیں۔ یہ اتنا

اچانک ملنے والا صدمہ ان پر ایک سانحہ بن کر ٹوٹتا۔ وہ شاید ہی اس غم کو برداشت کر سکتیں۔ تم نے غور نہیں کیا جب سے عشمہ بھابی کے آنے کی اطلاع ملی تھی وہ کس قدر خوش اور ہشاش بشاش تھیں۔'' میجر صاحب نے اپنی بیٹی کے تجسس اور تردد کے پیش نظر انہیں اچھی طرح اپنی مصلحت سے آگاہ کیا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی پھر میجر یوں بولے جیسے ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر خود سے کہہ رہے ہوں۔

''ہاں۔ یہ وقت بھی کیسے رنگ بدلتا ہے اور کیا کیا دکھاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کل ہی کی بات ہو۔ جب ہم سب یکجا ہوئے تھے اس وقت کسے خبر تھی کہ آئندہ نہ صرف ایک دوسرے کی صورتوں کو ترس جائیں گے بلکہ کبھی ملنا نصیب ہی نہ ہوگا۔ اور بھلا یوں بھی کہیں ہوتا ہے کہ ملے بھی تو کب اور کس طرح۔''

''بیٹے پاپا۔'' باپ کی رنج و غم میں ڈوبی گفتگو سے شفق کا دل کٹنے لگا۔ تو انہوں نے ان کا دھیان بٹانے کی غرض سے کہا۔

''ہوں۔'' میجر نے ایک گہرا سانس لینے کے بعد آہستہ سے کہا۔

''کیا امی جان چچی اماں کی بیٹی کو تنہا دیکھ کر استفسار نہیں کریں گی؟ میرا مطلب ہے اسے تو امی جان سے چھپانا ممکن ہی نہیں۔'' شفق نے بڑے تردد سے پوچھا۔

''ہاں چھپانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر جہاں تک مجھے یقین ہے وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے اور تمہاری امی کے لیے نہیں خود اس کے لیے بھی بہت اچھی بات ہے۔'' میجر نے ایک لمحے کو رک کر عارف کی طرف دیکھا جو سینے پر ہاتھ باندھے خاموش کھڑا تھا۔ باپ کی نظروں کا مفہوم سمجھنے میں اسے دیر نہ لگی اور اس کے ساتھ ہی باپ کے آخری فقرے کا مطلب اس کی سمجھ میں آ گیا۔

''وہ کم از کم اپنے اوپر گزرے ہوئے سانحے سے لاعلم رہے گی۔ اور ادھر تمہاری امی کی زندگی کو بھی کوئی خطرہ لاحق نہ رہے گا۔'' میجر نے اپنی بات پوری کی تو عارف نے جو بڑے غور سے باپ کی شکل دیکھ رہا تھا پوچھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے پاپا مگر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' بیٹے کے سوال پر میجر نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں مضبوطی سے بھینچ کر کچھ سوچا۔ اور پھر کچھ دیر بعد وہ بولے۔

''اب تو یہی ہوگا کہ تمہاری امی کے سامنے یہ بہانہ تراشا جائے گا کہ عشمہ باجی نے کسی وجہ سے فی الحال اپنا یہاں آنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے گھر میں اگر کوئی پرانا دھرانا ٹیلی گرام پڑا ہوا ہو تو وہ انہیں دکھا دینا کہ یہ ابھی ابھی لاہور سے آیا ہے۔''

''مگر یہ لڑکی پاپا۔ اسے دیکھ کر امی جان کو تجسس نہ ہوگا کہ یہ تنہا کیسے آ گئی؟'' شفق نے پوچھا۔

''ہونہہ۔ اس لڑکی کا مسئلہ حل کرنا ابھی باقی ہے۔'' میجر کی پیشانی پر تردد کی لکیریں گہری ہو گئیں۔ شفق اور عارف فکرمندی سے ان کی شکل دیکھنے لگے۔

''ہاں تو فی الحال یہی ترکیب کارگر رہے گی۔ کہ اس لڑکی کے بارے میں سب ہی سے یہ کہا جائے گا کہ ریل کے حادثے میں اس کا پورا خاندان ہلاک ہو گیا تھا صرف یہی زندہ بچی تھی اس لیے میں اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا۔'' میجر بہت سوچ بچار کے بعد بولے۔

''لیکن پاپا لڑکی نے اگر خود ہی اس مفروضے کی تردید کر دی تو پھر..... میرا مطلب ہے اگر ہمارا یہ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

خیال کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے، غلط ثابت ہوا اور وہ اپنے پورے ہوش میں ہوئی تو کیا امی جان سے کوئی بات پوشیدہ رہ سکے گی؟''

''آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو بیٹی۔'' میجر نے اپنی فوجی وردی کی جیکٹ اتارتے اتارتے رک کر پوچھا

''یہی کہ یہ اتنی آسان بات معلوم نہیں ہوتی جتنی بظاہر نظر آ رہی ہے اور پھر اگر یہ بات اسے معلوم ہو گئی کہ چچی اماں ہلاک ہو گئی ہیں تو۔''

''اچھا اچھا سمجھا۔ غالباً تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ مجھے عشمہ بھابی کی موت کی خبر کو چھپانا نہیں چاہیے تھا تمہیں یہ بات بھی ناگوار گزری ہے کہ میں بھابی کو یہاں لانے کے بجائے وہیں کے وہیں سپرد خاک کر آیا ہوں۔'' میجر نے اپنی جیکٹ اتارتے ہوئے شفق کی بات جو وہ پاس ادب کی وجہ سے باپ کے سامنے کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں کاٹ کر کہا۔ شفق نے انہیں جواب دینے کے بجائے عارف کی طرف دیکھا جو فرش کو اپنے جوتے کی نوک سے رگڑ رہا تھا۔

''میرے دل پر اس صدمے نے جتنے چرکے لگائے ہیں تم بچے ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اور صوفیہ کی بات ہی دوسری ہے۔ یہ صدمہ تو ان کی جان لے کر ہی رہتا۔ انہی ساری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے یہ اقدام کیا ہے رہ گیا اس بچی کا سوال تو جہاں تک مجھے یقین ہے اگر اس کی یادداشت ٹھیک بھی ہوئی تو وہ عشمہ باجی کی پروردہ ہے۔ ہماری اس مصلحت سے ہرگز انحراف نہ کرے گی۔'' میجر نے اپنی جیکٹ اتار کر ہینگر پر لٹکا کر وہ ہینگر عارف کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ چچی اماں کی بیٹی ہوئی تبھی تو۔'' شفق نے بہت آہستہ سے منہ ہی منہ میں کہا۔ گو میجر نے نہیں مگر ان کی جہاندیدہ نظروں نے بیٹی کی خاموشی سے ہی اندازہ لگا کر کہا۔

''حالات خواہ کچھ بھی ہوں۔ لیکن عشمہ بھابی اپنی بچی کو لاہور میں تنہا چھوڑ کر ہرگز نہیں آ سکتی تھیں انہوں نے تو اپنے خط میں بھی یہی لکھا تھا کہ ہم دونوں ماں بیٹیاں فلاں دن یہاں پہنچ رہی ہیں۔ بہرحال اس معاملے کو فی الحال یہیں چھوڑ دو۔ تمہیں ہر صورت میں اسے محبت اور خلوص دینا ہے آخر وہ بے چاری ہم سب کے رحم و کرم پر ہی تو یہاں رہے گی۔ اور ہاں سنو تم اپنے طور پر اسے اور سب کو یہی بتانا کہ وہ تمہاری چچا زاد بہن ہی ہے۔ سوائے اپنی امی کے باقی معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔'' میجر نے ابھی تک کھڑے ہی تھے اپنے جوتے اتارنے کی غرض سے ایزی چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور شفق حیران ہو کر دل میں سوچا۔ کبھی کہتے ہیں کہ سب کو یہی بتاؤ کہ یہ لڑکی ریل سے ملی ہے اور اب یہ کہہ رہے ہیں کہ صرف اپنی امی کو بتاؤ۔ پاپا ایسی جھول جھال کی بات تو کبھی نہیں کرتے۔ عارف اسی اثنا میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر باپ کے جوتوں کے تسمے کھولنے لگا تھا شفق خاموش کھڑی تھیں۔

''اچھا بچو اب تم دونوں جا کر آرام کرو۔ یہ عارف بیچارہ تو میرے ساتھ بندھ گیا تھا۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ تم نے بھی ساری رات پلک نہ جھپکائی ہوگی۔'' میجر نے بیٹی کو مخاطب کر کے کہا۔

''جی۔ اچھا پاپا۔ ہم سے زیادہ کھکھیڑ اور پریشانی تو آپ نے اٹھائی ہے۔ آپ بھی آرام کریں ٹھہریے پہلے میں آپ کے لیے چائے لے آؤں۔'' شفق بولیں۔

''چائے پلا کر تو تم میری رہی سہی نیند بھی اڑا دو گی۔ بس ایک گلاس پانی گل کے ہاتھ بھجوا دو۔ اور ہاں دیکھو تم ضرور سو جانا۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ جاؤ تم بھی جاؤ عارف، میں اپنے کام خود کر لوں گا۔'' میجر

بڑے دلارے بولے۔ اور عارف جوان کے جوتے اتار چکا تھا فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر باپ کو خدا حافظ کہہ کر دونوں بچے جانے لگے تو میجر نے عارف کو تاکید کی۔

''دیکھو بیٹے سیدھے اپنے کمرے میں چلے جانا کبھی تمہاری باتوں سے لڑکی کے آرام میں خلل نہ پڑے۔''

''جی بہتر ہے پاپا۔'' عارف نے نہایت سعادت مندی سے کہا۔ اور پھر شفق کے ساتھ باپ کو خدا حافظ کہہ کر ان کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

''اب تک تو یہی سنتے آئے تھے کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانے مگر اب تو یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ خدا کے علاوہ یہ بزرگ بھی ہوتے ہیں جن کی باتوں اور مصلحتوں کو سمجھنا بھی آسان نہیں۔'' عارف نے شفق کے ساتھ اپنے کمرے کا رخ کرتے ہوئے نیچی سی آواز میں کہا۔

''کیوں پاپا نے کون سی ایسی ناقابل فہم بات کہی ہے جو کچھ بھی کہا ہے اور کیا ہے امی جان کے خیال سے کیا ہے اور یہ تم آصف کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش نہ کرو۔ وہ تو ایک رگ زیادہ لے کر پیدا ہوئے ہیں۔'' شفق نے عارف کی بات کا مفہوم سمجھ کر اسے فوراً ہی تنبیہ کی۔

''لیجیے بھلا میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی جو آپ بھائی جان کا نام درمیان میں لے آئیں یہ اور صبح ہی صبح سگے بھائی کی غیبت نہیں ہو گئی کیا۔ اف توبہ توبہ جلدی سے کان پکڑ کر توبہ کیجیے۔'' عارف نے بھی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کوئی مذاق کرنے کا موقع نہیں ہے عارف۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم پر کتنا بڑا صدمہ گزر گیا اور ہاں دیکھو اس لڑکی کے سامنے ذرا تمیز سے رہنا۔ یہ نہیں کہ حسب عادت اس سے بھی الٹی سیدھی باتیں کرنے لگو۔ ویسے بھی وہ بے چاری غمزدہ ہے نہ معلوم کیسے مزاج اور عادتوں کی ہو اور تمہاری اوٹ پٹانگ باتوں کا کیا مطلب لے۔'' شفق حسب عادت عارف کو نصیحتیں کرنے لگیں۔

''مطلب کیا لیں گی بے چاری، دماغ تو ان کا قابو میں نہیں ہے۔ بہت ہوا تو مجھے گھونسے یا آنکھیں دکھا دیا کریں گی۔ یا پھر جیسے کہ پاگل لوگ عام طور پر کسی کو دیکھ کر مجنونانہ حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ آپ کے نزدیک کم ہے کہ ان سے کہیں کوئی چیز توڑ پھوڑ ڈالی تو پھر شوکت بھائی۔''

''دیکھو عارف اگر تم نے زیادہ بدتمیزی کی تو میں ابھی جا کر پاپا سے تمہاری شکایت کروں گی۔'' شفق نے اسے ڈانٹا تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا بھئی ویری سوری۔ اب اسی بات پر ایک پیالی چائے تو پلوا دیجیے۔ پاپا کو تو خشکی ہو جاتی ہے مگر یہاں تو چائے افیون کے اثنے کا کام دیتی ہے۔ ویسے بھی بہت تھک گیا ہوں۔ پلیز بجیا۔ ایمان سے چائے پیے بغیر نیند نہیں آئے گی۔''

''اچھا اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ چائے ابھی آئے جاتی ہے اتنے میں تم اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرو۔'' شفق نے کہا اور کمرے میں جانے کے بجائے باورچی خانے میں مڑ گئیں۔ عارف بھی چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

صبح صادق کے آثار مکمل طور پر رونما ہو چکے تھے۔ الصلوٰۃ خیر من النوم کی صداؤں نے سوئی ہوئی کائنات کے سکوت میں ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔ صرف غافل اور بے عقیدہ لوگ ہی خواب خرگوش کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

مزے لے رہے تھے یا پھر میجر اور عارف تھے جو ساری رات جاگنے اور پریشانی اٹھانے کی وجہ سے سدھ پڑے سو رہے تھے۔ مگر شفق کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور جا چکی تھی۔ اپنے کمرے میں آتے ہی انہوں نے کمرے کی بتی تو بجھا دی تھی جو ساری رات دھڑا دھڑ جلتی رہی تھی مگر بستر پر لیٹنے کے باوجود انہیں نیند نہیں آئی۔ ویسے بھی وہ اذانوں کے وقت اٹھنے کی عادی تھیں۔ نماز سے فارغ ہوئیں تو ماں کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ لڑکی ابھی تک اسی انداز میں چت پڑی سو رہی تھی۔ یہ لڑکی جوان سب کے لیے ایک معمہ ثابت ہوئی تھی اس کے اُٹھنے کا انہیں انتظار تو بہت تھا مگر اس وقت تو ان پر ایک فکر سوار تھا۔ اور وہ سوچے جا رہی تھیں کہ آخر ماں سے اس لڑکی کے بارے میں کیا کہوں گی۔ یہ تو میں نے پاپا سے پوچھا ہی نہیں اس وقت تو پاپا سو رہے ہیں انہیں جگانا بھی ممکن نہیں اور ادھر امی تھوڑی دیر بعد اٹھ جائیں گی۔ اصل میں صوفیہ بیگم جب سے بیمار ہوئی تھیں انہیں معمول کے مطابق صبح اذانوں کے وقت اٹھنا نصیب ہی نہ ہوتا تھا۔ دواؤں میں سلیپنگ ڈوز شامل کر کے دی جاتی تھی اس لیے ذرا دیر سے ان کی آنکھ کھلتی تھی۔ اس وقت جب مشرقی افق پر سرخی نمودار ہو چکی تھی۔ اور اب ان کے بیدار ہونے کا وقت نزدیک آ گیا تھا۔

شفق دو مرتبہ ان کے کمرے میں جھانک آئی تھیں۔ شفق جو بہت حلیم الطبع انتہائی نیک نفس اور بڑی اچھی صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ ان کے مزاج میں تلون نام کو نہ تھا مگر وقت اور موقع ہی ایسا تھا کہ انہیں کسی کل چین ہی نہ پڑتا تھا۔ اپنی مرحومہ بچی کو ایک نظر دیکھنے کی حسرت ہی باقی رہ گئی تھی اور اس بے سہارا اور بے یار و مددگار لڑکی کو دیکھ دیکھ کر ان کا دل کٹا جا رہا تھا۔ ماں کے کمرے میں جھانک کر آتیں تو اپنے کمرے میں آ کر جلدی سے لڑکی کو دیکھتیں کہ کہیں بیہوش نہ ہو گئی ہو۔ کئی گھنٹے سے بلا جنبش وہ چت پڑی سو رہی تھی۔ ادھر صبح کے ہنگامے آہستہ آہستہ بیدار ہوتے جا رہے تھے۔ شفق نہیں چاہتی تھیں کہ لڑکی کے متعلق کچھ جانے بغیر صوفیہ بیگم کو اس کی موجودگی کا علم ہو۔ اسی لیے بار بار ماں کو جا کر جھانک رہی تھیں اور جب وہ تیسری بار ماں کے کمرے میں جانے لگیں تو اسی دم لڑکی نے کراہتی آواز میں اُف کہا۔ اور اپنی آنکھوں پر رکھے ہاتھ کو جنبش دی تو شفق دروازے سے ہی پلٹیں۔ اور بھاگ کر اس کے قریب چلی آئیں اور اس پر جھک کر پوچھا۔

''ارے۔ تم جاگ گئیں ڈیر۔'' لڑکی آنکھیں کھولے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں ہر جذبے سے عاری تھیں۔ اور حسین ترین چہرہ ایسا سپاٹ سا تاثر پیش کر رہا تھا کہ شفق خود اپنے لگاوٹ اور اپنائیت برتنے پر خفیف سی ہو کر رہ گئیں مگر پھر انہوں نے دل میں سوچا بے چاری مصیبت کی ماری ہے نئی صورتوں اور نئی جگہ کے احساس نے اس کا دماغ ماؤف کر رکھا ہوگا۔ رات کے اندوہناک حادثے کے بعد اب جاگ کر جاگی ہے ہو سکتا ہے کہ ماحول کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ ویسے بھی اچھے بھلے انسان کو کسی نئی جگہ لا کر ڈال دیا جائے تو آنکھ کھلنے کے بعد اسے اپنے حواسوں پر قابو پانے میں دیر ہی لگتی ہے۔ یہی سوچ کر شفق اس کے قریب اپنے بیڈ کی پٹی پر بیٹھ گئیں۔ اور اس کی طرف بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

''میں تو رات کو تمہارے لیے چائے بنا کر لائی تھی مگر تم سو گئی تھیں اس لیے میں نے تمہیں بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا خیر اب تم چاہو تو بیڈ ٹی لے لو ورنہ غسل کرنے کے بعد لباس وغیرہ تبدیل کر کے

آرام سے ناشتا کر لینا۔'' مگر یوں محسوس ہوا جیسے لڑکی کی سماعت بھی حادثے کی نذر ہو گئی ہو۔ اس کی خود فراموشی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ پڑا۔ شفق نے تب بھی ہمت نہیں ہاری اپنے اسی پُر خلوص لہجے میں پوچھا۔

''اچھا بھئی ہمیں اتنا ہی غیر سمجھتی ہو تو خیر نہ دو جواب۔ لیکن کم از کم اپنا نام تو بتا دو۔'' تب لڑکی نے آہستہ سے پلکیں جھپکائیں اور مدہم لہجے میں بولی۔

''میرا نام۔؟''

''ہاں ہاں تمہارا نام۔'' اسے بولتے ہوئے دیکھ کر شفق نے بے تابانہ کہا۔ لڑکی کچھ دیر خاموش رہی پھر اسی نقاہت زدہ مدھم سی آواز میں بولی۔

''کچھ ہے تو۔ لیکن۔ یاد نہیں آ رہا۔''

''اچھا تمہیں یہ تو یاد ہوگا کہ تم کس شہر سے ریل میں سوار ہوئی تھیں اور کہاں جا رہی ہو۔'' اپنی اسی بے تابی کے ساتھ شفق نے ایک اور سوال کیا۔

''ہم۔ میں کہاں جا رہی تھی۔ پتا نہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں تو کہیں بھی نہیں گئی۔'' لڑکی نے پہلی بار پوچھ کر بات کی۔

''نہیں تم لاہور یا کسی اسٹیشن سے ریل میں بیٹھی تھیں۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ ہم تمہیں ریل میں سے اٹھا کر لائے ہیں تم کس کے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔ کیا عشرت بیگم تمہاری امی تھیں۔ شاباش یاد کر کے بتاؤ۔ تمہارے ساتھ اور کون تھا۔'' اپنی دانست میں لڑکی کی یادداشت بحال کرنے کے لیے شفق نے سب سے کارگر طریقہ آزمایا۔

''پتا نہیں آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کیسی ریل، کیسا سفر اور کون عشرت بیگم۔'' لڑکی نے پھر بڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''اچھا سنو۔ تمہیں یہ بھی یاد نہیں کہ جس ٹرین سے تم سفر کر رہی تھیں اسے گزشتہ رات شہر سے پچاس میل دور حادثہ پیش آ گیا تھا۔'' شفق اب زچ سی ہو گئی تھیں۔

''حادثہ پیش آ گیا تھا۔'' لڑکی نے جلدی جلدی پلکیں جھپکا کر کہا اور اٹھنے لگی تو ہائے کہہ کر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے پھر لیٹ گئی شفق کو اب یقین آ گیا تھا کہ لڑکی مکمل طور پر اپنی یادداشت کھو چکی ہے۔

''کیا تمہارے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' شفق نے اس کے چہرے پہ چھائے ہوئے کرب کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہوں۔'' لڑکی نے کراہتے ہوئے کہا۔ وہ اب بھی اپنا سر پکڑے ہوئے تھی۔

''سچ سچ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ لاؤ میں تمہارا سر دبا دوں۔'' شفق نے کہا اور پھر تھوڑا سا آگے سرک کر اس کا سر دبانے کو ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ صوفیہ بیگم کی آواز نے انہیں اتنا حواس باختہ کر دیا کہ وہ جلدی سے لڑکی کے پاس سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ صوفیہ بیگم اتنی دیر میں انہیں پکارتی ہوئی اندر داخل ہو گئی تھیں۔ سب سے پہلے ان کی نظر اس لڑکی پر پڑی اور انہوں نے اپنی متجسس نظروں سے حواس باختہ سی شفق کو دیکھ کر پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

''یہ کون ہے؟''

''یہ۔ یہ امی جان۔'' اپنے حواسوں پر قابو پانے کی کوشش میں اتنا کہہ کر گھڑی بھر کو شفق نے تامل کیا۔ پھر ماں کے قریب آتی ہوئی بولیں۔

''وہ۔ امی جان چچی اماں نے تو اپنا آنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ رات کو ان کا تار آیا تھا۔''

''ہائیں۔ کب آیا تھا وہ تار تم نے مجھے جبھی کیوں نہ بتایا؟'' صوفیہ بیگم یوں بولیں جیسے انہیں یقین ہی نہ آیا ہو۔

''آپ سو رہی تھیں۔ پاپا نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا کہ آپ کے آرام میں خلل پڑے گا۔'' شفق نے فوراً ہی بہانہ تراشا۔

''مگر کہاں ہے وہ تار۔'' صوفیہ بیگم نے پوچھا۔

''پاپا کے پاس۔ انہوں نے ہی وصول کیا تھا۔'' شفق نے جلدی سے بتایا۔

''عجب ہے یہ باجی جان نے اچانک ہی آنے کا ارادہ کیوں ترک کر دیا اور ہاں یہ لڑکی رات ہی رات کہاں سے ٹپک پڑی۔'' صوفیہ بیگم کی بے یقینی اب تعجب اور تجسس میں بدل گئی۔ ایک بار شفق پھر گڑبڑا کر رہ گئیں۔ مڑ کر لڑکی کی طرف دیکھا جو اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑے اب بھی چت لیٹی تھی۔ پھر انہوں نے ماں کی طرف گھوم کر بڑے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''ایک بے یار و مددگار لڑکی ہے۔ امی جان بے چاری کا اس بھری دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔''

''مگر یہاں کیسے آئی۔ کب آئی۔ رات کو میرے سونے سے پہلے تو اس کا نام و نشان تک نہ تھا۔'' تعجبی کے جواب سے صوفیہ بیگم کی تسلی نہیں ہوئی اور ادھر شفق کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ اپنے بولے ہوئے جھوٹ کو کس طرح نبھائیں۔ اگر ماں سے یہ کہتیں کہ آدھی رات کو ریل کا حادثہ ہو گیا تھا اور پاپا بھاگے بھاگے جائے حادثہ پر پہنچے تھے تو مزید پوچھ گچھ کہ اول تو تم لوگوں کو حادثے کی اطلاع کیسے ملی وہ بھی آدھی رات کو اور اگر ملی بھی تھی تو تمہارے پاپا کو وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر یہی ہوتا کہ وہ سب کچھ سمجھ جاتیں۔ یا اگر نہ بھی سمجھتیں تو مشکوک ضرور ہو جاتیں انہوں نے کوئی معقول بہانہ سوچنے کی غرض سے ماں کی توجہ بٹائی۔

''آپ بیٹھ تو جایئے امی جان۔ ڈاکٹر نے تو آپ کو آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے اور آپ اٹھ کر یہاں چلی آئیں ایسا ہی تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔''

''نہیں بس جب تک ہاتھ پیروں میں دم ہے خدا چلتا پھرتا ہی رکھے۔ ہر وقت پلنگ توڑنا بھی تو اچھا نہیں لگتا۔'' صوفیہ بیگم بیٹی کے کہنے پر کوچ پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔

''ہاں تو آخر یہ ہے کون؟ تم اس کے ذکر کو ٹالے کیوں جا رہی ہو۔ آخر بات کیا ہے؟''

''اصل میں امی جان گزشتہ رات سیدھو بن میں ایک مسافر گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا تھا۔ یہ لڑکی اسی ٹرین میں سے ملی ہے۔ بے چاری کا سارا خاندان حادثے کا شکار ہو گیا۔ اس کے بھی چوٹ لگی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔'' باپ کی ہدایت کے مطابق شفق نے قدرے محتاط انداز میں بتایا۔

''خیر ہوش میں تو ہے۔ لیکن اسے لینے آدھی رات کو وہاں کون پہنچا تھا۔ جسے یہ ڈبے میں پڑی مل گئی۔ ظاہر ہے خود چل کر تو سیدھی تمہارے گھر نہ آئی ہو گی۔'' صوفیہ بیگم بال کی کھال اتارنے کی عادی

تھیں۔

''نہیں امی جان یہ خود چل کر کیسے آتی۔ پاپا اور عارف حادثے کی اطلاع پا کر وہاں گئے تھے تو یہ مل گئی۔'' شفق جلدی سے بولیں۔

''مگر تمہارے پاپا کو کیسے اطلاع ہوئی۔ تم تو کہہ رہی ہو کہ باجی جان کا تار آ گیا تھا اور پھر بھلا اس جنگل بیابان میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔'' صوفیہ بیگم نے جرح کرنے کے سے انداز میں پوچھا تو شفق سٹپٹا سی گئیں۔ تھوک نگل کر بولیں۔

''آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ پاپا چچی اماں کو اسٹیشن لینے جا رہے تھے۔ جونہی تیار ہو کر باہر نکلے چچی اماں کا ٹیلی گرام آ گیا آپ سو گئی تھیں۔ اس لیے پاپا نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اور لباس تبدیل کر کے لیٹ گئے۔ لیکن انہوں نے اسٹیشن ماسٹر سے ٹیلی فون پر پوچھا تھا کہ سپرا ایکسپریس یہاں کب پہنچ رہی ہے۔ اور انہیں چچی اماں کی آمد سے بھی مطلع کر دیا تھا مگر تار ملنے کے بعد پاپا اسٹیشن ماسٹر سے کہنا بھول گئے۔ اور جب سپرا ایکسپریس کو حادثہ پیش آیا۔ تو بیچارے اسٹیشن ماسٹر نے سب سے پہلے پاپا کو ہی اطلاع دی۔ آپ تو جانتی ہیں نا امی جان کہ حادثے کی خبر سن کر پھر بھلا پاپا گھر میں بیٹھے رہ سکتے تھے۔ فوراً ہی کپڑے تبدیل کر کے وہاں پہنچ گئے۔'' ماں کو اتنی لمبی تفصیل بتا کر شفق نے دل میں سوچا لوگ کہتے ہیں کہ جھوٹ بولنا آسان ہے مگر بعض دفعہ اس قدر مشکل ہو جاتا ہے کہ بات سنبھالے نہیں سنبھلتی صوفیہ بیگم کی بھی شاید تسلی ہو گئی تھی۔ تبھی تو پھر انہوں نے کچھ نہیں پوچھا۔ اس اثنا میں ان کی نگاہیں لڑکی پر ٹکی رہیں۔ پھر بڑی دیر بعد وہ ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔

''دیکھا اسے کہتے ہیں جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ اللہ کو باجی جان اور ان کی بچی کی جان بچانی منظور تھی۔ اس لیے کسی بہانے انہیں لاہور میں ہی روک لیا ہوا کیا تھا آخر، کیا گاڑیاں ٹکرا گئی تھیں؟''

''نہیں گاڑیاں تو نہیں ٹکرائیں۔ البتہ چند ڈبے پٹری سے اتر گئے تھے ابھی تفصیلات کا تو کسی کو بھی علم نہیں۔''

''تم اس لڑکی کا خیال رکھنا اور اس کی طبیعت سنبھل جائے تو پھر اس کے کسی عزیز کا پتا نشان معلوم ہو۔ بے چاری لگتی تو کسی شریف گھرانے کی ہے۔''

''جی ہاں امی جان آپ اطمینان رکھیے۔ میں اس کا پورا پورا خیال رکھوں گی۔'' شفق نے اپنے دل سے ایک بھاری بوجھ ہٹتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اور جب صوفیہ بیگم ان کے کمرے میں سے چلی گئیں تو شفق نے لڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے دل میں سوچا۔ چلو یہ سب سے مشکل مرحلہ تو کسی طرح طے ہوا مگر لڑکی پھر سو گئی تھی۔ ادھر شفق کو سب کے ناشتے پانی کی بھی خبر لینی تھی انہوں نے کرسی پر رکھا ہوا اپنا سلکن چادر آہستہ سے لڑکی پر ڈالا اور دبے قدموں سے باہر آ گئیں۔

''چلو تم خود ہی جاگ گئیں۔ ورنہ بار بار تمہیں ڈسٹرب کرنا مجھے اچھا نہ لگتا۔ اب جلدی اٹھ جاؤ۔ ورنہ یہ ناشتا ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' ان کی بات پر لڑکی نے ٹرالی پر ایک نظر ڈال کر پھر اٹھنے کی کوشش کی۔ اور اس کی تکلیف کے پیش نظر شفق نے بڑھ کر اسے بیٹھنے میں مدد دی۔

''کیا بات ہے تمہاری کمر میں درد ہے۔'' انہوں نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

''نہیں میرے سر میں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' لڑکی نے کراہتی ہوئی آواز میں آہستہ سے بتایا۔ اور معاً شفق کو خیال آیا۔ کہیں اس کے سر میں چوٹ نہ لگی ہو۔ انہوں نے دبانے کی غرض سے اس کے سر

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے تو ان کی نظر سر کی پچھلی جانب اس زخم پر پڑی جو بالوں کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اور جس میں سے تھوڑا تھوڑا خون رس رس کر بالوں پر جم گیا تھا۔ انہوں نے بال ہٹا کر زخم دیکھنا چاہا تو ایک اُف کے ساتھ لڑکی نے پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''تم نے اب تک کیوں نہیں بتایا کہ تمہارے سر میں چوٹ لگی ہے۔'' شفق نے اپنے ہاتھ ہٹاتے ہوئے جھک کر اُس سے پوچھا۔

''بتاتی کیسے جب مجھے خود معلوم نہیں تھا۔'' لڑکی قدرے اکھڑپن سے بولی۔

''لیکن تکلیف تو ہو رہی تھی۔ اور میں یہی سمجھتی رہی کہ تمہارے سر میں سفر میں جاگنے کی وجہ سے درد ہو رہا ہے۔'' شفق لڑکی کے کھردرے سے لہجے کو نظر انداز کرتی ہوئی بولیں۔

''خیر تم اگر اٹھ سکتی ہو تو منہ ہاتھ دھو کر ناشتا کر لو۔ ورنہ پھر میں یہیں تمہارا منہ دھلوا دوں گی۔'' اسے خاموش دیکھ کر شفق نے کہا۔

''نہیں۔ منہ نہیں دھوؤں گی۔'' لڑکی رکھائی سے بولی۔

''ناشتہ تو کرو گی نا؟'' شفق نے پوچھا۔ جن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح منہ کھلوا کر اس کے حلق میں ناشتا اور چائے انڈیل دیں۔

''نہیں۔ میرا سر گھوم رہا ہے اور طبیعت مالش کر رہی ہے۔'' لڑکی نے بیزاری سے کہا۔

''اوہ اچھا پھر تو تم فوراً لیٹ جاؤ۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بلا کر تمہیں دکھاتی ہوں۔

''خیر فی الحال تو تم ایسا کرو کہ ایک پیالی چائے کے ساتھ سر درد کی گولیاں کھا لو پھر بعد میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔'' شفق نے اندازہ لگایا کہ لڑکی میں ہٹیلا پن بہت ہے۔

''بعد میں جو کچھ ہوتا ہے اسے اگر دیکھا جا سکتا تو پھر کسی بات کے وقوع پذیر ہونے کا امکان نہ رہتا۔ اسی لیے دانا لوگ کہتے ہیں کہ پہلے سے سب کچھ سوچ سمجھ کر رکھنا چاہیے۔'' عارف نے یکا یک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو شفق بُری طرح چونک پڑیں۔

''یہ تم یہاں کیسے ٹپک پڑے۔'' شفق نے فہمائشی انداز میں پوچھا۔

''ٹپکا تو ہرگز نہیں۔ اپنے پیروں سے چلتا آیا ہوں یہ اور بات ہے کہ آپ کو میرا آنا ناگوار گزرا ہے۔'' عارف نے ایک کرسی پر بیٹھ کر بے تکلفی سے ٹرالی اپنے آگے سرکاتے ہوئے کہا۔

''تمہارا ناشتا پینٹری میں رکھا ہوا ہے۔ جاؤ گل سے کہہ کر منگوا لو۔'' شفق جو عارف کے بلا اجازت آ جانے اور بے تکلفی سے ٹرالی کھسکانے پر لڑکی کی وجہ سے جز بز سی ہو رہی تھیں ناگواری سے بولیں۔

''یہ امی جان نے سورہ بقر کا کھانا کھانے کے لیے ان محترمہ کو تو منتخب نہیں کیا۔'' عارف نے ٹرالی میں انڈے کا حلوہ۔ شامی کباب، پراٹھے، دلیہ، ابلے ہوئے انڈے اور مکھن لگے توس دیکھ کر شفق کی ناگواری کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ (سورہ بقر کا ایک ختم اٹھوایا جاتا ہے اور اسی شخص سے یہ سورۃ المبارکہ پڑھوائی جاتی ہے جو ترازو سے تلی ہوئی پکی تول کا ڈھائی سیر وزنی کھانا کھا سکے۔ مگر بسیار خور کے لیے اس کو محاورتاً بھی استعمال کرتے ہیں)

''بے چاری تو چائے تک پینے کو تیار نہیں۔ اس کے سر میں زخم آیا ہے تم کسی طرح یہاں سے اٹھو۔ اور جا کر ذرا انکل رضا کو فون کر کے یہاں بلوا لو اس کی حالت تشویشناک ہے۔'' شفق نے آخری فقرہ انگریزی میں کہا۔

''ہر پاگل کی حالت تشویشناک ہی ہوتی ہے۔ اور زخم کا آنا بھی کچھ تعجب کی بات نہیں۔ وہاں تو ہکسوں، لوٹوں اور گلاسوں میں بھی گڑھے پڑ گئے تھے۔ یہ تو پھر انسان ہیں۔'' عارف نے بڑی لاپروائی سے چائے پیالی میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ اس کے بے نیازانہ جواب پر شفق کا غصے کے مارے بُرا حال ہو گیا مگر اسی دم ان کی نگاہ لڑکی پر پڑی جو بہت دھیمے سے دلکش انداز میں مسکرا رہی تھی۔ شاید اسی بات نے انہیں بھائی کو سخت سست کہنے سے باز رکھا۔

''خیر از راہِ انسانیت ڈاکٹر کو دکھانا ہی پڑے گا۔ لیکن میں ذرا ڈٹ کر ناشتا کر لوں۔'' عارف شفق کے تیور دیکھ کر پیش بندی کے طور پر خود ہی بولا۔

''کیوں کیا فاقے سے سوئے تھے یا تمہیں ایسا ناشتا کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔'' شفق اس کی بات پر جل کر بولیں۔

''دونوں ہی باتیں درست ہیں۔ رات کو سینے پر بوجھ ہونے کی وجہ سے کھانا نہ کھایا تھا۔ اور ناشتا نصیب تو ہوتا ہے مگر اتنے لوازمات کے ساتھ کبھی نہیں۔'' عارف نے انڈے کا حلوہ صاف کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے کہا لڑکی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور شفق چیں بہ جبیں ہو کر بولیں۔

''تو تم یہاں سے نہیں جاؤ گے۔ بدتمیز کہیں کے۔''

''اچھا اچھا بھئی جا رہا ہوں۔ لیکن کرنل رضا کو بلانے کا ذمہ نہیں لے سکتا۔'' عارف نے جلد جلد چائے کی پیالی خالی کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں لے سکتے تو نہ لو میں خود انہیں فون کر کے بلا لوں گی مگر یہاں سے کسی طرح چلے جاؤ۔'' شفق بگڑ کر بولیں۔

''بس آپ کو تو بات بات میں ڈرانا اور دھمکانا ہی آتا ہے مگر کبھی سینس سے بھی کام لے لیا کیجیے۔ اس وقت کرنل رضا اسپتال میں اپنی ڈیوٹی پر ہوں گے اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ فوجی اسپتال کا ڈسپلن کیا ہوتا ہے۔ البتہ میں انہیں فون کر کے آف ڈیوٹی آنے کے لیے کہہ دوں گا۔ او کے چیئرز۔'' عارف نے پیالی خالی کر کے میز پر رکھ دی۔ اور جھپ سے باہر نکل گیا۔

''اُف بڑا شریر ہے یہ میرا چھوٹا بھائی۔ مگر اب تھوڑا تھوڑا بدتمیز بھی ہو گیا ہے۔'' شفق نے عارف کی باتوں پر شاید اپنی جھینپ مٹانے کے خیال سے لڑکی سے کہا۔ لڑکی پیر سکیڑ کر گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے۔ اب بھی اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑے بیٹھی تھی۔ اس نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''تمہارے لیے چائے بناؤں۔'' شفق نے اس سے پوچھا۔

''بنا دیجیے۔'' لڑکی نے نقاہت بھری آواز میں کہا تو شفق نے تپائی پر پڑا گلاس اٹھایا اور غسل خانے کے نل سے اس میں پانی بھر لائیں پھر اپنے بیڈ روم کے نیچے سے پیک دان پیر سے کھسکا کر لڑکی کو دیتی ہوئی بولیں۔

''لو پہلے تم کلی کر لو۔ تھوڑا سا جھکنا پڑے گا۔'' اور پھر انہوں نے لڑکی کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو جھکنے میں مدد دی۔ لڑکی نے بلا کسی پس و پیش فوراً تین چار کلیاں کیں اور گلاس شفق کے ہاتھ میں دے دیا۔ شفق پھر گلاس رکھ کر فوراً ہی چائے بنانے بیٹھ گئیں۔

''شکر ہے اس شریر نے ٹی کوزی ڈھکی رہنے دی۔ ورنہ چائے ٹھنڈی ہی ہو جاتی۔'' شفق نے کیتلی پر سے ٹی کوزی اتارتے ہوئے کہا۔ اصل میں وہ جان کر لڑکی سے باتیں کر رہی تھیں تاکہ اسے اجنبیت کا

Urdu Photo.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

احساس نہ ہو۔ پھر انہوں نے اسے چائے کی پیالی تھماتے ہوئے کہا۔

''ذرا ایک منٹ ٹھہرو۔ میں تمہارے لیے سر کے درد کی گولیاں لے آؤں۔''

''نہیں۔ میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔'' لڑکی نے اکھڑ پن سے کہا۔

''اچھا بھئی تمہاری مرضی۔ لیکن اتنا سمجھ لو کہ ڈاکٹر اب شام کو ہی آئیں گے۔'' لڑکی پھر خاموش رہی۔ شفق اس کے پاس سے ہٹ کر ٹرالی کے آگے جا بیٹھیں اور توسوں کے درمیان شامی کباب رکھ کر کھانے لگیں لڑکی اپنی اسی خاموشی سے آہستہ آہستہ چائے کے گھونٹ لیتی رہی۔

''اس وقت تو تم تھوڑی بہت بات کرنے کے قابل ہوگئی ہو کیا اب بھی تمہیں کچھ یاد نہیں آیا؟'' شفق نے ناشتا کرتے کرتے اچانک پوچھا۔ تو لڑکی نے کسی قدر چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''کیا؟'' قدرے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

''یہی کہ تم کہاں سے آ رہی ہو۔ کس کے ساتھ آئی ہو۔ اور تمہارا نام کیا ہے۔'' لڑکی یوں خاموش ہوگئی جیسے اپنے حافظے پر زور ڈال رہی ہو۔

''پتا نہیں مجھے خود بھی معلوم نہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے۔''

''ہاں ہاں کہو۔ تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے۔''

''جیسے دیواریں ہی دیواریں ہوں۔'' لڑکی نے اپنا فقرہ پورا کیا اس کی نظریں سامنے کسی شے پر مرکوز تھیں اور انداز کھویا کھویا سا۔

''تو تمہیں کیا سمجھ رہی ہو۔'' شفق نے پھر پوچھا۔

''آپ کو۔ پتا نہیں۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا۔''

''اچھا تو میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔ میں اور تم آپس میں چچا زاد بہنیں ہیں تم اعظم چچا اور عشرت چچی کی اکلوتی بیٹی ہو۔ اور میں اطہر علی اور صوفیہ بیگم کی لڑکی شفق ہوں۔ میری امی سگے رشتے سے تمہاری خالہ بھی ہوتی ہیں۔ مگر۔ مگر تمہارا نام۔'' شفق نے یکایک چپ ہو کر دل میں سوچا اس لڑکی کو اگر اس کا اصل یا اعظم چچا کی لڑکی کا نام بتاؤں گی تو پھر یہ اسی نام کی عادی ہو جائے گی اور پھر امی کے سامنے سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا اس لیے انہوں نے سوچ کر کہا۔

''تمہارا نام رخشندہ ہے۔'' شفق کو اس لڑکی کی شکل وصورت کی مناسبت سے یہی نام مناسب لگا۔

''میرا نام رخشندہ ہے؟'' لڑکی نے قدرے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''میرا نام۔ کچھ ہے تو مگر۔ رخشندہ نہیں ہے۔'' لڑکی بھی بات کے اختتام پر ہلکے سے مسکرائی۔

''پھر تو بھی رخشندہ ہی ہوگا خیر چھوڑو اس نام وام کے چکر کو۔ تم تو اب لیٹ جاؤ۔ مگر کروٹ کے بل لیٹو۔ ورنہ تمہارا سر اور بھی دکھنے لگے گا۔'' شفق جو کہ لڑکی سے کچھ اگلوانے کی اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو چکی تھیں بلکہ زچ سی ہو گئی تھیں۔ انہوں نے آہستہ سے کروٹ دلوا کر لڑکی کو پھر لٹا دیا اور پھر ٹرالی کھانے کے کمرے میں پہنچا کر سیدھی صوفیہ بیگم کے کمرے میں پہنچیں۔ جہاں میجر صاحب کے ساتھ عارف بھی موجود تھا۔ اور انگریزی میں باپ سے کچھ گفتگو کر رہا تھا کہ شفق نے بھی چھوٹتے ہی انگلش میں لڑکی کی یادداشت کھو جانے اور سر میں چوٹ لگنے کے بارے میں بتایا تو صوفیہ بیگم جل کر بولیں۔

''اے یہ تم لوگوں نے کیا گٹ پٹ لگا رکھی ہے۔ میں خوب سمجھتی ہوں میری وجہ سے ہی اس موئی انگریزی میں باتیں ہوتی ہیں۔ تاکہ میرے پلے کچھ نہ پڑ سکے۔'' صوفیہ بیگم کی بات پر تینوں باپ بیٹا اور

بیٹی خاموش ہو کر مسکرانے لگے۔

''ارے نہیں بس عادت سی ہوگئی ہے۔ ورنہ تم سے کیا بات چھپائی جا سکتی ہے۔ ہاں تو عارف بیٹے تم نے کرنل رضا کو بھی فون کیا۔'' میجر صاحب بیوی کو جواب دے کر عارف سے مخاطب ہوئے۔

''جی ہاں پاپا۔ لیکن وہ شام کو ہی آ سکیں گے۔'' عارف نے کہا۔

''اے خیر تو ہے یہ کرنل رضا کیوں بلائے جانے لگے۔'' صوفیہ بیگم نے چونک کر پوچھا۔

''بس ذرا اس لڑکی کو دکھانا ہے ممکن ہے کوئی اندرونی چوٹ آئی ہو۔ بے چاری جب سے آئی ہے سر پکڑے بیٹھی ہے۔'' میجر صاحب نے بتایا۔

''اے ہاں آپ کے جانے اور اس لڑکی کے لانے پر شاباش ہے میرے دل پر تو عجیب سی گھبراہٹ ہے باجی جان اسی گاڑی سے تو آ رہی تھیں۔ خدا نے بڑی خیر کرلی۔ پھر بھی جب تک ان کا خط نہیں آ جائے گا مجھے چین نہیں پڑے گا۔ لو بھلا بیٹھے بٹھائے ارادہ ہی ملتوی کر دیا۔

''خیر دیکھ لو۔ اس میں بھی اللہ کی مصلحت تھی۔'' میجر صاحب ایک گہرا سانس لینے کے بعد بولے۔

''ہاں۔ اللہ کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے مگر یہ آپ کی اور بچوں کی صورتیں اتری اتری سی نظر آ رہی ہیں مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے کچھ چھپایا جا رہا ہے اور آپ اپنی ڈیوٹی پر نہیں گئے۔'' صوفیہ بیگم نے کچھ تاڑ کر کہا تو تینوں ہی سٹپٹا سے گئے۔

''جب سے آپ بیمار ہوئی ہیں ایسے ہی الٹے سیدھے وسوسوں میں گھری رہتی ہیں۔ آج تو اتوار یعنی اتفاق سے چھٹی کا دن ہے اور صورتیں اس لیے اتری ہوئی ہیں کہ پچھلی ساری رات بھاگ دوڑ میں گزری ہے یہ ہماری بیٹیا بھی اس لڑکی کے آ جانے کی وجہ سے بالکل نہیں سو سکی۔'' میجر صاحب جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنی بیوی کو اچھی طرح سے اطمینان نہ دلایا تو وہ یونہی کراس انگیز امن کرتی رہیں گی۔

''بس انسانیت اور خدا ترسی بھی تو کوئی چیز ہے۔ اسی تقاضے پر چلا گیا تھا۔ اور یہ آپ کے صاحبزادے خوامخواہ ہی ساتھ ہو گئے۔'' میجر صاحب نے کہا۔

''آج تو حد ہوگئی۔ ساڑھے دس بج گئے۔ اور مجھے تو آج بہت سے کام کرنے ہیں۔'' ان کے اٹھتے ہی عارف اور شفق بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''جی ہاں پاپا۔ آج تو میں نے اب تک کھانے پکانے کی بھی خبر نہیں لی بے چارہ دین محمد (خانساماں) کئی بار مجھے پوچھ چکا ہے''

''اچھا تو پھر میں چلوں پاپا۔'' عارف نے آنکھوں ہی آنکھوں میں میجر صاحب سے کسی بات کی اجازت لیتے ہوئے پوچھا۔ میجر صاحب نے صوفیہ بیگم کی نگاہ بچا کر اثبات میں سر تو ہلا دیا مگر صوفیہ بیگم کو سنانے کی غرض سے بولے۔

''پھر تمہارے دوست احباب یہاں بھی پہنچنے لگے۔ خیر جاتے ہو تو جاؤ مگر کھانے سے پہلے آ جانا۔''

''تھینکس پاپا۔'' عارف نے کہا۔ اور جلدی سے باہر نکل گیا شفق بھی خاموشی سے کھسک آئیں۔ اور میجر صاحب نے شفق کے جاتے ہی اپنے کمرے کا رخ کیا۔ اور اپنے کمرے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر کوریڈور میں آ گئے جہاں شفق عارف کے کسی مذاق پر اسے ملامت کر رہی تھیں۔

''تم اس قدر غیر ذمہ دار کیوں ہو۔ ایسے بچے بھی نہیں ہو۔ خیر سے بیس برس کے ہو۔ یہ کوئی خوشی کا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

موقع تو نہیں۔ ذرا پاپا کی پریشانی کو بھی دیکھو۔ شاید سارا وقت روئے ہیں۔ میرے خیال میں تو ایک منٹ بھی سوئے نہ ہوں گے۔'' پھر عارف کو ملامت کرتے ہوئے ایک دم ہی ان کی نظر سامنے سے آتے میجر صاحب پر پڑی وہ تیزی سے ان کی طرف لپکیں۔

''پاپا عارف اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔'' انہوں نے پوچھا اور میجر نے ایک نظر قریب آتے عارف کو دیکھا۔ اور پھر بڑی افسردگی سے بولے۔

''قبرستان! جانا تو اصل میں مجھے چاہیے تھا مگر تمہاری امی کے خیال سے نہیں جا رہا۔ کہ وہ میرے معمولات میں تبدیلی دیکھ کر یقیناً کھٹک جائیں گی۔'' اور شفق عارف پر ایک سلگتی ہوئی نظر ڈال کر یوں خاموش رہ گئیں جیسے کسی نے ان کے ہونٹوں پر تالے ڈال دیے ہوں۔ ابھی ابھی ان کے استفسار پر عارف نے بتایا تھا کہ اس نے باپ سے بہانہ تو کسی دوست سے ملنے کا کیا ہے اصل میں تو وہ صبح ساڑھے گیارہ کے شو سے پکچر دیکھنے جا رہا ہے۔

''تم کہہ رہی تھیں کہ لڑکی کو ہوش آ گیا ہے۔ اور بات بھی کر رہی ہے۔ تو کیا تم اس سے کچھ پوچھنے میں کامیاب بھی ہوئیں۔'' میجر صاحب نے ملول سے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں پاپا میں نے ہر طریقہ آزمالیا۔ ہر کوشش کر ڈالی مگر ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ کوکوشش تو اس نے بھی کی تھی کہ کچھ بتا سکے مگر اس کا دماغ ٹھکانے نہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے پاپا کہ وہ سخت اجنبیت کا اظہار کرتی ہے۔ ورنہ میں نے تو اسے یہ بتا دیا ہے کہ ہمارا آپس میں کیا رشتہ ہوتا ہے مگر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اپنے ہوش میں نہ ہو۔ مگر کیا واقعی وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے؟''

''جہاں تک مجھے معلوم ہے جو لوگ اپنی یادداشت کھو چکے ہوتے ہیں وہ کسی سے بات کرتے ہوئے بھی اپنی تکلیف کا انہیں احساس ہی ہوتا ہے۔'' میجر کے بجائے عارف بولا تو شفق نے جل کر کہا۔

''تم تو چپ ہی رہو ابھی زمین سے نہیں اُگے اور باتیں کرتے ہو بڑے بوڑھوں جیسی''

''لیکن بیٹا یہ عارف کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔ خود میرا بھی یہی خیال ہے۔ اگر اس کی یادداشت کھو جاتی تو پھر وہ تم سے کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں ہوتی۔ جہاں تک مجھے یقین ہے اچانک آ پڑنے والی افتاد کی وجہ سے اسے ذہنی اور روحانی صدمہ پہنچا ہے۔ اس پر سر میں چوٹ بھی لگی ہوئی ہے۔''

''جی ہاں جی ہاں پاپا مجھے بھی آپ کے اس خیال سے اتفاق ہے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ لڑکی کچھ بن رہی ہے۔ کیونکہ پٹر پٹر آنکھیں کھولے بڑے مزے سے ہماری باتیں سن رہی تھی، اور مسکرا بھی رہی تھی۔'' عارف نے باپ کی تائید پا کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''نہیں ایسی تو دور تک کوئی بات نہیں۔ وہ بے چاری بنے گی کس بات پر جیسا کہ تم بتا رہے تھے کہ کمپارٹمنٹ میں صرف تین عورتیں تھیں۔ ایک کا وارث آ گیا دوسری چچی اماں مرحومہ تھیں۔ اور تیسری یہ لڑکی یقیناً ان کی بیٹی ہی ہوگی۔ کیوں پاپا میرا خیال درست ہی ہے نا۔'' شفق نے عارف کے خیال کی تردید کرتے ہوئے باپ سے پوچھا۔

''ہاں بلاشبہ۔ بالکل درست ہے تم آئندہ بھی اسے یہی باور کرانے کی کوشش کرنا کہ وہ ہماری رشتے دار ہے آخر دوسروں پر بھی تو یہی جتانا ہے رہ گئیں تمہاری امی تو ان سے میں نے کہہ دیا ہے کہ جب تک مکمل طور پر لڑکی کے عزیزوں کا پتا نشان نہیں مل جائے گا وہ یہیں رہے گی۔'' میجر صاحب نے کہا تو شفق دل میں سوچتی رہ گئیں کہ یہ پاپا نے دوسروں پر جتانے کا کیوں کہا ہے کیا اب بھی لڑکی کے بارے میں

انھیں شبہ ہے۔

''بیٹا تم ابھی تک گئے نہیں بیٹے۔ حالانکہ اس وقت تمہیں وہاں ہونا چاہیے تھا۔'' میجر صاحب نے عارف کو اب تک گھر میں کھڑا دیکھ کر ٹوکا۔

''جی جی پاپا بس وہیں جا رہا ہوں۔'' عارف نے عجلت میں کہا۔ اور تیزی سے باہر کا رخ کیا۔

''عارف کے لیے یہ تو ایک بالکل ہی نیا تجربہ ہوگا پاپا۔ بے چارے نے بھاگ دوڑ بھی بہت کی ہے۔'' عارف کے جانے کے بعد شفق ایک مشفق بہن بن کر بولیں۔

''ہاں۔ اچھا ہی ہے۔ تجربوں اور مشاہدوں سے گزر کر ہی ایک انسان اپنے کردار کے ٹھوس پن میں ڈھلتا ہے آج یہ تمہاری چچی کے لیے قبرستان گئے ہیں کل میرے یا تمہاری امی کے لیے بھی جا سکتے ہیں۔'' میجر صاحب نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

''اُف کیسی باتیں کرتے ہیں پاپا بھی۔'' شفق دل ہی دل میں ہولِ اٹھیں پھر فوراً ہی بات گھمائی۔

''میں نے امی کے خیال سے اس کے اصلی نام کے بجائے اسے رخشندہ بتایا ہے۔''

''اچھا۔ تو کیا اس نے یہ نام قبول کر لیا۔'' میجر نے یوں پوچھا جیسے بیٹی کا دل رکھنے کو اس کی بات کا جواب دے رہے ہوں۔

''جی ہاں۔ تھوڑے حیص بیص کے بعد۔'' شفق نے بتایا اور پھر بولیں۔

''پاپا آپ بہت تھکے ہوئے معلوم ہو رہے ہیں۔ کچھ دیر اور آرام کر لیجیے۔ آج تو آپ کو کوئی خاص کام بھی نہیں۔''

''ہوں۔ آرام۔'' میجر نے اتنا کہہ کر کچھ توقف کیا پھر بڑے افسردہ اور ملول لہجے میں بولے۔

''آرام کرتا ہوں تو اور بھی پرانی یادیں مجھے پریشان کرنے لگتی ہیں پچیس چھبیس برس کا زمانہ تازہ ہو کر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔ تم تو اس وقت عالم وجود میں بھی نہیں آئی تھیں بیٹی۔ مگر اتنا سمجھ لو کہ جب مجھے اس قدر رنج پہنچا ہے تو تمہاری امی جن کا ان لوگوں سے چولی دامن کا ساتھ تھا وہ اس صدمے کو کیونکر برداشت کر سکتی ہیں۔ حالانکہ رنج والم کے اس موقعے پر مجھے تمہاری ماں کی غمگساری اور رفاقت کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ خیر چھوڑو اب تم جا کر اس لڑکی کو دیکھو میں کوشش کر کے دیکھتا ہوں کہ رضا کچھ اوقات میں آ کر لڑکی کو ایک نظر دیکھ جائیں۔''

''جی اچھا پاپا۔'' شفق نے سعادتمندی سے کہا اور تبھی انہیں خیال آیا کہ آدھا دن گزر چکا ہے اور انہوں نے اب تک دوپہر کے کھانے کی بھی خبر نہیں لی۔ ادھر ماں کا پرہیزی کھانا بھی تو تیار کرانا تھا۔ شفق اس خیال سے سب کچھ بھول کر بھاگی بھاگی باورچی خانے میں پہنچیں۔ حالانکہ صوفیہ بیگم پرہیزی کھانا کھاتی تھیں۔ میجر صاحب نے ناشتا بھی ڈھنگ سے نہیں کیا تھا۔ عارف نے بھی بس جو کچھ چکھا تھا۔ ان کے سامنے ہی چکھا تھا۔ اور خود ان کا دل بھی کچھ کھانے پینے کو نہ چاہ رہا تھا۔ پھر بھی امور خانہ داری کو انجام دینے کا فریضہ ان کے ہی ذمہ تھا۔ اور پھر نوکر اور اردلی وغیرہ بھی تو تھے۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں کھانا پکوانا پڑا۔ ادھر گھر میں بھی کچھ سناٹا اور اداسی چھائی ہوئی تھی کہ کلیجہ منہ کو آتا لگ رہا تھا۔ یا پھر دردمند اور نرم دل شفق کے یہ خود اپنے احساسات تھے جو انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ صوفیہ بیگم بھی اس دن خلاف معمول کچھ چپ چپ سی تھیں۔ گو اپنی علالت کی وجہ سے وہ کم ہی کسی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

سے بات چیت کرتی تھیں مگر اس قدر کم بھی نہیں جس قدر اس روز مظاہرہ کر رہی تھیں۔ ان کے اقربا میں سے تو آخری نشانی کے طور پر بس یہی عشمہ بیگم رہ گئی تھیں۔ بجھے دل سے شفق نے پکانے کے لیے چند کھانوں کی خانساماں دین محمد کو تاکید کی۔ اور ماں کے چند کاموں کو نمٹانے ان کے کمرے میں چلی آئیں۔

چوتھا باب

''معلوم ہوتا ہے بھابی آپ نے بداحتیاطی کی ہے خیر تردد کی کوئی بات نہیں ہلکا سا ڈپریشن ہے اور رات تک طبیعت سنبھل جائے گی۔'' کرنل رضا نے صوفیہ بیگم کی نبض دیکھنے کے بعد اسٹیتھسکوپ سے اچھی طرح ان کا معائنہ کر کے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ اصل میں دوپہر کے کھانے کے بعد صوفیہ بیگم کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی۔ جسے وہ پہلے تو ہاضمے کی خرابی پر محمول کرتی رہیں مگر جب سہ پہر تک طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تو انہیں میجر صاحب کو بتانا پڑا۔ کرنل رضا جو میجر کے فیملی ڈاکٹر ہی نہیں بلکہ بہت اچھے دوست تھے میجر صاحب کے بلاوے پر اتفاق سے چلے آگئے تھے گو غرض وغایت دوسری ہی تھی مگر صوفیہ بیگم کے معالج تھے اور صوفیہ بیگم کی حالت کے پیش نظر انہوں نے پہلے انہی کا معائنہ کیا۔ دواؤں کا تھوڑا سا ردوبدل کرنے کے بعد چند ضروری ہدایات دے کر کرنل اٹھے تو عارف کو صوفیہ بیگم کے پاس چھوڑ کر میجر صاحب شفق کے ساتھ کرنل رضا کو لے کر شفق کے کمرے میں آگئے لڑکی اس وقت نیم خوابیدہ سے عالم میں اسی کروٹ سے جس پہ صبح شفق نے اسے لٹایا تھا خاموش لیٹی تھی۔ اسی اثنا میں میجر صاحب مختصر طور پر کرنل رضا کو اپنی بھاوج بیگی کی روداد سنا چکے تھے اور اب اسے دن کے اجالے میں دیکھ کر ششدر سے رہ گئے۔ کیا چیز تھی وہ انہیں ایک بار پھر بے یقینی نے آگھیرا وہ ایک طرف خاموش کھڑے سوچتے رہے اگر یہ عشمہ بھابی کی لڑکی نہیں ہے تو پھر کون ہے اور عشمہ بیگم کی لڑکی کہاں چلی گئی یہ تو قیامت تک نہیں ہوسکتا کہ وہ اسے وہیں چھوڑ آتیں۔ اسی کی پڑھائی مکمل ہونے کے انتظار میں تو انہوں نے ساری عمر گزار دی تھی۔

''ہوں۔ بظاہر تو چوٹ اتنی گہری نہیں ہے مگر وثوق سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک ایکسرے رپورٹ نہ دیکھی جائے۔'' کرنل رضا جو اس اثنا میں لڑکی کا بغور معائنہ کرتے رہے تھے اس کے پاس سے ہٹ کر میجر صاحب کے قریب آ کر بولے۔ تو میجر بے طرح اپنے خیالات سے چونکے۔

''اچھا تو ایکسرے بھی لیا جائے گا۔'' میجر نے یونہی اپنے چونک اٹھنے کے تاثر کو مٹانے کے غرض سے پوچھا۔

''بالکل۔ اور یہی نہیں بلکہ انہیں اسپتال میں داخل بھی کرانا ہوگا۔'' کرنل رضا نے بتایا۔

''انکل کیا یہ سچ ہے کہ یہ اپنی یادداشت کھو چکی ہیں؟'' شفق نے اپنے اطمینان کے لیے پوچھا۔

''یہ یادداشت کا کھو جانا ہمارے علم کے لحاظ سے تو ایک غیر امکانی سی بات ہے۔'' کرنل رضا نے مسکرا کر بتایا۔

''یعنی کہ آپ کے سائنسی علوم اس بات کی نفی کرتے ہیں۔'' میجر صاحب نے پوچھا۔

''یقیناً کیونکہ ایسے مافوق الفطرت واقعات یا واقعہ جس کی وجہ سے ایک اچھا بھلا ذی حس مکمل طور پر اپنا حافظہ گم کر بیٹھے ناممکن ہی ہے یہ تو فلموں اور افسانوں میں ہی کہانی کو آگے بڑھانے یا تجسس کو آگے

بڑھانے کے لیے ایسے واقعات ضرور رونما ہوتے ہیں۔''

''ہاں۔ اور یہ بھی تو ہوتا ہے کہ ایک بار سر پھوٹنے سے یادداشت چلی جاتی ہے تو دوبارہ خواہ پوری عمر گزر وا کر آئے مگر آتی سر پھڑوا کر ہی ہے۔'' میجر صاحب نے مزید لقمہ دیا تو کرنل رضا قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔

''جی ہاں۔ یہ دوبارہ سر پھوٹنا تو گویا سحر کا توڑ ہوتا ہے۔'' کرنل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا تو انکل جو لوگ اپنا حافظہ گم کر بیٹھتے ہیں ان کے بارے میں آپ کے ڈاکٹری علوم کیا کہتے ہیں۔'' شفق ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھیں اس لیے انہوں نے پوچھا۔

''حافظے کا گم ہو جانا یا یادداشت کا کھو جانا ایک ہی بات ہے بیٹی۔ صرف جنون کی بیماری ایسی ہے کہ مکمل طور پر غالب آجائے تو انسان اپنے ہوش وحواس میں نہیں رہتا۔ لیکن یہ اسٹیٹ جو اس بچی کی ہے یہ صدمے سے بڑھتے ہوئے گہرے صدمے کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے حادثے کی دہشت اور گہری چوٹ لگ جانے سے اس کے حواس خمسہ شدید طور پر متاثر ہوگئے ہیں۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ بعض لوگوں کو اچانک صدمہ پہنچنے کی وجہ سے کبھی کبھی سکتہ بھی ہو جاتا ہے۔ بس یہ بھی اسی سے ملتی جلتی ایک صورت ہے جو چند روز بعد خود بخود ختم ہو جائے گی۔'' پھر کرنل رضا نے میجر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے اسی لیے بچی کو اسپتال میں داخل کرانے کا مشورہ دیا ہے کہ دوا کے ساتھ ساتھ نفسیاتی علاج بھی ہوتا رہے گا۔ گو یہاں باقاعدہ طور پر کوئی مینٹل اسپتال نہیں ہے لیکن ہمارے اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ایک دو ایسے معالج ضرور موجود ہیں اور پھر اس بچی کا کیس اتنا کومپلی کیٹڈ بھی نہیں ہے!''

''ٹھیک ہے کرنل، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ابھی اسے اسپتال بھیجنے کا انتظام کر دیا جائے۔'' میجر صاحب لڑکی کو اسپتال بھیجنے پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

''نہیں۔ اس وقت تو شام ہونے والی ہے۔ کل صبح مناسب رہے گا۔ میں ابھی جا کر ان کے لیے کمرہ ارینج کیے دیتا ہوں۔'' کرنل رضا نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا جو شفق کا سلکن چادر اوڑھے خاموش لیٹی تھی۔

''شکریہ! بڑی نوازش ہوگی آپ کی۔'' میجر اظہار تشکر کے طور پر بولے۔

''جی ہاں انکل بے حد شکریہ۔ ہم لوگوں نے بڑی زحمت دی آپ کو۔'' شفق نے بھی فوراً کہا اور میجر صاحب نے ان کی فیس کا لفافہ آہستہ سے ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''ارے یار میجر ہمیشہ یہی تکلف کرتے ہو خواہ مخواہ شرمندہ کرنا۔ اچھا لاؤ شکریہ۔'' کرنل رضا نے یہ کہتے ہوئے لفافہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ یہ نہیں کہ کرنل رضا بعض ڈاکٹروں کی طرح لالچی اور حریص تھے بلکہ اس فیس نہ لینے کے معاملے میں بہت پہلے میجر اور ان کے درمیان بڑی قسما قسمی کے بعد طے ہوگیا تھا کہ وہ فیس وصول کرنے سے کبھی انکار نہ کریں گے اور جب کرنل رضا کو رخصت کر کے میجر اندر آئے تو شفق سے جو صوفیہ بیگم کے کمرے کا رخ کر رہی تھیں کہنے لگے۔

''دیکھو بیٹی، وہ جو کسی نے کہا ہے کہ جذبہ اگر سچا ہو تو خود بخود انسان کے دل کو خبر ہو جاتی ہے۔ تو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

تمہاری امی پر یہ بات صادق آتی ہے۔ خود ہی بیٹھے بٹھائے ان کے دل کو خبر ہوگئی۔ اسی خدشے کے پیش نظر تو میں نے اتنی رازداری برتی۔ اب میں نہیں چاہتا کہ اشارتاً بھی صوفیہ کے سامنے اس بات کا ذکر ہو۔"

"نہیں نہیں آپ اطمینان رکھیے پاپا ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔" شفق نے کہا اور باپ کے ساتھ صوفیہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوگئیں۔ صوفیہ بیگم اپنے بستر میں آنکھیں بند کیے سو رہی تھیں یا جاگ رہی تھیں۔ یہ تو ان دونوں باپ بیٹی میں سے کوئی بھی اندازہ نہ لگا سکا۔ مگر اس وقت وہ تنہا تھیں کیونکہ میجر صاحب نے کرنل رضا کے ساتھ ہی عارف کو دوائیں لینے شہر بھیج دیا تھا۔ میجر صاحب بیوی کے آرام ہونے کے خیال سے شفق کو لے کر اپنے کمرے میں چلے آئے۔

"تم نے اس لڑکی کو کون سا نام بتایا ہے؟" میجر صاحب نے اپنی الماری کھولتے ہوئے پوچھا۔

"رخشندہ پاپا۔" شفق نے بتایا۔

"نہیں بیٹی۔ رخشندہ تو کچھ ثقیل سا لگتا ہے۔ میری رائے میں تو افشاں ٹھیک رہے گا۔" میجر صاحب نے الماری سے ہینگر پر لٹکا ہوا اپنا ایک سوٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا پاپا۔ اصل میں اس وقت میری سمجھ میں کوئی نام نہیں آ رہا تھا اس لیے میں نے اسے رخشندہ بتا دیا لیکن پاپا یہ نام۔" شفق کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئی۔

"ہاں ہاں کہو۔ کیا افشاں نام تمہیں پسند نہیں آیا؟" میجر صاحب نے سوٹ کو احتیاط سے اپنے بیڈ پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو پاپا... افشاں تو بڑا پیارا سا نام ہے۔ میں تو کسی اور خیال سے کہہ رہی تھی۔" شفق نے دبی زبان سے آخری فقرہ کہا۔

"کس خیال سے بیٹی؟" میجر صاحب نے سوٹ پر سے توجہ ہٹا کر ان کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب تھا کہ یہ فرضی نام خواہ افشاں ہو یا رخشندہ ہوسپٹل کے رجسٹر میں اندراج کرانے مناسب رہیں گے۔" شفق نے اپنی بات کا مقصد واضح کیا۔

"او... ہو ہو ہو۔ تو تم اتنی کام کی بات کہتے ہوئے اس قدر ہچکچا کیوں رہی تھیں بیٹی۔ ہمیں تو ہمیشہ سے ہی تمہاری ذہانت اور دانشمندی پر ناز ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں ان نزاکتوں پر غور کرنے کا خیال ہی نہ آیا تھا۔ بہرحال اب تو اس کا اصل نام ہی لکھوایا جائے گا اور اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑے گا۔ بھلا کس کو ایسی غرض پڑی ہے جو مریضوں کی فہرست میں اس کا نام دیکھے گا۔" میجر صاحب اپنی لاڈلی بیٹی کی ذہانت اور تدبر پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

"جی ہاں پاپا۔ اس کا تو کوئی امکان ہی نہیں۔ لیکن اگر افشاں کی یادداشت بحال ہوگئی تو۔" شفق نے اپنی دانست میں ایک اور اہم نقطے کی طرف میجر کی توجہ دلائی۔

"پہلے یادداشت تو بحال ہونے دو بیٹی۔ پھر جو کچھ اور جیسا کچھ بھی ہوگا حالات کے مطابق ہی ہوگا۔ اس وقت تو میرا دماغ کسی بھی عقدے کو حل کرنے کے قابل نہیں۔" میجر صاحب کچھ توقف کے بعد بولے۔ شفق نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ باپ کی پریشانی اور غم کا انہیں بھی پورا پورا احساس تھا۔ میجر صاحب خود ہی بولے۔

"میں تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ عارف آ جائے تو تم افشاں کے پاس چلی جانا۔ صوفیہ اگر میرے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ کرنل رضا کے ساتھ گئے ہیں۔"

"جی بہتر پاپا۔" شفق بولیں اور پلٹ کر ماں کے کمرے میں جانے لگیں تو میجر صاحب نے پھر کہا۔

"اصل میں، میں اس وقت ریلوے حکام سے ملنے جا رہا ہوں۔ فون کے ذریعے براہ راست لاہور سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ اس سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں وہاں سے کل پانچ مسافر روانہ ہوئے تھے جن میں دو یقیناً یہی دونوں ماں بیٹیاں ہوں گی۔ مگر لڑکی کا معاملہ ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کل کلاں کو اس کا کوئی حقدار میرے گھر پر کھڑا ہو۔ لہٰذا میں سارے معاملات نمٹانے جا رہا ہوں۔"

شفق نے باپ پر ایک نظر ڈالی اور خاموشی سے ماں کے کمرے میں آ گئیں۔ دل میں ایک دھکڑ پکڑی لیے وہ سوچتی رہ گئیں۔ یا اللہ یہ لڑکی تو میرے لیے ایک معمہ بن گئی ہے۔ اگر پاپا کے خدشے کے مطابق واقعی اس کا کوئی حقدار آ گیا تو پھر... کیا وہ اسے لے جائے گا مگر وہ بیچاری تو اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ پاپا نے اسے بھیج بھی دیا تو یہ اس کے ساتھ سخت زیادتی ہوگی اور اگر یہ بچی اماں کی لڑکی نہیں ہے تو پھر ان کی لڑکی کہاں گئی۔ نہیں نہیں، میرا دل کہتا ہے کہ یہ وہی ہے۔ کبھی تو ایک انجانی سی کشش مجھے اس کی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ یہ بے تحاشا حسن کی مالک لڑکی یقیناً میری خالہ زاد بہن ہی ہے۔ اور اس سے تو میرا دوہرا رشتہ ہوتا ہے چچی اماں میری خالہ.... بھی تو تھیں۔ خیر اگر یہ میری کچھ بھی نہیں ہے تب بھی انسان ہونے کے ناتے ہمارے درمیان بڑا ہی قدیم اور پائیدار رشتہ قائم ہے خدا کرے جلد ہی اس کی یادداشت لوٹ آئے تو پھر یہ عقدہ بھی کھلے۔

اگلے دن صبح ہی صبح افشاں کو کرنل رضا کی وساطت سے ملٹری ہاسپٹل کے ایمرجنسی وارڈ میں ایک علیحدہ کمرہ مل گیا۔ اور اسی روز سے اس کا علاج معالجہ شروع ہوگیا لڑکی کے ساتھ رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا شفق کو تو ماں کی وجہ سے روز روز اس کے پاس جانے کا بھی موقع نہ ملتا تھا۔ لیکن وہ ایک دن بیچ ضرور ہی جاتی تھیں۔ افشاں کے سر کا زخم بھی مندمل ہو رہا تھا اور سر کے درد کی شکایت بھی نہ رہی تھی۔ مگر اس کی خاموشی کھویا کھویا پن سرد مہری اور اجنبیت ہنوز برقرار تھی اس کے باوجود بھی شفق اس سے اسی خلوص اور اپنائیت سے پیش آتی تھیں۔ اسی بات پر جل کر عارف نے ایک دن کہا۔

"بھئی آپ کا تو کچھ وہی عقیدہ ہے کہ اگر کوئی بلاوجہ ہی ایک کلے پر چانٹا مارے تو بڑی مسکینی سے دوسرا کلا بھی اس کے سامنے کر دینا چاہیے۔ یعنی کہ انتہا ہے ان محترمہ کی بے نیازی کی ان کے پاس جا کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مادام تساؤ کے کسی نگار خانے میں جا پہنچے ہوں کہ موم کی ایک جیتی جاگتی مورتی ہسپتال کے بستر پر نصب ہے اور آپ ہیں کہ ہاتھ باندھے اس کی پوجا کر رہی ہیں۔"

"ارے نہیں احمق۔ وہ بے چاری تو اپنے ہوش ہی میں نہیں ہے تو پھر اس سے کیا توقع رکھنا ہے اور بھئی میں تو اپنے دلی اصولوں سے مجبور ہو کر اس سے مروت برتتی ہوں۔ اس پر کوئی احسان نہیں کرتی۔" شفق نے فوراً ہی اس کی بات کی تردید کی۔

"خیر خیر۔ آپ کسی پر کوئی احسان کریں یا نہ کریں لیکن مجھ پر ایک احسان ضرور کر دیجیے یعنی کہ میری جاں بخشی۔" عارف عاجزی سے بولا۔

"کیا مطلب؟" شفق نے پوچھا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''یہی کہ مجھے اپنے ساتھ ساتھ اس ریت کی طرح بھر بھرے ماحول میں نہ گھسیٹا کیجیے۔ گل بھی تو آپ کے ساتھ جا سکتا ہے نا۔'' عارف نے بڑی بیزاری سے کہا۔

''لیکن تم آخر کس مرض کی دوا ہو۔ سارا دن ادھر اُدھر جھک ہی مارتے پھرتے ہو۔ تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا۔''

''سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ساری دنیا کے کام ہو سکتے ہیں مگر پاگلوں کی ناز برداری نہیں ہو سکتی۔'' عارف نے شفق کی بات کاٹ کر کہا۔

''دیکھو عارف تم اس کے سامنے بھی اسے پاگل ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ اس طرح اس بے چاری کی دل آزاری بھی ہو سکتی ہے۔ نہ معلوم اس پر کیا بپتا پڑی ہے جو اب تک اس کا ذہن ماؤف ہے۔'' شفق نے ہمدردانہ لہجے میں عارف کو ٹوکا۔

''لکھوا لیجیے بجیا ان کا ذہن وہن ماؤف نہیں ہے ورنہ میری باتوں پر وہ اپنی مسکراہٹیں چھپانے کی ہرگز کوشش نہ کرتیں۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں یا تو ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہیں یا پھر اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے گم صم کے لڈو کھائے بیٹھی رہتی ہیں۔'' عارف نے آنکھیں پھیلا کر یوں بتایا جیسے کوئی بہت رازکی بات کہہ رہا ہو۔

''اے بچے کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ میں برابر نوٹ کر رہی ہوں۔ جب سے تم پنڈی سے آئے ہو بہت زیادہ چل نکلے ہو۔ ورنہ یوں پٹر پٹر تو تمہاری زبان کبھی نہیں چلتی تھی۔'' شفق نے فہمائشی سے انداز میں کہا۔

''بس اب زیادہ میرے منہ نہ لگو اور تہذیب کے دائرے میں رہو۔ ہاں آج کہیں غائب نہ ہو جانا۔ میں آج تو جائے بغیر نہ رہوں گی۔'' شفق نے کسی قدر خفگی سے کہا۔

''جائیے شوق سے جائیے۔ مگر مجھے تو معاف ہی رکھیے میں اب وہاں نہیں جاؤں گا۔'' عارف نے سخت بیزاری سے کہا۔

''واہ کیسے نہیں جاؤ گے۔ سارا دن کیا بل جوتتے رہتے ہو جو ذرا سا میرے ساتھ جانا اس قدر کھل رہا ہے اور گل بھلا کیوں کر میرے ساتھ جا سکتا ہے اسے ڈرائیونگ آتی ہے نہ گھر کے کاموں سے ہی فرصت ملتی ہے۔'' شفق جھلا کر بولیں۔

''لیکن آپ کو تو آتی ہے اور آپ خود بھی جا سکتی ہیں میرا دم چھلا ساتھ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔'' عارف بولا۔

''ارے واہ یہ آج تم اس قدر اترا کیوں رہے ہو۔ یقیناً کسی کے ساتھ تمہارا کوئی پروگرام بنا ہے اور یہ کس کا فون آیا تھا ابھی ابھی؟''

''بس جناب آیا تھا کسی کا۔ اب میں اپنی ذاتیات میں تو کسی کا دخل برداشت نہیں کر سکتا۔'' عارف نے منہ بنا کر بڑی نخوت سے کہا تو شفق کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

''یہ تم..... یہ کس سے اس انداز میں بات کر رہے ہو بدتمیز کہیں کے جتنی میں تمہیں رعایت دیتی جاتی ہوں تم سر پہ چڑھتے چلے آتے ہو۔ اب تم تہذیب و اخلاق سے بھی اتنے عاری ہو گئے ہو کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ بڑوں سے کس طرح بات کرتے ہیں۔ اکڑ مکڑ دکھانے کی ضرورت نہیں سمجھے..... آئندہ مجھ سے

امی کی تو اچھا نہ ہو گا۔''

''ارے آپ تو واقعی سیریس ہو گئیں۔ خیر کچھ دن کی بات ہے میں تو اب سیدھا پی۔ اے۔ ایف اکیڈمی چلا جاؤں گا پھر چند ہی روز بعد میں ہوں گا اور میرا فضاؤں میں تیرتا جہاز۔'' عارف نے شفق کو اپنی باتوں پر اتنا سیریس دیکھا تو فوراً اپنے پائلٹ بن جانے کا شوق پورا کرنے کی دھمکی دی۔ مگر سچ مچ شفق روٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے کوئی جواب ہی نہ دیا۔ وہ پینٹری میں کھڑی فریج میں پانی کی بوتلیں رکھ رہی تھیں۔ فریج کا دروازہ بند کر کے صوفیہ بیگم کے کمرے میں چلی آئیں۔ ماں کی کنگھی چوٹی کرنا ان کا لباس تبدیل کرانا دوا پلانا۔ انہیں کھانا کھلوانا، دیکھ بھال کرنا اور اس پر گھر کی دیکھ بھال کے سارے کام ان کے ذمے تھے۔ دن کے وقت میجر صاحب تو اپنی ڈیوٹی پر ہوتے تھے۔ اسی لیے عموماً وہ دوپہر کا کھانا ماں کے ساتھ کھانے کی میز پر ہی بیٹھ کر کھاتی تھیں مگر اس روز عارف سے ناراض ہو جانے کی وجہ سے انہوں نے ذرا جلدی اماں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ عارف کہیں چلا گیا تھا یا اپنے کمرے میں تھا انہوں نے یہ دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ بس گل کو ہدایات دے کر پھر ماں کے پاس چلی آئیں تا کہ انہیں دوا پلوا کر سلوا دیں اور جب ان کاموں سے فارغ ہو کر باہر نکلیں تو سامنے سے آصف کو آتا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''ارے تم بھیا..... تم کیسے آ گئے۔؟ میرا مطلب ہے تم نے تو اطلاع بھی نہیں دی۔'' بڑے بے تکے پن سے انہوں نے بھائی کی آمد پر اپنی خوشی اور حیرت کا اظہار کیا۔

''کیوں کیا میری آمد اتنی اہمیت رکھتی تھی کہ بلا اطلاع آنا غضب ہو گیا۔'' آصف بہن کو اتنا حیرت زدہ دیکھ کر چڑ سے گئے۔

''ارے نہیں تم بغیر اطلاع کے اس قدر اچانک طور پر کبھی نہیں آئے تھے۔ اس لیے مجھے تعجب ہو رہا ہے۔'' شفق نے اپنی حیرانی کا سبب بتایا۔

''خیر اطلاع تو دے دی تھی مگر یوں سمجھیے کہ وقت کے وقت ابھی کوئی ڈیڑھ گھنٹے پہلے میں نے یہاں رنگ کیا تھا۔ شاید آپ کو بتایا نہیں گیا۔'' آصف ان کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

''اچھا مگر تم ڈیڑھ گھنٹے میں اتنی دوری کا فاصلہ کیسے طے کر آئے۔ کیا بائی پلین آئے ہو۔؟'' آصف کی اچانک آمد پر شفق کا تحیر اور تجسس ہنوز برقرار تھا۔

''جی ہاں ضرور..... آج نوشک پہاڑ پر اپنا جہاز اُتروایا تھا میں نے۔ ارے بجیا جہاز کیسا میں تو بائی کار آیا ہوں۔ اصل میں بڑے شورٹ نوٹس پر روانگی کا پروگرام بنا تھا۔ اس لیے فون کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا لہٰذا گل پاش پہنچ کر اطلاع دینی پڑی میں صبح کو وہاں پہنچ گیا تھا۔'' آصف نے اپنے پشاور سے آنے کی تفصیل بیان کی۔ تب کہیں جا کر شفق کا تحیر اور تجسس ختم ہوا۔

''اچھا تو یہ کہو اب کے کار سے سفر کرنے کا شوق چرایا تھا لیکن کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی۔'' شفق نے پوچھا۔

''نہیں البتہ سفر ضرور طوالت پکڑ گیا۔ کل دوپہر کا چلا ہوا ہوں اب چائے بھی نہیں پلوائیں گی کیا۔'' آصف نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں پلواؤں گی۔ اتنے میں تم امی کے پاس جاؤ پچھلے ہفتے تو ان کی طبیعت خراب رہی ہے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بہت۔'' شفق بولیں۔

''ہاں مجھے بھی معلوم ہے مگر اس وقت تو امّی جان آرام کر رہی ہوں گی۔'' آصف نے کہا۔

''ارے تمہیں کس نے بتایا۔ اور ہاں تمہارا فون کس نے ریسیو کیا تھا۔؟'' شفق نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''کون بتا سکتا ہے سوائے عارف کے۔'' آصف نے بتایا۔

''اوہ اچھا جبھی تو میں کہوں کہ یہ اس قدر نخرے کیوں ہو رہے ہیں۔'' شفق نے سر ہلاتے ہوئے دل ہی منہ میں کہا۔

''کیا بات ہے بجیا آپ کچھ اپ سیٹ سی نظر آ رہی ہیں۔'' آصف نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں.....میں.....؟ نہیں تو۔ اَپ سیٹ کس بات سے ہوں گی۔'' شفق کچھ سوچتے ہوئے انداز میں بولیں۔ اصل میں آصف کو دیکھتے ہی ریل کے حادثے سے رونما ہونے والے سارے واقعات کا خیال آ گیا تھا۔ وہ آصف سے بات ضرور کر رہی تھیں مگر ان کا دماغ انہی واقعات کی طرف لگا ہوا تھا۔

''نہ معلوم میرا کمرہ صاف بھی ہے یا نہیں۔ خیر اتنی دیر میں آپ کے کمرے میں بیٹھ لیتا ہوں۔'' آصف نے ایک طویل جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''خیر تمہارا دل چاہ رہا ہے تو میرے کمرے میں ہی بیٹھ جاؤ۔ ورنہ تمہارا کمرہ تو میں نے کل ہی صاف کرایا تھا۔ میری عادت سے واقف نہیں ہو کیا اور ہاں تو تمہارے آرام کے خیال سے کہہ رہی تھی۔ سفر کی تھکان سے تمہارا چہرہ کیسا اُترا اُترا لگ رہا ہے۔'' شفق نے آصف کے لیے چائے بنانے کے لیے باورچی خانے کا رُخ کرتے ہی والی تھیں رُک کر کہا۔

''اوہ ہاں بجیا اصل میں اس قدر تھک گیا ہوں کہ کچھ خیال ہی نہ رہا کہ آپ جیسی۔''

''اچھا اچھا اب جلدی سے جا کر لباس وغیرہ تبدیل کر کے آرام کرو میں ابھی تمہیں چائے بھجواتی ہوں۔'' شفق نے اپنے چائے بنانے کی عجلت میں آصف کی بات کاٹی۔

''اچھا بھئی جا رہا ہوں۔ مگر یہ عارف کہاں ہے۔؟'' آصف نے تھکی تھکی آواز میں پوچھا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے اپنے کمرے میں انوائی کھٹوائی لیے پڑے ہیں۔ آج ذرا میں نے ان کی گوشمالی کی ہے۔'' شفق نے جاتے جاتے پلٹ کر کہا۔

''ارے ارے خیر تو ہے بجیا۔ آخر اس نے ایسی کیا خطا کی تھی۔'' آصف نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''بس بہت بدتمیز ہو گیا ہے وہ۔ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ۔ جب دیکھو اونگی بونگی بولنا۔'' شفق بولیں۔

''ارے نہیں بجیا۔ سارے گھر میں ایک وہی تو ایسی ہستی ہے جس کی شرارتوں سے یہاں کی بوجھل فضائیں تھوڑی بہت خوشگوار سی ہو جاتی ہیں۔ آپ نے اس حد تک بھی اس کی کسائی نہ کی ہوتی کہ وہ انوائی کھٹوائی ہی لے کر پڑ جائے۔'' آصف بھائی کی طرف داری میں بولے تو شفق نے چمک کر کہا۔

''تعجب ہے تم ہمیشہ ہی اُس کی شا کی نظر آتے تھے۔ آج میں اس کی شکایت کر رہی ہوں تو تم اس کی حمایت کرنے پر تلے ہو۔ خیر اب کسی طرح جا بھی چکو اپنے کمرے میں۔ میں چائے کے ساتھ تمہارا کھانا

بھی بھجوا دیتی ہوں۔''

''نہیں شکریہ۔ کھانا تو میں نے گلپاش میں ڈٹ کر کھا لیا تھا۔ البتہ چائے کی سخت حاجت ہو رہی ہے اور... کے اب آپ جلدی سے چائے بنوائیے جا کر۔'' آصف نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ شفق نے بھی جلدی سے باورچی خانے کا رُخ کیا۔

آصف کے لیے چائے تیار کرنے کے دوران شفق کا دماغ طرح طرح کے خیالات کی آماجگاہ بنا رہا۔ نہ معلوم کیا سوچ رہی تھیں وہ۔ لیکن ان کے چہرے سے ہویدا تاثرات بتا رہے تھے کہ بھائی کی غیر متوقع آمد نے انہیں متفکر سا کر دیا تھا۔ انہوں نے جلد جلد گل سے ٹرالی سجوائی اور چائے دم کر کے گل کو ٹرالی دے کر آصف کے کمرے میں بھیج ہی رہی تھیں کہ آصف خود ہی کچن میں آ گئے۔

''ارے تم اتنی جلد نہا دھو کر تیار بھی ہو گئے۔'' شفق انہیں دیکھتے ہی بولیں۔

''اتنی جلد نہیں جناب پورے پندرہ منٹ گزر چکے ہیں۔ میں تو سمجھا آپ نے ہوٹل وغیرہ سے چائے منگوائی ہے۔'' آصف نے کلائی اونچی کر کے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بتایا۔

''اچھا دیر ہو گئی۔ خیر تم اپنے کمرے میں چلو اب تو سب تیار ہی ہے۔'' شفق ٹرالی کی طرف ان کی توجہ دلاتی ہوئی بولیں۔

''گل یہ ٹرالی عارف صاحب کے کمرے میں پہنچا دو ہم وہیں بیٹھ کر چائے پئیں گے۔'' آصف نے بہن کی بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

''اچھا جناب۔'' گل نے ٹرالی دھکیلتے ہوئے فوری طور پر ان کے حکم کی تعمیل کی۔

''آئیے بجیا۔ عارف کے کمرے میں چلیں۔'' آصف نے بہن سے کہا۔

''نہیں بھئی تم خود ہی چلے جاؤ۔ مجھے وہ بہت تنگ کرتا ہے۔ میں اس کے کمرے میں نہیں جاؤں گی۔'' شفق بیزاری سے بولیں۔

''افوہ تو واقعی بڑی سنجیدگی سے خفا ہو گئی ہیں... لیکن آپ کو میں لے جا رہا ہوں۔ میرے سامنے وہ آپ کو ہرگز دق نہیں کرے گا۔ آئیے پلیز۔'' آصف ان کے سر ہی ہو گئے تو بادلِ ناخواستہ شفق کو ان کا ساتھ دینا ہی پڑا۔

''خیر تمہارے منہ کو چلی چلتی ہوں۔ ورنہ ان صاحبزادے کے بڑے دماغ ہو گئے ہیں کسی کو.....''

''ارے نہیں بجیا اب وہ ایسا بھی بے ادب نہیں مجھ سے زیادہ تو آپ اس کی فطرت سے واقف ہیں۔'' آصف نے فوراً شفق کی بات کاٹی۔

دونوں ایک ساتھ عارف کے کمرے میں داخل ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آصف مسکرانے لگے اندر عارف اپنے بستر پر چادر تانے سو رہا تھا۔ مگر کچھ اس قدر بے ڈھنگے پن سے کہ چادر کو زور زور سے جنبش ہو رہی تھی۔ یوں جیسے زور زور سے خراٹے لے رہا ہو۔ بیڈ کے قریب ہی چائے کی ٹرالی رکھی تھی۔

''سو نہیں رہا آصف یہ بن رہا ہے گل نے بتا دیا ہوگا ہم آ رہے ہیں۔'' شفق نے کہنے کے ساتھ ہی عارف کے بستر کی طرف بڑھتے ہوئے سرگوشی کی۔

''ٹھیک ہے ابھی دیکھ لیتے ہیں۔'' آصف نے بھی مسکرا کر آہستہ سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

''ارے تم کیا دیکھو گے میں ابھی تمہیں دکھاتی ہوں بھلا اس طرح قلانچیں مار مار کر بھی کوئی سوتا ہے۔'' شفق نے عارف کو ستانے کو جان کر اونچی آواز میں کہا۔ اور بڑھ کر چادر کھینچ لی۔ مگر چادر کھینچتے ہی ہلکی چیخ کے ساتھ آصف کے بازو سے لپٹ گئیں۔ کیونکہ چادر کے نیچے عارف نہیں گھر کا پالتو ایلیشن روجی تھا۔ جو چادر ہٹتے ہی گھبرا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ آصف بڑی بے ساختگی سے خاص طور پر شفق کے ڈر جانے کی وجہ سے ہنسے جا رہے تھے اور شفق عارف کی اس بیہودہ حرکت پر پیچ و تاب کھا رہی تھیں کہ اسی دم عارف نے غسل خانے سے نکل کر احتجاجی انداز میں کہا۔

''ارے بجیا یہ کیا غضب کیا آپ نے اتنی مشکلوں سے تو بے چارے کو تھپک تھپک کر سلایا تھا۔ سارا رات غریب کو بے خوابی کی شکایت رہتی ہے۔'' اور پھر دوڑ کر آصف سے لپٹتا ہوا بولا۔

''ارے ارے بھائی جان آپ تو سچ مچ ہی آ گئے۔ ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ خالی خولی گولی دے رہے ہیں۔''

''تمہاری بڑی بڑی شکایتیں جمع ہو گئی تھیں اس لیے مجھے ہی آنا پڑا۔'' آصف مسکرا کر بولے۔

''ارے چھوڑو تم بھی وہی ہو۔ وہ چور کا بھائی گرہ کٹ بجائے اسے تنبیہ کرنے کے اس کی طرف داری کر رہے ہو۔ آج ہی تو میں نے چادریں اور غلاف بدلے ہیں۔ اس نے روجی کو بستر میں گھسا کر ناپاک کروایا سارا بستر۔'' شفق آصف کے مسکرانے پر جل کر بولیں۔

''خیر اب تو ناپاک ہی ہو گیا اس کا بستر۔ اب چادریں اور غلاف بدلوا دیجیے گا۔'' آصف نے شفق کا غصہ فرو کرنے کی کوشش میں کہا۔

''میں تو اب اس کی کسی چیز کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گی۔ بلکہ اب تو اسے ہمیشہ اسی ناپاک اور گندے بستر پر سونا پڑے گا۔'' شفق غصے سے بولیں۔

''مائی باپ یہ سراسر ظلم ہے۔ بھیا چارہ ہے۔'' عارف نے بڑی مسکینی سے فریاد کی۔ آصف نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے منہ پھیر لیا۔

''کمال ہے تمہیں ذرا بھی پاپا کی پریشانی اور غم کا احساس نہیں کتنے افسوس کی بات ہے۔'' شفق نے ملامت کرنے کے سے انداز میں کہا تو آصف کو بھی بہن کا موڈ دیکھ کر سنجیدگی اختیار کرنی پڑی۔ انہوں نے بات گھمائی۔

''ٹھیک ہے عارف اب آرام سے بیٹھ جاؤ۔ تمہاری شرارتوں میں چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔'' آصف نے کہا تو شفق کو فوراً ہی بھائی کی تھکن کا احساس ہوا۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر وہ پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگیں۔ عارف بھی خاموشی سے آصف کے پاس اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔

''لو بھئی کچھ کھاؤ بھی تو۔'' شفق نے جلدی سے چائے کی پیالی بنا کر آصف کو تھماتے ہوئے کہا۔

''کھاؤں کیا۔ آپ نے تو عارف کی شرارتوں کی فہرست سناتے سناتے ایک دم ہی رنج و الم کا باب کھول دیا۔ مجھے تو یہ چائے بھی حلق سے نیچے اتارنی مشکل نظر آ رہی ہے۔''

آصف جو شفق کی بات پر بہت متجسس ہو رہے تھے انہوں نے عارف کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ارے بس.... سمجھو ایک چیپٹر تو کلوز ہی ہو گیا۔'' شفق نے ایک سرد سی آہ بھر کر کہا۔

''ہائیں کون سا چیپٹر۔ آخر ماجرا کیا ہے بجیا۔ آپ کس کی بات کر رہی ہیں۔'' آصف قدرے

ہراساں ہو کر بولے۔ اور شفق کی خوبصورت آنکھوں سے ٹپ ٹپ کئی آنسو گر گئے۔

''چچی اماں کا بتا رہی ہیں۔'' عارف نے آہستہ سے کہا۔

''چچی اماں۔؟ کیوں کیا ہوا ان کو.... میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب تک وہ یہاں پہنچ بھی گئی ہوں گی۔ پچھلے ماہ پاپا نے مجھے ان کی آمد کے بارے میں لکھا تھا۔'' آصف کی حیرانگی پر تجسس غالب آ گیا۔

''ہاں ٹھیک ہی لکھا تھا مگر وہ ہمارے اتنے قریب آ کر بھی ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ ہم اب انہیں کبھی نہ دیکھ سکیں گے آصف!'' شفق نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ اور چہرہ جھکا کر رونے لگیں۔ آصف نے پریشانی سے عارف کی طرف دیکھا اور اشارے سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے۔ عارف نے پھر تفصیل سے انہیں سب کچھ بتا دیا۔

ہوں۔!'' ایک لمبی ہوں کے ساتھ انہوں نے گہرا سانس لیا۔ کچھ دیر خاموش رہے پھر جتانے کے سے انداز میں بولے۔

''اچھا تو اسی وجہ سے اپنے کمرے میں جانے کی پابندی عائد کی جا رہی تھی۔'' آصف نے شفق کو مزید آنسو بہانے سے باز رکھنے کی کوشش میں کہا تھا۔ مگر شفق نے ان کی بات کو طنز پر محمول کیا۔ جلدی سے آنسو پونچھ کر کہنے لگیں۔

''نہیں وہ بے چاری تو ہاسپٹل میں پڑی ہے۔ پورے بارہ دن ہو گئے ابھی تک اس کی دماغی حالت درست نہیں ہوئی۔ وہ اگر یہاں ہوتی تو کیا میں اتنے اطمینان سے یہاں بیٹھ کر تم سے باتیں کرتی۔'' پھر انہوں نے آصف کی طرف غور سے دیکھا۔ اور دل میں یہ سوچ کر آزردہ ہو گئیں کہ عارف کی طرح آصف بھی اس افسوسناک واقعے سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ انہیں لڑکی کی فکر پڑ گئی۔ شفق کے آزردہ ہونے سے ماحول قدرے سوگوار ہو گیا تھا آصف نے خاموشی سے پیالی خالی کی اور اٹھ کر اسے ٹرالی میں رکھتے ہوئے بولے۔

''اچھا تھوڑی دیر اپنی تھکن اتار لوں جب تک امی جان اٹھ ہی جائیں گی۔'' ان کی بات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ عارف پر بھی سنجیدگی طاری تھی۔ وہ خاموش بیٹھا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ آصف اپنی بات کہہ کر دروازے کی طرف بڑھتے تو کچھ سوچ کر رک کے اور وہیں کھڑے مڑ کر انہوں نے پوچھا۔

''وزیٹنگ آورز تو وہی پانچ بجے سے شروع ہوتے ہیں نا۔؟''

''نہیں ساڑھے چار بجے سے۔ لیکن میں تو آج شاید ہی جا سکوں۔'' شفق نے چڑتے ہوئے لہجے میں بتایا۔ عارف نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

''اس شاید کا تو جواز ہی نہیں۔ بس آپ ٹھیک ساڑھے چار بجے تیار رہیے گا۔ اور ہاں عارف تم ذرا گل سے میری گاڑی کی جھاڑ پونچھ کروا دو۔'' آصف نے کہا اور جھپ سے باہر نکل گئے۔ شفق اب بھی عارف سے خفا تھیں۔ وہ فوراً ہی اٹھیں اور گل کو پکارتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

میجر اطہر علی کی یہ تینوں اولادیں جو اپنے مزاجوں اور فطرتوں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ میجر اطہر نے ان کی پرورش اور تربیت بڑے عمدہ ماحول میں کی تھی۔ شفق آصف سے دو سال بڑی تھیں عارف، آصف سے دو سال چھوٹا تھا اور ابھی زیر تعلیم تھا اور ایک مقامی کالج سے اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

نے حال ہی میں ..... سائنس میں انٹر کیا تھا۔ لیکن چونکہ اُس واحد مقامی کالج کا اسٹینڈرڈ کچھ اچھا نہ تھا۔ اس لیے وہ پنڈی کے ایک بڑے کالج میں داخلہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بلکہ اسی کوشش میں اس کالج میں اپنے فارمز داخل کرانے پنڈی گیا تھا۔ آصف نے ایچ اے سن کالج لاہور سے بی۔ اے کیا تھا۔ وہ بھی آرٹس میں، ان کا رجحان تعلیم کی طرف نہ تھا۔ جبکہ میجر انہیں اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے تھے لیکن بیٹے کی تعلیم کی طرف سے عدم دلچسپی کے پیشِ نظر انہوں نے آصف کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ وہ خاصے روشن خیال اور وسیع النظر تھے کیونکہ ان کے خیال میں وقت کی ڈھیلی پڑتی زمامو ں اور زمانے کی بدلتی ہوئی ہواؤں میں اُبھرتے نئے اذہان کو بھی شخصی آزادی اور حقِ خود اختیاری کا پورا پورا حق حاصل تھا ادھر صوفیہ بیگم جن کی تعلیم صرف بہشتی زیور اور گھریلو قسم کی تعلیم پر محدود تھی اور جو اپنی پرانی روایتوں کی سختی سے پابند تھیں۔ میجر صاحب کی اس آزاد خیالی سے سخت نالاں تھیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے خیالات کے مطابق تربیت دی تھی یا شروع ہی سے دینا چاہتی تھیں۔ بس میاں بیوی کے نظریات اور خیالات کے اسی تضاد نے بچوں کے درمیان بھی آپس میں اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ خصوصاً آصف جو بڑے خودسر ہو گئے تھے انہوں نے مزید پڑھنے کے بجائے اپنی خوشی سے اور مرضی سے ایک تعمیراتی فرم سرکاری ادارے میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

شفق کا گریجویشن کے بعد نکاح ہو گیا تھا۔ ان کے شوہر شوکت حسین یو۔ پی کے اعلیٰ گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ تقسیم کے کافی عرصے بعد کیمبرج سے اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس لوٹے تو اپنے والدین کے پاس ہندوستان جانے کے بجائے پاکستان چلے آئے اور وہیں وزارت داخلہ کے ایک شعبے میں ملازمت اختیار کر لی۔ یوں تو وہ اپنی ملازمت کے سلسلے میں زیادہ تر ملک سے باہر ہی رہتے تھے مگر جس زمانے میں میجر صاحب پشاور میں ایک عرصے سے مقیم تھے ایک پارٹی میں شوکت حسین کی ملاقات میجر صاحب کے خاندان والوں سے ہوئی تو انہیں شفق بہت پسند آئیں۔ نہ صرف شفق پسند آئیں بلکہ ہر لحاظ سے اپنے لیے موزوں لگیں۔ اس زمانے میں شفق بی۔ اے فائنل میں تھیں۔

شوکت حسین نے ان کے لیے پیغام دیا تو میجر صاحب نے بھی بلا کسی ردوکد کے منظور کر لیا۔ اور یوں امتحان سے فارغ ہوتے ہی شوکت حسین کا نکاح شفق سے ہو گیا اور جب سے اب تک شفق کی رخصتی کا معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا تھا۔

پورے دو سال ہو گئے تھے انہیں اور ان کے والدین کا انتظار کرتے کرتے۔ صوفیہ بیگم تو کبھی کبھی مایوس ہو کر برا بھلا بھی کہنے لگتیں۔ وہ تو یہ بھی کہتی تھیں کہ ابھی کچھ نہیں گیا۔ صرف نکاح ہی ہوا ہے۔ لڑکے کو صاف صاف لکھ کر بتا دو کہ ہماری بیٹی کو لڑکوں کی کمی نہیں جو وہ تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے ہماری دہلیز پر ہی اپنی عمر گزار دے۔ تمہیں اگر اپنے حالات پر قابو نہیں ہے تو اسے طلاق دے دو مگر میجر صاحب اور خود شفق طلاق لینے کے حق میں نہ تھے۔ شوکت حسین جیسا صاحب حیثیت، خوبرو اور خوش اخلاق انسان انہیں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا اور شفق کو تو ان سے گہری انسیت اور دلی وابستگی پیدا ہو چکی تھی اور سب سے بڑھ کر ان کی مجبوریوں پر بھی نظر تھی اس لیے وہ بھلا ان کی رفاقت سے دستبردار ہونا گوارہ کرتیں۔ بڑے تحمل اور خاموشی کے ساتھ ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ یہ نہیں کہ اپنی مجبوریوں کے تحت یا اپنی سفارتی سرگرمیوں کی وجہ سے کہیں جا کر بیٹھ رہے تھے یا وطن سے کہیں دور بھیج دیے گئے تھے۔ البتہ یہ

ضرور تھا کہ انہیں اپنی ملازمت کے سلسلے میں ایک جگہ جم کر رہنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ کبھی ایران میں ہیں تو کبھی جاپان میں اور کبھی یورپ کے کسی ملک میں ہیں۔ تو کبھی امریکہ اور کینیڈا میں۔ وطن آنا نصیب بھی ہوتا تو۔ بڑے شارٹ وزٹ پر۔ اور اب کچھ عرصے سے تو شرمندگی کی وجہ سے انہوں نے صورت ہی نہیں دکھائی تھی کیونکہ کچھ عرصے پہلے جب وہ چھٹی پر آئے تھے تو پاکستان آنے کے بجائے جبل پور سیدھے اپنے والدین کے پاس چلے گئے تھے۔

اصل میں قصہ اس اجمال کا یہ تھا کہ شوکت حسین کے والد اقتدار حسین اپنے آباؤ اجداد سے رئیس ان رئیس کہلاتے تھے اور جبل پور سے چند میل اندر ان کی نہ صرف یہ کہ کئی کئی بیگھہ زمینیں تھیں بلکہ چند گاؤں بھی ان کی مملکت میں یا زیرِ نگیں آتے تھے۔ ان کا قاضیوں کا خاندان بہت مشہور تھا۔ (نکاح پڑھوانے والے قاضی نہیں) اور ظاہر ہے جو معدودے چند ایسے پشتینی اور حسب نسب والے گھرانے رہ گئے ہیں ان کی روایات اور آن آج بھی اب تک یونہی قائم ہے اقتدار حسین خود بھی علی گڑھ کالج سے ڈگری یافتہ تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی۔ ان کے صرف تین ہی بیٹے تھے۔

بڑے بیٹے ارباب حسین تو شادی شدہ اور بال بچوں والے تھے۔ اور باپ کے پاس ہی رہتے تھے اور سب سے چھوٹا بیٹا علیگڑھ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا۔ اور یہ منجھلے بیٹے شوکت حسین ہی تھے جن کی خواہش اور شوق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اقتدار حسین نے انہیں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا تھا۔ مگر انہوں نے ایک تو یہی کیا کم خودسری کی تھی کہ ہندوستان جانے کے بجائے پاکستان چلے آئے تھے اور وہیں کی قومیت اختیار کر لی تھی۔ اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ والدین کی اجازت لیے بغیر اپنے غیر خاندان کی لڑکی سے نکاح کر لیا تھا۔ گویا کہ والدین کے نزدیک ان کا یہ اقدام ایک ناقابلِ معافی اور تلافی جرم تھا۔ شوکت حسین نے اپنے والدین کو منانے اور اپنی خطا معاف کرانے کی ہر ممکن کوشش صرف کر لی تھی لیکن والدین اوّل تو انہیں معاف کرنے پر تیار ہی نہ ہوتے تھے۔ لیکن جب شوکت حسین کی پھوپھی اور چچاؤں نے بیچ میں پڑ کر ان کی سفارش کی تو وہ بڑی مشکلوں سے اس بات پر شوکت حسین کو معاف کر دینے پر آمادہ ہوئے کہ وہ شفق کو طلاق دے دیں اور اپنی ملازمت چھوڑ کر ان کے پاس آ جائیں۔ شوکت حسین اپنی ملازمت چھوڑ کر ان کے پاس جا تو سکتے تھے لیکن شفق کو طلاق دینا انہیں نہ گوارا تھا، ممکن۔ اور اب تو انہیں بھی ضد سی ہو گئی تھی وہ ملازمت چھوڑنے پر بھی تیار نظر نہ آتے تھے۔ ادھر والدین کو منائے بغیر شفق کو رخصت کرا کے لانا بھی ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس پر پچھلے ایک سال سے والدین کے پاس جانے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔ بس اسی وجہ سے شفق کی رخصتی کا معاملہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔ اور ادھر شفق تھیں جو اندر ہی اندر تو مایوسیوں میں گھری رہتیں۔ مگر بظاہر بڑی چاق و چوبند اور شگفتہ نظر آتیں۔ کبھی آصف کریدکر پوچھتے۔

"کمال ہے بجیا۔ آپ کو شوکت بھائی کی کسی کوتاہی کا ذرا ملال نہیں۔"

"ملال کس بات پر ہوگا جبکہ ان کا کوئی قصور نہیں وہ بھی میری طرح ہی سخت مجبور ہیں۔ اور میں۔ غم بھی کس بات کا کروں۔ یہ میرا اپنا گھر ہے۔ اپنے والدین اور بھائی ہیں اور یہاں مجھے دنیا کی ہر نعمت اور راحت نصیب ہے۔" مگر آصف کو کیا معلوم تھا کہ شفق ان کے ایک اتنے سے سوال پر اندر ہی اندر کتنی بکھر جاتی ہیں۔ یا شریف لڑکیاں ضبط کی انتہا سے گزر کر بھی ضبط و برداشت پر قادر رہتی ہیں اور حد

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

تو یہ تھی کہ اس دو سال کے عرصے میں شوکت حسین سے ان کی ملاقات چار پانچ دفعہ ہی ہو سکی تھی ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ جب بھی وطن آتے شفق کے لیے دو چار تحفے ضرور بھیجتے یا پھر عید بقر عید اور ان کی سالگرہ کے موقعوں پر عمدہ عمدہ تحفوں سے نوازتے اور ہر ماہ باقاعدگی سے پانچ سو روپے بھی ان کی طرف سے شفق موصول کرتی رہتیں۔ بس اتنا ہی تعلق تھا ان کا شوکت حسین سے۔ خط بھی وہ شاذ ہی لکھتے تھے جس کا جواب شفق کی طرف سے انہیں ملتا ہی نہ تھا۔ البتہ ان کے اور میجر صاحب کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

آصف چھٹیاں گزارنے یا اپنے والدین اور بہن بھائی سے ملنے نہیں آئے تھے بلکہ میجر صاحب نے خط کے ذریعے انہیں عشمہ بیگم کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ بس یہ اطلاع پا کر آصف چھٹی لینے کی فکر میں پڑ گئے مگر ان دنوں پشاور کے مضافات میں ایک نئی بستی کی تعمیر ہو رہی تھی اس لیے کام اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ فوری طور پر آصف کو چھٹی نہ مل سکی۔ بلکہ ملنے کی اُمید بھی جاتی ہی رہی تھی۔ وہ تو ایک مہربان افسر کی انہوں نے خوشامد درآمد کی تو کہیں جا کر پندرہ دن بعد یہ چھٹیاں ملی تھیں۔ اور وہ فوراً ہی روانہ ہو گئے تھے کمپنی کی طرف سے تو کار ملنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ تو میجر صاحب نے آصف کے بہت کہنے سننے پر یہ کار انہیں لے کر دی تھی۔ جس کے ذریعے وہ پشاور سے آغا پور آئے تھے۔ سرخ رنگ کی رینالڈ جو انہیں کسی پالتو جانور کی طرح عزیز تھی۔ اپنے بستر پر لیٹ کر سخت تھکن کے باوجود آصف سوئے نہیں بلکہ آنکھیں بند کیے کچھ سوچتے رہے۔

ان کے لیے یہاں تک تو ٹھیک تھا کہ ان کی چچی حادثے کا شکار ہو گئی ہیں مگر اس کے بعد کی صورتحال قدرے پریشان کن تھی۔ کیونکہ شفق کی اطلاع کے مطابق وہ لڑکی وہ نہیں تھی جسے دیکھنے کی چاہ میں وہ چھٹی لے کر گھر آئے تھے وہ لڑکی جو اُن کی چچازاد بہن تھی اور جسے اپنی بہو بنانے کا میجر کا بہت پختہ ارادہ تھا۔ اور صرف اسی معاملے میں وہ آصف کو اپنی خواہش کا پابند کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ اپنی بھتیجی کو انہوں نے اور نہ گھر میں سے کسی فرد نے دیکھا ہی تھا مگر اپنی بیٹی اور بھاوج کے حالات کے پیش نظر وہ چاہتے تھے کہ خاندان ہی میں رہے کتنی بار بیٹے کو سمجھا چکے تھے کہ بیوی کی شکل وصورت اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی اس کی سیرت اور حسن کردار..... پوری زندگی کا معاملہ ہوتا ہے۔ بیوی حسین ترین ہو مگر بدسلیقہ چڑچڑی اور جھگڑالو ہو تو ازدواجی زندگی جہنم کا نمونہ پیش کرتی ہے اور مجھے خدا کے ذات سے اُمید ہے کہ عشمہ بھابی کی بچی ہر طرح سے میرے اور تمہارے معیار پر پوری اُترے گی۔ گو مجھے نہیں معلوم کہ وہ خوبصورت ہے یا بدصورت مگر میرا اندازہ یہی ہے کہ وہ یقیناً قبول صورت ہوگی اور نہ بھی ہوئی تو تمہارے اپنے خاندان کی تو ہوگی۔ اور تمہارے لیے اور میرے لیے یہی کیا کم ہوگا۔ مگر ان کے اس جواز کو آصف ہی نہیں بلکہ صوفیہ بیگم بھی ماننے پر تیار نظر نہ آتی تھیں۔ آصف نے تو دبی زبان سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ بھئی زندگی تو مجھے گزارنی ہے کسی اور کو تو نہیں پھر پاپا خواہ مخواہ ہی مجھے ان روایات کی بھینٹ کیوں چڑھا رہے ہیں۔ میں نے تو بس چچا کی لڑکی کے بارے میں سُنا ہی سُنا ہے کبھی ملنے کا اتفاق ہوا نہ دیکھنے کا تو پھر میں کس دل سے پاپا کی خواہش کا احترام کر سکتا ہوں۔ اور ادھر صوفیہ بیگم بھی بیٹے کی باتوں سے متفق تھیں اور ہمیشہ میجر صاحب کے خیال سے یوں اختلاف کرتیں۔

''نہ معلوم ان کے دماغ میں کیا سمائی ہے بن باپ کی بچی ہے ہمیشہ دکھوں اور تکلیفوں میں رہی ہے۔

آصف اگر اسے اچھی طرح نہ رکھ سکا تو ہم گناہ گار ہوں گے سو ہوں گے بچی کی زندگی بھی اجیرن ہو جائے گی۔ کیا آپ آصف کے مزاج اور عادتوں سے واقف نہیں اگر حالات نے اجازت دی اور عشمہ باجی یہاں آئیں تو لڑکی کو دیکھنے کے بعد ہی کچھ فیصلہ کیجیے گا۔''

بس انہی باتوں نے میجر صاحب کو روکے رکھا تھا۔ ورنہ وہ تو کب کا اس لڑکی پر اپنے بیٹے کا پیام دے دیتے۔ ظاہر تھا ان حالات میں جب باپ کے خط سے آصف کو معلوم ہوا کہ وہ روزِ سعید بھی آ پہنچا ہے جس کی کسی ساعت چچی اماں اپنی اُن صاحبزادی سمیت تشریف لا رہی ہیں تو پھر بھلا وہ کیسے رکتے۔ حالانکہ میجر صاحب نے انہیں بلایا بھی نہیں تھا لیکن ان کے تو دل کو لگی تھی اور خاص طور پر اس لیے لگی تھی کہ کہیں ان کے والدان کی رائے اور مرضی معلوم کیے بغیر ہی اپنی بھتیجی کو ان کے سر نہ تھوپ دیں لہٰذا اس لڑکی کی دید کے شوق میں ان کا کوئی اور جذبہ شامل نہ تھا اسی وجہ سے تو انہوں نے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی مگر اب تو گویا ساری بات ہی اوندھی ہو گئی تھی۔ یا اُلجھ کر رہ گئی تھی۔

بس قیاس آرائیوں تک ہی سارا معاملہ محدود تھا۔ اس پر شفق کا بار بار یہ کہنا کہ ایسی شکل وصورت کی لڑکی ہمارے خاندان میں پیدا ہو ہی نہیں ممکن ہی نہیں۔ گو شفق نے لڑکی کی شکل وصورت کی اچھائی یا برائی بیان نہیں کی تھی مگر اس کے باوجود آصف کو اسے دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ سوچ رہے تھے یا تو وہ لڑکی بہت ہی خوبصورت ہے یا پھر حد درجہ بدصورت۔ بہرحال جیسی بھی ہے اسے دیکھنا ضرور چاہیے۔ اور جبکہ اس کی ولدیت اور کنیت بھی شک وشبے میں پڑی ہوئی ہے۔ تو پھر اس کی خوبصورتی اور بدصورتی بھلا کیا اہمیت رکھتی ہے۔ یہی سب سوچنے کے بعد۔ کچھ دیر آرام کر کے آصف یکا یک اٹھ کھڑے ہوئے۔ لباس کا انتخاب کر کے ایک شاندار سوٹ نکالا اور اسے زیب تن کر کے کیل کانٹے سے لیس ہونے کے بعد گھڑی میں وقت دیکھا پورے چار بجے تھے۔

''ہوں۔ تو گویا پون گھنٹہ باقی ہے۔ خیر اتنے میں امی جان سے مل لیتا ہوں۔'' انہوں نے منہ ہی منہ میں کہا۔ اور سیدھا ماں کے کمرے کا رخ کیا۔ کچھ دیر ماں کے پاس بیٹھے ان سے باتیں کرتے رہے پھر گھڑی میں وقت دیکھ کر کوئی ضروری فون کرنے کا عذر کر کے وہاں سے اُٹھ کر باہر آئے تو شفق کو اپنے کمرے کے دروازے پر تیار کھڑا پایا۔

''اوہ۔ زندہ باد بجیا۔ بس آپ کی یہی بات تو ہمیں پسند ہے۔'' انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''شکریہ۔ بڑی نوازش ہے آپ کی۔'' شفق نے چُبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''اچھا آیئے چلتے ہیں۔'' آصف ان کے لہجے کی ترشی کو نظر انداز کرتے ہوئے بولے۔

''نہیں۔ تم چل کر کار میں بیٹھو۔ میں امی جان کو دوا پلا کر ابھی آتی ہوں۔'' شفق نے کہا اور فوراً ہی آگے بڑھ گئیں۔ آصف بھی خاموشی سے کار کی چابی جیب سے نکالتے ہوئے باہر چلے گئے جہاں ان کی کار کھڑی تھی۔ گل نے اسے رگڑ رگڑ کر چمکا دیا تھا۔ باہر آ کر انہیں شفق کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ شفق جلد ہی آ گئی تھیں۔ آصف نے بڑی خاموشی سے ان کے لیے کار کا دروازہ کھول دیا۔ اور پھر خود بھی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر خاموشی سے روانہ ہو گئے۔ افشاں کے سلسلے میں بہت سی باتیں ان کے لبوں تک آ کر مچلتی رہیں مگر کچھ لحاظ مانع تھا اور کچھ خودداری کا احساس ادھر شفق بھی بالکل خاموش و لاتعلق سی بیٹھی تھیں اس

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

لیے انہوں نے ہونٹوں تک آئی کسی بات کو زبان نہیں دی۔ شفق کا بیزار کن سا رویہ ان کی سمجھ سے بالا تھا۔ وہ تو انہیں چچی ماں کی لڑکی کا نام لے کر چھیڑا کرتی تھیں۔

اسپتال پہنچ کر شفق نے آصف کے ساتھ سیدھا افشاں کے کمرے کا رُخ کیا ملاقات کا وقت شروع ہو گیا تھا اس لیے تھوڑی تھوڑی گہما گہمی نظر آ رہی تھی اسپتال کے برآمدے کے شیشے کی طرح چمکتے ہوئے فرش پر ڈھلتی ہوئی دھوپ جگمگاہٹیں سی پیدا کر رہی تھی۔ گرمیوں کے دن تھے مگر ہوائیں بڑی خوشگوار اور لطیف تھیں بس دواؤں کی بُو ہی تھوڑا سا ناخوشگوار احساس دلا رہی تھی۔ شفق نے افشاں کے کمرے کی دہلیز پر قدم رکھا تو آصف اخلاقاً باہر ہی رُک گئے مگر اس سے ان کا دل کسی عجیب سے احساس سے زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ شفق نے اندر پہنچتے ہی پلٹ کر ان سے کہا۔

''آؤ آصف اندر آ جاؤ۔'' اور آصف نے اپنے اسی دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اندر کمرے میں قدم رکھا۔ افشاں شفق کے ہی کپڑے پہنے پیر فرش پر لٹکائے اور ہاتھ میں ایک رول کیا ہوا کاغذ لیے یوں بیٹھی تھی جیسے وہ کاغذ یا تو کسی سے لے کر آئی ہو اور ابھی ابھی آ کر بیٹھی ہو، یا پھر اسے کوئی ابھی وہ کاغذ دے کر گیا ہو۔ اُس کی خوبصورت گھنیری پلکیں جھکی ہوئی تھیں اور نظریں بھی اسی کاغذ پر مرکوز تھیں جو لپٹی ہوئی صورت میں اس کے ہاتھ میں تھا۔ شفق کی آمد کا بھی اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

''کہو کیسی ہو افشاں؟'' شفق نے اس کے نزدیک آ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں اس کی خیریت پوچھی۔

''بس ٹھیک ہی ہوں۔'' اس نے نگاہیں جھکائے جھکائے نہایت رکھائی سے جواب دیا۔ شفق نے دروازے کے آگے کھڑے آصف پر ایک نظر ڈالی آصف جو افشاں پر نظر پڑتے ہی مبہوت سے رہ گئے تھے۔ اس کا روکھا پھیکا جواب اور بے نیازانہ سا نخوت بھرا انداز انہیں ذرا نہ بھایا۔ شفق کی ان سے نظر ملی تو وہ جھینپے جھینپے انداز میں مُسکرا کر پھر افشاں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''ارے بھئی وہ تو ضرورت سے زیادہ ہی نظر آ رہی ہو مگر ان سے ملو یہ میرے بھائی آصف اطہر ہیں۔'' تب کہیں جا کر ایک طویل سا سانس لینے کے بعد افشاں نے نگاہ اٹھا کر آصف کی طرف دیکھا جو ابھی تک اپنی اسی جگہ پر کھڑے تھے ان کا سارا غرور خاک میں مل گیا افشاں نے پھر نگاہیں جھکا لی تھیں۔ اور دونوں ہاتھوں سے اس چھپے ہوئے کاغذ کو جو کسی اخبار کا صفحہ تھا رولنے لگی تھی۔

''آؤ بھئی بیٹھو۔'' شفق نے آصف کو بیٹھنے کی دعوت دی۔

''تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ اس کے ہوش ٹھکانے نہیں۔'' شفق نے آصف کے بدلتے ہوئے تیوروں کو دیکھ کر انگریزی میں بتایا۔

''ٹھکانے نہیں تو لگ بھی سکتے ہیں۔'' آصف نے آہستہ سے کہا۔ اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور سامنے کھلی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔ اور ان کے فقرے پر افشاں نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا پھر پیر بستر پر سمیٹ کر تکیے کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ ''کرنل رضا بتا رہے تھے کہ تمہارا زخم بالکل مندمل ہو گیا ہے اور تمہاری طبی رپورٹ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ بس دو تین روز بعد وہ تمہیں یہاں سے ڈسچارج کر دیں گے۔'' شفق کو اسی طرح کا اطمینان اسے کئی مرتبہ دلا چکی تھیں کیونکہ کرنل رضا نے مجھ ایسا ہی کہا تھا مگر اس دن انہوں نے جان کر اسے جتایا تا کہ اسے بھی معلوم ہو

''بس انشاء اللہ پرسوں تک۔'' افشاں نے زیرلب کچھ کہا۔ شفق تک اس کی آواز تو نہ گئی مگر شفق اسے تھوڑا تھوڑا اپنے حواسوں میں دیکھ کر خوش ہو کر بولیں۔

''لیکن اگر تم چاہو تو میں انکل رضا سے کہوں کہ وہ تمہیں کل ہی گھر جانے کی اجازت دے دیں۔''

''کون سے گھر؟'' افشاں نے ان کی طرف مڑ کر دیکھا۔

''ارے بھئی ہمارے گھر۔ جواب تمہارا بھی ہے۔'' شفق نے جلدی سے بتایا۔

''اچھا میرا بھی کوئی گھر ہے؟'' افشاں نے پھر سوال کیا اس کے لہجے میں تحیر تھا۔

''کیوں نہیں ہے۔ جب ہم تمہارے ہیں تو کیا ہمارا گھر بھی تمہارا نہیں ہے۔'' شفق نے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

''آپ۔ آپ میری ہیں۔'' افشاں نے یوں پوچھا۔ جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہو۔

''ہاں ہاں میں تمہارے چچا کی بیٹی ہوں۔ خالہ زاد بہن ہوں۔ ہمارا آپس میں دوہرا رشتہ ہوتا ہے اصل میں تم لاہور میں رہتی تھیں نا اس لیے ہمارا آپس میں ملنا نہیں ہو سکا۔''

''میرے چچا کہاں ہیں؟'' افشاں نے شفق کی ہر بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

''اس وقت تو گھر میں ہوں گے بہت مصروف رہتے ہیں نا۔ اس لیے بس شروع شروع میں ایک دو مرتبہ تمہیں آ کر دیکھ گئے تھے۔'' افشاں کو بات کرتے دیکھ کر شفق کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح اسے سب کچھ یاد دلا دیں یا اس سے کہلوا دیں کہ وہ اعظم چچا کی لڑکی ہی ہے۔

''آپ۔ آپ بڑی اچھی ہیں۔'' افشاں کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''تم بھی تو بڑی پیاری ہو۔ مگر تھوڑی تھوڑی بے مروت ہو۔ ہمیشہ غیریت ہی برتتی ہو۔''

''میں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ سوچ سوچ کر تھک جاتی ہوں۔ یاد ہی نہیں آتا کہ آپ کون ہیں۔ میں کہیں جاتے جاتے یہاں اسپتال میں کیسے آ گئی۔ کرنل رضا اور ڈاکٹر فرید مجھ سے اتنی شفقت سے کیوں پیش آتے ہیں آپ مجھے بتایئے نا۔ آخر یہ سب کیا ہے؟'' افشاں نے بڑی آزردگی کے ساتھ بہت اٹک اٹک کر کہا۔ اور شفق نے پھر حادثے کی ساری تفصیل اسے بتائی۔ اسپتال میں داخل کرانے کا سبب بتایا۔ اور اپنا اور اس کا رشتہ سمجھایا۔ اور پھر بڑے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

''اب تو تمہیں کچھ یاد آ گیا ہوگا۔'' افشاں بڑی دیر تک خاموش رہی پھر آہستہ سے بولی۔

''نہیں مجھے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا۔ یوں لگتا ہے جیسے میرے اردگرد ایک دھندسی چھائی ہو۔ جس کے پیچھے سے چند چہرے نمودار ہو کر فوراً ہی غائب ہو جاتے ہیں!''

''خیر تم اپنے دماغ پر اتنا زور نہ ڈالو۔ رفتہ رفتہ تمہیں سب کچھ یاد آ جائے گا۔ فی الحال تو تمہارے لیے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ تم اپنوں میں ہو۔ اور پوری حفاظت کے ساتھ رہ رہی ہو۔'' شفق نے سنجیدہ ہو کر اپنی بات پوری کی۔

''بہتر ہے۔'' افشاں کسی تابعدار بچے کی طرح بولی۔

''ہاں۔ اور پتا بھی ہے تمہارے اس رویے سے عارف تم سے خفا ہو گئے ہیں۔ وہ عارف جو اکثر میرے ساتھ آتے ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی۔'' شفق نے بڑے جتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''عارف آپ کے چھوٹے بھائی.. وہ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں۔'' عارف کے ذکر پر افشاں کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

جذبات سے عاری چہرے پر بشاشت آ گئی۔

''ہاں۔صرف عارف ہی نہیں بلکہ آصف بھی یہ جو ابھی اُٹھ کر گئے ہیں۔''شفق نے کہا۔

''وہ۔وہ بھی مجھ سے خفا ہو کر گئے ہیں۔لو۔مجھے بڑا افسوس ہے۔''افشاں خجل سی ہو کر بولی۔

''افسوس کی کیا بات ہے۔خیر آئندہ تم خیال رکھنا۔''شفق مسکرا کر بولیں۔

''اچھا۔تو آپ۔آپ میری کون ہیں؟''افشاں نے بڑی دیر بعد شفق کی بات کے جواب میں پوچھا بھی تو کیا کہ شفق کے سارے کیے کرائے پر گویا پانی پھر گیا۔مگر انہوں نے بھی ضبط کی انتہا گزار دی اپنی کوفت پر قابو پا کر بڑے ہی سرد لہجے میں بولیں۔

''قسمت سے تمہاری بہن۔لیکن اگر تم سمجھو تو۔''

''میں۔مجھے تو آپ بڑی اچھی لگتی ہیں۔''افشاں نے مسکرا کر کہا۔شفق نے پھر اس سے کچھ پوچھنا یا کہنا لاحاصل ہی سمجھا۔ادھر ملاقات کا وقت بھی ختم ہونے کو تھا انہوں نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا ساڑھے پانچ ہو رہے تھے۔اور آصف ابھی تک نہ لوٹے تھے۔وہ باہر کے ماحول پر ایک نظر ڈالنے کے ارادے سے اٹھیں تو افشاں سے بولیں۔

''اگر پرسوں تمہیں گھر جانے کی اجازت مل گئی تو عارف تمہیں لینے آ جائیں گے۔''

''اچھا۔مگر کون سے گھر۔''افشاں نے پھر اپنا وہی سوال دہرایا۔تو شفق نے پہلی بار اس کی طرف سے مشکوک ہو کر اسے غور سے دیکھا مگر اس کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نظر نہ آیا جو وہ دیکھنا چاہ رہی تھیں انہوں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔پلٹ کر دروازے پر پہنچی ہی تھیں کہ آصف آ گئے اور وہ ان کے ساتھ۔سیدھی کار کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔

''خیر تو ہے بجیا۔آپ خلاف معمول اتنی خاموش کیوں نظر آ رہی ہیں۔''گھر کا رخ کرتے ہوئے آصف نے شفق کو اُلجھا اُلجھا سا دیکھ کر دانستہ چھیڑا۔

''کیوں۔آتے وقت کیا تاشے باجے بجاتی آئی تھی۔''شفق نے چڑ کر کہا۔

''نہیں۔لیکن اس درجے بھی نہیں تھیں جیسے اس وقت خاموش ہیں۔''

''پرسوں وہ گھر آ رہی ہے۔اس لیے ذرا فکرمند ہوں۔''شفق نے گویا اپنی خاموشی کا سبب بتایا۔

''لیکن اس میں فکرمند ہونے کی کیا بات ہے آپ کو تو اتنا خوش ہونا چاہیے۔''

''اس کی دماغی حالت ابھی قابلِ اطمینان نہیں۔''شفق نے بتایا۔

''ہاں ہاں مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔یہ بات تمہیں عارف نے بتائی ہوگی وہ ہمیشہ یہی کہتا ہے ورنہ تم نے تو افشاں کو پہلی بار دیکھا ہے۔تمہیں اس کی دماغی حالت کا کیونکر کوئی اندازہ ہو سکتا ہے۔

''عارف بے چارے سے تو اب تک میری بات ہی نہیں ہوئی۔اور آپ نے سنا نہیں کہ فرسٹ امپریشن از دا لاسٹ امپریشن بس اسی مقولے کے تحت کہہ رہا ہوں کہ یہ افشاں صاحبہ۔''

''اُف توبہ۔تم ہمیشہ اپنے ہی نظریات سے دوسروں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہو۔میری ابھی ابھی اس سے بڑی کھلی بات ہوئی ہے۔میں اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں۔مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات رہا سب کچھ کہہ سن لینے کے بعد اس نے یہی پوچھا کہ آپ میری کون ہیں۔میرا گھر کون سا ہے بھلا یہ عقل اور ہوش والوں کی باتیں ہوتی ہیں۔بے چاری دماغ پر بہت زور دیتی ہے تو مایوس ہو کر

آتی ہے کہ میرے ارد گرد ایک گہری دھند سی چھائی ہوئی ہے جس کے پیچھے سے چند چہرے نمودار ہوتے ہیں مگر فوراً ہی غائب ہو جاتے ہیں۔میری کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا اور ہاں جب میں نے اسے بتایا کہ تم اس سے ناراض ہو کر چلے گئے ہو تو بہت چونک کر بولی۔اچھا وہ ناراض ہو گئے ہیں مجھے بڑا افسوس ہے۔''شفق آصف کو قائل کرنے کی غرض سے بولیں تو بولتی ہی چلی گئیں۔

''اچھا تو آپ نے میرا بھی ذکر کیا تھا؟''آصف نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں کیا تھا مگر اصل بات زبان پر نہ لا سکی۔''شفق نے بات کے اختتام پر مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔اس مسکراہٹ میں جو معنی خیزی تھی اسے آصف ہی سمجھ سکتے تھے۔

''ہوں۔''آصف نے صرف ہوں کہنے پر ہی اکتفا کیا۔

''سنو۔کچھ پسند بھی آئی تمہیں؟''شفق نے شوخ سے انداز میں پوچھا۔

بہت بے موقع سوال ہے بجیا اور کچھ کچھ پیچیدہ بھی۔ظاہر ہے گہرے پانیوں میں کھلا تر و تازہ اور حسین پھول کوئی توڑنے کی کوشش بھی کرے تو اپنی جان گنوا کر ہی کر سکتا ہے۔''آصف نے قدرے چڑ کر کہا۔

''پھر تو تھوڑی بہت محنت کرنی ہی پڑے گی۔''شفق نے ہنستے ہوئے کہا تو آصف بھی ہنسنے لگے۔گھر آ کر آصف اپنے کمرے کا رخ کر ہی رہے تھے کہ شفق نے کہا۔

''پہلے پاپا سے تو مل لو۔وہ یقیناً تمہارے منتظر ہوں گے۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں ملوں گا بجیا۔مگر ذرا اس جکڑ بند سے تو نجات حاصل کر لوں۔''آصف بولے۔انہیں ایک دم ہی باپ کے سامنے اتنی ٹیپ ٹاپ کے ساتھ جاتے ہوئے لحاظ آ رہا تھا۔کیونکہ صاحب کو معلوم تھا کہ وہ شفق کے ساتھ اسپتال گئے ہیں۔اس لیے وہ شفق کو باہر ہی چھوڑ کر لباس تبدیل کرنے اپنے کمرے میں گھس گئے۔اور جب تھوڑی دیر بعد میجر صاحب کے کمرے میں پہنچے تو شفق کو وہیں موجود پایا۔شفق ان سے افشاں کے متعلق ہی گفتگو کر رہی تھیں آصف نے جھک کر باپ کو تعظیم دی تو انہوں نے اٹھ کر بیٹے کو گلے سے لگا لیا اور منہ ہی منہ میں دعائیں دیں۔

''چلو یہ اچھا ہی ہوا کہ تم خود آ گئے۔''انہوں نے علیحدہ ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں پاپا اتفاق سے چھٹی ڈیوٹی تھی۔اس لیے تھوڑی ہی دقت کے بعد مل گئی۔''آصف بولے۔

''تمہارا کام تو ٹھیک چل رہا ہے۔بس یہی کافی ہے۔''میجر صاحب نے بے حد رکی گفتگو کی۔

''جی پاپا۔خدا کے فضل سے۔''آصف کو جواب میں کہنا پڑا۔

''سنو آصف! پاپا تمہیں ایک زبردست خوشخبری سنانے والے ہیں۔''

شفق جو باپ اور بھائی کی بے موقع گفتگو سے اُکتا گئی تھیں انہوں نے اصل موضوع چھیڑا۔

''اچھا!''آصف نے پاسِ ادب کی وجہ سے باپ کے سامنے صرف اچھا کہنے پر ہی اکتفا کیا۔

''ہاں بیٹے۔میں نے اچھی طرح پوری تحقیق کر لی ہے۔یہ بچی ہمارا اپنا ہی خون ہے۔میں نے ریلوے والوں سے نہیں بلکہ اس محلے والوں سے جہاں عشرہ بھابی رہتی تھیں باقاعدہ طور پر پوچھ گچھ کرائی ہے۔دونوں ماں بیٹیاں لاہور کی سکونت ترک کر کے ایک ہی ساتھ وہاں سے روانہ ہوئی تھیں۔اور اس کمپارٹمنٹ میں کل پانچ مسافر تھے۔ان میں سے دو ممکن ہے کہ راستے میں کسی اسٹیشن پر اتر گئے ہوں مگر یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ عشرہ بھابی کی بیٹی کہیں ادھر اُدھر ہو گئی ہو۔اس سرحدی لڑکی کا حقدار بھی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تمہارے سامنے ہی آ گیا تھا گویا اب تو یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ افشاں ہماری ہی بچی ہے۔" انہوں نے بڑی تفصیل سے اپنی بات کہی۔

"لیکن پاپا یہ افشاں نام۔ یہ تو۔" شفق نے کہنا چاہا۔ "اسے فی الحال برقرار ہی رکھو۔" میجر صاحب نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

"جی ہاں بجا۔ ان کے اصل نام سے انہیں پکارا گیا تو امی جان کو تجسس ہوگا۔ پاپا اسی خیال سے کہہ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ فرق بھی کیا پڑتا ہے اور میں چپکے سے اسے ساری مصلحت سمجھا دوں گی۔" شفق نے باپ کی مصلحت سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں فی الحال کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔ کم از کم اس وقت تک جب تک یہ واقعہ پرانا ہو جائے ظاہر ہے ایک نہ ایک دن تو تمہاری امی کو بتانا ہی پڑے گا۔ اور ادھر اس کی دماغی حالت بھی ابھی طور پر درست نہیں ہوئی۔" میجر صاحب بولے۔

"لیکن پاپا میں تو اسے ہمیشہ یہی باور کرانے کی کوشش کرتی ہوں کہ وہ میری چچازاد بہن ہے۔ آپ اس کے چچا ہیں اور امی جان خالہ ہیں۔" شفق نے تردد سے کہا۔

"یہ کوشش تو تمہیں جاری رکھنی چاہیے۔ مجھے تو صرف نام پر اعتراض ہے۔ وہ بھی تمہاری امی کی وجہ سے۔" میجر صاحب مسکرا کر بولے۔

"بہتر ہے پاپا۔ آپ امی جان کے پاس نہیں چلیں گے۔ میں کھڑے کھڑے ان سے ملا تھا۔" آصف نے شفق کے بار بار سوال کرنے پر اکتا کر بات گھمائی۔

میجر اسی دم صوفیہ بیگم کے کمرے میں جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شفق اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئیں۔ باپ کے ساتھ ماں کے کمرے کا رخ کرتے ہوئے ان کی کیفیت پوچھتے رہے۔

☆......☆......☆

"امی یہ افشاں ٹھیک ہو کر گھر آ گئی ہیں۔" شفق میجر صاحب کی ہدایت پر افشاں کا ہاتھ پکڑے صوفیہ بیگم کے کمرے میں آئیں تو انہوں نے ماں سے اس کا یوں تعارف کرایا۔ میجر صاحب بھی ان کے پیچھے ہی آ گئے تھے۔ اور خاموش کھڑے یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔

"اچھا تو اس کا نام افشاں ہے۔" صوفیہ بیگم نے ایک غائر نظر اس پر ڈال کر کہا۔

"جی امی جان۔ انہوں نے یہی بتایا ہے۔" شفق نے افشاں سے نگاہیں چراتے ہوئے بتایا۔

"اچھا نام تو بتا دیا مگر پتا نشان نہیں بتایا اس نے۔" صوفیہ بیگم نے کٹے کٹے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں ابھی تو نام ہی بتایا ہے پتا نشان بھی کبھی نہ کبھی بتا ہی دیں گی۔

چلو افشاں امی جان کو سلام کرو۔ اب یہ تمہاری بھی امی جان ہیں۔" شفق نے صوفیہ بیگم کی بات کو بڑی خوبصورتی سے ٹال کر کہا۔ افشاں نے انہیں ادب سے سلام کیا تو صوفیہ بیگم ہنس کر بولیں۔

"اوئی بچی۔ وہی مثل ہوئی کہ غریب کی جورو سب کی بھابی۔ اب یہ بھی مجھے امی جان کہے گی۔"

"تو کیا مضائقہ ہے صوفیہ۔ ایک کے بجائے آپ کی دو بیٹیاں ہو جائیں گی۔" میجر صاحب نے فوراً ہی لقمہ دیا۔

"جی ہاں امی جان مجھے بھی یہ اپنی بہن سے بڑھ کر عزیز ہیں۔" شفق نے خوش دلی سے کہا۔

"اچھا اب تم ہماری بیٹی کو اپنے کمرے میں لے جاؤ شفق۔ یہ تو تمہارے ساتھ ہی رہیں گی نا۔" میجر صاحب نے کہا۔

"جی پاپا۔ میں تو اپنی بہن کو اپنے ساتھ ہی رکھوں گی۔ آؤ افشاں میں نے تمہارے نہانے دھونے کا بندوبست بھی کر رکھا ہے۔" شفق افشاں کا ہاتھ پکڑ کر باہر کا رخ کرتی ہوئی بولیں۔ تو شفق کے جاتے ہی صوفیہ بیگم نے بڑے تاسف سے کہا۔

"ہائے کتنی خوبیوں کی مالک ہے میری بچی نہ جانے اس کے نصیب کیوں سو گئے ہیں۔"

"کیسی واہیات باتیں کرتی ہو صوفیہ بچی سنے تو خواہ مخواہ ہی اسے احساس ہو۔" میجر صاحب نے بڑی ناگواری سے انہیں ٹوکا۔

"واہیات بات کیسی، دل مسلا کر رہ جاتا ہے جب دوسری لڑکیوں کو ان کے گھروں میں خوش و خرم دیکھتی ہوں۔" صوفیہ بیگم آزردگی سے بولیں۔

"یہ تو حسد ہوا۔ جو ایک مہلک گناہ ہے جس کے نتیجے میں تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔" میجر صاحب جل کر بولے۔

"ہر گناہ کا انجام تباہی ہوتا ہے اور آپ سے کس نے کہہ دیا کہ خدانہ کرے میں حسد کرتی ہوں۔ میں تو ایک ماں کا دل رکھتی ہوں اور میری ممتا یہ گوارا نہیں کرتی کہ انتظار ہی انتظار میں میری بچی کی عمر ہی ڈھل جائے۔" صوفیہ بیگم ایک دم ہی دل گرفتہ ہو گئیں تو میجر صاحب کو بھی ان کے احساسات کا خیال آیا اور دلاسہ دینے کی غرض سے بولے۔

"تم پریشان نہ ہو ان شاء اللہ جلد ہی شفق کی رخصتی ہو جائے گی۔ شوکت حسین اسی کی کوشش میں لگے ہیں۔"

"ہاں۔ خدا وہ دن لائے۔" صوفیہ بیگم نے فیصلہ کن سے انداز میں کہا۔ جیسے میجر صاحب کی بات کوئی حقیقت ہی نہ رکھتی ہو۔ پھر انہیں ایک دم ہی خیال آیا تو انہوں نے میجر صاحب سے پوچھا۔

"آپ نے تو باجی جان کو خط بھیجا تھا۔ کچھ اس کا جواب بھی آیا۔"

"ہاں لو۔ خوب یاد آیا۔" میجر صاحب نے اس اچانک سوال پر اتنا کہہ کر قدرے توقف کیا اور بولے۔ "آج ہی تو ان کا بڑا تفصیلی خط آیا ہے اور۔ اور وہ میں تمہیں ہی پہنچانے آ رہا تھا کہ شفق کی باتوں میں اپنی میز کی دراز میں ہی بھول آیا۔ ٹھہرو میں ابھی لاتا ہوں۔" میجر صاحب نے بڑی خوبصورتی سے ایک غلط بات کو نبھایا۔ اور خط لانے کے ارادے سے اٹھے تو صوفیہ بیگم بولیں۔

"مجھ سے اس اندھیرے کمرے میں کب کچھ پڑھا جائے گا۔ بعد میں اطمینان سے شفق پڑھ کر سنا دے گی۔ آپ تو صرف مجھے اتنا بتا دیجیے کہ باجی جان کیسی ہیں اب تک کیوں نہیں آئیں۔" اور دل ہی دل میں اطمینان کا گہرا سانس اترنے کے ساتھ ساتھ میجر صاحب کو کوئی معقول بہانہ بنانے کا زریں موقع مل گیا انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اصل میں بچی کی پڑھائی ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اور تم تو جانتی ہو کہ عظمہ بھابی کو اپنی بچی کی ہر خاطر عزیز ہے اس لیے فی الحال انہوں نے یہاں آنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اور یہ فی الحال کی تو انہوں

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

خوامخواہ پخ لگائی ہے۔ ورنہ میرا خیال تو یہی ہے کہ ایک ڈیڑھ سال سے پہلے وہ یہاں آ ہی نہیں سکتیں۔ ظاہر ہے اگلا امتحان تو اب اگلے سال ہی ہوگا۔ البتہ تمہاری بہت بہت خیریت پوچھی ہے اور شکوہ بھی کیا ہے کہ تم بھی انہیں پلٹ کر نہیں پوچھتیں۔'' میجر نے دل سے گھڑ گھڑ کر سنانے میں کمال کر دیا۔

''اے ہے تو بینائی ہی ایسی کمزور ہوگئی ہے کمبخت۔ خیر تو ابھی گویا اللہ کا حکم نہیں ہوا ان کے یہاں آنے کا ہم تو اپنے جھمیلوں میں ایسے پھنسے کہ خود بھی نہ جا سکے۔ اور پھر سال ڈیڑھ سال کس نے دیکھا ہے بس خدا ساتھ خیر کے ملا دے۔'' صوفیہ بیگم نے بڑی یاسیت سے کہا۔

''ارے نہیں بیگم ایسی مایوسانہ باتیں نہیں کرو کچھ معلوم بھی ہے یہ صاحبزادے کتنے دن کی چھٹی آئے ہیں۔'' میجر صاحب نے دل ہی دل میں آزردہ ہو کر فوراً ہی بات گھمائی۔

''اے مجھے کیا معلوم مجھے تو آپ نے اور بچوں نے دودھ میں پڑی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا ہے اور آصف کو تو اپنے سیر تماشے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ جو وہ ڈھنگ سے بات کرے۔ دروازے سے آیا اور اس سے پھر۔ تین چار دن ہوگئے اسے آئے ہوئے مگر بھی اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ کچھ دیر پاس بیٹھ کر میری خیریت ہی پوچھ لے۔ اسے تو آپ نے بالکل ہی سر پھرا بنا دیا ہے۔'' صوفیہ بیگم جلے کٹے انداز میں بولیں۔

''لو بھلا اب اس کے ساتھ ساتھ تم مجھے بھی رگیدنے لگیں وہ بے چارہ پورے چھ ماہ بعد گھر آیا ہے۔ اور محنت مشقت کر کے آیا ہے۔ ظاہر ہے دل بھر کے تفریح کرے گا۔ اور پھر گھر کا ماحول بھی تو ایسا نہیں کہ اس کا دل گھر میں لگ جائے۔'' میجر صاحب سمجھانے کے سے انداز میں بولے۔

''لو ہمیشہ سے سنتے ہی آئے ہیں کہ گھر سکون راحت کا گہوارہ ہوتا ہے۔ خواہ محل ہو یا کٹیا۔ وہ انسان کو سکھ اور چین ملتا ہے۔ اور آپ ہیں کہ... میں تو کہتی ہوں کہ آپ کی انہی باتوں نے تو اسے بالکل ہی ناکارہ کر کے رکھ دیا ہے اور یہ لاوارث لڑکی آخر کب تک یہاں رہے گی۔'' صوفیہ بیگم نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔

''کیوں؟ خیریت تو ہے۔ تمہیں ایک دم ہی اس لڑکی کی فکر کیوں پڑ گئی۔'' میجر صاحب نے بھی ان سے زیادہ تیکھے انداز میں پوچھا۔

''لیجیے۔ فکر نہیں پڑے گی۔ پتا نہیں کون ہے کیا ہے آج کل تو کسی کا بھی اعتبار نہیں۔ زمانہ ہی ایسا آگیا ہے۔ کل کلاں کو اس کی وجہ سے کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو ہم اچھی خاصی ٹینشن میں پڑ جائیں گے۔'' صوفیہ بیگم گویا اپنے میاں کو اونچ نیچ سمجھاتی ہوئی بولیں۔

''لاحول ولا۔ ایسا تو دور دور تک بھی کوئی امکان نہیں صوفیہ اور ہم نے تو نیکی ہی کی ہے حالات کی شکار ایک بے یارومددگار لڑکی کو پناہ دے کر اور نیکی تو کبھی رائیگاں نہیں ہوتی۔'' میجر صاحب بڑی کوفت کے عالم میں بولے۔

''پھر وہ لڑکی آخر کب تک ہمارے یہاں رہے گی۔ ایک نہ ایک دن تو اسے کہیں نہ کہیں جانا ہی ہوگا۔'' صوفیہ بیگم بولیں۔

''تم نے اس لڑکی کے ذکر کو موضوع سخن کیوں بنالیا۔ جب تک اس کا کوئی والی وارث نہیں ملتا میں اسے کیسے کہیں بھیج سکتا ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کس وجہ سے اس کے بارے میں

اندیشے ظاہر کر رہی ہو۔'' میجر صاحب سمجھ گئے تھے کہ صوفیہ بیگم صرف آصف کی طرف سے متفکر ہیں اس لیے ایسی باتیں کر رہی تھیں۔

''لیجیے بھلا وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ جو مجھے نظر آ رہا ہے میں نے کہہ دیا ہے آگے آپ جانیں اور آپ کا کام جانے۔'' صوفیہ بیگم نے میاں کے تیور دیکھ کر بات ہی ختم کر دی۔ اور یہ ان کی تیس سالہ ازدواجی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ... انہوں نے اپنی چہیتی اور عزیز از جان بیوی سے اتنے تیز لہجے میں گفتگو کی۔ ورنہ ہمیشہ صوفیہ بیگم کا پلہ بھاری رہتا تھا۔ اور انہی کی بات مانی جاتی تھی۔ میجر صاحب کو بھی اسی پل اپنے لب و لہجے، طرز تکلم کا احساس ہوا تو موڈ آف ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی بیوی کا دل رکھنے کو کہا۔

''تم اپنی صحت کا خود خیال نہیں رکھتیں۔ ڈاکٹر نے تو کہہ دیا ہے کہ کسی قسم کا بوجھ دماغ پر نہ ڈالیں۔ تم ہو کہ تمہیں ہر بات کی فکر لگی رہتی ہے۔''

''خدا میری بچی کو سارے زمانے کی خوشیاں عطا فرمائے وہ میرا ہر طرح خیال رکھتی ہے۔ یا پھر اللہ رکھے میرا عارف رکھ لیتا ہے۔'' صوفیہ بیگم دل گرفتہ ہو کر بولیں۔

''اور کیا ہم نہیں رکھتے۔ ہمیں بھی تو تھوڑی بہت دعائیں دے دیا کرو۔'' میجر صاحب مسکرا کر بولے۔

''وہ میری زبان میں کہاں اثر ہے۔'' صوفیہ بیگم منہ بنا کر بولیں۔

''لیکن بچوں کے لیے تو ہے۔ ہاں جو ہو گیں۔ خیر میرے لیے نہیں ہے تو تم خود اپنے لیے دعا مانگ لیا کرو۔ کہ اے خدا تو میرے سہاگ کو سلامت رکھ یا اے میرے مولا میں سدا سہاگن رہوں۔'' میجر صاحب نے ہنستے ہوئے انداز میں کہا تو صوفیہ بیگم کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ انہوں نے منہ پھیر کر اپنی ہنسی چھپاتے ہوئے کہا۔

''باتیں بنانے میں تو آپ بڑے ماہر ہیں۔''

''ہاں اور تمہیں چاہنے میں اس سے بھی زیادہ۔ کیا بھول گئیں وہ دن جب۔'' میجر صاحب نے شرارتاً ان کا چہرہ اپنی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا۔ بس ذرا پرے ہی رہیے۔ اللہ رکھے جوان بچوں کا ساتھ ہے۔ کوئی ادھر آ نکلا تو۔'' صوفیہ بیگم نے گھبرا کر ان کی بات کاٹی اور میجر صاحب ہنستے ہوئے اُن کے پاس سے اُٹھ گئے۔

☆......☆......☆

خلوص میں اگر صداقت ہو تو پتھر سے پتھر دل کو موم کر کے رکھ دیتا ہے۔ افشاں ہسپتال سے میجر صاحب کے گھر آئی تو شروع شروع کے چند دن تو اس نے اپنی اسی اجنبیت اور کھوئے کھوئے پن کے ساتھ گزارے مگر پھر آہستہ آہستہ اس کا نیم خفتہ سا ذہن اعتدال پر آنے لگا۔ اور اس کی طبیعت گھر کے ماحول سے میل کھانے لگی۔ اس گھر میں جس کا ہر فرد اپنے اپنے مختلف درجوں کے ساتھ اس سے پیش آتا تھا یعنی ایک تو شفق تھیں اتنی پیاری، اتنی پُرخلوص، اتنی مہربان، اس قدر خلیق، حلیم اور خیر خواہ اور ملنسار کہ ساری اپنائیت، عزیز داری اور محبت ان پر ختم ہو کر رہ گئی تھی۔

ان کے بعد جس ہستی سے وہ تھوڑی بہت متاثر ہوئی تھی وہ عارف تھا جو تھوڑا تھوڑا لاپروا اور اکھل

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
READING Section

کھرا سا ضرور ثابت ہوا تھا مگر اس کی پُر مزاح باتیں، اُلٹی سیدھی پاہانکنے اور چھیڑ چھاڑ کرنے کی عادت نے افشاں کو بھی خاصا متاثر کیا تھا۔ تیسری ہستی میجر صاحب کی تھی اپنے بزرگانہ وقار کے ساتھ ساتھ شفیق اور مہربان ہی مگر جس سے کم ہی اس کا سابقہ پڑتا تھا اور باقی کی جو دو ہستیاں گھر میں رہ گئی تھیں وہ آصف اور صوفیہ بیگم کی تھیں۔

کم از کم آصف کا رویہ تو اس کے سوئے سوئے دماغ سے بالاتر ہی تھا۔ وہ ہمیشہ اکڑے اکڑے نظر آتے۔ اس کے باوجود ان کی کوشش ہوتی کہ افشاں ان سے۔ یگانگت برتے، ان کی ذات میں دلچسپی لے۔ یا کم از کم ان جیسی جاذب اور پُروقار شخصیت کو نظر انداز نہ کیا کرے۔ بھلا بیمار ذہن افشاں ان کی ان خواہشوں کو کیونکر سمجھتی۔ نتیجے میں یہی ہوتا کہ آصف اس سے اپرائے اپرائے سے رہتے۔

شفق کے منع کرنے کے باوجود زبردستی ہی ان کے بہت سے کام اپنے ذمے لے لیے تھے۔ وہ ان سے مختلف موضوعات پر باتیں بھی کرنے لگی تھی۔ عارف کی پُر مزاح باتوں سے حظ بھی اٹھالی تھی مگر کبھی کبھی۔ ورنہ زیادہ تر خاموش ہی رہتی تھی۔ کھوئی کھوئی اور بے خودی۔ شفق اسے صوفیہ بیگم کے سامنے جانے کا کم ہی موقع دیتیں۔ کیونکہ صوفیہ بیگم ہی ایک ایسی ہستی تھیں جن سے افشاں بہت ڈرتی تھی۔ وہ ان کے سامنے جا کر گھبرا جاتی تھی۔ صوفیہ بیگم کا رویہ بھی اس کے ساتھ کچھ ایسا تھا۔ بات بات میں ٹوکنا۔ اس کے کاموں میں عیب نکالنا۔ شک بھری نظروں سے اسے دیکھنا۔ اب کسی کی کیا ہستی تھی جو ان کی چلتی ہوئی زبان کو روکنے کی جرات کر سکتا۔ ان کی زبان کے سامنے تو میجر صاحب بھی خود کو بے بس پاتے تھے۔ مگر ایک بات ضرور تھی صوفیہ بیگم میجر صاحب کے سامنے زبان کھولنے میں ذرا احتیاط برتی تھیں۔

وقت گزرتے واقعی پتا نہیں چلتا۔ عشرہ بیگم کا چہلم بھی ہو کر گزر گیا۔ میجر صاحب نے بالا ہی بالا ایک مسجد میں ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کرا کے فاتحہ، چہلم اور غریب غربا کا پیٹ بھروانے کی رسم ادا کر دی تھی۔ وہ اس عرصے میں جس قدر متفکر اور ملول رہے تھے۔ ان کی یہ کیفیت صوفیہ بیگم سے بھی چھپی نہ رہ سکی تھی۔ اور وہ یہی سمجھتیں کہ میجر ان کی علالت کی وجہ سے اتنے پریشان ہیں ان کا یہ خیال بھی درست ہی تھا۔

ساری پردے داری یہ سارا معاملہ انہی کی وجہ سے تو راز میں رکھا گیا تھا اور اسی ایک بات سے میجر کی اس محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا جو انہیں صوفیہ بیگم سے تھی۔

"آصف" شفق نے آصف کے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر انہیں پکارتے ہوئے دروازے سے باہر جھانک کر اس طرح دیکھا جیسے اطمینان کر لینا چاہتی ہوں کہ کوئی آ تو نہیں رہا۔ آصف ایزی چیئر پر بیٹھے کسی انگلش میگزین کے مطالعے میں مستغرق تھے۔ شفق کی آواز پر ان کا استغراق ٹوٹا تو انہوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور شفق کو دیکھ کر میگزین ایک طرف رکھتے ہوئے بولے۔

"کیوں خیریت۔ کچھ نظر آ گیا کیا؟"

"نہیں بھئی میں توکل کو دیکھ رہی تھی۔ امی کی دوا لینے گیا تھا۔ ابھی تک نہیں آیا۔" شفق نے اندر آتے ہوئے کہا۔ ان کے جواب پر آصف نے پھر میگزین اٹھا کر اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ حالانکہ شفق کے آنے کی وجہ سے ان کے انہماک میں فرق ضرور پڑ گیا تھا۔

"کیا پڑھ رہے ہو؟" شفق نے ان کے بستر پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال تو رنگین تصاویر ہی دیکھ رہا ہوں۔" آصف نے میگزین پر نگاہیں مرکوز کیے کیے بتایا۔

"اچھا یہ تصویریں تو بعد میں دیکھ لینا یہ بتاؤ کہ سارا دن کہاں غائب رہتے ہو جو تم سے بات تک کرنے کا موقع نہیں ملتا۔" شفق نے آصف کی بے نیازی پر چڑ کر کہا۔

"اوہ۔ بڑی جلدی خیال آیا ہے آپ کو بجیا۔ کیا پہلے سے یہی سوچ رکھا تھا۔ کہ جب آصف کے جانے میں چند دن رہ جائیں گے تو اس کی خیریت پوچھوں گی۔"

آصف نے کہا تو شکایتاً ہی تھا مگر ان کے بات کرنے کے انداز میں ہمیشہ ایک طنز سا جھلکتا نظر آتا شفق تو ان کی بہن تھیں ان کی عادتوں، مزاج اور فطرت سے بخوبی واقف تھیں۔ انہوں نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو آپ گویا بھرے ہی بیٹھے تھے۔ ورنہ ایسی تو دور تک کوئی بات نہیں۔ بس ادھر تم گھر سے غائب اور ادھر میں مصروف بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔"

"کیوں کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہیں آپ؟" آصف نے اپنے اسی مخصوص طنز جھلکتے لہجے میں پوچھا۔

"ارے نہیں ایسی خاص بھی نہیں۔" شفق نے لاپروائی کا اظہار کیا۔

"تھوڑی بہت ہے ضرور۔" آصف نے تیکھی نظروں سے کہا۔

"ہاں میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ اب تمہارے جانے میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔" شفق بولیں۔

"دنوں کا حساب کیا لگانا۔ اگر آپ کہیں تو آج ہی کوچ کر جاؤں۔" آصف نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ارے واہ عجیب ہو تم بھی میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کہ اگر ہو سکے چھٹی بڑھوا لو۔ اور تم ہو کہ الٹی اوگی بولی بول رہے ہو۔" شفق آصف کے تیکھے جواب پر چمک کر بولیں۔

"لیکن آپ ایسا کیوں چاہ رہی ہیں؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں؟" آصف نے چونچ کر پوچھا۔

"کمال ہے۔ جانے کیا سمجھ رہے ہو۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ امی جان کی طرف سے بھی اطمینان ہو گیا ہے۔ چھٹی بڑھوا لو گے تو ذرا گپ شپ بھی رہے گی اور سیر و تفریح بھی ہو جائے گی۔" شفق نے قدرے ناگواری سے اپنی بات کا مقصد واضح کیا۔

"بہت خوب گویا ہر طریقے سے قربانی کا بکرا بننے کو میں ہی رہ گیا ہوں۔" شفق کی بات پر آصف جلے کٹے انداز میں بولے۔

"قربانی کا بکرا؟ کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا جو۔"

"اگر آپ نے دو چار ایسے ہی سیانے پاگل گھر میں رکھ لیے تو یقیناً ایک نہ ایک دن چل ہی جائے گا۔" آصف طنز بھرے لہجے میں بولے۔

"سیانے پاگل۔ یہ تم افشاں کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہو آصف۔ اس کا تو یہاں کوئی ذکر ہی نہیں ہو رہا۔" شفق بگڑے بگڑے انداز میں بولیں۔

"ذکر تو نہیں ہو رہا مگر آپ انہی کو انجوائے کرانے کے خیال سے مجھے چھٹی بڑھوانے کا مشورہ دے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

رہی ہیں۔'' آصف جتانے کے سے انداز میں بولے۔

''چلو یہی سمجھ لو۔ اس بے چاری کو اگر ذرا سی سیر تفریح کرادی جائے گی تو تمہارا دن ... ہو جائے گا تمہیں الٹا خوش ہونا چاہئے۔'' شفق اپنی ناگواری پر مسکراہٹ کی تہہ چڑھاتی ہوئی بولیں۔

''یعنی کہ مجھے خوش بھی ہونا چاہئے۔'' آصف نے اس قدر بھک کر پوچھا کہ شفق کو ہنسی آ گئی

''ہاں تو پھر اور کیسے۔'' شفق آصف کی ناگواری سے حظ اٹھاتی ہوئی بولیں۔

''پتا بھی ہے پاپا نے خود بھی میرے اس خیال کی تائید کی تھی کہ ہمیں افشاں کو باہر کی دنیا سے متعارف کرانا چاہئے۔''

''سنیے بجیا!'' آصف اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

''میں نے کہا نا کہ میں قربانی کا بکرا بننے کو ہرگز تیار نہیں۔'' انہوں نے کھلے ہوئے دروازے کے نزدیک جا کر باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا اس لیے کہ اس کی دماغی حالت۔ مگر تم تو ہمیشہ ہمارے اس خیال کی نفی کرتے ہو۔ کہ وہ نارمل مریضہ نہیں ہے۔'' شفق ان کی پشت پر نظریں جما کر بولیں۔

''بالکل۔ نفی ہی نہیں کرتا بلکہ کئی مرتبہ آپ کو قائل کرنے کی کوشش بھی کر چکا ہوں مگر جانتے بوجھتے بیوقوف بننا آپ ہی کو دیکھا ہے یا پھر ہمارے وہ پاپا صاحب ہیں کہ....'' آصف نے شفق کی طرف گھوم کر وہیں چوکھٹ پر اپنی کہنی ٹکا کر کہا۔ تو شفق کو ان کی بے لحاظی پر غصہ آ گیا۔ بڑے طنز سے بولیں۔

''ماشاء اللہ ایک شفیق اور مہربان باپ کے حلم کا یہ نتیجہ ہے کہ اب تم ادب و آداب سے بھی عاری ہوتے جا رہے ہو۔''

''لیکن میں نے پاپا کے ساتھ تو کوئی بے ادبی نہیں کی۔'' آصف نے تیوری چڑھا کر کہنا چاہا۔

''مگر مجھے تو بے وقوف کا خطاب دے دیا۔'' شفق نے ان کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ آپ کو۔'' یک لخت آصف کے چہرے پر تناؤ کی باگیں ایک استہزائی سی مسکراہٹ نے ڈھیلی کر دیں۔

''ارے بجیا آپ تو خود کو نہ جانے کیا سمجھتی ہیں ورنہ مجھ سے صرف دو سال ہی تو بڑی ہیں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''تو دو سال کی چھٹائی بڑائی تمہارے خیال میں کچھ نہیں ہوتی۔'' شفق نے بھی بڑے کڑوے کسیلے لہجے میں پوچھا۔

''اصل میں بجیا دو سال تو کیا عورت مرد سے دس سال بھی بڑی ہو تب بھی تجربات اور مشاہدات میں مرد سے چھوٹی ہوتی ہے۔'' آصف نے بڑے مقطعہ پن سے کہا۔

''پھر تو تمہارے نظریے کے مطابق میں ابھی نہالچے سے نہیں نکلی ہوں گی کیونکہ تم سے صرف دو سال بڑی ہوں۔'' شفق نے جل کر کہا تو آصف زور زور سے ہنسنے لگے۔

''پھر بجیا کہنے کی بھی کیا ضرورت ہے سیدھے سبھاؤ شفق ہی کہا کرو۔ اور آپ جناب کے بجائے تم اور تو سے مخاطب کیا کرو۔'' آصف کی ہنسی نے شفق کو کچھ زیادہ ہی غصہ دلا دیا۔ اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھیں آصف انہیں اس درجے سنجیدہ دیکھ کر ہنستے ہنستے ایک دم ہی خاموش ہو گئے۔ اور ان کے قریب

آ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''ارے نہیں بجیا۔ میرے دل میں آپ کا احترام کچھ اس سے بھی سوا ہے۔ جتنا کہ ظاہر کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ نہ صرف بڑی بہن ہیں بلکہ بڑی پیاری سی دوست بھی ہیں۔''

''شکریہ۔ نوازش ہے آپ کی۔'' شفق کا مزاج ابھی تک معمول پر نہیں آیا تھا۔ انہوں نے آصف کا ہاتھ جھٹک کر پھر کہا۔

''ورنہ آپ تو خیر سے بڑے ہی نہیں اپنے پیروں پر بھی کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور اس قدر خود مختار اور بااختیار کہ آپ کے سامنے اپنے بڑوں کی رائے اور مرضی کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی۔''

''بجیا!'' آصف نے عاجزانہ سے انداز میں کہا۔

''پلیز۔ اب اس قدر سیریس بھی نہیں ہوئیے۔ یہ میری سرکشی نہیں' بلکہ میرا اپنا بھی تو کوئی آئیڈیا ہو سکتا ہے نا۔ میرا مطلب ہے۔

سنیے۔ اچھا ذرا بیٹھیے تو۔'' آصف نے خود ہی پکڑ کر اپنے بستر پر بٹھا دیا۔ اور خود بھی ان کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے بولے۔

''میں نے پہلے ہی دن پاپا کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ افشاں کے سلسلے میں مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ مگر میں خود کو ان کی اس خواہش کا احترام کرنے کے قابل نہیں پاتا۔'' شفق کا موڈ آف تھا۔ اس لیے انہوں نے آصف سے نہیں پوچھا کہ کیوں؟ مگر نظروں سے ضرور سوال کر دیا۔

''اس لیے بجیا کہ آپ نے اپنے اطمینان کو جو یہ تسلیم کر لیا ہے کہ افشاں چچی اماں کی ہی لڑکی ہے تو میں اس مفروضے کو ماننے کو تیار نہیں۔ میں پہلے تو یہی کہتا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس کی یادداشت اس وقت بھی نہیں گئی تھی۔ جب وہ ایک کسمپرسی کے عالم میں یہاں آئی تھی۔ اور نہ اب ہی اسے کوئی ایسی شکایت لاحق ہے اور اب میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں اس نے اپنی ہی کسی مصلحت کی وجہ سے یہ حافظہ گم ہو جانے کا ٹانک کھیلا اور اب تک کھیل رہی ہے۔ ورنہ آپ ہی بتائیے کیا وہ ایک نارمل انسان کی طرح کھانا نہیں کھاتی' کپڑے نہیں پہنتی' ہنستی بولتی نہیں۔'' شفق نے سوچا یہ حافظہ گم ہونے کی بات پر تو ایک دن انہیں بھی شک ہوا تھا۔

''اچھا تو یہ کہو کہ تم اسے اعظم چچا کی لڑکی نہیں سمجھتے لیکن یہ بات تو تمہاری طرح میں بھی دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ چچی اماں ہی کی بیٹی ہے اور اگر نہیں بھی ہے تب بھی انسان تو ہے۔ شریف تو ہے اور پھر ایک مثالی حسن کی مالک ہے۔ اتنی صفات ایک ہستی میں کم ہی جمع ہوتی ہیں سمجھے۔'' بھائی کی بات پر دل ہی دل میں قائل ہو جانے کے باوجود بھی شفق نے یہی کہا۔

''مگر ایسی صفات جو دوسروں کو ذرا بھی متاثر نہ کر سکیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔'' آصف نے بیزاری سے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر تو اس سلسلے میں تم سے کچھ کہنا ہی بیکار ہے۔'' شفق نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ تو جانتی ہیں بجیا' ہم ذرا الٹا دماغ رکھتے ہیں یعنی ناز اٹھاتے نہیں بلکہ اٹھواتے ہیں۔ اور ادھر محترمہ کو اپنی خوبصورتی پر کچھ زیادہ ہی ناز ہے۔ لیکن فور گوڈ سیک بجیا' اب یہ نہ کہیے گا کہ وہ بے چاری تو اپنے حواسوں میں ہی نہیں ہے۔'' آصف نے آخر اصل بات اگل ہی دی جسے وہ زبان پر لانا نہیں چاہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

رہے تھے۔

''ہاں میں یہی کہوں گی۔ اور تم جو اتنی دیر سے اصل بات گول کر کے الٹی سیدھی ہانک رہے تھے تو میری رائے میں تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اپنے اسی خیال پر سختی سے ڈٹے رہو کہ وہ تمہارے چچا کی بیٹی نہیں بلکہ حالات کا شکار ایک لاوارث اور گمنام ہستی ہے۔''

شفق نے ترخ کر کہا اور آصف کے کمرے سے نکل گئیں۔ اور ان کے جانے کے بعد آصف ایک الجھن میں پڑ گئے۔ شفق سے اپنی شیخی اور ترنگ میں کہنے کو کہہ دیا تھا کہ انہیں افشاں سے ذرا سی دلچسپی نہیں مگر نیت تو اسے دیکھتے ہی ڈانواں ڈول ہو گئی تھی۔ فطرتاً بھی بڑے رنگین مزاج تھے اور انہیں اپنی مردانہ وجاہت اور شاندار سی شخصیت پر بڑا زعم تھا۔ بلکہ وہ خود کو راجہ اندر سمجھتے تھے۔ اصل میں ان کے ساتھ کچھ اتفاقات بھی ایسے ہی ہوتے تھے کہ جہاں بھی جاتے جس محفل میں بھی شریک ہوتے ہمیشہ دوسروں کا مرکز نگاہ بنے رہتے خصوصاً لڑکیاں ان سے بڑی متاثر نظر آتیں۔ اسی وجہ سے مردوں سے زیادہ لڑکیوں سے ان کی دوستی تھی گو وہ افشاں کے بارے میں اب تک کسی قسم کی بھی کوئی رائے متعین نہیں کر سکے تھے۔ کیونکہ وہ اس کی دماغی حالت سے پورے طور پر مطمئن تھے نہ اس کی اصلیت کی طرف سے پریقین۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ افشاں سے اسی بات کے خواہاں تھے کہ وہ دوسری لڑکیوں کی طرح ان کے سامنے جھکے جبکہ افشاں کا رویہ ان کے ساتھ نہ صرف بے نیازانہ اور اجنبیت بھرا تھا۔ بلکہ اس کی اداؤں سے تھوڑی تھوڑی نخوت کا احساس بھی ہوتا تھا۔ اس نے انہیں وہ اہمیت بھی نہ دی تھی جو اپنے ہی گھر والوں کی نظروں میں ان کو حاصل تھی اور اسی وجہ سے وہ بھی افشاں سے بڑی بےرخی اور اجنبیت سے پیش آتے تھے۔ دن بھی اتنی تیزی سے گزر رہے تھے کہ چھٹیاں بھی ختم ہوئی تھیں اور یہ چوبیس پچیس دن زیادہ تر گھومنے پھرنے میں ہی گزر رہے تھے۔ اور اب شفق چاہ رہی تھیں کہ وہ اپنی چھٹی بڑھوا لیں۔ وہ بھی صرف افشاں کا دل بہلانے کی غرض سے آصف کو شفق کی اس بات پر کوفت بھی ہو رہی تھی۔ اور ہنسی بھی آ رہی تھی۔

آصف کی باتوں نے شفق کو بھی ایک تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ گو آصف کی طرح انہیں یہ شبہ تو نہ تھا کہ افشاں کا حافظہ گم نہیں ہوا یا وہ جان بوجھ کر مخبوط الحواس بننے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر یہ بات ضرور دل کو لگی تھی کہ وہ ان کی چچازاد نہیں ہے۔ اور اپنی کسی مصلحت کے تحت اپنی حقیقت چھپائے بیٹھی ہے۔ اور شفق کے خیال میں مصلحت صرف یہ تھی کہ اسے اپنے تحفظ اور پناہ کا مضبوط سہارا چھن جانے کا خدشہ لاحق تھا۔ بس اسی ڈر سے چپ سادھے ہوئے تھی۔ ورنہ اب تو گم صم ضرور رہتی تھی۔ پھر بھی بقول آصف باتیں ہوشمندوں اور سیانوں کی سی ہی کرتی تھی۔ گو شفق کی فطرت میں حد درجہ جستجو شامل تھی مگر... انہوں نے یہی سوچ کر کہ ایک دن وہ خود ہی اپنی اصلیت کو ان پر آشکارا کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اشارتاً بھی انہوں نے پھر اس سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ آصف کی باتوں نے بھی ان پر کوئی اچھا تاثر نہ چھوڑا تھا۔ وہ آصف کے کمرے سے بڑی برہمی کے عالم میں باہر نکلیں تو کہیں باہر سے آتے ہوئے عارف نے کوریڈور میں ان کا راستہ روک کر پوچھا۔

''یعنی یہ کہاں غائب تھیں آپ میں تو آپ کو سارے گھر میں ڈھونڈ آیا۔''

''یہیں تھی اور کہاں جا سکتی ہوں۔'' شفق نے بڑے کڑوے کسیلے لہجے میں جواب دیا۔

''خیر یہ تو نہ کہیے۔ کہیں جانے کا امکان تو کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔'' عارف نے شرارت بھرے انداز میں ان کی بات پکڑی اور اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے شفق نے اسے گھور کر دیکھا تو عارف نے سہمے سہمے انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

''مجھے تو یہاں کوئی بلی ولی بھی نظر نہیں آ رہی جو آپ کا راستہ کاٹ گئی ہو۔''

''تم اتنے بڑے بلے جو میرا راستہ روکے کھڑے ہو۔'' شفق جل کر بولیں۔

''ہائیں ہائیں۔ آپ نے تو میری ماہیت بھی بدل کر رکھ دی۔ آخر۔''

''بس بس زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ تم دونوں بھائی ایک ہی فطرت کے ہو۔ تم سیر تو وہ سوا سیر۔'' شفق نے غصے سے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''بے وزنی کی شکایت ہی ہمیں اس قدر کم وزن بنا سکتی ہے ورنہ یہ ترازو کی تول ہرگز نہیں۔ لیکن کیا یہ پوچھنے کی جرات کر سکتا ہوں کہ یہ طبع نازک پر سرخ آندھی کیوں چھائی ہوئی ہے۔'' عارف نے بڑی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے کہا نا کہ تم اس سرے وہ اُس سرے۔ اب زیادہ دماغ نہ چاٹو۔'' شفق کا موڈ سخت آف تھا۔ انہیں عارف کا راستہ روک کر بات کرنا بہت کھل رہا تھا انہوں نے بڑی اکتاہٹ سے کہا۔

''یہ دماغ چاٹنے کا محاورہ بھی کسی کی بڑی غلط ایجاد ہے۔ خیر یہ بتائیے کہ وہ کہاں ہیں آپ کی ایک عورت دو کہانیاں۔'' اپنی بات کہہ کر عارف نے پھر ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ امی جان کو کھانا کھلوا رہی ہیں۔ مگر تم باز نہیں آؤ گے نا اپنی بے ہودگیوں سے۔ کتنا منع کیا ہے کہ الٹے سیدھے ناموں سے اسے نہ پکارا کرو۔ وہ بے چاری کچھ نہیں کہتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی بے زبانی سے فائدہ اٹھاؤ۔'' شفق عارف کو لتاڑنے کے سے انداز میں بولیں۔ کیونکہ عارف افشاں کو اس کے سامنے بھی کبھی ایک عورت دو کہانیاں کہہ کر مخاطب کرتا تو کبھی حادثے کی پیداوار عرف پراسرار حسینہ۔ کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا اور افشاں تو مسکرا کر خاموش ہو جاتی مگر شفق فوراً ہی عارف کو ڈانٹنے لگتیں اور اب جو ایک دم ہی عارف کو پھٹکارا تو وہ کانوں کی لویں چھو کر بولا۔

''اُف خدا کی پناہ۔ زبان ہے کہ ایکسپریس چھکڑا میل جو چلتی بھی ہے تو ایسے جھٹکے دے دے کر کہ مسافر کے چھکے چھوٹ جائیں۔ اسی لیے تو بڑے لوگ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو کم ہی بولنا چاہیے۔ تاکہ دوسرے گھر جا کر اماں باوا کا نام روشن نہ کریں۔'' شفق کو عارف کی باتوں پر غصہ تو بہت آیا لیکن اس ڈر سے کہ مزید سخت سست کہنے کے نتیجے میں وہ جھاڑ کا کانٹا بن کر ان کے پیچھے پڑ جائے گا۔ انہوں نے اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''ہونہہ۔ تمہیں تو سوائے اونگی بونگی بولنے کے کچھ آتا ہی نہیں۔ چلو جا کر اپنے کپڑے بدلو اتنے میں کھانا لگوا رہی ہوں۔''

''اوہ۔ تو گولی خالی نہیں بڑی مرغن قسم کی ہے۔'' عارف ان کے ٹالنے کے سے انداز پر معنی خیز لہجے میں بولا۔

''کیسی گولی۔'' شفق نے چونک کر پوچھا۔

''کچھ نہیں کچھ نہیں۔'' عارف نے کہنا چاہا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"تم جاتے کیوں نہیں کپڑے بدلنے۔" شفق نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"جا رہا ہوں جا رہا ہوں۔ اُف آتے ہی ایسے کان کھائے جاتے ہیں کہ اچھا بھلا انسان بھی باؤلا ہو کر رہ جائے۔ میں تو آپ کا یہ انویٹیشن کارڈ لے کر آیا تھا۔ کہ سکون سے آپ کو دے دوں گا۔" عارف نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک لفافہ شفق کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کس نے بھیجا ہے۔" شفق نے وہ لفافہ جو شروع سے ہی عارف کے ہاتھ میں تھا اس سے لیتے ہوئے پوچھا۔

"بی۔اے تک یقیناً گھاس نہیں کاٹی ہوگی۔ خود ہی پڑھ کر معلوم کر لیجئے۔" عارف نے پوری سنجیدگی طاری کر کے کہا۔

"اُف سخت نامعقول ہو۔" شفق نے جواب میں اسی قدر کہا۔ اور جلدی سے وہ کارڈ لفافے سے نکال کر اس پر ایک نظر ڈالی۔

"یہ تم کرنل اظہر کے یہاں کیسے پہنچ گئے تھے۔" انہوں نے کارڈ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد کہا۔

"لیجئے یہ اور ہوئی یعنی آپ کو کارڈ لا کر دینا بھی گناہ ہو گیا۔ اور میں نائی نہیں آپ کا بھائی ہوں۔" عارف یوں بولا جیسے شفق کی بات اسے بہت بری لگی ہو۔ "شفق دوبارہ کارڈ کو دیکھنے لگی تھیں گھبرا کر بولیں۔

"اُف بڑے چرب زبان ہو۔ میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کہ آخر یہ آیا کہاں سے۔"

"ظاہر ہے کرنل اظہر کے یہاں سے آیا ہے اور کس کے یہاں سے آتا۔" عارف نے مسمسی صورت بنا کر جواب دیا تو شفق نے اسے گھور کر دیکھا ان کی جھنجھلاہٹ عروج پر تھی۔ عارف نے اسی میں خیریت سمجھی کہ صحیح بات انہیں بتا دے۔

"بھئی ظاہر ہے کہ کرنل صاحب کا ڈرائیور لایا تھا یہ کارڈ۔ وہ خود تو چل کر آنے سے رہے تھے۔" عارف نے بتایا تو شفق بولیں۔

"شکر ہے کسی کے یہاں سے بلاوا تو آیا مگر بہت ان ٹائم بلاوا دیا ہے۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ گول کر دوں مگر۔" شفق نے سوچنے کے سے انداز میں کہا اور پھر عارف سے بولیں۔

"کرنل کا اپنا بنگلہ کیا کم بڑا ہے۔ جو انہوں نے روبی کی سالگرہ کلب میں سلیبریٹ کی ہے۔ خیر بھئی ہم تو ضرور جائیں گے۔ فائیو تھرٹی شارپ۔ تو اس کا مطلب ہے کہ ایک تو بج ہی رہا ہے۔ پورے ساڑھے چار گھنٹے ہیں ہمارے پاس۔"

"کیوں کیا کہیں ڈاکہ واکہ ڈالنے کا ارادہ ہے۔" عارف نے ان کی باتوں پر متعجب سا ہو کر پوچھا۔ پہلے تو کبھی انہوں نے اس قدر ذوق و شوق سے کسی پارٹی میں شریک ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ جانے پر مشکل ہی سے آمادہ ہوتی تھیں۔ اب عارف کو کیا معلوم تھا کہ وہ صرف افشاں کو باہر کی ہوا کھلانے کی وجہ سے اس قدر شوق کا اظہار کر رہی ہیں یا پھر آصف کو نیچا دکھانا چاہتی ہیں عارف کو حیران حیران سا چھوڑ کر وہ کھانے کے کمرے میں آئیں تو گل کھانے کی میز پر پلیٹیں لگا چکا تھا۔ مگر اس وقت انہیں کھانے پینے کی کب پروا تھی۔ وہ تو جلد از جلد افشاں کو اس دعوت نامے کے بارے میں بتا دینا چاہتی تھیں مگر ایک تو افشاں ابھی تک صوفیہ بیگم کو کھانا کھلوا کر واپس نہیں آئی تھی اور دوسرے کھانے کا وقت بھی نکلا جا رہا تھا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر ایک تو اپنے پارٹی میں شرکت کرنے کے ارادے کو آصف سے راز رکھنا تھا اور دوسرے افشاں کو بھی چلنے کے لیے آمادہ کرنا تھا۔ اس لیے انہوں نے کھانا میز پر لگوا کر گونگ بجا دیا۔ سب کو کھانا کھلوانے کے بعد شفق فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئیں تو افشاں کو اس کے بستر پر گم صم سا بیٹھا دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"کیوں خیر تو ہے تم یہاں بیٹھی کیا سوچ رہی ہو۔ کھانا بھی تو تم نے ڈھنگ سے نہیں کھایا۔"

"میں آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ نے امی جان کے دوپٹے کے لیے بیل دینے کو کہا تھا نا؟" افشاں نے اپنی محویت سے چونک کر کہا۔

"ارے چھوڑو بیل ویل کو اور ذرا اپنے کپڑے تو دکھاؤ۔ شاید کوئی کام کی چیز نکل آئے۔" شفق نے بڑا اشتیاق دکھاتے ہوئے کہا۔

"کام کی چیز۔ مگر میرے پاس ایسی کیا چیز ہو سکتی ہے۔"

افشاں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تو وہ جھینپے جھینپے انداز میں بولی۔ اور شفق کو سمجھتے دیر نہ لگی کہ وہ عشرہ بیگم کا سامان دکھانے سے ہمیشہ کی طرح آج بھی ہچکچا رہی ہے کیونکہ اسے معلوم ہی نہیں کہ عشرہ بیگم کے دونوں صندوقوں میں کیا کیا چیزیں ہیں۔ انہوں نے ٹٹولنے کی غرض سے کہا۔

"بھئی یہ تو مان ہی نہیں سکتی ایک آدھ چیز تو ضرور ہوگی۔ یہ کہو کہ تم دکھانا نہیں چاہ رہیں۔"

"ایسا ہی ہے تو آپ خود دیکھ لیجیے مگر وہ کوئی چیز ہے جو آپ دیکھنا چاہتی ہیں۔" افشاں نے قدرے تردد کا اظہار کیا۔

"بھئی آج سہ پہر سالگرہ کے ایک جشن میں شریک ہونا ہے۔ خیر میں تمہارا سامان نہیں دیکھوں گی اور ضرورت بھی کیا ہے خود میرے پاس بڑی اچھی اچھی ساڑھیاں ہیں تم ان میں سے کوئی پسند کر لینا۔" شفق نے افشاں کو ہراساں دیکھ کر کہا۔

"میں پسند کر لوں۔ کیا آپ کے لیے؟" افشاں نے متحیر سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ اور کس کے لیے بھئی میرے ساتھ چلو گی کہ نہیں۔" شفق نے بہت گھما پھرا کر چلنے کی بابت کہا۔

"میں۔ میں چلوں گی۔" افشاں پریشان سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں ہاں بھئی کیوں نہیں چلو گی۔ تمہاری وجہ سے تو میں جا رہی ہوں۔ تا کہ تمہیں گھر سے باہر کی دنیا بھی دکھا لاؤں۔" شفق نے اپنی بات جتاتے ہوئے کہا۔

"لے لیکن بجیا بھلا میں کیونکر جا سکتی ہوں۔" افشاں گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

"کیوں کیا سر اور بانہوں کے بل جاؤ گی۔ جو جانا تمہیں مشکل لگ رہا ہے۔" شفق نے ہنس کر پوچھا۔

"نہیں۔ یہ بات تو نہیں۔ اصل میں میرا کہیں جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" افشاں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"مگر میرا دل تو چاہ رہا ہے کہ تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کم از کم میرا دل رکھنے کو ہی چلی چلو۔"

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

شفق نے اپنی بات میں تاثیر پیدا کرنے کی غرض سے کہا۔ افشاں تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''نہیں بجیا میرا دل کہیں بھی جانے کو نہیں چاہتا۔ خاص کر کلب وغیرہ تو بالکل نہیں۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ ہم کلب جا رہے ہیں۔'' شفق نے حیران ہو کر پوچھا۔

''میں نے ابھی ابھی وہ کارڈ دیکھا ہے۔'' افشاں نے بتایا۔

''ہوں تو تم کلب جانے سے گھبرا رہی ہو۔'' شفق دل ہی دل میں آزردہ سی ہو کر بولیں۔

''نہیں کلب ہی پر موقوف نہیں۔ میرا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہتا۔'' افشاں نے قدرے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ شفق اس کے جواب پر دل گرفتہ ہو کر بولیں۔

''سنو افشاں۔ یہ ضروری نہیں کہ رشتے داری اور کنبہ داری کے بغیر انسان کا دوسرے انسان سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا بلکہ ہم تو ابتدائے آفرینش سے انسانی ارتباط کی مضبوط زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہم سب کے سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں ایک دوسرے کے کام آنا، غمگساری کرنا اور دوسرے کی مدد کرنا تو یکساں طور پر بھی کا انسانی فرض ہے۔ اور میں اگر تم سے اتنی محبت بھی کرتی ہوں تو تم پر کوئی احسان تو نہیں کرتی۔ لیکن اتنا ضرور چاہتی ہوں کہ میرا یہ بے لوث سا جذبہ رائیگاں نہ جائے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم تمہیں میرا تھوڑا سا ہی دل رکھ لینا چاہیے تھا۔'' شفق کے لہجے میں آزردگی بھی تھی۔ اور شکایت بھی۔ جس کا شاید افشاں پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ وہ جھینپے جھینپے انداز میں مسکرا کر بولی۔

''آپ کا دل رکھنے کی بات ہے تو مجھے کوئی انکار نہیں۔''

''اچھا۔ کیا واقعی تم چلنے کو تیار ہو۔ اچھا ٹھہرو پہلے میں تمہارے لیے کپڑے نکال دوں۔'' شفق کی ساری آزردگی یک لخت دور ہو گئی۔ وہ خوش ہو کر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنی الماری کا رخ کیا۔ افشاں ان کے نام اس قدر عجلت دکھانے پر مسکرا کر بولی۔

''ارے ارے اتنی جلدی بھی کیا ہے بجیا۔ ابھی تو جانے میں بھی بہت وقت پڑا ہے۔''

''مگر تیار بھی تو ہونا ہے۔ ادھر کپڑوں کی سلیکشن تو سب سے کاردار چیز ہے۔'' شفق نے اپنی الماری میں ہینگر پر لٹکی ساڑھیوں کی قطار پر ایک ناقدانہ سی نظر ڈالی۔ پھر موسم اور تقریب کی مناسبت سے ہلکے کام کی گلابی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی نکالی۔ اور خود اپنے لیے بھی گلابی رنگ کا انتخاب کیا اور اس کام کے ساتھ ساتھ کرنل اظہر اور ان کی بیٹی کے بارے میں بھی اسے بتاتی رہیں کہ کرنل اظہر سے ان کے والد کی بہت پرانی دوستی ہے اور روبی ان کی مرحومہ بیوی کے بطن سے ہے۔ دوسری بیوی ایک تو مسلم عورت ہے جو کسی انگریز کمانڈر کی بیوی تھی مگر دوسری جنگ عظیم میں اس کا شوہر لڑائی میں کام آ گیا تو کچھ عرصہ بعد اس نے کرنل اظہر سے شادی کر لی اور انہی کی وجہ سے مسلمان بھی ہو گئی مگر کرنل اظہر بس نام کے ہی مسلمان ہیں۔ یعنی حد درجہ آزاد خیال اور ایڈوانس۔ روبی کو بھی انہوں نے بہت آزادی دے رکھی ہے۔ ایک ہی اولاد ہے اس لیے اسپوائلڈ ہو گئی ہے یا دوسرے معنوں میں آؤٹ آف کنٹرول خیر سے عاشق مزاج بھی ہے۔ ساری دوپہر شفق جانے کی تیاری میں مصروف رہیں۔ گو یہ ان کے لیے کسی پارٹی میں شامل ہونے کا پہلا موقع نہ تھا مگر افشاں بھی ساتھ جا رہی تھی اور سب سے بڑھ کر آصف کو سرپرائز دینے کا خیال تھا۔ اسی وجہ سے تو انہوں نے عارف کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ افشاں کو بھی ساتھ

لے جا رہی ہیں اور اسی وجہ سے وہ اتنی فوقیت جتا رہی تھیں۔ انہوں نے خود ہی بڑے شوق و لگن سے افشاں کو تیار کرایا تھا۔ میک اپ کی تو ایسے ضرورت ہی نہ تھی مگر شفق نے ہلکی سی آئی لائننگ کر کے نیچرل شیڈ کی چمکیلی سی لپ اسٹک ضرور لگا دی تھی۔ اور کانوں میں سچے موتیوں کی طلائی بالیاں گلے میں تین لڑی کا سچے ہی موتیوں کا نازک سا طلائی پینڈنٹ اور اس سج دھج کے ساتھ انہوں نے نظر لگ جانے کے ڈر سے..... افشاں کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھا تھا۔ ہاں اتنا کہا ضرور تھا۔

''وقت نہیں ہے ورنہ میں تم پر سے کالا دانہ ضرور اتروا لیتی۔'' لیکن افشاں اپنی تعریف پر زیادہ خوش نہیں ہوئی تھی۔ اس نے یہ جتنا بھی اہتمام کیا تھا شفق کی خوشی کے لیے کیا تھا اور بڑی بے دلی سے کیا تھا۔ اس وقت بہت خاموش اور گم صم سی نظر آ رہی تھی۔ شفق اسے تیار کر کے اور خود تیار ہو کر ماں کو بتانے ان کے کمرے میں پہنچیں تو عارف کو وہیں موجود پایا۔ اور اسے گھر کے کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر پوچھا۔

''کیوں تم نہیں چل رہے کیا؟''

''نہیں۔ میں بھی چلا گیا تو امی جان کے پاس کون رہے گا۔'' عارف نے منہ بنا کر کہا۔

''لیکن پھر یہ شفق کیسے جائے گی۔ تم تو پہلے بھی کئی مرتبہ مجھے تنہا چھوڑ کر جا چکے ہو۔ اور تمہارے پاپا بھی ابھی آتے ہی ہوں گے چلو اٹھو بہن کو چھوڑ کر آؤ۔'' صوفیہ بیگم نے کہا حالانکہ شفق نے ابھی ان سے کچھ کہا بھی نہ تھا۔ اصل میں افشاں کو ساتھ لے جانے کی خوشی میں وہ ماں سے اجازت لینا بھی بھول گئی تھیں۔ مگر صوفیہ بیگم بیٹی کے کہیں آنے جانے پر کبھی روک ٹوک نہیں کرتی تھیں کیوں کہ ان کی بیٹی کم ہی کہیں جاتی تھی۔

''مجھے صبح سے حرارت ہے امی جان۔ اس وقت جانے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ اور یہ خود بھی تو جا سکتی ہیں۔ انہیں ڈرائیونگ بھی آتی ہے اور ان کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی ہے۔'' عارف نے اور بھی نخرہ کیا۔ تو شفق واپس پلٹتی ہوئی بڑی کوفت کے عالم میں بولیں۔

''اچھا نہیں جاتے تو نہ جاؤ۔ کوئی تم ہی تو نہیں رہ گئے پہنچانے والے۔ میں آصف کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

''جائیے جائیے ضرور جائیے۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔'' عارف نے انہیں چڑانے کو بڑی متانت کہا جو صوفیہ بیگم کے کمرے سے باہر نکلتے نکلتے شفق نے بھی سن لیا۔ انہیں تو پہلے ہی عارف پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ وہ تو آصف کو کلب پہنچ کر چونکا دینا چاہتی تھیں۔ مگر عارف کی بدی کی وجہ سے انہیں اب آصف کے ساتھ ہی جانا پڑ رہا تھا۔ وہ بھنائی ہوئی آصف کے پاس پہنچیں تو وہ بھی وہاں موجود نہ تھے انہیں دیکھنے بھاگی بھاگی باہر آئیں تو انہیں اپنی کار سمیت غائب پایا البتہ گھر کی واکس ویگن پورچ کے آگے کھڑی دیکھی اصل میں اپنا انتہائی شوق پورا کرنے کو شفق نے ڈرائیونگ تو سیکھ لی تھی اور لائسنس بھی لے لیا تھا۔ مگر سب سے ایک ذرا سی چوک سے ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ وہ کار چلانے سے گھبرانے لگی تھیں مگر اس وقت تو وہی مثل ہو گئی تھی کہ قہر درویش بر جان درویش۔ دل پر جبر کر کے خود ہی جانا پڑ رہا تھا۔ ادھر وقت نکلا جا رہا تھا اور کلب پہنچنے کی بھی جلدی تھی۔ اور ادھر کمرے میں ساری چیزیں کھلی پڑی تھیں۔ شفق بھاگی بھاگی اندر آئیں۔ جلدی جلدی الماری اور وارڈ روب بند کیے اور افشاں کو ساتھ لے کر باہر آئیں تو دیکھا عارف سوٹ بوٹ پہنے بڑا بنا ٹھنا ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے

Urdu Photo.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے لگا ایسی بے نیازی سے مُسکرا رہا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ مگر اسے دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے شفق کا دل چاہا اسے پکڑ کر ٹھونک ڈالیں۔ لیکن وہ اس کی موجودگی کو نظر انداز کر کے خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ عارف نے ان کی طرف بالکل توجہ نہ دی۔ جلدی سے افشاں کے لیے پچھلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ اور افشاں کے اس نئے جلوے کو دیکھ کر جلدی جلدی آنکھیں جھپکا کر بولا۔

''بھئی آپ تو اس لباس اور حلیے میں کچھ عجیب الخلقت سی چیز نظر آ رہی ہیں۔''

''اچھا تو پھر مجھے کیا پہننا چاہیے تھا۔'' افشاں نے بُرا ماننے کے بجائے مُسکرا کر پوچھا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔'' وہ روکھا سا منہ بنا کر بولا۔

''لیکن وہاں پہنچ کر کم از کم ایسا تاثر ضرور پیش کرنا چاہیے تھا جیسے سیدھی میلے کپڑوں کی گٹھڑی میں سے نکل کر آ رہی ہوں۔'' عارف نے سنجیدہ بننے کی کوشش میں کچھ ایسی مضحکہ خیز شکل بنا کر کہا کہ افشاں ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔

''سنا آپ نے بجیا یہ عارف کیا کہہ رہے ہیں۔'' افشاں نے شفق کو بھی اپنی ہنسی میں شامل کرنا چاہا۔ مگر وہ تو منہ پھلائے بیٹھی تھیں انہوں نے سنی ان سنی کر دی۔

''آج گرج اور چمک کے ساتھ تند ہواؤں کے جھکڑ چلیں گے۔'' عارف نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر ان کے بگڑے ہوئے موڈ پر چوٹ کی اور افشاں پھر ہنسنے لگی۔ وہ..... نہ صرف کھل کر ہنس رہی تھی بلکہ باتیں بھی ایک دم نارمل لوگوں کی طرح کر رہی تھی۔ اور شفق سوچ رہی تھیں کہ اور کچھ نہیں تو اب وہ اس سے یہ ضرور معلوم کر کے رہیں گی کہ وہ کون ہے۔ یعنی ان کی چچازاد بہن ہی ہے یا کوئی اور۔ بس صرف یہی۔

کلب پہنچ کر افشاں کو بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ شفق تو ایسے ماحول کی عادی تھیں اور پورے نہیں تو آدھے مہمانوں سے واقف بھی تھیں۔ مگر افشاں کے لیے تو ہر چیز ہی نئی تھی۔ اجنبی اجنبی سی صورتیں، متجسس بیباک اور پر اشتیاق سی نگاہیں۔ چہ میگوئیاں، سرگوشیاں اور اس پر تعارف کراتے وقت شفق کے یہ کہنے پر کہ یہ میری کزن افشاں عظیم ہیں۔ ہر ایک کا یہ پوچھنا۔

''کیا وہی جن کو ریل کا حادثہ پیش آ گیا تھا۔'' یا پھر۔ ''اچھا یہ وہ ہیں جو آپ لوگوں کو ریل میں سے ملی تھیں۔'' اور اس کے ساتھ اپنی بے تحاشہ خوبصورتی کی تعریفیں۔ اس پر حد درجہ ایڈوانس لوگوں کی محفل، ہال کا خوبصورت اور خوابناک سا ماحول، زرق برق ملبوسات، رعنائی اور شباب چہار طرف حسن ہی حسن بکھرا نظر آ رہا تھا۔ مگر اس حسن میں بناوٹ کو زیادہ دخل تھا۔ اصل اور بے مثل حسن کا مرقع تو وہ خود ہی لگ رہی تھی مگر اس قدر ہراساں کہ بیٹھنا تک دوبھر ہو رہا تھا اس پر طاری گھبراہٹ کو شفق نے بھی تاڑ لیا تھا۔ اور نسبتاً ایک علیحدہ گوشے میں بچھی میز پر اسے لے کر بیٹھ گئی تھیں۔

عارف بھی جاتے ہی اپنے شناساؤں میں گھل مل گیا تھا مگر شفق کو تو آصف کی پڑی تھی جو سارے ہال میں نظریں دوڑانے کے باوجود کہیں نظر نہ آئے تھے مگر ڈانسنگ فلور پر جو چند جوڑے محو رقص تھے ان میں افزیہ کے ساتھ آصف بھی شریک تھے اور انہوں نے ان تینوں کو اسی وقت دیکھ لیا تھا جب شفق روبینہ کو اس کی سالگرہ کا تحفہ پیش کر رہی تھیں۔ ان کو ان دونوں کے آنے پر سخت اچنبھا بھی ہوا تھا مگر وہ یوں بن گئے جیسے انہیں کچھ خبر ہی نہ..... راؤنڈ ختم ہوا تو آصف افزیہ کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف بڑھ گئے۔

یہاں کرنل اظہر اور ان کی بیوی اپنے چند ہم عمر دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔ کرنل اظہر اور ان کی بیگم خاص طور پر بیٹی کی سالگرہ کی وجہ ہی سے کلب نہیں آئے تھے بلکہ کلب آنا تو ان کا روز کا معمول تھا۔ اور روبی نے اولڈ جنریشن کو مدعو بھی نہیں کیا تھا۔ وہ تو کرنل نے صرف اپنے ان دوستوں کو جو ان کی طرح بڑی پابندی سے کلب آتے تھے۔ اپنی طرف سے مدعو کر لیا تھا آصف نے نزدیک آ کر کرنل کو سلام کیا تو انہوں نے بڑی یگانگت سے پوچھا۔

''یہ تم کہاں غائب رہے آصف سنا ہے کافی دنوں سے یہاں ہو۔''

''جی ہاں انکل ایک ماہ کی چھٹی پر آیا تھا مگر بڑی پریشانی میں وقت گزارا۔ اس لیے کہیں نکلنا نہ ہو سکا آصف نے فوراً ہی بہانہ گھڑا۔

''ہاں سنا تو میں نے بھی تھا کہ تمہاری چچی حادثے کا شکار ہو گئیں۔'' کرنل بولے۔

''جی ہاں اور امی کو بھی ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔'' آصف نے گویا اپنی پریشانی کا بڑھا چڑھا کر اظہار کیا۔

''اچھا۔ لیکن اظہر نے تو مجھے نہیں بتایا۔ ویسے پچھلے دنوں وہ پریشان تو بہت رہے۔'' کرنل متاسف سے لہجے میں بولے۔

''اوہ ویری سیڈ۔ ہمیں معلوم ہوتا تو ہم ضرور ان کی مزاج پرسی کو آتے۔'' بیگم اظہر نے انگریزی میں کہا۔

''بس کچھ حالات ہی ایسے تھے آنٹی کہ ہم کسی سے بھی کچھ نہ کہہ سکے۔'' آصف قدرے افسردگی سے بولے۔

''ہاں۔ اور وہ تمہاری اس کزن کا کیا ہوا۔ سنا تھا اس کی یادداشت چلی گئی ہے۔ وہ تو اسپتال میں زیر علاج تھی نا۔'' بیگم اظہر نے پوچھا۔

''جی ہاں..... وہ تو بس ایک ہفتہ ہی ہسپتال میں رہی تھیں۔ اب تو ہمارے پاس ہی ہیں۔ اور ابھی تو شفق باجی کے ساتھ آئی ہیں۔ کیا آپ سے ملی نہیں۔''

''نہیں..... لیکن کہاں ہے وہ۔ تم اسے مجھ سے ضرور ملوانا۔'' بیگم اظہر نے بڑا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''اوئیس سرٹینلی۔'' آصف نے کہا۔ اور جلدی سے وہاں سے ٹل گئے۔ کیونکہ افزیہ جو دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ انہیں اشارے سے بلائے جا رہی تھی۔ آصف نے اسے کسی بہانے سے ٹالا۔ اور شفق کی میز کی طرف بڑھ گئے۔

''ہیلو ینگ لیڈیز۔ آپ کب آئیں۔'' انہوں نے تجاہل برتتے ہوئے بڑے شگفتہ انداز میں دونوں کو مخاطب کیا۔

''ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔'' شفق نے بتایا۔ ان کا لہجہ بڑا بے ربط تھا۔

''اوہ یُو آر لُکنگ سو ونڈرفل۔'' آصف نے یکا یک افشاں کی طرف مڑ کر انگریزی میں کہا۔ پھر ان کو اسی دم خیال آیا کہ ممکن ہے کہ وہ انگریزی نہ جانتی ہو۔ تو انہوں نے اردو میں اپنے فقرے کو دہرایا۔ اور افشاں کو کچھ دیر پہلے کی عارف کی گفتگو یاد آ گئی۔ وہ مسکرا کر بولی۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''شکریہ۔'' آصف اس کی مسکراہٹ کو اس کی نخوت کا کوئی انداز سمجھے یا پھر انہیں اس کا شکریہ ادا کرنا اچھا نہ لگا۔

''آج تو آپ بالکل نارمل نظر آ رہی ہیں۔'' آصف نے چوٹ کرنے والے انداز میں کہا۔

''لیکن یہ تو عرصے سے نارمل ہو چکی ہیں۔ آج ہی کی کیا خصوصیت ہے۔'' شفق نے کہا۔

''اچھا تو پھر ان سے مزید انکشافات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ کیوں بھئی افشاں کیا اب بھی اپنے ماضی کا پردہ چاک نہیں کریں گی۔'' شفق کی بات کا جواب دے کر آصف نے بڑے چبھتے لہجے میں افشاں کو مخاطب کر کے پوچھا تو شفق بڑی ناگواری سے بولیں۔

''یہ بھلا کون سا موقع ہے آصف ایسا موضوع چھیڑنے کا۔ میں تو یہاں تھوڑا سا چینج کرنے کے لیے آئی تھی۔ اور تم ہو کہ خواہ مخواہ بور کر رہے ہو۔'' شفق نے اپنی بات کہہ کر افشاں کی طرف دیکھا جس کے چہرے سے گھبراہٹ اور خفت کے آثار صاف نمایاں تھے۔

''اوہ ویری سوری۔ اچھا ہم چلتے ہیں۔ آپ دل بھر کے انجوائے کیجیے۔'' آصف کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔ شفق نے کوئی جواب نہ دیا۔ آصف چلے گئے۔ تو شفق دل ہی دل میں ان کی باتوں پر حیران ہوتی رہیں۔ انہوں نے کچھ عجیب و غریب مظاہرہ بھی تو کیا تھا۔ اور خود ہی خواہ مخواہ نخرہ کر کے چلے گئے تھے۔ مارے خفت اور افسوس کے شفق سے کچھ کھایا بھی نہ جا سکا۔ افشاں بھی آصف کے طرز عمل سے بڑی شرمندہ سی نظر آ رہی تھی۔ اسی دم کیک کاٹنے کی رسم ادا ہونے لگی۔ تو سارے مہمان کھڑے ہو کے رہ گئے۔ شفق زبردستی افشاں کو ناشتے کی میز تک تو لے آئی تھیں مگر اس نے کچھ لیا پیا نہیں۔ شفق نے بھی بس برائے نام ہی کھایا اور جلدی سے افشاں کو لے کر اپنی اسی جگہ پر آ بیٹھیں۔ کھانے کے بعد گانے کا پروگرام تھا۔ ڈانسنگ فلور کے پیچھے بنے ڈائس پر ایک میوزیشن گروپ آ کر بیٹھا اور پاپ میوزک بجانے لگا تو چند نوجوان جوڑے بے اختیار ہو کر ڈانسنگ فلور پر رقص کرنے لگے۔ اور شفق نے دیکھا کہ ان ڈانس کرنے والوں میں آصف بھی شریک تھے۔ جو افزیہ کو اپنی بانہوں میں لیے ناچ رہے تھے۔

وہ ان کے سامنے کیسی بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ عارف بھی خوب اچھی طرح گپ شپ کر کے آ گیا تھا۔ شفق نے اس کے آتے ہی گھر چلنے کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا۔

''ارے ابھی سے بجیا۔ ابھی تو گانے کا پروگرام ہے۔''

''کمال ہے یہ گانے کا پروگرام بھی کیسے غلط وقت رکھا گیا ہے۔ پتا بھی ہے اس وقت ساڑھے سات بج رہے ہیں۔ اور ابھی تک گانا شروع ہونے کے دور دور تک آثار نہیں۔ کس وقت شروع ہو، کس وقت ختم۔ اس سے تو اچھا تھا کہ روبی ڈنر ہی دے دیتی۔'' شفق نے گھڑی میں وقت دیکھ کر بڑی کوفت کے ساتھ کہا جن کی طرف برابر ان کا دھیان لگا ہوا تھا۔

''اصل میں کنجوس لوگ ہیں۔ صرف چائے پارٹی پر ہی ٹرخا دیا۔ لیکن گانے کا پروگرام زیادہ دیر نہیں کیونکہ کلب کے اپنے ناممگر ہوتے ہیں اور کوئی پروفیشنل تو آ نہیں رہے۔ بس یوں سمجھیے کہ گھر کے لوگ ہی گا بجا لیں گے۔'' عارف نے پروگرام کی تفصیل بتائی۔ اصل میں گانا سننے کو اس کا دل چاہ رہا تھا۔

''گھر کے لوگ کون؟'' شفق نے تعجب سے پوچھا۔

''یہی کرنل مظہر ان کی بیوی اور مسٹر اینڈ مسز نعمانی۔'' عارف نے بڑی متانت سے کہا۔ مسٹر نعمانی کرنل اظہر کے دوستوں میں سے تھے۔ موڈ آف ہونے کے باوجود شفق کو عارف کی بات پر ہنسی آ گئی اور افشاں بھی مسکرانے لگی۔

''بھئی ہنسیے افشاں باجی۔۔۔ تبسم اور گریہ وزاری دنیا میں یہی دو چیزیں ایسی ہیں جن کا اسراف انسان بغیر کسی ٹیکس اور پابندی کے بے دریغ کر سکتا ہے۔'' عارف نے افشاں کے پھیکے پھیکے سے مسکرانے کے انداز پر اسے ٹوکا۔

''اب اس بے چاری کو تو معارف ہی رکھو اور مجھے گھر چھوڑ آؤ۔ امی اکیلی ہوں گی۔'' شفق بے زار سے انداز میں بولیں۔

''وہ تو بڑی دیر سے اکیلی ہیں۔ پاپا شاید ان کی وجہ سے ہی نہیں آئے۔'' عارف گھر جانے کے سوال کو ٹالتا ہوا بولا۔

''نہیں، ان کو انوائٹ ہی کب کیا گیا تھا۔'' شفق نے کہا۔ عارف ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے سامنے رقص کرتے ہوئے جوڑوں کو دیکھ کر بولا۔

''یہ بھائی جان تو آج فال آف رومن امپائر کے ہیرو بنے ہوئے ہیں۔ اب تو میں بھی ڈانس سیکھوں گا۔''

''ہاں ہاں ضرور بھائی کے نقش قدم پر چلنا تو عین خوش نصیبی ہے۔'' شفق نے چوٹ کرنے کے سے انداز میں کہا۔

''بے شک وہ آپ نے سنا نہیں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔'' عارف شفق کو چڑانے کی غرض سے بولا اور شفق جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ اچانک ہی رقص بند ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہال کی ترتیب بدل گئی۔ مہمان اپنی اپنی نشستوں کا رخ اسٹیج کی طرف موڑ کے گانا سننے کے لیے بیٹھ گئے اور ہال میں خاموشی چھا گئی۔ صرف روبی اس کی ایک دو سہیلیوں کی جو گانا جانتی تھیں آصف اور افزیہ کی آوازیں ہی سنائی دیتی رہیں جو آپس میں گانا سنانے میں پہل کرنے پر تکرار کر رہے تھے۔ آخر تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی گانا سنانے پر آمادہ ہو گئی۔ میوزیشن گروپ میں سے ایک گٹار نواز ڈائس پر آ کر کھڑا ہو گیا اور آصف نے الیکٹرک آرگن بجانا شروع کر دیا۔ روبی کی سہیلی نے اپنی باریک سی آواز میں فریدہ خانم کا گایا ہوا ایک پرانا گیت گانا شروع کیا۔

جیا گائے تارا رارم۔

''اوہ پچ معلوم ہو رہا ہے خمیرہ گاؤزبان بہ ہمراہ شربت بزوری حلق سے اتارا جا رہا ہو۔'' عارف نے برا سا منہ بنا کر فوراً ہی گانے پر تنقید کی۔ وہ لڑکی گانا گا چکی تو روبی کے ایک بوائے فرینڈ نے چند مزاحیہ لطیفے پیش کیے۔ پھر اس کے بعد سارے لڑکے اور لڑکیاں آصف کے پیچھے پڑ گئے کہ وہ بھی کوئی گانا سنائیں۔ آصف کچھ دیر تو نخرے ہی کرتے رہے مگر پھر گانے کے لیے آمادہ ہو کر الیکٹرک آرگن کے سروں پر انگلیاں پھیرنے لگے اور سب نے چیخ چیخ کر فرمائش کی۔

''غزل ہو جائے غزل آصف۔'' تب آصف نے بڑی خوبصورت لے میں ایک غزل چھیڑی۔

ناز تھا جس پر ایک مدت سے آج وہ شیشہ ٹوٹ گیا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ٹوٹ گئیں اب ساری امیدیں دل بھی اپنا ٹوٹ گیا
اف رے جوانی' ہائے یہ عالم ان کی نشیلی آنکھوں کا
جس نے انہیں مے خانے میں دیکھا ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا

''ان ٹو کسی کیٹنگ آئیز۔ اوہ بجیا پھر تو وہ کوئی بہت ہی بدہیبت چیز ہو گی جو ساغر بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا۔'' عارف نے بڑے سہمے سہمے سے انداز میں آہستہ سے کہا۔

''اُف چپ بیٹھ کر سنو عارف تمہارے کمنٹس پر کسی کو بھی ہنسی نہیں آ رہی۔'' شفق نے بیزاری سے ٹوکا اور افشاں مسکرانے لگی۔

بھولنے والے میری قسم تو پھیر نہ نظریں بہر خدا
شیشۂ دل نازک ہے، بہت نظروں سے گرا اور ٹوٹ گیا

آصف جو مسلسل...گا رہے تھے انہوں نے یہ شعر گایا تو عارف نے مسکراتی ہوئی افشاں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''لیجیے سن لیجیے اچھی طرح وہ یہ بھی صاف بتا رہے ہیں کہ ان کی جیب میں کنگھے کے ساتھ ساتھ شیشہ بھی رہتا ہے۔'' اور افشاں تو افشاں شفق کو بھی عارف کے اس شریر سے فقرے پر ہنسی آ گئی۔

''مگر واہ رے شاعر کی محبوبہ کی آنکھیں بھی نہ معلوم کس خاصیت کی تھیں جو نشیلی بھی تھیں اور توڑ پھوڑ کرنے والی بھی۔'' عارف نے پھر ٹکڑا لگایا۔

''بس اب خاموش بھی رہو۔ گانے کا مزہ ہی کرکرا کر کے رکھ دیا۔'' شفق نے اسے گھر کا۔ ادھر آصف بھی گانا ختم کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حالانکہ سب اصرار ہی کرتے رہ گئے کہ کوئی اور گانا سنائیں۔ آصف ڈائس سے اتر کر شفق کے پاس آ گئے۔

''کہیے اب تک کچھ انجوائے بھی کیا آپ نے۔'' انہوں نے آہستہ سے شفق سے پوچھا۔

''ہاں بہت۔ مگر خدا اس سے زیادہ نہ کرائے۔'' شفق نے ان کے رویے پر چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

''چلیے شکر ہے آپ کی مراد اتنی جلد پوری ہو گئی۔'' ان کے فقرے کو نظر انداز کر کے آصف نے ان کی افشاں کو گھمانے پھرانے کی خواہش پر الٹی چوٹ کی۔

''کیوں کیا آپ کا گانا سننے کے لیے بجیا نے کوئی منت ونت مانی تھی؟'' عارف جو ان کی نوک جھونک کی وجوہات سے لاعلم تھا اس نے مذاقاً پوچھا۔

''ابھی تک تو نہیں مانی تھی مگر اب ضرور مان لیں گی۔'' آصف نے چھیڑ کے سے انداز میں مسکرا کر کہا۔

''اتنے تو خوبصورت بھی نہیں ہو۔ بس اب زیادہ نہ اتراؤ۔'' شفق نے چیخ کر کہا۔

''اوہ۔ آیئے آیئے افزیہ باجی! یہاں آپ کا ہی ذکر خیر ہو رہا تھا۔'' عارف نے افزیہ کو ایک دم ہی سر پر کھڑے دیکھا تو جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔ آصف بھی اخلاقاً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور شفق نے عارف کی بات پر گھور کر اسے دیکھا۔

''ہائے میرا ذکر ہو رہا تھا مگر کس سلسلے میں۔'' افزیہ نے بیٹھنے کے بجائے کھڑے کھڑے بہت اٹھلا کر پوچھا۔

''بس یہ بھائی جان کہہ رہے تھے کہ آپ گاتی تو بہت اچھا ہیں۔ مگر ایک مخصوص کمرے میں۔'' عارف نے روکھا سا منہ بنا کر کہا تو افزیہ ہنسنے لگی اور اس کے ایک دھپ لگا کر جھنجھلاتی ہوئی بولی۔

''اوہ ڈونٹ بی کریزی۔'' پھر شفق کی مزاج پرسی کر کے اس نے افشاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہو از شی مسز شوکت؟'' تو آصف نے جن کی تمام تر توجہ افشاں کی طرف تھی جو بڑی خاموش اور الگ تھلگ سی بیٹھی تھی۔ افزیہ کا تعارف اس سے کرایا۔

''یہ قسمت سے میری کزن واقع ہوئی ہیں۔'' آصف نے کہا تو مزاح کے طور پر تھا مگر شفق ان کے اس فقرے کا مطلب اچھی طرح جانتی تھیں۔

''اوہ۔ اچھا ہائی۔'' افزیہ نے معنی خیز سی نظروں سے آصف کی طرف دیکھا' پھر افشاں سے بولی۔

''آپ کے بارے میں جتنا کچھ سنا تھا آپ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ثابت ہوئیں۔''

''شکریہ۔'' افشاں نے بے حد روکھے طریقے سے کہا۔ لیکن افزیہ افشاں کی خوبصورتی سے بہت متاثر نظر آ رہی تھی۔ ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے اس نے پھر کہا۔

''آپ کے ساتھ جو ٹریجڈی ہوئی ہے اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔''

افشاں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا کیونکہ آصف کی تمام تر توجہ اس کی طرف مبذول تھی اور وہ تھوڑی تھوڑی گھبرا رہی تھی۔ شفق نے فوراً ہی موضوع پلٹ کر افزیہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ حالانکہ افزیہ کو زیادہ منہ لگانے کو ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''آپ نے تو سنا ہے کہ پچھلے دنوں سوئمنگ کے بڑے بڑے مقابلے جیتے ہیں۔''

''بس جی مقابلے کیا جیتے ہیں یہاں تو ہر چیز بورنگ ہے۔ اگر یہ کلب نہ ہوتا تو پھر تو شاید میں پاگل ہی ہو جاتی۔'' افزیہ اپنی فوقیت جتاتی ہوئی بولی۔

''اچھا تو کیا کلب سے باہر کی فضا میں ایسے جراثیم بھی پائے جاتے ہیں۔'' عارف نے فوراً ہی اس کی بات پکڑی۔

''تم تو چپ ہی بیٹھے رہو۔ یونانی بوائے۔ ہمیشہ شرارت ہی کرتے ہو۔'' افزیہ نے بڑے دلار سے ڈانٹا۔

''اچھا بھئی اب چلنا چاہیے۔ دیر ہو گئی۔ نو بھی بج چکے۔ امی جان ہماری طرف سے فکر مند ہوں گی۔'' شفق نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کے ساتھ ساتھ سبھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اچھا مسز شوکت آپ سے تو آج ڈھنگ سے بات ہی نہ ہو سکی۔ کبھی ہمارے یہاں بھی تو آیئے نا۔'' افزیہ نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

''اچھا کسی دن آ ہی جاؤں گی۔'' شفق بھی روادارانہ انداز میں بولیں۔

''نہیں۔ پہلے وعدہ کیجیے آپ ہمیشہ یہی کہہ کر ٹال دیتی ہیں اور ہاں۔ اپنی ان کزن کو بھی ساتھ لایئے گا۔ یہ تو ابھی آپ کے ہاں کچھ عرصہ رہیں گی نا؟'' افزیہ نے اصرار کرنے کے انداز میں کہہ کر پوچھا۔

''ہاں.....اور میں ان کو لے کر ضرور آؤں گی وعدہ رہا۔'' شفق اس کے خلوص بھرے اصرار کو نظر

READING Section
UrduPhoto.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اندازہ نہ کرسکیں۔ پھر افزیہ ان سے اور افشاں سے ہاتھ ملا کر چلی گئی تو آصف بھی اس کے ساتھ چلے گئے اور شفق افشاں کے ساتھ روبی سے جانے کی اجازت لینے بڑھیں تو شفق عارف سے بولیں۔

"سنا تم نے عارف! افزیہ مجھے مسز شوکت کہہ کر مخاطب کر رہی تھی۔"

"مخاطب کر رہی تھیں تو کیا کچھ غلط کر رہی تھیں حد ظاہر ہے آپ تو...." عارف بولا۔ شفق نے تیزی سے عارف کی بات کاٹی۔

"تمہیں تو سوائے بیہودگی کے کچھ آتا ہی نہیں ورنہ معلوم بھی ہے۔ ان لوگوں نے سب میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ انہوں نے دوسری شادی کر لی ہے اور ان کی بیوی ان کے والدین کے پاس انڈیا میں ہے۔" شفق ایک دم ہی افسردہ سی ہو گئیں۔

"ارے نہیں۔ آپ اس قدر دل چھوٹا نہ کیجیے۔ یہ محض ایک افواہ ہے۔ ورنہ شوکت بھائی۔" عارف نے شفق کی افسردگی کو دور کرنے کی غرض سے ان کی بات کو مذاق میں اڑایا تو شفق کو پھر اس کی بات کاٹنی پڑی۔

"تم واقعی سخت نامعقول ہو۔ میں اس وجہ سے تھوڑی کہہ رہی تھی۔" شفق جھنا کر بولیں اور غصے میں آگے بڑھ گئیں روبی سے اجازت لے کر یہ تینوں باہر آئے تو آصف کو باہر لابی میں اپنے انتظار میں کھڑے پایا۔

"تمہارا ابھی ارادہ نہیں گھر چلنے کا؟" شفق نے ان پاس رک کر ان سے پوچھا۔ افشاں اور عارف کو بھی ان کی وجہ سے رک جانا پڑا مگر افشاں پر ان کی وجہ سے پھر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ آصف بات شفق سے کر رہے تھے لیکن دیکھ اس کی طرف رہے تھے۔ اور پھر بولے اچانک طور پر ان کے دل میں اس سے تنہائی میں بات کرنے کی خواہش جاگی تو شفق کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے شفق سے آہستہ سے کہا۔

"بجیا ایک چھوٹی سی درخواست ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو افشاں کو میں اپنے ساتھ گھر لے چلوں۔" بڑا عجیب و غریب انداز تھا آصف کی درخواست گزارنے کا۔ شفق نے بڑی تیکھی نظروں سے انہیں دیکھا اور بولیں۔

"نہیں.... سوری ڈیر وہ افزیہ نہیں جو تمہاری تفریح کا ذریعہ بن سکے۔" اور آصف جھینپ کر چپ ہو گئے۔

شفق اپنی کار میں گھر روانہ ہوئیں تو ان کے چہرے پر ایک فاتحانہ سی مسکراہٹ تھی اور دماغ خیالات کے تانے بانے بن رہا تھا۔ آصف ایسی بے جا خواہش کر کے کیا اس لڑکی کی بے کسی اور بے بسی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ یا پھر آن کی آن میں انہیں اس سے دلچسپی پیدا ہوئی کہ وہ اسے ساتھ لے جانا چاہ رہے تھے۔ آخر انہیں یہ جرات کیسے ہوئی کہ ایک تو ایسی خواہش کر بیٹھے اور دوسرے کلب میں بھی انہوں نے میرا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا۔ کیسے مزے سے افزیہ کی کمر میں ہاتھ ڈالے ناچتے رہے۔ شفق آصف کی اس روش پر حیران بھی تھیں اور متاسف و ملول بھی۔ وہ سارے راستے اپنے انہی خیالوں میں الجھی رہیں۔ افشاں کی تو خاموش رہنے کی عادت ہی تھی مگر عارف بھی خلاف معمول بہت خاموش تھا۔ گھر پہنچتے ہی لباس تبدیل کر کے دونوں اپنے اپنے کاموں میں لگ گئیں۔ اور عارف اپنے کمرے میں

چلا گیا۔ عارف کا خیال ٹھیک ہی تھا مجر صاحب صوفیہ بیگم کی تنہائی کے خیال سے گھر ہی میں تھے۔ کل نے اپنے دونوں آقاؤں کو کھانا کھلوا دیا تھا اس لیے شفق اور افشاں کو اپنے کاموں سے جلدی فرصت مل گئی۔ افشاں حسب عادت خاموش اور کھوئی کھوئی تو ہمیشہ ہی رہتی تھی مگر اس دن تو اس کی خاموشی میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ دونوں سونے کے ارادے سے اپنے اپنے بستروں پر لیٹیں تو افشاں نے دھیمی سی آواز میں کہا۔

"بجیا ایک بات پوچھوں؟" اس کے لہجے میں تھوڑی ہچکچاہٹ تھی۔

"ہاں ضرور پوچھو۔" شفق نے اس کی ہچکچاہٹ کو دور کرنے کی غرض سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ شوکت صاحب کون ہیں؟" افشاں نے تکیے پر کہنی کا سہارا لے کر غور سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

شفق نے کچھ دیر توقف کیا پھر ہلکے سے مسکرا کر بولیں۔

"خوش قسمتی یا بدقسمتی سے میرے شوہر ہیں۔"

"اچھا؟ یعنی آپ شادی شدہ ہیں؟" مارے حیرت کے وہ چیختی ہوئی بولی۔

"ہاں کسی حد تک۔ یعنی پورے طور پر نہیں تو آدھے تو ضرور۔" شفق قدرے سنجیدگی سے بولیں اور ان کے پورے طور پر افشاں کو ہنسی آ گئی۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس نے اپنی ہنسی پر قابو پا کر پوچھا تو شفق نے مختصر الفاظ میں اسے ساری بات بتادی۔

"افسوس یہ تو بڑی زیادتی ہے ان لوگوں کی۔ ظلم ہی ہے۔" افشاں نے تاسف سے کہا اور اسی دم شفق کو خیال آیا وہ بالکل نارمل لوگوں کی طرح بات کر رہی ہے جبکہ آج تک اس نے خود کسی بات کی ابتدا نہ کی تھی بھی کسی بات میں اپنا تجسس نہ دکھایا تھا۔ البتہ کوئی خود اس سے بات کرتا تو جواب ضرور دیتی تھی مگر بے حد مختصر اور نپا تلا سا جیسے لفظوں کو تول تول کر بول رہی ہو۔ کلب میں بھی وہ شفق کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کرتی رہی تھی۔ سارے گھر میں ایک عارف کی ہستی ایسی تھی جس کی مزاح باتوں پر نہ صرف ہنستی تھی بلکہ ایک آدھ بات بھی کر لیتی تھی۔ اور عارف نے بھی ہنسی میں اپنی کوشش کے دکھ بھلا دیے تھی کہ اس سے کچھ اگلوا سکے مگر نا کام ہی رہا تھا۔ ادھر آصف کی اس بات میں قیاس آرائی کہ وہ بالکل ٹھیک تھی اب ہے اس وقت کی صورت حال کے پیش نظر شفق کو کچھ قائل سا کر گئی۔ انہی سب باتوں کو مدنظر رکھ کر انہوں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"تم بھی اگر برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں۔" مگر ان کی توقع کے مطابق افشاں نے ان کی طرح یہ نہیں کہا کہ ہاں ہاں ضرور پوچھیے۔ بلکہ چہرہ تھوڑا جھکا کر یوں بیٹھ گئی جیسے انہوں نے کوئی مشکل سا سوال کر دیا ہو۔ شفق اس کے جھکے ہوئے چہرے پر نظریں جمائے اس کے جواب کی منتظر ہی بیٹھی رہیں جب بہت سے صبر آزما لمحے ان کے جذبہ شوق کو بھڑکاتے ہوئے ان کو چھو کر گزر گئے اور انہیں جواب نہ ملا تو انہوں نے اسے جتانے کے سے انداز میں کہا۔

"اب یہ تو تم ہرگز نہیں کہہ سکتیں کہ تمہاری دماغی کیفیت...." اپنی بات کہتے کہتے معاً انہیں اپنے لہجے کی ترشی اور درشتی کا احساس ہوا تو انہوں نے نرمی سے کہا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''سنو افشاں! میں نے تو تم سے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ میں تمہیں کسی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گی اور اسی وجہ سے میں اب تک تمہاری طرف سے اندھیرے میں ہوں۔ سنو..... اگر ہم ایک دوسرے کے لیے غیر۔ اور اجنبی بھی ہیں تب بھی اتنے دن ساتھ رہنے کی وجہ سے ہمارے درمیان خلوص کا ایک رشتہ قائم ہو گیا ہے اور پھر میرے خلوص میں تمہیں کوئی کمی نظر آتی ہے یا خود مجھ میں کوئی خامی ہے جو میری کوئی بات بھی تمہیں متاثر نہیں کرتی۔'' شفق نے بڑے دل گرفتہ سے انداز میں گلہ سا کیا مگر افشاں خاموش ہی رہی۔ اس نے اپنا جھکا ہوا چہرہ اونچا کر کے شفق پر نظریں جما دیں۔

''کیا سوچ رہی ہو افشاں! کیا میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔'' شفق نے اس کے اس طرز عمل پر زچ ہو کر کہا۔

''یہ آپ نے میرا نام کیوں بدل دیا باجیا۔ کیا حالات کے ساتھ ساتھ نام بھی تبدیل کر دیے جاتے ہیں؟'' افشاں نے بدستور شفق کے چہرے پر نظریں جمائے جمائے بڑے چبھتے سے لہجے میں پوچھا۔ اس نے پہلی بار اپنے بارے میں لب کشائی بھی کی تو بھلا کس طرح؟ پوچھا بھی تو بھلا کیا کہ شفق گڑبڑا کر رہ گئیں انہوں نے انجان بن کر پوچھا۔

''کیا مطلب...... کیا تمہارا نام افشاں نہیں ہے؟ بھئی جلدی سے بتاؤ۔ پھر تمہارا کیا نام ہے۔'' شفق کے پوچھنے کا انداز کچھ بے تکا سا تھا مگر انہوں نے تو اس لیے موڑ توڑ کر سوال کیا تھا کہ شاید اس طرح وہ اپنی حقیقت آشکارا کر دے۔

''یعنی آپ کا میرا نام بھی معلوم نہیں۔ ہونہہ یہ بھی خوب ہے کہ ایک طرف تو آپ خلوص و پیار کے خزانے لٹاتی ہیں، اپنا کہتی ہیں۔ اپنا پن کر دکھاتی ہیں اور دوسری طرف میری اصلیت کی طرف سے مشکوک ہیں۔ مجھ سے استفسار کرتے ہوئے کتراتی ہیں اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی ہیں کہ میں وہ نہیں ہوں جس کا آپ کو انتظار تھا۔'' افشاں ایک زہر خند سے بولی۔ اس کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔ شفق پر ندامت کے ساتھ ساتھ حیرت کا غلبہ ہونے لگا۔ اپنی جھینپ مٹانے کو انہوں نے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔

''تو تم نے میرے خلوص کو میرے دوغلے پن سے تعبیر کیا ہے۔ تعجب ہے خلوص اس قدر ارزاں بھی ہو سکتا ہے۔''

''آپ کے خلوص نے ہی آج مجھے قوت گویائی بخشی ہے باجیا اور میں نے تو آپ سے صرف ایک چھوٹا سا سوال کیا تھا کہ آپ نے میرا نام کیوں بدل دیا ہے۔ وہ بھی اس لیے کہ آپ بخوبی میرے نام سے واقف ہیں۔ شاید میرا نام بدلنے میں آپ کی کوئی مصلحت ہو گی۔'' افشاں اپنی بات کہنے میں ذرا بھی نہیں جھجکی۔

''نہیں، مصلحت کیسی۔ تم نے خود ہی تو اس روز جب تم یہاں آئی تھیں یہی نام ہمیں بتایا تھا۔'' اصل میں شفق چاہ رہی تھیں کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنا نام بتائے اور وہ بھی کرا ٹالان سے پوچھ رہی تھی۔

''اس روز تو میں اپنے ہوش میں ہی نہ تھی اور اس روز پر ہی کیا موقوف اس کے بعد کئی روز تک میرے حواس بحال نہیں ہوئے تھے۔ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میں کہاں ہوں۔ خود کیا ہوں اور میرے اوپر کیا قیامتیں ٹوٹ پڑی ہیں۔'' افشاں نے اپنی بات کہہ کر قدرے توقف کیا پھر خود ہی بولی۔

''بہر حال..... اب تو کچھ عرصے سے میری دماغی کیفیت معمول پر آ چکی ہے اور اب میں اپنا اصلی نام بھی آپ کو بتائے دیتی ہوں۔'' اس نے بات کرتے کرتے رک کر مسکراتی نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں بتاؤ۔'' شفق نے بے تابانہ کہا۔

''میرا نام طوبیٰ ہے باجیا۔ آپ آئندہ مجھے اسی نام سے پکاریے گا۔''

''طوبیٰ۔'' شفق نے پہلے یہ نام آہستہ سے دہرایا اور پھر قدرے اونچی آواز میں اور اس کے ساتھ ہی پلنگ کی طرف سرک کر انہوں نے پیر فرش پر جما دیے۔

''کیا واقعی تم طوبیٰ ہو اور اس کے باوجود اتنے اطمینان سے تکیے سے لگی بیٹھی ہو۔ آؤ اٹھو۔ میرے گلے سے لگ جاؤ۔ میں تو تمہاری جستجو میں ایک دن بھی سکھ کا سانس نہیں لے سکی۔'' شفق حد درجہ جذباتی ہو رہی تھیں وہ اپنے بستر سے اٹھیں تو طوبیٰ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس سے اس کی خوبصورت آنکھوں کی پتلیوں میں ایک تموج سا آیا تھا دونوں ایک دوسرے کے گلے لگیں تو یونہی کھڑے کھڑے دیر تک آنسو بہاتی رہیں۔ بڑی خاموش گریہ وزاری تھی یہ۔ دونوں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا اور جب شفق کے آنکھوں کے خزانے میں کمی آنے لگی تو انہوں نے اسے نرمی اور آہستگی سے علیحدہ کر کے..... بستر پر بٹھا کر اپنے آنسو پونچھے مگر وہ بلا تکان اور بے دریغ آنسو بہاتی رہی۔ شفق نے ذرا بھی اس کی اشک شوئی نہیں کی۔ اچھا ہے یہ دل بھر کے رو لے تاکہ اس کے دل پر چھایا رنج والم کا غبار کچھ تو چھٹ جائے۔ اتنے دن سے آج تک وہ اتنا زبردست صدمہ بڑی خاموشی سے خود ہی سہتی رہی ہے۔ شفق نے دل میں سوچا کچھ دیر بعد اس کی ہچکی بندھ گئی تو وہ بڑی خاموشی سے اٹھیں اور فریج سے نکالی ہوئی ٹھنڈے پانی کی بوتل سے پانی انڈیل کر گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''صبر کرو میری بہن جو کچھ تم پر بیتا ہے اس میں ہم بھی تمہارے برابر کے شریک ہیں۔ شاباش اب چپ ہو جاؤ اور تھوڑا سا پانی پی لو۔'' مگر طوبیٰ روتی رہی۔ اس نے پانی کا گلاس بھی ان کے ہاتھ سے نہ لیا۔

''سنو افشاں۔ اب اس قدر بھی نہیں روتے۔ سنا ہے مرے ہوئے انسان کی روح بے چین ہو جاتی ہے اور تم تو بہت بہادر ہو تم نے جس ضبط سے اس صدمے کو سہا ہے تمہارا ہی دل گردہ ہے۔ خدا نے بھی ہمیں صبر کی تلقین کی ہے اور صابرین کو یہ آہ و زاری زیب نہیں دیتی۔ کیونکہ صبر کرنے کا جتنا بھی صلہ تمہیں اب تک ملا ہے وہ بھی رائیگاں ہو جائے گا۔'' شفق نے بڑی ولدہی اور پیار سے اسے سمجھایا اور وہ اپنے چہرے پر سے ہاتھ اور دوپٹے کا آنچل ہٹا کر اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''لو پہلے تم تھوڑا سا پانی پی لو۔'' شفق نے جواب تک پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے کھڑی تھیں خود ہی جھک کر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ طوبیٰ نے چند گھونٹ پانی کے پیے اور اٹھ کر غسل خانے میں چلی گئی۔ ہلکی ہلکی اشکوں کی پھوار اب بھی اس کی آنکھوں سے برس رہی تھی لیکن جب وہ غسل خانے سے منہ دھو کر واپس آئی تو اس کی آنکھوں میں اشکوں کی تلچھٹ ہی رہ گئی تھی۔ شفق اس وقت بڑی فکر مند سی نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کے حالات کے سلسلے میں مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ بلکہ اسے بستر میں لٹاتے ہوئے بولیں۔

''اب تم سو جاؤ۔ بہت ہلکان ہو گئی ہو۔'' اور پھر خود بھی اپنے بستر میں آ کر لیٹ گئیں۔ طوبیٰ پتا نہیں

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔ وہ دوسری طرف کی کروٹ لیے خاموش لیٹ گئی تھی۔ مگر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر جانے کے باوجود شفق کو نیند نہیں آئی ساری رات وہ اسی گتھی کو سلجھانے میں کوشاں رہیں کہ اب یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ امی جان کو اصلیت کی خبر ہوگئی تو یہ ساری احتیاط جو اس سلسلے میں کی ہے سب یوں ہی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ وہ دل کی مریضہ ہیں۔ اس خبر کو کیسے برداشت کرسکیں گی۔ لیکن معاملہ آخر کب تک ان سے چھپایا جاسکے گا۔ کبھی نہ کبھی تو انہیں خبر ہوگی نا...... تو...... تو پھر...... اور یہ طوبیٰ بھی بھلا دل میں کیا سوچتی ہوگی کہ ہم نے اس کا نام بدل کر اس سے اس کی حقیقت بھی چھپانے کی کوشش کی ہے۔ شروع شروع وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس سے میرا اور سب کا کیا رشتہ ہے مگر بعد میں جب وہ گھر آگئی تو آصف اور عارف کی باتوں میں آکر اور خود بھی اس کی طرف مشکوک ہوکر ہی کچھ عرصے سے میں بھی اس طرح پیش نہیں آرہی تھی جیسے کہ ایک کزن ہونے کی حیثیت سے مجھے آنا چاہیے تھا۔ نہ معلوم چچی اماں نے ہمارے اور اپنے تعلقات کے بارے میں کیا کیا بتایا ہوگا۔ وہ بے چاری یہاں آئی تو گویا اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ آصف کا رویہ بھی اس کے ساتھ اچھا نہیں ہے اور امی جان تو اس سے بڑا ہی غیر روادارانہ سلوک کرتی ہیں۔ اور پاپا کو اپنے دھندوں سے فرصت ہی نہیں ملتی ہے۔ اب لے دے کے میں ہی رہ جاتی ہوں۔ شفق سوچتی رہیں۔ سوچے چلے گئیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی جا کر سارے گھر میں اعلان کردیں کہ یہ افشاں نہیں طوبیٰ ہے مگر ان کے سامنے چند مسائل بھی تھے اس لیے انہوں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ انہوں نے سوچا عارف اور آصف سے کہوں گی تو بات پھیلے گی اور امی کے کانوں میں بھی پڑ جائے گی۔ اور پھر آصف کو تو وہ...... افشاں کی ہی حیثیت سے...... اس کے آگے جھکا دینا چاہتی تھیں۔ انہیں اپنے بھائی کی اس کمزوری سے پوری پوری واقفیت تھی کہ وہ حسن پرست اور دل پھینک ہیں۔ ویسے ہی جیسے آزادی، ترقی اور حیثیت سے فائدہ اٹھانے والے آج کل کے بعض نوجوان ہوتے ہیں اور آصف نے چلتے وقت کچھ ایسا ہی مظاہرہ بھی تو کیا تھا اور عارف تو آؤٹ آف کوئسچن ہے۔ البتہ میں پاپا کو ضرور بتادوں گی تاکہ ان کی پریشانی دور ہوجائے۔ نیند کے غلبے سے بوجھل ہوتی پلکوں کے مندنے تک وہ یہی سب سوچتی رہیں۔

آصف کی چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں اس لیے انہوں نے واپسی کے لیے رخت سفر باندھا۔ اگلی صبح کو ان کی روانگی تھی۔ اور وہ آغا پور میں ان کا آخری دن تھا۔ شفق بھائی سے تھوڑی کبیدہ ضرور تھیں مگر ان کے جانے کے خیال سے بڑی رنجیدہ ہو رہی تھیں۔ صبح سے کئی بار ان کے کمرے میں جا کر دیکھ چکی تھیں مگر وہ کہیں ایسے گئے تھے کہ اب کھانے کا وقت ہو رہا تھا اور اب تک نہیں آئے تھے۔ دو روز پہلے ان کی ایک چھوٹی سی درخواست ٹھکرانے کے بعد آصف بھی ان سے شاکی ہوگئے تھے۔ انہوں نے شفق سے بات بھی نہیں کی تھی اور طوبیٰ صوفیہ بیگم کو کھانا کھلوا کر آئیں تو آصف کا انتظار کرکے انہوں نے کھانا لگوایا اور عارف کو بلا کر چپ چاپ کھانا کھالیا۔ کھانے کے بعد حسب معمول عارف اٹھ کر صوفیہ بیگم کے کمرے میں چلا گیا۔ شفق بھی دونوں ملازموں کو کھانا دے کر ماں کے پاس چلی گئیں اور طوبیٰ اٹھ کر شفق کے کمرے میں چلی آئی۔ شاید بجیا نے یہاں کسی کو میرے بارے میں نہیں بتایا ورنہ عارف تو جتائے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اور وہ اتنا چپ چپ سا کیوں تھا۔ بجیا بھی بہت افسردہ سی نظر آرہی تھیں۔ کیا

آصف بھائی کے جانے کی وجہ سے یہ دونوں اتنے خاموش تھے؟ پھر اسے آصف کے اپنے ساتھ رویے کا خیال آیا تو معاً صوفیہ بیگم کا بیگانہ اور تحکمانہ سا رویہ یاد آگیا۔ یقیناً بجیا نے کسی کو بتایا ہی نہیں وہ ایک رومال پر پنسل سے پھول بنائی ہوئی یہیں تک سوچ سکی تھی کہ ایک بھاری سا پیکٹ اچانک اس کے ہاتھ پر آکر گرا اور یوں پنسل کی نوک ٹوٹ گئی۔ اور اس نے دہلنے کے سے انداز میں کہا۔

''اُف عارف پلیز۔ اس طرح نہ ڈرایا کرو۔ میرا دل بہت کمزور ہے۔'' اتنا کہہ کر اس نے نگاہیں اٹھائیں اور عارف کے بجائے آصف کو عین اپنی نظروں کے سامنے کھڑا مسکراتا ہوا دیکھ کر سٹ پٹا سی گئی۔

''میرا ارادہ آپ کو ڈرانے کا تو نہ تھا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آپ خود ہی ڈر گئیں۔ بہر حال یہ ایک حقیر سا تحفہ آپ کی نذر ہے گر قبول افتد۔''

آصف بدستور مسکرا رہے تھے۔ نگاہوں میں ایک جوشیلا پن سا پنہاں تھا۔ طوبیٰ نے ایک نظر آگے ہاتھ پر پڑے اس پیکٹ کو دیکھا اور پھر ان کی طرف۔ اس کے انداز میں سراسیمگی تھی۔ اس نے جلدی سے نگاہیں کترا کر کہا۔

''لیکن...... لیکن اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ بجیا نے تو پہلے ہی مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔''

''بجیا نے جو کچھ دے رکھا ہے وہ ان کا اپنا معاملہ ہے اور یہ میں خاص طور پر آپ کی نذر کر رہا ہوں۔'' آصف سمجھے وہ تکلفاً کہہ رہی ہے اس لیے انہوں نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ اسے کھول کر تو دیکھیے!'' انہوں نے اسے متامل دیکھ کر پھر کہا۔ ان کے لہجے میں بڑا اشتیاق تھا۔

''لیکن مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں تو کھول کر کیا دیکھوں گی۔'' طوبیٰ نے وہ پیکٹ اپنے آگے سے اٹھا کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''تو آپ اسے نہیں لیں گی؟'' آصف کی پیشانی پر اچانک ہی بہت سی شکنیں پڑ گئیں۔

''آپ یہ بجیا کو دے دیجیے نا۔ مجھے تو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' طوبیٰ نے صاف صاف انکار کرنے کے بجائے خوبصورتی سے ان کے سوال کو ٹالا۔

''آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو پھر کسی کو بھی نہیں ہے۔'' آصف کو اس کے انکار پر غصہ آگیا۔ انہوں نے جھپٹ کر وہ پیکٹ سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا اور بولے۔

''ٹھیک ہے اب اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو ایک ٹھکرائی ہوئی چیز کا ہوتا ہے سنا آپ نے افشاں صاحبہ!'' ان کے لہجے میں دھمکی سی پنہاں تھی۔ طوبیٰ نے ایک نظر ان کے جذب سے سرخ ہوتے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ مگر کچھ بولی نہیں۔

''میں اپنی چوائس کے مطابق آپ کے لیے دو بہترین ساڑیاں لایا تھا۔ اس میں میری ایک لگن بھی شامل تھی۔ مگر اب میں اسی لگن کے ساتھ انہیں نذر آتش کردوں گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا افشاں۔ پھر تو آپ خوش ہوجائیں گی نا۔'' آصف غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لیے بولے جارہے تھے اصل میں انہیں کبھی ایسی خود دماغ لڑکی سے واسطہ نہ پڑا تھا جس نے ان کی شخصیت کو اس بری طرح نظر انداز کیا ہو۔ افشاں نے ان کے بار بار دھمکیاں دینے پر ایک تیز سی نظر ان پر ڈالی اور بڑی درشتی سے بولی۔

READING Section
UrduPhoto.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"میرا نام افشاں نہیں طوبیٰ ہے۔" اور اس بات کے ردعمل میں یوں لگا جیسے اچانک پڑنے والی بوچھاڑ نے یکلخت آصف کے غصے کو ٹھنڈا کر دیا ہو۔ کچھ دیر کو تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ مگر پھر اپنے تحیر پر قابو پا کر انہوں نے کہا۔

"طو... طوبیٰ... آپ کا نام طوبیٰ ہے؟"

"جی ہاں۔ اگر آپ کا جھٹلانے کا ارادہ نہیں تو یہی میرا اصل نام ہے۔" طوبیٰ کے لہجے میں تلخی در آئی۔

"کہیں یہ نام آپ کو بجیا نے تو نہیں بتایا۔" انہوں نے بے یقینی کے انداز میں پوچھا۔

"نہیں بلکہ خود میں نے ان کو بتایا ہے۔" طوبیٰ نے قدرے رعونت سے کہا۔

"تعجب ہے اس کا ذکر انہوں نے مجھ سے تو نہیں کیا۔"

اب اس بات کا جواب طوبیٰ کیا دیتی لیکن دل میں اس نے ضرور کہا کہ مجھے بھی سخت تعجب ہے۔

"بجیا کو کب سے معلوم ہے؟" آصف نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"کئی روز سے۔" طوبیٰ نے مختصراً بتایا۔

"او خدا کا شکر ہے۔ آج میرے دل سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔" آصف نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لینے کے بعد کہا۔ ان کے لہجے سے ان کی دلی مسرت جھلک رہی تھی۔ طوبیٰ بلا کوئی تاثر دیے خاموش بیٹھی رہی۔ پنسل سے کاغذ پر لکیریں کھینچتی رہی۔

"اگر ناگوار خاطر نہ گزرے تو ایک بات پوچھوں۔" آصف نے اس لڑکی کی بے نیازی پر قدرے توقف کے بعد کچھ سوچ کر پوچھا۔ طوبیٰ جواب میں خاموش ہی رہی۔

"کیا واقعی آپ کی یادداشت گم ہو گئی تھی۔ اصل میں کم ہی لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں۔ یادداشت وادداشت کھو جانے پر۔" آصف نے ساتھ ساتھ اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ تھوڑے عرصے کے لیے میرے ذہن سے ہر بات محو ہو گئی تھی۔" طوبیٰ نے پنسل ایک طرف رکھ کر سوچتے ہوئے انداز میں بتایا۔ اصل میں آصف نے ان کے ساتھ کوئی ایسا قابل تحسین یا روادارانہ سلوک نہیں کیا تھا۔ اس پر طوبیٰ کو یہ بھی احساس ہو گیا تھا انہیں اپنی شخصیت اور خوبصورتی پر بڑا گھمنڈ ہے اور وہ بڑی بیباک اور آزاد فطرت کے حامل ہیں۔ اس روز کلب میں اس نے خود اپنی آنکھوں سے ان کی فطرت کا مظاہرہ بھی دیکھ لیا تھا۔ اس لیے ذہنی طور پر وہ ان کی شخصیت کو قبول نہ کر سکی تھی اور ادھر آصف کے دل میں اس انکشاف پر کہ وہی طوبیٰ ہے۔ انبساط کی لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ وہ اس کی سرد مہری اور لاتعلقی کو بھی نظر انداز کر بیٹھے تھے اور یہی سمجھ رہے تھے اپنوں میں آ جانے کے خیال سے وہ بھی اپنی دلی مسرت کا اظہار اسی جوش و خروش سے کرے گی اور گرمجوشی دکھائے گی۔ مگر جانے کیسی لڑکی تھی وہ جذبات سے عاری چہرہ لیے یوں بیٹھی تھی جیسے اپنی حقیقت ان پر آشکار کرنا کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا ہو۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ لیکن آصف پر تو اس وقت اس کے ساتھ اپنے رویے پر ایک ندامت سی طاری تھی۔ انہوں نے اس کی بے رخی اور بیگانگی کو زیادہ محسوس نہیں کیا اور اپنی پوزیشن صاف کرنے کی غرض سے بولے۔

"اب ایک بات میں بھی آپ کو بتا دوں کہ اس روز کلب میں میں نے جو بھی مظاہرہ کیا تھا وہ صرف

آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے سلسلے میں تھا۔"

"اچھا۔ لیکن ایسا کیوں چاہتے تھے آپ؟" طوبیٰ کو خود بھی اس روز کچھ ایسا ہی احساس ہوا تھا۔ اور اب وہ خود اپنی زبان سے اس کا اعتراف کر رہے تھے۔ اندر ہی اندر اس کی دھڑکنیں تو منتشر ہو گئیں۔ مگر بظاہر اس نے سپاٹ سے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ آپ اس کا سبب جاننا چاہتی ہیں۔" آصف بغلیں جھانکنے کے سے انداز میں بولے۔ تھوڑا سا توقف کیا پھر بڑی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اس سوال کا جواب دینا فی الحال میرے لیے مشکل ہی ہے۔ لیکن یہ تو ایک عام سی لڑکی بھی سمجھ سکتی ہے کہ کسی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے کیا معنی ہوتے ہیں۔" اور طوبیٰ نے اپنے سرخ پڑتے چہرے کو منہ پھیر کر ان سے چھپایا۔

"شاید آپ اب بھی نہیں سمجھ سکی ہیں۔ اچھا ٹھہریے تھوڑا سا ہنٹ ہی دے دوں۔" آصف نے اس کے منہ پھیرنے کی ادا کو بھانپ کر تھوڑا سا شوخ ہوتے ہوئے کہا۔ ان کا بات کرنے کا انداز کچھ طفلانہ سا تھا۔

"آپ کی آمد ایک خاص اہمیت کی حامل تھی۔ میرا مطلب ہے پاپا ہم دونوں کو منسوب کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ میرے خیال میں اب کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہو گی۔" آصف نے اپنی دانست میں اپنی اس اتنی اہم بات کا ردعمل اس کے چہرے پر دیکھنے کی غرض سے تھوڑا سا اس کی طرف جھک کر کہا۔

"کس بات کی وضاحت کی ضرورت نہ ہو گی۔ اور یہ تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو آصف۔" اسی دم شفق نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے جھینپے جھینپے انداز میں مسکرا کر کہا۔

"کچھ نہیں بجیا۔ میں ان سے پوچھ رہا تھا کہ آپ اپنی دیوانگی کا ڈھونگ ایک طرف رکھ کر سچ سچ بتا دیں کہ کون ہیں۔ اتنی بڑی پل کر کہاں ہوئیں اور ٹرین میں کس کے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔" طوبیٰ نے گردن موڑ کر بڑی حیرت سے آصف کی طرف دیکھا۔ انہوں نے بات بھی بنائی تھی تو اپنے دل میں چھپے شکوک عیاں کر کے۔

"یہ سب پوچھ کر تم کیا کرو گے اگر یہ طوبیٰ نہیں بھی ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے تو ان کے افشاں ثابت ہونے کے باوجود ہمیشہ انہیں اسی نظر سے دیکھا۔ اور چاہا ہے۔" شفق نے جو آصف کی بات پر ہراساں ہو گئی تھیں بڑی ناگواری سے کہا۔ پھر انہوں نے آصف کا جواب سننے سے پہلے ہی بات کا رخ پلٹ دیا۔

"آخر تم اب تک کہاں غائب رہے۔ میں نے تمہارے انتظار میں کھانا بھی دیر سے کھایا۔ کم از کم آج تو گھر میں ٹک گئے ہوتے کل تو خیر سے جا ہی رہے ہو۔"

"جی ہاں مگر سخت پچھتا رہا ہوں۔" آصف نے طوبیٰ پر ایک نظر ڈال کر کہا۔ پھر جلدی سے بات گھمائی۔

"وہ اصل میں چند ضروری چیزیں خریدنی تھیں۔ میں نے سوچا کچھ آپ کے لیے بھی لیتا چلوں۔ گو یہاں عمدہ چیزیں مشکل ہی سے دستیاب ہوتی ہیں۔ مگر یہ دو ساڑھیاں کچھ مطلب کی مل گئیں۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ایک آپ کے لیے ہے اور ایک ان کے لیے ہے۔ شاید آپ کو پسند آجائیں۔''
آصف نے وہ پیکٹ جو انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا اٹھا کر شفق کو دیتے ہوئے کہا۔ اور شفق نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وہ پیکٹ ان کے ہاتھ سے لے کر اسے کھولتے ہوئے کہا۔
''میرا بھائی اگر ٹاٹ بھی لایا ہوگا تو وہ مجھے زربفت سے کم نہ ہوگا۔ ذرا دیکھوں تو تم کیسی ساڑھیاں لائے ہو۔''
''لیکن آپ کے اطمینان کو اتنا ضرور بتادوں کہ یہ ساڑھیاں اگر زربفت کی نہیں تو ٹاٹ کی بھی نہیں ہیں۔'' آصف نے ہنس کر کہا۔ ان کا موڈ بہت شگفتہ تھا۔ شفق فوراً ہی تاڑ گئیں۔
''پھر تو تم ہی سنبھالو افشاں اور اپنے لیے ایک ساڑھی پسند کرلینا۔'' شفق نے وہ پیکٹ کھولے بغیر ہی طوبیٰ کو تھمادیا۔ انہوں نے آصف کے سامنے اسے افشاں کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ آصف نے بھی ان پر یہی ظاہر کیا کہ انہیں حقیقت کا تھوڑا سا بھی علم نہیں ہے۔ طوبیٰ نے ان دونوں بہن بھائیوں کے اس طرز عمل کو سمجھنے کی کوشش میں وہ پیکٹ کھولنے میں تھوڑے سے تامل سے کام لیا۔
''بھئی کمال ہے یہاں تو شفق کا یہ عالم ہے کہ بس نہیں چل رہا کہ کسی طرح پیکٹ کھول کر دیکھ لیں اور تم ہو کہ اس پیکٹ کو ہوا بھیج کر اسے ہاتھ بھی نہیں لگا رہیں۔'' شفق نے گویا اس کی ہمت بندھانے کو کہا تو اس نے آہستہ سے پیکٹ اٹھایا اور اس پر بندھا باریک کاغذ کھول دیا۔ اندر سے گتے کے دو ڈبے نکلے طوبیٰ نے دونوں کو باری باری کھول کر دیکھا نارنجی اور فالسی رنگ کی جارجٹ کی ساڑیاں تھیں جن پر سنہرے ورک کا حاشیہ بنا ہوا تھا۔ بے حد سادہ مگر اس قدر نازک اور دیدہ زیب کہ نظر جم کر رہ جائے۔ طوبیٰ نے دونوں ساڑھیاں دیکھ کر پہلے دونوں پیکٹ شفق کی طرف بڑھائے مگر پھر کسی خیال سے فالسی رنگ کی ساڑھی والا ڈبہ اپنی گود میں رکھ لیا اور دوسرا شفق کو تھما کر بڑے لوٹ لینے والے انداز میں مسکرا کر آصف کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔
''بے حد شکریہ!''
آصف بے چارے تو اس کی اس مسکراہٹ کی ادا پر لٹو ہو ہی گئے تھے مگر شفق بھی مسحور سی ہوگئیں۔ پھر بہت خوش ہو کر بولیں۔
''چلو خوش ہو جاؤ آصف تمہارا تحفہ شرف قبولیت پا گیا۔'' اور آصف جھینپ کر ہنسنے لگے۔
''اچھا چلو اب جا کر لباس تبدیل کرلو۔ ڈھائی بج چکے ہیں میں تمہارا کھانا تمہارے کمرے میں بھجوا دیتی ہوں۔'' شفق کو فوراً ہی ان کے کھانے پینے کا خیال آیا تو انہوں نے کہا۔
''نہیں اب کیا وقت رہا ہے کچھ کھانے پینے کا ویسے بھی میں نے تھوڑے سے اسنیکس لے لیے تھے۔'' آصف نے اپنے کمرے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ شفق ان کے پیچھے پیچھے دروازے تک آئیں تو انہوں نے بڑے رازدارانہ لہجے میں آہستہ سے پوچھا۔
''یہ تو بتاؤ یہ تحفہ وحفہ کس سلسلے میں پیش کیا۔'' آصف نے چلتے چلتے رک کر پہلے طوبیٰ پر ایک نظر ڈالی جو ابھی تک اسی جگہ پر اسی انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر مسکرا کر بولے۔
''بس اسی سلسلے میں جو کبھی طوبیٰ سے متعلق تھا۔'' آصف نے کہا اور شفق کو متحیر سا چھوڑ کر دہلیز پار کر گئے۔ گو شفق کو ان کے منہ سے یہ بات سن کر خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ حیرت زدہ سی رہ گئی تھیں۔ گویہ

بڑی عجیب سی بات تھی مگر آصف نے اب تک افشاں کے معاملے میں جو تاثر بھی دیا تھا۔ اسے مدنظر رکھے ہوئے ان کا طوبیٰ پر افشاں کی حیثیت سے اتنا جلد مائل ہو جانا انہیں متعجب کر گیا۔ انہوں نے اسی وجہ سے تو آصف سے طوبیٰ کی حقیقت کو راز رکھا تھا۔
اگلے روز حسب پروگرام آصف صبح آٹھ بجے ہی گھر سے روانہ ہو گئے اور انہوں نے باہر سے آکر پچھلا باقی سارا وقت گھر میں رہ کر گزارا تھا۔ چند مہمان آگئے تھے کچھ اس وجہ سے اور کچھ یہ کہ پھر موقع ہی نہ مل سکا تھا۔ اس لیے وہ طوبیٰ سے پھر بات نہ کر سکے تھے۔ مگر جاتے جاتے بھی انہیں اس بات پر پچھتاوا اور تاسف ہو رہا تھا کہ انہوں نے بجیا کی چھٹی بڑھوانے کی خواہش کو اپنے تہیے میں کیوں رد کر دیا۔
شفق کئی روز سے موقع کی تلاش میں تھیں کہ میجر صاحب ذرا فرصت سے بیٹھیں تو ان سے بات کریں۔ مگر میجر صاحب ان دنوں بڑے مصروف تھے۔ آصف کی روانگی سے ایک روز پہلے اپنے کسی خاص مشن پر شکر گڑھ گئے تھے۔ پورے پانچ روز بعد آئے تو پورے ایک دن کی چھٹی انہوں نے صفیہ بیگم سے باتیں کرنے میں گزار دی۔ ادھر عارف بھی تمام وقت سامنے موجود رہا تھا۔ بڑے انتظار کے بعد اگلے دن شفق کو باپ سے بات کرنے کا موقع ملا۔ وہ باپ کے انتظار میں باہر ہی کھڑی تھیں کہ جب وہ گولف کھیل کر واپس آئیں گے تو ان سے وہیں بات ہو سکے۔
میجر صاحب بھی بیٹی کی فطرت سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں اپنے انتظار میں کھڑا دیکھ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی وہ شفق کے سلام کے جواب میں انہیں دعائیں دیتے ہوئے بولے۔
''جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے افشاں اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکی ہے۔ کیا اس نے اپنے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔؟'' میجر نے چھوٹتے ہی یہ بات پوچھی تھی۔
''جی پاپا یہی تو آپ کو بتانا چاہ رہی تھی کہ اس نے اپنے بارے میں کچھ کچھ تو بتا ہی دیا ہے۔ اور پاپا یہ ہم سب کے لیے ایک اچھی خبر ہے کیونکہ وہ طوبیٰ ہے۔'' شفق نے جلدی سے بتایا۔
''اچھا۔ کیا تم نے اس بچی سے پوچھا تھا یا اس نے خود ہی تمہیں بتایا ہے؟'' میجر صاحب نے بلا کوئی تاثر دیے پوچھا۔
''جی ہاں پاپا اس نے خود ہی مجھے بتایا ہے۔'' شفق مسرور لہجے میں بولیں۔
''ہوں۔ تو گویا کرنل رضا ٹھیک ہی کہتے تھے۔'' میجر نے گویا خود سے مخاطب ہو کر کہا۔
''یہ بات نہیں پاپا۔ وہ خود ہی کہہ رہی تھی کہ چند دنوں کے لیے اس کا حافظہ گم ہو گیا تھا مگر علاج معالجے کے بعد وہ ٹھیک ہو گئی تھی۔'' شفق نے ان کے خیال کی تردید میں کہا۔
''اچھا تو کچھ اور بھی بتایا ہے؟'' میجر صاحب نے پرخیال انداز میں پوچھا۔
''نہیں پاپا اور تو کچھ بھی نہیں بتایا۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میرا مطلب ہے ہمارے لیے یہی کیا کم ہے کہ وہ طوبیٰ ہی ہے۔'' شفق باپ کو اطمینان دلانے کے خیال سے بولیں۔
''ہاں۔ تم بھی ٹھیک ہی کہتی ہو بیٹی مگر پھر بھی تمہیں اس سے کچھ پوچھنا تو چاہیے تھا۔'' میجر صاحب یوں بولے جیسے انہیں یقین ہی نہ آ رہا ہو۔
''میں نے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا پاپا۔ اس ڈر سے کہ کہیں چچی اماں کا ذکر ان کے غم کو تازہ نہ

Urdu2photo.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کردے۔ وہ بے چاری تو اسی روز اس قدر روئی تھی کہ میں پریشان ہو اٹھی تھی۔ پھر مجھے اس سے پوچھنا مناسب نہ لگا۔'' شفق نے کہا۔

''خیر آؤ میرے ساتھ آؤ۔ اس وقت طوبیٰ کہاں ہوگی؟'' میجر صاحب نے اندر کا رخ کرتے ہوئے پوچھا۔

''اس وقت تو وہ امی کے لیے پرہیزی کھانا لے جانے والی ہوگی۔ یعنی باورچی خانے میں ہوگی۔'' شفق نے کہا تو میجر صاحب خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ انہوں نے طوبیٰ کی اصلیت آشکار ہونے پر ذرا بھی خوشی کا اظہار نہ کیا تھا۔ شفق باپ کے اس سرد رویے پر دل میں حیران ہوئے بغیر نہ رہیں۔

شوکت حسین اپنے والدین سے ملنے انڈیا ایسے گئے کہ چار ماہ ہو گئے تھے۔ ان کی خیر خبر ہی نہ ملی کہ آیا جبل پور میں ہی ہیں یا پھر اپنے کسی بیرون ملک کے دورے پر براہ راست چلے گئے ہیں۔ لوگوں نے کچھ عرصے سے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ شوکت حسین نے اپنے والدین کے اصرار پر دوسری شادی کرلی ہے اور وہ شادی کرنے کی غرض سے جبل پور گئے تھے۔ گو شفق نے اس خبر کو ایک افواہ سے زیادہ حیثیت نہ دی تھی کیونکہ ان کو شوکت حسین جیسے مضبوط کردار اور مستقل مزاج شخص پر مکمل اعتماد تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شوکت حسین بہت صاف گو انسان ہیں اگر ایسا کوئی اقدام کرتے بھی تو یوں چھپ چھپا کر نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر کرتے یعنی میجر صاحب کو صاف صاف لکھ دیتے اور جو کرتے بھی تو انہیں آزاد کرنے کے بعد ہی کرتے۔ کیونکہ ان کے والدین کا مطالبہ ہی یہی تھا اور اصل میں تو وہ اپنے والدین کی عیادت کو گئے تھے ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ مگر پورے چار ماہ سے کوئی اطلاع بھی ان کی طرف سے نہ ملی تھی اور شفق کا نازک سا خوبصورت..... دل اب وسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ممکن ہے باپ کی آخری خواہش کا احترام کرنے کے طور پر وہ دوسری شادی کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں وہ اپنے والدین کی ایک سعادت مند اولاد ہیں۔ صرف انہی کی ناراضگی کی وجہ سے دو سال سے میری رخصتی کا معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ اپنے جاں بلب باپ کی ایک ذرا سی خواہش پوری کر دینا ان کے لیے کچھ مشکل تو نہ ہوا ہوگا۔ پھر انہیں اپنی ساری پتا یاد آ گئی جوان دو برسوں میں انہوں نے اپنے عہد وفا کو نبھانے کے سلسلے میں کی تھی۔ لوگوں کے الٹے سیدھے سوالات..... ماں کا ناامید ہو کر یہ کہنا کہ میری بچی کے ساتھ سراسر دھوکا ہوا ہے۔ کبھی جل کر طلاق لینے کا مشورہ دینا اور بیٹی کو خاموش دیکھ کر کڑھنا۔ اور پھر خود بھی مایوسیوں میں گھر کر شوہر کا انتظار کرنا۔ وہ تو شریف، غیور اور سمجھ دار لڑکی تھیں ایک نرم اور درد بھرا دل رکھتی تھیں اور پھر آج کل کی بعض لڑکیوں کی طرح ہوائی دیدہ اور آزاد منش بھی نہ تھیں اس لیے بڑے صبر و تحمل سے ماں کی چوکھٹ پر ٹکی بیٹھی تھیں۔ مگر خیالات بہر حال آزاد ہوتے ہیں ان پر تو کسی بھی مصلحت اور بندش کا پہرہ نہیں لگ سکتا۔ وہ ہزار اپنے دل کو یہ کہہ کر مطمئن کرتیں کہ لوگوں کا کیا ہے وہ تو واسطہ ہو یا نہ ہو دوسروں کے دلوں میں کھنڈک ڈالنے کی غرض سے ایسی ہی افواہیں اڑاتے ہیں۔ شوکت اگر ایسے ہی بدمعاملہ ہوتے تو کب کا یہ رشتہ توڑ چکے ہوتے۔ اور وہ تو گئے ہی اس معاملہ کو نمٹانے کے لیے ہیں اور ہمارے درمیان نکاح کے رشتے سے زیادہ یقین و اعتماد کا رشتہ قائم ہے۔ پھر خواہ مخواہ فکروں میں گھر کر خود کو پریشان کرنا مگر ذہن ان ساری تاویلوں کی نفی کر دیتا تھا اور اس روز شفق

اداس اور ملول سی اپنے کمرے کی کھڑکی کے آگے کھڑی شوکت حسین کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ عارف نے باہر کی طرف سے کھڑکی میں منہ ڈال کر بھاری سی آواز میں بڑے زور سے کہا۔

''السلام علیکم۔'' اور شفق نے اس کے دہاڑ کر سلام کرنے پر ڈر کر اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اوئی اللہ۔'' اور پھر اسے سامنے کھڑا زور زور سے ہنستا دیکھ کر بگڑے بگڑے انداز میں بولیں۔'' یہ کیا بھوتوں کا سا انداز تھا عارف! دہلا کر رکھ دیا تم نے تو۔''

''ماشاء اللہ..... ویسے تو بڑی بہادر بنتی ہیں۔ اتنی سی بات پر دہل بھی گئیں۔'' عارف ان کے ڈر جانے پر چوٹ کرتا ہوا بولا۔

''ہاں دہل نہ جاتی تو اور کیا کرتی۔ اگر تمہاری طرح کوئی بھوت بن کر ڈرائے تو مضبوط سے مضبوط دل انسان ڈر ہی جائے گا۔'' شفق کا تیزی سے دھڑکتا ہوا دل اب بھی قابو میں نہیں آیا تھا۔

''ہاں ہاں اپنی جھینپ مٹانے کو آپ یہی کہیں گی۔ کمال ہے۔ قسمت سے آپ ایک فوجی کی بیٹی ہیں اور ہمت و حوصلہ بالکل ٹھپ۔'' عارف نے شفق کو چڑاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو عارف! پلیز اس وقت تم یہاں سے چلے جاؤ میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔ میں تمہاری بک بک بالکل نہیں سن سکتی۔'' شفق نے اس کی چھیڑ چھاڑ اور بے موقع ٹپک پڑنے سے اکتا کر کہا۔ ان کے لہجے میں بیزاری نہیں عاجزی تھی۔

''لیکن آپ کی اطلاع کو میں یوں آسانی سے نہیں ٹلوں گا۔ ایک ایمرجنسی پڑ گئی ہے۔ آپ کو اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔'' عارف نے اڑنے کے سے انداز میں کہا۔

''دیکھو عارف۔ مجھے تنگ نہ کرو۔ میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔'' شفق جزبزسی ہو کر بولیں۔

''آپ کے اس درد کی دوا تو انڈیا سے ہی دستیاب ہو سکتی ہے۔ مگر فی الوقت تو اس کا ملنا ممکن ہی نہیں۔ ویسے اگر آپ چاہیں تو۔''

''عارف۔'' شفق تنبیہی انداز میں چیخیں۔

''مجھے ایسے بے ہودہ مذاق بھی تمہارے منہ سے بالکل پسند نہیں ہیں۔''

''اگر پسند نہیں ہیں تو سوری میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔'' عارف نے ایک دم ہی اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے کہا۔ پھر خاموشی سے وہیں کھڑکی کے باہر کھڑا رہا تو شفق نے جھلا کر پوچھا۔

''آخر تم جاتے کیوں نہیں اب اور کیا سوچ رہے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں۔ سوچوں گا کیا۔ یہاں کھڑے ہونے کا موڈ ہو رہا ہے۔ اس لیے کھڑا ہوں۔'' عارف تنگ کر بولا۔ شفق کو اس کے جواب پر غصہ تو بہت آیا مگر وہ ضبط کر گئیں۔ اور کھڑکی سے ہٹ کر اپنے بستر کی طرف جانے لگیں تو عارف نے کھڑکی سے منہ نکال کر مجمع لگانے والوں کے سے انداز میں کہا۔

''پھر نہ کہنا کہ ہمیں خبر نہ ہوئی۔ فال کھولنے والا۔ قسمت کا حال بتانے والا۔ ایک عدد جوتشی میرے کمرے میں براجمان ہے۔ کف افسوس ملتی رہ جائیں گی۔ ساری عمر پچھتائیں گی۔ ایسا موقع کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔''

''کیا مصیبت ہے عارف۔ کیا کسی اور علت کو اپنے پیچھے لگا لائے۔'' شفق اس کی بات پر ایک دم ہی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

چونک کر اس کی طرف پلٹیں۔

''اجی خاطر جمع رکھیے کسی ایسے ویسے کو نہیں اٹھا لایا۔ بڑا پائے کا جوتشی ہے اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ یہاں کوئی کسی کی قدر نہیں کرتا بے چارے کو روزانہ سڑک کے کنارے مکھیاں مارتے دیکھا کرتا تھا دل میں ہمدردی بھی پیدا ہوئی اور اسے آزمانے کا شوق بھی چرایا اور اب جو اسے آزما کر دیکھا تو مان گئے اسے بھی۔'' عارف نے اس کی بڑی فوقیت جتاتے ہوئے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

''اچھا تو تم نے اسے آزما کر دیکھا ہے مگر کس طرح۔'' شفق کو قدرے اشتیاق پیدا ہوا تو انہوں نے پوچھا۔

''ارے بس بجیا۔ یہ نہ پوچھیے۔ میں نے اسے آزمایا ہی نہیں بلکہ سخت بے وقوف بنایا ہے مگر بڑی لمبی تفصیل ہے اس واقعے کی۔'' عارف آنکھیں پٹ پٹا کر بولا۔

''اب تم مجھے تو پٹانے کی کوشش نہ کرو۔ میں خوب سمجھتی ہوں تم اسے نہیں مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔'' شفق اس کے بات ٹالنے پر چمک کر بولیں۔

''ارے نہیں آئی سویر اپ آن گوڈ۔ اگر یقین نہ آئے تو میں یہاں کھڑا ہوں آپ خود جا کر اسے دیکھ آئیں۔'' عارف بات پلٹتے ہوئے بولا۔

''یوں چندرانے کی بھی کوشش نہ کرو۔ میں جوتشی کی بات نہیں کر رہی بلکہ اسے تمہارے بیوقوف بنانے کی تفصیل پوچھ رہی ہوں۔'' شفق نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''اوہ۔ ابھی تو آپ کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور اب۔'' عارف نے اپنے ٹھیو پر انگلیاں پھیرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ یوں جیسے بات کہہ کر پھنس گیا ہو۔ پھر اپنی بھوؤں کو آہستہ سے انگلیوں سے دبا کر اس نے کہنا شروع کیا۔

''ارے بجیا میں نے یہ ترک کی کہ آپ کی ساڑھی باندھی اور گھونگھٹ نکال کر باہر نکل ہی رہا تھا کہ گیٹ سے دھوبن کو داخل ہوتے دیکھا جو ٹخنے کا شٹل کاک قسم کا برقع یعنی کہ دھوبیا برقع پہنے ہوئے تھی بس پھر کیا تھا رگ ذہانت اسی دم بڑے زور سے پھڑکی۔ میں لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ اور اس کے قریب سے بھاگتا ہوا اس کا برقع اتار کر یہ جا وہ جا۔ اور وہ بیچاری چیختی ہی رہ گئی کہ اوئی یہ موئی لگائی میرا برقع لے اڑی۔'' عارف نے دھوبن کی نقل اتار کر اتنا ہی کہا تھا کہ شفق ہنستے ہنستے دہری ہو کر بولیں۔

''بس بس اب زیادہ نہ چھوڑو۔''

''نہیں ایمان سے جھوٹ نہیں بول رہا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں دھوبن کا برقع اوڑھ کر اس جوتشی کے پاس پہنچا اور برقع میں سے اپنا ہاتھ نکال کر اسے دکھایا۔ حالانکہ میں نے آپ کا بریسلیٹ بھی پہن رکھا تھا مگر وہ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھتے ہی بولا۔

''ہے بچہ تیری ریکھائیں تو بڑی اچھی ہیں پرنتو تو ناری نہیں بلکہ نارا ہے۔ پہلے تو مجھے اپنا مکھڑا دکھلا۔''

''ارے چھوڑو۔ یہ تو ایک بچہ بھی بتا سکتا تھا۔ ظاہر ہے مرد اور عورت کے ہاتھ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔'' شفق ہنستی ہوئی بولیں۔ پھر انہیں ایک دم ہی خیال آیا تو انہوں نے گھبرا کر کہا۔

''اے ہے اگر تم بکواس نہیں کر رہے اور سچ مچ کسی کو اپنے کمرے میں بٹھا آئے ہو تو اب تک تو وہ آدھا گھر صاف کر کے چلا گیا ہوگا۔''

''جی نہیں خاطر جمع رکھیے۔ ہم بھی ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں ہیں معلوم بھی ہے اپنے ٹائیگر کو اس حضرت کی نگرانی کے لیے چھوڑ آئے ہیں۔ اور اس بے چارے کی تو جان پر بن رہی ہوگی۔ پہلے ہی ڈر کے مارے پیر سکیڑے کرسی پر بیٹھا ہے۔ خیر آپ چل رہی ہیں۔؟ یا پھر رخصت کر دوں اسے۔؟'' اپنی کارکردگی جتا کر عارف نے بڑے نخرے سے پوچھا۔

''اچھا بھئی چل رہی ہوں ابھی لیکن تم نے اگر کوئی شرارت کی ہے تو پھر میں بھی تمہیں مرغا بنائے بغیر نہ رہوں گی۔'' شفق نے دروازے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ عارف ابھی تک کھڑکی کے باہر ہی کھڑا تھا۔

''لاحول ولا۔ اچھا آیئے جلدی سے وہی مثل ہے کہ نیکی کر کنویں میں ڈال ایک تو اتنی مشکلوں سے تو پکڑ کر لایا ہوں اس پر.....'' شفق اپنے کمرے سے نکل چکی تھیں اس لیے انہوں نے عارف کی بڑبڑاہٹ صرف اسی قدر سنی۔ شفق کوریڈور میں آئیں تو عارف کو اس کے کمرے کے آگے کھڑا دیکھا۔ جو کوریڈور کے سرے پر تھا۔ عارف نے بڑے رازدارانہ انداز میں انہیں اپنے پاس بلا کر اندر کا نقشہ دکھایا اور شفق کو اپنی ہنسی روکنی مشکل ہوئی۔ وہ جوتشی واقعی کرسی پر سکڑا سمٹا بیٹھا تھا ٹائیگر پر اس کی نظر تھی۔ اس پر بم طاری تھا۔ عجیب مضحکہ خیز سی چویشن تھی۔

''مہاراج!'' عارف نے اچانک ہی دروازے پر نمودار ہو کر گلا پھاڑ کر کہا تو مہاراج بے چارے دہل کر اچھلے کہ کرسی سے گرتے گرتے بچے اور شفق کا ہنسی کے مارے برا حال ہو گیا۔ اسی دم طوبیٰ انہیں سامنے سے آتی نظر آئی تو انہوں نے اسے اپنے پاس بلا کر آہستہ آہستہ ساری تفصیلات بتائیں اور پھر عارف کے بلانے پر اسے وہیں چھوڑ کر کمرے میں قدم رکھا تو جوتشی جی کہہ رہے تھے۔

''ہے بچہ پہلے اس راکھشش کو یہاں سے نکالو۔''

عارف نے فوراً ہی ان کے حکم کی تعمیل کی اور ٹائیگر کو باہر جانے کو کہا۔ سدھا ہوا کتا تھا۔ بڑی خاموشی سے باہر چلا گیا اور اتنی دیر میں شفق نے بڑی اچھی طرح جوتشی صاحب کا جائزہ لے لیا۔ بڑی بڑی مونچھیں جو باچھوں سے نیچے جھول رہی تھیں۔ موزوں ناک مگر اس پر الٹے ہوئے کابلی چنے کے برابر سیاہ مسا..... آنکھوں پر بھدے سے فریم اور موٹے شیشے کی شاید اٹھارویں صدی میں بنائی گئی عینک۔ ماتھے پر سرخ اور سیاہ رنگ کا قشقہ، سر پر گاندھی کیپ اور گلے میں نزلی رنگ مبرنگی ہزار دانوں کی تسبیحات، جوگیا رنگ اڑا اڑا ڈھیلا سا ملگجا پاجامہ اور کرتہ جس پر سیاہ رنگ کی میلی چکٹ واسکٹ مگر قد بت کے لحاظ سے خاصے تگڑے نظر آ رہے تھے۔ عارف نے ٹائیگر کو باہر نکالتے ہی ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''مہاراج یہ میری بہن ہیں ذرا ان کا ہاتھ بھی دیکھ لیجیے۔'' تو شفق نے دل میں سوچا چہرے مہرے سے تو زرا ہوش لگ رہا ہے۔ بھلا یہ کیا ہاتھ دیکھے گا۔ اور پھر ہمارے یہاں تو سنا ہے کہ اگر کسی سے قسمت کا حال پوچھیں تو چالیس دن کے لیے قسمت تاریک ہو جاتی ہے مگر پھر انہوں نے سوچا یہ تو شکل سے ہی فراڈی لگ رہا ہے۔ قسمت کا حال بتانا تو بڑی بات ہے اسے تو بات تک کرنی نہیں آتی۔ ایسے آدمی کو ہاتھ دکھانے میں حرج ہی کیا ہوگا۔ کم از کم تفریح ہی رہے گی۔ اسی خیال سے انہوں نے اس کے قریب ایک کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے آگے کر دیا۔ تھوڑی دیر کو تو وہ ان کے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر ہر زاویے سے ہاتھ کی لکیریں دیکھتا رہا پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا اور بولا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"سن ناری سچ سچ بتا۔ تیرا وواہ ہو چکا ہے نا...؟ دیکھ ہمارے سامنے جھوٹ نہ بولیو۔" اور شفق حیرت زدہ ہو کر عارف کی طرف دیکھا جو اپنے تحیر کا اظہار منہ کھول کر کر رہا تھا۔
"جی مہاراج یہ سچ ہے۔" عارف نے جلد ہی اپنی حیرت پر قابو پا کر کہا۔
"ہوں۔ تیری ریکھائیں بتاتی ہیں کہ تیرے بھاگ دروپدی جیسے ہیں۔" جوتشی مہاراج بولے۔
"کیسے ہیں مہاراج...؟" عارف نے بے تابانہ پوچھا۔
"ارے بالک تُو کیا سمجھے گا ان باتوں کو... یہ بڑے گیان دھیان کی باتیں ہیں۔ پرنتو اس ناری کی ریکھائیں بتا رہی ہیں کہ اس کا پتی اس پر سوت لائے گا پرنراش ہونے کی جرورت نہیں۔ اس کا پتی اس سے بہت پریم کرتا ہے...... اس کی ریکھائیں بتاتی ہیں کہ اس ناری کو پتی سے نفرت ہے۔"
جوتشی مہاراج بتاتے رہے مگر شفق نے گھبرا کر جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک تو دل ہی دل میں اس جوتشی کے فن کی قائل ہو گئی تھیں۔ اس پر اس نے جو کچھ بتایا تھا اس نے اندر ہی اندر انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب اس سے زیادہ کچھ سننے کی ان میں سکت نہ رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا مگر جوتشی جی نے پھر ان کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر کہا۔
"دُکھی ہونے کی ضرورت نہیں ہے بٹیا۔"
"پگلی۔" شفق نے بھنا کر جوتشی کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک حریصانہ چمک تھی۔ گھبرا کر عارف کی طرف دیکھنے لگیں جو اپنی رائٹنگ ٹیبل کے آگے کھڑا نجانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی پشت شفق کی طرف تھی۔
"تو بڑی سندر ہے ناری..... پر تیرے بھاگ بھی تیری طرح سندر ہیں تو گھبرا مت... تیرے یہ ہاتھ....." جوتشی نے بڑی خباثت سے سرگوشی کی اور شفق کا ہاتھ بڑے پیار سے دبایا تو شعلہ جوالہ بنی اپنا ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"عارف...!" انہوں نے دھاڑ کر عارف کو پکارا۔
"جی بجیا۔" عارف نے گھبرائے ہوئے انداز میں پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے عارف... یہ تم کس لوفر کو پکڑ لائے ہو...؟"
"ارے ارے بجیا۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" عارف نے گھبرا کر یوں کہا جیسے انہوں نے کوئی بری بات کہہ دی ہو۔ اور ادھر جوتشی مہاراج گھبرا کر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور عارف کو مخاطب کر کے بولے۔
"شکریہ عارف میاں۔ اب تھوڑی دیر کو آپ باہر جانے کی زحمت گوارا کر لیں تو یہ عاجز اپنی جان بخشی کرانے کے سامان کر سکے۔" اور پھر اس کے ساتھ ساتھ جوتشی نے اپنی عینک اور مصنوعی مونچھیں نیز ٹوپی بھی اُتار کر عارف کے بستر پر اُچھال دی۔ تھوڑی دیر کو تو اس مانوس سی آواز پر شفق بھونچکا سی رہ گئیں۔ یہ ساری کارروائی دیکھتی رہیں مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے فرش پر اکڑوں بیٹھ کر گھٹنوں میں منہ دے لیا۔ عارف باہر نہیں گیا تھا بلکہ پوری بتیسی نکالے زور زور سے ہنس رہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"واللہ جواب نہیں بجیا آپ کا۔ ابھی خود ہی برضا و رغبت انہیں اپنا ہاتھ پیش کیا۔ اور ان کے سامنے بیٹھ کر آرام سے اپنی قسمت کا حال سنتی رہیں اور اب یہ عالم ہے کہ گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی ہیں۔"

READING Section

"واقعی شفو حد کر دی آپ نے۔ بھلا اس قدر شرمانے کی کیا تک ہے۔ شاید ہمارا ایک دم نازل ہو جانا ناگوار گزر رہا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں لیجیے ہم چلے جاتے ہیں۔"
شوکت حسین نے باہر کا رُخ کرتے ہوئے اس طرح کہا۔ جیسے وہ شفق کے منہ چھپانے کا برا مان گئے ہوں اور ادھر عارف سمجھا کہ وہ سچ مچ جانے کے لیے پر تول چکے ہیں۔ جلدی سے ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
"ارے ارے دولہا بھائی آپ چلے کہاں...؟ پہلے ان کو یہ تو بتاتے جائیے کہ کچہری کی رشوت دے کر اور ہماری خوشامد درآمد کر کے آپ نے یہ موقع فراہم کرنے پر راضی کیا تھا لیکن اب الٹی آنتیں گلے پڑتی نظر آ رہی ہیں اب تو ان کا سارا عتاب اس بندۂ ناتواں پر ہو گا۔" اتنا کہہ کر عارف جھپ سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی شوکت حسین جو شفق کے خیال میں کمرے سے چلے گئے تھے دبے پاؤں ان کی طرف بڑھے اور ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر وہ کچھ کہنے کو جھکے ہی تھے کہ شفق بیٹھے بیٹھے اس بری طرح چونکیں کہ ان کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تو شوکت حسین ان کے ڈر جانے پر اپنی ہنسی روک کر بولے۔
"بھئی ہم دنوں بعد تو آئے ہیں مگر اس قدر بدہیئت ہو کر بھی نہیں آئے جو آپ یوں خوفزدہ ہو رہی ہیں اور پھر شوہر تو خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو بہرحال شوہر ہی ہوتا ہے عورت کا سہاگ۔" اس وقت شفق کو شوکت حسین کے آنے کی اتنی خوشی نہیں ہو رہی تھی جتنی کہ عارف کے مذاق پر انہیں کوفت ہو رہی تھی اور شوکت حسین نے بھی تو جوتشی کا روپ دھار کر اور الٹی سیدھی باتیں بنا کر انہیں دل گرفتہ سا کر دیا تھا۔ اب سے پہلے کہ ان کی زبان پر ہزاروں گلے شکوے مچل رہے تھے اور یاس بھری نگاہوں میں ان سے ملنے کی خوشی نمی بن کر تیر رہی تھی۔ مگر ان کی نگاہیں جھکی رہیں۔ اور ہونٹ سل سے گئے۔ وہ جواب میں ان سے کچھ بھی نہ کہہ سکیں البتہ اتنا ضرور ہوا کہ آنکھوں میں تیرتی نمی پانی کے سوتوں کی طرح جھر جھر آنکھوں سے پھوٹ نکلی۔ بالکل خاموش گریہ...... نہ کوئی گلہ، آہ و زاری نہ کوئی فریاد۔ وہ اٹھ کر کھڑی تو ہو گئیں اور منہ پر سے ہاتھ بھی ہٹا لیے تھے شوکت حسین عقب سے نکل کر اب ان کے سامنے تھے۔ انہیں یوں بے دریغ اشکوں کا خزانہ لٹاتے دیکھ کر کچھ گھبرا سے گئے۔
"کیوں خیر تو ہے۔ یہ بے موسم کی بارش کیوں ہو رہی ہے؟" انہوں نے اپنی گھبراہٹ چھپا کر پوچھا۔
"یہ...... یہ خوشی کے آنسو۔" شفق کے رندھے ہوئے گلے سے اسی قدر کہا جا سکا۔
"لیکن خوشی کے آنسو۔ وہ بھی اتنی دریا دلی کے ساتھ آپ ہمیں ٹالنے کی کوشش تو نہ کیجیے۔" شوکت حسین نے ان کے خوبصورت سے عذر کو تسلیم نہیں کیا..... ان کی نگاہیں شفق کے رنگ بدلتے چہرے پر لگی تھیں جن میں تجسس بھی تھا تشویش بھی۔ اب شفق ان سے کیسے کہتیں کہ آپ کی طویل غیر حاضری کے دوران میں، میں نے ایسی ایسی باتیں سنی ہیں کہ میں آپ کو اچانک اور صحیح سلامت دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی یا پھر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے وہ ان سے اتنی بے تکلف بھی نہ تھیں۔ شوکت حسین خود ہی اندازہ لگا کر بولے۔
"غالباً آپ نے بھی ان افواہوں پر یقین کر لیا ہے جو ہمارے بدخواہوں نے ہمارے درمیان نفاق

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

ڈالنے کی غرض سے پھیلائی ہیں۔ عارف نے مجھے سب کچھ بتادیا ہے اور میں ابھی کچھ دیر پہلے آپ کے چہرے پر اس بات کا ردِعمل بھی دیکھ چکا ہوں۔ مگر شفق کیا آپ نے اس طرح ان افواہوں پر کان دھر کے ہمارے یقین و اعتماد کو زک نہیں پہنچائی۔؟''

''میں نے کسی کو زک نہیں پہنچائی بلکہ خود اپنے احساسات کو تہِ تیغ کر دیا ہے۔ آخر جب کسی کی دو سال تک خیر خبر ہی نہ ملے یا پھر کوئی پلٹ کر ہی نہ پوچھے اس پر الٹی سیدھی باتیں سننے کو ملیں تو ایک انسان کب تک ہواؤں کی زد پر رکھے ہوئے دیے کی لو کو بچا سکتا ہے۔''

''اوہ..... بڑی شاعرانہ طرزِ گفتگو ہے آپ کی۔ خیر آپ کا شکوہ سر آنکھوں پر۔ لیکن آپ کو معلوم بھی ہے۔ یہ دو سال میں نے بھی بڑی اذیت میں گزارے ہیں۔ بھلا حد ہوگئی زیادتی کی۔ زندگی کا رفیق موجود ہے مگر میں اس قدر مجبور ہو کر زندگی کا سفر اب تک تنہا ہی طے کر رہا ہوں۔ لیکن فکر کی بات نہیں اب تو سب کچھ نمٹا کر آیا ہوں۔ بس تیار ہوجائیے جلدی سے۔ پھر یہ چمکیلی سیپ میں چھپے ہوئے آبدار موتی۔ میری محبت کے امین بن جائیں گے۔'' شوکت حسین نے کہا اور شفق کی ٹھوڑی اوپر کر کے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان کے حسین چہرے کی بلائیں لیں پھر بولے۔

''اچھا اب آپ برائے کرم تشریف لے جائیے۔ ورنہ پھر میں ہی چلا جاتا ہوں کیونکہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ آگ کا ایک ہلکا سا شعلہ پٹرول کو کس قدر تیزی سے بھڑکا دیتا ہے اور یہاں تو قسمت سے شوہر بھی ہیں یعنی کلی اختیارات کے ساتھ آپ کے تمام تر جملہ حقوق کے مالک۔ ان حالات میں ایمان کا متزلزل ہوجانا ناجائز تو نہیں.....'' اُف خدایا شوکت حسین یہ کیا کہہ رہے تھے گھڑی بھر کو تو شفق کھڑی رہ گئیں جیسے وہیں گڑ گئی ہوں مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے مڑیں اور بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔ شرم نے ان پر اس قدر غلبہ کر رکھا تھا کہ اپنے کمرے میں آ کر انہوں نے طوبیٰ کو وہاں بیٹھے دیکھا تو جلدی سے غسلخانے میں گھس کر زور سے کھٹکا لگا لیا۔ اور پھر مسروری سے بے ترتیب دھڑکنوں کے ساتھ سوچنے لگیں۔ میرا شوہر بھی کس قدر مضبوط کردار اور قوتِ ارادی کا مالک ہے اور کتنا حیا دار شاکر کہ موقع سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا کہ وہ میرے تمام تر جملہ حقوق کا مالک ہے مگر اپنے ان حقوق کو استعمال کرنے کی بھی اس نے ایک حد مقرر کر رکھی ہے۔ اپنے محبوب شوہر کے ملنے کی خوشی اور اس خوشخبری نے کہ وہ سارے معاملات طے کر کے آیا ہے شفق کو اتنی سرشاری بخشی کہ یہ بھی بھول گئیں کہ بڑی دیر سے غسلخانے میں بند ہیں۔ دروازے پر مسلسل دستک نے انہیں اپنی بے خودی سے نکالا۔ انہوں نے جلد جلد اپنے حواس درست کر کے دروازہ کھولا تو طوبیٰ کو دروازے کے آگے کھڑا مسکراتے ہوئے پایا۔

''کیوں خیر تو ہے بجیا مجھے تو آپ کی طرف سے تشویش ہونے لگی تھی کہ آپ باہر نکلنا ہی بھول گئیں۔ آخر دولہا بھائی نے ایسی کیا بات کہہ دی تھی جو آپ کو یہاں پناہ لینی پڑی۔'' طوبیٰ نے بڑے شوخ انداز میں پوچھا۔ اصل میں وہ عارف کے کمرے میں کھیلا جانے والا سارا تماشا دیکھ چکی تھی خود شفق ہی تو اسے وہاں کھڑا کیا تھا۔ مگر عارف کے باہر آتے ہی وہ بھی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ شفق اس کے مذاق پر بری طرح جھینپ رہی تھیں انہوں نے اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

''یہ عارف کا بچہ کہاں ہے آج تو میں اس کو ٹھیک کیے بغیر نہ چھوڑوں گی تم نے تو دیکھا ہی ہوگا اس نے مجھے کتنا بڑا دھوکہ دیا ہے۔''

''ارے نہیں بجیا بڑا نہیں حسین دھوکہ کہیے۔ انہوں نے تو اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ آپ کی ملاقات آپ کے دولہا میاں سے کرادی۔ اور اس بات پر تو ہی شڈ بی ایوارڈیڈ۔'' طوبیٰ شرارت سے بولی۔

''اچھا تو اب تم نے بھی پر پُرزے نکال لیے۔ خیر اطمینان رکھو میں اسے انعام ہی سے نوازوں گی۔'' شفق کچھ جھینپ کر اور کچھ غصے سے بولیں۔ طوبیٰ نے پھر کچھ نہ کہا۔ اور دروازے کے آگے سے ہٹ گئی۔

شفق کو عارف پر غصہ تو بہت آرہا تھا مگر اسے عارف پر اُتارنے کا موقع انہیں نہ مل سکا تھا۔ کیونکہ شوکت حسین کے آجانے کی وجہ سے ایک تو ان کی مصروفیت بڑھ گئی تھی۔ اور دوسرے عارف سائے کی طرح شوکت حسین کے ساتھ ساتھ رہتا۔ اصل میں اس نے پنڈی کے ایک کالج میں داخلہ لیا تھا تعلیمی ادارے تو کھل گئے تھے مگر کالج اور یونیورسٹیاں ابھی نہیں کھلی تھیں۔ پھر بھی جلدی کھلنے کا امکان تھا۔ اس لیے عارف پنڈی جانے کے لیے پر تولے بیٹھا تھا کہ شوکت حسین آگئے۔ ٹھہرے تو وہ میجر صاحب کے یہاں ہی تھے۔ مگر صوفیہ بیگم کی پرانی روایات بدستور گھر پر مسلط تھیں۔ انہیں ہر وقت اونچ نیچ ہوجانے کا خطرہ ہی لاحق رہتا تھا۔ ادھر بیٹی کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے شفق کو کھلے بندوں شوکت حسین سے ملنے کی اجازت نہ تھی حالانکہ میجر صاحب کی طرف سے ہر طرح کی آزادی ملی ہوئی تھی مگر وہ بھی بیوی کی احتیاطوں اور خیالات کا احترام کرتے تھے۔ خود شوکت حسین کا رویہ بھی بڑا محتاط تھا کیونکہ بہرحال ان کی مشرقی اور خاندانی روایات پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی اور پھر وہ تو صرف ایک ہفتے کے قیام کے ارادے سے آئے تھے اور صرف ایک بار وہ بھی عارف کے ساتھ شفق کو پکچر دکھانے کے لیے لے گئے تھے۔ آغا پور میں صرف دو سینما گھر تھے ایک پرانا اور دوسرا جو نیا تعمیر ہوا تھا اور جس میں کبھی کبھی اتفاق سے کوئی اچھی فلم دکھائی جاتی تھی۔ صوفیہ بیگم نے تو اس بات پر بھی بہت اعتراض کیا تھا..... یہ کہہ کر کہ اب تو تین ماہ بعد رخصتی ہی ہوجائے گی۔ پھر بھلا کیا ضرورت ہے بیوی کو جگہ جگہ لیے پھرنے کی۔ مگر میجر صاحب نے سنی ان سنی کر کے بیٹی کو شوکت حسین کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تھی۔ عارف ساتھ تھا اس لیے ان دونوں کے درمیان ڈھنگ سے بات بھی نہ ہو سکی تھی۔

شوکت حسین جبل پور سے واقعی سارے معرکے سر کر کے آئے تھے شیخ حسنات الہ آباد کی ایک مشہور شخصیت تھے اور ادھر خود اطہر علی کے والد جو گورکھپور کے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے شوکت حسین نے انڈیا پہنچتے ہی اپنے والدین کے اطمینان کے لیے ساری جانچ پڑتال کرائی تھی۔ بہت قائل معقول کیا تھا تب کہیں جا کر ماں نے اجازت دی تھی باپ تو اپنے ہوش میں نہ تھے ادھر شوکت حسین کو فوری طور پر جاپان کے دورے پر بھیجا جا رہا تھا۔ وہ ڈھائی ماہ بعد ان کی واپسی تھی اور اس واپسی کے بعد ہی یہ طے پایا تھا کہ وہ شفق کو رخصت کرا کے جائیں گے۔ آٹھ دن ہوا ہو گئے تھے۔ شوکت حسین کا وقت بہت نپا تلا تھا۔ اور وہ پنڈی جا رہے تھے۔ عارف نے بھی ان کے ساتھ جانے کا پروگرام بنا لیا۔ اور چونکہ بھائی جا رہا تھا۔ اس لیے شفق کی خفگی خود بخود دور ہوگئی تھی۔ ویسے بھی وہ ہمیشہ خود ہی بگڑتی اور خود ہی من جایا کرتی تھیں۔ اور آصف کے مقابلے میں عارف شفق کو اس کی شوخیوں اور شرارتوں سمیت بہت

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
UrduPhoto.com

عزیز تھا۔ اس کے جانے کا رنج تو طوبیٰ کو بھی بہت ہو رہا تھا۔ لیکن صوفیہ بیگم رنجیدہ ہونے کے ساتھ دل برداشتہ بھی تھیں۔ اس کے خیال میں سارا قصور میجر صاحب کا تھا۔ جنہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اتنی ڈھیل دے رکھی تھی کہ ان کا جو جی چاہتا تھا وہی کرتے تھے اور ان کے خیال میں آصف تو ہاتھوں سے نکل ہی چکے تھے اب عارف بھی پر پُرزے نکال رہے تھے بھلا اچھا بھلا مقامی کالج میں پڑھ رہا تھا پھر پنڈی جا کر پڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔ بس اسی لیے نا کہ وہاں آزادی ملے گی جو چاہے گا کرے گا نہ کوئی دیکھنے والا ہوگا۔ نہ ٹوکنے والا۔ جبکہ میجر صاحب نے اور شفق نے انہیں کتنا سمجھایا بھی تھا کہ یہاں ایک ہی کالج ہے وہ بھی نہایت بوگس اور جس میں لیبارٹری ہے نہ سائنس سیکشن۔ لیکن اس کے باوجود بھی صوفیہ بیگم عارف کے پنڈی جا کر پڑھنے کی سخت مخالف تھیں۔

عارف کے جانے کے بعد گھر کی ساری رونق جاتی رہی تھی۔ وہ تو شفق کی شادی کی وجہ سے ان جہیز کی تیاریوں میں وقت کچھ اچھا کٹ جاتا تھا۔ شفق کا جہیز تو بہت عرصے سے تیار تھا۔ لیکن پھر بھی کچھ ضروری چیزیں جو وقت کے وقت تیار کی جاتی ہیں، بن رہی تھیں مثلاً جوڑوں کی ٹکائی اور سلائی، پر قلعی اور پالش، فرنیچر اور زیورات کی تیاری وغیرہ..... ادھر میجر صاحب کو اب ایک اور فکر لاحق ہو گئی تھی انہیں معلوم تھا کہ شفق کی رخصتی کے بعد طوبیٰ کو گھر میں رکھنا مشکل ہی ہوگا۔ کیونکہ صوفیہ بیگم طوبیٰ کو گھر میں رکھنے پر آمادہ نہ ہوں گی اور اس بات پر بڑی لے دے مچے گی۔ میجر صاحب اب ان کو یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ عشرہ بیگم کی لڑکی ہے۔ اس طرح تو سارا پروگرام ہی ٹھپ ہو جاتا۔ اور شفق کی رخصتی کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ جاتا۔ کیونکہ صوفیہ بیگم کبھی یہ گوارا نہ کرتیں کہ عشرہ بیگم کے انتقال کی خبر سن کر گھر میں کوئی خوشی منائیں اور نہ جانے ان پر یہ انکشاف کیا اثر چھوڑتا وہ اگر اس صدمے سے [illegible] یقیناً تب بھی یہ صدمہ ان پر ایک قیامت بن کر ٹوٹتا۔ خدا خدا کر کے تو ان کی طبیعت ٹھیک ہوئی تھی اور ان دنوں وہ اتنی خوش خوش سی نظر آ رہی تھیں پھر میجر کس دل سے ان سے ان کی یہ خوشیاں چھینتے کرتے اس لیے بس ان کی سمجھ میں ایک ہی ترکیب آئی کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے شفق کی شادی سے پہلے پہلے وہ آصف سے طوبیٰ کی منگنی کر دیں۔ اس طرح طوبیٰ کو گھر میں رکھنے کا بہانہ بھی ہاتھ آ جاتا اور ان کی ایک دیرینہ اور دلی آرزو بھی پوری ہو جائے گی کہ طوبیٰ اور آصف کو منسوب کرنے میں انہیں بڑی دشواریاں نظر آ رہی تھیں۔ کیونکہ صوفیہ بیگم آسانی سے اس رشتے کو قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آ رہی تھیں پھر بھی میجر صاحب کو جہاں شفق کی تائید حاصل تھی وہاں آصف پر بھی بھروسہ تھا کہ وہ ان کے اس فیصلے سے انحراف نہ کریں گے۔ اسی وجہ سے انہوں نے آصف کو بڑی تفصیل سے کچھ لکھ دیا تھا اور شفق کو بھی اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ تو خدا سے یہی چاہتی تھیں کہ طوبیٰ ان کی بھاوج بنے مگر ماں کی طرف سے وہ بھی مطمئن نہ تھیں انہوں نے طوبیٰ کے ساتھ ماں کا رویہ بھی دیکھا تھا کہ وہ اس سے کس قدر بے رخی برتتی ہیں ذرا سی چوک پر سینکڑوں قصیدے کر ڈالتیں۔ حتیٰ کہ طعنے ڈانٹ اور جھڑکیاں بھی دیتی تھیں مگر میجر صاحب تو اس معاملے میں سنجیدہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک دن موقع دیکھ کر موضوع چھیڑا۔

''ہاں میں تم سے کہنا بھول گیا شفق۔ تم افشاں کے لیے بھی کچھ جوڑے بنا دینا بیٹی تا کہ تمہاری شادی پر اسے اپنی کم مائیگی کا احساس نہ ہو۔'' میجر نے باتیں کرتے کرتے کچھ یاد کر کے شفق سے کہا۔

''جی اچھا پاپا۔'' باپ کے منہ سے اپنی شادی کا ذکر سن کر شفق کو بڑی شرم آئی انہوں نے شرما کر آہستہ سے کہا۔

''ہاں بیٹی۔ ہم نے اسے بیٹی کہا ہے اور ہم اس کا خیال نہ رکھیں گے تو کون رکھے گا۔'' میجر صاحب بولے۔

''لیکن پاپا کپڑے تو خیر بن ہی جائیں گے مگر زیورات کا کیا ہوگا۔'' شفق نے پوچھا۔

''بھئی خدا نے تمہیں اس قابل کیا ہے کہ تم اس کی ضرورت کی ہر چیز آسانی سے خرید سکتی ہو تو اس کے لیے ایک آدھ سیٹ بھی بنوا دو..... اس کا گلا ہاتھ خالی رہے تو بھی ہماری ہی سبکی ہوگی۔'' میجر صاحب نے کہا۔ صوفیہ بیگم اتنی دیر سے بڑے صبر اور خاموشی سے دونوں باپ بیٹی کی گفتگو سن کر پہلو بدل رہی تھیں اب جو میجر صاحب نے اتنے اطمینان اور رسانیت سے طوبیٰ کے لیے زیور بنانے کا مشورہ دیا تو تڑخ کر بولیں۔

''کیوں۔ کیا آپ کے ہاتھ بہت فالتو پیسہ آ گیا ہے جو اس لاوارث لڑکی پر لٹانا چاہ رہے ہیں۔ بھئی یہ کم ہے کہ اسے اپنے گھر میں پناہ دی ہے۔ اور پھر اس کا اعتبار کیا۔ کوئی حالی موالی آ گیا تو ایسے طوطے کی طرح دیدے پھیرے گی کہ آپ ٹکا سا منہ لے کر رہ جائیں گے۔''

''ارے نہیں بیگم۔ کسی کے آنے کا امکان تو اب ختم ہی ہو گیا۔ وہ خود بھی اپنے منہ سے اعتراف کر چکی ہے۔ اس کا اس بھری دنیا میں کوئی نہیں ہے اور یہی دیکھ کر تو میں نے سوچا ہے کہ اسے گھر کی بہو بنا کر ہمیشہ کے لیے یہیں رکھ لوں۔'' میجر صاحب نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں اپنا دلی مقصد بیان کیا۔

''کیا سوچا ہے؟'' صوفیہ بیگم نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''یہی کہ آصف سے اسے منسوب کر دوں۔'' میجر صاحب نے اپنا مقصد واضح کرتے مختصر لفظوں میں بتایا۔

''اے لو، یہ اور ہوئی..... جانیں کون ہے کیا ہے۔ نہ خون کا پتا نہ ہڈی کا۔ اور گھنی ایسی کہ مجال ہے جو زبان سے ایک لفظ بھی سرکا دے۔ لو بھلا حد ہو گئی آپ کی تلون مزاجی کی بھی۔ ابھی کچھ دن پہلے مصر تھے کہ طوبیٰ سے آصف کی منگنی طے کرا دو اور اب اس غیر اور لاوارث لڑکی کو بہو بنانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔'' صوفیہ بیگم بگڑ کر بولیں۔

''اچھا تو پھر تم ایسا کرو کہ طوبیٰ سے آصف کی نسبت طے کرا دو۔'' میجر صاحب نے کسی خیال کے تحت کہا۔

''ہائیں اب طوبیٰ سے کرا دوں۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے جو آپ آصف کو کسی نہ کسی کے ساتھ باندھنے کے درپے ہیں۔'' صوفیہ بیگم نے چیخ کر پوچھا۔

''معاملہ کیا ہوتا تمہارے ایلی پن اور آرام کی غرض سے کہہ رہا تھا...... رخصتی کے بعد شفق اپنے گھر چلی جائے گی تو تمہاری دیکھ بھال کون کرے گا۔ دونوں لڑکے بھی دوسرے شہروں میں ہیں۔'' میجر صاحب نے بتایا۔

''لیکن باجی جان تو ابھی آئیں بھی نہیں اور ان کی بچی ابھی پڑھ رہی ہے اور وہ یوں ہتھیلی پر سرسوں

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

کیسے جما سکتی ہیں خیر سے شفق کی شادی میں اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔'' صوفیہ بیگم میجر صاحب کا مقصد جان کر انہیں کو قائل کرنے کی غرض سے بولیں۔

''ہتھیلی پر سرسوں تو انہیں جمانی ہی پڑے گی اور وہ تو اپنی اور تمہاری تنہائی کے خیال سے ہی مستقل طور پر یہاں رہنے کے ارادے سے آ رہی تھیں۔ خیر اب نہیں تو شفق کی شادی پر تو لازمی انہیں شرکت کرنی پڑے گی اور جبھی سارے معاملات طے ہو جائیں گے۔ کیونکہ میں آصف کو جلد ہی پابند کرنا چاہتا ہوں تاکہ اسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہو۔'' میجر صاحب اپنے ہی مؤقف پر ڈٹے رہے۔

''اے کہیں آصف نے تو کوئی نیا گل نہیں کھلایا جو آپ اسے پابند کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' میجر صاحب صوفیہ بیگم کے غلط اندازوں پر ہنس کر بولے۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو صوفیہ! عارف سنے تو کیا سوچے گا۔''

''سوچے گا کیا۔ آپ نے تو اسے کھلی چھٹی دے رکھی ہے اس سے تو کچھ بعید بھی نہیں۔'' صوفیہ نے طنزاً کہنا چاہا تو میجر قطع کلام کرتے ہوئے بولے۔

''یہ تو کوئی اچھی بات نہیں صوفیہ۔ اپنی ہی اولاد سے اس قدر بدگمان ہونا۔ جوان اولاد ہے تمہاری ان باتوں سے کوئی اچھا اثر نہیں لے گی اور تم نے تو عارف کی بات ہی اوندھی کر کے رکھ دی۔ بہرحال میں آج ہی بھابی دلہن کو خط لکھتا ہوں..... ہاں نیک کام میں دیر کس بات کی؟'' میجر صاحب کی بات سن کر صوفیہ بیگم کچھ گھبرا سی گئیں۔

''اے ہے نہیں۔ ایسا تو غضب بھی نہ کیجیے گا خوامخواہ ان کی پریشانیوں میں اضافہ کرنا۔ انہیں یہاں آ لینے دیجیے۔'' اپنی گھبراہٹ چھپا کر وہ ٹالنے کے سے انداز میں بولیں۔

''نہیں صوفیہ اب دیکھا نہیں جائے گا۔ تمہیں ابھی اور اسی وقت افشاں اور طوبیٰ میں سے کسی ایک کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں اب اس معاملے کو مزید طول دینے کے لیے بالکل تیار نہیں، کہہ آج ہی بھابی دلہن کو خط لکھ دوں ورنہ پھر افشاں کے معاملے میں سوچوں۔'' میجر صاحب اپنی سپاہیانہ فطرت کے بموجب بڑے فیصلہ کن لہجے میں بولے۔

''واہ بہت خوب، زندگی بچے کو گزارنی ہے۔ اس سے پوچھا نہ گچھا اور خود ہی فیصلہ کرنے بیٹھ گئے۔'' صوفیہ بیگم نے میجر کو اس قدر سنجیدہ دیکھا تو لگیں اوپر ڈے پکڑنے۔

''نہیں، میں نے سب سے پہلے تمہارے بیٹے سے ہی پوچھا ہے اور اسی کی خوشی پر یہ بات اٹھائی ہے۔'' میجر صاحب نے چبھتے سے لہجے میں کہا۔

''اچھا۔'' صوفیہ بیگم زور سے ہنسیں۔

''آپ کا بیٹا بھی اچھا خاصا تھالی کا بینگن ہے کہ جس لڑکی سے باپ کہہ دیں گے اسی سے شادی کرے گا۔ گویا اس کی اپنی تو کوئی پسند ہے نہ مرضی۔ تعجب ہے۔ ویسے تو خود سر بنتا ہے۔''

''تم یہ چوپائی چلانے کی عادت چھوڑ دو صوفیہ اور معاملے کی بات کرو۔'' میجر صاحب ناگواری سے بولے اور شفق جو اتنی دیر سے مہر بلب بیٹھی اپنے والدین کی نوک جھونک سن رہی تھیں ان سے نہ رہا گیا تو انہوں نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن امی جان۔ آصف نے تو صرف ایک کے بارے میں اپنی رضامندی دی ہے۔''

''تم چپ رہو شفو..... مجھے لڑکیوں کا پٹر پٹر ہر معاملے میں بولنا بالکل پسند نہیں ہے۔'' صوفیہ بیگم نے فوراً ہی شفق کو ڈانٹا اور پھر ایک دم ہی خیال آیا تو چونک کر میجر سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

''ہاں تو آصف نے کس کے لیے اپنی رضامندی دی ہے آخر مجھے بھی تو معلوم ہو۔''

''افشاں کے لیے دی ہے صوفیہ۔'' میجر صاحب نے متانت سے بتایا۔

''اچھا.....'' صوفیہ بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر بڑی معنی خیزی سے سر ہلاتے ہوئے اچھا کہا۔ ''تو یہ بات ہے، دیکھا میں آپ سے نہ کہتی تھی کہ اس جوان اور خوبصورت لڑکی کو گھر میں نہ رکھیے۔ جوان لڑکوں کا ساتھ ہے۔ اب دیکھا نا آخر آصف پر اس کے حسن کا جادو چل گیا نا۔'' صوفیہ بیگم نے اپنی پست ذہنی کا اظہار کیا تو میجر صاحب سخت ناگواری سے بولے۔

''استغفراللہ۔ تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو صوفیہ۔ وہ کیا مثل ہے کہ پاس بسا جانے یا راہ چلا جانے۔ وہ بچی اتنے عرصے سے تمہارے پاس رہ رہی ہے۔ تم اب تک اس کے مزاج اور عادتوں سے بھی واقف نہیں ہوئیں۔ بے چاری کیسی بے زبان اور مسکین ہے۔ ویسے بھی یتیم و یسیر ہے۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو صوفیہ۔ اس کے تو فرشتوں کا بھی خیر نہیں کہ ہم اس کے لیے کیا ارادے رکھتے ہیں۔'' میجر صاحب نے دھکے دھکے انداز میں ملامت کی۔

''اے تو میں نے کون سی دنیا سے نرالی بات کہہ دی ہے۔ آگ اور پھونس کا بیر تو ہمیشہ سے ہی چلا آ رہا ہے۔ اور خیر سے وہ آپ کے صاحبزادے تو ہیں ہی سدا سے عاشق مزاج..... وہ یاد نہیں بچپن میں اپنی اس انگریز استانی پر کیسے فدا تھے۔'' صوفیہ بیگم کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہر طریقے سے اصل موضوع کو ٹالنا چاہتی ہیں۔

''لاحول ولا۔ پھر وہی الٹی سیدھی باتیں۔ وہ جیسا بھی ہے اس وقت تو اس کی شادی بیاہ کی بات ہو رہی ہے تم تو یہ بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے۔'' میجر صاحب نے انہیں پھر گھیرا۔

''اے میرا یہ خیال ہوگا۔ میں بھلا کس گنتی اور شمار میں ہوں جو مجھے بیچ میں لے آئے۔ لو بھلا سارے معاملات تو باپ بیٹوں نے پہلے ہی طے کر لیے۔ اب مجھ سے پوچھا جا رہا ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے۔'' صوفیہ بیگم نہایت بیزاری سے بولیں۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ تم اس معاملے میں ذرا بھی سنجیدہ نہیں ہو۔'' میجر صاحب نے زچ ہو کر پوچھا۔

''پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ بھلا میری بھی کوئی حیثیت اور اوقات ہے جو میری مرضی پوچھی جا رہی ہے۔ آپ دونوں باپ بیٹے سیاہ کریں یا سفید میں آپ کے معاملے میں حصہ لوں گی نہ کچھ بولوں گی۔'' مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے صوفیہ بیگم کی طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تھا۔ انہیں جلد ہی غصہ آ جاتا تھا اور میجر صاحب چاہ رہے تھے کہ ان کی بیوی کی دل آزاری نہ ہو اس لیے فوری کوئی جواب نہ دے سکے بلکہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے۔

''لیکن امی جان آصف نے تو اس کا فیصلہ قطعی طور پر آپ پر چھوڑا ہے۔'' شفق کو مجبور ہو کر پھر بولنا پڑا۔

''ہاں، خدا اسے نیک توفیق دے۔ بڑا ہی کرم کیا ہے اس نے مجھ پر۔'' صوفیہ بیگم ایک زہر خند سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

بولیں۔
"ٹھیک ہے پھر تو آصف کے لیے افشاں ہی موزوں رہے گی۔ خود اس کا رجحان بھی اسی کی طرف ہے اور تمہاری امی تو شروع ہی سے طوبیٰ کی بات کو ٹالتی چلی آ رہی ہیں پھر اس کا معاملہ تو آؤٹ آف کوئسچن ہی سمجھو۔" میجر صاحب ایک گہرا سانس لینے کے بعد اٹھتے ہوئے بولے۔ انہوں نے صوفیہ بیگم کو اپنا فیصلہ سنانے کے لیے شفق کو مخاطب کیا تھا صوفیہ بھی سمجھ گئیں۔ مگر بولیں کچھ بھی نہیں۔ بس روٹھی روٹھی سی بیٹھی رہیں۔ شفق نے بھی خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ مبادا کہ ماں کا سارا نزلہ ان پر گر جائے۔ میجر صاحب اٹھ کر جانے لگے تو صوفیہ بیگم نے انہیں سنانے کو شفق سے کہا۔
"یہ تم نے لاوارثوں اور محتاجوں کی طرح مجھے اس لڑکی کے رحم و کرم پر کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ خیر کچھ دن بعد اپنے گھر جانے والی ہو۔ اتنے دن اللہ واسطے میرا کام کر دیا کرو۔ اے ہاں وہی مثل گزر گئی گزران کیا جھونپڑی کیا میدان۔" اور ان کے محاورے پر اپنے کمرے میں جاتے ہوئے میجر صاحب کو بڑے زوروں کی ہنسی آ گئی۔ لیکن شفق آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں۔
"آپ کو چھوڑ کر کہیں جانے کا تصور بھی میرے لیے سوہان روح بن گیا ہے امی جان۔ میری تو دعا ہے کہ یہ معاملہ اور طول پکڑ جائے تو....." صوفیہ بیگم نے بے چین ہو کر قطع کلام کرتے ہوئے اسے جھڑکا۔
"تین تین۔ کیا بک رہی ہو شفق۔ دشمن دور پار شیطان کے کان بہرے۔ خدا نہ کرے جو تمہارا معاملہ طول پکڑے۔ بھلا ایسی بدفالیں بھی منہ سے نکالتے ہیں..... تمہاری تو وہی مثل ہو گئی کہ لڑکی نہ پیا میں سو سو جھوک۔ اب خدا خدا کر کے تو سینے سے ایک بوجھ ہٹا ہوا ہے۔"
"مگر امی جان آپ کو تنہا چھوڑنے کو دل بھی تو نہیں چاہتا۔ مجھے تو یہ سوچ سوچ کر ابھی سے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے کہ میرے جانے کے بعد آپ۔" شفق نے افسردہ ہو کر کہا۔
"ارے میرا کیا ہے میرا خیال رکھنے کو تمہارے ابا لے تو آئے ہیں اسے۔" صوفیہ بیگم نے پھر سے پھپھولے پھوڑنے شروع کیے۔
"اچھا تو آپ راضی ہیں امی جان۔" شفق نے خوش ہو کر پوچھا۔
"کس بات پر.....؟" صوفیہ بیگم نے چونک کر پوچھا۔
"آصف اور پاپا کے فیصلے پر۔" شفق نے بتایا تو صوفیہ بیگم چپ سی ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔
"اے مرضی کیا مجبوری ہے بیٹی۔ ورنہ اس سے کچھ بعید بھی نہیں کہ لڑکی ہی کو لے اڑے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ چھٹیاں آوارہ گردی میں گزار دیں۔ ایک دن بھی تو ٹک کر گھر میں نہ ٹکا اور جاتا بھی تو کہاں تھا وہی موا کلب اور بائیسکوپ بھلا یہ بھی کوئی شریفوں کا شیوہ ہے۔ ایک ہمارے باوا تھے کہ ہمارے پیدا ہونے کے بعد بھی اپنے باپ کے نام سے ان کا پسینہ خطا ہوتا اور یہ تمہارے پاپا بھی مجال تھی جو اپنے باپ کے سامنے نگاہ اونچی کر کے بات کر لیتے۔ اور ایک یہ بیٹا ہے کہ باپ کا ذرا بھی لحاظ نہیں۔ پہلے تو اڑا اڑا پھرتا تھا سارے زمانے میں اور اب باپ سے دو منہ چھوڑ کر یہ بھی کہہ دیا کہ فریفتہ ہوں۔ دل آ گیا ہے اس پری وش پر۔ میری ان سے شادی کر دو ورنہ میں کچھ کھا کے سو رہوں گا۔"
صوفیہ بیگم ایک تسلسل سے کہتی رہیں۔ شفق بھلا ان کی بات کا کیا جواب دیتیں۔ ماں کی بیماری کا بھی

خیال تھا اور پھر ناراضگی سے ہی سہی انہوں نے آصف اور افشاں کے لیے ایک طرح اپنی رضامندی تو دے دی تھی۔ انہوں نے ماں کا دھیان بٹانے کو بات کا رخ ہی موڑ دیا۔ کچھ دیر ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں پھر کسی کام سے اٹھ کر آنے لگیں تو ان کی آہٹ پر دروازے سے کان لگائے کھڑی طوبیٰ پینٹری میں چلی آئی۔ اصل میں وہ آئی تو تھی کسی کام کی بابت پوچھنے کی غرض سے مگر اندر صوفیہ بیگم کو گرجتا اور برستا دیکھ کر ان کے سامنے جانے کی ہمت نہ پڑی۔ تو وہ دروازے پر ہی رک گئی۔ لیکن اس نے صرف شفق اور صوفیہ بیگم کی گفتگو ہی سنی تھی اور یہ تو اسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ساری گفتگو آصف کے بارے میں ہو رہی تھی مگر وہ کس پر فریفتہ ہو گئے تھے کہ ناکامی کی صورت میں خودکشی کرنے کی نوبت آ رہی تھی۔ یہ سب اس کے بالکل پلے نہیں پڑا۔ پینٹری میں آ کر اس نے پڈنگ بنانے کے لیے انڈوں کی زردی کو پھینٹتے ہوئے سوچا .....واہ یہ خوب رہی۔ وہی مثل ہو گئی کہ کسی کو ساٹھی اور کسی کو بدھائی۔ یا تو آصف ایک دم ہی مجھ پر اتنے مہربان ہو گئے تھے کہ میرے حصول کی تمنا کر رہے تھے۔ یا اب یہ عالم کہ کسی اور سے شادی نہ ہونے کی صورت میں خودکشی کرنے پر آمادہ ہیں۔ خیر یہ اچھا ہی ہوا کم از کم میرے حق میں تو بہت ہی اچھا۔ کیونکہ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میں کون ہوں آصف کے رویے میں اچانک تبدیلی آ گئی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے وہ میرے ساتھ جس طرح پیش آتے رہے وہ مجھ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ انہوں نے تو شروع ہی سے کچھ ایسا تاثر دیا کہ وہ میری طرف سے مشکوک بھی ہیں۔ مجھ سے بے رخی برتتے تھے اور مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا بھی چاہتے تھے۔ اس دن کلب میں بھی انہوں نے کچھ ایسا ہی مظاہرہ کیا تھا۔ دوسری لڑکیوں سے بے تکلف ہو کر بھی دکھایا تھا اور گانے کے دوران فاصلے فاصلے سے بھی مجھ پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے مجھے کچھ احساس بھی دلایا تھا اور گانے کے بعد ان سے بات کرنے کا چبھتا سا انداز نہ معلوم مجھ پر کیا جتانا چاہ رہے تھے۔ میں تو آج تک سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ کیا شے ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ خیر اب تو چاہنے اور نہ چاہنے کا بھی سوال ختم ہو گیا ہے۔ اف تو یہ یہاں آ کر تو معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا ہی بدل گئی ہو۔ پھر اپنا ماضی یاد کر کے طوبیٰ کی خوبصورت آنکھیں جھلملانے لگیں مگر اسی دم شفق کے آ جانے کی وجہ سے اسے اپنی جھل مل کرتی آنکھوں کو جلدی سے خشک کرنا پڑا۔
شفق کی رخصتی میں تو ابھی ایک ماہ کا عرصہ باقی تھا مگر آصف ابھی سے وارد ہو گئے تھے اور طوبیٰ کو ان کا سامنا کرنے میں بڑی دقت پیش آ رہی تھی۔ وہ کوشش تو یہی کرتی کہ جس قدر ممکن ہو سکے ان کی نظروں سے دور ہی رہے لیکن ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ بھی اس صورت میں جب کہ گھر کے بیشتر کام اسی کے ذمے تھے۔ ایسی کوئی کوشش بے سود ہی تھی۔ اب اسے یہ تو معلوم ہی نہ تھا کہ ان لوگوں کے ارادے کیا ہیں یا آصف صرف اسی کی وجہ سے رخصتی سے اتنے دن پیشتر آ گئے ہیں۔ وہ تو اسی خیال سے ان سے چھپتی پھرتی دور دور رہنے کی کوشش کرتی مگر وہ تھی کہ جس قدر وہ ان سے دور بھاگنے کی کوشش کرتی اسی قدر وہ اس کے تعاقب میں لگے رہتے۔ کبھی کبھی تو اس آنکھ مچولی پر طوبیٰ خود کو ملامت بھی کرتی کہ بھلا اس قدر احتراز برتنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب تو ان کی طرف سے کوئی خدشہ ہی لاحق نہیں رہا۔ پھر وہ ایسے برے بھی نہیں۔ کم از کم مجھ پر تو آج بھی بہت مہربان ہیں۔ پھر بھلا چھپنے چھپانے کی کیا ضرورت ہے اور ادھر جب سے آصف آئے تھے گھر میں ان کے رشتے ناتے کے متعلق کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی اور اس بات پر بھی طوبیٰ کو سخت تعجب ہوا تھا کیونکہ اس روز صوفیہ بیگم ان کے بارے میں

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

جس انداز میں گفتگو کر رہی تھیں اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ بس آصف اب جب بھی آئیں گے تو سہرا بندھی باندھ کر ہی آئیں گے۔ لیکن اب جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس کی توقعات کے بالکل ہی برخلاف ہو رہا تھا۔ آصف خاموش تھے۔ شفق چپ چپ سی اور صوفیہ بیگم بالکل ہی خاموش اور لاتعلق سی۔ البتہ ان کے رویئے سے یہ ضرور ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بیٹے سے سخت کبیدہ ہیں۔ آصف بھی بس کھڑے کھڑے ہی ماں کے پاس جاتے تھے۔

گھر کا ماحول بھی کچھ سونا سونا سا تھا اور چند روز پہلے شفق کی رخصتی کے سلسلے میں گہما گہمی نظر آتی تھی وہ شاید آصف کے آجانے کی وجہ سے ہی نہ رہی تھی۔ گو پہلے کی طرح آصف گھر سے ہر وقت غائب بھی نہ رہتے تھے بلکہ کچھ شادی کی مصروفیات میں اور کچھ شفق سے باتیں کرنے میں اپنا وقت گزارتے تھے۔ پھر اس تاک میں لگے رہتے کہ موقع ملے تو طوبیٰ سے بات کریں مگر طوبیٰ خود ہی ایسا کوئی موقع دینے پر تیار نظر نہ آتی تھی۔ اس بات کو آصف بھی اچھی طرح محسوس کر چکے تھے مگر ان ... دل لگی تھی۔ ... صاحب نے اس مرتبہ تو خاص طور پر انہیں پہلے ہی سے بلا لیا تھا۔ اور ان کے آتے ہی انہوں نے ان سے افشاں کے متعلق ساری بات بھی کر لی تھی۔ آصف تو بہت پہلے ہی اس پر لٹو ہو چکے تھے۔ اس پر باپ نے جب ان کی مرضی پچھوائی تو گویا ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اب گھر پہنچنے کے بعد تو گویا سارا معاملہ ہی طے ہو گیا تھا۔ ان کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ حالانکہ انہیں ماں کے خیالات کا بھی علم تھا لیکن اب پروا کسے تھی۔ البتہ طوبیٰ کا روکھا پھیکا طرز عمل اور اجنبیت بھرا رویہ ضرور انہیں ششش و پنج میں ڈال دیتا۔ وہ تو اب تک یہی سمجھتے آ رہے تھے کہ ان کے والد اور بہن نے اس رشتے کے لیے اس کی رضامندی بھی لی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنے حالات سے مجبور ہو کر یا شرما حضوری اور مروت کے لحاظ میں اس نے اپنی رضامندی دے دی ہو۔ لیکن دل سے وہ اس رشتے کے لیے تیار نہ ہو۔ انہوں نے دل میں سوچا اور ایک دن موقع پا کر طوبیٰ کا راستہ روک کر انہوں نے کہا۔

''ارے یہ آپ ہر وقت کہاں چھپی چھپی پھرتی ہیں۔ ہم تو آپ کی وجہ سے اتنی دور سے چل کر آئے ہیں اور آپ ہیں کہ......'' آصف نے اس کا ایک بھرپور جائزہ لیتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ان کے لہجے میں ایک گلہ سا شامل تھا اور وہ جو شفق کے بلانے پر سلاد بناتے بناتے کام چھوڑ کر ان کے کمرے کا رخ کر رہی تھی اور اچانک آصف سے سامنا ہو جانے پر گھبرا سی گئی تھی ان کی گلہ آمیز بات پر اسے غصہ تو بہت آیا کہ آئے تو بہن کی شادی میں شرکت کرنے اور اپنی شادی کا معاملہ طے کرنے ہیں ......اور کہہ یہ رہے ہیں کہ تمہاری وجہ سے آیا ہوں وہ جواب میں اس قدر کہہ سکی۔

''بڑی عنایت ہے آپ کی۔ ویسے بھی آپ تو دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ آج کل کام کتنے بڑھے ہوئے ہیں۔'' عجیب روٹھے سے انداز میں جواب ملا تھا۔ اس پر وہ ان سے کترا بھی بہت رہی تھی۔ اس انداز تخاطب نے آصف کو بڑی کوفت پہنچائی۔

انہوں نے تو کیسے چاؤ اور لگن سے اس سے بات کی تھی اور خود کو اس کا منگیتر سمجھتے ہوئے کی تھی اور جواب انہیں ایسا اکھڑا سا ملا تھا۔ اپنی ناگواری میں تھوڑا تھوڑا تحیر شامل کر کے انہوں نے کہا۔

''تعجب ہے میں تمہیں آج تک سمجھ ہی نہیں سکا کہ تم کس مزاج کی لڑکی ہو۔ تمہیں یہاں رہتے ہوئے اتنے دن ہو گئے مگر میں نے تمہیں ایک دن بھی کسی سے سیدھے منہ بات کرتے نہیں دیکھا جب

کہ یہاں کا ایک ایک فرد تم سے کتنی اپنائیت اور خلوص سے پیش آ تا رہا ہے۔'' انہوں نے اسے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ انہوں نے اس پر ایک نظر ڈال کر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''سچ بتاؤ کیا ہمارے خلوص میں تمہیں کوئی کمی محسوس ہوتی ہے یا پھر یہاں تم کو کوئی ایسی تکلیف ہے جس کا اظہار تم ہم پر کرنا نہیں چاہتیں۔''

''نہیں مجھے یہاں کسی قسم کی تکلیف ہے نہ ہی آپ لوگوں کے خلوص میں مجھے کوئی کمی نظر آتی ہے۔ لیکن اگر اسے ہی سچا خلوص عزیزداری اور اپنائیت کہتے ہیں جس کا مظاہرہ آپ سب کرتے آ رہے ہیں تو پھر میں بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گی کہ یہ سب دکھاوا اور فریب ہے۔'' طوبیٰ نے بھی سوچا کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے۔ کیوں نہ آصف کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ دے۔ وہ بات جس نے اس کی سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں چھین رکھی تھیں۔ جس نے اس کے احساسات کو شدید ٹھیس پہنچائی تھی جس کی وجہ سے پورے ہوش میں ہوتے ہوئے بھی وہ یہی ظاہر کرتی رہی تھی کہ اس کے ذہن سے اس کا ماضی محو ہو چکا ہے اور جس کے کارن آج تک اس نے اپنے بارے میں زبان نہ کھولی تھی۔

''دکھاوا اور فریب ہے۔ میں سمجھا نہیں آخر تم کہنا کیا چاہ رہی ہو۔'' آصف کی مصفیٰ پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ انہوں نے تیکھے سے لہجے میں پوچھا۔

''میں جو کچھ کہنا چاہ رہی ہوں خود آپ کا راستہ روک کر نہیں کہہ رہی بلکہ آپ نے مجھے یہ سب کہنے پر مجبور کر دیا ہے ایک ایسی بات جو شاید آپ لوگوں کی نظروں میں بالکل ہی بے حقیقت ہے مگر میری زندگی سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔'' طوبیٰ آصف کے رویئے پر جل کر بولی۔

''لیکن وہ ایسی کون سی بات ہے طوبیٰ۔ جو کچھ کہنا چاہتی ہو صاف صاف کہو۔ اس طرح پہیلیاں بجھوانے سے فائدہ۔ میں تو اس وقت بڑے دوستانہ موڈ میں تم سے بات کرنے کھڑا ہوا تھا۔'' آصف اس کی گفتگو پر زچ سے ہو کر بولے۔

''اُف۔ اب میں خود کیسے کہوں۔ کیا آپ کو ذرا سا بھی احساس نہیں۔ کیا میری امی سے آپ لوگوں کا ذرا سا بھی کوئی تعلق نہ تھا جو آپ نے ان کی موت کے واقعے کو خالہ بیگم سے چھپایا اور اگر چھپایا بھی تھا تو دنیا دکھاوے کی خاطر کچھ دن تو ان کا سوگ منا لیتے، مگر یہاں تو سوئم ہوا، فاتحہ ہوئی نہ چہلم کیا۔ بس راتوں رات ان کی تجہیز و تکفین کر کے چچا میاں ایسی خاموشی سے بیٹھ گئے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ آپ ہی انصاف سے کام لے کر بتایئے آج تک کہیں ایسا بھی ہوا ہے۔'' طوبیٰ کہتی رہی اور آصف خاموش کھڑے اس کی باتوں پر دل ہی دل میں قائل اور متاسف ہو کر سوچتے رہے۔ واقعی یہ سخت زیادتی ہوئی ہے مگر اس زیادتی سے کام لینے کا سبب بھی انہیں معلوم تھا۔ اس پر تھوڑے شرمندہ بھی ہو گئے تھے۔ بڑی نرمی اور رسانیت سے بولے۔

''ہاں تم جو کچھ بھی کہہ رہی ہو ٹھیک ہی کہہ رہی ہو لیکن ہم نے تمہارے المیے کو سوائے امی جان کے کسی سے نہیں چھپایا۔ اور اس کی وجہ بھی تو تم کو معلوم ہے کہ امی جان ہارٹ پیشنٹ ہیں اور وہ اس صدمے کو شاید ہی برداشت کرتیں۔ انہیں کی وجہ سے یہ ساری احتیاط برتی گئی کہ چچی اماں کے انتقال پر ماتم کناں ہو سکے نہ سوگ ہی منا سکے۔ مگر اپنے اپنے طور پر سب ہی آج بھی دل ہی دل میں ضرور غمزدہ ہیں خصوصاً پاپا جو اس غم میں بجھ کر رہ گئے ہیں۔''

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"لیکن کیا یہ بات خالہ بیگم پر اب بھی عیاں نہ ہوگی۔ جب کہ انہیں ہی بتانا سب سے ضروری تھا آپ کو کیا معلوم میری مرحومہ امی کو ان کی ذات پر کس قدر بھروسہ اور فخر و ناز تھا اور وہ ان سے ملنے کے لیے کتنی تڑپتی تھیں اور ان کے بارے میں کیا کیا کہا کرتی تھیں۔ اب وہی خالہ بیگم جب مجھ سے بے رخی اور بیزاری سے پیش آتی ہیں تو میرے دل پر ایک قیامت سی گزر جاتی ہے لیکن ان میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں۔ انہیں میری اصلیت سے بے خبر رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ مجھ پر شک کرتی ہیں۔ مجھے طعنے دیتی ہیں اور بات بات پر میری تضحیک کرتی ہیں۔" طوبیٰ یوں بولی جیسے آصف کی وضاحت کوئی حیثیت نہ رکھتی ہو مگر اس کے افسردہ سے لہجے میں اشکوں کی نمی تھی۔ آصف تو کسی اور ہی موڈ میں اس سے بات کرنے آئے تھے مگر بات کہاں سے کہاں جا پہنچی تھی کہ وہ بھول بھی گئے وہ کس غرض سے آئے تھے یا کہنا چاہ رہے تھے۔ طوبیٰ کی شکایت بے جا نہ تھی۔ انہوں نے قائل متاثر ہو کر کہا۔

"تمہارا شکوہ سر آنکھوں پر طوبیٰ بس تھوڑے دن اور صبر کر لو۔ ذرا امی جان بجیا کے فرض سے فراغت پا جائیں تو پھر کوئی انہیں بتائے یا نہ بتائے میں ضرور بتادوں گا۔" آصف نے اطمینان دلانے کے انداز میں کہا۔ طوبیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان سے اپنے آنسو چھپانے کی غرض سے وہ تیزی سے شفق کے کمرے کا رخ کرتی ہوئی بولی۔

"اوہ بجیا۔ میرے انتظار میں بیٹھی ہوں گی۔ نہ معلوم کیوں بلایا تھا۔" مگر آصف سمجھ گئے کہ وہ ان سے کترا گئی ہے۔ وہ بجھے بجھے سے انداز میں اپنے کمرے میں چلے آئے اور ادھر طوبیٰ دل پر پڑا بوجھ ہلکا کرنے کے باوجود کچھ الجھ کر رہ گئی تھی۔ وہ اب اتنی بھی نادان اور الہڑ نہ تھی کہ آصف کی باتوں کا مفہوم اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا۔ بلکہ وہ تو شروع ہی میں سمجھ گئی تھی کہ وہ اس پر کیا جتانا چاہ رہے ہیں اور اس روز تو جس دن آصف پر اس کی اصلیت آشکارا ہوئی تھی انہوں نے خود اپنی زبان سے اپنی چاہت کا اظہار کر کے گویا کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت بھی نہ چھوڑی تھی لیکن صوفیہ بیگم کی گفتگو سننے کے بعد ان کا وارفتہ سا رویہ اس کے لیے ناقابل فہم بنتا جا رہا تھا اور اسی وجہ سے تو اس نے ان کے جذباتی سے انداز میں گفتگو کرنے کے تاثر کو توڑنے کی غرض سے ایسے کڑوے کسیلے لہجے میں گفتگو کی تھی... اور... اور ان کی کوتاہیوں کا ان سے گلہ بھی کیا تھا۔ مگر اس نے کوئی غلط اور بے جا بات تو نہیں کہی تھی۔ جو کچھ کہا تھا ٹھیک ہی کہا تھا۔ بھلا ایسا اندھیر بھی کہیں دیکھا ہے۔ میری امی کی اتنی قیمتی اور عزیز تر جان گئی۔ مجھ پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ میری زندگی برباد ہوگئی اور ان لوگوں نے پروا تک نہیں کی۔ میرے غم کا اندازہ تک نہ لگایا۔ ذرا سی بھی میری دلجوئی اور اشک شوئی نہیں کی بلکہ الٹا مجھ پر شک کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بجیا بھی جو ظاہر تو یہ کرتی رہیں کہ انہیں مجھ سے زیادہ عزیز اور کوئی نہیں اور انہوں نے اپنی محبت اور اپنائیت سے یہ ثابت کر کے بھی دکھا دیا مگر دل ہی دل میں وہ بھی میری طرف سے مشکوک رہیں۔ خیر یہی کیا کم ہے کہ انہوں نے میرے ماضی سے اندھیرے میں رہنے کے باوجود ہر طرح سے میرا خیال رکھا۔ مجھ پر اپنا خلوص نچھاور کیا... ورنہ یہاں کے تو ہر فرد کا سلوک جداگانہ ہی رہا اور اس پر یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں ان میں گھل مل جاؤں۔ ان سے اپنائیت برتوں اور انہیں اپنا سمجھوں۔ اب تو بجیا بھی اپنے گھر سدھار رہی ہیں۔ آصف ملازمت پر چلے جائیں گے اور عارف پنڈی۔ چچا میاں بھی زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتے ہیں..... پھر تو بس میں ہوں گی اور خالہ بیگم، بجیا کے جانے کے بعد تو وہ مجھے گھر میں رکھنے کی بالکل روادار نہ ہوں گی۔ وہ

تو اب بھی بات بات میں یہی جتاتی ہیں کہ میں ان پر بوجھ بنی یہاں پڑی ہوں اور آج کل تو ان کا رویہ اور بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ وہ میری شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں جبھی تو اپنے سارے کام بجیا سے کراتی ہیں۔ اف خدایا یہ کیسی آزمائش ہے۔ میری اتنی پیاری اور عزیز خالہ مجھ سے ہی بدظن اور متنفر ہیں۔ کیوں نہ میں خود ان سے سب کچھ کہہ دوں۔ یہ لوگ تو شاید ہی انہیں کچھ بتائیں ہاں میں اب ان کی بے اعتنائی اور نفرت کا شکار نہیں ہو سکتی۔ میں ان سے سب کچھ کہہ دوں گی۔ طوبیٰ اپنے سارے کام نمٹانے کے دوران یہی سوچتی رہی تھی بلکہ اس نے تہیہ بھی کر لیا مگر اسے کچھ بھی کہنے کا موقع نہ مل سکا۔ شفق کی شادی میں یا رخصتی میں شرکت کرنے کی غرض سے میجر صاحب کے چند عزیز کراچی اور لاہور سے آگئے تھے اور صوفیہ بیگم کی ایک پھوپھی زاد بہن اپنے چار افراد کے کنبے سمیت کانپور سے چل کر یہاں آئی تھیں اور ان لوگوں کے آجانے کی وجہ سے گھر کی ترتیب ہی پلٹ گئی تھی۔ عارف اور شفق کے کمرے معہ گیسٹ روم انہیں دے دیے گئے تھے۔ شفق اور طوبیٰ میجر صاحب کے کمرے میں آگئی تھیں اور میجر صاحب صوفیہ بیگم کے کمرے میں منتقل ہو گئے تھے حالانکہ ابھی رخصتی میں دس گیارہ دن باقی تھے۔ مہمان داری شروع ہو چکی تھی اس لیے کام بڑھ جانے کی وجہ سے میجر صاحب کا پرانا اردلی فضل محمد اور اس کی بیوی شیداں کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں۔ ادھر خانساماں ایک نخرے باز کام بڑھ جانے کی وجہ سے بدی پر اترا ہوا تھا۔ شفق کو کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیا جاتا تھا۔ طوبیٰ ہی کے نازک کندھوں پر باورچی خانے کے سارے کام آ پڑے تھے اور شفق ماں کے دل پر اسے چڑھانے کو ہر دم اس کی حمایتی اور [illegible] جتاتی رہتیں پھر بھی ان کی تیوری کا بل کسی طرح سیدھا نہ ہوتا۔

دن تیزی سے گزرتے جا رہے تھے اور رخصتی میں کل چھ روز رہ گئے تھے مگر عارف ابھی تک نہیں آیا تھا۔ شفق بھی اسے بہت یاد کر رہی تھیں۔ صوفیہ بیگم اس کی طرف سے متفکر تھیں اور آصف ان کے منتظر۔ خود اسے بھی اس شریر اور شوخ لڑکے کا بے چینی سے انتظار تھا۔ دوپہر کا وقت تھا اور مہمانوں کو کھانا کھلوانے اور خود کھانے کے بعد وہ کمرے سے نکل رہی تھی کہ گل نے آ کر اطلاع دی۔

"اک مہمان آیا ہے بی بی۔" گل نے اپنی کھڑی کھڑی زبان میں اردو کا تیا پانچہ کیا۔

"اچھا تو اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ یہاں کھڑے مجھ سے کیا کہہ رہے ہو۔" طوبیٰ بولی۔

"ام تو اس کو بولا تھا لیکن وہ اندر نئیں آیا۔" گل نے جواب دیا۔

"تو کیا تم نے اسے باہر کے باہر ہی چلتا کر دیا مگر وہ تھا کون؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟" طوبیٰ نے یونہی بے دھیانی میں پوچھا۔

"نئیں ام اس کو نئیں جانتا۔ اس کو بولا اندر آ کر بیٹھیے اور وہ بولا جلد کسی کو بلاؤ۔ امارا پاس وقت نئیں۔" گل نے بڑی سادگی سے بتایا اور وہ ایک دم ہی زور زور سے ہنسنے لگی۔

"اچھا یہ تو عارف کے نزول کا طریقہ ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے خود سے کہا اور گل سے کہنے لگی۔

"جو انعام عارف نے تمہیں دینے کو کہا ہے ہم تمہیں اس سے دگنا دیں گے۔ تم سچ سچ بتا دو کہ عارف میاں ہی آئے ہیں نا۔ جبھی تو تمہیں سکھا پڑھا کر بھیجا ہے۔"

"نئیں۔ ام مخول نئیں کرتا بی بی۔ کوئی صاحب آیا ہے اتنا بڑا گاڑی میں بیٹھا ہے۔" گل نے نروٹھے سے انداز میں بتایا۔ مگر اسے یقین ہی نہ آیا۔ اسے معلوم تھا کہ عارف کو ہمیشہ نت نئی شرارتیں سوجھتی ہیں۔ وہ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

جوتشی والا واقعہ بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوا تھا۔ اسے بھی مذاق سوجھا۔ اس نے گل سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جا کر کام کرو۔ میں خود دیکھ لیتی ہوں۔ کہ کون آیا ہے۔ گل نے نہایت سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ گل چلا گیا تو پہلے اس نے سوچا کہ شفق کو بھی عارف کے آنے کی اطلا مگر پھر یہ خیال ترک کر دیا اور کچھ سوچ کر اس نے داخلی دروازے سے باہر جانے کے بجا دروازے کا رخ کیا۔ عقبی حصے سے نکل کر وہ بیرونی حصے میں آئی تو سامنے ہی پورچ میں ایک نیوی کی منی امپالا کھڑی نظر آئی جس کا منہ مخالف سمت تھا۔

☆……☆……☆

بڑے محتاط اور دبے دبے قدموں سے چلتی ہوئی وہ کار کے نزدیک آئی تو دیکھا ڈرائیونگ سوٹ میں ملبوس عارف بیٹھا تھا۔

اور وہ بھی اس طرح کہ دور سے دیکھنے والے کو نظر نہ آ سکے۔ اسٹیرنگ پر رکھی نوٹ بک پر میں کچھ تلاش کر رہا تھا طوبی کو اس کی ایکٹنگ پر ہنسی تو بہت آئی اور یہ سوچ کر تو اس کے دل میں گد سی ہونے لگی کہ نہ معلوم کس کی اتنی شاندار کار اڑا کر لایا ہے اور میں اس کے ہاتھوں بے وقوف بجائے خود اسے بے وقوف بناؤں گی تو کتنا مزا آئے گا ظاہر ہے اس نے اپنی شرارت کا نشانہ اس با بنانا چاہا ہے۔ ورنہ کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دیئے گل بجیا کے پاس بھی جا سکتا تھا، اور بھلا اس دوپہر میں کس مہمان کے آنے کا امکان ہو سکتا ہے۔ پھر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور جھپٹ نوٹ بک اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں طوبی ہوں، سمجھے مسٹر افلاطون، آپ مجھے بجیا کی طرح……" مگر باقی الفاظ اس کے حلق ہی اٹک کر رہ گئے۔ اور اسے یوں لگا جیسے کائنات منجمد ہو کر رہ گئی ہو۔ کار میں بیٹھنے والے کی گرفت نو بک پر بڑی سخت تھی۔ جسے اس نے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اور وہ عارف نہیں بلکہ ایک انجان اور اجنبی ایسا شخص جو اپنی بارعب اور شاندار شخصیت سمیت اتنا وجیہہ اور پر کشش تھا اس کے تخیل کی پرواز اس بے مثال حسن تک کبھی پہنچ ہی نہ سکتی تھی، وہ ششدر سی ہو کر ایک ٹک دیکھتی رہ گئی، اور وہ بھی اپنی بے حد روشن اور گہری گہری آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا مگر نظروں کی اس گہرائی میں تحیر یا تجسس نہیں۔ بلکہ بڑی کاٹ تھی۔ اور ہاتھوں کی گرفت اسی قدر سخت۔

"میں افلاطون نہیں شہریار ہوں۔ آپ کو کم از کم یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے تھا۔" اس نے طوبی کے ہا سے نوٹ بک لیتے ہوئے بڑی درشتی سے کہا۔ اور اس کی آہوئے ختن جیسی آنکھیں جن میں سارے زمانے کی سراسیمگی سمٹ آئی تھی بارندامت سے جھکتی چلی گئیں اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کہا۔

"کسی کے دھوکے میں مجھ سے یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ آئی۔ ایم ریئلی سوری۔" مگر اس نے جیسے ہی نہیں گاڑی اسٹارٹ کر کے بولا۔

"بہرحال میں تو آصف صاحب سے معذرت کرنے آیا تھا۔" پھر بولا۔

"آپ کو اگر زحمت نہ ہو تو آصف صاحب تک میرا یہ میسج پہنچا دیجیے گا کہ میں کل صبح کی فلائٹ سے یورپ جا رہا ہوں لہٰذا ان کی ہمشیرہ کی شادی میں شریک نہ ہو سکوں گا۔" اس کی آواز بھی اس کی طرح

بصورت تھی۔

"بہتر ہے میں کہہ دوں گی۔" طوبی نے بھی اپنے اس قدر نظر انداز کیے جانے پر بڑی رکھائی سے جواب دیا۔

"شکریہ۔" اس نے کہا اور کار آگے بڑھا کر یہ جا وہ جا۔ اور وہ گم صم سی کھڑی رہ گئی جانے کون تھا وہ اور کہاں سے آیا تھا اپنا اتا پتا بھی نہیں بتایا اور پیغام دے کر چلا گیا مگر کس قدر شاندار اور خوبصورت تصور سے بھی حسین خیر مجھے کیا جیسا بھی تھا جو بھی تھا میں آصف کو اس کا پیغام ضرور دے دوں گی۔ مگر وہ اندر آئی تو کاموں میں ایسی پھنسی کہ کچھ یاد ہی نہ رہا۔ اتفاق سے آصف بھی اس وقت موجود نہیں تھے۔ بھی تو اس کے دماغ سے سب کچھ محو ہو گیا۔

اگلے دن عارف بھی آ گیا۔ مگر اس مرتبہ وہ بہت خاموش اور افسردہ سا تھا اور یہ بڑی حیرت انگیز بات طوبی ہی کیا سبھی نے اس کی اس افسردگی کو محسوس کیا تھا اور طوبی تو یہی سمجھی تھی کہ یہ بھی اس کی شرارت کا کوئی نیا انداز ہو گا۔ طوبی نے اسی خیال سے ایک دن اس سے پوچھا۔

"کیوں بھئی یہ آپ پر اس قدر بزرگی اور سنجیدگی کیسے طاری ہے کیا وہاں سے کسی نے ٹھونک بجا کر تو نہیں بھیجا۔"

"نہیں یہ بات ہے نہ وہ بات جو آپ سمجھ رہی ہیں۔" عارف نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"تو پھر کیا بات ہے۔ بھئی تمہاری سنجیدگی سے تو مجھے خوف آ رہا ہے۔" طوبی نے ہنس کر کہا۔

"شکر ہے آپ کو اتنا سینس تو آیا کہ آپ کچھ محسوس تو کر سکیں۔" عارف نے طنز سا کیا۔ تو طوبی کے شرارت چہرے پر پھیلی مسکراہٹ یکلخت کافور ہو گئی۔ وہ تو مذاقاً اس سے اس کی افسردگی کا سبب پوچھ رہی تھی۔ اور اس نے الٹی اسی پر چوٹ کر دی۔ طوبی نے جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے وقت اس نے موقع پا کر عارف سے پوچھا تھا اس نے اپنے ہاتھ بھی نہیں دھوئے تھے اور عارف ابھی تولیے سے ہاتھ پونچھتا چھوڑ کر پینٹری میں جانے لگی تو عارف کو اپنی زیادتی کا احساس ہوا۔ وہ اس کے پیچھے پینٹری میں آ کر بولا۔

"آئی ایم سوری افشاں باجی…… اصل میں بجیا سے جدا ہونے کا خیال میرے لیے اس قدر تکلیف دہ ہے کہ میرا دل ہنسنے بولنے کو بھی نہیں چاہتا۔ پلیز افشاں باجی آپ میری بات کا کچھ خیال نہ کیجیے۔" وہ اسے اب تک افشاں ہی کہتا تھا۔ حالانکہ شفق نے آتے ہی طوبی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا……

ایسی بات کہہ کر یا معذرت کر کے وہ وہیں سے پلٹ گیا۔ جہاں تک آیا تھا، اور طوبی حیرانی سے سوچتی رہ گئی کیا اتنا لاابالی اور کھلنڈرا سا لڑکا اس قدر حساس بھی ہو سکتا ہے۔ اور وہ بجیا کو اتنا زیادہ چاہتا ہے۔

شفق کی رخصتی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی اور جہیز بھی ایسا ملا تھا کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھے تھے۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ بیٹی کی شادی کے ہنگامے سرد پڑنے کے بعد گھر کا نقشہ وہی ہوتا ہے جیسے کارواں اٹھ جانے کے بعد خالی پڑاؤ کا جہاں بس ویرانی اور سناٹا ہی رہ جاتا ہے۔ یا وہ نشانیاں جو اہلیانِ کارواں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ عارف تو شفق کی رخصتی کے دوسرے دن ہی پنڈی چلا گیا تھا۔ اور آصف بھی جن کی کچھ چھٹیاں باقی تھیں گھر کے بے رونق ماحول سے گھبرا کر گلپاش چلے گئے تھے۔ گلپاش جو اسلام آباد سے اتنی میل کے فاصلے پر ایک پرفضا مقام تھا۔ حسین قدرتی مناظر سے پٹا پڑا تھا۔ اس لیے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ اور جہاں جدید طرز کے ریسٹ ہاؤس اور خوبصورت بنگلے تھے۔ میجر صاحب بھی چند روز تک جب تک ہندوستان سے آنے والے مہمان چلے نہ گئے رہے مگر جونہی وہ مہمان رخصت ہوئے وہ بھی اپنی پرانی ڈگر پر آ گئے۔ ڈیوٹی پر تو خیر وہ روز ہی … تھے مگر اب پہلے کی طرح ہی گولف کھیلنے اور دوستوں سے ملنے جلنے جانا شروع کر دیا تھا۔ … تھیں جو بیٹی کا گھر بسنے کے خیال سے جس قدر خوش نظر آ رہی تھیں بیٹی کو رخصت کرتے ہی اسی قدر اور ملول رہنے لگی تھیں۔

گو میجر صاحب خود بھی شفق کو جدا کر کے بڑے افسردہ نظر آتے تھے مگر انہوں نے اپنی بیوی … میں کسر نہ چھوڑی تھی اس کے باوجود بھی وہ ہر دم منہ لپیٹے پڑی نظر آتیں۔ شفق کے جانے کے بعد … ہدایت پر وہ ان کے کمرے کی رہائش چھوڑ کر صوفیہ بیگم کے کمرے میں رہنے لگی تھی، اسے کیا معلوم … خود صوفیہ بیگم کے کہنے پر شفق نے اسے ان کے کمرے میں رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ تاکہ جوان لڑکا … موجود ہے دونوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہ ملے۔ گو شفق نے تو یہی کہا تھا کہ امی جان کے پاس رہو گی تو … دوسراہٹ بھی ملے گی اور ان کی نگہداشت بھی اچھی طرح ہو سکے گی مگر اسے معلوم تھا کہ یہ احتیاط … آصف کی وجہ سے برتی گئی ہے۔

موسم سرما اپنی تمام تر خنکی اور خشکی کے ساتھ اپنا رنگ جما چکا تھا۔ آصف گل پاش سے پورے … ہفتے بعد لوٹے تو اپنی ملازمت پر واپس جانے کی تیاری کرنے لگے۔ اگلے دن شام کو ان کی روانگی … گلپاش سے آ کر باقی سارا دن انہوں نے اپنا سامان باندھنے اور آرام کرنے میں گزارا تھا۔ اور … ماں کے پاس بیٹھ کر۔ گو وہ ان کی وجہ سے صوفیہ بیگم کے کمرے میں نہ گئی تھی مگر کام کے دوران … کے قریب سے گزرتے ہوئے صوفیہ بیگم کے طرز تکلم سے اس نے اتنا اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ آ… ماں کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں بلکہ باپ کے سامنے بھی نہیں پڑتے۔ اور اسی وجہ سے بجائے … کا غم غلط کرنے کے سیر و تفریح کے بہانے گل پاش چلے گئے تھے۔ اس روز سے جس دن انہوں نے … سے بات کی تھی۔ ان کا رویہ اس کے ساتھ بالکل ہی بدل گیا تھا وہ اسے تم کہہ کر مخاطب کرتے۔ وہ … اس وقت جب اس سے کسی کام کے لیے کچھ کہنا ہوتا اور اس کی کسی بات کو ذرا سی بھی اہمیت نہ دیتے … اصل میں انہیں اب پکا یقین ہو گیا تھا کہ طوبیٰ کو اپنے حسن پر بڑا زعم ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ ان … طرف ذرا سا بھی رخ نہیں دیتی۔ جبکہ وہ خود بھی بڑے خود پسند تھے۔ اور احساس برتری میں … چور… اسے تم کہہ کر مخاطب کر کے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ان کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ شفق کی رخصتی کے موقع پر انہوں نے اسے بری طرح نظر انداز … تھا۔ یہ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ وہ طوبیٰ ہے اور کیسے المناک حالات سے دوچار ہے یا جیسا کہ … طرف سے وہ اس کے بارے میں اظہار کر چکے تھے تو شفق کے جانے کے بعد انہوں نے اپنی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ اب وہ گھر میں اکیلی رہ گئی ہے اور سب کے چلے جانے کے بعد صوفیہ بیگم کے رحم و کرم پر رہ جائے گی تو پھر اس کا کیا حشر ہو گا۔ وہ تو اس کے خیال میں بس اپنی ہی چلانا جانتے تھے … معلوم کس سے شادی کرنا چاہتے تھے اور اس سے کیا چاہ رہے تھے۔ یا پھر وقت گزاری کے لیے … اپنی تفریح کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے اور جب یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو یکدم نظریں ہی پھیر لی ہیں …

… سے کسی اور قسم کی وابستگی نہ تھی تو کم از کم انہوں نے میرے … اور رشتے داری کا ہی خیال … ہوتا۔ گل پاش سے آ کر تو آصف پر کچھ ایسا کھویا کھویا پن … طاری رہا کہ پروگرام کے مطابق … دن وہ پشاور بھی اسی عالم میں سدھار رہے تھے۔

اب واقعی معاملہ براہ راست صوفیہ بیگم سے ہی آ پڑا تھا جو کبھی سیدھے منہ اس سے بات ہی نہ کرتی تھیں اور اب تو آصف کے جانے کے بعد دل کی بھڑاس نکالنے کا انہیں زریں موقع مل گیا تھا۔ شفق کی … ائی کا غم بھی تھوڑا تھوڑا اچھٹ گیا تھا۔ اس لیے اب باقی ماندہ نزلہ اس پر گرانا چاہتی تھیں۔ کبھی … کہتیں…

"یہ تو بتاؤ تم گھر سے بھاگ کر تو نہیں آئیں۔ اور اگر آئی ہو تو کس وجہ سے آئی ہو۔ کیا کسی کی چکنی … باتوں میں آ کر اس کے ساتھ فرار ہوئی تھیں دیکھو لڑکی سچ سچ بتا دو کہ ہم تمہیں باعزت طور پر … ے گھر پہنچوا دیں۔" کبھی کہتیں "تم خواہ کتنی ہی ہوشیار بننے کی کوشش کرو۔ ہمارے سامنے تمہارا یہ … نہیں چلے گا۔ ہم نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔ یہ آدھے چاندی کے تار دھوپ میں بیٹھ کر … نہیں کیے نہ یہ بچے کسی سے لے کر پالے ہیں۔ تم شروع دن سے ہی مکر کرتی آ رہی ہو۔ پہلے حافظہ … نے کا بہانہ کرتی رہیں۔ پھر یہ کہہ دیا کہ تمہارے سارے عزیز ریل کے حادثے میں مر چکے … ے خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے۔ لو بھلا تمہاری طرح دنیا میں کون نگوڑا اناتھا ہو گا۔ جس … نہ رشتے داری ہوگی نہ ذات نہ برادری۔ خیر بولا تو بھلا لوگ ہم نے عمر بھر تمہیں اپنے گھر میں رکھنے کا … لیا۔ اسے سوچ سمجھ وجہ ہے، … گھر میں رکھ کر کیا ہمیں اپنی ناک کٹوانی ہے۔ ایک نہ ایک دن … تمہارا پول کھلے گا ہی۔ اس وقت بتاؤ گی تو تمہاری عزت دو کوڑی کی بھی نہ رہے گی۔" اور کبھی کبھی اسے … سنانے کو آپ ہی آپ بولے جاتیں۔

"لو بھلا ہم نے تو خدا ترسی کو سہارا دیا تھا مگر وہی مثل ہوگئی کہ انگلی پکڑتے ہی پہنچا پکڑ لیا۔ کمبخت جس ہنڈیا میں کھائیں اسی میں چھید کریں۔ اصل میں ہمارا تو منہ ہی خراب ہے اور میرا ماتھا تو پہلے دن ہی ٹھنکا تھا کہ کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلے گا۔ سو وہی ہوا نا 'جوان لڑکا ہے آخر اس کا کیا قصور اسے سر چڑھا لیا مگر کسی کی سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ اچھا ہے جب زک اٹھائیں گے تو ہوش ٹھکانے لگیں گے۔" یہ ڈائریکٹ اور ان ڈائریکٹ قسم کی گفتگو جو ٹھیک سے اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی مگر اس میں اس کے کردار کو مشتبہ بنانے کے اشارے ضرور ملتے تھے۔ طوبیٰ کے دکھی دل کو لہولہان کر دیتی تھی۔ کبھی کبھی تو ضبط کا یارا نہ ہوتا تو اس کا دل چاہتا انہیں سب کچھ بتا دے۔ ہر بات سے انہیں آگاہ کر دے مگر اسی دم میجر صاحب کی مخالفت اور شفقت کی سختی سے تاکید اور اس پر یہ خدشہ کہ کہیں سچ مچ ان کا دل نہ بگڑ جائے ہونٹوں پر تالے ڈال دیتا۔ اور پھر اب اپنے منہ سے خود کہنا بھی تو ایک مذاق ہی ہوتا۔ کیونکہ صوفیہ بیگم ہرگز ہرگز اس کی کسی بات کا یقین نہ کرتیں۔ بلکہ اسے چلتر اور دغاباز کے خطابات سے نوازتیں اور پھر یہ اس کی خودداری اور انا کا بھی سوال تھا اس لیے دل پر جبر کر کے وہ خاموش ہی رہتی یا پھر انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتی کہ اس نے جو کچھ بھی اپنے بارے میں بتایا ہے وہ بالکل سچ ہے اسی لیے تو وہ بڑی افسردہ رہنے لگی تھی۔ صوفیہ بیگم بھی اس سے کچھ اگلوانے میں ناکام ہو چکی تھیں اس وجہ سے ان کا رویہ اور بھی سخت ہو گیا تھا۔ اب وہ اس کے ساتھ ساتھ میجر صاحب اور آصف کو بھی رگیدنے لگی تھیں۔ اور آصف

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

کے بگڑ جانے اور ہاتھوں سے نکل جانے کا رونا ہی رویا کرتیں۔ اور اب تو وہ بھی اس ماحول سے اکتا گئی تھی کہ اس کا بس چلتا تو سچ کہیں بھاگ کھڑی ہوتی مگر یہی تو ایک ایسی مجبوری تھی، کہیں مفر نہ تھا، یہی گھر اب اس کی پناہ گاہ تھا۔ اور اس کا جینا اور مرنا اب اس گھر پر موقوف تھا۔ اس لیے کہ اس بھری دنیا میں سوائے ان لوگوں کے اس کا کوئی بھی نہ رہا تھا اور یہاں آ کر اتنی محدود ہو کر رہ گئی تھی کہ آگے بڑھنے کی راہیں مسدود نظر آتیں۔ اور وہ غم کی اتھاہ گہرائیوں میں [illegible] کر سوچتی کہ وہ کیسی بدگھڑی تھی جب اس نے اور اس کی امی نے یہاں آنے کی نیت سے گھر [illegible] نکالا تھا۔ اس عذاب زدہ ماحول سے بہتر تو میرا وہی دو کمروں پر مشتمل چھوٹا سا گھر تھا جہاں امی [illegible] انتہا چاہت، ہر سو سکون اور پاکیزگی کا سونا بکھیری رہتی تھی۔ حالانکہ ابو کے انتقال کے بعد [illegible] چھوٹی سی بچی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تو تین جانوں کا پیٹ پالنے کے لیے گھر کا سارا اثاثہ [illegible] آتا رہا تھا۔ کبھی آسودگی نہ ملی نہ کبھی پیٹ بھر کر کھانے کو ملا نہ چین سے پیر پھیلا کر سونے کو۔ مگر امی [illegible] انتہا چاہت بہترین تربیت اور شکیلہ خالہ کا بے پایاں خلوص جو ہر نعمت سے افضل تھا بلا کچھ خرچ [illegible] جاتا تھا اور شکیلہ خالہ بھی کیسی باوفا تھیں مرتے مر گئیں۔۔۔۔ لیکن ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور میری امی کتنی بلند حوصلہ اور صابر و شاکر خاتون تھیں انہوں نے حالات کا مقابلہ کس قدر پامردی سے کیا تھا کے باوجود کہ ابو نے شکیلہ خالہ سے نکاح کر لیا تھا امی نے ہمیشہ انہیں بہنوں کی طرح ہی چاہا۔ [illegible] انتقال کے بعد امی یہی بجھ کر رہ گئی تھیں یوں جیسے بس شکیلہ خالہ کے سہارے ہی جی رہی ہوں [illegible] کے ہوتے ابو نے شکیلہ خالہ سے کیوں نکاح کیا تھا۔ اف مجھے ان لوگوں نے ہمیشہ اندھیرے میں رکھا۔ لیکن شکیلہ خالہ بھی تو مجھ پر جان دیتی تھیں۔ اور انہی کی وجہ سے تو امی کا دل لاہور سے اچاٹ تھا۔ جو یہاں آنے کا تصفیہ کر بیٹھیں۔ اصل میں انہیں قضا یہاں کھینچ کر لا رہی تھی۔ مگر مجھے تو یوں ٹھوکریں کھانے کو نہ چھوڑ جاتیں۔ یہاں آ کر تو ہمیں، یوں لگتا ہے کہ قید تنہائی میں مبتلا ہو گئی ہوں سوائے والدین کے دوسرے رشتے بالکل ہی بودے اور بے بنیاد ہوتے ہیں۔ کاش کسی کو اتنا ہی [illegible] ہوتا کہ پلٹ کر میری تعلیم کے بارے میں ہی پوچھ لیتا مگر یہاں آ کر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے [illegible] قسمت یہاں کی بیگار کے لیے رقم کر دی گئی ہو یا پھر میں یہاں آئی ہی اسی مصرف کے لیے ہوں [illegible] میری قسمت میں بس میٹرک تک ہی تعلیم لکھی ہے بے چاری امی نے پرائیویٹ ہی [illegible] تو پڑھوا دیا تھا۔ لیکن بے کار ہوا نا سب کچھ جب امی ہی نہ رہیں۔۔۔۔ تو پھر۔۔۔۔ اور اس تو پھر سے آ[illegible] تیزی سے بہتے ہوئے آنسوؤں میں سب کچھ گھل مل کر رہ جاتا۔ اسے تو بہت زور دینے پر بھی یاد [illegible] کہ اب تک گزرنے والی زندگی کا کوئی ایک لمحہ بھی اس نے خوشی اور سکون سے گزارا ہو پتہ نہیں کیا [illegible] تھی اور کیا وجہ تھی مگر جہاں تک اس نے اندازہ لگایا تھا اس کی یہ بے تحاشا خوبصورتی ہی ہمیشہ اس [illegible] زندگی اور خوشیوں کے درمیان حائل رہی تھی اس کی وجہ سے سات پردوں میں چھپا کر اس کی پرورش [illegible] گئی تھی۔ اسی کی وجہ سے اس کی امی اور خالہ پر ایک سہم سا سوار رہتا تھا اور اسی کے سبب اس نے [illegible] تک تعلیم بھی گھر پر ہی حاصل کی تھی اور اسی لیے تو وہ اپنی اس بے پناہ خوبصورتی سے سخت نالاں تھی [illegible] عشرت بیگم نے اسے ہر بات سے لاعلم رکھا تھا اور اسے بھی اب سے پہلے اپنے اس قدر لاعلم رکھے جا[illegible] بالکل احساس نہیں ہوتا تھا مگر اب جب سے اس پر یہ افتاد پڑی تھی اور سارے احساسات ایک [illegible]

جاگ اٹھے تھے تو یہ سارے خیالات آ رہے تھے۔ اسے کالج جوائن کرنے کا بہت شوق تھا مگر یہ شوق کبھی پورا ہی نہ ہو سکا اور اب تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور اب یہ بھی نہیں تھا کہ اس نے اسکول کی صورت ہی نہ دیکھی ہو۔ بلکہ وہ تو جب ساڑھے تین سال کی تھی تو اسے ایک کانونٹ کی نرسری میں داخل کر دیا گیا تھا گو عشرت بیگم اسے اسکول میں بٹھانے کے حق میں نہ تھیں مگر اعظم کو اسے عمدہ طرز پر تعلیم دلوانے کا بڑا شوق تھا۔ وہ جب تک زندہ رہے وہ اسی کانونٹ میں پڑھتی رہی تھی اور جب چھٹے اسٹینڈرڈ میں آئی تو اس کے ابو کا انتقال ہو گیا تھا وہ کافی عرصے سے صاحب فراش تھے نہ معلوم ان کا ذریعہ آمدنی کیا تھا یا وہ کیا کام کرتے تھے۔ اسے بالکل علم نہ تھا مگر انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اثاثہ بھی نہ چھوڑا تھا۔ لہٰذا ان کے انتقال کے بعد اس کے اسکول میں پڑھنے کا سوال ہی باقی نہ رہا تھا ان دنوں وہ صرف گیارہ سال کی تھی اسکول [illegible] تو اس کی پڑھائی کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا یا پھر یوں کہنا چاہیے کہ سسک سسک کر اور کھینچا تانی کر کے وہ گھر کے گھر میں ہی پڑھتی رہی اور دسویں تک باقی جماعتیں گھر پر ہی پڑھی تھیں لیکن یہاں آ کر تو پڑھنے پڑھانے کا خیال ہی باطل ہو گیا تھا۔ کرتا ہے درد مند یا غرض مند۔ یہاں کسی کو کیا پڑی تھی جو ایسی باتوں کا خیال رکھتا۔

شوکت حسین شفق کو وداع کرا کے اسلام آباد لے گئے تھے ان کا ارادہ ماہ عسل منانے کی غرض سے یورپ جانے کا تھا۔ اور انہوں نے پروگرام تو کچھ اس طریقے سے مرتب کیا تھا کہ ایک ماہ یورپ کے اسی ملک کی سیر کریں گے جہاں ان کے محکمے کی طرف سے انہیں بھیجا جا رہا تھا اور پھر اس کے بعد دو ماہ کی چھٹی لے کر وہاں سے سیدھے جل پور اپنے والدین کے پاس جائیں گے اور اسلام آباد میں وہ اسی بات کے منتظر تھے کہ ادھر ان کے محکمے سے ان کے باہر جانے کے آرڈرز آئیں اور ادھر وہ شفق کو لے کر روانہ ہوں اسی انتظار میں پورا ایک ماہ گزر گیا تھا اور اسی کی وجہ سے شفق اب تک میکے نہیں آ سکی تھیں کیونکہ ان کا ارادہ تھا کہ روانگی سے دو چار روز پہلے اپنے والدین سے آ کر مل لیں گی مگر بندہ چاہتا کچھ ہے اور قدرت کی طرف سے ہوتا کچھ ہے ابھی یہی سارے پلان بن رہے تھے کہ ایک دن شوکت حسین کے والد کے رحلت کر جانے کا تار آ گیا۔ سردست وہ شفق کو اپنے ساتھ انڈیا نہیں لے جا سکتے تھے۔ کیونکہ ویزا وغیرہ حاصل کرنے میں کچھ دن لگتے اور انہیں فوری طور پر وہاں پہنچنا تھا۔ اس لیے انہوں نے شفق کو آغا پور بھیج دیا۔ سردی ان دنوں شباب پر تھی۔ اور مری میں موسم کی پہلی برفباری ہوئی تھی۔ کوئٹہ، سوات، کاغان ویلی اور ایبٹ آباد میں بھی برف گر رہی تھی۔ جس کی وجہ سے نہ صرف کاروبار بلکہ راستے بھی بند ہو گئے تھے اور چونکہ کام ایک نامعلوم عرصے تک بند ہو گیا تھا اس لیے آصف کے بھی مزے ہی مزے تھے۔ وہ بھی اپنا بستر بوریا سمیٹ کر گھر چلے آئے تھے اور انہیں آغا پور آئے کل دس روز ہوئے تھے۔ جب وہ شوکت حسین کے معتمد خاص کے ساتھ گھر پہنچیں۔ آپی تو تھیں بڑی پریشان اور رنجیدہ سی مگر بھائی کو گھر میں موجود دیکھ کر ان کی آدھی کلفت ضرور دور ہو گئی تھی۔ صوفیہ بیگم بھی بیٹی کے اچانک آ جانے پر بڑی نہال تھیں اور میجر صاحب اپنی جگہ پر خوش تھے مگر طوبیٰ کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی تھی سوائے اس کے کہ صوفیہ بیگم کی دل چھیدتی باتوں اور دل آزار رویے سے کچھ دن کو نجات ملتی دکھائی دے رہی تھی اس لیے اسے کسی قدر اطمینان ہوا تھا۔ شفق صحت کے سارے خزانے لٹوا کر آئی تھیں۔ [illegible]ر کی وفات کا اتنا رنج نہیں تھا جتنا شوہر سے چند ماہ کی جدائی کا۔ گو شوکت حسین یہی کہہ کر گئے تھے کہ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

زیادہ سے زیادہ چالیسویں کے بعد آ جائیں گے مگر شفق پر تو شوہر کی جدائی کا ایک ایک پل بھاری تھا۔ اسی وجہ سے وہ کچھ بجھی بجھی سی تھیں انہوں نے آتے ہی اپنے کمرے میں رہنا شروع کر دیا۔ طوبیٰ سے نہیں کہا تھا کہ تم بھی پہلے کی طرح میرے پاس ہی رہا کرو۔ جبکہ صوفیہ بیگم کے کمرے رہنا اسے بالکل گوارا نہ تھا مگر وہی مشکل تھی کہ مرتا کیا نہ کرتا۔ شفق کو اب آئی تھیں مگر آصف دس بارہ قبل آ گئے تھے۔ ذرا سی اسے کسی کام میں دیر ہو جاتی۔ تو صوفیہ بیگم مشکوک انداز میں اس سے طرح کے سوالات کرتیں۔ وہ تو غنیمت تھا کہ آصف کسی نئے موڈ میں آئے تھے۔ اس کی طرف دیتے تھے نہ ہی اتنی شدید سردی میں گھر ہی رہتے تھے صبح کو گھر سے نکلتے تو شام ہی کو لوٹتے جبکہ آ... دلچسپیوں اور ہنگاموں کا گزر بھی نہیں تھا۔ بس شرفا طبقے کی تفریح کا واحد مرکز وہی کلب تھا اور ... وہاں گزارنا بھی ممکن نہ تھا۔ شفق کے آ جانے کی وجہ سے اتنا تو ہوا تھا کہ آصف اب صبح سے ... ہی میں نظر آنے لگے تھے مگر ان سے بھی وہ کم ہی بات کرتے تھے۔ بس اپنے کمرے میں پڑے ... کرتے رہتے یا کسی میگزین کا مطالعہ کرتے۔ شفق بھی برابر ان کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی تھیں مگر ا... نے آصف کو کبھی ٹوکا نہ تھا۔

ایک ماہ کا عرصہ بڑی سرعت سے گزر گیا تھا اور ابھی شفق ایک ایک دن گن کر یہ سوچ رہی تھیں اس ہفتے نہیں تو اگلے ہفتے تو شوکت حسین ضرور آ جائیں گے اور پھر میں اپنے گھر جا کر فلاں چیز کو ترتیب دوں گی اور یہ کروں گی وہ کروں گی اور پھر شوکت حسین کی رفاقت میں زندگی گزارنے کے ... تصور رنگ ہوائیوں کہ اگلے ہفتے ہی شوکت حسین کے بجائے ان کا خط آ گیا۔ جس میں انہوں ... تھا کہ وہ ابھی مزید دو ماہ تک نہ آ سکیں گے کیونکہ والدہ کو ساتھ لانے کا ارادہ ہے اور پاسپورٹ اور ... مسئلہ حل کر کے ان کی عدت گزر جانے کا انتظار بھی کرنا پڑے گا اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنی چھٹی بڑھوالی ہے۔ ظاہر ہے یہ اطلاع شفق کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔ ماہ عسل منانے کا تو سوال ہی ... تھا لیکن شوہر سے اتنے دن کی جدائی بڑی شاق گزر رہی تھی مگر اپنی پریشانی۔ رنج اور تردد کو شفق اپنے آپ تک ہی محدود رکھا تھا۔ اپنے میکے میں قیام کا عرصہ بڑھ گیا تھا اس لیے اب انہوں نے معاملات میں دلچسپی لینی بھی شروع کر دی تھی اور ملنے جلنے والوں کے یہاں آنا جانا بھی۔ سب سے ... تو انہوں نے اپنے اکیلے پن کا عذر کر کے طوبیٰ کو پھر اپنے کمرے میں رہنے کو بلا لیا تھا۔ پھر انہوں ... آصف کی خبر لی۔ جن کا اکھڑا اکھڑا سا رویہ وہ بہت دن سے دیکھ رہی تھیں آصف اس وقت کہیں جا... کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ جب وہ بڑے دن بعد ان کے کمرے میں پہنچیں آصف اس وقت شوز ... پیر رکھے جوتے کا تسمہ باندھ رہے تھے۔

''کیوں بھئی یہ کہاں جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اتنی شدید سردی میں تمہارا نکلو گھر میں نکلنا۔'' انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔ آصف نے فوری طور پر ان کی بات کا جواب دیا۔ خاموشی سے تسمہ باندھتے رہے پھر سیدھے ہو کر دوسرے پیر کے جوتے کا تسمہ باندھنے انہوں نے شوز پر پیر رکھنے سے پہلے برابر میں کھڑی شفق کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''مشکل تو یہ ہے کہ آپ ہمیشہ دوہرا سوال کرتی ہیں۔ اب سوچ رہا ہوں کہ پہلے آپ کے کس کا جواب دوں خیر دیر میں ہی سہی کسی طرح آپ کو میرا خیال تو آیا۔'' اتنا کہہ کر آصف پھر دو...

...ہوتے کا تسمہ باندھنے جھک گئے اور شفق کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ان کے سوال کو ٹالا جا رہا ہے۔ لیکن خیال رکھنے کی بات پر انہیں بھی بھائی کی بے نیازی کا گلہ کرنے کا موقع مل گیا۔ قدرے خفگی کا اظہار کرتی ہوئی بولیں۔

''واہ اچھے بھائی ہو..... اتنے دن بعد تم سے ملنے یہاں آئی اور تم نے الٹ کر بھی میری خبر تک نہ لی۔ جب دیکھو غائب..... یا گھر میں بھی ہوتے ہو تو کمرے سے باہر جھانکنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ آدمیت سے بات کرنا تو کجا۔ اور اس پر کہہ رہے ہو کہ مجھے تمہارا خیال نہیں رہا۔''

''ارے ارے آپ تو بڑی سینٹی مینٹل سی لگ رہی ہیں اس وقت۔'' آصف نے ان کے گلے میں اپنی غلطی کو دل ہی دل میں تسلیم کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''سینٹی مینٹل نہیں۔ مینٹل کہو۔ خواہ مخواہ خوبصورت الفاظ کا پابند کیوں کر رہے ہو اپنے قلم سے تو۔'' شفق ان کے ہنسنے پر جل کر بولیں۔

''ہو ہو بہت خوب۔ آپ تو گویا ...فلک ... میں۔'' آصف ہنستے ہوئے بولے اور پھر ایک دم ہی انہوں نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''اصل میں میں تو اب تک یہی سمجھتا رہا کہ شوکت حسین صاحب کی رفاقت نے آپ کو دوسرے رفیقوں کی طرف سے بے بہرہ کر دیا ہے۔''

''اچھا اچھا ... اپنی ... آؤ ... کیا تہذیب ہے ان کا نام لیتے ہو ... ہی ... ہیں ... بڑا ... تمہارے ... ہیں۔'' شفق ... انداز میں بولیں۔

''اوہ ایکسٹریملی سوری چلیے دولہا بھائی ہی سہی۔ اب تو خوش ہیں؟'' آصف نے سنگھار میز کے آگے کھڑے ہو کر آئینے میں دیکھ کر اپنا مفلر گلے میں لپیٹتے ہوئے کہا۔

''میری خوشی اور ناخوشی سے کیا ہوتا ہے۔ یہ تو تمہاری اپنی مرضی کی بات ہے مگر خیر تم اس وقت جا کہاں رہے ہو؟'' شفق بات ... کر فوراً اپنے مطلب پر آ گئیں۔

''جاؤں گا کہاں.... وہی ... کی ... یعنی کلب اور یہاں دوسری کون سی ... جگہ ہے۔'' آصف نے ان کے سوال کا جواب دینے میں بڑی لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن اس غضب کی سردی میں۔ کمال ہے کیا وہاں اور بھی لوگ آتے ہیں۔'' شفق نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں آتے چیونٹے اور حشرات الارض تو نہیں جو بلوں اور سوراخوں میں گھس کر بیٹھ جائیں اور سردی کا تو کچھ لطف ہی دوسرا ہوتا ہے۔'' آصف مسلسل لاپروائی کا اظہار کیے جا رہے تھے۔

''تمہارے خیال میں ہوتا ہوگا۔ یہاں تو یہ عالم ہے کہ اپنے کمرے میں سے بھی نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔ کجا کہ ان برفیلی ہواؤں میں وہاں تک کا فاصلہ طے کرنا میرے خیال میں تو یہ کسی بھی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں۔'' شفق طنز کرتی ہوئی بولیں۔

''آپ کے خیال میں ہے..... مگر آپ تو جانتی ہیں کہ ہر شخص اپنا ایک علیحدہ خیال رکھتا ہے۔'' آصف نے اپنے گرم سوٹ کا کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''بہت باتیں بنانی آ گئی ہیں تمہیں۔ ٹھیک ہے تم اطمینان سے تیار ہو کر جاؤ۔ حماقت میری تھی جو میں خواہ مخواہ ہی تمہارا وقت خراب کرنے آ گئی تھی۔'' شفق جو ابھی تک کھڑی ہی تھیں آصف کی باتوں پر خفا ہو کر اور کچھ برا مان کر جانے لگیں تو آصف کنگھا ہاتھ میں لیے ان کی طرف مڑ کر بولے۔

''ارے آپ چلیں کہاں آ یئے اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کیجیے۔ مجھے وہاں پہنچنے کی اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔''

''شکریہ۔'' شفق دروازے تک جا کر پھر ان کی طرف پلٹ آ ئیں۔ یہ شکریہ بھی انہوں نے طنزاً ادا کیا تھا۔

''تمہیں کلب پہنچنے کی جلدی نہیں ہے مگر جاؤ گے وہیں اور میں تمہیں وہیں جانے سے باز رکھنا چاہ رہی تھی۔''

''کچھ کچھ تو میں بھی سمجھ گیا تھا۔ مگر اس باز رکھنے کا میں سبب بالکل نہیں سمجھ سکا۔'' آصف نے بھی چُبھتا سا..... لہجہ اختیار کیا۔

''سبب تو صرف یہی ہے کہ غضب کی سردی پڑ رہی ہے اور پھر تم نے یہ روز روز کی کیا لگائی ہے۔ صبح ہو یا شام جب دیکھو غائب، جب دیکھو غائب یہ کوئی اچھی بات ہے کیا۔؟'' شفق نے تیز سے لہجے میں کہا۔

''تو پھر کیا کروں۔؟ آپ کو معلوم ہی ہے کہ فطرتاً بھی آزاد منش ہوں وہاں جا کر تھوڑی دیر کو ہنس بول لیتا ہوں۔ یہاں بیٹھ کر در و دیوار سے تو بات کرنے سے رہی بہتر ہے۔'' آصف نے بڑے بیزار سے لہجے میں کہا۔

''کیوں کیا یہاں انسان نہیں بستے۔ اتنے دن سے تو میں ہی آئی ہوئی ہوں۔ اور پھر طوبیٰ بھی تو یہیں رہتی ہے۔ پھر اس کے ہوتے ہوئے کہیں جانے کی کیا ضرورت۔'' شفق پھر اصل موضوع پر آ گئیں۔

''ہونہہ یہ بھی خوب ہے کہ کہیں جانے کی کیا ضرورت گویا میں چڑ کی کا غلام بن کر ان کے ساتھ ہاتھ باندھ کر بیٹھ جاؤں اور وہ جو ہمیشہ نخروں میں ہی تلتی ہیں ان کی نظر میں اپنے آپ کو بالکل ہی گرا دوں۔'' آصف جھنکنے کے انداز میں بولے۔

''یہ کون کہہ رہا ہے کہ ہاتھ باندھ کر بیٹھ جاؤ یا غلامی کا طوق گلے میں ڈال لو۔ میں تو اسی حیثیت سے کہہ رہی تھی جو تم اسے دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔ آخر تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے۔'' شفق نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں..... بلکہ میرے خیال میں تو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔'' آصف لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

''کیا مطلب۔ یعنی ضرورت کیوں نہیں۔'' شفق نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

''میرے خیال میں تو اس سوال کا جواب آپ خود بھی آسانی سے دے سکتی ہیں۔ لیکن خیر وضاحت ہی چاہتی ہیں تو پہلے ذرا ان کے رویے پر بھی غور کیجیے۔'' آصف نے ہلکے سے طنز سے کہا۔

''ان کے رویے پر غور کرنے کی کیا ضرورت ہے اس بے چاری کے لیے تو ہم سب بالکل ہی اجنبی ہیں۔ اور ہمارے گھر کا ماحول بھی بالکل نیا اور انجانا..... ضروری تو ہمارے لیے ہے کہ ہم اپنے رویے اور سلوک سے اس گھر کا ماحول اس کے لیے سازگار بنائیں۔'' شفق نے بھی آصف کی بات کو لاپروائی میں اڑا کر سمجھایا۔

''لیکن اسی صورت میں جبکہ وہ بھی اس گھر کے ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کرتی نظر آئیں مگر وہ تو یوں لگتا ہے جیسے جبراً یہاں رہ رہی ہوں۔ یا پھر ہم نے انہیں اپنے یہاں رکھ کر کوئی خطا کی ہو اس لیے وہ ہمارے یہاں رہ کر الٹا ہم پر احسان کر رہی ہوں۔ اصل میں انہیں اپنے حسن پر بڑا گھمنڈ ہے۔ کبھی تو سیدھے منہ کسی سے بات تک نہیں کرتیں اور میرے تو سائے سے بھی بدکتی ہیں بات کرنا تو بڑی بات ہے نگاہ اٹھا کر دیکھتی بھی نہیں۔'' آصف جلے کٹے انداز میں بولے۔

''یہ محض تمہارا خیال ہے آصف۔ غرور ورور تو اس بے چاری کو کیا ہوگا۔ البتہ افتاد ہی ایسی پڑی ہے کہ وہ گنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ اور تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہماری مشرقی لڑکیاں اپنی روایات کو مقدم رکھتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ تم سے شرماتی ہو۔ جس ماحول میں پلی بڑھی ہے وہاں مرد کا دور دور تک گزر نہ تھا۔ اس لیے بات کرنے میں تم سے جھجک محسوس کرتی ہوگی اور پھر تمہارا رویہ بھی تو اس کے ساتھ کچھ کچھ معاندانہ سا رہا ہے۔'' شفق نے رسانیت سے سمجھایا۔

''واہ بجیا قائل معقول کرنے میں جواب نہیں آپ کا۔ لیکن براہ خدا اس قدر ایکسٹریم تک تو نہ پہنچیے۔ وہ شرم اور جھجک کے مظاہرے کچھ اور ہوتے ہیں اور طوبیٰ کا رویہ ان سے یکسر مختلف ہے ان کے رویے میں احتراز اور روگردانی سی ہوتی ہے اور ان کی ہر ادا سے بے رخی اور بے اعتنائی کا اظہار ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے میں کوئی آوارہ یا لفنگا ہوں جو مجھے دیکھ کر وہ بھاگ پڑتی ہیں۔ جب کہ آپ نے انہیں پہلے یہ سمجھایا ہوتا کہ اعتماد کیے بغیر کسی کے ساتھ گزارا نہیں ہو سکتا۔'' آصف شفق کو قائل کرنے کی غرض سے بولے۔

''لو بھلا جو بات کہو گے سو اوندھی۔ ارے یہ سب کچھ پیدا کرنا یا کرانا تو تمہارا فرض ہے۔ وہ بے چاری ان باتوں کو کیا جانے۔'' شفق نے تھوڑا سا ہنس کر کہا۔

''تاؤ بجیا پلیز کوئی دوسری بات کریں۔'' آصف شفق کی گفتگو یا دلائل سے اکتا کر بولے۔

''اصل بات تو یہی ہے پھر دوسری بات کیا کروں؟'' شفق مسکرا کر بولیں۔

''تو پھر استعفٰے میرا با حسرت دیاس۔ آپ کی اطلاع کو یہاں بھی کسی سے کم نہیں ہیں نہ اتنے گئے گزرے ہیں کہ ہاتھ باندھے آگے پیچھے پھریں۔ یو نو بجیا آصف از اے مین آف پرسنیلٹی اینڈ ایٹی ٹیوڈ اور ویسے بھی میں زبردستی کا قائل نہیں۔'' آصف نے بہت اکڑ کر کہا۔

''تو یہ تمہارا جواب ہے؟'' شفق نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''آپ اسے جواب ہی کہتی ہیں تو یہی سمجھ لیجیے۔'' آصف نے قدرے نخوت سے کہا۔

''ظاہر ہے سمجھنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ پاپا اس معاملے میں بہت سیریس ہیں۔'' شفق نے یہ کہہ کر قدرے توقف کیا پھر بولیں۔

''لیکن تمہیں پاپا سے اسی وقت صاف صاف کہہ دینا چاہیے تھا جب انہوں نے تمہاری رائے مانگی

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تھی۔''

''یہ بار بار پاپا کا نام لے کر کیا دھمکانا چاہ رہی ہیں۔'' آصف نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں دھمکانا کیسا۔ مگر پاپا کو بتانا بھی تو ضروری ہے۔'' شفق سنجیدہ لہجے میں بولیں۔

''میرے خیال میں اتنا ضروری بھی نہیں ہے میرا مطلب ہے جب کبھی ایسا موقع آئے گا تو [illegible] جائے گا۔'' آصف باپ تک اپنے خیالات پہنچنے کے خیال سے قدرے ہراساں ہو گئے مگر اپنی کیفیت کو انہوں نے اپنے چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا۔

''او تو وہی مشکل ہو گئی خوب پردے کر چلمن سے لگے بیٹھے ہیں۔''

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔'' آصف نے دوسرا مصرعہ بڑی برجستگی سے پورا [illegible]

''اصل میں اب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا ہوں۔ بجیا اس پر آپ نے اور پاپا نے ای جان [illegible] معاملے کو راز رکھ کر اسے اور بھی الجھا دیا ہے۔ طوبی کو اس بات کا ہم لوگوں سے سخت شکوہ ہے۔'' [illegible] بولے۔

''تمہیں کیسے معلوم۔ کیا اس نے تم سے اس سلسلے میں کچھ کہا تھا؟'' شفق تجسس کا اظہار کرتی ہوئی بولیں۔

''ہاں اتنی سی معمولی گفتگو ہوئی تھی ان سے۔'' آصف نے بتایا۔

''اور [illegible] پوچھتے ہو لہذا وہ تم سے بہت [illegible] وہ اب میں بھی تم اس سے کیا چاہتے ہو [illegible] سمجھ لینا ان باتوں میں تیل نہیں۔ وہ [illegible] [illegible] کسی [illegible] سے آنکھیں نیچی کر کہا۔

''ارے ارے واہ آپ بھی بات کو جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہیں۔ طوبی نے مجھ سے کوئی [illegible] وقتی میں گفتگو نہیں کی تھی بلکہ میں جو کچھ ان سے کہنا چاہ رہا تھا اس کے جواب میں وہ شکایات کا دفتر [illegible] کر بیٹھ گئی تھیں۔ لیکن ان پر واقعی سخت زیادتی ہوئی ہے امی جان کو بھی [illegible]۔''

''ارے چھوڑو۔ اصل بات گول کر کے مجھے ٹالنا چاہ رہے ہو۔ امی جان کو اس معاملے سے [illegible] رہنے میں ہی [illegible] کی قسم تو مجھے اپنے بارے میں بتاؤ تا کہ میں پاپا سے بات کروں۔'' شفق نے آصف کی بات کاٹ کر کہا تو آصف نے گھڑی میں وقت دیکھ کر کہا۔

''اوہ بجیا۔ ایسی کیا جلدی ہے پھر کسی دن اطمینان سے بات کریں گے۔ اب تو میں چلتا ہوں۔'' آصف نے آئینے میں اپنے سراپا پر ایک ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا اور باہر کا رخ کرنے لگے تو [illegible] پیچھے آتی شفق سے گردن موڑ کر کہا۔

''بہرحال میری رائے اس سلسلے میں محفوظ ہے۔'' اور پھر مسکراتے ہوئے باہر نکل آئے۔

اگلے دن موقع دیکھ کر شفق نے میجر صاحب کے کمرے کا رخ کیا۔ ان دنوں چونکہ سخت سردی تھی اور کسی کسی دن برفباری ہونے کا امکان تھا۔ سرشام بازار اور سڑکوں پر الو بولنے لگتے تھے۔ بڑی زبردست پڑتی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس لیے میجر صاحب کے معمول میں بھی فرق پڑ گیا تھا۔ ڈیوٹی سے آنے کے بعد وہ اب گھر پر ہی رہتے تھے اور بیشتر وقت صوفیہ بیگم سے [illegible] کرنے میں گزارتے تھے۔ اسی وجہ سے شفق کو ان سے بات کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ یہی دیکھ [illegible]

اس روز ان کے ڈیوٹی پر سے آتے ہی ان کے پاس پہنچی تو انہوں نے دیکھتے ہی بڑے دلار سے کہا۔

''ارے آؤ بیٹی تم سے تو اب تک ڈھنگ سے بات کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔'' شفق جواب میں کیا کہتیں۔ باپ لباس تبدیل کر کے گرم ڈریسنگ گاؤن کی پیٹی باندھ رہے تھے۔ اور کھڑے تھے اسی لیے وہ بھی احتراماً کھڑی ہی رہیں۔

''اس سردی نے سارا کاروبار ہی معطل کر کے رکھ دیا ہے۔ ویسے تو ہر سال ہی اسی قدر شدید ہوتی ہے مگر اس مرتبہ بہت زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ اصل میں عمر سے بھی تو تعلق ہوتا ہے۔'' میجر صاحب خود ہی کہتے رہے۔

''لیکن آپ کی عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے پاپا اور سردی تو اس سال مجھے بھی زیادہ لگ رہی ہے۔ شاید یہاں کے ماحول کی یکسانیت ہے پاپا۔ اب کمروں میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے تو یہی حال ہوگا۔'' شفق بولیں۔

''ہاں یہ تم نے ٹھیک ہی کہا اور تمہیں تو یہاں بڑی بوریت محسوس ہوتی ہوگی۔ عجیب اتفاق ہے یہ بھی کہ شوکت پھر انہی جھمیلوں میں پھنس کر رہ گئے۔ کیا ان کی طرف سے مزید کوئی اطلاع آئی ہے۔؟'' میجر صاحب اپنی بیٹی کی دانائی پر دل ہی دل میں خوش ہوتے مگر ان کے لہجے میں تاسف تھا۔

''جی ہاں پاپا۔ پرسوں ہی ان کا خط آیا ہے۔ [illegible] وہ اماں بیگم کا ویزا ملتے ہی وہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔'' شفق نے باپ کے لحاظ میں دبی دبی زبان سے بتایا۔

''ہوں۔ [illegible]'' میجر صاحب نے پرخیال انداز میں کہا پھر تھوڑے توقف کے بعد بولے۔ ''[illegible] تمہاری امی بھی پریشان ہیں [illegible] سلسلے میں طرح طرح کے اندیشے ظاہر کرتی ہیں اب انہیں کون سمجھائے۔''

''مجھے معلوم ہے پاپا۔ وہ میرے سامنے بھی ان اندیشوں کا اظہار کر چکی ہیں۔ حالانکہ میں تو انہیں ہر طرح سے اطمینان دلاتی رہتی ہوں۔'' شفق بولیں۔

''ہاں وہ بھی کیا کریں۔ اپنی ممتا سے مجبور ہیں۔ لیکن تم ان کی کسی بات کا بالکل اثر نہ لینا۔ مگر تم کھڑی کیوں ہو۔ خیر اچھا آؤ یہاں میرے پاس چل کر بیٹھو۔'' میجر صاحب تو اتنی دیر بعد بیٹی کے قد سے [illegible] انہوں نے کہا۔

''جی ہاں پاپا۔ میں اس وقت کچھ کہنا چاہ رہی تھی اصل میں وہ... آصف کے بارے میں میں آپ سے کہنا چاہ رہی تھی کہ...'' شفق اصل بات کہتے ہچکچائیں تو میجر صاحب نے قطع کلام کر کے کہا۔

''ہاں ہاں سمجھ گیا لیکن اصل مسئلہ تو تمہاری امی کو سمجھانا ہے وہ مشکل ہی سے ہمارے اس فیصلے پر صاد کریں گی اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی قدم اٹھانا ممکن ہی نہیں۔''

''لیکن پاپا اب تو بات پرانی ہو گئی کیوں نہ امی جان کو حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے۔ پھر تو اس معاملے میں کوئی دشواری ہی نہ رہے گی۔'' شفق رائے دینے کے انداز میں بولیں۔

''ہوں!'' میجر صاحب کہہ کر سوچ میں پڑ گئے۔

''بتانے میں تو معاملہ سلجھنے کے بجائے الجھ جائے گا۔'' میجر صاحب نے بڑے سوچ بچار سے کام لے کر کہا۔

READING Section
UrduPhoto.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"وہ کیسے پاپا۔؟" شفق نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"کیونکہ وہ طوبیٰ کو آصف سے منسوب کرنے پر شروع دن سے تیار نہیں۔ تم نے اس روز ان کی سے اندازہ نہیں لگایا کہ جونہی میں نے طوبیٰ کا نام لیا انہوں نے اس ذکر کو ٹال کر افشاں کی بات شروع کر دی تھی جبکہ مجھے معلوم ہے وہ افشاں کو کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گی میرے خیال میں تو فی الحال اس معاملے کو اسی طرح چلنے دو۔ جیسے کہ اب تک چلتا آ رہا ہے۔ ویسے بھی وہ تمہاری طرف سے سخت فکر ہیں۔ عشمہ بھابی کا صدمہ ان کی رہی سہی ہمت کو توڑ کر رکھ دے گا۔ اور یہ بھی سمجھ لینا کہ وہ ایک ہی ا سے سوچنے کی عادی ہیں ہم خواہ کس قدر بھی یقین دہانی کرائیں وہ یہی سمجھیں گی کہ ان کے ساتھ فرا جا رہا ہے۔" میجر اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھاتے ہوئے بولے۔

"جی جی پاپا۔" شفق نے دھیمی سی آواز میں کہا۔

"یہ آصف کہاں ہیں۔؟" میجر صاحب نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں باہر گئے ہیں۔" شفق نے دبی زبان سے بتایا۔

"یہ ان کی تفریحات بہت بڑھ گئی ہیں۔ ورنہ سردی میں تو...... بھلے لوگ گھروں اور لحافوں میں د بیٹھے رہتے ہیں۔ تمہارے جانے کے بعد اس نے تمہاری امی کو بھی اپنے سرکش رویے سے بددل تھا۔ مگر وہ باہر بھی گیا ہے تو آخر گیا کہاں ہے۔؟" میجر صاحب نے قدرے ناگواری سے اپنی بات کر پوچھا۔

"کسی دوست سے ملنے گئے ہیں پاپا۔ اصل میں یہاں بور بھی بہت ہو جاتے ہیں۔" شفق چاہنے والی بہن تھیں اس لیے یہ نہیں بتایا کہ آصف کہاں گئے ہیں۔ ہر روز جاتے ہیں۔ میجر صاحب جواب میں کچھ بھی نہ کہا کانوں پر مفلر لپیٹ کر شفق کے ساتھ صوفیہ بیگم کے کمرے میں آ گئے۔ ان کے کمرے میں ہیٹر لگا ہوا تھا۔ پھر بھی انہیں سردی کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی تھی۔ وہ سر پر کساوہ باندھے لحاف اوڑھے لیٹی تھیں۔ وہ بھی اس طرح کہ صرف آنکھیں اور ناک نظر آ رہی تھی اس ہیئت کذائی پر میجر صاحب نے ہنس کر کہا۔

"سردی سے بچاؤ کے سارے طریقے تو تمہاری امی نے آزما لیے ہیں پھر بھی تو یہ عالم ہے کہ سارا گھر برف خانے کا سا منظر پیش کرتا ہے۔"

"لیکن ہیٹر تو سارے ہی کمروں میں لگے ہوئے ہیں پھر بھلا کیوں نہیں لیے جاتے۔ اور مجھے تو ہمیشہ سے ہی سردی اور گرمی کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے۔" صوفیہ بیگم بولیں۔

"اصل میں جب تک برف نہیں پڑے گی ٹھنڈک کا یہی عالم رہے گا۔ برف پڑ جاتی ہے تو کم از کم ان تکلیف دہ بلکہ رگوں میں خون جما دینے والی ہواؤں سے تو کسی قدر نجات مل جاتی ہے۔؟" میجر صاحب اشارے سے شفق کو بیٹھنے کو کہہ کر خود بھی بیٹھتے ہوئے بولے۔

"لیکن مجھے تو اتنی زیادہ نہیں لگتی۔" شفق نے بھی ماں اور باپ کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"تمہارا تو ابھی گرم خون ہے ماشاءاللہ۔ ویسے بھی بچوں اور جوانوں کو سردی کم ہی لگتی ہے اور ہمارے تو اب چل چلاؤ کے دن ہیں بیٹی...... خون میں گرمی رہی ہے نہ جولانی اسی وجہ سے تھوڑی سی سردی بھی بہت معلوم ہوتی ہے۔" صوفیہ بیگم بولیں۔

"ارے کیسی باتیں کرتی ہو صوفیہ۔ اصل میں سردی کو جس قدر مناؤ اسی قدر محسوس بھی ہوتی ہے۔ ابھی تم یہ لحاف وحاف پھینک کر اٹھ بیٹھو اور کسی کام میں لگ جاؤ تو دوران خون میں تیزی آ جانے کی وجہ سے سردی کا احساس تک نہ رہے گا۔" میجر صاحب نے ان کے چل چلاؤ کے کہنے پر انہیں تھپکی دی۔

"میں تو خود کھاٹی میں پڑی، بغیر انی روئی بن کر رہ گئی ہوں ڈاکٹر سمیت کوئی مجھے ملنے جلنے کی اجازت ہی نہیں دیتا...... اور اب تو خیر سے شفق بیگم آ گئی ہیں۔ انہوں نے تو بالکل ہی مجھے ہاتھ پیروں سے معذور کر کے رکھ دیا ہے۔" صوفیہ بیگم بولیں۔

"خدا نہ کرے امی جان۔ میں تو صرف اس خیال سے کہ آپ کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچے آپ کو اٹھنے نہیں دیتی۔ اور پھر سردی بھی تو شدید ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی سے آپ کی طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔" شفق نے فوراً ہی توجیہہ پیش کی۔

"دیکھا دیکھا آپ نے۔ یہ ہوتی ہے اپنی فرمانبردار بیٹی کی بات۔ خیر سے جب سے آئی ہے ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی ہے۔" پھر ایک دم ہی افسردہ ہو کر انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"لیکن بیٹیاں تو اپنے ہی گھر والوں میں سجتی ہیں۔ یہ بھی کب تک یہاں رہے گی۔ خدا جانے کیا چکر ہے جو شوکت حسین انڈیا میں ہی اٹک کر رہ گئے ہیں۔ کبھی کبھی تو میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ یہ سوچ کر کہ کہیں وہ افواہ درست نہ ہو کہتے ہیں کہ خلق خدا کے منہ سے نکلی۔"

"لاحول ولا تم بھی کیا یہ بے سر پیر کی ہانکنے لگیں اب تو تمہاری سمدھن آ رہی ہیں۔ اب تم ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" میجر صاحب نے سخت کوفت کے عالم میں ان کی بات کاٹ کر کہا۔

"اے سمدھن آ رہی ہیں یا میری استانی جو ان کے سامنے ناپ تول کر بات ہوا کرے گی۔ اور وہ کون سی یہاں آ رہی ہیں۔ میں تو کہتی ہوں کہ خدا کرے آئیں ہی نہیں۔" صوفیہ بیگم نے چمک کر کہا۔

"لو بھلا کیوں نہ آئیں۔" میجر صاحب نے بھی چمک کر پوچھا۔

"آئیں گی تو میری بچی کا چین آرام لوٹنے آئیں گی۔ شادی کے بعد ایک دن بھی اسے چین آرام نصیب نہیں ہوا کہ اب وہ نازل ہو رہی ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے کیسا رانی کھن ڈالا تھا میری شفو کے نکاح پر۔ اب آئیں گی تو دونوں میاں بیوی کے درمیان بس ہی گھولیں گی۔؟ اے شفو تم تو ان کو بالکل منہ نہ لگانا۔" صوفیہ بیگم نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے بڑی ناگواری سے کہا۔

"بڑا اچھا سبق دے رہی ہو بچی کو۔" میجر صاحب طنزیہ لہجے میں بولے۔

"سبق کیا دے رہی ہوں دنیا کے نشیب و فراز سمجھا رہی ہوں۔ اب وہ آ کر گھر پر قبضہ جمائیں گی تو آپ کی بیٹی کی کیا اوقات رہ جائے گی اس گھر میں۔ بس شفو تم تو شروع دن سے ہی ڈنڈا اُٹھا لینا ورنہ تمہاری طبیعت سے تو میں واقف ہی ہوں۔ زیادہ مسکنت دکھائی تو یہ لوگ ایسا دبائیں گے کہ کبھی اُٹھ نہ سکو گی۔" صوفیہ بیگم نے بڑے کڑوے لہجے میں کہا اور پاندان کھول کر پان بنانے لگیں۔

"نہیں امی جان...... وہ خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہوں مجھ پر ہر طرح کا احترام لازم ہے۔ آخر کو وہ میرے شوہر کی ماں ہیں۔ میری نظر میں وہ بھی ماں ہی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور کیا آپ کو مجھ پر غصہ نہیں آتا۔ اگر ان کو بھی آ گیا تو یہ ان کا حق ہو گا۔ ویسے آپ اطمینان رکھیں وہ ایک اچھی ساس ہی ثابت ہوں گی۔ سنا ہے میرے پاس رہنے کی انہیں بڑی آرزو ہے۔ اس وجہ سے وہ آ بھی رہی ہیں۔" شفق

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

نے بڑی صلاحیت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"شاباش میری بیٹی۔ مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی اُمید تھی۔ لیکن تمہاری امی کی باتوں نے مجھے آج بہت دکھ پہنچایا ہے۔" میجر صاحب الزام دینے کے سے انداز میں بولے۔

"اے میں نے کیا دکھ پہنچایا ہے۔ ایک آدھ سخن بات کہی ہے۔ آپ نے وہ مثال نہیں سنی کہ سسرال کی تو بکری بھی منہ چڑاتی ہے اور میں تو صرف اپنی بچی کے بھلے کو کہہ رہی تھی۔ وہ بھی اس خیال سے انہوں نے ہی اس رشتے کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی۔ جبھی تو پورے ڈھائی برس سوا دم سولی لٹکا رہا۔" بیٹی کے جواب نے صوفیہ بیگم کو قائل ہی نہیں خفیف بھی کر کے رکھ دیا تھا اس لیے وہ بالآخر ٹھنڈی پڑ کر بولیں۔

"جی ہاں پاپا امی جان نے جو کچھ بھی کہا اپنی محبت میں کہا۔ اور پھر واقعی حالات بھی کچھ ایسے تھے ورنہ امی جان کو کسی سے کیا پرخاش۔" شفق نے یہ کہہ کر ماں کی خفت مٹائی۔

"ہاں میں تو صورت آشنا بھی نہیں مجھے ان سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے۔ بس انہیں تو میری بات بُری ہی لگتی ہے۔" صوفیہ بیگم گلہ آمیز لہجے میں بولیں۔ میجر صاحب نے جواب میں کچھ نہیں کہا البتہ دل میں سوچتے رہے کہ جس مقصد سے آئے تھے اس کا تو ابھی تک زبان پہ ذکر ہی نہیں آیا۔

"خیر چھوڑیے امی جان آپ نے ایسی کون سی بڑی بات کہہ دی۔ آپ تو سویرے ہی کھانا کھا لیتے ہیں ذرا دیکھوں تو جا کر آپ کا کھانا اب تک کیوں نہیں آیا۔ پورے سات بج رہے ہیں اس وقت" شفق نے باپ کو دیکھ کر بات گھمائی اور کھڑی ہو گئی۔

"نہیں تم بیٹھو اس وقت مجھے بالکل اشتہا نہیں ہے وہ لڑکی نہ معلوم کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے ورنہ آجاتی تو میں اسے بھی منع کر دیتی کہ میرا کھانا نہ لائے۔"

"میرے خیال میں تو وہ آپ کا کھانا ہی تیار کر رہی ہوگی۔" شفق نے ماں کی بات کے جواب میں کہا۔ پھر میجر صاحب سے مخاطب ہو کر بولی۔

"وہ بڑی اچھی لڑکی ثابت ہوئی ہے پاپا۔ ذرا بھی کسی کام سے دل نہیں چراتی اور امی جان کا تو اتنا خیال رکھتی ہے کہ مجھے بھی پیچھے بٹھا دیا ہے۔" شفق نے دانستہ طوبیٰ کی طرفداری کو جتایا تو پاندان کا ڈھکنا زور سے بند کر کے ہنکارا بھرتے ہوئے صوفیہ بیگم بولیں۔

"ہونہہ یہ تو سارے ڈھکوسلے ہیں تمہاری بات ہی اور ہے۔ وہ بھلا تمہارا مقابلہ کر سکتی ہے۔ وہی ہے نا کہ بکری دودھ بھی دیتی ہے تو مینگنیں بھرا۔ کام بھی کرتی ہے تو ہمیشہ اوندھا سیدھا اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ تمہارے جیتے تو میں ایک دن بھی سکھ کا نہیں گزار سکی۔"

"وہ تو آئندہ بھی نہیں گزار سکو گی۔ شفق آج نہیں تو کل اپنے گھر چلی جائے گی۔ یہ بھی کیا قدرت ہوتی ہے خدا کی۔ پالو پوسو بڑا کرو جزو جاں بنا کر رکھو اور پھر دل پر صبر کی سل رکھ کر بیٹی کو دوسرے گھر بیاہ کرو۔ جبھی تو لڑکیاں پرایا دھن کہلاتی ہیں۔" میجر صاحب ملول لہجے میں بولے۔

"ہاں اور وہی ماں کی ہمدرد و غمگسار ہوتی ہیں اور ہمیں تو اللہ نے ایک ہی بیٹی دی ہے۔ وہ بھی غیر پرائی ہو گئی۔ اصل میں یہ انسان کی ناشکری فطرت کا قصور ہے کہ بیٹیاں کاندھوں پر بوجھ کی طرح لدی ہیں تو مشکل اور اپنے گھروں کی ہو جائیں تو مشکل۔" صوفیہ بیگم بھی افسردہ سی ہو گئیں۔

"خیر یہ تو رسم دنیا ہے امی جان لیکن قدرت نے ہر چیز کا بدل بھی رکھا ہے۔ آپ اب آصف کی شادی کر دیجیے گھر میں بہو آجائے گی تو تنہائی کا احساس باقی نہ رہے گا۔" شفق نے کہا تو ایک بار پھر میجر صاحب بیٹی کی ذہانت پر خوش ہو گئے۔ جلدی سے بولے۔

"ہاں۔ علی ہذا القیاس۔ میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا بہو کے آجانے پر گھر میں رونق بھی ہو جائے گی۔"

"اے بس رہنے بھی دیں آپ نے تو مجھے اچھوتوں کی طرح ایک طرف ڈال رکھا ہے ایک وہ صاحبزادے ہیں کہ ہمیشہ رسیاں ہی تڑاتے نظر آتے ہیں میرے سامنے اس روز کرنل صاحب کی بیوی بھی شکوہ کر رہی تھیں کہ آپ نے کہیں آنا جانا چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے بھی آپ کی بیماری طول پکڑتی جا رہی ہے۔ گھر سے نکلا کیجیے اپنے ہم جنسوں میں بیٹھ کر کچھ دیر دل بہلایا کیجیے۔ اے وہ سنا نہیں کہ جماعت میں برکت ہوتی ہے۔ اب میں اگر کہیں آتی جاتی تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ آصف کے لیے کوئی [illegible] ہوئے آغا پور میں رکھا ہی کیا ہے۔ لے دے کے چند گھرانے ہیں شرفا کے۔ وہ بھی ایسے جیسے وہ کرنل صاحب کی بیٹی روبی ہے۔ ایسی شتر بے مہار کہ توبہ ہی بھلی۔ نہ آنکھ میں شرم، نہ چال میں نرمی۔ لڑکی کیا ہے پوری چھلاوا ہے۔" صوفیہ بیگم نے بڑے جلے کٹے انداز میں روبی پر تنقید کی تو شفق کو ہنسی آ گئی۔

"اصل میں کرنل صاحب کی فیملی بہت ماڈرن ہے امی جان۔ اور روبی کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آصف کے لیے پورے آغا پور میں کوئی وہی تو نہیں رہ گئی ہے۔" شفق نے ہنسی روک کر کہا۔

"اور پھر میاں بھی ہیں تو بھی بہو کب اپنی ہوتی ہے کتنے ہی مان کر کے سر پر ہاتھ رکھ کے لاؤ۔ میاں [illegible] ادھر پر پرزے نکالے اور ادھر پھر سے اپنے چڑے کو لے اُڑیں۔ ساس تو پہلے روز دن سے کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتی ہے۔" صوفیہ بیگم بولیں۔

"لو سن لو بیٹی۔ یہ تمہاری امی کسی بات میں اپنا پلڑا جھکنے نہیں دیتیں۔ ابھی تمہارے معاملے میں ساس کو رگیدا جا رہا تھا۔ اور اب بہو کا ذکر آیا تو اس کی طرف دونالی تان لی۔" میجر صاحب ان کی باتوں پر ہنس کر بولے۔

"جہاں تک میرا خیال ہے امی جان۔" شفق نے باپ کی طنز بھری بات کو ٹالنے کی غرض سے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سارا فتور آپس کی مس انڈر اسٹینڈنگ کا ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ [illegible] کا پھیر ہوتا ہے۔ جو ساس بہو کے تعلقات اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں ورنہ جس عورت کو اپنا شوہر پیارا ہوتا ہے وہ اس کی مرضی اور ہر شے کو بھی مقدم اور عزیز رکھتی ہے۔ پھر ساس تو شوہر کی ماں ہوتی ہے جس کے ساتھ عمر کا ایک طویل حصہ گزارنا ہوتا ہے۔ اب مجھے ہی دیکھیے۔ میں تو ان کی والدہ کا اسی قدر احترام کرتی ہوں جتنا آپ کا۔"

"خیر تم اپنی تو نہ کہو۔ تم جیسی دنیا کی ساری لڑکیاں ہو جائیں تو پھر ساس اور بہو کا جھگڑا ہی باقی نہ رہے۔ میں تو ایک عام بات کہہ رہی ہوں۔ اب مسز احسان ہی کو دیکھو بے چاری نے کیسے کیسے جتن کر کے اور مشقتیں بھگت کے بیٹے کو پالا پوسا، پڑھایا لکھایا اور شادی کی۔ کیسے ارمانوں آرزوؤں سے بہو لائیں، کتنے ناز اٹھائے مان کیے مگر دو ہی دن بعد بہو بیگم ہاتھ میں موت کا چلو دے کر میاں ہی کو لے اڑی اور ساس ہیں کہ آٹھ آٹھ آنسو روتی ہیں ہر دم۔" صوفیہ بیگم ترش سے لہجے میں بولیں۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

"لیکن غلطی مسز احسان کی بھی ہے امی جان۔ یہ ضرور ہے کہ انہوں نے اپنا خون پسینہ ایک
اپنے اکلوتے یتیم بیٹے کی پرورش کی تھی اسے پڑھایا لکھایا بلکہ اعلا تعلیم دلوائی، بڑے چاؤ اور ارمانوں
سے اس کی شادی کی۔ اور اتنی چھان بین کے بعد بہو پسند کی اور اب یہ عالم ہے کہ ہر آئے
سامنے بہو کی زیادتیوں کا رونا روتی ہیں۔" شفق نے ابھی بات بھی ختم نہ کی تھی کہ صوفیہ بیگم بولیں
"تو پھر بے چاری کریں بھی کیا۔ اے وہ بہو کیا ہے قطامہ ہے پوری مولی دس کی گانٹھ۔ ایسا
شیشے میں اتارا ہے کہ بے سر پیر کا الو بن کر رہ گیا ہے۔ ڈگڈگی کی طرح ناچتا ہے بیوی کے اشاروں
"معاذ اللہ۔" صوفیہ بیگم کی گرمی، گفتار پر میجر صاحب ایک گہرا سانس لے کر بولے اور
ایک بے ساختہ مسکراہٹ کو منہ پھیر کر چھپایا۔ پھر تھوڑے توقف کے بعد بولیں۔
"یہی تو میں کہنا چاہ رہی تھی امی کہ ہم لوگ بس ایک ہی رخ دیکھنے کے عادی ہیں۔ چونکہ مسز احسان
کی بہو میاں کو لے کر الگ ہوگئی۔ اس لیے اب سارا عتاب اسی پر ہوگا۔ حقیقت کا کسی کو بھی علم نہیں
احسان نے اپنے بیٹے سے جو توقعات وابستہ کر رکھی تھیں شادی کے بعد وہ ان پر پورا نہ اتر سکا۔ اور اس
حد تک تو کبھی پورا اتر ہی نہیں سکتا جس حد تک وہ چاہتی تھیں۔ کیونکہ شادی ہو جانے کی وجہ سے
توجہ ماں پر سے ہٹ گئی۔ ادھر مسز احسان نے روایتی ساسوں کی طرح دوسرے ہی ہفتے ڈنڈا اٹھا
لڑکی پڑھی لکھی اور ماڈرن گھرانے کی۔ وہ بھلا کیسے یہ سب برداشت کرتی۔ بیٹے سے بھی ماں کا
ڈھکا چھپا نہ تھا ادھر بیوی کی مظلومیت کا احساس بھی تھا۔ اس لیے اس نے یہی بہتر سمجھا کہ بیوی کو لے
علیحدہ ہو جائے اصل میں امی یہ ہمارے یہاں بڑی زیادتی ہے۔ کہ ایک تو پرائی لڑکی کو اتنے چاؤ
بیاہ کر لاتے ہیں اس پر بات بات میں عیب جوئی کرتے ہیں۔ اس کی خامیاں گنواتے ہیں۔ حتیٰ
طعن کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے آگے بھی بیٹیاں ہیں جنہیں
گھر جانا ہے اگر ان کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا گیا تو ان کی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ اور
جگر بھی فگار۔" شفق نے ایک تقریر ہی کر ڈالی۔ صوفیہ بیگم چپ سی ہو گئیں۔
"ہاں بیٹی! کاش تمہاری امی کی سمجھ میں یہ فلسفہ آ جائے تو بہو کے آنے کے بعد خانہ جنگی کا ذرا سا
امکان باقی نہ رہے گا۔" میجر صاحب بولے۔
"اے یہ آپ ۔ پیچھے جھاڑ کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ وہی مثل ہوگئی کہ سوت نہ کپاس
سے لٹھم لٹھا' بہو کا آنا تو دور کی بات ہے ابھی تو تصور بھی نہیں ہے۔" صوفیہ بیگم تڑخ کر بولیں۔
"خیر تصور تو بندھ چلا ہے امی جان۔ اب ڈھونڈنے کا مرحلہ باقی ہے۔" شفق مسکرا کر بولیں۔
"تو ڈھونڈ لو اپنے لیے کوئی بھاوج۔ میں بھلا گھر بیٹھے بیٹھے کہاں سے پیدا کر لاؤں۔" صوفیہ بیگم
بیزاری سے کہا۔
"اوہو۔ ڈھونڈنے اور پیدا کرنے کے ضرورت کیا ہے جبکہ لڑکی گھر میں ہی موجود ہے۔"
صاحب نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"لڑکی گھر پر موجود ہے؟ کون سی لڑکی؟ کیا یہی لاوارث لڑکی جس کی ذات ضمات تک معلوم نہیں
شکل ہی شکل ہے تو شکل کو لے کر کیا چاٹنا ہے۔" صوفیہ بیگم چمک کر بولیں۔
"لیکن امی جان۔" شفق نے کہنا چاہا۔ مگر صوفیہ بیگم نے غصے سے ان کی بات کاٹی۔

"اے بھاڑ میں جائے تمہاری امی۔ میں اس دن تو خاموش ہوگئی تھی یہ سمجھ کر کہ تم دونوں باپ بیٹیوں
کو اور کوئی کام نہیں تو یہی قضیہ لے کر بیٹھ گئے۔ اور آصف کو خوامخواہ ہی بیچ میں پھنسوا دیا۔ ورنہ اس نے تو
اشارتاً بھی میرے سامنے ایسی کوئی ناجائز تمنا نہیں کی۔ مگر اب تو میں یہی کہوں گی کہ جائز ہو یا ناجائز میں
اس کی کوئی بات نہ سنوں گی۔ لو بھلا غضب اندھیر اب تک تو یہی تھا کہ صاحبزادے چھیل چھبیلے بنے
پھرتے تھے۔ اب شادی بھی کریں گے تو موئی اس خوبصورت بلا سے جس نے سب کو الو کا گوشت
کھلا رکھا ہے۔"
"افوہ۔ حد ہوگئی صوفیہ۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ اس معصوم اور بے زبان لڑکی پر جو بے چاری
مصیبت زدہ بھی ہے.... اپنے دل کا سارا غبار نکال رہی ہو جبکہ کیا دھرا سارا تمہارے بیٹے کا ہے وہی
اسے پسند کرتا ہے اور وہی اس سے شادی کرنے کا خواہش مند بھی ہے۔" میجر صاحب صوفیہ بیگم کی گرمی
دماغ پر جزبز سے ہو کر بولے۔
"جی ہاں امی جان یہ تو آصف کی خواہش ہے۔ افشاں کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ ہم سب کے
اس کے بارے میں کیا ارادے ہیں۔" شفق نے بھی باپ کی تائید میں کہا۔
"اوہو۔ اب میں سمجھی یہ تم دونوں باپ بیٹی اس وقت یہی کہنے کے لیے میرے پاس آئے ہو۔ لیکن
کان کھول کر سن لو۔ مجھے آصف کی یا تمہاری خواہش پوری کر کے اپنی ذات میں بٹہ نہیں لگوانا۔ اصل میں
سارا قصور میرا ہی تھا۔ مجھے اس بدذات لڑکی کو گھر میں رکھنا ہی نہیں چاہیے تھا اور میں تو شروع دن سے ہی
اس کے میں پناہ دینے کے خلاف تھی مگر تم دونوں باپ بیٹیاں تو خواجہ خضر بنے رہتے ہو۔ کہ بس ذرا کسی
کو اگر دیکھا اور تمہاری پسلی پھڑکی۔" صوفیہ بیگم جھک کر بولیں۔
"خیر ٹھیک ہے اگر تم اس بات پر ٹھنڈے دل سے راضی نہیں ہوتیں تو تم جانو۔ اپنے بیٹے کی فطرت
سے تو اچھی طرح واقف ہی ہو۔ وہ اگر سرکشی پر آمادہ ہو گیا تو یہ تمہاری بزرگی بھی دھری کی دھری رہ
جائے گی۔" میجر صاحب نے زچ ہو کر کہا مگر ان کے لہجے میں دھمکی سی پنہاں تھی۔
"اے لو لنکا میں جو بھی ہے وہ باون گز کا۔ اور جب آپ باپ ہو کر ایسا کہہ رہے ہیں تو پھر ظاہر ہے
زمانہ تو آسمان پھاڑ کر تھگلی لگائے گا ہی۔" صوفیہ بیگم چنختے کے سے انداز میں ضرور بولیں مگر ان کے لہجے
میں کمزوری سی آ گئی یوں جیسے صحیح جواب نہ بن رہا ہو۔
"یہ سب واہیات باتیں ہیں۔ آصف اب کوئی بچہ نہیں رہا۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔ اپنی حد تک
سمجھدار بھی ہے۔ اگر اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرنا چاہ رہا ہے تو یہ کوئی نامناسب بات بھی نہیں۔ آخر
وہ اسی زمانے میں ہی تو سانس لے رہا ہے جسے تم نیا نرالا اور خراب کہتی ہو مگر وہ تو اس زمانے کا ایک ابھرتا
ہوا فرد ہے۔ اس کے خیالوں اور ارادوں پر پابندیاں عائد کرنے کے نتیجے میں اس کی طرف سے
بغاوت اور سرکشی کے سوا ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا لیکن ایسی نوبت ہی کیوں آنے دی جائے اس سے پہلے
کہ وہ کوئی قدم اٹھائے ہمیں خود ہی اس کے مطالبات پورے کر دینے چاہئیں۔" میجر صاحب اپنے
موقف پر ڈٹے رہے۔
"اے نوج ایسے بے جا مطالبات کی ایسی تیسی اور میں تو تین میں نہ تیرہ میں۔ میری بلا سے۔ وہ کسی
بھکاری کو بیاہ لائے یا بھٹیاری کو میں تو اب شریف ہوں گی تو اس کے کسی معاملے میں نہ بولوں گی۔ آپ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

کا جو جی چاہے وہ کیجیے۔" صوفیہ منہ بنا کر بولیں۔
"اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ صوفیہ نہیں چاہتیں تو میں کل ہی روانہ ہوئے جاتا ہوں۔ تاکہ بھائی جان سے منہ در منہ بات ہو جائے۔"
"اے واہ یہ بھی خوب ہے۔ یا میدان میں یا دو پچھاڑ کھاؤ آخر ایسی کیا عجلت ہے۔ کیا لڑکا کہیں بھاگا جا رہا ہے۔ لو اب بھلا بیٹھے بٹھائے یہ کیا سوجھی۔ کہ لاہور جا کر بات پکی کریں گے۔ اور انہوں نے انکار کر دیا تو؟" صوفیہ بیگم نے ہاتھ چلا کر تیز و تند لہجے میں کہا۔
"خیر، اب وہ انکار کریں یا اقرار مجھے فوری طور پر کسی نہ کسی صورت اس معاملے کو نمٹانا ہے۔ صاحبزادے کوئی نیا گل نہ کھلا دیں۔" میجر صاحب فیصلہ کن انداز میں بولے۔ ان کے لہجے میں جو سختی تھی۔ جس نے صوفیہ بیگم پر خاطر خواہ اثر کیا۔ وہ قدرے ٹھنڈی پڑ کر بولیں۔
"اچھا اچھا جو آپ کا جی چاہے کریں مگر بابی جان کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے لاہور جانے کی ضرورت نہیں اور پھر آصف تو اس لڑکی پر ریجھا ہوا ہے۔ پھر تمہیں آپ کے جانے سے فائدہ۔" صوفیہ بیگم نے ایک طرح سے اپنی رضامندی تو دے دی مگر یوں جیسے ان لوگوں پر احسان دھر رہی ہوں۔ میجر صاحب اور شفق اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ یہ صرف آصف کی وجہ سے وہ افشاں کے لیے راضی ہوئی ہیں اور پورے دل سے نہیں۔ بہرحال انہوں نے منظوری تو دے دی تھی۔ میجر اپنی بات منوانے پر دل سے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔
"تو بھئی مبارک ہو تمہاری امی نے اپنی رضامندی دے دی ہے۔ اب تو خوش ہونا چاہیے۔ اب تم بھائی کی شادی کی تیاری کرو۔"
"اے اس قدر اتاولی کیوں پڑ رہے ہو، ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی ضرورت کیا ہے دنیا داری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ ابھی تک منگنی کا لفظ بھی نہیں لیا گیا اور ابھی کچھ نہیں ہوا کہ آپ شادی رچانے چل پڑے بیٹے کی۔" صوفیہ بیگم نے چیخ کر کہا۔ ان کی بات میں وزن تھا۔ میجر صاحب کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ بولے۔
"ہاں! اس کا تو مجھے خیال ہی نہ رہا تھا۔ خیر شادی نہ سہی کم از کم بات ہی پکی ہو جائے۔ منگنی کی رسم ادا کیے دیتے ہیں۔"
"لو ناک یوں نہ پکڑی یوں پکڑی ایک ہی بات ہوئی۔ تقریب تو منگنی کی صورت میں ہو ہی گئی۔" صوفیہ بیگم نے ہاتھ سے ناک پکڑنے کا محاورہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ قدرت نے انہیں یہ بات کہنے کا ایک موقع فراہم کیا تھا۔ اس لیے وہ قدرے مطمئن انداز میں بات کر رہی تھیں۔
"نہیں کوئی دھوم دھڑکا نہیں کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں بس دو چار دوستوں کی موجودگی میں رسم ادا کر دی جائے گی۔ تاکہ صاحبزادے کو بھی اطمینان ہو جائے اور اس بے چاری لڑکی کی بھی یہاں گھر میں کوئی حیثیت بن جائے۔" میجر صاحب نے آخری فقرہ چبھتے سے لہجے میں کہا۔ پھر شفق سے بولے۔
"شفق تم ان چیزوں کا فوری طور پر کوئی بندوبست کرو جو ایسی رسموں پر ضروری ہوتی ہیں۔"
"جی بہتر ہے پاپا۔" شفق نے مستعدی سے کہا۔
"اے منگنی کی رسم ہی کیا ہوتی ہے بس جانبین کی طرف سے انگوٹھیاں پہنا دی جاتی ہیں اور ہماری

قسمت یہاں پر بھی کھوٹی نکلی۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ بیٹے کو اپنی طرف سے انگوٹھی پہنا دے۔ یہ بھی ہمیں ہی کرنا پڑے گا۔ لو بھلا کیا مزیداری رہے گی۔" صوفیہ بیگم نے شفق کو آگے کچھ بولنے کا موقع بھی نہ دیا بڑے حسرت بھرے انداز میں بولیں۔
"مزیداری کے لیے بھی دل میں وسعت اور حوصلہ ہونا چاہیے۔ اب جو کچھ بھی ہوگا ہماری طرف سے ہی ہوگا۔" میجر صاحب نے نہایت بیزاری سے کہا۔ اور پھر کھڑے ہوتے ہوئے شفق سے مخاطب ہو کر بولے۔
"آصف کے لیے کوئی اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں بس انگوٹھی ہی کافی رہے گی مگر افشاں کے لیے جوڑا بھی تیار ہوگا اور زیور بھی۔ آخر چار آدمیوں کے درمیان یہ رسم ادا ہوگی تو کچھ تو معلوم ہونا ہی چاہیے۔"
"اے ایسا ہی خیال ہے تو جوڑا بھی بنوا دیجیے مگر زیور بنوانے کی ضرورت نہیں میں اپنا زیور دے دوں گی۔" صوفیہ بیگم بولیں۔
"اچھا تو پھر ٹھیک ہے لیکن جو زیور تم پہناؤ گی وہ واپس نہیں لینا۔" میجر صاحب نے کہا۔
"اے کوئی چڑھاوے کے لیے تو دے نہیں رہی جو واپس نہ لوں۔ خیر جیسا موقع ہوگا ویسا ہی ہوگا۔" صوفیہ بیگم ٹالنے کے سے انداز میں بولیں تو میجر صاحب نے اپنے کمرے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔
"تم اپنا زیور اپنے پاس ہی رکھو۔ شاید بہو کے لیے ہی کام آ جائے افشاں کے لیے میں آج ہی آرڈر دے دیتا ہوں۔"
"ہونہہ... آرڈر دے دیتا ہوں۔ کوئی ان کا ہوتا سوتا آ گیا تو ایسی دھتا بتا کر جائے گی کہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ بڑے چونچلے ہو رہے ہیں، ممتا اچھل رہی ہے پسلی پھڑک رہی ہے۔ زیور بنوائیں گے جوڑے سلوائیں گے۔ جیسے چونچلے پوتیوں کے ہیں جو یوں الّلے تلّلے ہوں گے۔ اے ابھی تو تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ وہی مثل ہے گھر کے آدمی کے پیر شدی۔ پتا نہیں کس کل اونٹ بیٹھے گا۔" میجر صاحب کے جاتے ہی صوفیہ بیگم نے اپنی محاوراتی زبان میں جلی کٹی سنانی شروع کیں تو شفق اپنی ہنسی روکتی ہوئی بولیں۔
"آپ اطمینان رکھیں امی جان افشاں بہت اچھی لڑکی ہے میرا مطلب ہے بڑی خوبیوں کی مالک ہے۔ وہ ایک اچھی بہو ثابت ہوگی۔"
"اے بس رہنے بھی دو۔ تمہیں اور تمہارے باوا کو ہی اس میں لعل جڑے نظر آتے ہیں۔ اور مجھے تسلی دلانے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ میرا کسی بات سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ میری تو وہی مثال ہے کہ ماری پیٹی کونے لاگی۔ کیا میں تم سے روٹھی تھی۔ تم لوگوں نے تو کوڑا سمجھ کر مجھے ایک کونے میں پھینک دیا ہے۔ سیاہ کرو یا سفید مجھے کسی بات سے سروکار ہی نہیں اس پر آ گئے میرا عندیہ لینے۔ جیسے بڑی ہی تو میری مرضی اور رائے کوئی حیثیت رکھتی ہے۔" صوفیہ بیگم ترخ کر بولیں۔ اور شفق چپ ہی ہو گئیں۔ ماں کو قائل کرنا تو بڑی بات تھی۔ ان کے خیالات کی تردید کرنے کی بھی جرات نہ رکھتی تھیں۔ جلدی سے اٹھتی ہوئی بولیں۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''یہ افشاں آخر کہاں رہ گئی۔ ذرا دیکھوں تو جا کر آپ کے کھانے کو بھی تو دیر ہو رہی ہے۔''

''بھاڑ میں جائے کھانا وانا۔'' صوفیہ بیگم بھڑک کر بولیں۔

''اچھا تو آپ اس وقت سوپ پی لیجیے۔ میں ابھی لاتی ہوں۔'' شفق نے کہا اور ماں کا جواب سنے بغیر ان کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ دل تو خوشی کے در و بام پر ہلکورے لے رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا بھاگ کر جائیں اور طوبیٰ کو گلے سے لگا کر یہ خوشخبری اسے بھی سنا دیں مگر جانے کیوں دل مار کر رہ گئیں۔ بہر حال بھائی کو تو یہ مژدہ سنانا ہی تھا جو ابھی تک واپس نہ لوٹے تھے۔ اس روز ٹھنڈ بھی زیادہ پڑ رہی تھی اور کسی بھی لمحے برفباری ہو جانے کا امکان تھا۔ سب جلد ہی پڑ کر سو گئے تھے خواہ برف باری ہوتی۔ انگارے برس رہے ہوتے یا زمین کی طنابوں کو اکھاڑ کر رکھ دینے والے طوفان آئے ہوتے۔ مگر میجر صاحب کو ٹھیک چار بجے صبح اٹھ کر پریڈ پر پہنچنا فرض ہوتا تھا۔ اس لیے بھی افراد خانہ جلدی سو جانے کے عادی تھے۔ سوائے آصف کے جو اس پابندی سے بری الذمہ تھے۔ دس بج چکے تھے۔ آغا پور گہرا اندھیرے اور ٹھنڈک یخ بستہ چادر اوڑھے خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ ایسا ہو کا عالم طاری تھا جیسے کائنات کی نبضیں ڈوب گئی ہوں۔ سرد راتوں میں بھونکنے والے کتوں اور گیدڑوں کی آوازیں بھی خون کی منجمد کر دینے والی تیز ہواؤں کی سیٹیوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔ سارا گھر پڑا سو رہا تھا۔ سوائے شفق کے جو آصف کے انتظار میں کروٹیں بدل رہی تھیں۔ کان باہر کار کے رکنے کی آواز پر لگے تھے اور دماغ طرح طرح کے خیالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ جہاں آصف کو خوشخبری سنانے کا اشتیاق تھا۔ وہاں ان کی اس آزادانہ روش کی طرف سے بھی فکر مند تھیں۔

''امی جان ٹھیک ہی تو کہتی ہیں پاپا نے آصف کو نہ صرف بہت زیادہ چھوٹ دے رکھی ہے۔ بلکہ چشم پوشی سے بھی کام لیتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے انہوں نے طوبیٰ کو آصف سے منسوب کرنے میں اتنی جلد بازی سے کام لیا ہے تاکہ آصف اپنا یہ لاابالی پن چھوڑ دیں۔ پاپا نے یہ قدم اٹھایا تو بہت سوچ سمجھ کر ہے۔ لیکن بقول امی جان نہ جانے یہ اونٹ کس کل بیٹھے۔ ادھر طوبیٰ کا آج تک پتا نہ چل سکا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ بظاہر بھی کوئی خاص انٹرسٹ نظر نہیں آتا بلکہ وہ تو آصف سے گھبراتی اور کتراتی ہیں اور ادھر خود آصف کی باتوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ طوبیٰ کے معاملے میں قطعی طور پر سنجیدہ نہیں ہیں۔ امی جان الگ نالاں اور بیزار ہیں۔ اس صورت حال میں میری اور پاپا کی خوشی سے کیا ہوتا ہے۔ اصل میں تو یہ پاپا کی خوشی اور خواہش ہے۔ نہ معلوم اس کا انجام کیا ہو۔ اتنا اچھا موقع ہاتھ آیا تو پھر پاپا نے امی پر حقیقت کو ظاہر کرنے سے گریز کیا۔ جانے کیوں پاپا اس معاملے میں شروع ہی سے ابھی شفق اتنا ہی سوچ پائی تھیں کہ ہلکے سے کال بیل بجی جس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ اس لمحے ہر فکر کو پس پشت ڈال کر بس ایک ہی بات ان کو یاد رہ گئی تھی کہ آصف کو جلدی سے یہ خوش خبری سنائیں۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکیں اور جلدی سے کھٹکا کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی منجمد کر دینے والی اندھیرے میں لپٹی ہوا کی لہر ان کے جسم سے ٹکرائی اور اس کے ساتھ ہی آصف بھی اندر آ گئے اور بہن کو بڑے غیر متوقع طور پر ایسے ناوقت اپنی تقدیم کے لیے کھڑا دیکھ کر آنکھوں میں جامد ہوتی حیرت کو انہوں نے پلٹ کر دروازہ بند کرنے میں چھپایا۔ شفق گو گرم پشمینے کے ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھیں مگر ایک دم ہی یخ بستہ ہوا کی زد میں آنے کی وجہ سے ہلکے سے دانت کٹکٹا کر اور اپنی ہتھیلیوں کو باہم رگڑ کر سردی لگنے کا اظہار کر رہی تھیں۔ آصف نے متحیر ہو جانے کے باوجود ان سے دروازہ کھولنے کا سبب نہیں پوچھا۔ شاید اس لیے بھی کہ وہ اپنے دیر سے آنے پر شفق سے سرزنش کے متوقع تھے۔ انہوں نے چند لمحوں کو تامل کیا پھر کوریڈور کا رخ کرتے ہوئے بہن کی طرف دیکھا جو بڑی خاموشی سے ان کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھ رہی تھیں۔ بڑی فوقیت جتاتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''تم نے تو آج انتظار کرا کرا کر سکھوا ہی دیا۔ معلوم بھی ہے سخت نیند آ جانے کے باوجود دو گھنٹے تک پلک نہیں جھپکائی ہے۔''

''وہ تو اس وقت یہاں آپ کی موجودگی سے ہی ظاہر ہے مگر اسقدر شدید انتظار کا سبب میری ناقص عقل سے بالاتر ہے۔'' آصف کے لہجے میں بڑی شگفتگی تھی۔ انہوں نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

''تم تو اپنی عقل جہاں تک میرا خیال ہے۔'' شفق نے شوخ سے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

''کلب میں ہی چھوڑ آتے ہو۔'' تھوڑے سے توقف کے بعد انہوں نے ہنس کر اپنا فقرہ پورا کیا۔

آصف ان کے اس فقرے کا مطلب سمجھ تو گئے مگر خاموش ہی رہے۔

''خیر تمہارے لیے ایک بڑی اچھی خبر ہے بلکہ ایک زبردست خوشخبری۔''

''خیر میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ ہے ضرور کوئی غیر معمولی بات۔ خیر تو پھر ارشاد؟'' آصف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یوں چپکے سے کیسے سنا دوں۔ پہلے کم و بیش ایک من مٹھائی کھلوانے کا وعدہ کرو۔'' شفق ان کے تجسس کو ابھارنے کی غرض سے بولیں۔

''ایک من مٹھائی؟ خیر چلیے وعدہ رہا بشرطیکہ وہ خوشخبری میرے لیے سودمند ثابت ہوئی۔'' آصف بولے۔

''ہاں صرف تمہارے لیے ہی سودمند بھی ہے ہم تو صرف خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔'' شفق اٹھلا کر بولیں۔

''کیوں کیا آغا پور کی جاگیر مجھے بخش دی گئی ہے یا پھر کوئی فیکٹری یا مل میرے نام الاٹ ہو گئی ہے؟'' آصف نے شفق کے پہیلیاں بجھوانے پر قدرے چڑ کر پوچھا۔

''ارے نہیں ان ساری چیزوں سے بھی بڑی بات ہے۔ وہ امی جان نے طوبیٰ کے لئے اپنی رضامندی دے دی ہے اور مزید اطلاع کو یہ بھی بتا دوں کہ ایک ہفتے بعد پاپا تمہاری منگنی کی رسم ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کہو ہے نا کئی لاکھ روپے کی بات۔'' شفق نے بڑی شخصیت سے یہ نوید مسرت سنائی اور داد طلب نظروں سے آصف کی طرف دیکھا مگر وہ کچھ ایسا تاثر دیتے نظر آئے جیسے یہ خبر ان کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ بڑے سرد سے لہجے میں بولے۔

''یہ کوئی نئی چونکا دینے والی خبر تو نہیں۔ اس بات کا تصفیہ تو بہت دن پہلے ہو گیا تھا۔''

''کمال ہے تمہیں ذرا سی بھی خوشی نہیں ہوئی۔ حالانکہ میں نے تو شام سے اب تک کا وقفہ بڑی مسرت میں گزارا ہے۔ اور تصفیہ تو اصل میں آج ہوا ہے۔ پہلے تو ایک سرسری سی بات ہی ہوئی تھی جسے امی نے بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا تھا۔'' بھائی کے سرد سے رویے پر شفق بجھ سی گئیں۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

''میرے خیال میں تو امی جان آج بھی دل سے راضی نہیں۔ بس پاپا کو سنجیدہ دیکھ کر ہاں کر دی ہوگی۔ بہرحال یہ تو ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا اس میں میری خوشی اور ناخوشی کا کیا سوال۔'' آصف افسردہ لہجے میں بولے۔

''لیکن تم پر جبر یا زبردستی تو نہیں کی جا رہی۔ تمہاری ایک خواہش کی تکمیل میں ہی پاپا نے یہ سب کیا ہے۔ اور وہ تو سیدھے سبھاؤ شادی ہی کر دیتے مگر ابا میاں کے انتقال کی وجہ سے صرف منگنی پر اکتفا کر رہے ہیں وہ بھی صرف اس مصلحت سے کہ امی جان کی نظروں میں طوبیٰ کی کوئی حیثیت بن جائے۔ اور کسی قدر تمہاری نظروں میں بھی۔'' اس آخری فقرے پر شفق مسکرانے لگیں۔

''میری نظروں میں بھی؟ ہاں یہ بھی درست ہی ہے۔'' آصف نے طنزاً کہا۔

''واہ تم بھی عجیب ہو۔ بالکل ناشکروں کی طرح۔ گھر بیٹھے بٹھائے۔ بنا ہاتھ پیر ہلائے بے مثال حسن کی مالک، باصلاحیت اور تعلیم یافتہ لڑکی مل گئی۔ پھر بھی تمہارے چہرے پر ہوائیاں ہی نہیں آئیں یہ ضرور ہے کہ بے چاری کے پاس مال و زر نہیں ہے۔ نہ کوئی لاکھوں کا جہیز اور زیور مہیا کر سکتی تمہارے تصرف کے لیے کیڈلک خرید سکتی ہے لیکن بے عیب تو صرف خدا کی ذات ہوتی ہے۔ اس میں بھی ہر خوبی ہے سوائے اس عیب کے کہ وہ غریب اور لاوارث ہے۔'' شفق نے بڑی کوفت میں ان پر چوٹ کی۔

''صرف پیسہ۔ خوبصورتی اور سیرت سب کچھ نہیں ہوتی بجیا زندگی بھر کی رفاقت کے لیے ضروری ہے کہ ہر دو رفقاء کے مزاجوں، خیالوں اور طبیعتوں میں کافی حد تک ہم آہنگی ہو۔ ایسا کچھ طوبیٰ میں ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔'' آصف بڑی متانت سے بولے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تمہیں یہ رشتہ پسند نہیں؟ لیکن اتنا سمجھ لو کہ پاپا نے...'' شفق نے کچھ کہنا چاہا تو ہاتھ کے اشارے سے آصف نے انہیں مزید کچھ کہنے سے باز رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ میں نے کب کہا۔ بجیا پچھلی بار جب میں نے انہیں دیکھا تو پہلی نظر کے ساتھ ہی میرے دل میں یہ خواہش جاگی تھی۔ حالانکہ اس وقت میں ان کی اصلیت سے قطعی طور پر لاعلم تھا۔ لیکن بجیا آپ ان سے کہیے کہ وہ اپنے اصولوں اور مزاج میں تھوڑی سی تبدیلی ضرور کر لیں۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہے بجیا میں ظاہری چیزوں سے متاثر ہو جانے کا عادی ہوں۔ گو یہ میری کمزوری ہے مگر کیا کروں اپنی فطرت سے تحت مجبور ہوں۔'' آصف نے بڑے گمبھیر لہجے میں اپنے دل کی بات کہی تو شفق کھلکھلا کر ہنستی ہوئی بولیں۔

''اوہ کس قدر مظلومانہ انداز ہے ایک دم عاشق نامراد کا سا رول ادا کر رہے ہو۔ ایسی ہی بات تھی تو پہلے ہی بتا دی ہوتی خوامخواہ مجھے بھی پریشان کر کے رکھ دیا۔''

''اچھا بھئی اب تو میری خطا معاف کیجئے۔ مارے ٹھنڈک کے قلفی جمنے کی نوبت ہے۔'' آصف نے ان کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر دل ہی دل میں مطمئن ہو کر بولے۔

''اچھا جی۔ گھر میں آ کر یہ سارے احساسات ہو رہے ہیں۔ ورنہ کلب سے یہاں تک کا راستہ تپتی دھوپ میں طے کر کے آئے ہو۔ معلوم بھی ہے ایسے خراب موسم میں کوئی بھی شریف آدمی اتنی رات تک گھر سے باہر نہیں رہتا۔'' شفق نے آصف کی بات پر ڈھکے چھپے انداز میں تنبیہ کی۔

''خیر۔ شریف آدمی ہی ہر خستہ و خراب موسم میں گھروں سے باہر نکلے نظر آتے ہیں۔ غریبوں اور ناداروں میں اتنی استطاعت کہاں جو زندگی کی لطافتوں سے حظ اٹھا سکیں۔'' آصف نے ہنس کر جواب میں کہا اور خدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔ شفق بھی اسی دم اپنے بستر میں آ کر دبک گئیں۔

''واقعی آصف ٹھیک ہی تو کہتے ہیں آج کل تو شریفوں نے ہی لٹیا ڈبو دی ہے۔ ساری تفریح گاہیں نائٹ کلب اور عیاشی کے اڈے انہی نام نہاد شریف رئیسوں کے دم سے آباد ہیں۔'' انہوں نے تکیے پر سر رکھ کر سوچا اور لحاف کو اچھی طرح اپنے اردگرد لپیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

''یہ اس قدر اہتمام کس لیے ہو رہا ہے بجیا۔ جو عارف کو بھی بلایا گیا ہے اور آپ بھی اتنی مصروف ہیں۔ شوکت بھائی کے آنے کا تو امکان نہیں؟'' طوبیٰ نے شفق کو ایک زرتار دوپٹہ ٹانکتے ہوئے دیکھ کر سوال تو بڑے تجسس سے کیا تھا مگر اپنی بات ہلکی سی چھیڑ سے ختم کی۔

''اچھا اگر وہ بھی آ رہے ہیں تو کیا وہ دیکھا ہی بیٹھیں گے یا پھر میں دلہن بن کر ان کے سامنے پیش ہوں گی!'' شفق اس کی چھیڑ سے حظ اٹھاتے ہوئے بولیں۔

''کم از کم میں تو یہی سمجھ رہی تھی۔'' طوبیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''ارے نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں یہاں آج کل تو روز ملتے ہیں نا۔ اس لیے مجھے ہی یہ سلائی اور ٹانکے کا کام کرنا پڑ رہا ہے۔'' شفق بھی مسکرا کر بولیں۔

''لیکن آخر ایسی کیا ضرورت پڑ گئی اس کام کی؟ یہی تو میں معلوم کرنا چاہ رہی ہوں۔'' طوبیٰ پھر متجسس ہوئی تو شفق نے دوپٹے پر کرن ٹانکتے ٹانکتے بے یقینی کے سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ بلا کوئی تاثر دیے ان کے جواب کے انتظار میں خاموش کھڑی تھی شفق تعجب کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

''کمال ہے۔ ایک ہی گھر میں رہتی ہو۔ اتنے نزدیک اس قدر قریب ہر بات تمہاری نظروں میں ہے پھر بھی ہر بات سے بے خبر اور لاعلم ہوا سے تمہاری بے نیازی کہوں یا لاتعلقی؟'' شفق کو اس کا استفسار اچھا نہ لگا تو انہوں نے بڑے شاکی لہجے میں کہا اور طوبیٰ چپ سی ہو گئی مگر اس کے کسی بھی انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ شفق کے ملامت بھرے شکوے پر نادم یا قائل ہوئی ہے۔ اسے خاموش سا دیکھ کر خود ہی بولیں۔

''یہ سارے اہتمامات صرف تمہارے لیے ہو رہے ہیں یہ جو تم مجھے کئی روز سے سرگرم عمل دیکھ رہی ہو اس کی وجہ تمہاری اور آصف کی منگنی کی رسم کی ادائیگی ہے۔'' شفق نے بڑے جتانے کے سے انداز میں بتایا۔

''میری منگنی، نہیں نہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں۔'' طوبیٰ شفق کے خاموش ہونے سے پہلے ہی بڑی ناگواری سے بولی۔

''نہیں سچ۔ بھلا جھوٹ بول کر مجھے کیا ملے گا؟ نہ میں مذاق ہی کر رہی ہوں پاپا اور امی جان نے یہی طے کیا ہے اور سب سے بڑھ کر آصف کی بھی یہی مرضی ہے۔ اصل میں منگنی تو بہت پہلے ہو جاتی مگر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

شدید سردی کی وجہ سے پورے ڈیڑھ ماہ کی تاخیر سے ہو رہی ہے اور معلوم بھی ہے پاپا تو منگنی کے قائل بھی نہ تھے مگر چونکہ سمدھیانے کا معاملہ تھا اور شوکت کے والد کے انتقال کو کل ڈھائی ماہ ہی ہوئے تھے اس لیے بات پکی کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ منگنی کی تیخ لگا دی۔ اسی لیے تو عارف کہہ رہا ہے کہ بغیر اس کے یہ تقریب پھیکی ہی رہے گی۔ کچھ زیادہ اہتمام بھی نہیں ہو رہا۔ صرف چند دوستوں کو مدعو کیا ہے پاپا نے ادھر آصف بھی اتوار کو خیر سے پشاور جا رہے ہیں۔ اس لیے جمعہ کو منگنی۔'' شفیق [illegible] جشن میں ایک تسلسل سے بولتے بولتے یکایک طوبیٰ کی خاموشی کا احساس ہوا تو انہوں نے چپ ہو کر اس کی طرف دیکھا جو اپنے ستے ستے سے چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ لیے سن سی کھڑی تھی۔

''آؤ بیٹھ جاؤ نا۔'' شفیق نے اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بناتے ہوئے دیوان پر تھوڑا سا کھسک کر [illegible] اور وہ بے چون و چرا ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''میں تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہی تھی اس لیے نہیں بتایا تھا مگر اس وقت تمہارے تاثرات سے اندازہ ہو رہا ہے کہ میں نے تمہیں لاعلم رکھ کر بڑی غلطی کی ہے۔'' شفیق کو اس کے خاموش اور سرد رویے پر خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے کہا۔

''یہ تو ایک عام سی بات ہے بجیا۔ انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہمیشہ بعد میں ہی ہوتا ہے۔'' طوبیٰ نے سپاٹ سے لہجے میں کہا اور شفیق کو یوں لگا جیسے وہ ان پر طنز کر رہی ہو۔

''خیر چلو اس غلطی میں بھی ایک مزیداری ہے اور میرے خیال میں تو کوئی فرق بھی نہیں پڑا۔ چلو یہی تمہیں اب معلوم ہو گیا۔'' شفیق نے اپنی بات در گزر کرتے ہوئے بہت ہنس کر کہا۔

''صرف معلوم ہونے سے کیا ہوتا ہے بجیا۔'' طوبیٰ بڑی اداسی سے بولی۔

''تو پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تمہارے بجائے تمہیں آگاہ کرنا چاہیے تھا اس کی درشتی کو نظر انداز کر کے شفیق نے ہنس کر پوچھا۔ اور طوبیٰ کی چاند سی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''بجیا آپ۔'' وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی تو شفیق نے دوپٹے کو احتیاط سے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں کہو کیا چاہ رہی ہو۔'' اس کے ساتھ ہی وہ متجسس نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''آپ حقیقت سے ہمیشہ روگردانی کیوں کرتی ہیں۔'' طوبیٰ کے ناگوار سے لہجے میں تلخی عود کر آئی اور شفیق بنا پلک جھپکے کچھ دیر اس کی صورت دیکھتی رہیں۔ پھر انہوں نے نگاہیں کترا کر پوچھا۔

''بھئی صاف صاف کہو جو کچھ بھی تم کہنا چاہ رہی ہو۔''

''یہی کہ میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے آپ کو کم از کم مجھ سے بھی پوچھ لینا چاہیے تھا مگر آپ نے تو یہ کہہ کر تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہی تھی۔ میرے اس ذاتی معاملے کو ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی۔ اس پر آپ یہ بھی جتانا چاہ رہی ہیں کہ پہلے معلوم ہو جاتا یا اب معلوم ہو گیا..... ایک ہی بات ہے جب کہ میرے لیے معلوم ہونا یا نہ ہونا برابر ہی ہے۔'' طوبیٰ بڑی تلخی سے بولی۔

''کیوں۔ کیا تمہیں ذرا سی بھی خوشی نہیں ہوئی؟'' شفیق نے جانتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا۔

''خوشی کیسی ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے اور کیونکر ہوتی ہے۔ مجھے بالکل نہیں معلوم۔ بس مجبوری کا آسیب سوار ہے۔ جس کے تحت میں نے یہاں..... شکستہ دیواروں کے پیچھے پناہ لے رکھی ہے۔ گردش ایام نے

READING Section

میرے ہر احساس کو گہری نیند سلا رکھا ہے۔ میرا سب کچھ چھن چکا ہے۔ میرے والدین میرا گھر حتیٰ کہ حال اور مستقبل بھی۔ میں بے یار و مددگار ہوں۔ مجبور اور بے بس ہوں۔ مجھے کھلونا تو بنایا جا سکتا ہے لیکن میرے سوئے ہوئے جذبات اور احساسات کو جگانا کسی کے بھی بس کا کام نہیں۔'' طوبیٰ نے کھنکھناتے ہوئے لہجے میں بڑے سوز کے ساتھ کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' شفیق نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔

''خدا گواہ ہے طوبیٰ ہم نے تمہاری مجبوری سے ہرگز فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہم نے تو جو کچھ بھی کیا ہے تمہاری فلاح و بہبود کے لیے کیا ہے آخر دنیا میں اب تمہارا ہے ہی کون؟ اور آصف کو اس گھر میں ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ خدانہ کرے وہ ایسے گرے پڑے تو نہیں ہم نے تو تمہاری جھولی میں اپنی آنکھوں کا تارا اور دل کا ٹکڑا ہی ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر تمہیں آصف میں کوئی برائی یا خامی نظر آتی ہو تو بلا جھجک کہہ دو۔''

''آپ موضوع سے ہٹ کر بات کر رہی ہیں بجیا۔ آپ کے بھائی میں نہ تو کوئی خامی ہے نہ برائی۔ اور نہ میں ان کا ذکر کر رہی ہوں۔ میرے اوپر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے۔ بجیا۔ شاید آپ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتیں۔ جو قیامت مجھ پر گزر گئی ہے۔ کیونکہ آپ لوگ نہ کسی کے مرنے کی پروا کرتے ہیں نہ جینے کی۔ جبھی تو آپ لوگوں نے اتنے بڑے سانحے کو ایک پالتو جانور کے مرجانے سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ آپ نے خالہ بیگم کو بھی ابھی تک لاعلم ہی رکھا ہے مگر میرے لیے تو یہ غم ابھی تازہ ہے اور نہ جانے کب تک تازہ رہے گا۔'' طوبیٰ نے اپنے دل کی بات کہنے میں ذرا سا بھی لحاظ نہ رکھا۔

''اوہ۔ اچھا تو یہ بات ہے۔ اف تم نے تو مجھے چونکا ہی دیا تھا۔ بھئی تمہارا یہ شکوہ سر آنکھوں پر مگر اس معاملے میں تو اب ہم واقعی مجبور سے بن گئے ہیں۔ بلکہ پاپا تو غلط بیانی سے کام لے کر اس وقت تک پچھتا رہے ہیں۔ کیونکہ امی سے یہ کہنا تو کچھ مشکل نہیں تھا کہ تم کون ہو اور تمہیں کیا حالات پیش آ چکے ہیں۔ مگر امی جان کو یہ باور کرانا ایک ناممکن سی بات ہے کہ تم واقعی طوبیٰ ہی ہو..... ان حالات میں جبکہ تمہیں ان کی بہو بنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ کبھی ہماری بات کی صحت پر یقین نہیں کریں گی۔ بلکہ یہی سمجھیں گی کہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے یا انہیں ہموار کرنے کی غرض سے جل دیا جا رہا ہے۔ اسی خیال سے تو پاپا نے انہیں نہیں بتایا۔'' شفیق نے بہت واضح کر کے بتایا۔ لیکن دل میں سوچا اب تو اللہ ہی ہے جو پاپا ان کو بتائیں کیونکہ امی جان تو طوبیٰ کا معاملہ بھی عرصے سے ٹالتی آ رہی ہیں۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں طوبیٰ کو بہو بنانے کا ذرا بھی شوق نہیں۔ طوبیٰ ان کی اتنی مدلل قسم کی گفتگو سن کر کچھ نہیں بولی۔ نظریں قالین پر مرکوز کیے اپنی انگلیاں چٹخاتی رہی۔

''سنو طوبیٰ اگر تم کو یہ رشتہ پسند نہیں تو صاف صاف کہہ دو۔ لگی لپٹی نہ رکھنا۔ میں آصف کی نہیں بلکہ تمہاری بڑی بہن کی حیثیت سے بے حد صدق دلی سے کہہ رہی ہوں۔'' شفیق نے اس کے اس مضطربانہ انداز پر ہمدردی سے لبریز دل سے پوچھا۔ اور طوبیٰ سوچ میں پڑ گئی کہ کہے تو کیا کہے۔ کیا ایسی طوطا چشم بن جائے کہ شفیق اور میجر صاحب کے احسانوں کا ذرا سا بھی پاس نہ رکھے۔ کیا صاف صاف انکار کر دے یا پھر قدرت کی مصلحتوں پر راضی برضا ہو کر سر تسلیم خم کر دے۔

''تم اطمینان رکھو طوبیٰ اگر تمہاری مرضی نہیں ہے تو تم پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ میں آج ہی پاپا سے

UrduPhoto.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کہہ کر اس معاملے کو ختم کرا دوں گی۔ گو انہیں دکھ تو ہوگا مگر وہ بھی تم پر زبردستی نہیں کریں گے۔'' ... نے اسے پھر دلاسا دیا تو طوبیٰ نے بھی سوچا ان لوگوں کے زبردست احسانوں کا یہی صلہ ہے کہ ... اور رواداری کو بالائے طاق رکھ کر صاف صاف انکار کر دیا جائے۔ اور انکار کرنے کے نتائج بھی ... گے؟ ابھی تک تو خالہ بیگم اور آصف ہی بیزار ہیں۔ بعد میں تو چچا اور بچیاں بھی میری صورت سے ... ہو جائیں گے۔ اور پھر اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ یہی سب سوچ کر طوبیٰ نے چہرہ جھکا کر دھیمے لہجے میں کہا۔

''اب تو میرا جینا اور مرنا اسی گھر میں ہوگا اور اس گھر میں مجھے خلوص، اپنائیت اور حفاظت کا ... آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ البتہ چچا میاں کی شفقت اور مہربانی سے انکار نہیں اور انہوں نے بھی کیا ہے سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔''

''ارے واہ اقرار بھی کر رہی ہو تو کتنے قاعدے سے۔ ورنہ میرے تو دم پر بن گئی تھی کہ تم کہیں انکار ہی نہ کر دو۔'' شفق خوش ہو کر بولیں اور فرط مسرت سے طوبیٰ کو گلے لگا لیا۔

''میری تو کیا ہستی تمہیں تو اس کا سہارا مل رہا ہے جو لگن کا پکا اور بات کا سچا ہے۔ شفق ... طوبیٰ اس کا یہ وصف اس کی ہر برائی کو ڈھانپ لیتا ہے۔'' شفق اپنی بات کہتے کہتے آبدیدہ ہو ... طوبیٰ نہ جانے کس خیال سے ٹپ ٹپ آنسو بہانے لگی۔ شفق نے اس کی کیفیت کو بھانپ کر کہا۔

''پاپا کا اب سے نہیں اس وقت سے جب آصف نے اپنی تعلیم مکمل کی تھی یہی ارادہ تھا کہ تمہیں بہو بنا لیں جب انہوں نے تمہیں دیکھا تک نہ تھا ... اس خواہش میں خود آصف کا اندرسٹ بھی شامل ... البتہ وہ کچھ فطرتاً ہی لاپروا سے ہیں۔ اور ... سے حساس بھی لیکن مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ تمہیں بہت چاہتے ہیں۔ گو تمہارے سرد مہر ... نیاز انہ رویے نے انہیں بددل ضرور کر دیا ہے۔ لیکن یقین جانو تمہیں پا کر وہ خود کو بھی بھول جائے ...'' شفق کہتی رہیں اور طوبیٰ بڑی روانی سے آنسو بہاتی رہی۔ شفق خاموش ہوئیں تو اس نے ان ... الگ ہو کر اپنے آنسو پونچھے اور اٹھ کر غسل خانے میں چلی گئی۔ اف یہ کیا ہو رہا ہے۔ میرے ... تو چند اور ہی ارادے تھے۔ غسل خانے میں آ کر بجائے وہ منہ آنسو دل اپنے دھونے لگی۔

صوفیہ بیگم اس نسبت کے طے ہو جانے کے بعد کچھ زیادہ ہی طوبیٰ سے متنفر ہو گئی تھیں۔ بہرحال جو کچھ بھی سوچے بیٹھی تھیں اس سے بھی مطمئن سی ہو جاتیں اور کبھی الٹے سیدھے خیالوں سے ان کا ... پیچھو سے لگتا ادھر اس احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کہیں صوفیہ بیگم کی دل کو چھیدتی باتوں سے طوبیٰ کے احساسات مجروح نہ ہو جائیں شفق نے یہ کہہ کر اب تو اس کی منگنی ہونے والی ہے ... اسے بھی گھر کے جھنجھٹوں سے نجات ملنی چاہیے۔ خصوصاً صوفیہ بیگم کے سارے کام اپنے ذمے لے لیے تھے وہ کم ہی اسے ماں کے سامنے پڑنے دیتی تھیں مگر اب تو صوفیہ بیگم روبصحت ہو چکی تھیں۔ وہ خود اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر چلی آتیں اور وہ سامنے پڑ جاتی تو ایسی کڑی اور گہری نظروں سے اس طرف دیکھتیں کہ وہ اندر ہی اندر کانپ کر رہ جاتی۔ اصل میں صوفیہ بیگم جس قدر باہر سے پرسکون نظر آتی تھیں اسی قدر اندر سے مضطرب تھیں ان کے سینے میں منافرت اور مخالفت کی ایک بھٹی سی سلگ رہی ... انہوں نے اپنے شوہر کی نیکی اور خلوص فطرت کے پیش نظر دل پر جبر کر کے یا بامر مجبوری مگر ... افشاں

کے لیے ہامی تو بھر لی تھی مگر اس کے ساتھ ہی افشاں کو کاٹنے کے لیے ایک ایسا چکر چلانے کا ارادہ کر لیا تھا جس سے وہی مثل صادق آ سکتی تھی کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ مگر اس کے باوجود وہ بڑی غیر مطمئن اور مضطرب سی تھیں۔ کیونکہ افشاں کے ساتھ تو وہ ہر ظلم روا رکھ سکتی تھیں لیکن آصف پر ان کا کوئی بس نہ چل سکتا تھا۔ اور اب تک طوبیٰ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچی تھیں کہ اس معاملے میں اس کا اتنا قصور نہیں جتنا ان کے بیٹے اور شوہر کا ہے۔

منگنی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد بھی لڑکی کے کسی معمول میں فرق نہیں آیا۔ نہ ہی اس کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی ہوئی تھی وہ تو پہلے سے بھی زیادہ خاموش اور گم صم سی نظر آنے لگی ہے بھی ہنستی ہے نہ مسکراتی ہے اور نہ آصف کو رجھانے کی کوشش ہی کرتی ہے بلکہ ان کے سامنے پڑنے سے احتراز ہی کرتی ہے جبکہ آصف زیادہ تر گھر میں ہی نظر آتے ہیں اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ اس سے بات کرنے کا موقع مل جائے اب تو صوفیہ بیگم خصوصاً دن کا کھانا سب کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھ کر کھانے لگی تھیں اور کھانے کے دوران بھی انہوں نے یہی نوٹ کیا تھا کہ آصف ہی بہانے بہانے اس سے بات کرنے کا موقع تلاش کرتے ہیں اور ادھر شفق بھی اس کی توجہ بھائی کی طرف مبذول کرانے میں لگی رہتی ہیں۔ اب انہیں کیا معلوم تھا کہ طوبیٰ کو گھر میں ہونے والی تیاریوں سے کچھ خبر تو ہو گئی تھی کہ اسے آصف کے ساتھ وابستہ کیا جانے والا ہے مگر منگنی اور نکاح کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ یہ کب تک ہونے والا ہے۔ اور چونکہ اسے وثوق سے کچھ معلوم نہ تھا۔ اس لیے وہ الجھ کر رہ گئی تھی مگر جب سے شفق نے اسے بتایا تھا اس کی الجھن ایک اضطراب میں تبدیل ہو گئی تھی کو اس نے رواداری اور ان لوگوں کے احسانوں ... آصف ... مطمئن تھی نہ خوش پھر اسے منگنی سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ جب کہ آصف کے رویے میں نمایاں تبدیلی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اس رشتے سے بہت خوش ہیں اور وہ جس قدر اس کی طرف جھکاؤ رہتے تھے وہ کھنچتی ہی چلی جا رہی تھی۔ جانے کیوں آصف کو قبول کرنے پر اس کا دل آمادہ نہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے تو اس نے آصف کو ایک بار بھی بات کرنے کا موقع نہ دیا۔

جمعہ کا دن تھا۔ وہی مبارک دن جس کی ایک شبھ گھڑی میں منگنی کی رسم ادا کی جانے والی تھی۔ میجر صاحب نے اپنے چند رفقاء کو ہی مدعو کیا تھا جو ملا جلا کر اس بارہ افراد ہی بنتے تھے اور جس میں کرنل اظہر اور ان کا مختصر ترین کنبہ یعنی بیوی اور بیٹی افزیہ اور میجر صاحب کے ایک دو ہم رینک یا پھر آصف کے ایک دو دوست ہی شامل تھے۔ سردی کی وجہ سے ہال میں بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا اس کے باوجود شفق یوں بوکھلائی بوکھلائی پھر رہی تھیں۔ جیسے کسی بہت بڑی دعوت کی ذمہ داری انہیں سونپ دی گئی ہو۔ سارا کام بھی تو انہی کے کاندھوں پر آ پڑا تھا۔ آصف تو خیر شفق کے بقول ہمیشہ سے ہی کام چور تھے۔ بس ایک دو ادھر کے کام وہ بھی سو نخروں سے انجام دیے تھے اور طوبیٰ کے کام کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اور عارف باوجود سخت انتظار کے اب تک آیا ہی نہ تھا اور نہ آتو ایک طرف اس نے تو اس خط کی رسید تک نہ دی تھی جو شفق نے اسے بلانے کے سلسلے میں لکھا تھا۔ اسی بات پر تو شفق جل جل کر کباب ہوئی جا رہی تھیں۔

''سخت نالائق لڑکا ہے یہ عارف بھی۔ مجال ہے جو ذرا سی بھی انسانیت برت لے۔ اب یہی شفق ...

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوسکتا کہ سر سے آئے ہی نہیں مگر کبھی آمد کی اطلاع دینے کی توفیق ہی کب ہوتی ہے۔ دیکھ لینا، دن اچانک ہی آ وارد ہوگا مگر جب منگنی کا دن بھی آ گیا اور عارف نہیں آیا تو سبھی کو فکر لاحق ہوئی۔ تو خاصی آزردہ بھی ہو گئیں بھائی کے نہ آنے سے بلکہ اس کی آمد کی طرف سے مایوس بھی ہو گئیں۔ دن انہوں نے کام کے ساتھ ساتھ عارف کو برا بھلا کہتے گزارا۔ آصف بھی عارف کے نہ آنے پر بہت بڑے آزردہ ہو رہے تھے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ یا تو عارف کو چھٹی نہ مل سکی ہوگی یا پھر ان تک شفق کا خط ہی نہ ملا ہوگا۔ اسی وجہ سے وہ نہ آ سکا ہوگا بہرحال وجہ خواہ کچھ بھی تھی مگر ان کے نہ ہونے کی وجہ سے گھر کی بے رونقی میں ذرا سا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ وہی سونا سونا اور پھیکا پھیکا سا ماحول جس سے آصف کو بڑی وحشت ہوتی تھی عارف کے نہ ہونے کی وجہ سے بدستور قائم رہا۔ لیکن شام کو مہمانوں کے دم قدم کی بدولت خاصی چہل پہل ہوئی تھی۔ تقریباً سب ہی مہمان آ گئے تھے اور منگنی کی رسم ادا کی جانے والی تھی اس روز تو صوفیہ بیگم بھی اپنے بہترین صوفے نے لباس میں ملبوس ہال میں بیٹھی خواتین سے باتیں کرتی نظر آ رہی تھیں۔ میجر صاحب اپنے دوستوں سے مصروف گفتگو تھے اور آصف اپنے دونوں دوستوں سے ایک طرف کھڑے گپ شپ لڑا رہے تھے۔ طوبیٰ سبز رنگ کے زربفت غرارہ سوٹ میں ملبوس ہم رنگ زرتار دوپٹہ اوڑھے بھاری طلائی سیٹ پہنے ہلکے میک اپ کے ساتھ تھوڑا تھوڑا سا گھونگھٹ نکالے مشرقی دلہنوں کے سے روایتی انداز میں سکڑی سمٹی اور جھکی بیٹھی تھی۔ شفق نے اسے پہلے ہی یہاں لا کر بٹھایا تھا اور منتظر تھیں کہ باپ کا اشارہ ملتے ہی انگوٹھی پہنانے کی رسم ادا کر دیں۔ وہ طوبیٰ کے پاس بیٹھی اس سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں کہ گل نے آ کر بڑی رازداری سے ان کے کان کے قریب جھک کر اطلاع دی۔

''بی بی وہ بڑا جاگیردار صاحب آیا ہے۔ بولتا ہے بی بی اور چھوٹا صاب کو باہر بھیجو۔'' تو شفق کو یوں لگا جیسے گل نے ان کے کان میں چیخ ماری ہو انہوں نے ایک لمحے کو بے یقینی سے اس کی صورت دیکھی پھر دوسرے ہی لمحے کھڑی ہوتی ہوئی بولیں۔

''اچھا تم چلو ہم ابھی آتے ہیں۔'' پھر انہوں نے آصف کو اشارے سے اپنے پاس بلا کر چپکے سے انہیں بتایا۔

''میرے خیال میں تو ان کی پذیرائی کے لیے پاپا کا جانا مناسب رہے گا۔'' آصف کچھ سوچ کر مشورہ دینے کے سے انداز میں بولے۔

''لیکن انہوں نے تو صرف مجھے اور تمہیں باہر بلایا ہے۔'' شفق قدرے لپک کر باپ کے پاس پہنچیں۔

''سوری نو انٹرپٹ یو۔'' انہوں نے میجر اور ان کے دوستوں سے معذرت کی۔ اور جھک کر آہستہ سے باپ کو بتایا۔

''اچھا۔ تعجب ہے یہ جاگیردار صاحب کیسے آ گئے۔ انہیں تو علم بھی نہیں اس تقریب کا۔'' میجر صاحب نے اٹھ کر اپنے استعجاب کو ظاہر کیا پھر کچھ سوچ کر بولے۔

''میرے خیال میں تم دونوں کا جانا ہی بہتر ہے۔ جاؤ آصف کے ساتھ انہیں ریسیو کرو۔'' اتنا کہہ کر میجر صاحب پھر بیٹھ گئے مگر اس قدر رازداری برتنے پر بھی کم از کم میجر صاحب کے دوستوں کو تو معلوم ہی

ہو گیا کہ کون آیا ہے۔ سبھی متجسس اور متعجب ہو رہے تھے کیونکہ بڑے جاگیردار عرصے سے گوشہ نشین ہو کر رہ رہے تھے۔ شفق بلا تاخیر کیے آصف کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر لپکیں مگر باہر نہ کوئی بڑے جاگیردار کے نام کی طرح ان کی بڑی سی کار نظر آئی اور نہ کوئی متنفس۔ کسی کو موجود نہ پا کر آصف کا موڈ ایک دم ہی آف ہو گیا۔ وہ گل کو برا بھلا کہتے پلٹ کر ہال کا رخ کرنے ہی لگے تھے کہ شفق نے ان کا بازو پکڑ کر ان کی توجہ پورچ کے پیچھے سے نمودار ہوتے ایک سفید ریش اچکن اور پاجامے میں ملبوس دوپلی ٹوپی سر پر جمائے عصا ٹیکتے اور ہانپتے کانپتے بڑے میاں کی طرف مبذول کرائی اور آہستہ سے بولیں۔

''یہ بڑے جاگیردار صاحب تو قیامت تک نہیں ہو سکتے!''

''ہوں۔ مگر یہ ہیں کون ذات شریف معلوم تو کرنا چاہیے۔'' آصف اپنے بگڑے ہوئے موڈ کو سنبھالنے کی کوشش میں ان بڑے میاں کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

''آپ کی تعریف؟'' آصف نے ان کے نزدیک جا کر بڑے تحمل سے پوچھا۔

''ارے میاں تعریف کے لائق تو وہ صرف قادر مطلق ہی ہے۔ ورنہ کیا ہم اور کیا ہماری تعریف۔ البتہ میں نہایت ادب اور معذرت کے ساتھ آپ دونوں کی خدمت میں آداب عرض کرتا ہوں۔'' بڑے میاں نے بڑے شوخ سے انداز میں ایک دم ہی اپنی اصلی آواز میں آخری فقرہ کہا تو بیک وقت شفق اور آصف کا دل چاہا کہ اس بیہودہ مذاق پر عارف کو پیٹ کر رکھ دیں۔ مگر آصف نے بڑے ضبط سے کام لیا اور تیزی سے ہال کی طرف پلٹ گئے۔ لیکن شفق اپنے دل کا غبار اتارے بغیر نہ رہ سکیں۔

''بڑے بیہودہ، نالائق ہو آخر ایسے بیہودہ مذاق کی کیا تک تھی؟ اب سب کے سامنے ہمیں خوامخواہ شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اچھے تم آ گئے، رنگ میں بھنگ ڈالنے۔ پہلے سے کیا سو رہے تھے جو اس وقت ہمیں سب کی نظروں میں خوار کرنے آ گئے۔ معلوم بھی ہے پاپا کو بھی یہ غلط اطلاع مل چکی ہے۔ اچھا ہے اب ان سے بھی ڈانٹ کھا لینا۔ تمہارا علاج یہی ہے۔''

شفق ایک دم ہی اس پر برس پڑیں اور وہ جو بڑے تر و تازہ اور شوخ موڈ میں تھا۔ اور اپنی فطرت کے بموجب اس نے صرف بہن اور بھائی سے یہ مذاق کیا تھا اس قدر لاپروا اور کھلنڈرا ہونے کے باوجود بہن کی ملامت آمیز گفتگو اس کے احساسات پر ایک تازیانہ بن کر لگی۔ بہن کی رخصتی کے بعد پہلی بار ان سے ملا بھی تھا تو بھلا کس انداز میں اور کس طرح، کہ وہ کہہ رہی تھیں کہ تم شرمندہ کرانے، رنگ میں بھنگ ڈالنے اور سب کی نظروں میں ہمیں خوار کرنے آ گئے۔ یوں جیسے اس کی محبت سے لبریز دل پر تیروں کی بوچھاڑ سی آ پڑی ہو۔ اس کی ساری شوخی اور چنچلتا ایک دم ہی کافور ہو گئی۔ اس نے جواب میں شفق سے کچھ بھی نہ کہا تیزی سے مڑا اور گیٹ کی طرف جانے لگا۔ شفق بھی کچھ نہیں بولیں۔ ان کو غصہ آ رہا تھا اس لیے منہ ہی منہ میں اسے برا بھلا کہتی رہیں۔ مگر جب وہ گیٹ کے قریب رکھا اپنا سوٹ کیس کو اٹھا کر باہر جانے لگا تو انہیں معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا وہ تیزی سے گیٹ کی طرف دوڑیں اور اسے آوازیں دیتی ہوئی اس کے قریب پہنچیں مگر وہ تو ان سے روٹھ گیا تھا اس نے اپنے قدم تیز کر دیے۔

''ارے ارے ٹھہرو عارف۔ کہاں جا رہے ہو۔ ایمان سے میں تو مذاق کر رہی تھی۔ تم خوامخواہ ہی برا مان گئے۔ دیکھو اندر مہمان بیٹھے ہیں منگنی کی رسم ہونے والی ہے۔'' انہوں نے نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تھا مگر عارف کے کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔ وہ بدستور بڑھا ہی چلا جا رہا تھا۔ آخر شفق نے مایوس ہو کر ایک آخری حربہ آزمایا۔

”تمہیں میری جان کی قسم عارف ایمان سے تم اگر واپس نہ آئے تو میرا مرا ہی منہ دیکھو گے۔“ شفق کھسیانی سی ہو کر بولیں تو عارف چلتے چلتے یوں رکا جیسے کسی نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم پکڑ لیے ہوں وہ جہاں رکا تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ شفق اس کے نزدیک آ کر بولیں۔

”شکر ہے تم نے میری قسم کا پاس تو کر لیا، ورنہ میں بھی اپنی بات پوری ہی کر کے رہتی۔ اب یہاں سڑک پر کھڑے کیا سوچ رہے ہو چلو جلدی سے اندر چلو وہاں سب ہمارے منتظر ہوں گے۔“ شفق نے دلار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ خاموشی سے گھر کی طرف پلٹ گیا۔ اندر آ کر شفق نے کہا۔

”اچھا اب تم جلدی سے اپنا حلیہ درست کر کے ہال میں آ جاؤ تمہارے آنے کے بعد ہی منگنی کی رسم شروع کروں گی۔“

”نہیں۔ مجھے وہاں آنے کے لیے مجبور نہ کیجیے اور پھر مجھے تیار ہونے میں دیر بھی لگے گی۔“ اتنا کہہ کر عارف نے اپنے کمرے کا رخ کیا اور شفق ہال میں آ گئیں مگر ہال میں داخل ہوتے ہوئے وہ بڑی پریشان سی ہو رہی تھیں۔ اصل میں جاگیردار صاحب کا آنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وہ بھی میجر اظہر کے یہاں۔ یہی وجہ ہے وہ سب لوگ جنہیں ان کی آمد کی خبر ہوئی تھی اس قدر تعجب اور تجسس کا اظہار کر رہے تھے۔ شفق ہال میں داخل ہوئیں تو صوفیہ بیگم نے پوچھا۔

”کون آیا تھا شفق؟“ شاید وہ جاگیردار کے آنے کی اطلاع سے لاعلم تھیں۔

”کوئی بھی نہیں۔ وہ دراصل گل نے غلط اطلاع دی تھی کہ جاگیردار صاحب آئے ہیں جبکہ جاگیردار کو پوچھتے ہوئے یہاں آ گئے تھے۔“ آصف نے پریشانی ہوئی شفق کو جواب دینے کی زحمت سے بچا لیا۔ شفق ان کے ذہانت سے بولنے پر حیران ہی رہ گئیں۔

”اے تو کیا وہ کسی پاگل خانے سے چھوٹ کر آئے تھے جاگیردار صاحب کے یہاں جانے کے بجائے یہاں چلے آئے۔ جاگیردار کے محل کا پتا تو یہاں کا بچہ بچہ جانتا ہے۔“

صوفیہ بیگم اپنی فطرت کے بموجب تنقید کرتی ہوئی بولیں۔ آصف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کا موڈ اب بھی خراب تھا لیکن شفق اب نارمل ہو چکی تھیں۔ ان کے آتے ہی میجر صاحب نے منگنی کی رسم کرنے کو کہا تو وہ ہنستے بولنے میں لگ گئیں۔

صوفیہ بیگم رسم کی ادائیگی کے وقت بھی الگ تھلگ ہی بیٹھی رہیں حالانکہ شفق نے کہا بھی کہ امی جان آپ اپنے ہاتھ سے اپنی بہو کو پان اور ورق چھکا دیں مگر انہوں نے شفق کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تم بھی غیر سہاگن ہو۔ تم ہی بھاوج ہو یہ رسمیں اور شفق نے پھر چپ چاپ مصری اور ورق کھلا کر ہتھیلی پر تھوڑی سی مہندی لگائی۔ ماتھے پر چنبیلی کے تیل میں گوندھا ہوا ابٹن شگون کے طور پر تھوڑا سا لگایا۔ اور پھر پھولوں کا گہنا پہنا کر جو روبی اور انہوں نے مل کر طوبیٰ کو پہنایا تھا آصف کی طرف دیکھا جو کچھ ہی فاصلے پر کھڑے انہماک اور اشتیاق سے طوبیٰ کے عروسی جلوے اور ساری رسومات کو ادا ہوتے دیکھ رہے تھے۔ شفق اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ سے ان کے قریب پہنچیں اور بڑے شوخ سے لہجے میں بولیں۔

”جی اب واپس بھی آ جائیں۔ آصف میاں بہادر! یہ آپ کا خلوت کدہ نہیں بلکہ پبلک گیدرنگ

ہے۔“ شفق نے ان کا بازو ہلاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ تو آصف ان کے پبلک گیدرنگ کہنے پر کچھ جھینپ گئے اور کچھ جھینپ کر ہنستے ہوئے بولے۔

”آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ بجیا۔“

”تو پھر کیا کروں۔ تم اپنے ہوش ہی میں نہیں ہو۔ خیر، چلو اب انگوٹھی تو پہنا دو اپنی دلہنیا کو۔“ شفق بڑی خوش ہو رہی تھیں۔ پھر بھائی کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے انہیں طوبیٰ کے پاس لا کر بٹھا دیا پہلے دونوں کو اپنے ہاتھ سے لڈو کھلوایا پھر طوبیٰ کی بہن کی حیثیت سے آصف کی انگوٹھی پہنا کر بولیں۔

”لو اب تم انہیں انگوٹھی پہناؤ۔“

”زیادتی ہے بجیا آپ نے مجھے انگوٹھی پہنائی ہے تو انہیں بھی پہنا دی ہوتی۔“ آصف سب کی توجہ اپنی طرف مبذول دیکھ کر کچھ جھینپ رہے تھے یا نہ جانے کیا بات تھی اس وقت وہ کچھ کترا سے رہے تھے۔ شفق نے ان کی جھینپ پر ہی محمول کیا۔

”چلو چلو شرمانے کی ضرورت نہیں۔ لو بسم اللہ کر کے جلدی سے افشاں کی انگلی میں انگوٹھی ڈال دو۔ تم نے تو کنواروں کو بھی مات کیا۔“ شفق نے آہستہ سے کہا۔ تو تھوڑے سے تامل کے بعد آصف نے طوبیٰ کی انگلی میں منگنی کی جگمگ کرتی انگوٹھی پہنا دی۔ سب لوگ انہیں اور ان کے والدین کو مبارکباد دینے لگے۔

”بھئی کونگریچولیشن آصف منگنی کی انگوٹھیاں پہنانے میں تو تمہیں کمال حاصل ہے۔“ افزیہ نے جو صوفے کے پیچھے کھڑی تھی جھک کر آصف سے نیچی آواز میں کہا اور پھر روبی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

”ہاں ہاں اور کیا۔ بہر حال بہت بہت مبارک ہو آپ دونوں کو یہ منگنی۔“ روبی نے ہنس کر افزیہ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے عجیب و غریب انداز میں مبارکباد پیش کی۔ آصف چپ سے ہو گئے۔ انہوں نے ان دونوں کی مبارکباد کا شکریہ بھی ادا نہ کیا اور طوبیٰ کے پاس سے اٹھ گئے مگر اس وقت شفق مہمانوں سے مبارکباد وصول کرنے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے ان ساری باتوں میں سے کسی ایک بات پر بھی توجہ نہ دی۔ سردی کی وجہ سے دعوت بھی جلد ہی شروع کرا دی گئی تھا۔ شفق مہمانوں کی خاطر تواضع میں لگ گئی تھیں۔ بوفے تھا اس لیے سب میز سے کچھ فاصلے پر کھڑے ادھر ادھر ٹہل کر کھانا کھا رہے تھے۔ شفق نے ایک کونے میں کارنر لوپ میں آئیں تو دیکھا آصف اور افزیہ پلیٹیں ہاتھوں میں لیے باتیں کر رہے تھے۔ گو وہاں اور بھی مہمان موجود تھے۔ مگر ان سے کچھ فاصلہ دے کر آصف اور افزیہ وہاں کھڑے تھے۔ جہاں ایک چوکور میز پر پانی کے گلاس اور جگ رکھے تھے۔ شفق کو تو خیال تک نہ آیا کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں یا ان کے درمیان کس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ تو اپنی میزبانی کی دھن میں ان کے پیچھے کھڑی گلاسوں میں بچا ہوا پانی ایک گلاس میں جمع کر رہی تھیں کہ افزیہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

”خیر یہ تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ اس منگنی میں تمہاری مرضی شامل تھی۔ اور تم تو شروع ہی سے اپنی اس کزن میں انٹرسٹڈ تھے۔“

”یہ محض تمہارا خیال ہے افزیہ۔ تم ہمیشہ بہت غلط اندازے لگاتی ہو۔ میں نے تو صرف پاپا کی ایک

READING Section
UrduPhoto.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

دیرینہ خواہش کا احترام کیا ہے۔'' آصف بولے تو شفق کے کان کھڑے ہوئے اور وہ ان ۔۔۔۔ باتیں سننے پر مجبور ہو گئیں۔

''مگر ایک ہی بات ہوئی نا اور پھر مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ تم بھی کسی بات کے لیے مجبور ہو۔'' افزیہ آپ ہی آپ انداز سے لگاتے ہوئے بولی۔

''یہ میں نے کب کہا۔ لیکن کبھی کبھی ایک با اختیار اور خود مختار انسان کو بھی کسی وجہ سے اپنی انا اور مرضی کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ سو مجھے بھی کرنا پڑا۔ لیکن اس سے کوئی فرق تو نہیں پڑے گا۔'' آصف بولے۔ ان کا لہجہ ان کی بے بسی کا اظہار کر رہا تھا۔

''خیر فرق تو کچھ نہیں پڑے گا۔ سب سے بڑھ کر الماس ہی نہیں مانے گی۔ وہ تو اس وقت بھی آنے پر تیار بیٹھی تھی۔ بڑی مشکل سے اسے بہلا کر آئی ہوں تا کہ یہاں آ کر کوئی فساد نہ مچائے۔ میں نے اسے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔'' افزیہ نے یوں کہا جیسے ڈرا رہی ہو۔

''اوہ۔ آئی کیئر فور ہو۔ وہ فساد مچا کر بھی کیا کرے گی اور تم اسے بتاؤ ہی کیوں؟'' آصف ڈراوے کو غیر اہم ثابت کرتے ہوئے قدرے ناگواری سے بولے۔

''خیر میری طرف سے اطمینان رکھو مگر روبی کا بیٹا وہ ...... لیکن کیا پتا اس نے الماس کو بتا دیا ہو۔ پھر بتا ہی دے۔ اور پھر یہ خبر پوشیدہ بھی تو نہیں رہ سکتی۔'' افزیہ نے کہا۔

''اوہ نو۔ یہ تو صرف چند دن کی بات ہے۔ بعد میں تو میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔ بس ابھی کرو کہ کچھ دن الماس اس معاملے سے لاعلم ہی رہے۔'' آصف ...... لہجے میں بولے تو وہ سوچ کر بولی۔

''میں تنہا کیسے کچھ کر سکوں گی۔ پرسوں تو تم جا رہے ہو۔ اگر چند دن اور رک جاتے تو۔''

''میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔'' آصف نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''اوہ گڈ۔ یعنی تم پرسوں نہیں جا رہے۔'' افزیہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

''نہیں۔ مگر گھر والوں کو یہی معلوم ہے کہ پرسوں میری روانگی ہے۔'' آصف نے بتایا۔

''ہائیں! تو کیا کہیں اور رہو گے؟'' افزیہ نے متحیر سے انداز میں پوچھا۔

''ارے نہیں۔ رہوں گا تو یہیں لیکن کوئی بہانہ کر دوں گا کہ ابھی کام شروع نہیں ہوا یا کوئی اور ......'' آصف عاجز سے ہو کر بولے۔

''پھر تو ٹھیک ہے میں ایسا کروں گی کہ۔''

''ناؤ پلیز اسٹاپ دس ٹو پک۔ ارے تمہاری پلیٹ تو بالکل خالی ہے آؤ کچھ لیتے ہیں۔'' چند مہمانوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر آصف نے جلدی سے افزیہ کی بات کاٹ کر کہا اور پھر دونوں میز کی طرف تو شفق کو پیچھے کھڑا دیکھ کر دونوں ہی بوکھلا کر رہ گئے لیکن شفق یوں تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئیں جیسے کسی کام سے وہاں سے گزر رہی ہوں۔

انہوں نے دونوں کی طرف دیکھا بھی نہیں مگر کھانے اور تقریب کا مزا ضرور کرکرا ہو کر رہ گیا۔ کھانا ختم ہوتے ہی گرم گرم کافی سے سارے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ سردی کی وجہ سے بھی مہمان جلد از جلد اپنے گھروں کو پہنچنے کے لیے بے چین تھے۔ اس لیے جلدی رخصت ہو گئے صوفیہ بیگم ......

کھانے میں شرکت ہی نہیں کی تھی۔ طوبیٰ بھی سر درد کا بہانہ کر کے جلد ہی اٹھ آئی تھی۔ مگر میجر صاحب شفیق اور آصف آخر وقت تک مہمانوں کا ساتھ نبھاتے رہے تھے۔ اور اسی اثناء میں شفق اندر ہی اندر الجھی الجھی سی رہی تھیں یہ سوچ کر کہ یہ الماس کون ہے اور اس کا کیا قصہ ہے۔ انہوں نے اب سے پہلے کبھی یہ نام نہیں سنا تھا۔ کلب کے بھی تقریباً سارے ہی ممبروں سے واقف تھیں جن کی فہرست میں الماس کا گزر کہیں نہ تھا۔

اب خوشی کے موقع پر یہ انکشاف ان کی طبیعت پر بڑا گراں گزر رہا تھا۔ اب آصف کے بگڑے بگڑے موڈ، حد درجہ سنجیدگی اور فکر مندی کی وجہ بھی معلوم ہو گئی تھی وہ بڑی بے دلی سے سارے کام انجام دیتی رہی تھیں اور جب رات گئے انہیں فرصت ملی تو انہیں عارف کا خیال آیا۔ اپنی پریشانی میں وہ اسے بھول گئی تھیں۔ لباس تبدیل کر کے جلدی سے اس کے پاس پہنچیں تو وہ کمرہ اندر سے بند کیے ہوئے سو رہا تھا۔ شفق اس کے ساتھ اپنے طرز عمل پر دل ہی دل میں رنجیدہ ہوتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ طوبیٰ بھی بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ مگر تھکن کے باوجود شفق کی آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی۔ ایک تو وہ طوبیٰ کے ساتھ ماں کے رویے سے پہلے ہی فکر مند تھیں اس پر اب آصف کی طرف سے بھی انہیں اطمینان نہ رہا تھا اور طوبیٰ کا رویہ تو شروع دن سے ہی ان کے لیے معمہ بنا رہا تھا گویا دوہری اوہری پریشانی نے انہیں آ گھیرا تھا اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کریں تو کیا کریں۔

''آپ نے آصف عارف کو بھی کہیں دیکھا؟'' حیران و پریشان سی شفق نے اگلی صبح اچانک آصف کے کمرے میں گھستے ہوئے پوچھا تو آصف جو ابھی تک اپنے بستر میں لیٹے تھے ان کے سوال کے جواب میں بولے۔

''ہاں ہاں دیکھا ہے۔''

''کہاں؟'' شفق نے قدرے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔

''ابھی بھی خواب میں وہ میرے ساتھ ہی تھا۔'' آصف لحاف سرکا کر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے بولے اور شفق نے انہیں بڑی تنبیہی نظروں سے گھور کر دیکھا۔

''یہ مذاق کا وقت نہیں۔ دن چڑھ آیا ہے اور وہ گھر سے غائب ہے۔ میں اسے سارے گھر میں ڈھونڈ آئی ہوں۔'' شفق نے تشویش کا اظہار کیا۔

''لیکن مذاق کیلئے کوئی ایسی سچویشن نا گزیر تو نہیں۔'' آصف خاصے غیر سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ شفق نے غور سے ان کی شکل دیکھی اور بولیں۔

''شکر ہے کل کی نسبت آج تم بہت ترو تازہ نظر آ رہے ہو۔'' ان کا لہجہ چبھتا سا تھا۔

''ہر نیا دن اپنے ساتھ نیا پن لاتا ہے۔ بہرحال وہ آپ کے نخرے باز میاں کہیں چھپے ہوں گے۔ آپ اتنے تردد سے کام نہیں لیجئے۔ وہ خود ہی نکل آئے گا۔'' آصف نے قدرے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''مگر اس کا تو سامان بھی غائب ہے۔ کمرہ بھی خالی پڑا ہے اور پورے گھر میں کہیں پتا نہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ کل ہی واپس چلا گیا ہے۔'' شفق فکر مند لہجے میں بولیں۔

''کمال ہے آپ کے خیالات اس قدر انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ کل ہی اس کا واپس جانا کہیں ممکن ہو سکتا تھا۔ بس تو صبح ہی مل سکتی ہے۔'' آصف ان کی بات کو لاپروائی میں اڑاتے ہوئے بولے۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"تو پھر اب چلا گیا ہوگا وہ۔ تم اٹھ کر دیکھو تو سہی دن چڑھے تک پڑے سوتے رہتے ہو۔ اب اس کا کہیں نشان تک نہیں۔" شفق آصف کے بار بار بات ٹالنے پر بگڑ کر بولیں۔

"لیکن بجیا اس کے جانے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔ اور پھر کیا اس کا دماغ چل گیا تھا جو اتنی دور سے منہ چھپوانے آیا تھا۔" آصف ان کا تردد دور کرتے ہوئے انہیں سمجھانے کی کوشش میں بولے۔

"خیر نہیں دماغ تو نہیں چلا مگر وجہ تو تمہیں بھی معلوم ہے۔ کل میں نے اس کی بیہودہ شرارت میں آ کر اسے سخت سست کہہ دیا تھا بس اسی بات پر وہ برا مان گیا تھا۔ منگنی کی رسم میں بھی [illegible] ہوا۔" شفق متاسف سی ہو کر بولیں۔

"کمال ہے۔ وہ بھلا کسی بات کو برا بھی مان سکتا ہے۔ مگر آپ نے آخر ایسا کیا کہہ دیا تھا؟" آصف نے بیٹھے بیٹھے کمبل چیئر پر رکھا اپنا گرم ڈریسنگ گاؤن اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے معلوم نہیں غصے میں کیا کیا کہہ دیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔" شفق نے کچھ دیر تک [illegible] زور ڈالنے کے بعد کہا۔

"کمال ہے۔ یہ آپ مستورات بھی بڑی عجیب ترشے ہوتی ہیں۔ اپنی روانی اور غصے کی فراوانی میں اتنی بری باتیں کہہ جاتی ہیں کہ خون خرابے کی نوبت آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو کچھ یاد بھی نہیں رہتا کیا گل فشانی کر گئیں۔" بستر پر ہی بیٹھے بیٹھے آصف نے ڈریسنگ گاؤن پہنا اور اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

"ہاں ہاں۔ تم مردوں کی نظر میں تو ہم عورتیں ہی سارے جھگڑے فساد کی جڑ ہوتی ہیں۔ ورنہ تم آسمان پھاڑ کر نکلی بھی اگالو تو معصوم ہی کہلاتے ہو۔"

"اصل میں مرد کائنات کی تسخیر کے لیے کمربستہ ہو گئے ہیں۔ آسمان تک جانا تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بس کسی دن بھی چاند کی سطح پر اتر جائیں گے۔" آصف نے ڈریسنگ گاؤن کی پیٹی باندھتے ہوئے بشاشت سے جواب دیا۔

"اچھا اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ ذرا اپنے پیروں کو زحمت دے کر باہر جا کر تو دیکھو۔ کہیں وہ گل کے کوارٹر میں نہ چھپا بیٹھا ہو۔ ورنہ وہ سچ مچ چلا گیا تو سمجھو میری شامت ہی آ جائے گی۔ امی میری جان کو آ جائیں گی ناں۔" شفق پر پھر فکر سوار ہو گیا۔

"اوہو... یہ قبل از مرگ واویلا کیوں ہو رہا ہے۔ آپ کی انہی باتوں نے تو اسے اور بھی شہ دی ہے۔ کہیں چھپا بیٹھا ہوگا شیطان۔" آصف زچ ہو کر بولے اور باہر نکل گئے۔ شفق بھی ان کے پیچھے آ گئیں۔

"یہی تو مصیبت ہے۔ اب مجھے کیا پتا کہ وہ چلا گیا ہے یا مجھے ستانے اور جلانے کو ایسا کر رہا ہے۔ واقعی وہ مجھ پر بہت حاوی ہوتا جا رہا ہے۔" شفق منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کوریڈور کے داخلی دروازے تک چلی آئیں۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد آصف بھی گھوم پھر کر وہیں آ گئے۔ انہوں نے اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہا۔ شاید کہیں چلا ہی گیا ہے۔"

"وہ تو میں پہلے ہی کہہ رہی تھی۔ مگر اب کیا ہوگا۔ پاپا اور امی جان پوچھیں گے تو میں کیا جواب دوں

گی۔ کیا یہی کہ میں نے اسے برا بھلا کہہ کر جانے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔" شفق روہانسی سی ہو کر بولیں۔

"کیا آپ نے پاپا اور امی کو اس کی آمد سے مطلع کر دیا تھا؟" آصف بھی فکرمند ہو گئے۔

"نہیں مجھے تو کسی سے بھی کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا۔" شفق بولیں۔

"تب تو پھر ٹھیک ہے کسی کو علم نہیں تو کوئی آپ سے کیا کہہ سکتا ہے لیکن مجھے تو اب اپنے رویے پر افسوس ہو رہا ہے۔ بے چارہ خوشی خوشی اتنی دور سے منگنی میں شرکت کرنے آیا تھا۔ اور میں نے اسے گھاس بھی نہیں ڈالی۔" آصف بھی متاسف سے ہو کر بولے۔

"اچھا... یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔ ورنہ جانے تم کس کس کو گھاس ڈالتے پھرتے ہو۔" شفق نے بہت تاک کر فقرہ چست کیا۔ ان کے لہجے میں مخفی تیزی تھی تو آصف کچھ چونک سے گئے اور کھسیانے انداز میں بولے۔

"خود ہی تو اسے برا بھلا کہہ کر باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ویسے موڈ تو میرا بھی آف ہو گیا تھا۔ اس نے ہمیں شرمندہ بھی تو کر دیا تھا۔"

"خیر موڈ تو تمہارا پہلے ہی سے آف تھا۔ پھر کسر تم نے اس سے نکالی۔ سچ پوچھو تو تمہاری ہی وجہ سے میں بھی اس سے بری طرح سے پیش آئی تھی۔" ابھی سے شفق کا دل چاہا کہ الماس کے بارے میں ان سے پوچھیں مگر حوصلہ نہیں پڑا۔ کیونکہ آصف ایک چھوٹے بھائی تھے اور چھوٹوں کا لحاظ کرنا بھی ضروری تھا تاکہ وہ بڑوں کے احترام اور لحاظ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

"لیجیے یہ اور ہوئی۔ بندر کی بلا طویلے کے سر۔ خود ہی آپ کو غصہ آیا اور الزام میرے سر رکھ رہی ہیں۔ بہرحال جہاں تک میرا خیال ہے وہ صبح کی بس سے گیا ہے۔" آصف نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے تعجب ہے تو اسی بات پر کہ اس نے آپ کی باتوں کا اثر کیسے لیا۔ آپ تو اسے غصے میں بہت کچھ کہہ دیا کرتی تھیں۔" آصف تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے رہے۔

"ارے بھئی وقت وقت کی بات ہوتی ہے بعض وقت بڑی سے بڑی بات بری نہیں لگتی اور بعض وقت ایک ذرا سی معمولی بات بھی دل اور احساسات کو زبردست ٹھیس پہنچا دیتی ہے اور اس کے تو بات ہرٹ ہوتے ہیں۔ معلوم بھی ہے وہ تو روٹھ کر کل ہی جا رہا تھا مگر اسے قسم دے کر واپس لے آئی تھی۔ ابھی تو مجھے اندر آنے میں دیر ہو گئی تھی۔" شفق افسردگی سے بولیں۔

"اچھا تو کچھ ایسی نوبت بھی آئی تھی۔ کمال ہے۔ آپ تو رک رک کر بتا رہی ہیں۔ اب کہیں یہ تو نہیں کہیں گی کہ میں نے ہی اسے گھر سے نکالا ہے۔" آصف ان کی باتوں پر چڑ کر بولے۔

"تم ہمیشہ میرے بارے میں ایسی ہی باتیں سوچتے ہو۔ خیر میں تم سے بھی کچھ نہ کہوں گی۔ یہ تو میری قسمت کا قصور ہے کہ دونوں بھائی میری طرف سے لاپروا ہیں۔" شفق ان کی بات کا برا مان کر بولیں۔

"لیجیے۔ یک نہ شد دو شد۔ خیر اب اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پاپا اور امی جان تو لاعلم ہی ہیں۔" آصف بہن کے شکوے سے دل ہی دل میں متاثر ہو کر بولے۔

"انہیں تو علم نہیں اور نہ ہی ہو سکے گا لیکن اس کے بارے میں ہمیں کیسے علم ہوگا کہ وہ خیریت سے پہنچ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بھی گیا۔" شفق بولیں پھر انہیں اچانک ہی خیال آیا تو انہوں نے کہا۔

"تم خیر سے کل پشاور جا رہے ہو۔ پنڈی سے ہوتے ہوئے جانا تاکہ اس کی خیریت معلوم ... ورنہ جب تک میں خط لکھ کر اس سے پوچھوں گی اور اس کا جواب آئے گا تب تک میری جان ... رہے گی۔" شفق کی بات پر آصف کچھ پریشان ہو گئے انہوں نے دروازہ بند کرنے کے بہانے ... بات کا جواب سوچا اور بولے۔

"لیکن میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ میں کل پشاور نہیں جا رہا۔" گو شفق اس بات کی ... تھیں مگر انہوں نے بڑے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم پشاور نہیں جا رہے ہو مگر کیوں؟"

"بس کچھ دل نہیں چاہ رہا اور کچھ ابھی وہاں کام شروع ہونے کے امکانات نظر نہیں آ..." آصف تھوڑی تھوڑی ہچکچاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

"خیر۔ چلو۔ یہ اچھا ہی ہوا۔ اصل میں دل تو میرا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ تم وہاں نہ جاؤ۔ کیونکہ ... میں بور ہوتی اور دوسرے سب سے بڑا مسئلہ امی جان کا ہے۔ ان کے تیور تو تم دیکھ ہی رہے ... چاہ رہی تھی کہ تم کچھ دن گھر میں رہ کر انہیں طوبیٰ کی اہمیت کا احساس دلاؤ۔"

"آپ واقعی قابل ستائش ہیں بجیا لیکن یہ طوبیٰ کی اہمیت کا مسئلہ آپ خود ہی حل کریں تو ... مناسب رہے گا۔" آصف دل ہی دل میں بہن کی بات پر خوش ہو کر بولے۔

"کیوں۔ تم آخر کس مرض کی دوا ہو۔ اگر میرے بس میں یہ سب ہوتا تو مجھے تم سے کہنے کی ... بھی نہیں پڑتی اور یہ کام اب تمہارا ہے تم اس کو عزت دو گے تو اس کی عزت ہو گی۔ تم نے وہ مثل ... کہ جس کے پیا چاہے وہی سہاگن کہلائے۔" شفق قدرے چمک کر بولی۔

"آپ بھی تو آخر امی جان کی ہی بیٹی ہیں نا بغیر محاورے کے بات ہی نہیں کرتیں۔ پیا کی چاہت ... اس وقت ہوتی ہے جب سہاگن کو بھی اس سے کچھ لگاؤ ہو۔ جب کہ وہاں تو یہ عالم ہے کہ بات کرنے کی روادار نہیں۔ نہ معلوم یہ آپ کو اور پاپا کو بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا۔" آصف ناگوار سا تا... ہوئے بولے۔

"کمال ہے تم تو سو سو کر جاگنے کی مثال قائم کر رہے ہو۔ خیر ہمیں یہ جو بیٹھے بٹھائے سوجھی ہے اس میں تمہاری مرضی اور خوشی بھی شامل ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔" شفق نے ڈھکے ڈھکے انداز میں تنبیہ کی اور آصف چپ سے ہو گئے۔

"میری رائے میں تو تم یہ ملازمت چھوڑ ہی دو بہتر ہے۔ کوئی ایسا شاندار جاب بھی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ پانچ چھ ہزار روپے کی خاطر مارے مارے پھرنا خود پاپا بھی تمہارے وہاں ملازمت کرنے کے حق میں نہیں۔" شفق کچھ سوچ کر بولیں۔ دونوں بہن بھائی ابھی تک کاریڈور کے داخلی دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

"یہ آپ پاپا کو میری زندگی کے ہر معاملے میں شامل کرنے کی کوشش کیوں کرتی ہیں۔ بجیا ... میری مرضی کے مطابق نہیں مگر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر دوسروں پر بوجھ بننے سے تو بہتر ہے کہ پانچ ... ہزار روپے تو ہاتھ آ جاتے ہیں۔" آصف نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

"مگر پاپا تو تمہیں شوکیس میں سجا کر رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے وہ تو تم کو اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت دلوا سکتے ہیں ان کا ارادہ تو کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرانے کا ہے۔ کیا ابھی انہوں نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا؟" شفق نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی غرض سے کہا۔

"لیکن مجھے بزنس کا بالکل ایکسپیرینس نہیں اور میں یہ کئی بار پاپا کو باور کرا چکا ہوں۔" آصف اسی بیزاری سے بولے۔

"او پانی سے پہلے پاڑ باندھنا شاید اسی کو کہتے ہیں۔ ارے بھئی پہلے کام کر کے تو دیکھو پھر ایکسپیرینس بھی ہو جائے گا۔ ابھی تو چاند اور ستاروں تک پہنچنے کا حوصلہ دکھا رہے تھے۔" شفق ہنس کر بولیں یوں جیسے چٹکی دے رہی ہوں۔ آصف نے گھڑی بھر کچھ سوچا اور اپنے کمرے کا رخ کرتے ہوئے بولے۔

"یہ معاملہ قابل غور ہے بجیا۔ خیر دیکھا جائے گا۔" شفق نے بڑے طنز سے دل میں ہنس کر سوچا۔ "دیکھا کیا جائے گا بلکہ دیکھ لینا تم جلد ہی یہ ملازمت چھوڑ دو گے۔"

وقت ان دنوں بڑا روکھا پھیکا سا گزر رہا تھا۔ مارچ کا مہینہ اختتام پذیر تھا۔ اور سردی کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔ اس لیے موسم بھی خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس سارے عرصہ میں شفق بہت پریشان رہی تھیں۔ انہیں شوکت حسین پر کامل اعتماد تو تھا لیکن کبھی کبھی ان کا یہ یقین ڈھل مل سا ہونے لگتا تو وہ بولا کر سوچتیں کہیں امی جان کے خدشات درست ثابت نہ ہوں۔ آخر شوکت وہیں جم کر کیوں رہ گئے؟ پورے چار ماہ ہو گئے ہیں ان کو گئے۔ کبھی کبھی سوچ سوچ کر ہولا کرتیں کہ نہ جانے ساس کا رویہ ان کے ساتھ کیسا ہو۔ وہ کس فطرت اور مزاج کی ہوں لیکن ان کی یہ سب سے بڑی پریشانی بالآخر ایک دن دور ہو ہی گئی۔ جب شوکت حسین کے خط سے انہیں معلوم ہوا کہ وہ اپریل کے پہلے ہفتے میں اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ پاکستان آ رہے ہیں۔ گو شفق کو اس اطلاع سے یک گونہ اطمینان تو نصیب ہوا تھا مگر ماں اور بھائی کی طرف سے وہ اب بھی پریشان تھیں۔ کیونکہ صوفیہ بیگم کا رویہ طوبیٰ کے ساتھ کچھ زیادہ ہی سخت ہو گیا تھا۔ ادھر آصف کا رنگ بھی دیکھ رہی تھیں کہ وہ کچھ زیادہ ہی ہوائی دیدہ ہو گئے ہیں۔ گھر میں ٹکتے ہیں نہ سیدھے منہ بات کرتے ہیں اور طوبیٰ کو تو ذرا سی بھی اہمیت نہیں دیتے۔ کئی بار ان کا جی چاہا کہ بھائی کی اس روش پر انہیں ٹوکیں مگر ہر بار پہلو تہی کر گئیں۔ لیکن اب تو ان کے شوہر کے آنے میں کل بیس دن ہی رہ گئے تھے۔ گو آصف کی بھی چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں۔ گو انہوں نے ظاہر تو کیا تھا کہ صرف شفق کی خاطر انہوں نے مزید ایک ماہ کی چھٹی بڑھوائی ہے۔ لیکن شفق خوب جانتی تھیں کہ یہ چھٹی کس کی وجہ سے بڑھوائی گئی ہے۔ ایسے موقع پر عارف کی کمی انہیں بری طرح محسوس ہو رہی تھی کیونکہ اگر وہ موجود ہوتا تو وہ اس کے ساتھ ضرور آصف کا پیچھا کرتیں لیکن وہ تو اس دوران کرنل مظہر کے ہاں بھی نہ جا سکی تھیں اور افزیہ سے بھی اب تک ان کی ملاقات نہ ہو سکی تھی اور اب جوں جوں ان کے جانے کے دن نزدیک آ رہے تھے ان پر ایک گھبراہٹ سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح افزیہ سے ملنا چاہتی تھیں۔ تاکہ الماس کے بارے میں کچھ معلوم کر سکیں۔ یوں تو افزیہ نے کئی بار انہیں بڑی اپنائیت اور خلوص سے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن نہ تو انہیں اس کا پتا معلوم تھا اور نہ وہ اس کے یہاں جانا ہی چاہتی تھیں کہ آصف سے بات راز ہی رہے مگر یہ کسی طرح ممکن نہ تھا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

اسی لیے تو سوچتے سوچتے اتنے دن گزر گئے تھے۔ وہ طوبیٰ کے سرد اور بے ثبات رویے سے بھی [illegible] تھیں۔ مگر ان کا خیال تھا کہ طوبیٰ آصف کی حرکتوں کی وجہ سے ان کی طرف سے مطمئن نہیں [illegible] اور آصف تو شروع دن ہی سے اس کے ساتھ بے اعتنائی برتتے چلے آرہے ہیں اور وہ خود اپنی [illegible] سے ان کی بے باکی اور بے راہ روی کے مظاہرے دیکھ چکی ہے۔ اسی وجہ سے ان سے متنفر [illegible] ہے۔ اور پھر منگنی کے بعد تو آصف طوبیٰ سے بالکل ہی بیگانے اور لاپرواہ ہو گئے تھے۔ شفق کو یہ [illegible] طرح معلوم تھی کہ الماس کی وجہ سے آصف نے افزیہ پر یہ ظاہر کیا ہے کہ انہیں طوبیٰ سے زبردستی [illegible] کیا گیا ہے ورنہ یہ رشتہ تو آصف کی مرضی اور خواہش پر ہوا تھا اور ادھر طوبیٰ نے بھی اپنی مرضی [illegible] سے اس رشتے کے لیے اپنی رضامندی دی تھی ورنہ شفق کا خیال تھا کہ وہ بڑی کھرتل لڑکی ہے [illegible] مرضی نہ ہوتی تو صاف صاف انکار بھی کر سکتی تھی۔ بہرحال حالات خواہ کچھ بھی تھے شفق ان [illegible] مضبوط تر بنانا چاہتی تھیں اس پر بھائی کی بے راہ روی سے بھی خائف تھیں کہ کہیں وہ کوئی [illegible] کھلا دیں جو گھر والوں کی رسوائی کا باعث بنے۔ مگر انہیں سب سے زیادہ تو الماس سے متعلق [illegible] پڑی تھی۔ اس روز ڈھلتی ہوئی دوپہر میں جب آصف بڑے اہتمام سے تیار ہو کر کہیں جانے [illegible] تول رہے تھے شفق نے اچانک ہی ان کے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

''اوہو۔ تم پھر کہیں جانے کو تیار کھڑے ہو۔ آخر تمہارا جی تو گھر میں کیوں نہیں لگتا۔'' شفق [illegible] تو کہنے کا سا تھا... آصف کو ناگوار تو بہت گزرا مگر انہوں نے بڑے تحمل سے کام لے کر کہا۔

''آپ کے گھر میں رکھا ہی کیا ہے جو یہاں جی لگایا جائے۔'' ان کا جواب بے حد [illegible] کٹا سا تھا۔

''کیوں کیا اس گھر میں انسان نہیں بستے۔'' شفق نے بڑے طنز سے ہنس کر پوچھا اور کوچ [illegible] سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

''خیر انسان تو بستے ہیں مگر سب اپنی اپنی ذات میں مگن رہتے ہیں۔ میں تو چھٹی لے کر بہت [illegible] ہوں۔'' بہن کا بے موقع آکر دخل اندازی کرنا آصف کو ناگوار تو بہت گزرا مگر انہیں بہرحال [illegible] برتنی ہی پڑی۔

''کمال ہے تم تو بڑے مزے سے گلچھرے اڑاتے پھر رہے ہو۔ اس پر پوچھتا بھی کوئی نہیں [illegible] بھی خیال نہیں کہ امی جان بیمار ہیں۔ میں اپنا گھر بار چھوڑے یہاں بیٹھی اپنی قسمت کو رو رہی [illegible] ادھر ایک بے بس و مجبور ہستی بھی ہمیں موجود ہے جو اب تمام تر تمہارے رحم و کرم پر ہے۔ تمہارا [illegible] چاہتی ہے۔ تمہارے التفات کی خواہاں ہے۔'' شفق ایک دم ہی ان پر برس پڑیں۔

''کمال ہے، آپ کہتی ہیں کہ وہ میرے التفات کی خواہاں ہیں جب کہ میں خود بھی ان [illegible] ہی بات کا خواہاں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ایک نظر کرم، ایک نگاہ التفات ہی سے بھی [illegible] کریں۔ مگر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ رشتہ کر کے ان پر ظلم توڑا گیا ہو۔'' آصف نے بڑے [illegible] کہا۔

''خیر مجھے تو تمہارا رویہ دیکھ کر کچھ ایسا ہی گمان ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جب تم اس سے اس قدر [illegible] برتو گے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔ یعنی وہ تمہاری خوشامد درآمد کرنے سے تو رہی۔ بڑی [illegible]

کھلی لڑکی ہے۔ آج کل کی بے حیا اور بے باک لڑکیوں کی طرح نہیں ہے۔ تمہاری بے رخی نے اسے یقیناً تم سے بدول کر دیا ہوگا۔'' شفق یوں بولیں جیسے آصف کی بات کوئی حقیقت نہ رکھتی ہو۔

''یہ بھی کیا خوب ستم ہے کہ ہر طریقے سے مجھے ہی مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہے، ورنہ اتنا تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ دنیا کی کوئی بھی لڑکی اپنے منگیتر سے اس بے رخی سے پیش نہیں آتی کہ اسے اپنا وجود ہی بے حقیقت لگنے لگے۔'' آصف بولے۔

''یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں۔ تم دونوں اگر آپس میں یونہی کھنچ کر بے رخی برتتے رہے تو پھر وہ دن دور نہیں جب تم اس سے قلبی اور ذہنی طور پر بالکل ہی الگ ہو جاؤ گے۔ اور یہ سب تو تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم اپنے اور اس کے درمیانی فاصلوں کو پاٹنے کی کوشش کرو۔ یہ ثابت کر کے دکھاؤ کہ تمہیں اس سے کس قدر انسیت ہے۔ اس کا اعتماد جیتنے کی کوشش کرو۔ تبھی تو اس کے دل میں بھی تمہاری قدر و منزلت پیدا ہوگی۔ اسے یہ احساس ہوگا کہ تم اسے امپورٹنس دے رہے ہو تو وہ یقیناً تمہاری ذات میں دلچسپی لینے لگے گی۔ مگر تم تو سارا دن خود بھی موج اڑاتے پھرتے ہو۔ یہ نہیں کہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔'' شفق انہیں قائل کرنے کے سے انداز میں بولیں۔

''کیا کہا۔ میں انہیں اپنے ساتھ لے جایا کروں۔ کمال ہے بجیا، ابھی تک تو امی جان مجھے ہی آزاد اور بے لگام ہی کہتی ہیں۔ اب طوبیٰ کو ساتھ......''

''اب تم مجھے باتوں میں اڑانے کی کوشش نہ کرو۔ امی جان منہ سے ضرور کہتی ہیں مگر تمہارے کاموں میں دخل نہیں دیتیں۔ اگرچہ وہ [illegible] اسے [illegible] جانتی ہوں اور پھر میں جو ساتھ ہوا کروں گی۔'' شفق ان کی بات کاٹ کر بولیں۔

''مگر کہاں؟ کیا کلب؟'' آصف نے بڑی بیزاری سے پوچھا۔

''ہاں اگر کلب جاتے ہو تو وہیں لے جایا کرو۔'' شفق بولیں۔

''بہت اچھے بجیا۔ گویا انہیں کلب لے جا کر ان کے ساتھ ساتھ اپنا بھی تماشا بنوایا کروں۔'' آصف نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

''بھئی تماشا کیسا؟ جب تک اسے نہیں لے جاؤ گے۔ وہ ایسے ماحول کی عادی کیسے ہوگی اور پھر کلب پر ہی موقوف نہیں اور تفریح گاہوں میں بھی تو لے جا سکتے ہو نا۔'' شفق انہیں قائل کرنے پر تلی تھیں۔

''خیر دیکھا جائے گا اس وقت تو مجھے دیر ہو رہی ہے۔ سارا پروگرام ہی نکل گیا ہوگا۔ آج کلب میں ایک فنکشن ہے۔'' آصف نے قدرے توقف کے بعد اپنی کلائی پر بندھی رسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

''کلب میں فنکشن ہے اور تم نے مجھے نہیں بتایا۔ حد ہوگئی بھئی۔ کیا تھا اگر ہم بھی تھوڑا انجوائے کر لیتے۔'' شفق گلہ آمیز لہجے میں بولیں تو آصف ان کی بات پر کچھ سٹپٹا سے گئے۔ اس خیال سے کہ کہیں وہ بھی ان کے ساتھ چلنے کو تیار نہ ہو جائیں جلدی سے بولے۔

''بس کچھ خیال نہیں رہا۔ اصل میں آپ نے عرصے سے وہاں جانا بھی چھوڑ دیا ہے۔''

''لیکن یہ فنکشن کس سلسلے میں ہو رہا ہے؟'' شفق نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''بس وہ...... وہ جسٹ فور انجوائے منٹ۔ ویسے کوئی خاص نہیں ہوگا۔ اپنے ہی چند دوستوں نے بلا

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

گلا کرنے کی ٹھانی ہے۔ صرف جینٹس پارٹی ہے۔ آئی مین لیڈیز کا وہاں گزر نہ ہوگا۔" آصف یوں بولے جیسے بات بنا رہے ہوں۔ شفق نے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوگئیں۔

"خیر اگر آپ کا دل کلب جانے کو چاہ رہا ہے تو کسی دن وہاں کا پروگرام بھی رکھیں گے۔" ان کے ساتھ اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے بولے۔

"ہاں ہاں ضرور مگر کسی دن کیا ہم تو کل ہی وہاں جائیں گے کیوں ٹھیک ہے نا؟" شفق یوں بولیں جیسے آصف کے مشورے پر خوش ہوگئی ہوں۔

"ہاں ہاں بالکل۔" آصف نے مسکرا کر کہا اور باہر کا رخ کیا۔ اور ادھر شفق تیزی سے اپنے کمرے میں آئیں۔ اتفاق سے طوبیٰ بھی اس وقت وہیں موجود تھی۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔

"اے سنو طوبیٰ میں تمہارے لیے کپڑے نکال رہی ہوں تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ اے میری جان نے کہا آؤ نا۔ سنا تم نے سوچنے وچنے کا موقع نہیں۔ ہمیں ابھی ایک فنکشن میں جانا ہے۔ میں آؤں اور تم تیار ہو۔" اس اثنا میں وہ اپنی الماری کھول کر اپنے اور اس کے لیے کپڑے نکال چکی تھیں۔ ہینگر سمیت دونوں ساڑھیاں اپنے بیڈ پر ڈال کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں اور طوبیٰ حیرت زدہ سی اور کچھ بیزار سی کھڑی رہ گئی۔ ایک تو اسے بہت سے کام نمٹانے تھے اور دوسرے اس وقت وہ کہیں جانے کے موڈ میں نہ تھی اور اسے لے جایا بھی کہاں جاتا تھا۔ وہ تو شروع شروع میں صرف ایک مرتبہ شفق اسے اپنے ساتھ کلب لے گئی تھیں ورنہ تو دو تین ہی بار بھی شاپنگ کو اور کبھی اپنے ملنے والوں میں جا چکی تھیں مگر اسے جھوٹے منہ پوچھا تک نہ تھا۔ تو پھر یہ آج ان کی پالیسی کیوں بدل گئی ہے۔ اس نے تو اپنی خواہشوں اور ارمانوں کو تھپک تھپک کر گہری نیند سلا دیا تھا۔ وہ ابھی اسی طرح کھڑی ابھی یہی سب کچھ پر غور کر رہی تھی کہ شفق آ گئیں۔

"ارے تم ابھی تک یونہی کھڑی ہو اور میں نے تمہیں کیا تاکید کی تھی؟" انہوں نے آتے ہی بڑے لاڈ کے سے انداز میں اسے ٹوکا۔ طوبیٰ کا دل تو چاہا کہ صاف صاف انکار کر دے مگر شفق جتنا اشتیاق اور عجلت دکھا رہی تھیں اسے مدنظر رکھ کر طوبیٰ نے مسکرا کر بات بنائی۔

"وہ دراصل آپ یہ بتا کر ہی نہیں گئی تھیں کہ مجھے کون سی ساڑھی پہننی ہے؟"

"بھئی کوئی سی بھی پہن لی ہوتی۔ تم پر تو ہر رنگ کھلتا ہے۔ خیر چلو یہ گہرے فالسئی رنگ کی ساڑھی پہن لو۔ سردیوں میں یہ شوخ رنگ بڑا بھلا لگتا ہے۔" شفق نے بیڈ پر جھک کر وہ ساڑھی اٹھائی اور اسے دیتے ہوئے بولیں۔ طوبیٰ نے ایک نظر ساڑھی پر ڈالی فالسئی رنگ کی اس ساڑھی پر پیچ رنگی پٹیوں کی کام بنا ہوا تھا اور کناروں پر سنہری اور کاسنی نگینے کے کام کا چکلا اور اصلی بارڈر لگا ہوا تھا۔ ساڑھی بہت بھاری بھی نہ بہت ہلکی۔ پھر بھی اسے کچھ فوق البھڑک سی لگی۔ اس نے اسے شفق کے ہاتھ سے لینے میں قدرے تامل کیا مگر پھر بڑی خاموشی سے ان کے ہاتھ سے لے کر بلا جھجکے غسل خانے میں چلی گئی۔ اور جب وہ ساڑھی باندھ کر باہر نکلی تو شفق کو بھی تیار کھڑا پایا۔

"آؤ تھوڑی سی ٹیپ ٹاپ تو کر لو۔" شفق سنگھار میز کے آگے کھڑی اپنے بالوں کا جوڑا باندھتے ہوئے بولیں۔ اور اسے اپنے پاس بلا کر ہلکی سی آئی لائننگ کر کے نیچرل لپ اسٹک سے اس کے ہونٹ چمکانے پھر اسپرے سے اس کے کپڑے خوشبو میں بھگو کر اس کا ہاتھ تھاما اور باہر نکل آئیں۔ باہر ان

پاپا کی کار پورچ میں ہی کھڑی تھی جس میں اسے بٹھا کر انہوں نے کلب کا رخ کیا۔

کلب پہنچتے ہی باہر کلب کے احاطے میں گاڑیوں کی بہتات دیکھ کر اس بات کی تصدیق تو ہوگئی کہ آج کلب میں ایک فنکشن ہے مگر اندر پہنچ کر ادھر ادھر دیکھنے کے باوجود آصف کہیں نظر نہ آئے۔ اندر بھی خاصا رش تھا۔ کلب کے ممبران سے زیادہ خاصی تعداد میں نئی نئی صورتیں نظر آ رہی تھیں جن میں بیشتر غیر ملکی ہی شامل تھے۔ لیکن انتظام و انصرام سے صاف پتا چل رہا تھا کہ کسی خصوصی تقریب کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ کلب کے منیجر نے آتے ہی ان دونوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور ایک ایسے گوشے میں بٹھا دیا تھا جو نسبتاً پرسکون اور الگ تھلگ سا تھا اور جہاں سے وہ اسٹیج اور ڈانسنگ فلور کو بخوبی دیکھ سکتی تھیں۔ سامنے ہی کچھ فاصلے پر کرنل مظہر اور ان کی بیگم اپنے چند دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے اور کئی جانی پہچانی صورتیں بھی ہال کو رونق بخشے ہوئے تھیں۔ ڈانسنگ فلور پر چند دیسی اور بدیسی جوڑے محو رقص تھے۔ جن میں افزیہ اور روبی بھی اپنے اپنے پارٹنرز کے ساتھ شامل تھیں۔ مغربی موسیقی کی کوئی تیز مگر پیاری سی دھن ہال کے ماحول میں تلاطم سا پیدا کر رہی تھی۔ جس میں کلارنٹ کی آواز سب سے نمایاں تھی مگر آصف ادھر ادھر کہیں بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ شفق نے مصلحتاً ان کے بارے میں اپنی جستجو کو طوبیٰ پر ظاہر نہیں ہونے دیا جو ان کے ساتھ ساتھ نگاہیں دوڑاتی ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ دونوں اتنی خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی تھیں کہ اب تک انہیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مگر افزیہ کی عقاب کی سی نظروں سے ان کی آمد چھپی نہ رہ سکی۔ اس نے رقص کے دوران ہی انہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ میوزک ختم ہوا تو وہ روبی کو ساتھ لے کر ان دونوں کے پاس آ گئی۔

"ہائے پریٹی لیڈیز۔" افزیہ نے بڑی بے تکلفی کا اظہار کرتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کیا۔ اور روبی نے بھی اس کی تقلید کی۔

"ہیلو مسز شوکت۔ ہاؤ مس افشاں ہاؤ ڈو یو ڈو؟"

"فائن۔ تھینک یو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی شفق کو جواب میں کہنا پڑا۔ خیر روبی سے تو ان کی خاصی دوستی تھی مگر یہ افزیہ انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ ایک ریٹائرڈ چیف انجینئر کی لڑکی تھی۔ ماں کا انتقال ہو چکا تھا اور باپ نے دوسری شادی کر لی تھی اس لیے سوتیلی ماں سے نباہ نہ ہو سکا تو وہ اپنے رشتے کی ایک بیوہ خالہ کے ہاں جو لاولد تھیں اور جن کے شوہر کبھی آغا پور کے جاگیردار کے مشیر تھے آ گئی تھی...... اس نے کہاں تک تعلیم حاصل کی تھی اور کہاں کی تھی یا اس کا ذریعہ آمدنی کیا تھا یہ اس کے کسی نزدیکی دوست کو بھی معلوم نہ تھا۔ البتہ وہ فارورڈ اور فیشن ایبل تھی۔ سوسائٹی کی جان تھی۔ خوبصورت اور جوان تھی۔ خوش خلق اور ملنسار تھی۔ بس اس کی انہی صفات نے اسے صنف مخالف کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنا رکھا تھا۔ حالانکہ خود اس کے دوست احباب بھی اس کی آزادانہ روش کی وجہ سے اسے اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے اور شفق کو تو ابھی اس سے کچھ کام بھی لینا تھا اس لیے شفق کو زبردستی ہی اس سے رواداری بھی برتنی پڑ رہی تھی۔ دونوں شفق کی اور طوبیٰ کی خیریت پوچھتی رہیں۔ پھر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد روبی نے شفق سے کہا۔

"آپ تو آصف کی انیج منٹ کے بعد سے نظر ہی نہیں آئیں اور میں سمجھتی رہی کہ آپ اپنے گھر واپس چلی گئی ہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

"ہاں واقعی۔ اسی لیے تو مجھے بھی آپ کو یہاں دیکھ کر تعجب ہوا۔ ویسے آپ کے شوہر تو وہاں ہی رہ گئے دیٹ از ریئلی ویری سیڈ۔" افریہ بھی گویا روبی کی ہاں میں ہاں ملاتی ہوئی بولی۔ مگر اس کی ہنسی میں جو مقصد پنہاں تھا اس پر شفق کا دل چاہا کہ ایسی ڈانٹ پلائیں کہ عمر بھر یاد رکھے۔ طوبیٰ بھی اس فقرے کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ جلدی سے بولی۔

"نہیں وہ دیٹ از نوٹ تو سیڈ۔ ان کے شوہر اپریل کے فرسٹ ویک میں آ رہے ہیں اور پھر اپنی اپنی مجبوری ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اب تک نہیں آ سکے۔"

"ہاں۔ یہ بات تو ہے اور سنا ہے کہ وہ اپنی مدر کو بھی ساتھ لا رہے ہیں۔ وہاں سے کسی کو ساتھ لانا آسان نہیں۔" روبی نے بھی افریہ کی بے حجابیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بھئی میرا بھی یہی مقصد تھا۔ کہیں آپ نے میری بات کو مائنڈ تو نہیں کیا۔" افریہ نے بھی اپنی غلطی کو محسوس کر کے کہا۔

"نہیں مائنڈ کیا کرنا ہے۔ بولنے کی زبان تو پکڑی نہیں جاتی۔ جو کوئی بھی میرے بارے ایسی ہی باتیں کرتا ہے میں تو ذرا بھی اس کی پروا نہیں کرتی۔" شفق بڑی ناگواری سے بولیں۔

"آپ بڑی ... ہیں شفق باجی۔ خود ہی کیا نام تمہیں کہاں ... اپنی بھابی بھی نہ جانے کہاں سے چھانٹ لائی ہیں۔" روبی نے کبھی شفق کو اور کبھی طوبیٰ کو دیکھ کر بھی جلدی سے موضوع پلٹا۔

"اوہ لیں۔ آنٹی ... تو مجھے آصف کی قسمت پر رشک آتا ہے۔" افریہ نے ستائشی نظروں سے طوبیٰ کو دیکھ کر کہا۔

"لیکن مجھے تو آصف پر حیرت ہی نہیں بلکہ افسوس بھی ہوتا ہے کہ..... روبی نے معلوم کیا کہنے والی تھی کہ افریہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہ تم آصف کو اس قدر ڈیر کیوں کرتی ہو۔" پھر افریہ نے آنکھ کے اشارے سے روبی سے کہا اور پھر طوبیٰ سے مخاطب ہو کر بولی۔

"آپ کو پتا ہے مس افتخار یہ آپ کو کتنا یاد کرتی ہے۔ ہمیشہ آصف کی بھی بڑی تعریف کرتی رہی ہے۔" افریہ نے بات سنبھالنے کی کوشش تو بہت کی مگر وہ سمجھی نہیں کہ اور شفق کو کتنے دیر نہیں لگی کہ روبی کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ وہ طوبیٰ کی طرف سے کوئی جواب ہی دینے والی تھیں کہ یکایک اس طرح اچھلی کہ جیسے اس کی کرسی میں برقی رو سی دوڑ گئی ہو۔ اس کی نظریں ہال کے داخلی دروازے پر جمی تھیں اور چہرے پر ایک بے تابانہ سا تاثر۔

"اوہ گڈ گاڈ ..... پرنس شہریار آ رہے ہیں۔" اور اس کے بتانے پر روبی ہی نے نہیں شفق اور طوبیٰ نے بھی دروازے کی طرف دیکھا۔ بڑی گہما گہمی سی مچی۔ دروازے کے نزدیک بیٹھے لوگ جن میں خواتین بھی شامل تھیں اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ رقص بھی تھم گیا تھا البتہ موسیقی بدستور جاری تھی لیکن قہقہے اور چہچہے ہلکی ہلکی بھنبھناہٹوں میں بدل گئے تھے۔

"آؤ چلو انہیں ریسیو کرتے ہیں۔" افریہ نے اٹھتے ہوئے روبی سے کہا اور روبی بھی بلا تامل کھڑی ہو گئی۔

"ایکسکیوز ... ویری ویل سی یو لیٹر۔" افریہ نے شفق اور طوبیٰ سے کہا اور روبی کے ساتھ پرنس شہریار کے

استقبال کو چل دی۔

"پرنس شہریار۔" شفق نے مسکرا کر بہت آہستہ سے کہا تو طوبیٰ نے قدرے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔

"مجھے اس دن کی جس روز تمہاری منگنی تھی عارف کی شرارت یاد آ گئی۔" شفق طوبیٰ کے دیکھنے کے انداز پر بولیں۔ "بڑا جاگیردار بن کر آیا تھا مگر روٹھ گیا۔" شفق آپ ہی آپ کہنے لگیں مگر طوبیٰ کے پلے کچھ بھی نہ پڑا۔ سوائے اس کے کہ منگنی والے دن عارف بھی آیا تھا۔ کہیں وہ بھول تو نہیں گئیں۔ عارف کا تو سان و گمان تک نہ تھا اس دن..... طوبیٰ نے ..... مستفسرانہ نظروں سے پھر انہیں دیکھا۔ یوں جیسے پوچھ رہی ہو کون جاگیردار اور کیسا جاگیردار..... اور کون آیا تھا جو روٹھ بھی گیا۔ شفق اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر زور سے ہنسیں اور پھر بولیں۔

"اصل میں یہ پرنس شہریار آغا پور کے جاگیردار کے اکلوتے صاحبزادے ہیں اور جس روز تمہاری منگنی تھی اس دن عارف صاحب بلا اطلاع دیے چپکے سے آ گئے تھے مگر انہوں نے شرارت میں ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ یعنی جاگیردار کے روپ میں آئے تھے۔ اور میں نے ذرا سا ڈانٹ دیا تو بگڑ کر فوراً ہی واپس بھی چل دیے۔ تیرے تمہارے لیے تو واقعی یہ سخت اچنبھے کی بات ہو گی یہ عارف کا آنا اور چلا جانا مگر میرے ... اور آصف کے سوائے اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔" شفق تفصیل بتاتے بتاتے پھر پرنس شہریار کی طرف متوجہ ہو گئیں جو اب دروازے کے نزدیک کھڑے لوگوں سے معانقہ کر کے آگے بڑھ رہے تھے۔ اف کیا شان تھی ... چال میں وقار اور تمکنت، اداؤں میں دلکشی اور بانکپن، انداز شاہانہ، شخصیت باوقار اور دلآویز ... وجاہت اور مردانہ خوبصورتی کا شاہکار، دراز قامت اور متناسب تن و توش، روشن پیشانی سے چھلکتی شرافت، نجابت اور خاندانی عظمت، ڈارک براؤن ۔ اسٹرائپڈ قیمتی سوٹ میں ملبوس پرنس شہریار ہال کے دبیز قالین پر نہیں تو لوگوں کے دلوں پر چلتے لگ رہے تھے یا پھر طوبیٰ کو ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جس کی اتنی سادہ و اشتیاق سے لبریز نگاہیں فرش راہ بن کر رہ گئی تھیں۔ دل بھی بڑا ایسے نرالے انداز میں دھڑک رہا تھا کہ اتنی سخت سردی میں بھی چہرے پر گرمی کا احساس ہو رہا تھا..... اف یہ تو وہی تھا مگر اس دن سے کتنا مختلف لگ رہا تھا اس دن طوبیٰ کو اس دن کے ساتھ یوں لگا جیسے وہ اسی دن کے اس کے تصور پر حاوی ہو۔ اف کیا شان دلربائی تھی۔ طوبیٰ ہی نہیں بلکہ ہال میں موجود ہر متنفس ان کی طرف متوجہ تھا۔ اور پلک جھپکانی بھول گیا تھا۔ خود شفق بھی ایک ٹک اس حسن و رعنائی کے مجسمے کو ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی تھیں ورنہ وہ اس قدر مبہوت نہ ہوتیں تو یقیناً طوبیٰ کے دل میں چھپے چور کو پکڑ لیتیں۔ وہ چشم کی بجلیاں گراتے اور لوگوں سے ہاتھ ملاتے ان دونوں سے ذرا فاصلے پر ایک صوفے پر بیٹھ گئے تو حاضرین محفل نے بھی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔ تب کہیں جا کر طوبیٰ کو ہوش آیا اور شفق کو بیٹھا ہوا دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی محویت میں انہیں تعظیم دینا بھی بھول گئی تھی۔ ادھر شفق اب ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ آصف تو نظر نہیں آ رہے تھے لیکن افریہ انہیں نظر آ گئی تو لپک کر کہا۔

"ارے ارے یہ آپ کہاں جا رہی ہیں افریہ۔ تھوڑی دیر ہمارے پاس بھی تو بیٹھیے۔ آپ سے تو اتفاقاً ہی ملنا ہوتا ہے۔" شفق کی بات پر آگے بڑھتی ہوئی افریہ تیزی سے ان کی طرف مڑیں۔ اور خوش ہو کر بولی۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"یہ شکوہ تو مجھے آپ سے کرنا چاہیے۔ آپ نہ کبھی ہمارے یہاں آتی ہیں نہ خود مجھے ہی اپنے بلاتی ہیں۔" شفق نے محسوس کیا، افزیہ بڑے صاف دل کی مالک اور محبت کی بھوکی ہے وہ ایک اپنائیت برتنے پر خوشی کا اظہار کرتی ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے تو خیر گھر کے کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ پھر سردی بھی تو غضب کی پڑ رہی تھی۔ جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی مگر آپ کو کس نے منع کیا تھا۔ آپ کے لیے تو میرے گھر کے دروازے ہر وقت وا رہتے ہیں۔" شفق نے اس سے کچھ زیادہ ہی یگانگت برتی۔

"لیکن بنا بلائے تو ہم اللہ میاں کے یہاں بھی جانے کے نہیں۔" اپنی بات کہہ کر افزیہ خود ہی ہنسی۔ شفق اور طوبیٰ نے مسکراہٹ سے اس کا ساتھ دیا۔

"خیر تو اب ہم آپ کو باقاعدہ طور پر دعوت نامہ بھیجیں گے۔" طوبیٰ مسکرا کر بولی۔

"پھر تو مجھے کافی دن انتظار کرنا پڑے گا۔ ظاہر ہے وہ دعوت نامہ آپ کی شادی کا ہی ہوگا۔" افزیہ نے برجستگی سے کہا اور طوبیٰ جھینپ کر رہ گئی۔ شفق نے ہنستے ہوئے بات کا رخ موڑا۔

"آج یہاں کوئی فنکشن ہے کیا؟"

"فنکشن؟" افزیہ نے سوچا پھر چونک کر بولی۔

"یہ پرنس کی آمد کسی فنکشن سے کم ہے کیا۔ پرنس کی آمد کے سلسلے میں یہ سارے اہتمام ہو رہے تھے۔" اور افزیہ کے بتانے پر ایک بار پھر طوبیٰ کی نظریں شہریار کی طرف اٹھ گئیں جو اس وقت اپنے ارد گرد بیٹھے لوگوں سے مصروف گفتگو تھے۔ [illegible] نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھیں۔ افزیہ طوبیٰ کو بتانے لگی۔

"ابھی یہ پرنس یہاں [illegible] بڑی ہی منگنی فیشنیٹ شخصیت کے مالک ہیں۔ [illegible] کیمبرج سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی ہر تیسرے چوتھے ماہ یورپ کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔"

"ہوں..... یہ تو آج کل ایک عام سی بات ہوگئی ہے ہزاروں میلوں کے فاصلے ناپنے کو جیسے [illegible] یورپ اور امریکہ چار قدم [illegible] اور پھر یہ پرنس تو ایک رئیس زادے ہیں۔ آسمان کی وسعتوں کا بھی چکر لگا آئیں تو تعجب کی بات نہیں۔" شفق کو افزیہ کا پرنس کے یورپ کے چکر لگانے کے بارے میں [illegible] نہیں بھایا تو انہوں نے ان کے دوروں کو غیر اہم ثابت کرنے کی کوشش میں کہا اور افزیہ نے ان کی بات کا مطلب [illegible] لیا۔

"نہیں یہ بات نہیں۔ یہ پرنس شہریار دوسرے رئیس زادوں سے یکسر مختلف ہیں۔ اتنے ایڈوانس اور ایجوکیٹڈ ہونے کے باوجود بھی بڑے شیورلیس [illegible] ہیں۔ [illegible] تصورات [illegible] اور زندگی [illegible] سے بچنے والے۔ شاید اسی وجہ سے انہوں نے اب تک شادی کی نہ کوئی پارٹنر ڈھونڈا ہے۔ یا پھر ان کے اسٹینڈرڈ کی کوئی لڑکی نہ ملی ہوگی۔" افزیہ کچھ زیادہ ہی پرنس سے مرعوب نظر آ رہی تھی۔

"خیر دنیا میں اعلیٰ خاندانی لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔ میرے خیال میں تو یہی وجہ ہوگی جو آپ نے کہی ہے کہ پرنس اپنی خاندانی روایات کے سختی سے پابند ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے خاندان میں خاندان سے باہر شادی کرنے کا رواج نہ ہو۔ جو پٹھانوں میں عام طور پر نہیں ہوتا۔" شفق نے اپنی سوچ سے لگا

کر اپنا قیاس ظاہر کیا۔

"جی ہاں۔ عام خیال تو یہی ہے مگر....." افزیہ نے اپنی بات کہتے کہتے طوبیٰ کی طرف غور سے دیکھا پھر مسکرا کر بولی۔

"ان کی پسند بھی انہی کی طرح شاندار ہوگی۔ یعنی کہ ہمارے اور آپ کے اندازوں سے بھی حسین..... بالکل ایسی جیسی یہ افشاں ہیں۔" افزیہ بولنے میں آتا وہی بول دینے کی عادی تھی۔ وہ مصلحت اور نزاکت کی بھی پروا نہ کرتی تھی۔ اس نے جس بے باکی سے طوبیٰ کا نام لیا تھا۔ طوبیٰ کا دل اتنے زور سے دھڑکا کہ پورا وجود کانپ کر رہ گیا۔ بری طرح جھینپ کر اس نے سرخ پڑتے ہوئے چہرے کو جھکا لیا اور شفق کو افزیہ کی بات سخت ناگوار گزری مگر وہ مروت اور لحاظ کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔ بات کا رخ موڑ کر بولیں۔

"تعجب ہے اتنے پڑھے لکھے ایڈوانس اور ارسٹوکریٹ سا ہے اور باپ کا یہ عالم کہ ملازمائیں بھی دونوں ان کے خدمتگاران کی صورت دیکھنے کو ترستے ہیں۔ سنا ہے بڑے ٹیپیکل قسم کے پٹھان ہیں۔"

"ہوں..... لیکن ارسٹوکریٹ تو وہ بھی ہیں اور اپنے خاندان کا نام روشن رکھنے کی تمنا کون نہیں کرتا۔ یہ بات اور ہے کہ وہ کچھ ضرورت سے زیادہ متعصب اور کنزرویٹو ہیں۔ اور کچھ عرصے سے..... وہ سخت علیل ہیں اور تنہا بھی ہیں۔ پرنس کی والدہ کا تو بہت پہلے انتقال ہو گیا تھا۔" اور اس کی بات پر شفق نے بے زاری سے دل میں سوچا اف یہ بڑے لوگ انہیں تو چھینک بھی آ جائے تو سارے زمانے میں اس کا چرچا ہو جاتا ہے دراصل دولت میں بڑی طاقت ہے اور آج کل تو مادہ پرستی عام ہے اب بھلا یہ بے فکری اور واہیات [illegible] لڑکی کی جان کو [illegible] اور ان کے [illegible] حالات سے واقفیت رکھتی ہے۔ اور طوبیٰ کو یوں لگا [illegible]

اس سمندر شوق میں
جو اس پیکر جمال کے لیے
جو شعلے اور بھاگتے ابھرتے پانیوں کی طرح
متموج اور متلاطم ہو رہا تھا
اس جستجو میں جو

[illegible] قدرت کے شاہکار کے بارے میں جذبہ و شوق کی سرمستیوں کو چھو رہی تھی جسموں کو پاش پاش کر دینے والی سنگ ریزوں کی چتا میں در آئی ہوں۔

اف وہ جذبہ جو اسے اچانک دیکھ کر ایک دم ہی ابلا تھا۔ بڑھا تھا اور بلند ہوتا گیا تھا اور اس کے ساتھ احساس بھی کرا رہا [illegible] جسے اتفاقاً پہلی بار دیکھ کر ایک راہرو کی طرح اس نے اسے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ وہی تو تمام تر ان کے تصورات اور اعصاب پر چھایا رہا تھا۔

وہی جو طوبیٰ کے اونچے آدرش کی انتہا تھا
وہی جس کی وجاہت سے متاثر اور متحیر تھی
وہی جو اس کے معیار پر پورا اترتا تھا
سنہرے ریشم کے کسی ماورائی شہزادے کی طرح حسن، رعنائی، بردباری اور وقار کا مجسمہ۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

جسے اب اچانک دیکھ کر جذبے کی فراوانی نے طوبیٰ کی آہو ختن آنکھوں میں ایک چراغاں سا [illegible] تھا۔

جسے اچانک دیکھ کر نوخیز سی دھڑکنیں درہم برہم ہو گئی تھیں۔ جھنجھنا رہی تھیں۔

مگر اب اس کے بارے میں ساری تفصیلات سن کر......

یہ سمجھ کر کہ اس کی تمنا..... چاند کو گود میں اتارنے کی تمنا سے کم نہیں۔ جو محال ہے ناممکن ہے بڑی جا اور بے سود ہے طوبیٰ کو اپنے دھڑکتے اور لرزتے دل کی کشتی تہ آب ہی ہوتی لگ رہی تھی۔

اس کے باوجود دل بے قرار مچل رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا۔ بیتابی دل، ضبط کی حدوں کو پھاندتی لگ رہی تھی۔ اس پر وہ اپنا بے پناہ حسن جس سے وہ خائف بھی تھی۔ اور جس پر اسے تھوڑا تھوڑا زعم بھی تھا [illegible] ذات سمیت بے حقیقت اور حقیر سا لگ رہا تھا۔ افزیہ کسی کو دیکھ کر ان دونوں سے معذرت کرکے [illegible]

اس کے جانے کے بعد شفق نے طوبیٰ کو مخاطب کرکے کہا۔

"آؤ چلو ذرا انکل مظہر اور آنٹی کی مزاج پرسی کر آئیں۔ ورنہ وہ سمجھیں گے کہ شفق اپنے کسی کیپٹن کی وجہ سے انہیں نظر انداز کر گئی۔" شفق ایک دم ہی کھڑی ہو گئی تھیں، اور طوبیٰ کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی شفق پرنس شہریار سے اپنا تعارف کرانا چاہتی ہیں کیونکہ اس وقت وہ کرنل مظہر کے پاس ہی بیٹھے تھے شفق نے ساڑھی کا چھوٹا سا پلو درست کرتے طوبیٰ کے ساتھ کرنل مظہر کی طرف بڑھ گئیں۔ اب طوبیٰ کیا معلوم تھا کہ شفق اسے ان لوگوں کے پاس بٹھا کر افزیہ سے بات کرنے کا موقع نکالنا چاہتی ہیں اور طوبیٰ کے نزدیک پہنچتے ہی کرنل مظہر نے بڑے پرتپاک انداز میں کھڑے ہو کر ان کا سلام قبول کیا ان کے ساتھ پرنس بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کرنل مظہر نے ان تینوں کا آپس میں تعارف کرایا پرنس نے بڑے دلکش انداز میں تعارف حاصل کرنے کے بعد دونوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"پلیز تشریف رکھیے۔" اور شفق چند منٹ تو کرنل مظہر کے استفسار پر اپنی امی کا حال سناتی رہیں پھر ایک دم پرنس سے مخاطب ہو کر بولیں۔

"سنا ہے جاگیردار صاحب کچھ علیل ہیں؟"

"جی ہاں۔ کچھ عرصے سے صاحب فراش ہیں انہیں کڈنی ٹربل ہے۔"

"اوہ۔" شفق نے صرف اتنا ہی کہا۔

"آپ انہی کا آپریشن کرانے تو انہیں یو کے لے جا رہے ہیں۔" کرنل مظہر نے شفق کو بتایا۔

"اچھا اچھا خدا کرے آپریشن کامیاب ثابت ہو۔" شفق نے جواباً اپنے تاثرات پیش کرنے کی غرض سے کہا۔

"آمین!" کرنل مظہر نے بڑے فدویانہ انداز میں کہا جو شفق کو ذرا برا لگا۔

"آصف صاحب آج کل کہاں ہیں؟" پرنس نے غیر ارادی سے لہجے میں پوچھا۔

"آصف؟ وہ بمبئی ہیں آج کل۔" طوبیٰ کی وجہ سے شفق کچھ سٹپٹا کر بولیں۔

"لیکن میں تو سمجھا تھا کہ وہ پشاور چلے گئے ہیں کئی دن سے نظر ہی نہیں آئے۔" کرنل مظہر بولے۔ شفق... ان کی بات کو نظر انداز کرکے پرنس سے بولیں۔

"آپ کبھی ہمارے یہاں بھی تو تشریف لائیے۔" شفق نے یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی کہ ان کا [illegible] سابقہ پرنس کے شایان شان نہیں بڑے سادہ لہجے اور سادہ لوحی سے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ تو کرنل مظہر نے بھی بڑی بے چینی سے پہلو بدلا اور ان کی بیگم نے ہلکے سے چوٹ کرنے کے انداز میں ہنس کر انگلش میں کہا۔

"اوہ ہاؤ فنی، پرنس کو تو پھوکٹ میں دعوت بھی مل گئی۔"

"نہیں دعوت کیسی آنٹی میں نے تو اپنے بھائی کے محسن کی حیثیت سے ان کو زحمت دینا چاہتی ہوں۔" شفق کرنل مظہر کی بیوی کے فقرے پر ایک دم ہی سنجیدہ ہو کر بولیں۔ پرنس خاموش بیٹھے ان لوگوں کی گفتگو سن رہے تھے شفق کی بات پر انہوں نے کہا۔

"آپ کے گھر آنے کی زحمت تو ایک بار اٹھا چکا ہوں۔" پھر انہوں نے طوبیٰ کی طرف دیکھا جو اپنے کسی خیال میں گم نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

"اچھا؟ کیا واقعی...؟ لیکن کب؟" شفق اپنے تحیر کو اپنے سوالوں میں نمایاں کرتی ہوئی بولیں۔ اور طوبیٰ نے بھی اپنے خیالوں سے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"آپ کی شادی کے موقع پر۔" پرنس کی نگاہیں ایک بار پھر طوبیٰ کی طرف اٹھ گئیں وہ بھی انہی کی طرف متوجہ تھی۔ ایک لحظہ کو دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں تو اس کو یوں محسوس ہوا۔ جیسے وہ اپنی اس دن کی ملاقات کو جتانا چاہ رہے ہوں۔ طوبیٰ نے نہ صرف منہ پھیر لیا بلکہ یہ ظاہر کیا جیسے ان لوگوں کی باتوں سے بے خبر ہو۔ تبھی شفق کی نظر سامنے کھڑی افزیہ پر پڑی جو ایک غیر ملکی مرد سے باتیں کر رہی تھی تو وہ [illegible] ہوئی بولیں۔

"معاف کیجیے گا مجھے ایک کال کرنی ہے۔" اتنا کہہ کر شفق تو افزیہ کی طرف بڑھ گئیں اور طوبیٰ وہیں اکیلی رہ گئی۔ کرنل مظہر اپنے دوستوں کو دوسری جنگ عظیم کے چند محیر العقول واقعات سنانے لگے تو پرنس شہریار جو بظاہر اخلاق نبھانے کو ان کی باتیں سن رہے تھے انہوں نے موقع دیکھ کر طوبیٰ سے پوچھا۔

"کیا آپ یہاں مستقل قیام کی غرض سے آئی ہیں؟"

"جی ہاں۔" طوبیٰ نے مختصراً کہا پھر معذرتی سے لہجے میں بولی۔

"اصل میں، میں اس دن آپ کا پیغام پہنچانا بھول گئی تھی۔" انہوں نے شاید اس کی بات کا جواب ضروری نہیں سمجھا۔ کلب کے مالکان کی طرف سے ان کی ضیافت تھی اس لیے وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے شفق نے دیکھا کہ دعوت طعام بھی ہے تو افزیہ سے باتیں کرکے واپسی کے لیے پر تولنے لگیں۔ حالانکہ روحی اور افزیہ نے انہیں بہت روکا مگر وہ طوبیٰ کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلی آئیں پورا راستہ انہوں نے بڑی خاموشی سے طے کیا تھا۔ پھر بھی وہ مضطرب سی نظر آ رہی تھیں کوشش کے باوجود طوبیٰ ان کی اس دلی کیفیت کی وجہ نہ جان سکی۔ گو کلب پہنچ کر شروع شروع میں اسے آصف کی غیر موجودگی کا احساس ضرور ہوا تھا مگر بعد میں تو گویا بساط ہی پلٹ گئی تھی۔ پرنس شہریار از سر نو نئے مہرے اٹھاتے اچانک ہی اس کی زندگی کی بساط پر بڑھتے چلے آئے تھے اور شفق کے ساتھ کار میں بیٹھی وہ انہی کے خیالوں سے اپنے تصورات کی دنیا سجائے ہوئے تھی۔ گو اس کی بساط اور اوقات کچھ بھی نہ تھی مگر اسے کم از کم اتنا حق تو ضرور پہنچتا تھا کہ وہ جسے چاہے اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھائے۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

☆.....☆.....☆

سر آغا بختیار علی اسفند ..... یعنی بڑے جاگیردار انگریزوں کے دور حکومت میں شمال مغربی صوبے کے گورنر رہ چکے تھے ان کے دادا امان اللہ خان کی معزولی کے بعد کابل سے ترک [illegible] ہندوستان چلے آئے تھے اور پشاور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بڑے اعلیٰ اور ارفع خاندان [illegible] تھے۔ تعلیم کا چرچا بھی عام تھا خود سر بختیار کے دادا اپنے زمانے کے جید عالم مانے [illegible] انہوں نے اپنے بیٹے کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا تھا۔ ان کا خاندان انگریزوں کا حامی تھا۔ [illegible] میں چھوڑی ہوئی جاگیر کے عوض ہندوستان میں اسی قدر اراضی کا طالب تھا۔ اسی وجہ سے آغا [illegible] اسفند کو نہ صرف اعلیٰ منصب سے نوازا گیا بلکہ سر کا خطاب بھی ملا۔ اور ان کی کارکردگی اور [illegible] صلے میں انہیں آغا پور کی جاگیر بھی بخش دی گئی۔

قیام پاکستان کے بعد آغا پور کی جاگیر پاکستان کے حصے میں آئی تھی۔ سر بختیار کی جا[illegible] حکومت نے اونچے اونچے کوہساروں کے نشیب میں واقع سرسبز و شاداب [illegible] سے بھرپور اس چھوٹی سی بستی کو ایک قصبے کی شکل دے کر اسے خوب صورت بنا دیا تھا۔ آغا پور [illegible] کالج، ہسپتال اور بازار بھی تھا۔ [illegible] لنڈی کوتل میں بکنے والے امپورٹڈ مال کی [illegible] بازاری تھی۔ لیکن وہ [illegible] بازار سے ہی دستیاب ہو جاتا تھا۔ ایک کمی تھی تو ریلوے اسٹیشن [illegible] ڈھلوان سڑکوں سے گزر کر پہنچے تو سوا سو میل کے فاصلے پر [illegible] کے عین قلب میں جنگلات [illegible] ہوئے قصبے میرواہ میں واقع تھا اور جہاں سے آغا پور آنے کے لیے بس میں سوار ہونا پڑتا تھا۔

آغا بختیار کی صرف دو اولادیں [illegible]
[illegible] انہوں نے اپنے [illegible] کی وجہ سے دوسری شادی [illegible]
تربیت دی تھی۔ بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی تو بیٹی کو بھی جاہل نہ رہنے دیا تھا گھر پر ایک انگریز [illegible] بیٹی کو تعلیم دلوائی تھی۔ کیونکہ روایات میں لڑکیوں کا گھر سے باہر قدم نکالنا کسی جرم سے کم نہ تھا [illegible] دونوں بچوں کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے مگر رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ دونوں بچوں کی باپ کے سامنے جان نکلتی تھی اور ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ شہوار شہریار سے بھی ڈرتی تھی۔ وہ ان سے پورے [illegible] بڑے تھے اور ان کا [illegible] طفولیت اور عہد شباب تمام تر ہوسٹلوں میں گزرا تھا۔ جاگیر پر وہ [illegible] چھٹیوں میں آتے تھے۔ پھر گریجویشن کے بعد چھ سال کا عرصہ انگلستان میں گزار کر [illegible] سروس آف پاکستان کے امتحان میں کامیاب ہو کر آئے تھے مگر کوئی عہدہ یا منصب نہیں سنبھالا [illegible] سنبھالنے کا ارادہ کیا تھا [illegible] جاگیر [illegible] تھے۔ [illegible] مربعوں کے مالک تھے اور ان [illegible] باپ کی علالت کی وجہ سے بڑے پریشان تھے۔ آغا صاحب [illegible] دل کی شکایت نہ تھی بلکہ وہ [illegible] کے بھی مریض تھے۔ بلڈ پریشر بھی بڑھا ہوا تھا اور اس صورت حال میں ان کا آپریشن کرنا ممکن نہ تھا۔ ان کے بلڈ پریشر کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی جا رہی تھی تاکہ انہیں انگلستان لے جایا جا سکے اور آپریشن کا امکان پیدا ہو سکے۔ اس عمر اور اس حالت میں جب ان سے چلا پھرا بھی نہ جاتا تھا آپریشن ان کے لیے مہلک بھی ثابت ہو سکتا تھا اور شہریار کو اس بات کا فکر تھا۔ وہ دونوں [illegible] جا چکے تھے مگر اس مرتبہ باپ نے آپریشن کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم کر لی تھیں۔

آصف سے ان کی خاصی پرانی شناسائی تھی جو علیک سلیک سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ کیونکہ اسے دوستی تو ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا۔ شہریار ان سے عمر میں ہی نہیں ہر لحاظ سے بڑے تھے۔ اور پھر ان کی آپس میں ملاقات بھی کم ہوتی تھی۔ بلکہ برسوں کی برسوں میں ہوتی تھی اور ان دونوں کا آپس میں تعارف بھی بہت اتفاقی ہوا تھا۔ ان دنوں جب پرنس شہریار لاہور کے کالج میں بی۔ اے فائنل کے طالب علم تھے۔ آصف نے بھی اسی کالج میں فرسٹ ایئر میں داخلہ لیا تھا۔ نئے اور تازہ تازہ داخلہ لینے والے کو بے وقوف یا فرسٹ اپریل فول بنانا بھی کالج کے سینئر اور پرانے لڑکوں کی ایک روایت بن گیا ہے سو آصف کو بخش دیا جاتا۔ ایک رات اس وقت جب آصف بے سدھ پڑے سو رہے تھے چند روم میٹس نے ان کو ان کے پلنگ سمیت اٹھایا اور سوئمنگ پول کے کنارے پر ان کا پلنگ رکھ کر انہیں بستر سمیت سوئمنگ پول میں پھینک دیا۔ آصف ایک تو گہری نیند سو رہے تھے دوسرے اس ناگہانی طور پر کیا [illegible] نرم و گرم بستر میں سوتے ہوتے ایک دم ہی ٹھنڈے پانی کے تھپیڑے ان کے جسم پر لگے تو بے چارے سدھ بدھ ہی کھو بیٹھے اس پر غضب یہ کہ تیراکی سے بھی نابلد تھے۔ نیند تو ہوا ہو ہی چکی تھی مگر اس کے ساتھ ہوش و حواس بھی خطا ہو گئے تھے۔ پانی کے اندر ہی بیٹھتے چلے گئے۔ پہلی مرتبہ ابھرے تو ناک اور منہ [illegible] پانی پیٹ کے اندر گھس جانے کی تکلیف میں ہی مبتلا رہے بس اپنی ایک جھلک سی دکھا کر پھر پانی کی تہہ میں چلے گئے۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ شریر لڑکوں نے سوئمنگ پول کے کنارے پر لگے بلب جلا دیے [illegible] شہریار کا کمرہ سوئمنگ پول کے عین مقابل میں تھا اور اتفاق سے اس دن وہ کمرے کے آگے بنے چبوترے [illegible] ایک کتاب کے مطالعے میں غرق تھے۔ پانی میں کسی وزنی [illegible] گرنے کی آواز [illegible] اور پھر لڑکوں کو بھاگتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے انہماک میں فرق پڑ گیا تھا۔ اور ان کی توجہ سوئمنگ پول کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ سامنے کنارے پر ایک نواڑی پلنگ بھی ان کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکا تھا اور اسے دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا تھا [illegible] انجانی سی طاقت نے انہیں اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا کہ پہلی دفعہ آصف کے پانی کی سطح پر ابھرنے کی [illegible] آواز آئی تو وہ چبوترے سے اتر کر سوئمنگ پول کے نزدیک آ گئے اور ابھی ادھر ادھر ہی دیکھ رہے [illegible] معلوم پھر کر ان کی نظر بھی پانی کی سطح پر پڑی تو انہیں دو انسانی ہاتھ پانی کی سطح سے اوپر اٹھتے نظر آئے [illegible] کی مخصوص علامت ہوتی ہے دونوں ہاتھ چشم زدن میں پانی کے اندر غائب ہو گئے تھے۔ شہریار [illegible] اپنا ڈریسنگ گاؤن اتارنے کی بھی مہلت نہ دی۔ انہوں نے بلا تامل اور توقف فوراً ہی پول میں چھلانگ لگا دی۔ گو زیادہ گہرا تو نہ تھا مگر تیرنا نہ جاننے والے کے لیے ضرور مہلک ثابت ہو سکتا تھا لیکن شہریار کو تیرنا آتا تھا آصف جلدی ان کے ہاتھ آ گئے اور انہیں ہاتھوں پر لیے لیے شہریار پول سے باہر آئے اور کنارے پر انہیں اوندھا لٹا دیا۔ شریر لڑکے جو ان کا تماشا دیکھنے کی غرض سے یا اس ٹوہ میں کہ آصف پر کیا بیتی ہے پھر پول پر آ گئے تھے لیکن آصف کو بے ہوشی کے عالم میں اوندھا لیٹے اور شہریار کو ان کے پیٹ سے پانی نکالنے کی تدبیریں کرتے دیکھ کر اپنے بے ہودہ اور زک پہنچانے والے مذاق پر شرمندہ کھڑے رہ گئے۔ جیسے انہیں سکتہ ہو گیا ہو۔ اس پر شہریار نے بھی ان سے کچھ نہیں کہا تھا مگر ان کے تیور بہت بگڑے ہوئے تھے۔

کالج کے تقریباً سارے ہی لڑکے رئیس گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے مگر شہریار کی شان کچھ اور ہی

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

تھی۔ بے حد سنجیدہ اور بارعب سے لگتے تھے۔ ان کا کمرہ اور رہن سہن کا انداز بھی اوروں سے برتر تھا۔ اس لیے تقریباً سب ہی لڑکے خصوصاً ہوسٹل میں اقامت پذیر لڑکے ان سے تھوڑے مرعوب نظر آتے تھے۔

وہ تو بس ایک تیز سی نظر ان پر ڈال کر رہ گئے تھے۔ اور وہی ایک نظر گھڑوں پانی پڑنے کو کافی تھی۔ شہریار سے جس قدر پانی نکالا جا سکا وہ نکالتے رہے مگر آصف کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ اس وقت ان کی عمر بھی مشکل سے سترہ یا اٹھارہ سال کی تھی۔ خوبصورت چہرے پر بانکپن کے ساتھ بھولپن بھی تھا۔ لیکن اگر نہ بھی ہوتا تب بھی وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے انسانیت کے تقاضے سے کر رہے تھے۔ یعنی آصف کے بجائے کوئی اور ہوتا تب بھی وہ اپنے انسان ہونے کی ذمہ داری پوری کرتے۔ انہوں نے اٹھ کر چپ چاپ آصف کو اپنی بانہوں پر اٹھایا اور کالج کی ڈسپنسری کا رخ کیا۔ جاتے ہوئے لڑکوں نے آصف کو اٹھانے میں ان کی مدد بھی کرنی چاہی۔ مگر انہوں نے کسی کی مدد نہیں لی۔ ڈسپنسری طبی امداد پہنچانے کی سہولتیں تو فراہم کرتی تھی مگر آصف کا کیس ان کی مسلسل بے ہوشی کی حالت کی وجہ سے کچھ سیریس ہو گیا تھا۔ اور ڈسپنسری انچارج نے شہریار کو شہر کے کسی بڑے اسپتال انہیں لے جانے کا مشورہ دیا تھا جس پر شہریار نے فوری طور پر عمل کیا۔ اپنی چھوٹی سی کار میں آصف کو لٹایا اور شہر کا رخ کیا۔ ایک بڑے سرکاری ہسپتال میں ان کو داخل کرا کے اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ ان کی جان بچ سکتی ہے ہوسٹل واپس آ گئے پھر جب تک آصف ہسپتال میں رہے (پانی کے تیزی سے داخل ہونے کی وجہ سے ان کے پھیپھڑوں پر ورم آ گیا تھا) شہریار باقاعدگی سے ان کی عیادت کو جاتے رہے لیکن ان کے صحت یاب ہو کر ہوسٹل واپس آتے ہی وہ ایسے لاتعلق ہو گئے کہ تو کون اور میں کون۔ شہریار نے انہیں پلٹ کر نہ پوچھا۔ مگر آصف کو تو لگی تھی۔ لاہور میں وہ نئے نئے تازہ وارد ہوئے تھے۔ ان کے گھر والے ان دنوں کوہاٹ میں اقامت پذیر تھے اور ان کی لاہور آ کر پڑھنے والی ضد پر بڑی لے دے ہوئی تھی۔ صوفیہ بیگم ہی نہیں خود میجر صاحب نے بھی ان کی اس ضد کی مخالفت کی تھی۔ پھر بھی میجر صاحب اپنے بچوں کا دل نہ میلا ہونے دیتے تھے۔ انہوں نے کافی رد و کد کے بعد بالآخر اجازت دے ہی دی مگر صوفیہ بیگم ہنوز ناراض تھیں۔ پھر اس وجہ سے اور والدین اور بہن کی پریشانی کے خیال سے آصف نے اپنے اوپر گزرے اس حادثے کی اطلاع گھر میں نہ بھیجی تھی اور پورے لاہور میں ایسے کسمپرسی کے عالم میں ایک شہریار ہی ان کو خواجہ خضر کی صورت میں نظر آئے تھے۔ انہوں نے بھی تو اپنے انسان اور اشرف المخلوقات ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا تھا۔ آصف تو ان سے شروع سے ہی مرعوب تھے اور اب جو انہوں نے ان پر اتنا بڑا احسان کیا تھا تو ان کی قدر و منزلت ان کے دل میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ گو ان دنوں آصف کی طبیعت میں بڑا لاابالی پن تھا۔ ڈھنگ سے بات کرنے کا قرینہ بھی نہ آتا تھا اور باتوں میں طفلانہ پن بھی جھلکتا تھا۔ لیکن پرورش بڑے عمدہ اور ستھرے ماحول میں ہوئی تھی۔ ماں باپ نے اخلاق و آداب سے بھی سنوارا تھا۔ ادھر کالج اور ہوسٹل کے نئے اور اجنبی سے ماحول سے بھی کسی قدر خائف تھے۔ اس لیے کم گو بھی تھے مگر اتنی تہذیب تو آتی تھی کہ صدق اور خلوص دل سے شہریار کا شکریہ ادا کر سکیں اور اتنی سمجھ بھی تھی کہ یار لوگ ایک دم ہی بے واسطہ اور بے تعلق ہو جانے کی وجہ بھی وہ جان گئے تھے کہ شہریار اپنے اسٹیٹس کا

ان پر جتا کر انہیں زیر بار نہیں کرنا چاہتے۔ اس لیے اس قدر لاتعلق ہو گئے ہیں۔

مگر جس کا احترام ہو۔
جس سے عقیدت ہو۔
جو محسن بھی ہو۔
جس سے لگاؤ بھی پیدا ہو گیا ہو۔

اس کی ہزار لاتعلقی کے باوجود اس سے راہ و رسم تو نہیں چھوڑی جا سکتی۔ آصف ان کی بے رخی کے باوجود ان سے ملا کرتے تھے۔ ہمیشہ بڑے مہذب، مؤدب اور عقیدت مندانہ طریقے سے شہریار نے آصف کو اپنے روبرو پایا تھا اور انہیں یوپی کے ایک معزز گھرانے کا یہ مہاجر لڑکا بہت پسند آیا تھا۔ گو عمر میں ان سے تین برس چھوٹا تھا پھر بھی جب بھی موڈ ہوتا تو شہریار اسے اپنے ساتھ پکچر ضرور لے جاتے یا کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کافی اور اسنیکس میں اسے شامل کر لیتے لیکن بہت کم یعنی کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا۔

شہریار کا وہ فائنل ایر تھا۔ امتحان دینے کے بعد انہوں نے کالج کو خیرباد کہا اور پھر اپنی جاگیر میں کچھ دن گزار کر اعلیٰ تعلیم کے لیے یو کے چلے گئے۔ آصف کا پھر ان سے ملنا ہی نہ ہو سکا۔ وہ تو ایک دن اپنے آغا پور کے قیام کے دوران ایک سال پیشتر کلب میں آصف کی ان سے مڈبھیڑ ہو گئی تو دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اور آصف پر عقدہ کھلا کہ وہ آغا پور کے جاگیردار کے نور نظر ہیں مگر آغا پور میں تو شہریار سے ملاقات کا موقع ملا ہی نہیں تھا۔ نہ وہ کلب پابندی سے جاتے تھے نہ اپنے گھر بلاتے تھے۔ اور اب بھی وہ شادی ہی پر آئے تھے اس لیے صرف دو چار بار ہی ملاقات ہو سکی تھی۔ اور آصف یوں تو بڑے بد دماغ اور نکیلے تھے۔ انہیں اپنی حیثیت پر بھی بڑا گھمنڈ تھا۔ کسی کو اپنے آگے گردانتے ہی نہ تھے مگر شہریار سے بہت متاثر تھے۔ اور بہت جھک کر ملتے تھے۔ انہیں اپنا مربی اور محسن کہتے تھے۔ اسی وجہ سے شفق کی رخصتی کے دعوت نامے چھپ کر آئے تو خود جاگیردار کے دولت کدے پر دعوتی کارڈ لے کر گئے۔ مگر شہریار اس روز اپنے ایک فارن دوست کے ساتھ جو اپنے ملک کی طرف سے ایک اعلیٰ سفارتی عہدے پر فائز تھا گلپاش گئے ہوئے تھے۔ جہاں ان کا محل نما ذاتی بنگلہ تھا۔ شہریار گلپاش سے واپس آئے تو آصف کا دعوت نامہ ان کا منتظر تھا۔ لیکن جس روز شفق کی رخصتی تھی۔ اس سے ایک دن پہلے وہ کراچی جا رہے تھے۔ جہاں سے ڈائریکٹ فلائٹ کے ذریعہ ان کا یورپ جانے کا پروگرام تھا۔ اور وہ اٹلی اور فرانس کا دورہ کرتے ہوئے یو کے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اس روز آصف سے معذرت کرنے خود ان کے گھر چل کر آئے تھے۔ ورنہ انہوں نے اپنے اتنے سارے ملاقاتیوں میں سے کسی ایک کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔

شہریار اس روز تو بہت عجلت میں تھے جس دن وہ میجر صاحب کے گھر بنفس نفیس خود پہنچے تھے۔ اور بالکل اتفاقی طور پر طوبیٰ سے ٹکرا گئے تھے۔ اور آصف کے بارے میں یہ سن کر کہ وہ گھر پر موجود نہیں وہ باہر ہی سے واپس چلے آئے تھے۔ مگر گزشتہ روز ایک بار پھر طوبیٰ سے اتفاقاً ملاقات ہوئی اور وہ ڈنر کے بعد گھر واپس آئے تو اس کا حسین اور رعنا تصور بھی ان کے ساتھ ساتھ چلا آیا مگر اس کے ساتھ ہی ان کا دل کچھ الجھ کر رہ گیا تھا۔ اب تک سینکڑوں حسین و جمیل اور طرحدار لڑکیوں سے واسطہ پڑا تھا اور ہر ایک

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

نی ان کی ایک جنبش ابروکی منتظر اور نگاہِ التفات کی خواہاں نظر آتی تھی۔ مگر کچھ اپنی خاندانی... پیشِ نظر کسی غیر خاندانی لڑکی کے بارے میں کچھ سوچنا بھی کسی جرم سے کم نہ تھا۔ اور کچھ اپنی ارفع پسند اور مضبوط کردار اور مستقل مزاجی کی وجہ سے کسی ایک کو بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ انتہا سنجیدہ اور بردبار طبیعت کی وجہ سے بس رواداری کی حد تک ہی منہ لگاتے تھے مگر جا... کیونکہ ان کے تصورات پر حاوی ہوتی نظر آ رہی تھی۔ جبکہ سوائے اس کے ظاہری حسن کے انہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔ نہ اس سے ایسی کوئی بات ہوئی تھی جس سے ان... موہ لیا ہو یا کوئی ایسی ادا ہی دیکھی تھی کہ اپنا دل ہارنے پر مجبور ہو گئے ہوں مگر یہ بات ضرور تھی... حسن دیکھے تھے مگر یہ تروتازگی، نزاکت اور ملاحت کسی میں نہ دیکھی تھی جو طوبیٰ کے حسن میں تھی... نہ صرف ان کے معیار پر پورا اُترتا تھا بلکہ ان کی نگاہِ انتخاب کے لیے نہایت موزوں اور وف... مگر خالی صورت کو کون دیکھتا ہے۔ رنگ ڈھنگ دیکھا جاتا ہے طور واطوار دیکھے جاتے ہیں... جاتا ہے، صلاحیتوں کو پرکھا جاتا ہے تب کہیں جا کر ایک ایسے شخص کی پسند تکمیل پاتی ہے۔

جو اپنا ایک علیحدہ انداز فکر رکھتا ہے۔ اپنی وضعداری میں اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ اپنے اصولوں کا سختی سے پابند ہوتا ہے اور اپنے ارادوں میں ثابت قدم ہوتا ہے۔ جیسے کہ شہریار تھے... ایک سراپا قیامت حسن ان کی ان تمام تر خصوصیات سے ٹکرایا تھا اسی لیے وہ اُلجھ کر رہ گئے تھے کا... جانے کے بعد بھی اس کا حسن موضوعِ سخن بنا رہا تھا جبکہ وہ چاہ رہے تھے کہ اس کے ساتھ... تذکرے بھی چلے جاتے اسی لیے تو وہ روبی اور افریدہ کی باتوں میں دلچسپی لیتے رہے، ورنہ وہ... اٹھ کر چلے آتے تھے کیونکہ لوگ تو لی جالو کا کردار ادا کر کے بھی جس میں پھبتی ڈال کر جا... تھے۔ مگر ان کے احساسات میں۔ ضرور ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ جسے انہوں نے انجوائے... کر دیا تھا۔ پھر بھی نہ جانے انہیں کیا ہو گیا تھا کہ ایک دم ہی ان کا دل زندگی سے بھرپور... آرائیوں سے اُچاٹ ہو گیا اور وہ جلد ہی اس محفل سے اُٹھ کر چلے آئے۔

لیکن گھر آ کر تنہائی اور یکسوئی نصیب ہوئی تو پھر وہی خیال، وہی تصور ان کے ہر خیال پر... چلا گیا۔ جسے جھٹکنے کی ہر کوشش ناکام ہوتی گئی، تو ان کے اعصاب متاثر ہونے لگے، اور ایک... سا عالم ان پر طاری ہو گیا، ادھر باپ کی علالت کی وجہ سے ذہنی آسودگی بھی نصیب نہ تھی۔ اس... سا احساس طبعِ نازک پر ایک بارِ گراں ثابت ہوا تھا۔ ڈنر سے اگلا دن۔ اور پھر اس سے اگلا دن... زیادہ ہی اضطراب میں مبتلا کر گیا تھا۔ یہ بھی قدرت کا کیسا عجیب وغریب قانون ہوتا ہے کہ... فارغ البالی اور خوشحالی عطا کرتی ہے تو اسے یکسر فکروں سے خالی نہیں رکھتی۔ اگر ایک انسان کی... دولت، عزت، وقار، دبدبے اور ہر آسائش سے بھر دیتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے دامن... ایسی پریشانیاں، تفکرات اور غم چسپاں کر دیتی ہے کہ اس کا دل ودماغ بھی فکروں سے خالی نہیں... دنیا کے کسی فرد وبشر کے حصے میں کامل سکون نہیں آتا، خواہ وہ سات بادشاہتوں کا مالک ہی کیوں... اور وہ سکون جس کا کہ انسان روزِ ازل سے خواہاں اور متمنی رہا ہے، روح کے جسدِ خاکی سے آزاد... کے بعد ہی میسر آتا ہے۔ مگر پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے کیونکہ پیسہ نہ صرف وقت کی سب... ضرورت ہوتا ہے بلکہ انسان کی زندگی کو سنوارنے میں بھی اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ کوشر...

انسان کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گھر کر بھی اپنے آس کے دیے کو ...ائے رکھتا ہے۔ اور مال وزر والے تو اپنی دولت کے بل بوتے پر ہمیشہ اپنی تمنائیں جوان رکھتے ہیں۔

اور شہریار باپ کی طرف سے فکرمند ضرور تھے، مگر انہیں اتنا اطمینان تو تھا، کہ وہ اپنے عزیز از جان ...پ کے علاج پر اپنا پیسہ پانی کی طرح بہا سکتے ہیں، اور یہ بھی کہ چوٹی کے ڈاکٹروں کے علاج سے انہیں ...ور شفا ہو گی، مگر یہ تو دل کا ایک دلاسا تھا جو مایوسی سے بچنے کی غرض سے انسان خود کو دے لیتا ہے۔

...ل طور پر شہریار باپ کی طرف سے خاصے فکرمند تھے، پہلے دن ناشتہ واپس کر دیا گیا تو شہوار نے کچھ ...یادہ محسوس نہیں کیا، یہی سمجھ کر بھائی رات کو دیر سے سوئے تھے طبیعت کسلمند ہو گی۔ پھر وہ ان کی طرف ...ئے بھی نہیں تھے، اور سارا دن بھی وہ یہی سمجھتی رہیں۔ کہ بھائی کہیں گھومنے پھرنے کی غرض سے گئے ...ہیں مگر جب دوسرے دن بھی یہی ہوا کہ پھر ناشتا واپس کر دیا گیا۔ تو شہوار کو تشویش ہوئی۔

کھانے کی بہت قیمتی اور طویل میز بھی موجود تھی جس کی بارہ کرسیاں ہمیشہ آرائشی چیزوں کا سا منظر ...یش کرتیں۔ کیونکہ جب سے آغا جان صاحب، صاحبِ فراش ہوئے تھے، پرہیزی کھانا وہ بھی صرف ...ے کی حد تک، اپنے کمرے میں ہی تناول فرماتے تھے، بھائی ہمیشہ گھر سے غیر حاضر رہتے تھے، اس ...لیے شہوار تنہا بیٹھ کر کھانا کھانے کی عادی ہو گئی تھیں، بھائی موجود ہوتے تو ان کا کھانا بھی ان کے کمرے ...میں ہی بھجوا دیا جاتا۔ اندرونِ خانہ میں تو شاذ ہی کھاتے تھے، اس پر دوسرے دن بھی انہوں نے ناشتا ...لوٹا دیا تو شہوار بڑے اہتمام سے کھانا سجا کر ان کے کمرے میں جا پہنچیں۔

"...یب دشمناں، آپ کے مزاج تو اچھے ہیں چھوٹے آغا...؟" انہوں نے بھائی کو سلام کرنے ...کے بعد سب سے پہلے یہی پوچھا۔

شہریار سمور کا فرغل نما عبا پہنے بیرونی سمت کھلی شہ نشین سے باہر کے منظر کو دیکھ رہے تھے، نو سوا نو ...کا وقت تھا، ٹھٹھری ہوئی بے جان سی دھوپ باہر کی یخ بستہ فضاؤں کو حدت پہنچانے کی ناکام سی ...کوشش کر رہی تھی، مارچ کا آدھا مہینہ گزر چکا تھا، پھر بھی سردی کا یہ عالم کہ دانت سے دانت بجتا تھا۔

اور شہریار نے دوسرے پردوں کو سرکا کر کھینچا کر رکھا تھا۔ اس لیے بدن کو کاٹتی ٹھنڈی ہوا کمرے میں گھسی ...آ رہی تھی۔ بہن کے اچانک آ کر سوال کرنے پر بھی انہوں نے مڑ کر ان کی طرف نہیں دیکھا، بلکہ باہر ہی ...نظریں مرکوز کیے ہوئے، دونوں بہن بھائی اپنی مادری زبان پشتو میں گفتگو کر رہے تھے، جبکہ فارسی پر ...بھی انہیں پورا عبور حاصل تھا۔

"ہاں خدا کا فضل ہے۔" بڑا عجب سا لہجہ تھا، بے رُخی اور بیگانگی برس رہی تھی۔ شہوار نے دل ہی دل ...میں حیران ہو کر پوچھا۔

"تو پھر آپ نے ناشتا کیوں نہیں کیا، کل بھی آپ نے ناشتا لوٹا دیا تھا۔"

"ہاں اشتہا نہیں تھی۔" اسی بے ربط سے لہجے میں جواب ملا۔

"کل بھی نہیں تھی اور آج بھی نہیں۔" شہوار نے جھجکتے ہوئے بڑا مختصر سا سوال کیا۔ اور جواب میں ...شہریار نے پلٹ کر بس ایک نگاہ انہیں دیکھا۔ بھائی کی نگاہوں سے ہویدا ناگواری نے انہیں سہما کر رکھ ...دیا، نہ جانے کیا بات ہے کہیں مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔ انہوں نے دل میں سوچا۔ اور جی ...کڑا کر کے بولیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

"آپ چائے پئیں گے چھوٹے آغا؟"

"ہوں...... بنا دو......" انہوں نے قدرے توقف سے جو کہا تو ایک صوفے پر بیٹھ کر انہوں [illegible] اپنے آگے سرکائی اور خوشی خوشی بھائی کے لیے چائے بنانے لگیں۔ پھر پیالی ان کے ہاتھ [illegible] بولیں۔

"زیادہ نہیں تو تھوڑا سا کچھ چکھ لیں، چھوٹے آغا، نہار منہ چائے پینے سے معدے [illegible] ہو جاتی ہے۔"

"نہیں بس، یہ چائے ہی کافی ہے۔" جواب وہی روکھا پھیکا سا ملا۔

"پلیز، چھوٹے آغا، میری خاطر تھوڑا سا ہی چکھ لیجیے۔ دیکھیے میں نے بھی آپ کی وجہ [illegible] نہیں کیا۔" شہوار قدرے عاجزی سے کام لے کر بولیں تو شہریار نے ان کی طرف گھوم کر کہا۔

"تمہارے ناشتا نہ کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ جبکہ میں تو کبھی بھی صبح کا ناشتہ کرتا ہی نہیں [illegible] تم میرے ساتھ ناشتا کرنے کی عادی ہی کب ہو؟" ان کے چہرے سے ہنوز بیزاری ہویدا تھی [illegible] شیو اور نستا نستا سا چہرہ صاف غماز تھا، کہ نہ تو وہ فوری طور پر کہیں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، نہ پچھلا [illegible] کہیں باہر ہی نکلے ہیں، بھائی کی بات پر شہوار اپنی خفت چھپاتی ہوئی بولیں۔

"میں ذرا جلد ناشتا کرنے کی عادی ہوں۔ لیکن کل آپ نے ناشتا کیا نہ کھانا کھایا۔ اس [illegible] آپ کی طبیعت کی طرف سے تردد ہوا تو میں نے سوچا۔ آج میں بھی آپ کے ساتھ ناشتے [illegible] کرلوں گی۔" شہوار نے بات بنانے کی کوشش کی تھی [illegible]۔

شہریار نے بنا کوئی تاثر دیے پیالی منہ سے لگا کر ایک گھونٹ لیا، وہ ابھی تک اپنی جگہ پر [illegible] تھے، البتہ ان کا رخ ضرور بہن کی طرف تھا۔ ٹرالی میں نہ جانے کیا کیا بھرا ہوا تھا، بورچیا ایک [illegible] جیم، دلیہ، ٹوسٹ، مکھن سے لبریز کرسٹل کٹ، بٹر [illegible] میں چک بچک پراٹھے اور پھل اور [illegible] مرغوب ترین میوہ، بھنے ہوئے کاجو پھل۔

"یہ ناشتا تو ہرگز نہیں، کسی ضیافت کا سامان ہے پورا۔" شہریار نے ایک نظر ٹرالی پر ڈالتے [illegible] کہا۔

"لیکن ناشتے پر تو عموماً یہی چیزیں ہوتی ہیں، چھوٹے آغا اور میں نے تو آپ کے لیے شامی [illegible] بھی بنوائے ہیں۔ یہ دیکھیے کیسے گرم گرم اور خستہ ہیں، آپ ہی انصاف کیجیے، اور محترم جب آپ [illegible] کھائیں گے تو پھر ہمارا دل کیسے کچھ کھانے کو چاہے گا۔"

اور بہن کی یگانگت پر بھائی کا سنجیدہ اور نستا نستا چہرہ شگفتہ ہو گیا، قدرے تامل کے بعد بہن سے [illegible] ہوتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"اچھا لاؤ کیا کھلا رہی ہو میری ننھی بہن۔" انہوں نے بڑے دلار سے کہا، اور ان کے برابر [illegible] صوفے پر بیٹھ گئے۔

"ہر نعمت موجود ہے برادرم جو آپ کا دل چاہے نوش فرمائیں۔" بہن خوش ہو کر بولیں، اور [illegible] بھائی کے آگے سرکا کر نیپکن ان کی گود میں بچھا دیا۔

"ہوں...... ہر نعمت تو کیا، البتہ بعض نعمتیں ضرور موجود ہیں۔" شہریار نے سوچتے ہوئے اند[illegible]

کوارٹر پلیٹ ان کے آگے بڑھا دی۔

"اگر طبیعت ناساز ہے تو ڈاکٹر کو دکھا دیجیے نا چھوٹے آغا۔" انہوں نے اپنے ہاتھ سے بھائی کو پلیٹ میں کانٹے سے کباب ڈالتے ہوئے کہا۔ اور اپنے لیے توس پر مکھن لگانے لگیں۔

"نہیں شہوار۔ طبیعت پر گرانی ضرور ہے مگر ایسی نہیں کہ ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے۔ میرے خیال میں تو پرسوں ڈنر میں کچھ کھانے میں بد احتیاطی کی وجہ سے یہ شکایت ہو گئی ہے۔" شہریار نے ٹرالی کی بالائی ٹرے سے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں چھوٹے آغا۔" شہوار نے ان کی بات پر تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد کہا۔

"ہوں ہوں، کیا بات؟" شہریار نے پیالی کو ہونٹوں سے ہٹا کر پوچھا۔

"آغا جان کے آپریشن کا امکان تو ہے نا چھوٹے آغا؟" شہوار نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن یہ تو میں تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" شہریار پیالی خالی کر کے اسے ٹرالی پہ رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھ کر بولے۔

"جی ہاں، پھر بھی مجھے اطمینان نہیں ہوا آپ چند روز سے اس قدر فکر مند جو نظر آ رہے ہیں۔" شہوار نے ان سے نظریں چرا کر آخر دل کی بات کہہ ڈالی، کیونکہ وہ کئی روز سے بھائی کو خاموش خاموش سا دیکھ رہی تھیں، اور دو دن سے تو ان کی اس خاموشی میں ایک یاسیت سی محسوس ہو رہی تھی، اور شہوار نے اسے باپ کی طرف سے فکرمندی پر ہی محمول کیا تھا، بہن کے جواب پر شہریار نے پلیٹ ٹرالی میں رکھ کر نیپکن سے منہ صاف کیا اور بولے۔

"تم اپنے ننھے سے ذہن کو ایسے الٹے سیدھے خیالات سے پراگندہ نہ کرو، خدا کا شکر ہے آغا جان کی حالت پہلے کی نسبت اب کافی بہتر ہے اور اگر وہ اسی رفتار سے ٹھیک ہوتے رہے تو ان شاء اللہ اگلے ماہ ہم انہیں لے کر یورپ روانہ ہو جائیں گے۔" شہریار ایک دم ہی اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

"کیا واقعی چھوٹے آغا؟" شہوار نے خوش ہو کر پوچھا اور شہریار ان کے بچکانہ سے انداز میں سوال کرنے پر صرف مسکرا کر رہ گئے۔

"لیکن آپ نے تو کچھ بھی نہیں کھایا، یہ شامی کباب بھی واپس رکھ دیا۔ اچھا یہ سیب ہی کھا لیجیے۔" انہیں فوراً ہی بھائی کے کچھ نہ کھانے کا خیال آیا تو انہوں نے کہا۔

"نہیں بس شکریہ۔ اب تو دوپہر کا کھانا ہی کھاؤں گا...... ساڑھے نو ہو رہے ہیں، اب ناشتے کا وقت بھی کہاں رہا۔" شہریار بولے اور شہوار خاموشی سے انہیں ملازمہ کو بلایا اور بھائی کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

شہریار بڑی مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے، انہوں نے جلد ہی اپنے اضطراب پر قابو پا لیا تھا۔ اور ان خیالات کو بھی ذہن سے نکال پھینکا تھا، جن کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی تھی، اور ایک ہفتے میں سے باقی کے پانچ دن نہایت سکون اور مزے سے گزار رہے تھے، اور اس روز سہ پہر کو وہ اپنی کار لے کر گھر سے نکلے تو چھاؤنی ایریا کے قریب سے گزرتے ہوئے انہیں یونہی سا ایک خیال گزرا کہ اس روز شفق نے انہیں گھر آنے کی دعوت دی تھی، جسے قبول کرنے کے بجائے انہوں نے کوئی دوسری بات کہہ کر ٹال دیا تھا۔ یہ سوچ کر اس دن تو میں ازراہ اخلاق چلا گیا تھا، کہ باقاعدہ طور پر مجھے شادی کی دعوت

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

نامہ ملا تھا، مگر اب ان لوگوں کے یہاں بلا ضرورت کیوں جاؤں، اور پھر میری ان لوگوں سے نسبت... نہ اپنے اسٹینڈرڈ کے ہیں۔ نہ اپنے مذاق کے۔ اور میری یہاں جو حیثیت ہے۔ اس سے یہ لوگ واقف ہیں۔ اور یہ بات درست بھی تھی، وہ آغا پور کے جاگیردار کے بیٹے تھے، اور یہ سب ان کی رعیت، وہ ان کے ہزار بلاوے پر ان کی محفلوں میں جاتے بھی بہت کم تھے، اور اس وقت اتنی بے تکلفی سے گھر آنے کی دعوت دینا انہیں ناگوار گزرا تھا مگر یہی سوچ کر کہ آصف کی بہن آداب و اخلاق سے واقف نہیں، انہوں نے اپنی ناگواری پر قابو پا لیا تھا، مگر اس وقت چھاؤنی ایریا سے گزرتے ہوئے ایک خیال سا آیا تو انہوں نے سوچا۔ آصف کی بہن نے کتنی سادگی سے انہیں گھر کی دعوت دی تھی، جبکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ایک بار ان کے گھر کی دہلیز تک آ چکے ہیں۔ اسی خیال کے تحت انہوں نے سوچا کہ عزت تو غریب اور امیر سب ہی کی برابر ہوتی ہے شہر یار... لوگ تو خاصے متمول بھی ہیں۔ آصف کی بہن بڑی ملنسار اور خوش اخلاق لگتی ہیں۔ شریف اور ایسے لوگ ہیں، اس لیے سوسائٹی موو کر لیتے ہیں۔ ورنہ ہمارے خاندان کی خواتین پر تو بڑی بے جا پابندیاں عائد ہیں۔ اور پھر تقریباً سبھی پردے دار ہیں۔ جن کی ایک جھلک بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن ترقی یافتہ دنیا کا تو چلن ہی کچھ اور ہے۔ بیرونی ممالک میں عورت کی بے حجابی کے کیا کیا روپ نہیں دیکھے۔ مشرق میں تو روایتوں کا پاس بھی ہوتا ہے، اور روایتوں کی پابندی کا اطلاق بھی۔ بہر حال، انا ؤں کا ہے کہ ہمیشہ اپنے سے نیچے کو دیکھنا چاہیے۔ اور یہ بھی تو ایک تفریح ہی ہوگی۔ کہ جاگیردار کا بگڑا ہوا دماغ بیٹا اپنے سے کم حیثیت لوگوں کے یہاں پہنچ جائے گا۔ اور پھر وہ بے فخر سے ایک ایک کے، پرنس شہر یار نے ہمارے غریب خانے کو عزت بخشی اور یہی سب سوچ کر انہوں نے چھاؤنی بہت آگے نکل آنے کے باوجود کار کو ریورس دے کر چھاؤنی کی طرف موڑ لیا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ میجر صاحب کے بنگلے کے پورٹیکو میں گاڑی روکے کھڑے تھے، جہاں اس دن کی طرح الو بول رہا تھا مگر کار رکنے کی آواز شاید سن لی گئی تھی، کچھ ہی دیر بعد گل اندر سے برآمد ہوا تھا۔ سرحدی لڑکا تھا، جو الٹا پشتو میں آصف کے بارے میں استفسار کیا گیا ہے تو نہال ہو گیا۔ اور بڑے ادب سے ان کے سوالات کا جواب دے کر ان کی طرف کا دروازہ کھولا۔ اور بڑے احترام کے ساتھ انہیں ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا۔ پھر دوڑا دوڑا اندر پہنچا۔ معلوم تو تھا ہی نہیں کہ کون آیا ہے۔ بس خوشی کا اظہار کرتے ہوا بولا۔

''اک بڑا بڑا صاب آیا ہے بی بی۔ ام اس کو گول کمرہ میں بٹھایا۔''

''ہے ہے کس کو بٹھا دیا تم نے ڈرائنگ روم میں، کیا اس کا نام نہیں پوچھا۔ پتا نہیں تم کو کب عقل آئے گی۔'' شفق بغیر اجازت لیے کسی کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دینے پر جھلا کر بولیں۔

''او ہمارا بڑا دار اے بی بی۔'' گل نے دانت نکال کر بتایا۔ طوبیٰ بھی وہیں آ کھڑی ہوئی تھی۔ شفق ماتھے پر ہاتھ مار کر اس سے بولیں۔

''اے ہے، لو سنا تم نے طوبیٰ، یہ گل اپنے بھائی بند کو ڈرائنگ روم میں بٹھا آیا ہے، حد ہو گئی بھئی اس بن کی۔''

''او گاڑی میں آیا ہے۔ ایک مرتبہ پہلے بھی آیا تھا بی بی۔'' گل شفق کی باتوں سے کچھ پریشان ہو کر بولا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے یہ گل صاحب کسی کو عقیدت میں بھائی بنا کر پیش کر رہے ہیں، انہیں بھیج کر ذرا نام تو پچھوا دیجیے، ان صاحب کا۔'' طوبیٰ نے رائے دینے کے انداز میں کہا۔

''اچھا ٹھہرو، میں خود ہی جا کر دیکھے لیتی ہوں، اگر اس کا کوئی بھائی بند ہی ہوا تو اس بے چارے کی بھی تھوڑی سی تواضع کر دینا گے۔'' شفق بولیں، اور گل کو لے کر ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ طوبیٰ بھی مسکراتی ہوئی ان کے پیچھے ہولی، ڈرائنگ روم کے دروازے پر رک کر شفق نے پردے کو تھوڑا سا سرکا کے پہلے سے اندر جھانکا اور یوں پیچھے ہٹیں کہ پیچھے کھڑی طوبیٰ سے بری طرح ٹکرا گئیں۔

''پرنس آئے ہیں۔'' انہوں نے طوبیٰ کے بازو کا سہارا لے کر بڑے راز دارانہ انداز میں کہا تو گھڑی بھر کو تو وہ بھی بھونچکا سی رہ گئی، دل بھی بڑے زور سے دھک دھک کرنے لگا۔

''میرے کپڑے تو ٹھیک ہیں نا... ہیں نا؟'' انہوں نے جھک کر نائلون جارجٹ کی سیاہ پرنٹ کی ہوائی ساڑھی پر نظر ڈالتے ہوئے اس کی رائے لینے کے سے انداز میں پوچھا، اور پھر... بال درست کرتی ہوئی بولیں۔

''لیکن تم اپنا حلیہ درست کر لو، جاؤ جلدی سے ساڑھی باندھ آؤ۔'' انہوں نے طوبیٰ کے ملگجے سے شلوار سوٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن میرا جانا ایسا کیا ضروری ہے بجیا... آپ ہی۔''

''نہیں بھئی تمہارا جانا تو بہت ضروری ہے۔ معلوم بھی ہے کہ اس وقت آصف صاحب بھی کہیں غائب ہیں... جاؤ شاباش جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔'' شفق نے اس کی بات کاٹ کر عجلت بھرے انداز میں کہا اور ساڑھی کا پلو درست کر کے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے رکھتے کچھ خیال آیا تو گل سے بولیں۔

''چلو تم جا کر جلدی سے چائے تیار کراؤ۔ اور باورچی خانساماں سے کہہ دینا کہ دو چار عمدہ چیزیں ضرور ساتھ بھیجے!'' پھر وہ پردہ سرکا کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئیں۔ شہر یار ابھی تک اسی داخلی دروازے کے آگے کھڑے تھے جس سے اندر داخل ہوئے تھے اور سامنے دیوار پر لگی ایک مشہور فرانسیسی مصور کی بنائی ہوئی بڑی سی پینٹری کو دیکھ رہے تھے مگر دل میں اپنے اس طرح بلا اطلاع اور بغیر اپائنٹمنٹ چلے آنے پر کچھ پشیمان سے ہو رہے تھے یا بمعنی دیگر بڑا آکورڈ سا محسوس کر رہے تھے شفق نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی کہا۔

''ہیلو... آداب عرض ارے آپ کھڑے کیوں ہیں، تشریف رکھیے۔'' تو جواب میں انہوں نے شفق کے تپاک پر بڑی سرد مہری کا اظہار کیا۔

''وعلیکم السلام، کیا آج بھی آصف صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں...؟'' انہوں نے سپاٹ سے لہجے میں کہا یا پوچھا۔

''آج بھی سے آپ کی مراد؟'' شفق نے ہلکے سے مسکرا کر بڑی ادا سے پوچھا۔

''اصل میں ایک مرتبہ پہلے بھی آنے کا اتفاق ہوا تھا تو وہ کہیں غائب تھے۔'' شہر یار نے روکھے پھیکے سے لہجے میں بتایا، تا کہ ان کا اچانک آ جانا شفق کے لیے تجسس کا باعث نہ بن جائے۔ شفق پر اس وقت ان کی اہمیت اور مرتبے کا احساس غالب تھا، ان کی اگر شہر یار سے بے تکلفی ہوتی تو وہ یقیناً تقدیم کے طور پر کوئی ''وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے'' کا شعر پڑھتیں، مگر ان کا دل تو کہہ رہا

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تھا۔ انہوں نے بڑے انکسار سے کام لیتے ہوئے بڑی عقیدت سے کہا۔

''اوہو! لیکن ہم تو موجود ہیں آصف بھی آجائیں گے' آپ تشریف تو رکھیے۔ گو یہ نشست آپ کے شایانِ شان نہیں لیکن۔'' انہوں نے گردن کو ہلکے سے خم دے کر گویا باقی فقرہ پورا کر دیا۔

''ارے نہیں خاتون' ناحق شرمندہ کرتی ہیں آپ' میں تو آپ کے ہی بلانے پر یہاں موجود ہوں' بہرحال آپ تشریف رکھیے' میں بھی بیٹھ ہی جاؤں گا۔'' اور شفق کے بیٹھتے ہی وہ بھی ایک صوفے پر بیٹھ گئے' اور شفق ان کے والد کی خیریت پوچھنے لگیں' پھر باتیں کرتے کرتے کوئی خیال آیا تو انہوں نے تالی بجا کر گل کو بلایا۔

''چھوٹی بی بی کو بھیجو گل' وہ پتا نہیں کہاں رہ گئی ہیں۔'' گل کے آتے ہی شفق نے کہا' اور گل تابع داری سے طوبیٰ کو بلانے چل دیا۔

شفق و طوبیٰ کا زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا' تھوڑی دیر بعد وہ آ گئی تھی' ایک نمایاں سی چوب لیے آسمانی سمت کریب کے شلوار سوٹ میں ملبوس جس پر کشمیری کشیدہ کاری کا نفیس کام بنا ہوا تھا' جس پر اس نے آسمانی سے کھلا فر کا ہاف کوٹ پہن رکھا تھا جو میجر صاحب اسی کے لیے کابل سے لائے تھے کے ہم رنگ ایک جارجٹ کے دوپٹے میں اس کا حسین چہرہ کچھ زیادہ ہی نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔ شہریار کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تو چند ثانیوں کو جم کر رہ گئی' جبھی کشمیری پلکوں پر ہلکا سا ارتعاش ہوا' جو ہوئے انداز میں ان کی طرف دیکھنے سے پیدا ہو رہا تھا' رخساروں پر چھیلتی شفق اور گداز اور گلابی ہونٹوں پر چھتا ہوا دلکش شوخ سا تبسم۔ جیسے صبحِ ازل میں حسن کا پہلا تخلیقی شاہکار ہو۔

''بیٹھو بھئی۔ کہاں رہ گئی تھیں کہ باقاعدہ طور پر بلانا پڑا۔'' شفق اس کے اس قدر شرمانے سے قدرے آکورڈ سا محسوس کر کے بولیں۔

''امی جان کی دوا کا وقت ہو گیا تھا نا۔ انہیں دوا پلانے میں لگ گئی تھی۔'' طوبیٰ نے بیٹھتے ہوئے اتنے آہستہ سے کہا کہ شہریار اس کی پوری بات بھی ڈھنگ سے نہ سن سکے' وہ بھی طوبیٰ کے بیٹھتے ہی پھر بیٹھ گئے تھے' انہوں نے شفق سے پوچھا۔

''کیا آپ کی والدہ کچھ علیل ہیں؟''

''جی ہاں انہیں دل کا عارضہ ہے' لیکن اب تو ان کی۔ طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔'' شفق نے جواب میں بتایا' پھر بولیں۔

''اصل میں تو امی جان کی آدھی مسیحا تو یہ میری بہن ہیں۔ سب سے زیادہ یہی امی جان کا خیال رکھتی ہیں۔'' شفق نے طوبیٰ کی کارکردگی کو سراہا۔

''آپ کی صرف یہی ایک بہن ہیں؟'' شہریار نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''جی ہاں فی الحال تو یہی ایک بہن ہے۔'' شفق نے معنی خیز سی شوخی سے طوبیٰ کی طرف دیکھ کر کہا' اور پرنس کے پلے کچھ بھی نہ پڑ سکا۔

''ارے یہ گل کہاں رہ گیا۔ پلیز ذرا ایک منٹ کے لیے مجھے اجازت دیں' میں ابھی آئی۔'' شفق کو یکایک پرنس کی خاطر داری کا خیال آیا تو اٹھتی ہوئی بولیں۔

''وہ ٹرالی تیار کر رہا ہے' میں خود دیکھ کر آئی ہوں بجیا۔ چائے لا ہی رہا ہوگا۔ آپ بیٹھ جائیں۔'' طوبیٰ نے ان کے اٹھ کر جانے کے خیال سے گھبرا کر سرگوشی کی۔

''نہیں بھئی' سخت احمق الذی ہے۔ بغیر میرے کام نہیں چلے گا۔'' شفق نے بھی آہستہ سے جواب دیا۔ اور پرنس سے ایک بار پھر معذرت کر کے باہر نکل گئیں۔ اور نہ جانے کیوں ان کے جانے سے طوبیٰ اتنی ہراساں ہوئی کہ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔ وہ شہریار سے اپنے تاثرات چھپانے کی غرض سے اپنا چہرہ جھکا کر بیٹھ گئی' دونوں آمنے سامنے تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھے تھے اور دونوں ہی کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ایک جستجو سی ابھر رہی تھی۔ شہریار نے تو صحیح معنوں میں اس وقت اسے اتنے قریب اور غور سے دیکھا تھا مگر یوں جیسے کسی خوبصورت سی چیز کو اس کی اسی صفت کی وجہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اصل میں ان کی مضبوط قوتِ ارادی اور مستقل مزاجی ان کے اپنے اصولوں اور ضابطوں سمیت ان کے خیالوں کی راہ میں حائل ہو رہی تھی' اس لیے ان کی نظروں سے پسندیدگی اور جستجو کے ساتھ ساتھ اجنبیت ہی ہویدا تھی' جبھی تو طوبیٰ پر ایک نظر غائر ڈال کر انہوں نے نظریں کترالی تھیں' لیکن تقریباً ہر انسان کے دل کی دنیا اس کے تصورات اور نظریات سے ماورا ہوتی ہے' اور شہریار کا دل بھی اسے بار بار دیکھنے کو مچل رہا تھا۔ شفق ابھی تک نہ لوٹی تھیں اور طوبیٰ پر ایک ایک لمحہ بوجھل ہو کر گزر رہا تھا' ایک ایک گھڑی بڑی صبر آزما سی ثابت ہو رہی تھی' اس کے لیے یہ کتنی بڑی ستم ظریفی تھی کہ جس کا ایک خیال وہ اپنے دل و دماغ سے نکال پھینکنے کی کوشش میں نڈھال ہوئی تھی۔ وہ خود ہی اپنے زندہ وجود کے ساتھ پھر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

بات تو کیا اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہ کر سکتی تھی' مگر جب نہایت غیر ارادی طور پر بھی بھی پلکیں اوپر اٹھیں تو سیدھی انہی کی نگاہوں سے جا ٹکرائیں اور وہ اس اتفاقی ٹکراؤ سے سنبھلنا ہی چاہ رہی تھی کہ شہریار نے پوچھا۔

''یہاں کی سردی تو آپ کے لیے یقیناً تکلیف دہ ثابت ہو رہی ہوگی۔'' شہریار کو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ عرصے سے یہیں رہ رہی ہے یا کہیں اور سے آئی ہے' انہوں نے تو محض بات کی ابتدا کرنے کی غرض سے پوچھا تھا۔ مگر طوبیٰ کو ان کی اس بات پر خاصا اچنبھا ہوا۔ اس نے اپنے مخصوص دھیمے اور شیریں سے لہجے میں کہا۔

''جی نہیں' اتنی زیادہ تو نہیں محسوس ہوتی کہ تکلیف دہ ثابت ہو۔''

''آصف کیا آج کل مستقل طور پر یہیں مقیم ہیں؟'' انہوں نے دوسرا سوال کیا مگر بڑے بے ربط سے انداز میں۔

''نہیں چھٹی پر ہیں۔'' طوبیٰ نے مختصر سا جواب دیا۔ اور پھر خود شہریار کی سمجھ میں نہ آیا' کہ اس سے اور کیا کہیں' خود طوبیٰ ہی نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''آپ کے والد کیا بہت علیل ہیں؟''

''نہیں بلکہ تھے' اب تو ان کی حالت قدرے اطمینان بخش ہے۔'' شہریار نے جواب میں کہا' جبھی شفق آ گئیں۔ اور ان کے ساتھ ہی گل بھی ٹرالی لیے آ پہنچا۔ اور شفق ان کی خاطر تواضع میں لگ گئیں۔ مگر باوجود اصرار کے شہریار نے کچھ کھایا نہیں' بس چائے ہی پی۔ چائے کے دوران شہریار ان سے شوکت حسین کے بارے میں پوچھتے رہے اور کچھ ہی دیر بعد واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ہوئے۔ شفق ان کا شکریہ ادا کرتی رہیں مگر طوبیٰ اس اثنا میں بالکل خاموش اور لاتعلق سی رہی۔ یہاں تک کہ شفق کے ساتھ انہیں ان کی کار تک چھوڑنے بھی نہ گئی۔ پتا نہیں کس خیال نے اسے ایسا وہمی سا کر دیا تھا کہ وہ اپنی اس کیفیت کو چھپانے کی غرض سے بڑی دیر تک باورچی خانے میں اَڈجسٹ کرتی رہی۔

مگر شفق تو شہریار کے اچانک آ جانے سے ایسے خوش ہو رہی تھیں، جیسے انہیں کوئی بہت ہی بڑا اعزاز مل گیا ہو۔ بار بار ماں سے یہی ذکر، شہریار کی تعریفیں اور ان کی خوبیاں گنوائے جا رہی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح آصف کو کہیں سے پکڑ کر لے آئیں اور انہیں بھی یہ چونکا دینے والی خبر سنا دیں کہ چھوٹے جاگیردار آئے تھے، وہ بھی تم کو پوچھتے..... شفق کا شہریار کی آمد کو اس قدر اہمیت دینا کچھ بے جا بھی تو نہیں تھا۔ شہریار واقعی بڑے بڑوں کے یہاں نہ جاتے تھے وہ بھی اس طرح بن بلائے اور بلا اطلاع دیے۔

اس روز رات کو آصف کچھ جلد ہی آ گئے تھے، بلکہ ان دنوں باپ کی غیر موجودگی کی وجہ سے وقت سے کچھ پہلے ہی آ جاتے تھے، شفق اس وقت صوفیہ بیگم کے کمرے میں ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ آصف نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ انہیں دیکھتے ہی بولیں۔

''لیجیے امی جان یہ آپ کے صاحبزادے اب نکل کر آئے ہیں؟''

''لیکن امی جان آخر معاملہ کیا ہے جو آج آتے ہی میری خیریت پوچھی جا رہی ہے۔'' آصف ماں اور بہن کی باتوں سے گھبرا کر پوچھا۔

''معلوم بھی ہے آج کون آیا تھا۔'' شفق نے بڑی فوقیت جتاتے ہوئے کہا۔

''اب مجھے کیا معلوم اور نہ مجھ پر الہام ہی ہوتا ہے کہ فوراً ہی بتا دوں، کہ کون آیا تھا، ہاں انداز سے یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ وہ آنے والے آپ کے شوہر محترم ہی ہو سکتے ہیں۔'' آصف بولے۔

''ارے نہیں، شوہر محترم نہیں، پرنس شہریار آئے تھے.....'' شفق کو اب چھپانا مشکل ہو گیا تو انہوں نے آخر بتا ہی دیا۔

''پرنس شہریار؟'' آصف نے بہت چبا کر یہ الفاظ کہے۔

''اچھا مذاق ہے، یہ عارف کی طرح آپ بھی۔'' آصف نے بہت سنجیدہ ہو کر کہنا چاہا مگر شفق ان کی بات کاٹ کر بولیں۔

''ارے بھئی مذاق کیسا، امی جان سے پوچھ لو۔ واقعی پرنس آئے تھے۔''

''ہاں ہاں چھوٹے جاگیردار آئے تھے۔ بھلا اسے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا پڑی ہے۔'' صوفیہ بیگم نے چیخ کر کہا۔

''محال ہے وہ کیسے آ گئے؟ میرا مطلب ہے بنا بلائے اور بغیر اطلاع کیے؟'' آصف پھر بھی بے یقینی سے انداز میں بولے۔

''ہاں تعجب تو اسی بات پر ہے۔ ویسے اس روز کلب میں ان سے ہماری ملاقات ہوگئی تھی شاید اس لیے آ گئے ہوں گے۔'' شفق نے آصف پر طاری استعجاب کو کم کرنے کی غرض سے کہا۔

''ہوں...'' آصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ انہیں گھر پر موجود نہ ہونے کا افسوس سا ہو رہا تھا۔

''اب یہاں ان کے شایانِ شان ریسیپشن بھی تو نہ ہوا ہوگا؟'' آصف قدرے توقف کے بعد

بولے۔

''بھئی جس قدر ممکن ہو سکا میں نے ان کے حسبِ مراتب ان کا استقبال بھی کیا تھا۔ اور خاطر بھی اگر تمہارے پرنس کچھ بہت ہی انکھل کھرے واقع ہوئے ہیں۔ بات بھی ایسی ناپ تول کر کرتے ہیں جیسے کچھ بھی کمی بیشی ہوئی تو غضب ہی ہو جائے گا۔'' شفق نے شہریار کی بردبار فطرت پر تنقید کرتے ہوئے کہا۔

''اوہو بھئی ان کا آنا ہی کیا کم بڑی بات ہے بجا کر، بات چیت کرنا۔ اصل میں وہ بڑے ہی بردبار قسم کے آدمی ہیں۔''

آصف نے شہریار کی اہمیت جتاتے ہوئے کہا۔

''خیر اب تمہیں ریٹرن کال ضرور کرنی چاہیے۔'' شفق نے رائے دی۔

''ہاں ہاں۔ کسی دن ان کے یہاں بھی جاؤں گا۔'' آصف بولے۔

''نہیں بھئی۔ میں تو اس خیال سے کہہ رہی تھی کہ کہیں تم اپنے چکروں میں بھول نہ جاؤ۔ تمہیں ایک دو دن میں ہی ان کے یہاں جانا چاہیے۔'' شفق نے مسکرا کر کہا۔

''اسے کیسے چکر؟ کیا وہ سارا دن گھر ہی بیٹھتا ہے جو فرصت نہیں ملے گی۔ وہ تو صرف یہ گھر ہی اسے کاٹتا ہے۔'' صوفیہ بیگم پھر ترخ کر بولیں۔

''لیجیے یہ بھی خوب ہے۔'' آصف ناگواری سے بولے۔ اور اٹھ کر چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔

''لو دیکھا تم نے شفق۔ ایک ذرا سی بات نہ سنی گئی۔ اور صاحبزادے نخرہ کر کے کمرے سے چل دیے۔ خیر میری تو وہی مثل ہے۔ کہ سچی بات سعد اللہ کہیں اور سب کے من سے اترے رہیں۔ میں تو کھری بات کہتی ہوں۔ اور اس بچے کے دماغ تو تمہارے باوا نے چڑھائے ہیں۔ اسے لو بھلا تاک پہ مکھی تک بیٹھنے نہیں دیتا۔'' صوفیہ بیگم آصف کے نوراً ان اٹھ کر چلے جانے پر بکھری بیٹھی رہیں۔

☆.....☆.....☆

دن ہوا کی طرح گزر رہے تھے، اور مارچ کا مہینہ ختم ہونے کو ہی تھا۔ آصف بھی تین چار روز بعد پشاور جانے والے تھے کیونکہ ان کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں اور اب مزید چھٹی لینے کا امکان ہی نہ تھا۔ میجر صاحب بھی ابھی اپنے مشن سے واپس نہ ہوئے تھے، آصف حسبِ معمول سارا سارا دن گھر سے غائب رہتے، البتہ رات کو شروع شروع ساڑھے نو بجے تک گھر آ جاتے، اس روز ماں کی گفتگو کے بعد سے انہوں نے ماں کے سامنے پڑنا بھی کم کر دیا تھا ادھر شفق بھی اب اپنے شوہر کے آنے کا ایک ایک دن گن رہی تھیں ان کے اندازے کے مطابق تو بہت تھوڑے سے دن رہ گئے تھے۔ شوکت حسین کے آنے میں، ادھر سب کا رنگ دیکھ دیکھ کر ان لوگوں کی طرف سے الگ فکر سوار تھا۔ یہ گھر اب ان کو کاٹنے کو دوڑتا محسوس ہوتا تھا۔ کئی روز سے کلب جانے کا سوچ رہی تھیں۔ کیونکہ وہاں تقریباً سب ملنے والوں سے ہی ملاقات ہو جایا کرتی تھی، مگر اس ڈر سے نہیں گئی تھیں کہ کہیں آصف ان کے ساتھ وہاں موجود نہ ہوں اور طوبیٰ کو ساری باتوں کا علم ہو جائے اور اُس کے بغیر تنہا ان کے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ادھر ماں کو بھی تنہا چھوڑ کر جانا مناسب نہیں لگتا تھا۔ اس لیے بس سوچ کر ہی رہ جاتی تھیں کہ ایک دن

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اچانک ہی کرنل مظہر کے یہاں سے ڈنر کا دعوت نامہ آ گیا۔ وہ تو سمجھیں کہ روبی کی منگنی یا سالگرہ کا بلاوا ہوگا۔ جو باقاعدہ کارڈ بانٹے گئے ہیں۔ مگر کارڈ کا مضمون پڑھ کر پتا چلا کہ یہ ڈنر پرنس شہریار کے اعزاز میں ہو رہا ہے۔ بس پھر کیا تھا بلا تامل اس ڈنر میں شرکت کرنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ حالانکہ بڑا وقت کے وقت بلاوا ملا تھا اسی دن، جس رات کو ڈنر تھا۔ کرنل مظہر کا ملازم دوپہر کو یہ بلاوا یا دعوتی کارڈ لایا تھا اور شفق نے کھڑے کھڑے ہی جانے کا تہیہ کر لیا۔ اور طوبیٰ سے بولیں۔

"بھلا دیکھو تو اتنے پالشڈ لوگ ہیں اور اس قدر ان ٹائم بلاوا دیا ہے کہ جی چاہ رہا ہے گول ہی جاؤں۔"

"ہاں تو وہ کرنا ہی چاہیے، آخر اتنی تیاری کی ہے، کہ کارڈ بھی چھپوا لیے تو کم از کم ایک دو دن پہلے ان لوگوں کو انویٹیشن دینا چاہیے تھا۔" طوبیٰ اپنا خیال ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

"کیا تم نے کارڈ..... پڑھ لیا؟" شفق نے پوچھا۔

"نہیں! کیا کوئی خاص بات ہے؟" طوبیٰ نے شفق کو اپنی بات نظر انداز کرتے دیکھ کر پوچھا۔

"پھر تو پہلے پڑھ ہی لو۔" شفق بولیں۔ اور طوبیٰ نے مسہری کی سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا دعوتی کارڈ اٹھا کر اس پر ایک نظر ڈالی اور کچھ توقف کے بعد بولی۔

"تقریب تو بہر حال کسی نہ کسی وجہ سے ہی کی جاتی ہے، اگر پرنس کے اعزاز میں بھی ہے تو بھی ایک ہی بات ہے۔"

"ہاں ہے تو سہی۔ مگر..... معلوم بھی ہے کہ کس وجہ سے ہے؟" شفق نے ایک دم ہی بات گھمائی۔

"لیجیے بھلا مجھے کیا معلوم۔" شفق کے اس بے تکے سوال پر طوبیٰ کے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔

"ہاں واقعی تمہیں کیا معلوم، لیکن یہ کرنل مظہر بھی بڑے ڈپلومیٹ قسم کے انسان ہیں۔ پرنس کو پھانسنا چاہ رہے ہیں۔ آصف بتا رہے تھے۔ کہ روبی سے ان کا آج کل بہت زبردست افیئر چل رہا ہے۔ میں تو کم از کم یہ ماننے کو تیار نہیں۔ پرنس نے تو بڑے بڑوں کو گھاس نہیں ڈالی تو روبی کیا چیز ہے۔ بس وقت گزاری کے لیے منہ لگا لیا ہوگا۔" شفق کہتی رہیں اور طوبیٰ کو یوں لگا جیسے انہوں نے اس کی کوئی بہت ہی عزیز شے چھن جانے کی خبر سنا دی ہو۔ دل پر ایک دھموکا سا لگا۔ اور وہ سُن سی بیٹھی رہ گئی۔ اور شفق اپنی ہی دھن میں کہتی گئیں۔

"اچھا تو کیا آپ وہاں جائیں گی؟" طوبیٰ نے پوچھا۔

"ہاں کیا مضائقہ ہے، تھوڑی تفریح ہی رہے گی۔ کم از کم یہاں گھر سے تو بہتر ہی ہوگا۔" شفق بولیں۔

"لیکن میرا جانا ایسا کیا ضروری ہے جبکہ میری کسی سے واقفیت بھی نہیں۔" طوبیٰ نے کہا۔

"واقفیت نہ بھی ہو تو یہی کیا کم ہے کہ تم آصف کی منگیتر ہو۔ اور سب تمہیں اسی حیثیت سے جانتے ہیں۔" شفق نے اسے ہچکچاتا دیکھ کر کہا۔

"لیکن پھر بھی یوں سمجھ لیجیے کہ میرا دل کہیں جانے کو چاہتا ہی نہیں۔" طوبیٰ اپنا پہلو بچانے کی کوشش میں بولی۔

"نہیں چاہتا تب بھی تمہیں دوسرے کی خاطر اپنے دل کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہیے۔ لیکن تم تو ہم

[...]اں سے کسی کو گردانتی ہی نہیں ہو۔ نہ معلوم ہم سے کون سا ایسا جرم سرزد ہو گیا ہے جو تم ہم سے اتنی [بیز]ار رہتی ہو۔" شفق کو اس کا انکار کرنا برا لگا [...] کر بولیں۔

"نہیں..... بیزار کیوں رہنے لگی بجیا۔ بس [...] اصل۔" طوبیٰ اپنی صفائی میں کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی تو شفق نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور بولیں۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔"

"نہیں، چھپاؤں گی تو کیا، البتہ سوچ ضرور رہی ہوں، کہ۔" طوبیٰ پھر خاموش ہو گئی۔

"ارے بھئی ایسا کیا سوچ رہی ہو؟ دیکھو دل میں کبھی بات نہیں رکھنی چاہیے، جو کہنا چاہتی ہو صاف صاف کہہ دو ویسے بھی تم تو بہت صاف گو ہو۔" شفق زچ سی ہو کر بولیں۔

"وہ اصل میں امی جان میرا کہیں آنا جانا پسند نہیں کرتیں تو پھر ان کی خفگی مول لینے سے کیا حاصل... مطلب ہے کہ اگر وہ پسند نہیں کرتیں تو....."

"اچھا اچھا بس سمجھ گئی۔" شفق نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ کر کہا۔ اور خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولیں۔

"اصل میں وہ تم کو اپنی بہو کی حیثیت سے دیکھتی ہیں نا اور پھر مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے ان کے مزاج میں چڑچڑا پن سا پیدا ہو گیا ہے۔ ورنہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم اکیلی تو کہیں جاتیں، میں ہی تمہیں زبردستی کھینچ کھانچ کر اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ خیر تم فکر نہ کرو میں خود امی سے کہہ دوں گی۔"

[...]نے بڑے بے تکے پن سے اپنی ماں کی ایک زیادتی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تو طوبیٰ کا دل چاہا [...]یں یہ بھی بتا دے کہ ان کی امی جان نے اس کے کلب جانے پر بڑی ناگواری سے کہا تھا کہ آج کل کی [...]وں کا دل گھر میں کب لگتا ہے اور یہاں ہوتا ہی کون ہے۔ دل بستگی کے سامان تو گھر سے باہر ہی [ہو]تے ہیں۔ اور انہوں نے تو نہ معلوم اور بھی کیا کیا کہا تھا۔ مگر طوبیٰ نے تو ان کی کہی ہوئی ایک بات بھی [شف]ق کو نہیں بتائی۔ جاننے کے باوجود بھی نہیں۔ بتانے سے حاصل ہی کیا ہوتا۔ شفق کوئی اپنی ماں کی [طبی]عت تو نہیں بدل سکتی تھیں۔ یہی سوچ کر اس نے کچھ بھی نہ بتایا تھا۔ مگر شفق کی بات پر سہم کر بولی۔

"نہیں نہیں بجیا! خدا کے لیے آپ امی جان سے کچھ بھی نہ کہیں ورنہ۔ ورنہ وہ سمجھیں گی کہ میں نے ان کی شکایت کر کے آوارگی کرنے کا بہانہ ڈھونڈا ہے۔" طوبیٰ نے کہا تو بہت محتاط سے انداز میں تھا مگر شفق سمجھ گئیں کہ ان کی ماں نے اسے سخت سست کہا ہے۔ دلدہی کے طور پر بولیں۔

"ارے نہیں، اب اتنی احمق بھی نہیں ہوں کہ تمہاری کہی ہوئی بات امی جان سے کہہ دوں۔ اور وہ دل کی ہرگز بُری نہیں ہیں۔ وہ تو بس بیماری کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ تم ان کی باتوں کا کوئی خیال ہی نہ کرو....." شفق کی بات پر طوبیٰ نے دل میں سوچا..... یہ بجیا تو سب کا دل اپنے ہی جیسا سمجھتی ہیں۔ اس دن آصف کے بارے میں بھی کچھ یہی کہہ رہی تھیں۔ ورنہ یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے کہ کون کیسا ہے؟

"اچھا اب تم ابھی سے چلنے کی تیاری شروع کر دو۔ سات بجے کا بلاوا ہے، اتنے میں ذرا امی جان کے پاس ہو آؤں۔" شفق اسے خاموش دیکھ کر اٹھتی ہوئی بولیں۔

"امی جان کے پاس" طوبیٰ نے ہراساں ہو کر پوچھا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"ہاں ہاں بھئی۔ آخر جانے کی اجازت بھی تو لینی ہے۔" شفق بولیں۔ اور بھپ سے کمرے سے نکل گئیں۔ اور طوبیٰ نے دل میں ہوتی بڑی اچھوتی سی دھڑکنوں کو محسوس کرتے ہوئے سوچا۔ "وہ شروع دن سے ہی میری پہنچ سے باہر ہے۔ اگر روبی سے بھی اس کا افیئر چل رہا ہے تو کیا خاص ہے یا پڑے گا۔ لیکن کم از کم ایک بار اور اسے دیکھنے اور اس سے ملنے کا موقع تو مل جائے گا حالات نہ معلوم اس سے ملنے اور اسے دیکھنے کی اجازت دیں یا نہ دیں۔ اور پھر اب تو بجیا بھی کہیں جانے والی ہیں ان کے جانے کے بعد تو کہیں بھی جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔" اُف کیا تھا وہ بھی۔ جس نے طوبیٰ کے قالب کے اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی کہ اس نے جلد جلدی نہائے اور جھٹ پٹ شفق کے تجویز کردہ ڈنر پر پہنے جانے والے کپڑوں پر استری بھی کر دی اور دوران تمام وقت اس پر ایک سرشاری کی کیفیت چھائی رہی۔ اندرونی خوشی نے چہرے کو بھی نکھار دیا تھا۔ موسم کی مناسبت سے شفق نے اس کے لیے گہرے طاؤسی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی اشرفی کی بوٹی پڑی تھی اور جس کا بارڈر بھی بوٹیوں سے میچ کرتا نچے تلے کا تھا، ہم رنگ بلاؤز اس کے لیے تجویز کی تھی۔ جس پر سفید فر کا چھوٹا شال جو شفق نے کہیں روز سے ان سے لیا تھا۔ پہنوائی تھی۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے اس کے دراز بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنا کر ہلکا پھلکا میک اپ کر دیا تھا۔ اور ان سارے اہتمامات کے بعد شفق نے ایک ناقدانہ سی نظر اس پر ڈال کر جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمارے گھر میں چاند اتر آیا ہے ابھی تو راتیں اندھیری ہیں۔"

"اوہ شکریہ بجیا۔ آپ تو کچھ زیادہ ہی بنانے لگی ہیں۔"

"نہیں بھئی سچ کہہ رہی ہوں۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ آج تو تم پر نظر نہیں ٹھہر رہی۔ بلکہ تمہارے سامنے تو یقیناً مجھے کمپلیکس ہی ہو جائے گا۔" شفق خوش سے ستائشی انداز میں بولیں۔

"اب اتنا بھی نہ بنائیے بجیا ورنہ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔" طوبیٰ ان کے اس قدر تعریف پر شرما کر بولی۔

"یہ شال یوں اوڑھنا کہ نیکلس نظر آتا رہے اور ہاں سنو۔ تھوڑی سی ایکٹو ہو کر رہو۔ جیسے آج کل آ رہی ہو۔ وہاں جا کر بھی لوگوں میں مکس ہونے کی کوشش کرنا۔ آصف تھوڑے سے مجھے لگتا ہے ایسی باتوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔" پھر انہوں نے بڑے رازدارانہ لہجے میں بہت شوخی سے کہا۔

"وہ آج ضرور وہاں پہنچے ہوئے ہوں گے۔ آج تو انہیں تھوڑی سی لفٹ دے دینا۔" طوبیٰ صرف مسکرا کر رہ گئی حالانکہ اس کے اتنے اچھے موڈ کو شفق نے آصف کا ذکر کر کے بالکل ہی آف کر دیا تھا۔ شفق نے اس روز عنابی رنگ کی بنارسی ساڑھی باندھی تھی۔ فرنچ وولن کی قیمتی شال اوڑھی تھی اس لباس میں..... وہ بھی کسی قیامت سے کم نہ لگ رہی تھیں۔ گو ان لوگوں نے طوبیٰ کے گھر میں کے لیے اتنے اچھے کپڑے نہیں بنائے تھے مگر شفق کہیں آنے جانے یا کسی کے آ جانے پر اسے کپڑے پہنانے میں بڑی دریا دلی سے کام لیتی تھیں۔

شفق کو آصف کا انتظار تھا۔ ورنہ وہ سات بجے سے کچھ پہلے ہی کرنل مظہر کے یہاں پہنچ جاتیں لیکن جب آصف ساڑھے سات بجے تک بھی نہ آئے تو طوبیٰ کو لے کر کرنل مظہر کے یہاں چلی گئیں۔

کرنل مظہر کا بنگلہ کچھ تو ان کے عہدے کی مناسبت سے ہی شاندار اور وسیع تھا۔ اس پر انہوں نے اپنا پیسہ خرچ کر کے اسے مزید شاندار بنا لیا تھا۔ رنگ برنگے قمقموں کی جگمگ کرتی روشنیوں میں بڑے بڑے لان اور کیاریوں میں لگے پھول، سرخ بجری کی روشیں۔ پام اور للی کے بڑے بڑے گملے اور دور نزدیک کی ہر شے خوب خوب چمک رہی تھی۔ لابی اور راہداری میں بھی بڑی رونق تھی۔ باہر سے لے کر اندر تک مہمان بھرے ہوئے تھے۔ ڈرائنگ روم بھی کسی اعلا درجے کے کلب یا ہوٹل کا ریکریشن ہال لگ رہا تھا۔ شفق نے یہ ساری سج دھج دیکھ کر ساتھ چلتی طوبیٰ سے آہستہ سے کہا۔

"اہتمام تو سارا ایسا کیا ہے، جیسے بیٹی کو بیاہنے چلے ہوں۔" اور طوبیٰ کو ان کے اس فقرے پر ہنسی آ گئی۔

دل میں تو پہلے ہی ہلکی ہلکی گدگدی ہو رہی تھی۔ ہال میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر شہریار کے بجائے آصف پر پڑی۔ جو دو تین خوش صورت سی لڑکیوں سمیت ہال کے ایک گوشے میں کھڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ اور شفق انہیں ادھر ادھر دیکھتی کہہ رہی تھیں۔

"تعجب ہے آصف نظر نہیں آ رہے۔ ایسا تو ممکن ہی نہیں کہ انہیں اس پارٹی کی خبر ہی نہ ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اب گھر پہنچے ہوں۔" مگر طوبیٰ نے ان کے یہ کہنے کے باوجود بھی انہیں نہیں بتایا کہ آصف یہاں موجود ہیں۔ اور وہ سامنے کھڑے دو لڑکیوں سے باتیں کر رہے ہیں۔

"میرے خیال میں تو اب تک مہمانِ خصوصی تشریف ہی نہیں لائے۔" شفق ایک جگہ دو خالی صوفے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"نہیں جناب ان کی تشریف تو سب سے پہلے آ گئی ہے، یہ آپ کے سامنے کیا کھڑے ہیں۔" ایک دم ہی برابر سے آصف کی آواز آئی تو شفق نے چونک کر کہا۔

"اوہو! تو تم بھی یہیں موجود ہو، میں نے تو آتے ہی تم کو دیکھا تھا مگر تم کہاں تھے جو نظر نہیں آئے؟" شفق یوں بولیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ ہونہہ یہ منہ اور مسور کی دال بھلا تمہاری کیا حیثیت اور ہستی جو یہاں مہمانِ خصوصی بن کر آ ؤ۔

"بس یہیں تھے..... بہر حال ان سے ملیے۔ یہ مس الماس ہیں۔ میری بڑی اچھی دوست۔" آصف نے بھی شفق کے لہجے کی تلخی کو محسوس کر کے فوراً ہی پاس کھڑی الماس سے ان کا تعارف کرایا۔ دل میں تو شفق اسے آصف کے ساتھ دیکھ کر چڑ گئی تھیں۔ انہوں نے جل کر بس اتنا کہا۔

"اوہ..... گلیڈ ٹو سی یو..... " مگر آصف نے طوبیٰ کا الماس سے تعارف نہیں کرایا۔ الماس کو لے کر لوٹنے لگے تو اس نے خود ہی انگلش میں پوچھا۔ کہ یہ تمہاری بہن کے ساتھ کون ہے؟

"یہ میری کزن افشاں ہیں۔" آصف نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"اوہ اچھا! یہ تو خطرناک حد تک خوبصورت ہیں۔" الماس نے جو طوبیٰ کی خوبصورتی پر دل ہی دل میں جل اٹھی تھی۔ بہت ہنس کر ریمارک پاس کیا۔

"ہاں آصف کے لیے یہ پُرتشویش ہو سکتی ہے کیونکہ ان کی منگیتر بھی ہیں۔" شفق نے تڑخ کر کہا۔

"جی ہاں مجھے بھی معلوم ہے اور مزید بتانے کا شکریہ۔" الماس نے بڑی نخوت سے کہا اور آصف کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کھینچتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

''یہ کون محترمہ تمہیں بھیجا؟'' طوبیٰ نے طنز سے پوچھا۔

''مجھے کیا معلوم، ہوگی کوئی بلا۔ ایسی ہی عورتیں تو سیدھے سادے مردوں کو بھٹکا کر رکھ دیتی ہیں اور میں نے نہیں تم نے بھی اسے آج ہی آصف کے ساتھ دیکھا ہے۔ مجھے تو کوئی ڈانسر وانسر لگتی ہے کمبخت نے اسکن ٹائٹ ننگا ڈریس پہن رکھا ہے ایسی عورتوں کو شاید سردی بھی نہیں لگتی۔'' ... بھناتے ہوئے انداز میں بولیں۔

''جیسی بھی ہے مگر آصف صاحب کے اچھے دوستوں میں سے ہے۔ ہمیں اسے ... چاہیے۔'' طوبیٰ نے ایک اور طنز کا تیر چلایا۔

''لعنت ہے ایسی دوستی پر۔ اصل میں یہ افزیہ اور جمال وغیرہ کی صحبت میں آصف کا ... خراب ہوگیا ہے۔ خیر دو چار روز بعد تو چلے ہی جائیں گے۔'' شفق بولیں۔

''لیکن میرے خیال میں افزیہ اتنی بُری تو نہیں۔'' طوبیٰ بولی۔ پھر سامنے کھڑی افزیہ پہ نظر ... بولی۔

''لیجیے افزیہ تو وہ سامنے کھڑی ہے۔''

''ہونہہ۔ ''تھنک آف دی ڈیول اینڈ ہی از دیئر۔'' والی بات ہے، خیر آؤ اسی کے پاس چلتے ہیں یہاں بیٹھ کر تو بور ہی ہوں گے۔'' شفق ایک دم ہی اٹھ کر کھڑی ہوتی ہوئی بولیں۔ طوبیٰ بھی ... کھڑی ہوئی۔

''ہیلو بھئی۔ یہ آج آپ اتنی لائٹ مار رہی ہیں کہ کوشش کے باوجود مجھے نظر ہی نہ آسکیں ... نے پیچھے سے جاکر افزیہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ تیزی سے ان کی طرف گھومی۔

''ہائے۔ تھینکس اے لوٹ۔ شاید آپ اپنی تعریف کرانا چاہ رہی ہیں۔'' افزیہ نے ہنس ... خوشدلی سے کہا۔

پھر رازدارانہ لہجے میں بولی۔

''الماس کو بھی دیکھا آپ نے؟''

''ہاں، اس ذکر کو فی الحال کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھیے۔'' شفق نے طوبیٰ کی وجہ سے اس ... دبا کر آہستہ سے کہا۔

''اوہ...!'' افزیہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''ہائے او نسٹلی میں تو آپ کو بھول ہی گئی، مس افشاں کیسی ہیں آپ؟'' افزیہ نے طوبیٰ سے ... ہو کر پوچھا۔

''شکریہ! بالکل ٹھیک ٹھاک۔'' طوبیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں بلکہ ایکسٹریم سے کچھ زیادہ ہی۔ آئی سویئر آپ اتنی اچھی لگ رہی ہیں کہ کسی کی بھی آسانی سے سلب ہو سکتی ہے۔'' افزیہ نے اس کی خوبصورتی کی تعریف کی تو ہنس کر بولیں۔

''یہی میں بھی ان سے کہہ رہی تھی خیر یہ انکل مظہر وغیرہ نظر نہیں آرہے، اور وہ چیف گیسٹ بھی ... یا نہیں؟''

''کیوں آپ کیا ابھی ابھی آئی ہیں؟ وہ تو لاؤنج میں بیٹھے ہیں۔ دراصل یہاں رش بہت تھا ...

... اور روبی انہیں لاؤنج میں لے گئے۔'' افزیہ نے کہا۔

''لاؤنج میں؟'' شفق نے متحیر سے انداز میں پوچھا۔

''ہاں ہاں وہیں، اصل میں لاؤنج بھی تو سینٹڈ ہے نا۔ چاروں طرف سے تو بند ہی ہے اور پھر ... خوبصورت بھی تو کتنا ہے۔ آیئے میں آپ کو وہاں لے چلوں۔'' افزیہ بولی۔

''نہیں بھئی۔'' شفق نے جان کر کہا تاکہ افزیہ یہ نہ سمجھے کہ وہ پرنس کو دیکھنے کے لیے مری جا رہی ہیں۔

''کیوں آپ کیا انکل سے نہیں ملیں گی۔'' افزیہ کو ان کے انکار پر اچنبھا سا ہوا۔

''نہیں یہ بات نہیں۔ اچھا خیر چلیے ویسے کچھ آکورڈ سا لگے گا ہمارا وہاں جانا۔'' شفق نے تھوڑے ... کے بعد کہا۔

''واہ کیوں لگے گا۔ سب ہی وہاں آجا رہے ہیں۔'' افزیہ فوراً ہی لاؤنج کا رخ کرتی ہوئی بولی۔

لاؤنج کا منظر بھی کسی شیش محل سے کم نہ تھا۔ ہر طرف فرش تا چھت شیشے کی دیواریں چھت میں لگے ... فانوس اور بیرونی رخ پر شیشے کی دیوار سے لگے پالش شدہ گملے اس پر خوشنما سرخ قالین۔ ہم رنگ ... کے سفید پالش شدہ فریم پر فوم کے سرخ مخملیں کشن میزوں پر رکھے کرسٹل کٹ کے قیمتی نازک ... وف اور ان سب آرائشی چیزوں کے درمیان بیٹھے مہمان اور سب سے بڑھ کر مہمان خصوصی جو اس ... قیمتی ڈریس سوٹ میں ملبوس تھے، روبی ان کے برابر والے صوفے پر بیٹھی تھی۔ سرخ جھلمل ... شنیل بروکیڈ کی میکسی میں گہرے میک اپ اور روکس کے ہیئر اسٹائل میں وہ واقعی بہت زیادہ چمک ... رہی تھی۔

ان دونوں سے ذرا سا ہٹ کر کرنل مظہر اپنی بیگم چند دوستوں کے ساتھ بیٹھے حسب دستور سیکنڈ ورلڈ وار کے قصے سنا رہے تھے۔ یہ ان کی عادت سی بن گئی تھی۔ کہ یا تو دوسری جنگ عظیم کے قصے سنانے لگتے اپنے یورپ کے قیام کے دوران وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو قصے کہانیوں کا رنگ دے کر پیش کرنے لگتے۔ شفق طوبیٰ کو ساتھ لیے سیدھی ان ہی کے پاس آگئیں۔ اور وہ حسب دستور اپنی گیسٹ ... کو اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ بڑے تپاک اور مشفق انداز میں ان دونوں کا استقبال کیا۔ پرنس اس وقت روبی کی باتیں سننے میں مصروف تھے، انہوں نے ان دونوں کو دیکھا بھی نہیں وہ تو خود روبی کی نگاہ ان دونوں پر پڑی تو اس نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے نعرہ لگایا۔

''ہائے شفق باجی اب نکل کر آئی ہیں آپ؟'' یہ فقرہ اس نے انگریزی میں کہا تھا۔ پرنس بھی اس کے ساتھ شفق کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ شفق ان کی طرف آئیں تو وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ مگر طوبیٰ کرنل مظہر کے پاس ہی کھڑی رہی اور پرنس شفق سے باتیں کرنے کے دوران بار بار اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پہلے ہی اس کے حسن نے ان پر کیا کم ستم ڈھایا تھا جو اب یہ نیا جلوہ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ ان کے دل میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی، مگر انہوں نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔ شفق کی بھی انہوں نے بڑے رسمی طور پر مزاج پرسی کی تھی۔ کچھ ماحول بھی عجیب سا تھا۔ اس لیے شفق وہاں بیٹھی نہیں بلکہ کرنل مظہر سے ایک دو باتیں کرکے ہال میں چلی آئیں۔ اور ان کے جاتے ہی کرنل مظہر کے ایک دوست کی بیوی نے کہا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

''یہ میجر اطہر کی بھتیجی تو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی خوبصورت ہے۔'' اور ان کے ضرورت ... کہنے پر ایک قہقہہ پڑا۔

''ہاں لیکن بڑی پراؤڈ ہے اور سخت بیک ورڈ معلوم ہوتی ہے۔'' روبی نے فوراً ہی طوبیٰ پر تنقید ...

''ویسے میجر اطہر نے ہاتھ بڑا لمبا مارا ہے بھلا آصف کو ایسی حسین منگیتر کہاں ملنی تھی۔ البتہ ... والے کی کچھ نہیں۔ سنا ہے بڑے غریب گھرانے کی لڑکی ہے۔'' کرنل مظہر کے دوست کی ... بولیں۔ پرنس بظاہر لاتعلق سے بیٹھے جوس کے گھونٹ لے رہے تھے۔ مگر ان کے کان تمام تر اس طرف لگے ہوئے تھے۔

''اجی سنا تو اور بھی بہت کچھ ہے اب پتا نہیں سچ ہے یا جھوٹ یہ تو خدا ہی جانے۔'' مسز عثمانی ...

''کیا سنا ہے ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے۔'' بیگم مظہر متجسس ہو کر بولیں۔

''ارے بس سنا ہے وہی مثل ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسز اطہر اس رشتے پر خوش نہیں، بلکہ یہ رشتہ ان کی مرضی کے خلاف ہوا ہے۔'' مسز عثمانی نے بتایا۔

''لیکن آنٹی اتنی تو مجھے بھی خبر ہے کہ خود آصف بھی اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔'' روبی بولی۔

''اچھا! لیکن تمہیں کیسے معلوم؟'' کرنل کے دوست کی بیوی نے پوری دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''آصف میرا بڑا اچھا دوست ہے آنٹی اور میں تو منگنی کی رسم میں بھی شریک تھی۔'' روبی ... فوقیت جتاتے ہوئے بڑے وثوق سے کہا۔

''خیر یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر یہ وہی تو لڑکی ہے جو ریل کے حادثے میں بے ہوش ملی تھی۔ اور ... یادداشت بھی جاتی رہی تھی۔ کافی دن تک اس کا علاج بھی ہوتا رہا تھا۔'' مسز عثمانی اپنی معلومات کا ... جھاڑتی ہوئی بولیں۔

''ارے چھوڑیے آنٹی۔ یہ تو کوئی اور ہی چکر ہے۔ انکل اطہر نے جسے چھپانے کو اس لڑکی کو اپنی ... ظاہر کیا ہے ورنہ آنٹی... تو صاف صاف کہتی ہیں کہ یہ کوئی لاوارث لڑکی ہے آپ ہی سوچیے اگر ان کی بھتیجی ہوتی تو بھلا وہ یوں برملا اسے لاوارث کہتیں۔'' روبی نے محض شہریار کے سامنے طوبیٰ کی اصلیت ظاہر کرنے کی غرض سے کہا۔

''اچھا کچھ ایسی بھی بات ہے۔'' شہریار کے منہ سے آپ ہی آپ نکلا۔

''جی ہاں۔ یہی بات ہے۔'' روبی اپنی بات جتاتی ہوئی بولی۔

''ہاں واقعی... لگتا تو مجھے بھی ایسا ہی ہے۔ کسی طریقے سے بھی یہ لڑکی میجر اطہر کی بھتیجی نہیں معلوم ہوتی۔ بھی تو شروع شروع میں جب وہ آئی تھی تو میجر اطہر کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر میجر اطہر نے یہ مشہور کر دیا کہ اس کی یادداشت جاتی رہی ہے۔'' مسز عثمانی بولیں۔

''ہمیں تو سنا ہے کہ لڑکی اس رشتے پر بالکل راضی نہیں اسی لیے اتنی چپ چپ سی رہتی ہے۔'' ... عثمانی بولیں۔

''خیر ہو گا کچھ، ہمیں کیا۔ میجر اطہر بڑے عمدہ انسان ہیں۔ اگر انہوں نے خداترسی کر کے اس لاوارث لڑکی کو بہو کی حیثیت بھی دی ہے تو میں ان کے اس جذبے کی داد دیتا ہوں۔'' کرنل ...

خواتین کی ان واہیات قسم کی قیاس آرائیوں سے اُکتا رہے تھے۔

''یقیناً سراہنا ہی چاہیے۔'' کرنل مظہر نے بھی کہا۔

''اوہو لیس ڈیڈی۔ مگر یہ بھی شاید انہوں نے مصلحتاً کہا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اس لڑکی کو افشاں کہتے ہیں۔ اور وہ اپنا نام طوبیٰ بتاتی ہے۔'' روبی یوں بولی جیسے کوئی بہت اہم نکتہ پکڑا ہو۔

''اچھا تو کیا اس کا نام افشاں نہیں۔ بھئی واقعی اس لڑکی کا معاملہ تو کچھ پیچیدہ سا لگتا ہے۔'' مسز عثمانی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''لگنا ہی چاہیے۔ کیونکہ وہ میجر کی بھتیجی ہے ہی نہیں۔ وہ تو حادثے کے بعد ٹرین میں سے مل گئی تھی، ان لوگوں نے اسے قبضے میں کر لیا۔'' مسز مظہر بولیں۔

''لیکن اس پر قبضہ کرنے سے میجر اطہر کو حاصل ہی کیا ہوا ہو گا۔ کوئی دھن دولت تو ساتھ نہیں لائی تھی۔'' کرنل مظہر کے دوست کی بیوی نے کہا۔

''صرف دھن دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا یہ لوگ اس کی خوبصورتی پر ریجھے ہوں گے۔ میجر خوردہ سال ہیں تو کیا ہوا، ان کا بیٹا تو جوان ہے۔'' مسز عثمانی نے استہزائیہ کہا تو ان کے آخری فقرے پر پھر سب ہنسنے لگے۔

''خیر چھوڑیے اس قصے کو ہمیں میجر سے کچھ لینا ہے نہ اس لڑکی سے البتہ ہماری یہ باتیں ہمارے مہمان کی طبع نازک پر ضرور گراں گزری ہوں گی۔'' کرنل مظہر جو اس گفتگو کے طول کھینچ جانے پر محفل کو مدنظر رکھتے ہوئے جزبز ہو رہے تھے۔ بہت اُکتا کر بولے تو بالکل خاموش اور بے زار سے بیٹھے شہریار ... سے مسکرا دیے۔

''آپ کا قیام تو وہاں خاصا طویل ہو جائے گا۔'' کرنل عثمانی نے پرنس سے مخاطب ہو کر گویا موضوع ہی پلٹ دیا۔

''جی ہاں امکان تو یہی ہے۔'' پرنس نے جن کا دھیان اس وقت کسی اور طرف تھا، مختصراً کہا۔

''ظاہر ہے بھئی۔ ایک تو کوسوں دور جانا اس پر آپریشن کے مراحل سے گزرنا۔ بڑے جاگیردار صاحب کو روبصحت ہونے میں کچھ عرصہ تو لگے ہی گا۔'' کرنل مظہر کے دوست بولے۔

''تو کیا آپ کی روانگی کے انتظامات بالکل مکمل ہو گئے۔'' مسز عثمانی نے پوچھا۔

''نہیں انتظامات مکمل ہونے میں تو کیا دیر لگتی ہے، البتہ والد قبلہ کی صحت کی طرف سے اطمینان ہونے کی دیر ہے۔'' پرنس بولے۔ ''ہائے نہیں، ایسا نہ کہیے، آپ چلے گئے تو پھر میرا کیا بنے گا۔'' روبی نے بہت اٹھلا کر سب پر اپنی اہمیت جتانے کو آہستہ سے پرنس سے کہا مگر پرنس نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی، اور ادھر اُدھر دیکھنے لگے، روبی پھر آہستہ سے بولی۔

''کیا مجھ سے بچھڑ جانے پر آپ کچھ بھی محسوس نہیں کریں گے'' وہ ان سے انگلش میں بات کر رہی تھی، پرنس اپنا جام اُٹھاتے ہوئے بولے۔

''کیوں نہیں کریں گے۔ اچھے دوستوں سے بچھڑنے کا خیال تو کبھی کو افسردہ کر دیتا ہے۔'' اور اسی جواب پر گویا روبی کو کوئی بہت بڑا اعزاز مل گیا۔ اس نے سب کو سنانے کو اونچی آواز میں تحیر کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"اچھا تو کیا واقعی آپ میرے بغیر بڑے افسردہ رہیں گے" اور اس کی بات پر مسز عثمانی کے دوست کی بیوی کے درمیان معنی خیز مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا اور تبھی کرنل مظہر نے اپنا جام آہستہ سے اپنی بیوی سے کہا..... "میرے خیال میں اب ڈنر شروع کر دینا چاہیے۔ ورنہ دیر ہو ٹھنڈے موسم میں مہمانوں کو واپسی میں بڑی زحمت اٹھانی پڑے گی۔" اور ان کے کہتے ہی کھڑی ہوئیں اور جلے کٹے انداز میں آہستہ سے بولیں۔

"اچھا دیکھتی ہوں۔ وہ آپ کی لاڈلی کے نخرے تو آج کسی شہزادی سے کم نہیں۔" اور پھر میں کرنل اور ان کی لاڈلی بیٹی کو برا بھلا کہتی، کھانا لگوانے چل دیں۔

"دیکھا تم نے یہ اس مصلحت کو پرنس کو لاؤنج میں بٹھایا گیا ہے۔" ہال میں آ کر شفق اپنی اور جگہ بنا کر ایک صوفے پر بیٹھ کر بولیں، اور طوبیٰ نے جس کا ذہن اس وقت تمام تر پرنس کی شخصیت میں الجھا ہوا تھا، اپنے خیالوں سے چونک کر مستفسرانہ نظروں سے شفق کی طرف دیکھا۔

"اچھا تو تم نے کچھ نوٹ ہی نہیں کیا مگر میں نے تو لاؤنج میں گھستے ہی دیکھ لیا تھا۔ اسی وجہ نے وہاں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔" شفق پھر گول مول سے انداز میں بولیں تو طوبیٰ کے پوچھے بنا پڑا۔

"کیوں بجیا؟" اس نے سادگی سے سوال کیا۔

"ارے بھئی اس لیے کہ وہی لال پری قسم کی شے سب سے سامنے رکھی تھی۔ کیا تم نے وہ بوتلیں اور ظروف نہیں دیکھے جو پرنس اور کرنل مظہر کے آگے میزوں پر رکھے تھے اور روبینہ بیگم سے پی رہی تھیں۔" شفق نے اب ڈھنگ سے بتایا تو طوبیٰ کے دل کو ایک دھچکا سا لگا مگر وہ سید سادے انداز میں بولی۔

"اچھا! میں نے تو نوٹ ہی نہیں کیا۔ اصل میں میں نے کبھی کسی کو پیتے نہیں دیکھا نا۔ اس لیے خیال ہی نہیں کیا۔"

"ہاں بھئی ایسی ہائی کلاس جینٹری میں تو یہ چیز عام ہے۔ کچھ لوگ عادتاً پیتے ہیں اور کچھ لوگ جو عادی بھی نہیں ہوتے محض اپنی کیٹ نبھانے کو پیتے ہیں۔" شفق تنقید کرنے کے سے انداز میں بولیں۔ طوبیٰ نے دل میں سوچا۔ یہ بجیا بھی خوب ہیں کہ ہر بات کا جواز پہلے سے پیش کر دیتی ہیں۔ اب خود ان کے بھائی صاحب کن کن چیزوں سے شوق فرماتے ہیں۔ اور خود یہ بھی تو انہیں ہائی کلاس گیدرنگس میں حصہ لیتی ہیں۔ پھر خوامخواہ کیوں کسی کا نام رکھنا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس انکشاف پر کہ پرنس بھی پیتے ہیں۔ وہ بڑی آزردہ سی ہو رہی تھی۔

شفق بظاہر باتیں تو اس سے کر رہی تھیں مگر نظریں ادھر ادھر گھما کر برابر آصف کو دیکھے جا رہی تھیں جو الماس سمیت ہال سے غائب تھے۔ لیکن طوبیٰ کو ایک بار بھی ان کا خیال نہ آیا تھا۔ وہ تو اس سے عجیب سی خلش میں مبتلا تھی۔ ذہن کچھ زیادہ ہی الجھ گیا تھا اس لیے اپنے خیالوں میں کھوئی خاموش تھی۔ تبھی ڈنر شروع ہونے کا اعلان ہوا تو وہ شفق کے ساتھ اٹھ کر ڈرائنگ روم سے ملحق ڈائننگ ہال جہاں الگ الگ دو طویل میزوں پر انواع واقسام کے کھانوں سے لبریز قابوں کے درمیان کینڈل اسٹینڈ اور بہت نفاست اور خوبصورتی اور ڈیکوریٹ کی ہوئی سلاد کی بیضوی پلیٹیں بڑی بہار د

رہی تھیں۔ آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس لیے پتا نہیں چل رہا تھا کہ کون کہاں ہے۔ وہ تو شفق نے اپنے ساتھ ساتھ اس کی پلیٹ بھی بھر دی تھی۔ ورنہ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ بھیڑ کو چیر کر کھانے کی قابوں تک پہنچتی دونوں اپنی اپنی پلیٹیں لے کر ایک نسبتاً علیحدہ گوشے میں آ کھڑی ہوئیں۔ شفق اس وقت کچھ چپ چپ سی تھیں اور بہت خاموشی سے کھانا کھا رہی تھیں۔ لیکن ان کی نگاہیں میزوں کے اردگرد کھڑے مہمانوں لگی تھیں کہ انہیں آصف بھی وہیں نظر آئے اور وہ طوبیٰ سے "ابھی آتی ہوں۔" کہہ کر ان کی طرف بڑھ گئیں۔ خاصی دیر گزر گئی مگر وہ نہ پلٹیں، بلکہ ادھر ادھر دیکھنے کے باوجود کہیں نظر نہ آئیں تو خالی پلیٹ ہاتھ میں لیے طوبیٰ نے سوچا کیوں نہ وہ پلیٹ رکھ کر خود انہیں جا کر تلاش کرے، ابھی وہ اپنی اس سوچ پر عمل ہی کرنے والی تھی کہ برابر سے پرنس کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ایسی پارٹیز میں تکلف سے کام نہیں لیا جاتا۔"

"جی......" نہایت غیر اختیاری طور پر اس نے کہا۔ حالانکہ ان کے اس فقرے پر وہ قدرے کمپلیکسڈ ہو گئی تھی۔

"آپ نے اب تک کچھ بھی نہیں کھایا؟" پرنس نے اس کے جی کہنے کے انداز پر اپنے فقرے کا مطلب واضح کر کے بتایا۔

"نہیں کھایا کیوں نہیں بلکہ بہت کھا لیا۔" ان کے فقرے کا اثر اب تک اس پر تھا۔ اس لیے اس کے جواب دینے کے روکھے پھیکے انداز میں ہلکی ہلکی خجالت بھی شامل تھی۔

ان کے خیال میں انہوں نے اس [illegible] سے واقفیت کو بڑی صاف گوئی سے کام لے کر جتایا اور پھر وہ جو کہ اس وقت یہاں خصوصی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنے میزبانوں اور محبوبہ کو چھوڑ کر اس کے پاس کیسے آ گئے تھے اس بات پر بھی اسے سخت اچنبھا ہو رہا تھا۔ اور اس کے دل کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ گویا بیک وقت بہت سی کیفیتیں اس پر طاری تھیں۔ جنہوں نے اسے سراسیمہ سا کر کے رکھ دیا تھا۔ اور ادھر پرنس دل میں سوچ رہے تھے کہ عجیب روکھی پھیکی اور نروٹھی سی لڑکی ہے۔ شاید اسے اپنے حسن پر بہت زیادہ ناز ہے۔ مگر وہ اس لڑکی کے بارے میں قسم قسم کے قصے سن کر بڑے متجسس ہو رہے تھے۔ پھر بھی انہیں خود پر بہت کنٹرول تھا اپنے تجسس کو انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا اور بولے۔

"آپ کے ساتھ جو حالات پیش آ چکے ہیں ان سے میں اچھی طرح واقف تو نہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ برے سے برے حالات میں بھی انسان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔" ان کا لہجہ نصیحت آمیز تھا۔ طوبیٰ نے متحیر سے انداز میں ان کی طرف دیکھا اور یوں دونوں کی نظریں چار ہو گئیں۔

"جب وقت پلٹ جاتا ہے تو انسان پر نئے نئے واقعات اور حادثات کا ایک باب سا کھل جاتا ہے۔ ہر بات توقع اور مرضی کے خلاف ہی ہوتی ہے مگر اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔" پرنس نے اسے نگاہیں کتراتے دیکھ کر کہا تو اس کا دل چاہا وہ بھی پوچھے کہ یہ آپ کو پند و نصائح کا دفتر کھولنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی مگر ان کے سامنے تو وہ خود کو بڑا ہی بے بس سا محسوس کر رہی تھی۔ بھلا کیونکر یہ سب پوچھتی۔ وہ تو حیران سی کبھی ان کی صورت دیکھتی کبھی اردگرد کھڑے لوگوں کو جن میں سے بہت سے ان دونوں کی طرف متوجہ تھے۔ غالباً انہیں بھی اس نزاکت کا احساس ہو گیا تھا۔ انہوں نے بہت ہی دھیمی آواز میں

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

کہا۔
''ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی تو نہیں ہیں۔ کئی بار آپ سے ملاقات ہو چکی ہے اور.....''
''کس سے ملاقات ہو چکی ہے؟'' شفق نے اچانک ہی نزدیک آ کر پوچھا تو شہریار نے [illegible] چونک کر جلدی سے بات بنائی۔
''دراصل میں ان سے کہہ رہا تھا کہ کئی بار ان سے ملاقات ہو چکی ہے۔ مگر میں اب تک ان دونوں کی منگنی کی مبارک باد ہی نہ دے سکا۔ آپ نے رازداری بھی تو اتنی برتی کہ کسی کو ان کی منگنی کی خبر تک ہونے دی۔''
اور ان کی بات پر طوبیٰ نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔ پھر بار ندامت سے آپ ہی آپ اس کی پلکیں جھک گئیں۔ اور شفق نے جو پرنس کی بات کو ایک شکوہ سمجھ کر خوش ہو اٹھی تھیں۔ ان کے [illegible] فقرے پر جھینپ کر کہا۔
''اصل میں چند وجوہات کی بنا پر ان کی منگنی کی رسم بہت سادگی سے ادا کی گئی تھی۔ اس لیے کم ہی لوگوں کو اس کا علم ہے۔'' پھر انہوں نے وہ وجوہات بھی بیان کر دیں۔ جن کی وجہ سے منگنی میں دھوم دھڑکا نہیں کیا گیا تھا۔
''بہرحال منگنی تو ہو گئی نا.... میری طرف سے مبارک باد قبول کریں۔'' شہریار نے طوبیٰ کو مخاطب کر کے بڑی دلکش سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا مگر طوبیٰ بالکل خاموش کھڑی رہی۔ شفق کو اس کی بداخلاقی بہت کھلی۔ وہ فوراً بولیں۔
''کم از کم تم نے ان کا شکریہ تو ادا کر دیا ہوتا۔ خیر میری طرف سے ہی سہی، مبارک باد دینا چاہ رہی تھی سُنا ہے بڑے جاگیردار صاحب روبصحت ہو گئے ہیں۔ پھر تو آپریشن کے بھی پورے امکانات [illegible] گے۔''
''جی ہاں۔ لیکن مبارک باد دینے کا یہ طریقہ درست نہیں۔'' پرنس نے شفق کی بات پر طوبیٰ پر ایک نگاہ ڈال کر وہیں کھڑے کھڑے کچھ سوچ کر کہا۔
''جی میں سمجھی نہیں؟'' شفق ان کی بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہی رہیں..... انہوں نے سادگی سے پوچھا۔
''یہی کہ اگر مبارک باد ہی دینی ہے تو باقاعدہ ہمارے یہاں آ کر دیجیے۔'' پرنس نے اپنی بات کا مطلب واضح کیا۔
''جی؟'' شفق اپنے اوپر غلبہ کرتی حیرت پر قابو نہ پا سکیں۔ مگر طوبیٰ پر ان کی بات کا ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی خالی پلیٹ کے پھولوں پر نگاہیں گاڑے خاموش کھڑی رہی۔
''میری بہن آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوش ہوں گی۔'' انہوں نے کہا۔
''اچھا! آپ کی کوئی ہمشیرہ بھی ہیں؟ لیجیے مجھے تو معلوم ہی نہ تھا۔'' شفق احساسِ کمتری کا شکار تو تھیں، مگر ان کے لیے پرنس کا اپنے گھر مدعو کرنا ایک بہت بڑی بات تھی۔ انہوں نے اپنے استعجاب میں اپنی خوشی کو چھپا کر پوچھا۔
''جی ہاں! مجھ سے چھوٹی ہیں اور تنہائی کی وجہ سے خاصی بور ہوتی ہیں۔'' شہریار نے بتایا۔

''لیکن ان سے ہمارا تعارف تو نہیں ہوا۔ میرا مطلب ہے ہم اگر آپ کے دولت کدے پر آئے بھی تو وہ ہمیں کیا پہچان سکیں گے۔'' شفق نے اس خیال سے یہ بات کہی کہ پرنس یہ نہ سمجھیں کہ وہ ان کے یہاں آنے پر تیار ہی بیٹھی تھیں۔
''تعارف کرانے میں کیا دیر لگتی ہے۔'' پرنس نے کہا اور سامنے کھڑی روبی کی طرف بڑھ گئے۔ جو انہیں طوبیٰ اور شفق سے باتیں کرتا دیکھ کر ناک بھوں چڑھا رہی تھی۔ اور ان کا یوں ایک دم چلا جانا ان دونوں کو بہت کھلا۔ شفق جل کر بولیں۔
''نہ معلوم ان مردوں کو اس لڑکی میں ایسا کیا حسن نظر آتا ہے۔ دیکھا تم نے یہ پرنس اسے دیکھ کر کیسے گئے ہیں کہ ہمیں بھی نظر انداز کر گئے۔'' اور طوبیٰ کو ان کے جلے کٹے انداز پر ہنسی آ گئی۔ شفق کے مزاج اور زبان میں یہ تبدیلی اسے ان کی شادی کے بعد ہی محسوس ہوئی تھی۔ کھانا بھی اس نے پیٹ بھر کر نہ کھایا تھا اور اب تو تقریباً سبھی مہمان کھانے سے ہاتھ کھینچ چکے تھے، اس نے خالی پلیٹ جواب تک اس کے ہاتھ میں تھی میز پر رکھ دی اور شفق کے ساتھ ہال میں چلی آئی۔ ہال میں اور بھی بہت سے مہمان موجود تھے مگر آصف اب بھی نظر نہیں آ رہے تھے شاید وہ ان دونوں سے کترانا چاہ رہے تھے۔ طوبیٰ نے اب ان کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ جانے کیوں انہیں موجود نہ پا کر اسے دُکھ سا ہوا، لوگ تو انہی کی نسبت سے مجھے مبارک باد دیتے ہیں اور وہ اس موقع پر بھی کہیں غائب ہیں۔ اس نے افسردگی سے سوچا۔
ٹھنڈ کی وجہ سے کافی کا دور ختم ہوتے ہی مہمان رخصت ہونے لگے۔ اس سے صرف پونے نو ہی بجے تھے، شفق بھی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں، گو سوچ کر تو یہ آئی تھیں کہ واپسی میں آصف کا ساتھ رہے گا مگر انہوں نے آصف کا انتظار تو کجا ذکر تک نہ کیا۔ اسی دم مہمان خصوصی بھی تشریف لے جا رہے تھے اور مہمان انہیں رخصتی سلام کر رہے تھے۔ شفق نے بھی انہیں خدا حافظ کہا تو انہوں نے آہستہ سے انہیں یاد دلایا۔
''تو پھر آ رہی ہیں نا آپ ہمارے یہاں؟ ان کو بھی ضرور ساتھ لائیے گا۔'' اور اتنا کہہ کر شفق کا جواب سُنے بغیر وہ دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔
''میرے خیال میں ایک بار تو ضرور جانا چاہیے، مجھے تو ہمیشہ سے ہی جاگیردار صاحب کے محل کو دیکھنے کا شوق ہے اور اب تو ان کی بہن کو دیکھنے کا شوق بھی پیدا ہو گیا ہے۔ یقیناً وہ بھی بھائی کی طرح ہی خوبصورت ہوں گی۔'' شفق نے سنسان اور ویران کہر میں ڈوبی ہوئی سڑک پر کار چلاتے ہوئے کہا۔
''لیکن پرنس کی بہن نہ معلوم کس مزاج کی ہوں۔ آپ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ نہ ہم انہیں جانتے ہیں نہ وہ ہم سے واقف ہیں۔ اس صورت میں نہ جانے ان کا رویہ..... کیسا ہو.....'' طوبیٰ نے یوں کہا جیسے پرنس کے یہاں جانے سے پہلو بچا رہی ہو۔
''خیر وہ تو اچھا ہی ہو گا۔ آخر تو حسب نسب والے لوگ ہیں اور میرے جانے میں اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ میں تو پرنس کی بہن سے ملے بغیر نہ جاؤں گی۔'' شفق نے گویا وہیں کے وہیں شہریار کے یہاں جانے کا فیصلہ کر ڈالا اور پہلو بچانے کے باوجود طوبیٰ نے ان کے اس تہیے سے اختلاف نہیں کیا۔ وہ ایک بار پھر ساری نزاکتیں بھول کر پرنس کے تصور میں کھو گئی۔ ''ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی تو

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

نہیں۔ کئی بار آپ سے ملاقات ہو چکی ہے اور۔'' اور اس سے آگے وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے۔ طوبیٰ ان کی باتیں یاد کر کے دل میں سوچا۔ اچھا تو ان کو بھی منگنی کا علم ہو چکا ہے۔ اف توبہ۔ پھر تو انہیں آصف کے رویے کا بھی علم ہو گیا ہوگا۔ آصف بھی کتنے بے حس اور لاپروا ہیں۔ کم از کم آج تو انہیں ہمارے پاس ہی موجود ہونا چاہیے تھا۔ تاکہ دوسروں کی نگاہوں میں میری کچھ تو حیثیت بنتی۔ شاید اسی وجہ سے پرنس مجھ سے ہمدردی جتانے کھڑے ہو گئے۔ ورنہ روبی کی گرفت تو ان پر بہت مضبوط ہے۔ پھر میرا یہ حد درجہ بڑھا ہوا حسن اس رنگین مزاج رئیس زادے کو متاثر کر گیا ہوگا۔ ہاں ہاں یہی بات ہوگی۔ یقیناً یہی ورنہ پرنس کو بھلا مجھ سے کیا سروکار۔؟ وہ تو اڑتی ہوئی خوبصورت تتلیوں کے پیچھے دوڑنے کے عادی ہیں۔ انہوں نے تو کوئی ایسا تاثر ہی نہیں دیا۔

''تمہیں بھی تو خاص طور سے بلایا ہے اور پھر میں تمہیں لیے بغیر تو جاؤں گی ہی نہیں۔'' شفق نے اس کی بات کے ردعمل میں اسے خاموش اور سوچ میں مستغرق دیکھ کر کہا۔ اور طوبیٰ نے جواب دینے میں قدرے توقف کیا پھر بولی۔

''میں تو اب آپ کے رحم و کرم پر ہوں۔ سرتابی کی مجھے کیا مجال؟'' طوبیٰ کے دل میں اچانک پرنس کی بہن سے ملنے کی خواہش جاگی تو اس نے ہنس کر کہا۔

''اوہو بڑی باتیں بنانی آ گئی ہیں تمہیں۔ ورنہ ہم تو اپنے تمہارے رحم و کرم پر ہیں آج کل۔'' شفق ہنس کر بولیں۔

''وہ کیسے؟''

''بھئی آصف کو ہینڈل کرنا اب تمہاری ہی ذمہ داری ہے اور [illegible] کتنا ہی لاپروا ہے مگر دل کا۔''

''کیا ایسا کرنا بہت ضروری ہے بجیا۔'' طوبیٰ نے شفق کی بات کاٹ کر چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''ہاں۔ کیونکہ وہ تمہاری ہی بے اعتنائی کا شکار ہیں اور اسی وجہ سے۔''

''یہ بھی خوب ہے بجیا۔'' طوبیٰ نے پھر ان کی بات کاٹی۔

''کہ آپ ان کی کجروی... کا ذمہ دار مجھے ٹھہرا رہی ہیں جب کہ میں تو آپ کے گھر کی ایک ایسی آرائشی چیز بن گئی ہوں جسے جس کا دل چاہے ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ سکتا ہے۔ پھر آپ سوچیے کہ مجھے مورد الزام ٹھہرانے میں آپ کہاں تک حق بجانب ہیں۔''

''میں تم پر الزام تو نہیں لگا رہی میری بہن! میں تو تمہیں خوش اور کامیاب رہنے کے چند گر بتا رہی ہوں۔ وہ بھی آصف کی فطرت کا گہرا مطالعہ کر کے۔ مگر تم تو میری ہر ایسی بات کا برا مان جاتی ہو۔ خیر تو پھر پرسوں وہاں کیوں نہ چلا جائے۔''

شفق نے بات کرتے کرتے ایک دم ہی موضوع پلٹ دیا۔

''وہاں یوں بغیر اطلاع کے جانا مناسب نہیں بجیا! اور پھر پرسوں تو۔''

''ہاں ہاں بھئی خوب یاد دلایا ورنہ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ پرسوں تو خیر سے آصف پشاور جا رہے ہیں۔ خیر ان کے جانے کے بعد دیکھا جائے گا۔'' شفق نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

گھر آ گیا تھا اس لیے انجن بند کر کے شفق طوبیٰ کے ساتھ اندر کا رخ کرتی ہوئی بولیں۔

''یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے پرنس کا اتنے اپنائیت بھرے انداز میں اپنے گھر آنے کی دعوت دینا۔'' اور طوبیٰ کا دل چاہا کہے پورے آغا پور میں اس وقت دو ہی ایسی حسین ترین ہستیاں موجود ہیں جو پرنس کی دلچسپی کا مرکز بن سکتی ہیں۔

☆☆☆

نیچے محل کے داخلی۔ اونچی کرسی کے چوبی دروازے پر دو ملازماؤں نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ایک ڈیوڑھی نما وسیع و عریض ہال سے نکل کر چند غلام گردشوں اور راہداریوں سے گزرنے کے بعد انہوں نے ایک آبنوسی خوبصورت زینے تک ان دونوں کی پذیرائی کی۔ اس بڑے سے ہال میں آمنے سامنے دو زینے تھے جہاں ایک بوڑھی ملازمہ کھڑی تھی وہ ان دونوں کو بائیں زینے سے بڑے ادب و احترام کے ساتھ اوپر لے آئی۔

''کچھ معلوم بھی ہے بجیا اس محل میں پورے چالیس کمرے ہیں۔'' شفق نے آہستہ سے انگریزی میں طوبیٰ کو بتایا اور طوبیٰ کا دل چاہا پوچھے اور یہ شہ نشین سہ دریاں اور دالان در دالان جو بے شمار ستونوں اور محرابی دروں میں بنے ہوئے ہیں ان کے اعداد و شمار سے بھی آپ واقف ہیں یا نہیں خاصا فاصلہ تھا جو زینے کے انتہائی سرے سے شروع ہوا تھا دالانوں سے گزر کر جن کی دائیں طرف ایوان نما بڑے بڑے ہال تھے بالآخر وہ دونوں ایک وسیع ہال میں داخل ہوئیں جہاں ان کے استقبال کو شہوار کھڑی تھیں۔ شہزادی شہوار جن کے یہاں کوئی چڑیا کا بچہ تک پر نہیں مار سکتا تھا اور جن کی ایک جھلک دیکھنے کو معززین آغا پور بس ترستے ہی رہ جاتے تھے وہی شہزادی شہوار رعنائی اور شباب کا پیکر بنی بہت نفیس اور اعلیٰ آبی اور اچی پٹھانی روایات سے ملتا جلتا لباس زیب تن کیے نیلم کا جڑاؤ نازک سا سیٹ پہنے شفق کی آنکھوں کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ ایسی مسکراہٹ جس میں تصنع اور وضع داری نہیں بلکہ سچا خلوص پنہاں تھا۔ شفق تو ہال کی سج دھج اور شان دیکھ کر ہی سخت مرعوب ہو رہی تھیں اس پر شہزادی شہوار کو دیکھ کر تو ان کی گویائی ہی سلب ہو گئی۔ مگر شہوار کی گرمجوشی اور تپاک نے ان پر خاطر خواہ اثر کیا۔ اور وہ بڑی مشکل سے ان کے بارے میں اپنے دلی تاثرات عیاں کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

''ہمیں تو بس شوق دید نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ شہزادی صاحب! یہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ نے اتنے جلد ہمیں باریابی کا شرف بخشا۔''

''ہم آپ کے ان پر خلوص تاثرات کے شکر گزار ہیں لیکن آپ تو ہمیں شرمندہ کرنے پر تلی معلوم ہوتی ہیں۔'' شہوار نے بڑے انکسار سے کام لے کر کہا اور تبھی وہ دونوں ملازمائیں جنہوں نے صدر دروازے پر ان کا استقبال کیا تھا۔ ان کے ساتھ لائی مٹھائی اور پھلوں کی ٹوکریاں لیے آ پہنچیں۔

''ارے! یہ سب کیا ہے؟'' شہوار نے اپنی مادری زبان میں ملازماؤں سے پوچھا۔ اور ان کا جواب سن کر شفق سے بولیں۔

''ہم تو بہت سادگی پسند لوگ ہیں بجیا۔ یہ آپ نے اس قدر زحمت کس سلسلے میں کی ہے؟'' ان کے چہرے سے ناگواری ہویدا تھی۔

''بس آپ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنے کی غرض سے یہ حقیر سی چیز لے آئی ہوں۔ اب آپ مجھے اس قدر شرمندہ تو نہ کریں۔'' شفق ان کے بے تکلفی سے بجیا کہنے پر اور بھی اپنے ساتھ لائی ہوئی

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

چیزوں کو اتنی اہمیت ملتے دیکھ کر خوش ہو کر بولیں اور شہوار کا پٹھان غیور خون سرخی بن کر چہرے سے چھلکنے لگا۔

"لیکن ہم تو بے لوث عقیدت کے قائل ہیں۔ سچے خلوص کی چاشنی ہی ہمارے لیے کسی انعام سے کم نہیں۔ بہتر یہی ہوگا کہ آپ یہ چیزیں واپس لے جائیں۔" شہوار نے کہا اور پھر دونوں کنیزوں، ملازماؤں کو اپنی زبان میں کچھ حکم دیا اور ان دونوں نے فوری طور پر ان کے حکم کی تعمیل میں شفق کی لائی ہوئی چیزوں کو اٹھایا اور ہال سے باہر نکل گئیں۔ ان کے جاتے ہی شہوار نے ایک غائر نظر طوبیٰ پر ڈالی، شفق کے ساتھ خاموش اور گم صم سی کھڑی تھی۔

"اوہ تو آپ ہی آپ کی وہ کزن ہیں جن کے ہم نے تذکرے ہی سنے ہیں۔" شہوار بڑی دلفریب مسکراہٹ بکھیرتی ہوئی بولیں۔

"جی ہاں۔ سینٹ پرسینٹ یہ وہی ہیں۔" جانے کیوں شہوار کے سوال کرنے کے انداز پر شفق جھینپ سی گئیں اور شہوار نے بڑی گرمجوشی سے طوبیٰ سے ہاتھ ملایا۔ پھر بولیں۔

"ارے آپ دونوں اب تک کھڑی ہی ہیں! آیئے تشریف رکھیے ہم خود آپ دونوں سے ملنے کے بڑے شائق تھے۔" پھر انہوں نے اسی ہال میں کچھ فاصلے پر بچھے صوفوں پر ان دونوں کو بٹھایا اور ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ شفق اور طوبیٰ نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ ان کے مزاج میں واقعی بہت سادگی ہے۔ مگر اس کے ساتھ تمکنت اور اصول پرستی بھی۔ کیونکہ ان کی گفتگو میں بے تکلفی کے ساتھ ساتھ رکھ رکھاؤ بھی بہت تھا۔ بہت نپا تلا اور لیا دیا سا انداز جس میں تھوڑا تھوڑا تجسس بھی شامل تھا۔ پہلی ملاقات تھی اور حد درجہ مرعوب ہونے کی وجہ سے شفق بھی ان سے کھل کر گفتگو نہیں کر رہی تھیں، وہی مراتب کا فرق درمیان میں حائل ہو رہا تھا اور طوبیٰ تو تھی ہی بے حد کم گو، خاموش بیٹھی دونوں کی باتیں سنتی رہی، گو شہوار زیادہ تر اسی کی طرف متوجہ رہیں اور اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھتی رہیں۔ مگر انہوں نے اس سے زیادہ بات نہیں کی۔ باتوں کے ساتھ بہت ہی پرتکلف چائے اور شاندار ناشتے کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ کوئی ایک گھنٹے تک گپ شپ لڑانے کے بعد شفق نے واپسی کی اجازت چاہی تو شہوار نے انہیں اجازت دیتے ہوئے کہا۔

"اب آپ تو ایسے موقعے پر آئی ہیں کہ آئندہ جلد ملاقات کے امکانات ہی نہیں ہو سکتے۔"

"جی ہاں۔ اس بات کا مجھے بھی افسوس ہے کاش کچھ پہلے آپ سے ملاقات ہو جاتی تو ایک دو بار ملنا تو ہو جاتا۔" شفق بولیں۔

"بجیا تو خیر جا ہی رہی ہیں لیکن سنا ہے آپ بھی تو جاگیردار صاحب کے ساتھ یورپ جانے کا پروگرام رکھتی ہیں، پھر تو دونوں صورتوں میں آئندہ جلد ملاقات ہونے کے امکانات ہو ہی نہیں سکتے تھے۔" طوبیٰ مسکرا کر بولی۔

"لیکن ابھی ہمارے جانے میں تو کچھ وقت لگے گا یہی کوئی ایک ڈیڑھ ماہ، کیونکہ پہلے چھوٹے آغا یو۔کے جا کر سارے انتظامات مکمل کریں گے پھر ہم کو لینے آئیں گے۔" شہوار نے بتایا۔

"لیکن یہاں تو کچھ ٹھیک ہی نہیں، پتا نہیں کس وقت بلاوا آ جائے۔" شفق بولیں۔

"خیر آپ تو یہیں رہیں گی نا؟" شہوار نے طوبیٰ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"جی.... ہاں...." طوبیٰ نے جی کو کچھ کھینچ کر کہا اس کے لہجے میں قدرے بے چارگی سی تھی۔

"پھر آپ بڑی آسانی سے ہمارے پاس آ سکتی ہیں۔" شہوار نے طوبیٰ کا نرم اور خوبصورت سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"جی!" طوبیٰ نے گھبرا کر شفق کی طرف دیکھا۔ یوں جیسے شہوار کی بات کا جواب ان سے طلب کر رہی ہو۔

"جی ہاں کیوں نہیں۔ آپ اطمینان رکھیے یہ برابر آپ کے پاس آتی رہا کریں گی۔" شفق نے اپنی طرف سے کہنے کو تو کہہ دیا مگر یہ انہیں ہی اچھی طرح معلوم تھا کہ طوبیٰ کا ان کے یہاں تنہا آنا کس قدر مشکل ہے۔ شہوار نے اب تک طوبیٰ کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اور بے مقصد ہی اس کے اسی ہاتھ کو دیکھے جا رہی تھیں۔

"بس پھر تو ہمارا بھی کچھ وقت اچھا کٹ جایا کرے گا۔" شہوار نے بڑی لگاوٹ کا اظہار کرتے ہوئے طوبیٰ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بھئی آپ بھی تو اس سلسلے میں تھوڑا سا اطمینان دلا دیجیے۔" وہ ہنس کر بولیں۔

"بجیا کے فیصلوں پر ہی میرے ارادوں کا دارومدار ہوتا ہے اب ان کی طرف سے اجازت مل گئی ہے تو میں ضرور آؤں گی۔" طوبیٰ بولی اور شہوار کو وہ مجبوری اور بے بسی کا مجسمہ نظر آئی۔ انہوں نے موضوع بدلنے کے خیال سے اس کے ہاتھ کو سیدھا کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ انگوٹھی کیا آپ نے آرڈر دے کر بنوائی ہے یا بنی بنائی خریدی ہے۔"

"اس کا تو مجھے علم بالکل نہیں کہ یہ بنوائی گئی ہے یا بنی بنائی خریدی گئی ہے۔ کیونکہ یہ میری امی کے سہاگ کی نشانی ہے اور انہوں نے مجھے میری اٹھارہویں سالگرہ پر پریزنٹ کی تھی۔" طوبیٰ نے دل ہی دل میں متعجب ہو کر کہا۔ ایک پرانے زمانے کی بنی ہوئی انگوٹھی بھی بھلا کوئی حیثیت رکھتی ہے، جو شہزادی صاحبہ اس کے بارے میں استفسار کر رہی ہیں۔ انگوٹھی سونے کی تھی جس کے نگینے ضرور اصلی تھے۔ اور بس۔

"اچھا تو گویا آپ کی امی کی طرف سے تحفتاً دی گئی تھی۔" شہوار نے عجیب سے بے ڈھب انداز میں کہا۔ اور شفق بھی متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

"اصل میں آپ سوچ رہی ہوں گی کہ ہم آپ کی انگوٹھی سے اتنی دلچسپی کا اظہار کیوں کر رہے ہیں تو واقعہ یہ ہے کہ ہو بہو اسی ڈیزائن کی ایک انگوٹھی ہمارے پاس بھی ہے۔" شہوار نے دونوں کو متحیر سا دیکھ کر فوراً ہی وضاحت کی۔ اور دونوں کو یوں محسوس ہوا جیسے انہوں نے اپنی بات سنبھالی ہو۔

"آپ تو انگوٹھی کو کہہ رہی ہیں یہاں تو کبھی کبھی شکلیں بھی ایک دوسرے سے اتنی مشابہ ہوتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔" شفق نے ہنس کر کہا پھر بولیں۔ اچھا اب اجازت دیجیے۔ ہم تو یہاں جم کر ہی رہ گئے۔ ادھر آپ کو بھی زحمت ہو رہی ہوگی۔"

"میرے خیال میں آپ یہ سارے تکلفات چھوڑ کر دوستوں کی طرح بات کریں تو بہتر ہو۔ کیونکہ ہمیں تو آپ کے آنے سے مسرت ہوئی ہے۔" شہوار نے بڑی سادگی سے کہا۔

"جی ہاں، جی ہاں، آپ نے یہ کہہ کر ہمارا دل خوش کر دیا۔ اب اسی بات پر وعدہ کیجیے کہ ہمارے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

پاس آتی رہا کریں گی۔" شہوار خوش ہو کر بولیں۔

"بہتر ہے ضرور آؤں گی۔" طوبیٰ نے گویا اطمینان دلایا پھر شہوار کو خدا حافظ کہہ کر دونوں باہر کرنے لگیں تو شہوار بھی ان کے ساتھ باہر آ گئیں۔

"چلیے ہم آپ کو زینے تک چھوڑ آئیں۔" انہوں نے کہا۔

"نہیں نہیں! نوازش۔ آپ اتنی زیادہ زحمت نہ کریں۔"

شفق نے قدرے لجاجت سے کہا مگر شہوار انہیں زینے تک چھوڑ کر ہی گئیں۔

شفق اپنی کار تک اسی طرح واپس آئیں جس طرح کہ محل میں پہنچی تھیں۔ یعنی زینے سے محل داخلی دروازے تک وہی بوڑھی ملازمہ انہیں چھوڑ کر گئی اور پھر وہاں سے کار تک وہی دونوں ملا جنہوں نے وہ سارا سامان ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا جو شفق اپنے ساتھ لائی تھیں۔ شفق جونہی کار میں لگیں دونوں نے بہت مؤدبانہ وہ سامان انہیں واپس کرتے ہوئے بتایا۔

"یہ چیزیں آپ واپس لے جایئے۔"

"کیوں؟" شفق نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"شہزادی صاحبہ کا یہی حکم ہے۔" انہوں نے اپنی کھڑی کھڑی زبان میں بتایا۔ شفق کو یہ بات ناگوار گزری۔ کیونکہ تھوڑی سی وضعداری ان میں بھی تھی۔ کچھ سوچ کر انہوں نے اسی ملازمہ سے ان سے بات کر رہی تھی۔

"مگر یہ تو ہماری طرف سے ایک تحفہ ہے اور اسے واپس لے جانا ہمارے یہاں اچھا شگون سمجھا جاتا۔ تم ایسا کرو کہ یہ ساری چیزیں ملازمین میں تقسیم کر دو۔" اتنا کہہ کر شفق نے ان کا جواب بغیر کار آگے بڑھا لی اور جب ذوالفقار محل سے باہر نکل آئیں تو بڑے جلے کٹے انداز میں بولیں۔

"یہ رئیس لوگ بس اپنے ہی رواجوں اور مزاجوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے اپنے بھی تو ضابطے ہوتے ہیں۔ خیر اگر انہوں نے میری خلوص سے لائی ہوئی ان چیزوں کو میرے منہ پر دے مارا میں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

شفق کا برا ماننا کچھ بے جا تو نہ تھا اتنا اچھا موڈ لے کر وہاں سے اٹھی تھیں۔ اتنی زیادہ مرعوب ممنون سی نظر آ رہی تھیں کہ شہوار نے ان کی لائی ہوئی چیزوں کو واپس کر کے ان کا سارا موڈ خراب کر دیا بلکہ سارے تاثرات پر ہی اوس ڈال دی۔

"ہاں یہ بات تو مجھے بھی بہت کھلی۔ لیکن ہو سکتا ہے ان کے یہاں نذرانے وغیرہ وصول کرنے کا رواج نہ ہو۔" طوبیٰ بولی۔

"ہاں یہی ہو سکتا ہے۔ اصل میں بہت سے خوشامدی لوگ اپنے کام نکلوانے کی غرض سے بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ ادھر جاگیردار ٹھہرے ایک غیور انسان۔ اسی وجہ سے انہوں نے سختی سے ممانعت کر دی ہوگی۔ تم نے دیکھا نہیں شہزادی شہوار نے ان چیزوں کو دیکھ کر کیا تاثر دیا تھا۔" شفق قدرے ٹھنڈی پڑ کر بولیں۔

"خیر ہیں وہ بہت خوب تر...... مختلف خصائل کا مجموعہ۔" طوبیٰ نے کہا۔

"ہاں مزاج میں طنطنہ اور دبدبہ بھی ہے اور سادگی اور خلوص بھی لیکن حد درجہ رکھ رکھاؤ سے کام لیتی

READING Section

ں۔" شفق تنقید کرنے کے سے انداز میں بولیں۔

"ہوں! خاصی تعلیم یافتہ معلوم ہوتی ہیں۔" طوبیٰ بولی۔

"لو بھلا جب باپ اور بھائی ہائی کوالیفائڈ ہیں تو وہ کیا جاہل ہوں گی۔ البتہ بہت زیادہ ٹپیکل ٹائپ کی لگتی ہیں۔ میرا مطلب ہے صورت شکل میں۔ ایسے بھائی میں جو بانکپن ہے وہ بہن میں نہیں۔"

"لیکن ویسے وہ بہت ہی حسین ہیں۔" طوبیٰ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ شام پڑ گئی تھی اور کہر اور تاریکی بڑھ جانے کی وجہ سے راستوں کے نشیب و فراز پر گاڑی چلانا مشکل ہو رہا تھا۔ اور شفق محتاط انداز میں گاڑی چلا رہی تھیں۔ اس لیے گھر پہنچتے پہنچتے رات پڑ گئی۔

اگلے دن طوبیٰ اور صوفیہ کے ساتھ ناشتہ کرتی ہوئی شفق گزشتہ شب بیان کی ہوئی شہوار سے ملاقات کی تفصیل دہرا رہی تھیں کہ گل لدا پھندا اندر داخل ہوا۔

"بھئی یہ کیا وحشت ہے گل خان...... یہ تم کیا اٹھا لائے ہو؟" شفق نے پوچھا۔

"اے جاگیردار کا گھر سے آیا ہے بی بی۔ ڈلیور لایا ہے۔" گل نے وہ تین پیٹیاں فرش پر رکھتے ہوئے بتایا اور پھر باہر جانے لگا تو شفق جلدی سے اٹھ کر اس کے پیچھے آتی ہوئی بولیں۔

"ارے کہاں جا رہے ہو گل۔ کس قدر احمق انسان ہے۔" شفق نے چلتے چلتے رک کر ماں کی طرف دیکھا۔

"دیکھا امی جان یہ گل کتنا بدذات ہے۔" اتنا کہہ کر وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے باہر نکلی ہی تھیں کہ گل پھر آ گیا۔ وہی پہلے جیسی تین پیٹیاں لادے ہوئے۔ شفق خاموشی سے اس کے پیچھے کھانے کے کمرے میں چلی آئیں۔

"ذرا دیکھو تو کیا بھجوایا ہے جاگیردار نے؟" صوفیہ بیگم جو سخت متجسس ہو رہی تھیں بولیں اور شفق جھک جھک کر پیٹیوں کے ڈھکنے ہٹانے لگیں۔ اس اثنا میں گل پھر باہر چلا گیا تھا تھوڑی دیر میں واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اب پریذنٹ پیپر میں بڑی خوبصورتی سے لپٹے ہوئے چھ ڈبے تھے۔

"ارے ارے! انہیں یہاں کھانے کی میز پر رکھو۔" صوفیہ بیگم انہیں فرش پر رکھتا دیکھ کر گل سے بولیں اور گل نے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی۔

"ان پیٹیوں میں تو سیب، سنگترے اور خشک میوہ بھرا ہوا ہے۔ امی جان!" شفق پیٹیاں جوں کی توں چھوڑ کر میز کا رخ کرتی ہوئی بولیں۔

"ذرا دیکھو تو طوبیٰ ان ڈبوں میں کیا ہے؟" انہوں نے خاموش تماشائی بنی طوبیٰ سے کہا۔

"دیکھو احتیاط سے کھولنا۔" صوفیہ بیگم نے طوبیٰ کو تاکید کی...... شفق بھی میز کے آگے کھڑی ہو کر ان ڈبوں پر لپٹا ہوا کاغذ احتیاط سے اتارنے لگیں۔

دو بے حد خوبصورت اور قیمتی فرنچ شیفون کی ساڑھیاں بڑے سائز کے دو ویلنٹ اسپرے اور کرسٹل کٹ کے دو بے حد قیمتی اور خوبصورت شمع دان۔ بس یہی کل تحائف تھے۔ جو ان چھ ڈبوں سے برآمد ہوئے تھے۔ صوفیہ بیگم کی تو آنکھیں چمک اٹھی تھیں اور شفق بالکل خاموش تھیں۔

"ہوں...... تو گویا یہ بدلہ اتارا گیا ہے کل کا۔" انہوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"اے تو کیا ہوا۔ آپس میں تحفے تحائف کا تبادلہ تو دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے اور پھر تم اپنی حیثیت

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اور بساط کے مطابق تحفے لے گئی تھیں اور انہوں نے اپنے شایانِ شان تمہیں بھیج دیا۔ گویا ... ہو گیا۔" صوفیہ بیگم بولیں۔

تب بھی شفق نے انہیں اصل بات نہیں بتائی کہ ان کا تحفہ لوٹا دیا گیا تھا یا وہ اپنی چیزوں کو ... بانٹ آئی ہیں۔ بہر حال شہوار کی بھیجی ہوئی قیمتی چیزیں دیکھ کر شفق کو جس قدر خوشی ہونی چاہیے ... قدر کوفت سی ہو رہی تھی۔ امیر ہو یا غریب آخر انسان کا اپنا بھی تو کوئی ظرف ہوتا ہے اور شفق تو ... بڑی حساس اور خوددار تھیں۔ پھر بھی انہوں نے وہ چیزیں لوٹائی نہیں بلکہ خاموشی سے اٹھا کر رکھ لیں ... دوہری دوہری چیزیں تھیں۔ اس لیے انہوں نے ایک ساڑھی ایک اسپرے اور شمعدان طوبیٰ ... دیا۔ صوفیہ بیگم کو ناگوار تو بہت گزرا مگر کچھ بولی نہیں۔ مگر طوبیٰ کا چہرہ ایک انجانی سی خوشی کے احساس ... دمک سا اُٹھا۔

ذوالفقار کاسل سے آئے شفق کو تین چار روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دن صبح ہی صبح ان کے ... گرام آ گیا۔ وہ اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ ایک روز پیشتر ہی پنڈی آئے تھے اور اب ... لینے پہنچ رہے تھے۔ شفق بھی گھر کے بوریت زدہ ماحول سے اُکتا چکی تھیں اور پھر اب یہ گھر ان کا ... کہاں رہا تھا۔ ان کا اپنا گھر تو پنڈی میں تھا۔ ہر وقت جان شوکت حسین میں اٹکی رہتی ان کے آنے کی ... اطلاع ملی تو شفق کی باچھیں کھل گئیں۔ جلدی جلدی اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا۔ صوفیہ بیگم ... جدائی کے خیال سے بڑی ملول ہو رہی تھیں۔ مگر بیٹی کا گھر بسنے کے خیال سے خوش بھی تھیں۔ اور ... ہی حال میجر صاحب کا بھی تھا لیکن طوبیٰ کو اس مرتبہ شفق کے جانے کا بڑا غم تھا۔ چند دنوں ... عجیب سی خلش میں گرفتار تھی کہ اس پر بیٹھے بٹھائے شفق کے جانے کا پھندا اٹھا تو اس ... اضافہ ہو گیا۔ آخر میں کب تک یہاں رہوں گی اور وہ کون سا روزِ سعید ہو گا جب خالہ بیگم پر میری ... آشکارا کی جائے گی۔ اب بجیا کے جانے کے بعد تو گویا بالکل ہی میری قسمت تاریک ہو کر رہ جائے گی۔ یہ خالہ بیگم تو مجھے ایک دن بھی چین سے نہ بیٹھنے دیں گی۔ اور پھر تنہا میں یہاں کیسے ... گی۔ یہاں تو کسی سے ملنے جلنے کی اجازت ہے نہ آنے جانے کی اور پھر بھی سب سوچتے سوچتے اس کا ... دھیان شہریار اور شہوار کی طرف چلا جاتا۔ تو وہ بڑی حسرت سے تمنا کرتی۔ کاش ان لوگوں کے ... میں اُن لوگوں کے ہاتھ لگ جاتی تو کم از کم اس تکلیف دہ ماحول سے تو بچی رہتی۔ یہاں تو ... ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی ہوں۔ کہ جس کا جس طرح دل چاہا مجھے الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ اب بھلا ... آصف جیسے آزاد منش اور سرکش انسان کے ساتھ پابند کر دینے کی کیا تک تھی۔ پھر فرداً فرداً وہ ایک ایک ... کے رویے پر غور کرتی۔ تو صوفیہ بیگم سے لے کر عارف اور شفق تک اس پر اپنی اپنی مرضی چلاتے ... ہوتے کوئی ایک بھی تو ایسا نظر نہ آتا جو اس کا سچا ہمدرد اور غمگسار ہو اور یوں شفق کا خلوص اور خیال ... بھی پیچ نظر آنے لگتا تو دل بے اختیار ذوالفقار محل جانے کو مچل اٹھتا مگر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی اس ... خواہش پر دل ہی دل میں خوب ہنستی۔ بھلا کہاں میں اور کہاں وہ لوگ۔ وہ لوگ جو بالکل ہی غیر اور ... اجنبی تھے۔ جن کے رواج روایات، ضابطے اور اصول حتیٰ کہ زبان اور ماحول بھی یکسر مختلف اور جداگانہ ... ہیں۔ جن کی شان و شوکت اور ثروت کے سامنے میرا حقیر سا وجود کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ ان سے اس ... غلط توقعات وابستہ کر لینا میری دیوانگی ہی ہے۔ لیکن وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ "ہزاروں خواہشیں

ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔" تو وہ ٹھیک ہی کہا ہے......

مگر اب تو شفق جا رہی تھیں اور ان کے جانے کے بعد اس کی جو دُرگت بننے والی تھی۔ اس کے خیال ہی سے اس کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے اور اسی وجہ سے اسے شفق کے جانے کا بہت غم ... شفق بھی کب تک ساتھ رہتیں۔ البتہ انہوں نے ماں کو اچھی طرح سمجھا بجھا دیا تھا اور اس سے زیادہ ... کیا سکتی تھیں۔ ماں سے خود یہ کہنے کی ہمت تو نہ پڑی تھی کہ طوبیٰ کو اگر شہوار بلائیں تو ضرور بھیج ... البتہ انہوں نے باپ سے ضرور کہہ دیا تھا حتیٰ کہ دبے دبے لفظوں میں آصف کی بے پروائی ... آگاہ کر دیا تھا۔ میجر صاحب بڑے جہاندیدہ آدمی تھے۔ انہیں خود بھی اندازہ تھا کہ بیٹے نے ان ... باندھے ہوئے رشتے کو دل سے قبول نہیں کیا ہے مگر اس سلسلے میں وہ بالکل خاموش تھے، نہ معلوم کیا ... درپیش تھی انہیں۔

... روتا دھوتا چھوڑ کر بالآخر ایک دن شفق اپنے گھر سدھار گئیں۔ شوکت حسین اپنی ماں اور بہن ... سے بڑی عجلت میں انہیں لینے آئے تھے صوفیہ بیگم کے اصرار کے باوجود ایک دن بھی نہ ٹھہرے ... آئے اور شام کو چلے گئے۔ طوبیٰ بھی نہ جانے کیوں شفق کے جانے پر خوب خوب روئی تھی۔ اور ... کونوں کھدروں میں چھپ چھپ کر آنسو بہاتی رہتی تھی۔ صوفیہ بیگم بھی منہ لپیٹے پڑی رہتیں۔ ان ... بھوک پیاس بھی اُڑ گئی تھی وہ تو میجر صاحب ہی انہیں زبردستی کھانا کھلواتے تھے اور ڈیوٹی سے آنے ... بعد سارا وقت انہیں کے پاس بیٹھ کر گزار دیتے تھے۔

... کا دن تھا اور میجر صاحب گھر پر ہی تھے ناشتے کے بعد وہ برتن وغیرہ اٹھوا کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ ... آ کر اطلاع دی۔

"... آپ کا فون آیا ہے صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔" اور طوبیٰ کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ بھلا اسے فون ... کر سکتا ہے، شفق، عارف یا آصف۔ اور آصف کے فون کا خیال آتے ہی اس کا دل دھک دھک ... لگا کہ نہ معلوم صوفیہ بیگم کیا سمجھیں اور کیا کہیں یہ تو گمان تک نہ ہوا کہ شہوار کا فون بھی آ سکتا ہے ... کی دماغ پراگندہ ہو تو کبھی اچھا خیال نہیں آتا۔ لرزتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے ریسیور کان سے ... "ہیلو" کہا تو ادھر سے شہوار کی حیات بخش آواز آئی۔

"اوہ..... آپ ہیں۔ شکر ہے ورنہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ رونگ نمبر کہہ کر فون بند کر دیا جائے گا۔" طوبیٰ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دھک دھک کرتے دل کو کسی نے آہستہ سے تھپک دیا ہو وہ اپنی ... گھبراہٹ پر قابو پا کر بولی۔

"نہیں! ایسی گستاخی کی جرات بھلا کون کر سکتا ہے ویسے مزاجِ گرامی تو بخیر ہیں آپ کے؟"

"نہیں بلکہ سخت درہم برہم ہیں کیونکہ وعدہ خلافی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔" ادھر سے بڑی بشاشت ... جواب ملا۔

"لیکن میں نے تو وعدہ خلافی نہیں کی۔ البتہ آپ نے ہی اب تک یاد نہیں فرمایا۔" طوبیٰ ہنس کر ... بولی۔

"تو کیا یہ ضروری تھا کہ ہم ہی یاد کرتے اور یاددہانی کراتے ورنہ آپ کو ہمارا خیال ہی نہ آتا۔" ... گلہ آمیز لہجہ میں بولیں۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

''آپ کا خیال تو ایک لمحے بھی جُدا نہیں ہو سکا ہے۔ مگر آپ کو شاید میری مجبوریوں کا اندازہ نہیں۔'' طوبیٰ آہستہ سے بولی۔

''ہے اور بہت زیادہ ہے مگر آپ اتنا تو کر سکتی تھیں کہ ہمیں فون ہی کر لیتیں۔'' شہوار بولیں۔

''یہ بھی میرے لیے مشکل ہی تھا۔ اور اسی وجہ سے میں آپ کے فون کا انتظار کرتی رہی۔'' طوبیٰ بس سے بولی۔

''اوہ ہم سے بھی واقعی بڑی چُوک ہوگئی۔ خیر یہ بتائیے یہ بجیا اس وقت کیا کر رہی ہیں؟'' شہوار نے ایک دم ہی بات گھما دی۔

''وہ تو آپ کے یہاں آنے کے چار روز بعد ہی پنڈی چلی گئی تھیں۔ ان کے شوہر ہندوستان سے آ گئے ہیں نا....'' طوبیٰ نے بتایا۔

''اچھا! ہمیں تو کچھ بھی معلوم نہیں کہ ان کے شوہر ہندوستان میں رہتے ہیں۔ خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں ہوں گی اب آپ یہ بتائیے کہ کب آ رہی ہیں۔'' شہوار نے پوچھا۔

''میں..... اگر اجازت مل گئی، جو مشکل ہی ہے تو کسی دن حاضر ہو ہی جاؤں گی۔'' طوبیٰ نے ٹالنا چاہا۔

''نہیں بھئی ہم تو آج ہی آپ سے ملنے کا موڈ لیے بیٹھے ہیں آپ کسی طرح آج ہی آ جائیں۔ ہم آپ کے لیے اپنی کار بھیجے دیتے ہیں۔ دیکھئے کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ کیونکہ آپ آنے کا وعدہ بھی کر چکی ہیں۔''

طوبیٰ کا دل تو چاہا کہ ان کو کم از کم یہ تو بتا دے کہ وہ وعدہ بھی میں نے بجیا کے ایما پر کر لیا تھا۔ اتنے میں صوفیہ بیگم میجر صاحب سمیت اس کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''کس کا فون ہے؟'' انہوں نے رعونت سے پوچھا۔

''شہزادی شہوار کا۔'' طوبیٰ نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر انہیں بتایا۔

''یہ شہزادی شہوار کون ہیں؟'' میجر صاحب نے تجاہل برتتے ہوئے طوبیٰ سے پوچھا۔

''جاگیردار صاحب کی صاحبزادی۔'' جواب صوفیہ بیگم نے دیا۔ پھر بولیں۔

''شفق کو پوچھ رہی ہوں گی۔ اے بھول گئے کیا وہ تحفے انہوں نے ہی تو بھیجے تھے۔''

''کیا کہہ رہی ہیں؟'' میجر صاحب نے صوفیہ بیگم کی بات کو نظر انداز کر کے طوبیٰ سے پوچھا۔ طوبیٰ نے دل کڑا کر کے کہہ ہی دیا۔

''مجھے بلا رہی ہیں۔''

''تجھے بلا رہی ہیں؟'' صوفیہ بیگم نے اونچی آواز میں نہایت کرختگی سے پوچھا۔

''جی..... وہ اصل میں بجیا ان سے وعدہ کر آئی تھیں۔'' طوبیٰ نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

''ٹھیک ہے تو چلی جاؤ۔ آخر شفق کے وعدے کا بھی تو پاس رکھنا ہے۔'' میجر صاحب نے صوفیہ بیگم کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا۔

''اے لو۔ یہ خوب ہے کہ چلی جاؤ، بھلا وہ اس لڑکی کو کیا جانیں۔'' صوفیہ بیگم چمک کر بولیں۔

''جانتی ہیں بھی تو فون کیا ہے۔'' میجر صاحب اپنے اسی مخصوص ٹھنڈے لہجے میں بولے۔

''اے رہنے بھی دیجیے۔ اُن دونوں لڑکیوں کو تو خراب کر ہی دیا ہے اب اسے بھی دو کوڑی کا بنا کر چھوڑیں گے، اسے بات کرنے کا سلیقہ ہے نہ تمیز۔ وہاں جا کر چھچھور پن کیا تو ان لوگوں کی نظروں میں ہی گر کر رہ جائیں گے۔'' صوفیہ بیگم نے پھنکارنے کے سے انداز میں کہا۔

''میرے خیال میں تم تیار ہو جاؤ۔ اور ان سے بھی کہہ دو۔ کہ تم ابھی ابھی آ رہی ہو۔'' میجر نے صوفیہ بیگم کی باتوں پر ذرا بھی کان نہیں دھرا اور طوبیٰ سے بولے۔ اور وہ ہراساں سی ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں تم کو وہاں چھوڑ آؤں گا۔'' میجر صاحب بولے۔ ادھر سے برابر ہیلو ہیلو ہو رہی تھی۔

''مگر وہ تو کہہ رہی ہیں کہ کار بھیج دوں گی۔'' طوبیٰ نے بے تکے پن سے کہا۔

''کیسی کار اور کس کی کار کہیں جانے کی ضرورت نہیں گھر کے کام تمہارا باوا کرے گا۔'' صوفیہ بیگم کا بس نہ چلا تو انہوں نے طوبیٰ کو آنکھیں دکھائیں۔

''صوفیہ.....'' میجر صاحب نے بہت سپاٹ لہجے میں کہا..... ''جاگیردار کا معاملہ ہے اور ہم ان کی رعیت میں سے ہیں۔ شہزادی شہوار کی کسی خواہش کو رد نہیں کر سکتے۔ سمجھیں آپ؟

چلو بیٹی تم ان سے کہہ دو کہ ایک گھنٹے بعد اپنی کار بھیج دیں اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔'' انہوں نے اسی حکم سے طوبیٰ سے کہا۔ طوبیٰ نے فوری طور پر ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اور صوفیہ بیگم بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''ان کی کسی بات کا خیال نہ کرو۔ جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔'' میجر صاحب نے ان کے جانے کے بعد اور خود بھی چلے گئے۔ اور یوں اس کی بہت بڑی خواہش پوری ہو گئی۔

بجیا تو تھیں نہیں جو ان کی پسند سے ان کی قیمتی ساڑھی پہنتی۔ اور ساڑھی پہننے کا موقع بھی نہ تھا۔ کیونکہ صوفیہ بیگم کنواری لڑکیوں کا ساڑھی پہننا بہت معیوب سمجھتی تھیں۔ اس لیے اس نے شلوار سوٹ کو ترجیح دی۔ ہلکا زمردیں رنگ کا سوٹ جس کی قمیض کے گریباں، دامن اور آستینوں پر شیل اور بیڈورک اتنی نفاست اور نفاست سے بنایا گیا تھا کہ نظر نہ ٹھہرتی تھی یہی وہ واحد سوٹ تھا جو اس کی سالگرہ پر آخری بار اس کی امی نے اپنا پیٹ کاٹ کر اور محنت مشقت کر کے اس کے لیے سلوایا تھا۔ اس سوٹ پر وہی طلائی جوڑا جو وہ گھر میں پہنی رہتی تھی۔ وہی طلائی چین اور انگوٹھی۔ اس نے تو ڈر کے مارے میک اپ بھی نہیں کیا تھا کہ کہیں صوفیہ بیگم اعتراض نہ کر بیٹھیں۔

وسط اپریل کا زمانہ تھا کہساروں پر برف پگھلنی شروع ہو گئی تھی۔ چمک دار سا دن جس میں ہری ہری پہاڑیوں سے لدے درخت بڑے دھلے دھلے اور تر و تازہ لگ رہے تھے، ہواؤں میں ایک کیف سا رچا تھا اور موسم بھی بڑا عاشقانہ سا ہو رہا تھا جب وہ شہزادی شہوار کی کار میں بڑے ٹھاٹ اور تمکنت سے بیٹھی ذوالفقار محل کا رخ کر رہی تھی۔ دل تو اسی وقت سے بلیوں اچھل رہا تھا جب سے تیار ہونے کا حکم ملا تھا اور تیاری بھی کیا تھی یعنی ایسے ہاتھی گھوڑے بھی نہیں لگے تھے۔ البتہ کار کے انتظار میں ایک گھنٹہ ایک صدی کے برابر لگ رہا تھا۔ کشش ثقل سے بھی بڑھ کر کوئی کشش تھی جو اسے ذوالفقار محل کی طرف کھینچے لیے جا رہی تھی اپنی زندگی میں شاید ایک آدھ بار ہی ایسا خوشی کا موقع آیا تھا پتا نہیں کیا سوچ رہی تھی، کہاں پہنچی ہوئی تھی، کہ کبھی حسین تر عارض پر شنگرفی رنگ دہک اٹھتے اور کبھی ایسی بے خود اور گم سم سی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

ہوجاتی کہ گردوپیش کی کچھ خبر ہی نہ رہتی۔ بہرحال اس کے خیالات کار سے زیادہ تیزی سے
طرف دوڑے جارہے تھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جس کی وجہ سے دل کے پاتال میں ایک ہلچل
دل مختلف کیفیات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

وہ خود کہاں ہے؟..... کیسا ہے..... اور کیا کررہا ہے بس یہ تو ایک یک طرفہ لگن تھی..... ایک
جذبہ تھا۔ ایک آگ تھی تپش تھی۔ جس نے اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا
سے کچھ ملنے کا امکان تھا نہ توقع۔

آخر خدا خدا کر کے یہ مختصر سا سفر تمام ہوا۔ وہ بڑی عزت و احترام کے ساتھ حسب سابق
کرکے اوپر پہنچی تو شہزادی شہوار نے بنفسِ نفیس زینے کے سرے پر بڑے تپاک سے اس کا
کیا۔

"آپ تو اس روز ہم پر جانے کون سا سحر پڑھ کر پھونک گئی تھیں کہ ہم ایک لمحہ بھی آپ کی
غافل نہ رہ سکے۔" انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اسے گلے لگالیا اور کہا..... اور اپنی اتنی عزت
افزائی پر طوبیٰ کا دھکڑ پکڑ کرتا دل کھل اٹھا۔

"آیئے پارلر میں بیٹھتے ہیں، آج تو آپ سے دل بھر کے باتیں ہوں گی۔"

"صرف ایک گھنٹے کی اجازت ملی ہے۔" طوبیٰ نے ان کی بات پر گھبرا کر جواب دیا۔

"لیکن ہم تو آپ کو شام سے پہلے نہیں جانے دیں گے، آپ گھبرایئے نہیں، ہم ابھی آ
جان سے کہہ دیتے ہیں، اتفاق سے آج اُنہی سے ہماری بات ہوئی تھی۔" پھر اپنی خواب
ایک آراستہ و پیراستہ پارلر میں انہوں نے طوبیٰ کو بٹھایا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے
مشروب اور کھانے کی ہلکی پھلکی چیزوں سے اس کی تواضع کر کے شہوار اٹھتی ہوئی بولیں۔

"تھوڑی دیر کے لیے ہمیں اجازت دیجیے، ذرا آغا خان کی خیریت پوچھ آئیں اور ساتھ
آپ کے دولت کدے پر فون کرکے آپ کے لیے اجازت بھی لے لیں گے۔"

"بہتر ہے۔" طوبیٰ بھی احتراماً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا آیئے ہم آپ کو اپنے ذاتی نگار خانے میں چھوڑ دیتے ہیں، آپ ذرا وہاں کی
دیکھیے۔" شہوار نے کچھ سوچ کر کہا اور اسے اپنے ساتھ ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ ایک طویل
سے گزر کر وہ طوبیٰ کو لیے ایک وسیع و عریض گیلری میں داخل ہوئیں، جہاں بڑے بڑے
ناگوری گل دانوں کے درمیان..... دیواروں اور کاؤنٹر نما بنچوں پر بڑی ترتیب اور قرینے سے
سینریاں اور تصاویر رکھی تھیں، سینریاں تو خیر ہاتھ ہی کی بنی ہوئی تھیں مگر تصاویر تمام کی تمام قلمی
ایسی شاہکار کہ جن پر حقیقت کا گمان ہورہا تھا، سر بختیار کے آباؤ اجداد کی تصاویر خود سر بختیار کی
ان کے قرابت داروں کی تصاویر، فنکاری کا ایک سے ایک نادر نمونہ۔ وہ ایک ایک تصویر
دیکھتی، دائیں طرف مڑی تو یوں لگا جیسے دھڑکنیں ساکت ہوگئی ہوں، اس کا ٹھٹک جانا ایک قدرتی
تھی کیونکہ نظروں کے سامنے ہی پرنس شہریار کھڑے تھے، مگر یہ اس کی نظروں کا دھوکا تھا، اصل
کی ایک قدِ آدم تصویر تھی، جس پر اصل کا گمان ہورہا تھا۔ بڑی مشکلوں سے اپنی دھڑکنوں پر قابو
اس تصویر کے نزدیک آئی۔ شہریار اپنے روایتی شاہی لباس پر صافہ باندھے اور صافے پر نگین

پیشانی پر قیمتی جواہرات سے مزین جیغہ لگائے، میان میں لٹکی ہوئی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھے، بڑے
وقار اور طنطنے کے ساتھ کھڑے تھے۔ نگاہیں مسکرا رہی تھیں، مگر حسین تر چہرے پر وہی دبدبہ اور جلال
تھا، اور خوبصورت اور مضبوط دہانے پر بے پناہ متانت۔ چوڑا چکلا سینہ۔ دراز قد۔ اف کس بلا کا دبدبہ تھا
اور کس قیامت کا حُسن کہ نگاہیں ان پر جم کر رہ گئیں، ویسے ہی ان کی موجودگی میں تو وہ ان کو ڈھنگ سے
دیکھ بھی نہ سکتی تھی، بلکہ کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ بس جتنی بار نظر پڑی تھی، وہ ڈری سہمی اور محتاط..... اور کجا کہ اس
قدر بے دھڑک اور بے جھجک ہو کر دیکھنا، دل کا جو عالم ہورہا تھا، اسے وہ خود بھی بیان کرنے سے قاصر
تھی..... اپنا محبوب آنکھوں کے سامنے تھا۔

اتنا قریب تھا کہ وہ اسے چھو سکتی تھی۔ انجانی سی مسرت پورے وجود میں ایک ارتعاش سا پیدا کررہی
تھی، ڈوبتی ابھرتی دھڑکنیں دل کے پاتال میں ایک حشر سا بپا کررہی تھیں۔

جی چاہ رہا تھا جبین نیاز کو اس کے قدموں میں ٹیک دے۔

یا پھر اس کی تصویر کو دل کے کسی نگار خانے میں چسپاں کرلے، اُف کیا کرے کیا نہ کرے..... اس کی
سمجھ میں نہ آرہا تھا۔

نگاہیں بدستور تصویر پر جمی تھیں، اور ہوش گم تھے کہ شانوں پر ہلکے سے دباؤ کے ساتھ عقب سے شہوار
کی آواز آئی۔

"یہ ہمارے بھائی جان ہمارے آغا شہریار ہیں۔" اور وہ اپنی محویت سے اس بُری طرح چونکی کہ پیچھے
پلٹنے کی کوشش میں شہوار سے ٹکرا گئی۔

"جی ہاں میں ان کو کئی بار دیکھ چکی ہوں۔" طوبیٰ نے اپنی خجالت پر قابو پا کر کہا۔

"صرف دیکھ ہی چکی ہیں..... ملی نہیں.....؟" شہوار نے پوچھا۔ ان کی خوبصورت آنکھوں سے شوخی
ہویدا تھی۔

"جی..... جی ہاں مل بھی چکی ہوں....." طوبیٰ شپٹا سی گئی۔

"یہ کلب وغیرہ کی ایکٹوٹیز آپ کو بہت پسند ہیں....." شہوار نے اسے شرمندگی سے بچانے کو
بات بنائی۔

"جی نہیں..... بالکل نہیں....." طوبیٰ نے کہا۔

"تو پھر آپ وہاں کیوں جاتی ہیں؟" شہوار نے پوچھا۔

"بس جیسا دیس ویسا بھیس..... جاتی نہیں لے جائی جاتی ہوں۔" طوبیٰ نے پھر اپنی بے بسی کا اظہار
کیا۔

"آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے؟" شہوار نے پھر بات گھمائی۔

"لاہور کے ایک کونونٹ میں، مگر میٹرک پرائیویٹ کیا ہے۔" طوبیٰ نے بے سادگی سے بتایا۔

"اچھا اب آیئے ہم ایک اور جگہ چل کر بیٹھتے ہیں..... وہیں کھانا بھی کھائیں گے۔" شہوار نے اس کا
ہاتھ پکڑا اور گیلری کے دوسرے دروازے سے نکل کر ایک پیسج سے گزر کر ایک اور کمرے میں آگئیں۔
اصل میں یہ کمرہ یا ہال نہیں بلکہ ایک بہت کشادہ اور روشن لاؤنج تھا جو آرائش و زیبائش کی تمام تر دل
کشی لیے تھا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

''ہم آپ کے چچا سے آپ کے لیے اجازت لے چکے ہیں۔ اب آپ یہاں اطمینان سے ...'' شہوار نے کھلے ہوئے دریچوں کے نزدیک ایک کوچ پر اسے بٹھاتے ہوئے کہا۔

''جی شکریہ۔ لیکن عتاب سے پھر بھی نہ بچ سکوں گی۔'' طوبیٰ بولی۔ پھر اسی دم اسے اپنی ... احساس ہوا کہ کسی پر اپنی بے بسی اور مجبوریوں کا اظہار کرنا ٹھیک نہیں، اس سے دوسروں کی نگاہ ... ہوتی ہے۔

''کس کے؟'' شہوار نے متجسس ہو کر پوچھا۔

''بس..... بھی کے۔ میرا مطلب ہے کہ گھر کے بزرگ نافرمانی پر چراغ پا ہی ہوتے ہیں'' طوبیٰ نے جلدی سے بات بنائی۔

شہوار تاڑ گئیں۔ مگر انہوں نے بتایا نہیں۔ کان میں پڑے آویزے کو سیدھا کرتی ہوئی بولیں۔

''آپ کا غائبانہ تعارف چھوٹے آغا نے جس انداز میں کرایا تھا ہمیں اسی روز سے آپ ... شوق پیدا ہو گیا تھا۔''

''اچھا۔ صرف میرا ہی۔'' طوبیٰ نے متحیر سے انداز میں پوچھا۔

''نہیں، اصل میں تو انہوں نے آصف صاحب کے بارے میں ساری تفصیل بتائی تھی..... ان کے اخلاق کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ اور پھر.....'' انہوں نے بات کہتے کہتے رک کر عجیب نظروں ... دیکھا، اور ہلکے سے مسکرا کر بولیں۔

''اور پھر آپ کے بارے میں بھی بتایا تھا۔'' کہنے کا انداز کچھ جتانے کا سا تھا۔ طوبیٰ ... کمتری کی وجہ سے شرمندہ سی ہوگئی۔ شاید انہیں بھی میرے متعلق سب کچھ معلوم ہے۔ اس ... دکھ سے سوچا۔

''آصف صاحب نے آپ کو منگنی کی انگوٹھی تو پہنائی ہوگی۔'' انہوں نے بڑا ٹیڑھا سا سوال کیا۔

''جی ہاں..... پہنائی تو تھی۔'' طوبیٰ — گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

''پہنائی تو تھی کا مطلب..... کیا آپ نے اس وقت نہیں پہن رکھی؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں!'' طوبیٰ نے دھیرے سے کہا۔

''کمال ہے۔ منگنی کی انگوٹھی تو اتاری نہیں جاتی۔'' شہوار نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''ہوں۔ کیونکہ میں نے یہ انگوٹھی پہن رکھی ہے، یہ میری مرحومہ ماں کی نشانی ہے۔'' اس نے ... وجہ بتائی شہوار کو اس سے اطمینان نہیں ہوا۔

''ویسے تو کسی کے نجی معاملات کو کریدنا یا ٹوہ لگانا نہایت غیر اخلاقی فعل ہے مگر اتنا ضرور کہوں گی ... احساسات کو مجبوری اور لاچاری کے ہاتھوں فنا کر دینا بھی ٹھیک نہیں کیونکہ ہر انسان اپنا کچھ نہ کچھ ... حق رکھتا ہے۔'' شہوار ناصحانہ سے انداز میں بولیں۔

''جی..... جی ہاں.....'' طوبیٰ نے ان کی بات کا مطلب سمجھ کر صرف اسی قدر کہا۔

''جی ہاں کیا..... کچھ کر کے بھی تو دکھایئے۔'' شہوار بولیں، پھر اسی دم بات پلٹ دی۔

''ہم نے آپ سے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا، یقین جانیے اُس دن کی ملاقات کے بعد سے ہم ایک ... بھی آپ کو بھلا نہ سکے تھے، کئی بار ہمارا دل چاہا آپ ہمارے پاس تنہا آئیں تا کہ آپ سے دل ...

READING Section

باتیں کر سکیں، کچھ آپ کے غم غلط ہوں اور کچھ ہمیں اپنی اس بوری زندگی سے نجات ملے، تو یہ خواہش آج پوری ہو ہی گئی، مگر آپ کے جانے کا خیال آپ کے آنے کی مسرت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے۔'' یہ شہوار کہہ رہی تھیں، اس نے ممنون اور عقیدت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا، ان کے خم دار سنہری بالوں کے سرے یوں لگ رہے تھے جیسے مکئی کی تازہ بالیوں کو یکجا کر دیا گیا ہو۔ چمکتی موتی خوبصورت آنکھیں ستواں مگر تو کیلی سی ناک، تنگ سے دہانے پر ابھرے ابھرے سے گلابی ہونٹ، بڑی بڑی سفید ڈیلوں سے گھری براؤن پتلیاں، شہابی رنگت، گداز جسم اور سرو قد، طوبیٰ کو اس وقت اسی انداز میں گلابی سوٹ میں ملبوس شہوار بہت ہی پیاری لگیں۔

''جی ہاں دل تو میرا بھی نہیں چاہتا، مگر کیا کیا جائے کہ مجبوری ہے۔'' ان کی پُر خلوص گفتگو کے جواب میں طوبیٰ یہی کہہ سکی۔

''ویسے جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے، بجیا آپ کی بڑی مداح ہیں، کیا آپ کی چچی کا رویہ بھی ان ہی جیسا ہے؟'' شہوار نے اپنے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''نہیں..... وہ بزرگ ہیں۔ اور بزرگوں کا رویہ بہر حال مختلف ہوتا ہے۔'' طوبیٰ نے بہت سنبھل کر بتایا۔

''اوہ یہ تو کچھ گیپ کا سا حساب کتاب ہے، بزرگوں کے رویّوں کو ایک مخصوص ڈھب سے بتانا۔'' شہوار نے مذاقاً کہا۔

''نہیں گیپ ویپ کا ہمارے یہاں کوئی تصور نہیں، ہم چونکہ لڑکیاں ہوتی ہیں، اس لیے ہمارا یہ قصور ہوتا ہے کہ ہم پیدا ہی کیوں ہوئیں اور چونکہ ہو ہی جاتی ہیں اس لیے روایات اور رواجوں کی صلیب پر چڑھے رہنا ہمارا مقدر بن جاتا ہے، ہمارے لیے معاشرے میں جو نظریہ قائم ہے، وہ ہر خاص و عام یعنی امیر و غریب کے لیے یکساں ہوتا ہے، اب آپ اپنی ہی مثال لے لیجیے، آپ بھی اپنی انہی روایات کی پابند نظر آ رہی ہیں، آپ کے پاس قدرت کی عطا کردہ ہر نعمت موجود ہے، مگر شخصی آزادی سے آپ بھی محروم کر دی گئی ہیں۔ اور بزرگ تو بیٹیوں کی فلاح اور اصلاح کے ہی خواہاں ہوتے ہیں۔''

اصل میں طوبیٰ نہیں چاہتی تھی کہ اپنے چچا کے گھر میں اس کی جو حیثیت تھی وہ دوسروں پر عیاں ہو، وہی مثل تھی کہ اپنا ہی گھٹنا کھولو اور آپ ہی لاجوں مرو۔ کسی سے کچھ کہہ کر خود دوسروں کی نظروں میں انسان گر جاتا ہے نا۔

''ہوں..... علیٰ ہذا القیاس..... لیکن بات تو آپ کی مجبوریوں کی ہو رہی ہے، مگر ہم آپ کے حالات سے پورے طور پر واقف نہیں لیکن ایک بات تو ہمیں بھی کھٹکتی ہے اور وہ ہے آپ کی منگنی کی انگوٹھی نہ پہننے والی بات۔'' شہوار نے یہ کہہ کر گویا اس کی دُکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور اسے یوں لگا جیسے اس کی ساری حقیقت بے نقاب ہو گئی ہو۔

اور اپنی حقیقت کی نقاب کشائی تو کوئی بھی خود اپنے ہاتھوں نہیں کرتا، متجسس اور مشتاق سی شہوار نے جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا، طوبیٰ کی نگاہیں کھلے دریچوں سے باہر دور تک پھیلے دلفریب منظر پر ٹکی تھیں، دن کے تیز اُجالوں میں اس کی غزالی اور یاس بھری آنکھوں میں عشق پیچاں کی متحرک بیلوں کا عکس بلور پر سرسراتی ہوئی لکیروں کی مانند لگ رہا تھا۔ حسین تر چہرے کی شہابی رنگت میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

دل کا سارا کرب جھانک رہا تھا، اور شباب ورعنائی کا مرقع اس کی سوگوار سی اُٹھان۔ شہوار ایک ٹک اسے دیکھتی رہ گئیں۔ اور ان کی نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کر کے طوبیٰ نے اپنی محویت سے چونک کر کہا۔

''منگنی کی انگوٹھی نہ پہننے کی وجہ..... وہ بس دیکھیے نا.... نسبت تو میرے چچا اور بچیا کی مرضی اور خوشی سے ہوئی ہے، مجھے تو وقت کے وقت ہی معلوم ہوا تھا کہ.... اور.... اور جہاں تک میرا خیال ہے آغا صاحب کو بھی میری طرح لاعلم رکھا گیا تھا، ویسے میں نے کافی عرصے تو پہنی ہے وہ انگوٹھی.... اور اب بھی کبھی کبھی پہن لیتی ہوں۔ اتفاق سے آج ہی نہیں پہنی، اصل میں آپ سے ملنے کی خوشی میں یاد نہ رہا۔''

''اوہ اچھا اچھا تو بھول گئی تھیں آپ، خیر میں نے تو مذاقاً پوچھ لیا تھا اور آپ سچ مچ ہی سنجیدہ ہوگئیں۔'' شہوار نے اسے بات پر بات پلٹتے دیکھ کر جلدی سے کہا، اسی دم ملازمہ نے خاصہ تیار ہونے کی اطلاع دی۔

''یہیں لے آؤ۔'' شہوار نے اس سے اپنی زبان میں شاید یہی کہا تھا۔

''خدا چھوٹے آغا کو سلامت رکھے۔ وہ یہاں موجود ہوتے ہیں تو ہم یہیں کھانا کھاتے ہیں۔'' انہوں نے طوبیٰ سے کہا۔

''کبھی کبھی تنہائی کا احساس بڑی اذیت سی پہنچاتا ہے خصوصاً جب سے آغا جان صاحب فوت ہوئے ہیں..... اور چھوٹے آغا کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں، طعام خانہ ویران ہی پڑا رہتا ہے۔ اتنی بڑی میز پر تنہا بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے اچھے تو نہیں لگتے۔ ہمیں کبھی کبھی ان ساری نعمتوں سے بھی کوفت ہوتی ہے جو قدرت نے ہمیں عطا کی ہیں، سانس بھی لیتے ہیں تو رسم ورواج کی قید و بند میں۔ کبھی انسان کی شخصی آزادی کا تصور تو یہاں آ کر ختم ہی ہو جاتا ہے، کبھی تو ہم تمنا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کسی غریب کے گھر پیدا ہوئے ہوتے، جہاں روکھی سوکھی کھا کر اور موٹا جھوٹا پہن کر کم از کم آزادی اور سکون کا سانس تو لیتے۔'' شہوار اپنے اکیلے پن کا گلہ کرنے لگیں تو اس نے ہنس کر دل میں سوچا۔ اگر کسی غریب گھرانے میں پیدا ہو جاتیں تو ساری عمر تقدیر کا گلہ کرتی رہتیں۔ اپنی یہ خوبصورتی۔ مزاج کا طنطنہ۔ پُرتمکنت اور آن بان ایک جنجال معلوم ہوتی' کسی نے سچ کہا ہے کہ انسان نہ صرف کسی بھی حال میں خوش نہیں رہتا بلکہ بے حد ناشکرا اور ناقدر شناس ہے' اب یہ کفرانِ نعمت ہی ہے جو شہوار کہہ رہی ہیں اس نے ان کی بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی نہ جانے کیسی کیسی تمنائیں کرتی ہیں۔ جو انہونی ہی نہیں ناممکن بھی ہوتی ہیں۔'' شہوار نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ ٹرالی میں سجا کھانا آ گیا تھا' اور دو ملازمائیں بھی۔

''آپ نے ناحق اتنا تکلف کیا۔ میں تو تھوڑی دیر کو آئی تھی' مگر وہی مثل ہے کہ دانے دانے پر لکھا ہوتی ہے' آج قسمت میں یہاں کا کھانا لکھا تھا۔'' طوبیٰ جو بہت زیادہ خجل ہو رہی تھی' اپنی جھینپ مٹانے کی غرض سے بولی۔

''ہمارے یہاں کا کھانا نہیں لکھا بلکہ بہت عرصے بعد خدا نے ہمارے یہاں ایک مہمان بھیج کر ہمیں بھی میزبانی کے شرف سے نوازا ہے۔'' شہوار بولیں' پھر انہوں نے بہت اصرار کر کے اسے اس کی

بھوک سے زیادہ کھلا دیا۔ کھانے کے بعد چونکہ قیلولے کا وقت ہو گیا تھا' اس لیے شہوار اسے مہمان خانے کی ایک خواب گاہ میں لے آئیں۔

''اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو کچھ عرض کروں۔'' طوبیٰ خواب گاہ میں داخل ہو کر بولی۔

''جی ہاں ضرور..... ارشاد۔'' شہزادی شہوار نے بڑے موڈ میں کہا۔

''اس وقت اگر اجازت دے دیں تو عنایت ہو۔ اب تو مجھے یہاں آئے کئی گھنٹے ہو گئے ہیں' پہلا موقع ہے' اگر آپ کے ارشاد کے مطابق دیر سے گئی تو آئندہ شاید اجازت نہ ملے۔'' طوبیٰ نے بڑی لجاجت سے کہا۔ اس خیال نے کہ میجر صاحب سو کر اٹھتے ہی کہیں چلے گئے تو صوفیہ بیگم کے ہاتھوں اس کی شامت ہی آ جائے گی' اسے سخت ہراساں کر رکھا تھا۔ شہوار تھوڑی دیر کچھ سوچتی رہیں پھر اس کی طرف غور سے دیکھا اور اس کے چہرے پر فکر و تردد کے آثار دیکھ کر بولیں۔

''اچھا ٹھہریے ہم گاڑی پورچ میں لگوائے دیتے ہیں۔'' انہوں نے ایک دم ہی سنجیدہ ہو کر بات ختم کر دی اور پھر کچھ ہی دیر بعد جب وہ ان سے رخصت ہونے لگی تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تیرتی خلوص کی نمی کے ساتھ اس سے کہا۔

''آپ کا روز روز آنا تو مشکل ہی ہے اور ہم زحمت بھی نہ دیں گے مگر جب بھی طلب کریں آپ بلا تامل چلی آیئے گا۔'' اور طوبیٰ ان کی اتنی زیادہ خلوص اور اپنائیت بھری بات کو رد نہ کر سکی' آئندہ جلد ہی آنے کا وعدہ کر کے ان کے یہاں سے چلی آئی' مگر اتنا اچھا سا وقت گزار کر وہ ذرا بھی خوش نہ تھی' گھر پہنچ کر صوفیہ بیگم کی لعنت ملامت اور ڈانٹ پھٹکار سننے کا فکر اسے احساس سے بیگانہ کر گیا تھا۔ اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا' میجر صاحب اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے جس وقت وہ گھر پہنچی اور صوفیہ بیگم ڈنڈا سنبھالنے کے مصداق بھری بیٹھی تھیں۔ گو وہ چوروں کی طرح اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ تاکہ ان کی نظروں سے محفوظ رہ سکے' اور ویسے بھی وہ وقت صوفیہ بیگم کے آرام کرنے کا تھا۔ مگر.... اس کی قسمت کہ عارف کچھ ہی دیر قبل پنڈی سے آ کر اترا تھا' اور صوفیہ بیگم ڈرائنگ روم میں بیٹھی اس کا حال احوال پوچھ رہی تھیں کہ انہوں نے اس کو چوروں کی طرح اپنے کمرے میں جاتے دیکھ لیا۔ اور عارف کو وہیں چھوڑ کر وہ دندناتی ہوئی اس کے کمرے میں پہنچیں۔

''آ گئیں آوارگی کر کے۔'' انہوں نے چھوٹتے ہی الفاظ کا ڈنڈا سنبھالا۔

''جی....'' طوبیٰ ان کے طرز تخاطب سے ہی لرز کر رہ گئی۔

''جی۔ کیسی بھولی بنتی ہے کم بخت۔ سبھی تو مرد دیوانے ہو جاتے ہیں تیرے پیچھے۔'' صوفیہ بیگم خونخوار نظروں سے اسے گھورتی ہوئی بولیں۔

''میں کہتی ہوں تو چلی کیسے گئی۔ میں نے تو منع کر دیا تھا' پھر تیری کیسے ہمت ہوئی کہیں جانے کی۔'' اسے خاموش اور نگاہیں جھکائے کھڑا دیکھ کر صوفیہ بیگم کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔

''وہ.... وہ چچا جان نے....'' طوبیٰ نے ڈرتے ڈرتے زبان کھولی ہی تھی کہ صوفیہ بیگم نے دھاڑ کر کہا۔

''اے چل چچا جان کی بچی۔ پتا نہیں کس کا جھونجھ ہے اور چلی ہے چچا جان اور امی جان کہنے.... جیسے ہم ہی تو رہ گئے ہیں دوسروں کی کثافت سمیٹنے کو۔ اب اگر تیرا باوا بھی قبر میں سے نکل کر کہیں جانے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

اجازت دے تو خبردار جو گھر سے قدم باہر نکالا۔ ورنہ ناک کان کاٹ کو چیل کوؤں کو دے دوں گی۔ لو بھلا غضب اندھیرا ہمارے منع کرنے پر بھی آوارگی کو نکل کھڑی ہوئی' بڑا اسے موئے سفید تھوتھنے پر ناز ہے۔ میرے بچے کو تو پھانس ہی لیا' اب ادھر ادھر منہ مارنے سے بھی باز نہیں آتی!'' صوفیہ بیگم مدتوں کی بھڑاس اس طرح نکالی تو دروازے کی اوٹ میں کھڑے عارف نے جو ماں کے پیچھے پیچھے آ گیا تھا اور باہر کھڑا سب کچھ سن رہا تھا' اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

''خیر تو ہے امی جان ان سے ایسی کیا خطا ہوگئی۔'' عارف کو ماں کی باتیں ناقابل برداشت لگی تھیں۔

''اے کیا پوچھتے ہو بیٹا' اس ناشدنی نے تو کہیں کا نہ رکھا' جب سے آئی ہے گھر کا ماحول ایک عذاب ہوگیا ہے' اب گھر سے دل بھر گیا ہے تو باہر تاکتی پھرتی ہے لوگوں کو۔ موئی قطا کہیں کی۔'' صوفیہ بیگم باقی ماندہ بھڑاس نکالتی ہوئی بولیں۔

''لیکن امی جان انہیں تو پاپا نے بھیجا تھا وہ بھی ذوالفقار کاسل پھر ان کا کیا قصور۔'' ماں کے سامنے عارف ایک دم ہی اس کی طرفداری نہ کر سکا۔

''تم سے کوئی کچھ پوچھ رہا ہے' تم اپنے کام سے کام رکھو چلو جا کر دیکھو تمہارے پاپا جاگ گئے یا ابھی سو رہے ہیں' اتنی دیر سے آئے بیٹھے ہو اور انہیں پتا تک نہیں۔'' صوفیہ بیگم نے تڑخ کر کہا۔ انداز لتاڑنے کا سا تھا۔ عارف ایک نظر مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی طوبیٰ پر ڈال کر باہر نکل گیا اور صوفیہ بیگم منہ ہی منہ میں طوبیٰ کو برا بھلا کہتی اپنے کمرے میں چلی گئیں' اتنا کچھ کہہ کر بھی ان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا' جیسے وہ کسی ایسے ہی موقع کی منتظر بیٹھی تھیں کہ جوں ہی وہ آئے اور وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالیں ورنہ ان کے خاندان کے کسی فرد کا ذوالفقار کاسل میں بلایا جانا کسی اعزاز سے کم نہ تھا۔ لیکن ان نے اپنے بچوں کے بجائے ان کے ٹکڑوں پر پلنے والی اوارث اور بیچ طوبیٰ وہاں بلائی گئی تھی' اور طوبیٰ چلی گئی تھی' تو گویا قیامت ہی ہوگئی تھی' وہ بھی جلد آنے کے بجائے دیر میں آئی تھی' ان کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا ہی نہ ہو رہا تھا۔ وہ تو اپنے میاں کی وجہ سے تھوڑی سی مروت برت گئی تھیں ورنہ اس ناقابل معافی اور تلافی جرم پر دھکے دے کر اسے اپنے گھر سے نکال دیتیں۔

انہوں نے جس انداز میں اپنے رکیک اور غلیظ خیالات کا اظہار کیا تھا اور جس حقارت اور نفرت سے اسے لعنت ملامت کی تھی' وہ طوبیٰ کی غیرت اور حمیت پر کسی کاری وار سے کم نہ تھی' آخر ایک بے بس، لاچار انسان اپنی مجبوریوں کے تحت دوسروں کی مرضی اور خوشی کا غلام کہاں تک بن سکتا ہے' اس کے بھی تھوڑا بہت پتا ہوتا ہے۔ اس کے اپنے بھی کئی احساسات ہوتے ہیں' غیرت و حمیت ہوتی ہے' انا اور وقار ہوتا ہے۔ جنہیں صوفیہ بیگم نے بالکل ہی بے معنی کر کے رکھ دیا تھا' اس کے باوجود بھی وہ اس قدر مجبور۔ اور بے بس تھی کہ کہیں جا سکتی تھی نہ کچھ کھا کر سو سکتی تھی' بس ایک آنسوؤں کا خزانہ ہی لامحدود تھا' جسے وہ بے دریغ بہائی رہی تھی' اور بہا رہی تھی۔ اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ چاچی سے کچھ کہہ دے' البتہ اتنا ضرور ہوا تھا کہ آتے ہی لباس تبدیل کر کے گھر کے کاموں میں جت جانے کے بجائے اپنے کمرے میں پیر فرش پر ٹکائے اپنے بستر پر بیٹھی خون کے آنسو بہا رہی تھی۔

عارف کو ماں کے رویے کا علم تو تھا' مگر اس حد تک نہیں' جب سے ماں کی گفتگو سنی تھی' رنج کے مارے ٹوٹا جا رہا تھا۔ طوبیٰ سے اسے دلی انسیت ہوگئی تھی' اور آصف کے تعلق سے اس کے رشتے کی اہمیت کا

بھی احساس تھا' رنج و شرمندگی کے مارے وہ ڈھنگ سے باپ سے بات بھی نہیں کر سکا تھا' اس واقعے کے بعد گھر ہی نہیں آیا تھا۔ کچھ غصہ تھا اور کچھ غم۔ مگر اب اتنے دن بعد امتحانات کی وجہ سے ریویژن کے لیے جو چھٹیاں ملی تھیں' انہیں گھر پر گزارنے کے ارادے سے آیا تھا' کہ آتے ہی یہ باتیں سننے کو ملیں۔ ماں کے سامنے ان کے ڈر کی وجہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ باپ سے کچھ کہنا ماں کی شکایت کرنے کے مترادف تھا اور پھر ماں یا باپ سے کچھ کہنے سے حاصل بھی کیا ہو سکتا تھا۔ ترکش سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لانا ممکن ہی نہیں ہوتا' صوفیہ بیگم نے زبان سے جتنے کاری وار لگائے تھے ان کا مداوا ہو ہی نہیں سکتا۔ زبان کے وار تو تیز دھار تلوار سے بھی کاری ہوتے ہیں، اور ان زخموں کو ہمدردی، خلوص اور دل دہی کے چند بولوں سے ہی چاٹا جا سکتا ہے، عارف کچھ دیر باپ کے پاس بیٹھا رہا، اور جب وہ چلے گئے تو ماں کی طبلی پر ان کے پاس چلا آیا۔ وہ دیر تک اس سے شفق اور اس کی ساس کے متعلق باتیں کرتی رہیں، حتیٰ کہ مغرب کا وقت ہوگیا۔ اس اثنا میں طوبیٰ اسے کہیں بھی نظر نہ آئی تھی، جب کہ وہ چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد اس کے پاس پہنچے اور اس کی دل دہی اور دلجوئی واشک شوئی کرے، یا کم از کم جو زیادتی اس کے ساتھ ہوئی ہے اس پر اپنی طرف سے معذرت ہی کر لے، صوفیہ بیگم بھی ایک گھاگ تھیں، بیٹے کو اپنے پاس سے ہلنے ہی نہ دیا، اس کی موجودگی میں مغرب کی نماز ادا کی پھر اٹھ کر رات کے کھانے کی تیاری دیکھنے لگیں تو کہیں جا کر عارف کو طوبیٰ کے پاس جانے کا موقع ملا، وہ ابھی مغرب کی نماز ادا کر کے اٹھی ہی تھی، عارف کو اپنے کمرے میں کھڑا دیکھ کر اس نے منہ پھیر کر اپنی سوجی ہوئی آنکھوں کو اس سے چھپایا، اور عارف کا دل اس کے لیے کٹ کر رہ گیا۔

''پلیز بھلا مجھ سے ایسا کون سا قصور سرزد ہوگیا جو آپ میری شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں۔'' عارف نے اپنی فطری شوخی برقرار رکھنے کی کوشش میں کہا، مگر طوبیٰ خاموش اسی طرح منہ پھیرے کھڑی رہی۔

''ارے بھئی اتنا تو بتا دیجیے کہ اس بندۂ ناتواں پر یہ عتاب کس سلسلے میں ہے بس اتنی خطا ضرور ہوئی ہے کہ پورے چھ ماہ بعد آیا ہوں، تو وہ ایک مجبوری تھی، اس میں اس قدر خفا ہونے کی کیا بات ہے؟'' عارف نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے کچھ معلوم ہی نہ ہو۔

''اور خفا تو مجھے ہونا چاہیے تھا کہ اتنے دن بعد آیا تو آپ غائب تھیں۔ بڑی دیر تک کوفت کا چکن روسٹ کھاتا رہا، ویسے آپ نے بنایا بہت لذیذ تھا۔'' عارف نے اپنی بات پوری کی مگر ادھر سے پھر جواب ندارد بلکہ ہچکیاں اور سسکیاں شروع ہوگئیں، اور عارف کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

''آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا مجھے اس پر سخت افسوس ہے طوبیٰ باجی.....اور میں اس پر آپ سے معذرت خواہ ہوں۔'' اور طوبیٰ اپنی سسکیاں روک کر اس کی طرف گھومی۔

''تم میرا ایک کام کر سکتے ہو عارف۔'' اس نے گریہ سے بوجھل آواز میں پوچھا۔

''کیوں نہیں دل و جان سے۔'' عارف اسے خوش کرنے کے لیے بولا۔

''تو پھر مجھے تھوڑی سی سنکھیا لا دو۔ میں تمہارا یہ احساس عمر بھر نہ بھولوں گی۔'' طوبیٰ نے کہا۔

''لانے میں تو مجھے کوئی عذر نہیں مگر آج کل ملاوٹ کا زمانہ ہے، سنکھیا میں عموماً بھنگ ملی ہوئی ہوتی ہے اور نیلا تھوتھا آج کل رنگین مٹھائیوں میں استعمال ہوتا ہے، البتہ سائنائڈز و داثر ہے مگر اس کے حاصل کرنے میں کچھ وقت لگے گا کیونکہ وہ پنڈی اور کراچی کی لیبارٹریز سے ہی دستیاب ہو سکتا ہے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

عارف نے مسکین سی شکل بنا کر کہا۔ تو طوبیٰ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، عارف کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ خوددار لڑکی صوفیہ بیگم کی سخت سُست باتوں کو برداشت نہ کر سکے گی، ادھر اسے اپنے بھائی کی روش کا بھی علم تھا، وہ اس کا غم ہلکا کرنے کی غرض سے بولا۔

''اچھا اچھا بھئی مذاق ایک طرف..... میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بے دھڑک بتا دیجیے۔''

''سنو عارف میں تو تمہیں بھائی کی طرح عزیز رکھتی ہوں اور تم ہو کہ میرا مذاق اُڑا رہے ہو، آخر حد ہوتی ہے بے حسی کی اور پھر میں ہوں بھی کس مصرف کی، زمین پر اور اپنے مہربانوں پر ایک بوجھ بنی ہوں، یقین جانو عارف یہاں کسی کو مجھ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، پھر بیکار ہی ہے نا میرا یہاں رہنا۔'' طوبیٰ اس کی باتوں پر چڑ کر بولی۔

''تو کیا کہیں جانے کا بھی ارادہ ہے، گویا خودکشی کا ارادہ ملتوی، مگر کہاں جائیں گی آپ؟''

''ملکِ عدم۔'' طوبیٰ جل کر بولی۔

''یہ ملک چین، ملک عرب کے علاوہ دنیا کی نقشے پر کیا ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا ہے۔'' عارف غیر سنجیدہ موڈ میں نہ سہی، مگر نہایت غیر سنجیدہ ہو کر بات کر رہا تھا۔

''نہیں یہ ہم جیسے تاریک مقدر رکھنے والوں کے لیے سکون و عافیت کا ایک گہوارہ ہے اور مجھے تو اس روز مر جانا چاہیے تھا، جب وہ حادثہ ہوا تھا لیکن تم کو مجھ سے بھلا کیا ہمدردی ہو سکتی ہے، تم تو میرا مذاق اڑانے والوں میں سب سے آگے ہو۔'' طوبیٰ کو اب عارف پر غصہ آنے لگا۔ ''گھٹنے پیٹ کی طرف ہی جھکتے ہیں، تم اسی ماں کے تو بیٹے ہو جس نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے، تمہیں بھلا میرا کیا درد۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''اچھا نا طوبیٰ ویری سیریس، آپ ٹھیک ٹھیک بتائیں کہ کہاں جانا چاہتی ہیں۔'' عارف نے اسے اس قدر آزردہ دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

''کہیں نہیں!'' طوبیٰ تڑخ کر بولی۔

''نہیں، مذاق ایک طرف..... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے امکان میں ہوا تو اس سلسلے میں میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔'' عارف سچ مچ سنجیدہ ہو گیا۔

''تو پھر مجھے کہیں چھوڑ آؤ۔ کم از کم اس جہنم کدے آغا پور سے نکال کر لے چلو۔'' طوبیٰ نے اسے سنجیدہ دیکھ کر کہا۔

''مگر کہاں۔'' عارف نے پوچھا۔

''جہاں تمہارا دل چاہے یا جس جگہ تم مناسب سمجھو، بس مجھے وہاں چھوڑ کر چلے آنا۔'' طوبیٰ نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''خیر چھوڑ کر چلے آنے کا تو سوال ہی نہیں البتہ یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' عارف بولا، طوبیٰ سمجھی وہ حسبِ فطرت مذاق کر رہا ہے، وہ بڑی درشتی سے بولی۔

''خیر اس گھر میں تم رہتے ہی کب ہو؟''

''لیکن پنڈی بھی نہیں جاؤں گا یا پھر آپ کو پنڈی لے جاؤں گا، اور وہیں کوئی چھوٹا موٹا سا مکان لے کر ہم دونوں رہا کریں گے، کیوں منظور۔'' عارف نے بچوں جیسے بھولپن سے پوچھا۔

''ہاں منظور..... لیکن پہلے وعدہ کرو، قسم کھاؤ کہ جو کچھ کہہ رہے ہو، وہی کر کے بھی دکھاؤ گے۔'' طوبیٰ خوش ہو کر بولی۔

''ارے بھئی ہاں.. قولِ مرداں جان دارد۔ یقین جانیے میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا، گویا ساتھ جئیں گے ساتھ مریں گے۔''

''اچھا تو ہاتھ ملاؤ۔ کاش تم اپنے وعدے پر پورے اُتر سکو۔'' طوبیٰ نے کہا اور اپنا نازک سا ہاتھ عارف کی طرف بڑھا دیا، عارف نے ایک دو لمحے کو تامل کیا پھر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا۔

''یہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے؟'' اسی دم صوفیہ بیگم نے اندر داخل ہو کر بہت کڑک کر پوچھا، اور دونوں ہی دم بخود رہ گئے، عہد کرنے کے لیے باہم ملے ہوئے ہاتھوں کو دونوں نے جلدی سے کھینچا۔

''میں پوچھتی ہوں یہ کیا ہو رہا ہے او نابکار لڑکی، کیا تیرا دل بڑے بھائی پر ہاتھ صاف کر کے نہیں بھرا، جو اب میرے معصوم بچے کو گمراہ کر رہی ہے، کم بخت مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ تو یہ سارے گل کھلائے گی۔'' صوفیہ بیگم..... غضب ناک نظروں سے اسے دیکھتی شعلے اُگلنے لگیں اور طوبیٰ لرز کر رہ گئی۔

''امی جان!'' عارف سے برداشت نہ ہو سکا تو اس نے چلا کر کہا۔

''خبردار جو اونچی آواز میں بات کی، بدتمیز کہیں کے، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' عارف کے چلا کر امی کہنے پر صوفیہ بیگم چراغ پا ہو گئیں۔

''لیکن امی جان..... آپ..... آپ.....'' عارف نے کہنا چاہا، ماں کے کڑکنے اور گرجنے سے وہ گھبرا گیا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا۔ تم فوراً یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔ پاجی کہیں کے، ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گی۔'' صوفیہ بیگم پوری قوت سے چلا کر بولیں۔

''میں اس کمرے سے ہی نہیں گھر سے ہی دفعان ہو جاؤں گا امی جان مگر خدارا آپ میری بات تو سن لیجیے، حقیقت جانے بغیر آپ ان پر اتنا بڑا بہتان تو نہ باندھیے۔'' ماں کی ڈانٹ پھٹکار کا عارف نے ذرا بھی نوٹس نہیں لیا، اور اس کے جواب پر صوفیہ بیگم کے پیروں سے جو لگی تو سر تک جا پہنچی، بے حد غضب ناک ہو کر انہوں نے عارف کے رُخسار پر ایک زنّاٹے دار تھپڑ جڑ کر کہا۔

''تیری یہ مجال نابکار لڑکے کہ تو میرے منہ لگے، تو تو اپنے بھائی سے بھی دو ہاتھ آگے نکلا، جا دور جا میری نظروں سے، جا۔'' مگر عارف ساکت و جامد اپنی جگہ پر ڈٹا کھڑا رہا۔ کچھ تھپڑ کی وجہ سے اور کچھ شدتِ جذب سے اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔

''خدا کے لیے عارف تم یہاں سے چلے جاؤ۔ پلیز عارف جاؤ۔'' طوبیٰ نے اس ڈر سے کہ ماں کے ہاتھوں اس کی کچھ اور درگت نہ بنے، بڑی لجاجت اور عاجزی سے کہا۔ عارف نے ایک لمحے کو تامل کیا، پھر خاموشی سے مڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''اب یہاں کھڑی کیا سوچ رہی ہے۔ چل تو بھی اپنا تان ٹمبر و اٹھا اور جدھر سینگ سمائیں چلی جا..... میں نے یتیموں اور لاوارثوں کو پالنے کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ چل نکال وہ سارے زیورات اور انگوٹھی۔ اور یہاں سے دفعان ہو جا۔'' اور طوبیٰ نے جو غم و غصے سے تھر تھر کانپ رہی تھی، ایک لمحہ ضائع کیے بغیر الماری کھولی، وہ واحد سیٹ جو میجر صاحب نے اس کے لیے بنوا کر دیا تھا، نکال کر پلنگ پر ڈالا پھر منگنی کی

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

انگوٹھی زور سے پلنگ پر پھینکی، اسی پلنگ کی پائنتی تہہ کی ہوئی سفید چادر کھول کر اپنے گرد لپیٹی اور ا... اٹھا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

اس دوران صوفیہ بیگم کو لبوں پر ہاتھ رکھے بڑی قہر بار نظروں سے اس کی یہ ساری کارروائی ... رہیں اور جب وہ کمرے سے نکل گئی تو انہوں نے کھلی ہوئی الماری کے نزدیک جا کر ایک نظر ا... اندر ڈالی پھر کمرے سے باہر نکل کر انہوں نے دروازہ بند کر کے کھٹکا لگا دیا اور ایک گہری ... احساس لیے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ فتح مندی کے احساس سے ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔

☆......☆......☆

ماں کی ڈانٹ ڈپٹ اور رکیک الزامات لگانے پر عارف غصّے میں بھرا اپنے کمرے میں چلا آ... اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اپنا سامان لے کر گھر سے ہی چلا جائے مگر صرف اس خیال سے اس ... حاضری سے فائدہ اٹھا کر ماں نہ جانے اس مظلوم اور بے گناہ لڑکی پر کیا کیا بہتان باندھیں ... لگائیں اور اس واقعے کو میجر صاحب کے سامنے کس رنگ میں پیش کریں، جانے کا ارادہ ترک کر ... اوّل رات ہی بستر میں گھس گیا تھا، گل کھانے کے لیے بلانے آیا تو اس نے کھانا کھانے سے انکار ... اور خاموش پڑا سارے واقعات پر غور کرتا رہا، ماں کی بے بنیاد اور رکیک گفتگو کا ایک ایک لفظ اس ... احساسات پر ضربیں لگا رہا تھا، حالات پر غور کر کے وہ اسی نتیجے پر پہنچا کہ اس معاملے میں ماں کا ... قصور نہیں کیونکہ وہ حقیقت سے یکسر لاعلم ہیں پاپا، بجیا اور بھائی جان ہی اس کے ذمہ دار ہیں، نہ معلوم ... انہی کس مصلحت کے تحت وہ اصل حقیقت کو امی جان سے چھپائے بیٹھے ہیں، ورنہ امی جان تو طوبیٰ ... سر آنکھوں پر بٹھاتیں، اور ان کے خوب چاؤ چونچلے کرتیں، لیکن لاعلمی کی وجہ سے ہی انہوں نے ... اب تک انہیں اپنے بیٹے کی منگیتر کی حیثیت سے بھی قبول نہیں کیا، اور کچھ اس وجہ سے بھی نہیں ... بھائی جان نے انہیں اپنی منگیتر کی حیثیت سے منوایا ہی کب ہے وہ تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے طوبیٰ آپا کی ... بے بسی اور بے چارگی سے فائدہ اٹھا رہے ہوں، میں تو آج تک یہ بھی اندازہ نہیں کر سکا کہ انہیں ... آپا سے کوئی دلچسپی بھی ہے منگنی کے بعد تو انہیں اور بھی کھلی چھوٹ مل گئی ہے، ہر دم گل چھرے ... اُڑاتے نظر آتے ہیں اور طوبیٰ آپا کے لیے ان کی یہی روش کیا کم تکلیف دہ تھی کہ رہی سہی کسر امی جان ... نے نکال لی کہیں سچ مچ ہی وہ چلی نہ جائیں، نہیں نہیں میں ایسا ہرگز نہ ہونے دوں گا، صبح ہوتے ہی ... جان کو ساری حقیقت سے آگاہ کر دوں گا، خواہ ان پر قیامت ٹوٹ پڑے یا اس صدمے سے وہ ... نجق ہو جائیں میں انہیں سب کچھ بتا کر رہوں گا، اس تہیے کے بعد عارف کا دل چاہا کہ چپکے سے ... کے پاس جائے، اور اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دے یا کم از کم اسے تسلی دلاسہ ہی دے دے، مگر ماں کے ڈر سے جانے کی ہمت ہی نہ پڑی، اور وہ اپنے الٹے سیدھے خیالوں میں الجھا الجھا پڑ کر سو گیا۔

ادھر صوفیہ بیگم نے کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ چپکے سے جا کر عارف کے کمرے کا کھٹکا لگا آئیں۔ طوبیٰ کے کمرہ کو تو انہوں نے پہلے ہی بند کر دیا تھا، اور گل کو تاکید کر دی تھی ... صاحب آ کر کھانا مانگیں تو خود گرم کر کے دے دینا۔

یہ ساری احتیاطیں شاید اس وجہ سے تھیں، کہ کسی کو طوبیٰ کے جانے کی کانوں کان خبر نہ ہو، اس ... مدت بعد وہ بڑی مگن نظر آ رہی تھیں۔ مُسکر مُسکرا کر سوچے جا رہی تھیں، کہ چلو خس کم جہاں پاک، اس ...

... اس خوبصورت بلا سے تو نجات ملی، اپنی کامیابی پر نازاں اس رات وہ بڑی سُکھ کی نیند سوئی تھیں، اس رات اتفاق سے میجر صاحب کچھ زیادہ ہی دیر سے گھر لوٹے تھے، سب کو خواب خرگوش کے مزے ... دیکھا تو کسی کو جگانا انہیں مناسب نہ لگا، اور وہ لباس تبدیل کر کے خود بھی سو گئے، اور اس طرح گویا حالات بھی صوفیہ بیگم کی موافقت میں جا رہے تھے، ورنہ میجر صاحب اگر رات گئے ڈیوٹی سے واپس آتے تو رات کا کھانا کم ہی کھاتے تھے، البتہ چائے ضرور پیتے تھے، اور چائے بھی طوبیٰ ہی ان کے لیے بنا کر لاتی تھی۔

رات اپنے معمول کے مطابق اندھیروں اور سناٹوں کو سمیٹے آہستہ آہستہ گزرتی رہی، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، اور زندگی کے ہنگامے جاگ اُٹھے، صوفیہ بیگم تو تڑکے اذانوں کے وقت ہی اٹھنے کی عادی ... نہیں، حسب معمول وقت سے اٹھی تھیں، بلکہ دعا کے بعد فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، اور اپنے اطمینان کے لیے ایک ایک کمرے کو جا کر دیکھ آئی تھیں، سر سے ایک بلا ٹلی تھی اس لیے ان کی خوشی دیدنی تھی، ... دیر میں بھی چستی آ گئی تھی، انہوں نے فوراً اپنے ہاتھ سے بیڈ ٹی تیار کر کے گل کے ہاتھ میجر صاحب ... بھجوائی اور پھر خود ہی ناشتا تیار کرنے کھڑی ہو گئیں۔

میجر صاحب کو اپنی ڈیوٹی کی وجہ سے بہت سویرے اُٹھ جانے کے عادی تھے مگر ان دنوں چونکہ ان کا کام کسی اور ہی نوعیت کا تھا، اس لیے وہ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ہیڈ کوارٹرز کے لیے روانہ ہو جاتے ... ویسے بھی اس روز سنیچر تھا، اور وہ ان کا ہاف ڈے تھا، وہ ساڑھے سات بجے کے قریب تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آئے تو خلافِ معمول اور خلافِ توقع صوفیہ بیگم کو بہت ہشاش بشاش ناشتے کی میز پر ... پایا، وہ سجے ہوئے توسوں پر مکھن لگا رہی تھیں، میجر صاحب کو اچنبھا تو بہت ہوا، مگر انہوں نے کچھ ... نہیں بلکہ مُسکراتے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھ گئے، صوفیہ بیگم نے جلدی سے چائے کی پیالی بنا کر ان کے سامنے رکھ دی، اور توسوں کی پلیٹ مع آملیٹ ان کی طرف بڑھائی تو انہیں کچھ خیال آیا۔

''یہ دونوں بچے کہاں ہیں گل۔'' انہوں نے ایک طرف کھڑے گل سے پوچھا۔

''چھوٹا صاب کو ام ابھی بول کر آیا ناشتا کے لیے اور بی بی اپنا کمرے میں اے۔'' گل نے اپنی اسی اکھڑی اکھڑی زبان میں بتایا۔

''تو کیا افشاں ابھی تک سو رہی ہے.... یہ آج کیا غیر معمولی بات ہوئی، خیر تم جا کر اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاؤ وہ خود ہی اٹھ جائے گی۔'' میجر صاحب نے کہا تو گل فوراً ہی حکم کی تعمیل کے لیے کمرے سے نکل گیا، اس دوران میں صوفیہ بیگم لاتعلق سی بیٹھی عارف کے لیے گرم گرم ٹوسٹ کیے ہوئے سلائس پر مکھن لگاتی رہیں، مگر ان کے دل میں ایک عجیب سی کلبلاہٹ ہو رہی تھی، گل نے واپس آ کر اطلاع دی کہ اس نے دروازے کو خوب پیٹا اور دھڑ دھڑایا مگر طوبیٰ نے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ اس اثنا میں عارف بھی آ گیا تھا اور اپنی کرسی پر بیٹھا چائے کے سپ لے رہا تھا، گل نے آ کر بتایا تو میجر صاحب نے تشویش بھرے لہجے میں عارف سے کہا۔

''یہ آج کیا نئی بات ہو گئی کہیں افشاں کی طبیعت تو خراب نہیں، ذرا دیکھ تو آؤ۔''

''ہیں، وہ ابھی تک سو رہی ہیں؟'' عارف نے بھی چونک کر کہا۔

رات کے واقعہ کی وجہ سے ماں کے سامنے بندھا بندھا سا بیٹھا تھا، باپ نے بتایا کہ طوبیٰ ابھی سو رہی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہے تو اس کا ماتھا ٹھنکا، کہیں انہوں نے غم و غصے میں کچھ کھا وانہ لیا ہو؟ اس خیال سے پریشان ہو کر اس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے پاپا، میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں۔" ماں سے اس کا دل صاف نہیں تھا، اس لیے اس نے ان سے نظر نہیں ملائی، جو اس کے اُٹھ کر کھڑے ہونے پر بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں، انہوں نے عارف کو روکا بھی نہیں، یہی سوچ کر خاموش بیٹھی رہیں کہ اچھا ہے پہلے یہ لوگ ذرا حیران ہو لیں، پھر انہیں حقیقت سے آگاہ کروں گی، عارف جس تیزی سے گیا تھا اسی تیزی سے حیران و پریشان، ہوائیاں اڑتی صورت کے ساتھ واپس بھی آ گیا۔

"پاپا اپنے کمرے میں کیا وہ تو پورے گھر میں بھی کہیں نہیں ہیں!" اس نے اس انداز اور لہجے میں بتایا جیسے بہت جذباتی ہو کر انسان گھٹی گھٹی چیخوں کی صورت میں بولتا ہے۔

"خیر وہ جا کہاں سکتی ہے باہر لان میں گلدانوں کے لیے پھول توڑ رہی ہوگی۔" میجر صاحب نے قدرے لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا پاپا۔" باپ کے احساس دلانے پر عارف کو بھی خیال آیا کہ اس نے لان میں دیکھا ہی نہیں وہ فوراً ہی پلٹ کر جانے لگا تو صوفیہ بیگم نے بڑی رعونت سے کہا۔

"کہیں جانے کی ضرورت نہیں عارف۔ آرام سے بیٹھ کر ناشتا کرو۔ اسے آنا ہوگا تو خود ہی آ جائے گی۔" ان کے اس طرح کہنے پر عارف نے پلٹ کر بڑی شاکی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بھئی مسئلہ تو یہی ہے کہ وہ خود نہیں آ رہی۔ آخر معاملہ کیا ہے، کیا تم نے اسے اپنے کسی کام پر لگا رکھا ہے۔" میجر صاحب نے صوفیہ بیگم کے بے نیازانہ طرز گفتگو پر ٹوکتے ہوئے طرز تخاطب پر حیران ہو کر براہ راست ان سے پوچھا تو صوفیہ بیگم بڑی ناگواری سے بولیں۔

"نہیں میں نے تو اسے کسی کام پر نہیں لگایا۔ اور اگر وہ گھر میں موجود ہوتی بھی تب بھی میں اس سے اپنا کوئی کام نہ لیتی.... ابھی اس حد تک دوسروں کی محتاج نہیں ہوئی ہوں۔"

"لیکن امی جان آخر وہ ہیں کہاں؟" عارف ماں کے توڑ موڑ کر بات کرنے پر پھر چونک اٹھا۔ میجر صاحب نے بھی بیٹے کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں یہ تو بتا دو کہ آخر وہ ہے کہاں۔"

"وہ چلی گئی ہے، اور اب کم از کم میری زندگی میں تو یہاں کبھی نہیں آئے گی، شکر کرو ایک بلا تھی جو سر سے ٹل گئی اور تم اس کے شر سے محفوظ ہی رہے۔" صوفیہ بیگم نے ایک اتنی بڑی بات کو اس قدر بے نیازی سے کہا تو میجر صاحب نے اپنی جگہ سے اُچک کر بے یقینی سے انداز میں کہا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو صوفیہ، کہیں بھنگ تو نہیں پی رکھی تم نے؟"

"بھنگ تو آپ نے پی رکھی تھی، جو جانے کہاں کا گند اٹھا لائے تھے، ایک بیٹے کو تو اس نے قبضے میں کر کے اپنا الو سیدھا کر لیا تھا، اور اب دوسرے بیٹے پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی، میں بھی آنکھوں دیکھی مکھی کہاں تک کھاتی، میں نے بھی اسے نکال باہر کیا اے ہاں، بھاڑ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان.... اور سونا تو...."

READING Section

"صوفیہ!" میجر صاحب پوری قوت سے دہاڑے، اور جذب کے عالم میں اٹھ کر کھڑے ہوئے تو کھانے کی طویل میز کو ایسا دھچکا لگا، کہ اس پر رکھے سارے برتن الٹ پلٹ کر رہ گئے۔

"یہ تم نے کیا غضب کیا صوفیہ۔ وہ کوئی ایری غیری نہیں، عشمہ بھائی کی بیٹی طوبیٰ تھی، تم نے اپنی خود غرضی میں اسے گھر سے نکال کر خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے، خیر میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ نہ ملی تو عمر بھر تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا۔"

اتنا کہہ کر غیظ و غضب کی تصویر بنے میجر صاحب تیزی سے کھانے کے کمرے سے باہر نکل گئے، اور عارف بھی جو ماں کے اتنے سنگین اقدام پر سناٹوں کی زد میں آیا ساکت سا بیٹھا تھا اُٹھ کر بھاگنے کے انداز میں باہر نکل گیا، اور پورے وجود کو ہلا دینے والے اس انکشاف پر صوفیہ منہ کھولے ہکا بکا سی رہ گئیں، کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا، کہ آخر ماجرا کیا ہے بلکہ یقین ہی نہیں آیا کہ وہ طوبیٰ ہی تھی، بڑی دیر تک وہ گتھی کو سلجھانے میں الجھی رہیں، کہ اگر بالفرض محال وہ طوبیٰ بھی تھی تو باجی جان.... وہ اس کے ساتھ کیوں نہیں آئیں، یہ تو ممکن ہی نہیں کہ وہ خود لاہور ٹھہر گئی ہوں اور جوان جہان بیٹی کو تنہا، یہاں بھیج دیا ہو اگر وہ طوبیٰ کے ساتھ آئی نہیں تو کہیں خدانخواستہ حادثہ کی نذر تو نہیں ہو گئیں۔ نہیں نہیں یہ بھی ممکن نہیں اگر دشمن دور پار کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو ایک حشر مچ جاتا، زندہ یا مردہ ہر حالت میں وہ یہاں ضرور آتیں، تو پھر؟

انہوں نے لاکھ سوچا، دماغ پر زور دیا مگر اس گتھی کو سلجھانے میں کامیاب نہ ہو سکیں، شوہر اور بیٹا بھی تھا کہاں کسی سے کچھ پوچھ سکتیں، ساری اکڑ فوں طنطنہ اور وضعداری دھری کی دھری رہ گئی تھی، گو انہیں اس بات کا پوری طرح یقین نہیں آیا تھا، پھر بھی اس خیال سے دل ڈوبا چلا جا رہا تھا کہ اگر وہ طوبیٰ ہی تھی تو معلوم نہیں بے چاری ساری رات کہاں کہاں بھٹکتی پھری ہوگی، کن کن ہاتھوں میں پڑی ہوگی اور اب کہاں ہوگی؟ اس صورت میں تو میں باجی جان کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہی، ادھر شوہر کی خفگی کا خیال کہ ان کی بات تو پتھر کی لکیر ہوتی ہے لڑکی نہ ملی تو واقعی وہ ساری عمر میری شکل نہیں دیکھیں گے.... ان ہی فکروں نے صوفیہ بیگم کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔

باپ کو تیزی سے باہر کھڑی جیپ کا رخ کرتے دیکھ کر عارف بھی ان کے پیچھے ہی چلا آیا، اور باپ کے ساتھ خود بھی جیپ میں بیٹھ گیا، اور دونوں باپ بیٹے طوبیٰ کی تلاش میں چل پڑے پھر آغا پور کا چپہ چپہ چھان مارا، گل پاشن تک ہو آئے، حتیٰ کہ یتیم خانے اور ہسپتال میں بھی دیکھ لیا، مگر طوبیٰ کو نہ ملنا تھا نہ ملی اسے تو جیسے زمین نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا تھا، اسی سرگردانی میں دن بھی ڈھل گیا، آخر میجر صاحب نے مایوس عارف کو گھر اُتارا اور خود جیپ لے کر کہیں چلے گئے۔

عارف کا دل انجانے سے اندیشوں سے لرز رہا تھا، اس سمے اسے شفق بہت یاد آئیں کہ اگر وہ موجود ہوتیں تو ایسی نوبت ہی نہ آتی۔ اس نے گل سے اپنے لیے کھانا منگوا کر دو چار نوالے حلق سے اُتارے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، اور ماں کے قریب ہی آرام کرسی ڈال کر بیٹھ گیا، اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔

انہی پریشان خیالوں میں الجھے الجھے عارف کو اونگھ آ گئی، اور کرسی پر ہی بیٹھے بیٹھے سو گیا، اور جب آنکھ کھلی تو دن نکل آیا تھا، اور صوفیہ بیگم تکیے کے سہارے نیم درازی کی حالت میں بیٹھی اسے تک رہی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تھیں، ماں کے اس طرح تلخے پر وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

''یہ تم کرسی پر بیٹھے بیٹھے کیوں سو گئے بیٹے، اگر نیند ہی آ رہی تھی تو آرام سے کوچ پر سوتے۔'' صوفیہ بیگم کی آواز میں نقاہت تھی، اور لہجے میں لگاوٹ۔

''بس وہ ذرا تھک گیا تھا امی جان، اس لیے یہاں سے اٹھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔''

''مگر تم رات کو کب آئے، مجھے پتا تک نہ چلا۔'' صوفیہ بیگم نے پوچھا۔

''میں تو آٹھ بجے ہی آ گیا تھا مگر آپ سو رہی تھیں۔

اس لیے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا، اچھا خیر.... کیا آپ نے ناشتا کر لیا؟'' عارف اس سے بڑا ہراساں ہو رہا تھا۔ کہ اب کسی بھی لمحے صوفیہ بیگم اس سے طوبیٰ کے بارے میں استفسار کریں گی، اس لیے اس نے بات کا رُخ ناشتے کی طرف موڑ دیا۔

''نہیں ابھی تو صرف دودھ پیا ہے، طبیعت ہی کب چاہ رہی ہے کچھ کھانے کو، کل صبح سے اب تک اُڑ کر منہ میں نہیں گئی اور کھایا بھی کس سے جاتا، وہی مثل ہے کہ۔''

''اچھا، اچھا پھر تو ٹھیک ہے امی جان میں نے بھی رات سے کچھ نہیں کھایا، میں بھی آپ کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کر لوں گا!'' عارف سمجھ گیا تھا کہ آگے وہ کیا کہنے والی ہیں، اسی لیے جلدی سے ان کی بات کاٹ کر بولا۔

''اے بھاڑ میں جائے ناشتا واشتا، تم تو یہ بتاؤ کہ وہ بچی بھی ملی؟'' آخر صوفیہ بیگم سے زیادہ صبر ہو سکا، تو انہوں نے وہ بات پوچھ ہی لی، جس کا جواب دینے سے عارف کترا رہا تھا، وہ سچ مچ گڑبڑا گیا۔

''جی ہاں امی جان مل تو گئی ہیں۔'' اس نے سوچ کر ملگجم سے انداز میں کہا۔

''اچھا، مگر وہ ہے کہاں؟ کیا تم اسے اپنے ساتھ لائے ہو؟'' صوفیہ بیگم نے تکیہ کا سہارا چھوڑ کر بیٹھتے ہوئے کہا اور عارف سٹپٹا گیا، ماں کی طبیعت کے پیشِ نظر حقیقت تو بیان کر ہی نہیں سکتا تھا، بھلا کیا عذر پیش کرے طوبیٰ کو ساتھ نہ لانے کا..... وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''اصل میں چونکہ رات ہو گئی تھی اس لیے انکل مظہر نے انہیں آنے ہی نہیں دیا.....'' اس نے بات بنائی۔

''ہے ہے تو کیا وہ کرنل کے یہاں چلی گئی تھی؟ یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' صوفیہ بیگم سر پر ہاتھ مار کر بولیں۔

''نہیں، وہ تو پاپا انہیں وہاں لے گئے تھے، خیر اب آپ ناشتا کیجیے، جب وہ یہاں آئیں گی تو ان سے پوچھ لیجیے گا۔'' عارف نے پھر بات ٹالنا چاہی۔

اسی وقت گل چائے اور ناشتے کی ٹرالی لے کر آ گیا۔ اور عارف کو بات ٹالنے کا موقع مل گیا، وہ خود ماں کو ناشتا پیش کرنے لگا۔

''نہیں نہیں میں توس نہیں کھاؤں گی، مجھے تو بس تھوڑا سا دلیہ دے دو۔ اور ایک انڈا، وہ بھی اگر برشت ہو تو۔'' اور عارف نے فوراً ہی پورچ ایگ ماں کو پیش کیا۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ یہ ماجرا کیا ہے، میں تو کل سے سوچ سوچ کر عاجز آ گئی ہوں، میری عقل تو کام ہی نہیں کرتی، کہ اگر تمہارے پاپا کے بقول وہ بچی اپنی طوبیٰ ہی ہے تو پھر باجی کہاں ہیں، یہ تو قیامت

ممکن نہیں کہ وہ۔''

اور ان کی زبان اس سے آگے ان کا ساتھ نہ دے سکی تھی، کیونکہ عارف کے گلے میں چائے کا گھونٹ لیتے ہی زبردست پھندا لگ گیا تھا، اور وہ اس بری طرح کھانس رہا تھا کہ چہرہ سرخ اور آنکھوں سے پانی جاری ہو گیا تھا، صوفیہ بیگم بات کرنا بھول گئیں۔

''اے، منہ اونچا کر کے چھت کو دیکھو اچھا چائے کا ایک گھونٹ ہی لے لو، شاید توس کا کوئی بھورہ سانس کی نالی میں اٹک گیا ہو، اسی لیے تو ممانعت کی ہے ہمارے مذہب نے کھانے کے دوران بات کرنے کی۔'' وہ اپنی ہی کہتی رہیں، مگر عارف کی ہو ہو اور کھو کھو میں ان کی آواز دب کر رہ گئی۔ ''نہیں کھو کھو۔''

''وہ اصل میں..... ہوں اوں..... ہوں اوں کھو کھو۔''

''ارے او گل..... گلے..... کھیں کھیں کھیں۔''

''یہ تم نے چائے میں مرچیں کیوں ڈالیں۔ کھوں کھوں کھوں، میرے تو سارے حلق میں آگ لگ گئی ہے کھو کھو۔'' عارف کھانستے اور ہانپنے کی زبردست ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

''ہے ہے لکھا'' صوفیہ بیگم نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''اس موئے گل کو آج تک چائے بھی بنانی نہیں آئی۔ گھول دیا ہو گا مرچوں کا چمچہ چائے کے پانی میں۔ تم دو چار گھونٹ چائے کے پی لو اور دلیا کھا لو۔'' صوفیہ بیگم نے مشورہ دیا۔

''نہیں امی، اب میں گرم گرم چائے پر پانی کہاں پیوں گا، ویسے بھی اب تو اچھو ختم ہو گیا ہے، مگر آپ یہ تو کھائیں، یہ دلیا بھی جوں کا توں پڑا ہے۔'' عارف ان کی توجہ بٹانا چاہتا تھا، اس لیے کھنکار کر بولا۔

''نہیں بس میں اب کچھ نہیں کھاؤں گی، تم ناشتا کر لو تو گل کو بلا کر یہ ٹرالی بھجوا دینا، نامراد نے بچے کو چائے بھی ڈھنگ سے پینے نہیں دی۔'' صوفیہ بیگم دلیے کا پیالہ ٹرالی میں رکھتی ہوئی بولیں۔

پھر بھلا عارف گل کے آنے کا انتظار کرتا؟ وہ تو کسی نہ کسی بہانے ماں کے پاس سے ٹلنا ہی چاہ رہا تھا، ناشتا ادھورا چھوڑ کر اٹھا اور ٹرالی دھکیلتا ہوا باہر نکل آیا، اس وقت تو اس پر باہر جانے کی دھن سوار تھی، اور طوبیٰ میں دل اٹکا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

شام کے ملگجے اندھیرے سیاہیوں میں تبدیل ہوتے جا رہے تھے، آغا پور کی شمالی سمت کہر اور تاریکی میں لپٹا ہوا چار پانچ میل کا مختصر سا سفر بڑا کٹھن ثابت ہوا تھا، تاریکی میں ڈوبی ہوئی کچی اور ٹوٹی ہوئی سڑکیں اور جا بجا نشیب و فراز، اس پر غیر آباد، سنسان اور ویران علاقہ اور اس پر پریشان اور پراگندہ سے خیالات، احتیاط سے اپنی واکس ویگن چلانے کے باوجود عارف کو ان راستوں سے گزرتے ہوئے بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

وہ میجر صاحب کو ان کے خاص خاص ٹھکانوں پر ڈھونڈنے کے بعد ہی ایک امید ہو ہوم پر یہاں تک آیا تھا، یہ ایک اونچی پہاڑی کی عقب میں بنی چہار دیواری تھی۔ جو پتھریلی چٹانوں پر کھڑی ہونے کی وجہ سے اس جگہ سے کافی اونچائی پر تھی، جہاں ایک کچی پگڈنڈی کے کنارے عارف نے اپنی واکس ویگن روکی تھی، یہ ضرور تھا کہ اسے ایک مرتبہ میجر صاحب کے ساتھ یہاں آنے کا اتفاق ہوا تھا، مگر وہ باپ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

باہر ہی سے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

یہ بابا سبز پوش کا مزار تھا، لیکن عارف مزار پر نہیں گیا، بلکہ نیلی روشنی سے ہوتا مزار کے پیچھے نکل آیا، یہاں بھی ایک چبوترہ تھا، جس کے آدھے حصے پر سائبان نما ٹین کی چھت پڑی تھی، نیچے لوگ لیٹے اور بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے یہاں لالٹین جل رہی تھی اسی روش سے اس طرف آیا جہاں روش کے دونوں جانب حجرے بنے ہوئے تھے، یہ مشکل سے کل چار یا پانچ تھے جو بابا سبز پوش کے ارادتمندوں سے بھرے ہوئے تھے، اٹیچی ہاتھ میں لیے عارف ایک ایک میں بغور دیکھتا، سب سے آخری حجرے میں پہنچا تو اندر چٹائیوں کے فرش پر عین دروازے باپ کو بیٹھا دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی، وہ تو ہر اس جگہ جہاں ان کے ملنے کا امکان ہوسکتا تھا تلاش کر کے صرف اس خیال سے اس ویرانے میں آیا تھا کہ پاپا کو پیروں اور بزرگوں سے ... ہے، اور ہوسکتا ہے کہ وہ طوبیٰ کی طرف سے مایوس ہو کر وہیں گئے ہوں، اور وہ توقع کے مطابق وہیں مل گئے تھے، چٹائیوں پر بیٹھے ہوئے لوگ زیادہ تر سفید اور سادہ لباس میں ملبوس تھے، زیادہ نہیں تھی اور ان میں کچھ لوگ سر پر پگڑا باندھے اور چند لوگ سفید ٹوپیاں اوڑھے تسبیح میں مصروف تھے، ایک شخص قبلہ رو ہو کر نماز پڑھ رہا تھا، اور اسی کے قریب میجر بھی سادہ کپڑوں میں میں مصروف تھے، عارف اٹیچی فرش پر رکھ کر دروازے کے آگے ہی کھڑا ہو گیا، دعا کے بعد پھیر کر میجر کی نظر دروازے پر پڑی تو عارف کو وہاں کھڑا دیکھ کر وہ اس کے پاس آ گئے۔

''تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں۔'' انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''بس وہ میں خود ہی گیس کر کے یہاں چلا آیا، شکر ہے آپ مل گئے، آپ کی یونیفارم بھی ہوں۔'' عارف نے جواب میں کہا۔

''اچھا اچھا..... مگر تم سارا دن کیا کرتے رہے جو ایسے نا وقت گھر سے نکلے ہو۔'' میجر صاحب کے انداز میں بات کر رہے تھے، تب مختصراً عارف نے انہیں ماں کا سارا حال بتایا۔

''ٹھیک ہے، خدا بہتر کرے..... اور کوئی تو نہیں آیا؟'' میجر صاحب نے بیوی کے ذکر کو ٹال کر پوچھا، غالباً اور کوئی سے ان کا مقصد طوبیٰ کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔

''جی نہیں پاپا... مگر یہ اٹیچی کیس؟'' عارف نے بجھے بجھے سے لہجے میں کہا۔

''وہ سامنے دروازے کے قریب ہی جو پہلی کوٹھڑی ہے، تم یہ اٹیچی وہاں لے جاؤ اور ملک زمان کے حوالے کر دو، وہ اس وقت وہیں ہوگا، میں کرنل کے ساتھ بعد میں آؤں گا، اور دیکھو راستہ بہت ... ہے، ذرا احتیاط سے گاڑی چلانا۔''

''جی بہتر ہے پاپا مگر امی جان ضرور مجھ سے استفسار کریں گی، وہ چچی اماں کے بارے میں بار بار پوچھتی ہیں، کیا یہ مناسب نہیں کہ میں ان کو اصل واقعات سے آگاہ کروں؟'' عارف نے پوچھا۔

''ہوں.....'' کہہ کر میجر نے تھوڑی دیر کچھ سوچا اور بولے۔

''میرے خیال میں تو مناسب نہیں، کچھ دن اور صبر کر لو۔ وقت اور حالات خود ہی حقیقت کی نقاب کشائی کر دیں گے۔''

''جی اچھا پاپا، تو پھر میں جاؤں؟'' اصل میں عارف چاہ رہا تھا، ان سے پوچھے کہ آخر وہ کب لوٹیں گے اور ... آئیں گے اور فی الوقت کہاں رہ رہے ہیں، مگر ہمت نہ پڑی میجر صاحب خود بھی سمجھ رہے تھے کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہا ہے مگر وہ بھی خاموش ہی رہے۔ ''ہاں بیٹا! اب تم جاؤ اور اپنی امی کے پاس ہی رہو میں نے طوبیٰ کو تلاش کرنے کی ہر ممکنہ تدبیر کی ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اچھا خدا حافظ۔'' میجر نے اس انداز میں اپنی بات کہی جیسے جلد از جلد عارف کو وہاں سے ٹالنا چاہ رہے ہوں، عارف نے انہیں سلام کر کے ان کے حسب ہدایت وہ اٹیچی کیس ملک زمان کو دے کر بجھا بجھا سا دل لیے گھر کا رُخ کیا۔ بعد میں شفیق باپ کی منت سماجت کر کے گھر لے آئیں۔

☆......☆......☆

طوبیٰ رات کی تاریکی میں گھر سے نکلی تو دلبر خان کے پاس جا پہنچی، اس کا ایک بیٹا زبیر خان اور ایک بیٹی شاہ رُخ تھی، دلبر خان کی نیت طوبیٰ کے معاملے میں ٹھیک نہیں تھی، اس کا اندازہ طوبیٰ کو ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلی اور اتفاقاً اسے شہریار مل گئے، شہریار اسے ہوٹل میں لے آئے، انہوں نے اس سے پوچھا کہ اسے کس نام سے مخاطب کیا جائے تو وہ ماضی میں لوٹ گئی......

''سمجھ میں نہیں آتا آپ کو کس نام سے مخاطب کروں، افشاں، طوبیٰ یا.....؟'' معنی خیز سی مُسکراہٹ کے ساتھ شہریار نے دوبارہ دہرایا تو وہ ایک جھرجھری لے کر ماضی سے لوٹ آئی۔ اور ان کے یا کہنے پر طوبیٰ کا رنگ فق ہو گیا، یہ یا اسے یا نہیں گل رخ لگی گویا اب وہ کٹھن لمحہ آ پہنچا ہے جسے خود پر سے ٹالنے کی مجھ میں ہمت ہے نہ سکت، اس نے لرز کر دل میں سوچا۔ ''اب یہ مجھ سے گل رُخ کے بارے میں استفسار کریں گے، اور میرے دربدر کی خاک چھاننے کا سبب پوچھیں گے تو میں ان کو کیا کہوں گی، انہیں کیا بتاؤں گی طوبیٰ کو اپنے دل کی دھڑکنیں رُکتی محسوس ہوئیں، مگر اسی دم دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور وہی بیرا چائے کی ٹرے تھامے اندر داخل ہوا، اور یوں قدرت کی طرف سے اچانک تھوڑی سی مہلت مل جانے پر وہ دل ہی دل میں شکرانے بھیجنے لگی، بیرا تپائی اس کے آگے سرکا کر اور چائے کی ٹرے تپائی پر رکھ کر اُلٹے پیروں واپس چلا گیا، اور وہ اسی طرح گم صم سی بیٹھی رہی۔

''غالباً آپ کو چائے بنانی تو آتی ہوگی؟'' ان کی آواز اسے کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''جی.....جی ہاں۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا اور جھک کر چائے پیالیوں میں انڈیلنے لگی، اور شہریار سامنے کسی شے پر نظریں مرکوز کیے سگریٹ کے کش لگاتے رہے، وہ ان سے بات کرتے ہوئے کترا رہی تھی، اسی لیے اس نے ان سے چینی کے چمچوں کی مقدار بھی نہیں پوچھی، خود ہی اپنے اندازے سے ان کی پیالی میں چینی ڈالی اور بڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ ان کی طرف دیکھا اور انہیں کسی سوچ میں مستغرق دیکھ کر وہ ڈرتے جھجکتے اُٹھی اور چائے کی پیالی انہیں پیش کی مگر وہ یوں بیٹھے رہے جیسے انہوں نے اسے قریب کھڑے دیکھا ہی نہ ہو۔

''لیجیے.....'' آخر اسے ان کی توجہ پیالی کی طرف مبذول کرانے کی غرض سے کہنا ہی پڑا، تب انہوں نے بہت چونک کر پہلے پیالی کی طرف دیکھا اور پھر عین اس کی آنکھوں میں، اس سے ان کی روشن روشن آنکھوں سے ایک عجیب سا تاثر ہویدا تھا۔ اور خوبصورت چہرے پر ایک ہلکی سی مُسکان۔

''اوہ شکریہ.....'' انہوں نے عجیب بے خودانہ سے انداز میں پیالی اس کے ہاتھ سے لینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو طوبیٰ کو یوں لگا جیسے اس کے پیروں تلے کی زمین کھسک گئی ہو۔ پیالی ان کے ہاتھ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں تھما کر جلدی سے اپنی جگہ پر آ بیٹھی انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ لیا بولے۔
''تعجب ہے چینی تو آپ نے ٹھیک ڈالی ہے۔'' طوبیٰ نے کوئی جواب نہ دیا، ان سے نظریں ... خاموشی سے چائے پیتی رہی۔
''یہ بسکٹس وغیرہ تو لیجیے، آپ نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔'' تھوڑی دیر خاموش رہنے ... انہوں نے کہا۔
''جی نہیں شکریہ۔ مجھے بالکل اشتہا نہیں۔'' طوبیٰ قدرے رکھائی سے بولی، تو شہریار خاموش ... اپنی چائے ختم کر کے انہوں نے پیالی ڈبل بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی، اور دوسرا سگریٹ ... اس پر ایک نگاہ ڈال کر بولے۔
''مجھے آپ کی ذاتیات میں دخل دینے کا حق تو نہیں پہنچتا لیکن ایک شناسا کی حیثیت سے ... معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' اپنی بات کہتے کہتے وہ پھر خاموش ہو گئے، اور طوبیٰ نے مضطربانہ انداز ... کی طرف دیکھا، وہ جو کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے، سیدھی طرح پوچھ لیتے۔ یہ چبا چبا کر اور ... پوچھنا تو بڑا تکلیف دہ تھا۔ جی چاہا، کہ ساری کتھا من و عن ان کے سامنے بیان کر دے مگر یہ تو ایسا ... تھی جو وہ کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی، اس کی بے چین اور مجسس سی نظریں کچھ دیر کوان پر جمی رہ گئیں۔
''میں صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ اگر آپ کو یہ رشتہ پسند نہ تھا تو آپ نے آصف کے ... رضامندی کیوں دی؟'' آخر انہوں نے کچھ دیر تک اس کی جان پر بنا دینے کے بعد وہ بات پوچھ ... جو وہ پوچھنا چاہ رہے تھے، طوبیٰ کو اپنے دل پر سے ایک بوجھ سا ہٹتا محسوس ہوا، لیکن یہ سوال ... ٹیڑھا تھا، جو انہوں نے کیا تھا، اب بھلا وہ ان سارے حالات کو کس طرح ان کے روبرو کھول ... جن کے پیش نظر یعنی ان لوگوں کے احساسات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے ان کی خوشی کے ... سر جھکا دیا تھا، شاید وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں اس زبردستی کے رشتے کی وجہ سے ان کا گھر چھوڑ ... ہو گئی ہوں، طوبیٰ نے دل میں سوچا اور بہت محتاط سے انداز میں بولی۔
''ہماری روایات میں لڑکی کی مرضی کب کوئی اہمیت رکھتی ہے، بس بزرگ جو فیصلہ کر دیتے ہیں ... کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔''
''او آئی سی۔'' شہریار نے بھنوئیں اچکائیں اور اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھ کر اٹھ کھڑے ... ہوئے۔
''بہرحال آپ یہاں بھی ہر طرح محفوظ ہیں ہم نے قادر (بیرے) کو تمام ہدایات دے دی ... آپ اطمینان سے یہاں رہیے۔''
طوبیٰ جواب میں کیا کہتی خاموش بیٹھی اپنی انگلیاں چٹخاتی رہی۔
''اچھا اب ہم چلتے ہیں۔'' انہوں نے پھر کہا تو طوبیٰ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
''شاید آپ کو یاد ہو، ایک بار ہم نے آپ سے کہا تھا، کہ حالات کا سامنا کرنے کے لیے اپنے اندر ... حوصلہ پیدا کریں گو اچھے اور برے حالات کا تقریباً سبھی کو سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن کبھی کبھی ایسا اتفاق ... ہوتا ہے کہ حالات بگڑتے ہیں تو بگڑتے ہی چلے جاتے ہیں، اور انسان کو ہر گام پر ناکامی اور ... مایوسیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، لیکن ہمارا مشاہدہ ہے کہ طویل ہو کر ہی سہی، یہ وقت بھی کسی نہ کسی طرح

گزر ہی جاتا ہے اب آپ اپنے پچھلے واقعات پر نظر ڈالیے گزشتہ چند ماہ آپ نہ جانے کن تاریکیوں میں بھٹکتی رہی ہیں، اور وہاں سے ابھریں تو اب یہاں نظر آ رہی ہیں ہمارے پاس۔'' انہوں نے ایک مسکراہٹ پر اپنی بات ختم کر دی، مگر طوبیٰ پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ اسے حوصلہ اور تسلی دلانے کے باوجود کتنی گہری چوٹ کر گئے تھے، وہ کسی مجرم کی طرح چہرہ جھکائے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ''او کے خدا حافظ'' انہوں نے اس کے قریب رک کر کہا۔
''اور مزید ایک نصیحت۔ اپنے اندر تھوڑی سی خود اعتمادی بھی پیدا کیجیے۔'' اور پھر وہ تیزی سے باہر نکل گئے، اور وہ ان سے یہ تک نہ پوچھ سکی کہ اب آپ کب آئیں گے وہ تو اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی، ''وہ کہہ حالات کا سامنا کرنے کے لیے اپنے اندر حوصلہ پیدا کریں اور جو کسی کے حالات اس کا مقدر بن گئے ہوں جیسے کہ میرے تو پھر وہ کیا کرے، انسان تو اتنا بے بس اور لاچار ہو کر رہ جاتا ہے شہریار صاحب کہ وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر مرنا بھی چاہے تو مر نہیں سکتا' ورنہ موت ہی ایک سب سے آسان نسخہ ہے ان مصائب سے چھٹکارا پانے کا جو مجھے درپیش ہیں' لیکن موت بھی مجھ جیسے انسان سے دور بھاگتی ہے اس پر آپ کہتے ہیں کہ میں اپنے اندر تھوڑی سی خود اعتمادی بھی پیدا کروں' جب کہ مجھے خود پر اعتبار نہ رہا۔'' طوبیٰ اپنی اسی جگہ کھڑی بڑی افسردگی سے یہ سب سوچ رہی تھی کہ بیرے کی دستک پر اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا' بیرا اس کی اجازت پا کر اندر آیا اور چائے کی ٹرے اٹھا کر باہر جانے لگا تو اس نے طوبیٰ سے پوچھا۔
''اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟''
''نہیں۔'' طوبیٰ نے رکھائی سے کہا اور بیرے کے جاتے ہی کمرے کے اندر سے کھٹکا لگا لیا' تھوڑا تھوڑا سہم اس پر اب بھی سوار تھا' اس لیے اس نے رات کا کھانا بھی گول کر دیا' حتیٰ کہ لباس بھی تبدیل نہ کیا' اور بستر پر لیٹ گئی' ایک بار پھر سارے واقعات اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے تو اس نے بڑی آزردگی سے سوچا' کیسا حیرت کا مقام ہے پرنس شہریار کہ میں جو تمہاری محبت میں عرصے سے سلگ رہی ہوں۔ تمہیں چاہ بھی نہیں سکتی' کیونکہ تم اتنے بلند اور عظیم ہو کہ مجھے سر اٹھا کر بہت نیچے پستیوں سے تمہیں دیکھنا پڑتا ہے' اور بس حسرت سے تمہیں دیکھ ہی تو سکتی ہوں' تم تک رسائی حاصل کرنا میرے لیے ممکن ہی نہیں۔
پورے پانچ روز ہو گئے تھے' انہی اندیشوں اور وسوسوں میں زندگی گزارتے مگر شہریار اب تک نہ لوٹے تھے' اور ان پانچ دنوں کے مختصر سے عرصے میں طوبیٰ کے خیالات میں ہر روز ایک نیا تغیر رونما ہوتا رہا تھا۔ پہلے اسے شہریار کی نیت اور ارادہ کی طرف سے بے اطمینانی تھی' کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہ عنایات اور کرم کی بارش بلاوجہ تو نہیں ہو سکتی' اس کا کوئی نہ کوئی سبب تو ضرور ہو گا مگر پھر گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات بھی بدلتے رہے' خود اپنے ہی پراگندہ خیالوں پر اپنی بدگمانی پر وہ دل ہی دل میں ہنس کر سوچتی' میں بھی جانے کن خوش فہمیوں میں مبتلا ہوں' ورنہ بھلا کیا میں اور کیا میری اوقات' مصیبت کی ماری ایک لاوارث لڑکی' ... ان کے رحم و کرم پر جس کی بے مقصد سی زندگی کا تمام تر دارومدار ہے' پھر دوسروں کی نیتوں اور ارادوں پر شبہ کرنے کا حق کہاں پہنچتا ہے وہ بھی شہریار پر انہوں نے میرے دل میں سب سے اونچا مقام بنا رکھا ہے۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے یقین ہو گیا کہ شہریار اب کبھی نہ آئیں گے اور وہ مایوس گھڑی سوچنے لگی کہ آخر وہ کب تک ہوٹل کے اس کمرے میں پڑی عیش اڑاتی رہے گی! اگر شہر... اس کے یہاں رہنے کا بندوبست بھی کر دیا ہے تو خود کب تک یہاں رہنا گوارا کر سکے گی! اور پھر... کہ شہریار نے زندگی بھر کا ٹھیکہ تو نہیں لیا ہوگا' پھر اس عرصے میں وہ یقیناً چچا جان یا آصف... رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں لگے رہے ہوں گے اور وہ لوگ انہیں میرے بارے میں نہ معلوم... دیں اور خود شہریار میرے بارے میں نہ معلوم کیا رائے قائم کر کے یہاں آئیں اور کسے معلوم... بھی یا نہ آئیں بلکہ بیرے کے ذریعے کہلوا دیں کہ یہاں سے دفعان ہو جاؤ' کئی بار اس کا دل چاہا بیرے ہی سے ان کے بارے میں کچھ پوچھ لے مگر یہ سوچ کر کہ بیرے استفسار کا بیرا کوئی غلط مطلب لے لے یا پھر میری کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرنے بیرے سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑ رہا تھا' حالانکہ بیرا نہایت مستعدی اور شائستگی سے اس کی خدمات انجام دے رہا تھا' البتہ آنکھوں سے کبھی کبھی تجسس اور شبہات کا تاثر نمایاں ہوتا تھا۔

وہ چھٹے دن کی ڈھلتی ہوئی سہ پہر تھی' طوبیٰ اپنی فکروں میں غلطاں و پیچاں بیٹھی تھی' اس ... سے برآمد ہونے والا ... سے طاؤسی رنگ کا شلوار سوٹ زیب تن کر رکھا تھا جس کے گریبان آ... اور دامن پر بیڈ ورک بنا ہوا تھا اور اتنی پریشانی اور تفکر کے باوجود اس کے رخساروں کے تشکر کی بڑے واضح تھے جو گریبان میں ٹکے شیشوں کے درمیان جھلملا رہے تھے' یوں جیسے حادثوں کی دھوپ نہیں تپا کر رکھ دیا ہو' کمرے میں ابھی اجالا پھیلا ہوا تھا ... اجالے میں اپنے اس سادہ سے لباس اور تمام تر سادگی کے ساتھ وہ کوئی ... حور ہی لگ رہی تھی ... دیر پہلے ہی چائے کی ٹرے اس کے سامنے تپائی پر رکھ گیا تھا' گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد ٹرے لینے آیا ... جوں کی توں رکھی نظر آئی' اس نے ٹی کوزی ہٹا کر چائے دانی بھری کی بھری دیکھی تو نہایت ... پوچھا۔

''بی بی آپ نے آج چائے نہیں پی؟''

''نہیں طبیعت نہیں چاہ رہی۔'' بیرے کے سوال پر چونکے بنا اس نے قدرے بیزاری سے کہا۔

''آپ کی طبیعت تو خراب نہیں بی بی؟'' بیرے نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں طبیعت تو خراب نہیں ہے۔'' طوبیٰ نے اسی لہجے میں جواب دیا' پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''اصل میں ہمارے پروگرام میں تھوڑی سی گڑبڑ ہو گئی ہے' ادھر وہ چھوٹے جاگیردار کی روز ... آئے' ورنہ ہم اپنی روانگی کے بارے میں انہیں بھی بتا دیتے۔''

''روانگی کے بارے میں؟'' بیرے نے قدرے چونک کر کہا' پھر سر کھجا کر بولا۔

''وہ سرکار یہ تو مجھے بھی پتا نہیں کہ وہ کیوں نہیں آئے' پر آپ کہاں۔'' تو طوبیٰ نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔

''پھر تو یقیناً وہ آغا پور ہی چلے گئے ہوں گے' ان کے والد کی طبیعت بھی تو خراب تھی' اس لیے یہاں آنے کا موقع نہ ملا ہوگا۔''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم بی بی' پر آغا پور تو وہ اسی دن چلے گئے تھے' ویسے برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں

بی بی صاحب؟''

''ہاں ہاں مگر تم کیا پوچھنا چاہ رہے ہو۔'' طوبیٰ نے دل ہی دل میں ہول کر بظاہر لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''جی..... وہ..... وہ یہ سرکار آپ کے کیا لگتے ہیں؟''

''اف ...'' طوبیٰ کو پسینہ ہی تو آ گیا' فی الفور کوئی جواب ہی نہ بن سکا' قادر بخش بھی سوال کر کے پشیمان سا ہو گیا تھا۔ جھک کر ٹرے اٹھانے لگا تو طوبیٰ نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''وہ میرے رشتے کے بھائی لگتے ہیں' قادر بخش تم رات کا کھانا نہ لانا۔ مجھے بالکل بھوک نہیں؟''

''مگر ابھی تو رات کے کھانے میں بہت دیر ہے بی بی تب تک بھوک لگ ہی جائے گی۔'' قادر بخش ... لے کر چلا گیا' اس کے جاتے ہی اس نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا' اور مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگی' اتنے دن اس نے ڈر کے مارے کمرے سے باہر قدم نہ نکالا تھا' مگر اب یک لخت ہی اس نے یہاں سے کوچ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا' مگر ابھی شام نہیں پڑی تھی اور اسے معلوم تھا کہ رات کی سیاہیاں ہی اس کے بے مصرف اور ناکارہ وجود کو اپنے دامن میں پناہ دے سکتی ہیں' اس نے ہوٹل چھوڑ دینے کا تہیہ کر لیا تھا' اسی لیے اسے اس کی پروا نہ تھی کہ جب رات کی سیاہیاں چھٹیں گی تو دن کا اجالا اس کے نازک سے وجود کو کس کس سے اور کہاں تک چھپا کر رکھ سکے گا اور وہ کہاں کہاں بھٹکتی پھرے گی' بس وہ تو جلد از جلد ہوٹل چھوڑ دینا چاہتی تھی' اس لیے اس نے اپنی گٹھڑی کا جائزہ لیا' اتاری ہوئی سادہ سی اور استعمال شدہ ... رکھے چند جوڑوں میں سے جو شہریار نے اس کے لیے مہیا کیے تھے ایک جوڑا گٹھڑی میں باندھا اور ... چادر اپنے گرد لپیٹ کر شام پڑنے کا انتظار کرنے لگی۔

باہر شام کے ملگجے اندھیرے دھیرے دھیرے تاریکیوں میں ڈھل رہے تھے' نشیبی علاقے میں پھیلے ہوئے منظر میں برقی روشنیوں کے جگنو جھلمل جھلمل کر رہے تھے اور جہاں جہاں پہاڑیوں کے درمیان سے آسمان جھانک رہا تھا' ننھے ننھے ستارے چشمک زنی کرتے نظر آ رہے تھے' مگر ابھی تو دن کے ہنگاموں کی تھوڑی بہت چھٹ پاتی تھی' نیچے شاید ہوٹل کے ریکریشن ہال سے ہی مغربی موسیقی کی ہلکی ہلکی تانیں ابھر رہی تھیں' اور طوبیٰ کسی بھی لمحے کمرے سے نکل جانے کے لیے پر تول رہی تھی کہ دفعتاً دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو طوبیٰ جو اپنی گٹھڑی بیڈ پر سے اٹھا رہی تھی گھبرا کر دروازے کی طرف گھوم گئی' سوائے بیرے کے اور تو کسی کے آنے کا امکان ہی نہ تھا' یقیناً وہ کھانا لے کر آیا ہوگا' جب کہ میں نے اسے منع بھی کر دیا تھا' پھر وہ کیوں آیا' اپنے ارادوں میں قادر بخش کا رخنہ ڈالنا اسے بہت کھلا' ادھر دروازے پر پھر دستک ہونے لگی۔ دل تو چاہا کہ بیرے کو باہر سے باہر ہی ڈانٹ کر بھگا دے مگر اسے غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر بڑے جذب کے عالم میں دروازہ کھولا' اور پھنکارنے کے سے انداز میں بولی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' اور باقی الفاظ اس کے ہونٹوں میں ہی اٹک کر رہ گئے' دہلیز کی دوسری طرف اپنے بیش قیمت ڈارک سوٹ میں ملبوس شہریار کھڑے تھے' جنہیں دیکھ کر وہ پھر اتنی ہراساں اور خجل سی ہوئی کہ جلدی سے دروازے سے ہٹ کر بیڈ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''کہیے مزاج تو اچھے ہیں آپ کے؟'' شہریار نے چند ثانیے دہلیز پر ہی رک کر اندر آتے ہوئے اس کی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
UrduPhoto.com

مزاج پرسی کی۔ وہ بھی یوں جیسے ان کے پانچ چھ روز کی غیر حاضری کوئی حقیقت ہی نہ رکھتی ہو جب اس کا ہی دل جانتا تھا کہ اس پر یہ پانچ روز کا عرصہ پانچ صدیاں بن کر گزرا تھا' مگر شکوہ کرنا تو بڑی بات وہ ان سے ان اتنے دنوں کی غیر حاضری کا سبب پوچھنے کا بھی حق نہ رکھتی تھی' اپنی بے چارگی اور بے بسی کے احساس سے اس کا دل خون ہو کر رہ گیا' اس پر گویا شہر یار نے عین وقت کے وقت جب کہ وہ یہاں سے کوچ کرنے والی تھی' اس کے سارے ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا' اس کی آنکھوں میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔

"جی ہاں ٹھیک ہی ہوں۔" اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن آثار تو یکسر دوسرے ہی نظر آ رہے ہیں' کیا یہاں طبیعت گھبرا رہی ہے آپ کی؟" انہوں نے کوچ پر بیٹھتے ہوئے بظاہر بڑی رسانیت سے پوچھا' مگر ان کے فقرے ذو معنی تھے طوبیٰ کو لگا کہ وہ اس کے ارادوں کو بھانپ گئے ہیں۔ وہ سہم کر ان کی طرف گھومی' وہ بھی اس کی طرف متوجہ اور بڑی گہری نظروں سے اس کے سراپا کا جائزہ لے رہے تھے اس کا حسین تر چہرہ اچانک ان کی نظروں کی زد میں آیا تو کچھ دیر کو وہ پلک جھپکانا بھول گئے مگر طوبیٰ کی نگاہیں تو چھلک پڑنے کو تھیں اس نے ان کی نظروں کی گہرائی سے گھبرا کر ان سے اپنا چہرہ چھپایا اور گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

"نہیں... طبیعت... اہمیت ہی کیا رکھتی ہے جو گھبرانے کا سوال پیدا ہو جاگیردار صاحب!"

"اوہ" شہر یار ایک زہر خند سے بولے۔ "پھر تو آپ نے یہ اچھا ہی کیا کہ اپنا سامان تیار کر لیا اور خود بھی تیار ہو گئیں۔" شہر یار نے ایک نظر بیڈ پر پڑی گٹھڑی اور پھر چادر میں لپٹی طوبیٰ پر ڈال کر کہا۔

"کیسی تیاری؟" طوبیٰ نے تجاہل سے کام لیتے ہوئے کہا اور خجل سی ہو کر کھڑکی کے آگے جا کھڑی ہوئی' شہر یار جو جواب میں کچھ نہیں بولے اٹھ کر اس کے نزدیک آ کر کھڑے ہو گئے۔

"ہم تو ابھی کچھ دن اور نہ آتے لیکن قادر بخش نے ہمیں فون پر آپ کے ارادوں سے مطلع کیا تو فوراً ہی چلے آئے۔" انہوں نے اس کے سر کے اوپر سے باہر تاریکیوں میں چمکتے برقی قمقموں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی... کیا' کیا قادر بخش نے آپ سے فون پر کچھ کہا تھا؟" طوبیٰ نے چونک کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' لیکن یہ کوئی اچنبھے کی بات تو نہیں' قادر بخش تو ہمیں روز ہی فون کے ذریعے آپ کی خیریت سے آگاہ کرتا تھا۔" وہ اس کی گھبراہٹ سے حظ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر بولے۔

"لیکن... لیکن میں نے تو اس کو اپنے ارادوں سے آگاہ نہیں کیا تھا' بلکہ آپ کے متعلق معلوم کرنے کی غرض سے یہی کہہ سکی تھی کہ..."

"لیکن یہ بھی آپ کی بے اعتمادی کی دلیل تھی۔" شہر یار نے اس کی اس بات کو قطع کر کے کہا۔

"اصل میں یہ پانچ چھ روز ہم نے اسی انتظار میں گزارے تھے کہ شاید آپ کو اس عرصے میں دوسروں پر نہیں تو خود پر ہی اعتماد کرنا آ جائے' کم از کم آپ اچھے اور برے انسانوں کے درمیان تمیز کرنا ہی سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر لیں۔" اپنی بات کہتے کہتے ان کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی' طوبیٰ

نے ان کی بات سمجھنے کی کوشش میں قدرے تحیر سے ان کی طرف دیکھا' ان کی نگاہیں اب بھی کھڑکی سے باہر نظر آتے نیم تاریک منظر پر گڑی تھیں' وجیہہ چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

"ہمیں افسوس ہے کہ ہمیں آپ سے یہ سب کہنے پر مجبور ہونا پڑا' دراصل آپ اس روز ہم سے اس قدر خوفزدہ تھیں کہ ہم ڈھنگ سے آپ سے بات کرنے کے بھی قابل نہ رہے تھے اور یہ ہم پر آپ کی عدم اعتمادی کی واضح دلیل تھی لہٰذا ہم نے مناسب یہی سمجھا کہ جب تک آپ کا اعتماد بحال نہ ہو جائے ہم آپ کو آپ کے حال پر چھوڑے رکھیں۔" انہوں نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات کی وضاحت کی تو طوبیٰ پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ ان کی طرف اٹھی ہوئی پلکیں بار ندامت سے جھکتی ہی چلی گئیں۔ اف تو یہ میری اس وقت کی کیفیات کو سمجھ گئے تھے' اس نے خود پر ٹوٹتی ندامت کے بار تلے پس کر سوچا۔

"میں آپ سے سخت شرمندہ ہوں پرنس شہر یار صاحب! اصل میں میرے حالات نے مجھ سے بہت سی صلاحیتیں چھین لی ہیں۔" وہ شرمندگی سے بوجھل لہجے میں بولی۔

"اس کے باوجود بھی ہم آپ سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ آپ پر کیا گزری؟" انہوں نے ہنستے ہوئے انداز میں کہا اور فوراً ہی بات گھما دی۔

"آیئے تھوڑی دیر کے لیے ادھر بیٹھتے ہیں۔" انہوں نے کوچ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا' طوبیٰ قدرے تامل کے بعد بیڈ پر ٹک گئی۔

"اس کے علاوہ بھی کیا آپ اپنے ساتھ کوئی سامان لے جانا چاہتی ہیں؟" انہوں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اچٹتی نظر گٹھڑی پر ڈال کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی سامان؟ لیکن یہ تو میں نے یونہی۔" وہ سٹپٹا جانے کی وجہ سے اپنی بات بھی پوری نہ کہہ سکی۔

"ہم نے آپ سے یہ تو نہیں پوچھا' بہر حال یہاں یہ جتنا سامان بھی موجود ہے آپ ہی کے لیے فراہم کیا گیا ہے اور شاید یہیں کہیں ایک سوٹ کیس بھی موجود ہے۔" شہر یار سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے' ان کی نگاہیں اب بھی اس کے چہرے پر جمی تھیں' اور اسی وجہ سے وہ بڑی گھبرا رہی تھی' انہوں نے اٹھ کر بیڈ کے سرہانے لگی بیل بجائی اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے' کچھ ہی دیر بعد بیرا اجازت لے کر اندر داخل ہوا' انہوں نے اس سے سوٹ کیس لانے اور یہ الماری کا سامان اس میں رکھنے کو کہا اور بیرے نے فوراً ہی تعمیل کی۔

"اگر مناسب سمجھیں تو یہ سامان بھی سوٹ کیس میں رکھوا دیں۔" شہر یار نے قدرے نیچی آواز میں اس سے کہا۔

"جی... جی ہاں' لیکن پہلے قدر الماری کا سامان تو سوٹ کیس میں رکھ دے۔" طوبیٰ اپنی وہ حقیر سی گٹھڑی ان کے سامنے کھلوانا نہ چاہتی تھی اس لیے اس نے گٹھڑی کے سلسلے میں تھوڑی سی ہچکچاہٹ سے کام لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے بعد میں سہی۔ لیکن اگر آپ تیار ہیں تو پھر تاخیر سے کیوں کام لیا جائے' واپسی میں بھی تو کافی وقت لگے گا۔" انہوں نے اپنا ہاتھ جھٹک کر کوٹ کا کف اونچا کر کے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے کہا' اور واپسی کا لفظ سن کر طوبیٰ سخت ہراساں ہو گئی۔ یا خدا اب یہ مجھے کہاں لے جانا چاہتے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہیں' کہیں چچا جان کے یہاں تو نہیں؟ نہیں نہیں وہاں تو میں مر کر بھی نہ جاؤں گی' اور اسی خیال [illegible] نے پوچھ ہی لیا۔

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ مجھے کہاں لے جانا چاہ رہے ہیں؟''

''چاہ رہے ہیں؟'' انہوں نے ہنس کر اس کا فقرہ دہرایا اور بولے۔

''بہرحال آپ کے چچا کے یہاں ہرگز نہیں' ہم آپ کو اپنے گھر لے جا رہے ہیں۔''

''اپنے گھر۔'' وہ جو پہلے ہی اس بات پر متعجب ہو رہی تھی کہ وہ اس کے دل کی بات کیسے [illegible] ہیں اس انکشاف پر کہ وہ اسے اپنے گھر لے جا رہے ہیں مضطرب سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیوں؟ کیا آپ ہمارے گھر جانا پسند نہیں کریں گی؟'' انہوں نے کوچ کی پشت سے سر ٹکا [illegible]

''نہیں یہ بات نہیں' وہ دراصل... وہ شہزادی صاحب... وہ بھلا میرے بارے میں کیا سوچیں گی''

''وہ میری بہن پہلے ہیں اور... اور آپ سے تو وہ بے حد متاثر ہیں۔'' شہریار نے سگریٹ [illegible] گاڑھا دھواں چھت کی طرف چھوڑتے ہوئے کہا۔ پھر انہیں شہوار کی اس روز کی تشبیہات یاد آ [illegible] انہوں نے طوبیٰ کی خوبصورتی پر دی تھیں' پھولوں کی طرح نازک' حوروں کی طرح خوبصورت اور فرشتوں کی طرح معصوم۔ بھلا ایسے ہی الفاظ انہوں نے اپنی نظریں اس کے رخ تاباں پر مرکوز [illegible] وہ جو ان سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی بڑے ہنگامی انداز میں اپنا گلاب کی پنکھڑی جیسا ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ بلاشبہ اس کے حسن جہاں سوز سے مسحور ہو گئے تھے کہ اسی دم بیرے کی [illegible] ان پر طاری سحر توڑ دیا اس نے تمام سامان سوٹ کیس [illegible] دیا تھا اور بہت مستعد اور مؤدب ان کے اگلے حکم کا منتظر کھڑا تھا۔

''تم باہر ٹھہر کر ہمارا انتظار کرو۔'' انہوں نے صرف اتنی قدر کہا اور بیرا مستعدی سے انداز میں [illegible] ہی لمحے باہر نکل گیا۔

''وہ ہماری بہن ہیں اور ہم ان کی فطرت سے بخوبی واقف ہیں ہم آپ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھما دیں گے تو وہ آپ سے کچھ بھی نہ پوچھیں گی البتہ تجسس تو ایک فطری بات ہے اور آپ کو بھی اپنی کمزوریوں پر قابو رکھنا ہوگا۔'' شہریار نے کہا اور پھر سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اٹھ کھڑے [illegible] اور طوبیٰ نے محسوس کیا کہ اپنی بات میں زور اور رعب پیدا کرنے کی غرض سے وہ [illegible] آئے ہیں۔

''اچھا اب اسے بھی سوٹ کیس میں مقفل کر دیں۔'' شہریار نے طوبیٰ کی [illegible] پر رکھی گھڑی کی طرف جونہی ہاتھ بڑھایا۔ اسی دم طوبیٰ نے بھی چونک کر وہ گھڑی اٹھانی چاہی اس طرح دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے مس ہو گئے اور دونوں نے ہی اس اتفاقی ٹکراؤ [illegible] کی طرف چونک کر دیکھا اور دونوں کو ہی وہ واقعہ یاد آ گیا جب طوبیٰ گل رخ کے بھیس میں شہریار سے ٹکرائی تھی' طوبیٰ گھبرا کر جلدی سے گھڑی کے پاس سے ہٹ گئی۔

''کوئی بات نہیں ایسے اتفاقات تو انسان کی زندگی میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔'' شہریار نے [illegible] گویا اس واقعہ کو جتایا تو طوبیٰ شرمندہ ہونے کے بجائے پھر متحیر سی رہ گئی' کیا آخر وہ اس کے دل کی بات کس طرح جان لیتے ہیں؟

''بہرحال اسے اب آپ ہی سوٹ کیس میں رکھ دیں۔ ہمیں تو اس کی پراسراریت سے خوف آتا ہے۔'' شہریار نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا تو ایک خجل سی مسکان طوبیٰ کے حسین تر چہرے کو گلنار کر گئی' اس نے اپنی گھڑی اٹھا کر سوٹ کیس میں رکھ دی۔

''اچھا آیئے اب چلتے ہیں' جلد سے جلد بھی پہنچنے کی کوشش کی تب بھی آغا پور پہنچتے پہنچتے تو نو بج ہی جائیں گے۔'' شہریار نے کہا اور پھر بیرے کو آواز دی اور اس کے آتے ہی اسے سوٹ کیس لے جانے کا اشارہ کر کے طوبیٰ کے ساتھ نیچے آ گئے۔ نیچے جہاں ان کی کار سے کچھ فاصلے پر چند اور کاریں بھی کھڑی تھیں مگر باہر سناٹا ہی پڑا تھا البتہ اندر شیشوں کے بند دروازوں کے پیچھے کہیں سے ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز کے ساتھ لوگوں کے باتیں کرنے کی دھیمی دھیمی آوازیں بھی آ رہی تھیں' قادر بخش نے پہلے ہی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا تھا' وہیں اس کا سوٹ کیس بھی رکھا ہوا تھا' طوبیٰ سوٹ کیس کے پاس ہی بیٹھ گئی پھر وہ اسے لے کر چل پڑے اس کے وہ بچھا الجھے الجھے تھے اور کافی تیز رفتار سے کار چلا رہے تھے اور طوبیٰ جو ہر طرف سے بے نیاز اپنے ہی خیالوں میں غلطاں اور پیچاں پچھلی سیٹ پر دبکی بیٹھی تھی' شہریار کے کہنے پر ان کے ساتھ چلی آئی تھی لیکن اب کار میں بیٹھ کر اسے ان تمام مرحلوں کا احساس ہو رہا تھا۔ جو ذوالفقار کاسل پہنچنے کے بعد اسے پیش آنے والی تھیں۔ اور وہ سوچے جا رہی تھی کہ اول تو رات کے وقت وہ بھی تن تنہا شہریار کے ساتھ بے سروسامانی کے عالم میں میرا ذوالفقار کاسل پہنچنا ہی دوسروں کے لیے کیا کم تجسس کا باعث ہوگا' دوسرے شہوار نہ جانے کیا تاثر لیں گی اور میرے مستقل رہائش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' [illegible] سال بھی [illegible] جتنے عرصے کی [illegible] میری وہاں موجودگی کا علم چچا جان کے گھر والوں کو بھی یقیناً ہو ہی جائے گا' یہی تو ایک خدشہ تھا جس نے اسے سب سے زیادہ پریشان کر رکھا تھا' اور اسے یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ آخر ان لوگوں [illegible] تو پھر کیا ہوگا' میں تنہا کس طرح خود کو ان لوگوں کے بے بنیاد الزامات سے بچا سکوں گی' [illegible] اپنے پاکدامن کو رسوائیوں کے بدنما داغوں سے محفوظ رکھ سکوں گی اب تک تو یہی تھا کہ میں سب کی نگاہوں سے اوجھل تھی' لوگوں نے میرے بارے میں جس قدر بھی کہا ہوگا' اپنے اپنے اندازے اور قیاس کے تحت کہا ہوگا مگر اب تو میں منظر عام پر آ جاؤں گی' لوگ دنیا جہان مجھے [illegible] کہیں گے میرے کردار پر کیچڑ اچھالیں گے تو میں کس کس کا منہ بند کروں گی' اور کیونکر اپنی پاکدامنی کا یقین دلاؤں گی اور سب سے بڑھ کر تو ان دونوں بھائیوں کی نظروں میں بالکل ہی گر کر رہ جاؤں گی' پھر نہ معلوم مجھ سے کیا سلوک روا رکھیں' کس طرح پیش آئیں' اُف میری عقل کیوں ماری گئی تھی' جو میں ان کے ساتھ بلا سوچے سمجھے آ گئی' اسی دن ہوٹل سے نکل گئی ہوتی' جس روز یہ وہاں مجھے چھوڑ کر گئے تھے تو آج مجھے اتنی شدید پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

''اگر آپ سو نہیں رہیں تو اطلاعاً عرض ہے کہ گھر آ گیا ہے۔'' اچانک شہریار کی گمبھیر آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے ہڑبڑا کر کار کے بند شیشوں سے باہر دیکھا شہریار کی کار ذوالفقار کاسل کے اونچے ستونوں والے پورٹیکو میں کھڑی تھی' اوہ ان کا گھر آ گیا اور مجھے پتا بھی نہ چلا' اس نے سیٹ پر تھوڑا سا اچک کر سوچا' اور پھر یکبارگی اس کا دل بے طرح دھڑکنے لگا' یہ خیال [illegible] سامنے [illegible] ناوقت وہ بھی اتنی بے سروسامانی کی حالت میں آنے کا سبب کیا بیان [illegible]؟ اس کے ہاتھ پیروں کی

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

طاقت سلب کر گیا۔

''آیئے اتریے آپ کیا سوچنے لگیں۔'' ایک بار پھر شہریار کی گمبھیر آواز نے اسے اس کے خیالوں سے چونکایا' اور وہ اپنی ہمت مجتمع کر کے دروازے کا ہینڈل گھمانے لگی تو شہریار نے جو اس اثنا میں اتر چکے تھے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھولا اور پھر گاڑی لاک کر کے انہوں نے آہستہ سے کہا۔

''آیئے۔'' اور پھر وہ پورٹیکو کی سیڑھیاں چڑھنے لگے تو وہ بھی بڑی چوکنا اور چوکس سی حالت میں ادھر ادھر دیکھتی کہ کہیں کوئی ملازم یا ملازمہ تو اسے نہیں دیکھ رہا' ان کے پیچھے ہولی حالانکہ اس کا کیس ابھی کار ہی میں پڑا ہوا تھا' مگر اس وقت تو اس پر صرف اور صرف شہوار کا خوف غالب تھا۔ کس طرح زینہ عبور کر کے وہ غلام گردش تک آئی اور کب زنان خانے کی حدود میں قدم رکھا۔ ہوش ہی کب تھا' اس کا تو یہ سوچ سوچ کر دل کٹا جا رہا تھا کہ کیا تو میں ان سے ایک دو مرتبہ اتنی حیثیت اور ماحول میں ملی تھی کہ بقول شہریار وہ مجھ سے حد درجہ متاثر ہو گئی تھیں اور کیا اب ان میں ملوں گی کہ انہیں پہچاننا بھی دوبھر ہوگا' ہوش تو اسے اس وقت آیا جب شہریار نے شہوار کے کے آگے رک کر آہستہ سے انہیں آواز دی' اور کچھ ہی دیر بعد شہوار گہرے قرمزی رنگ کے فاخرانہ میں ملبوس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئیں' آئی تو تھیں مسکراتی ہوئی مگر شہریار کے ساتھ طوبی دیکھ کر تعجب اور تجسس کے غلبے میں نہ صرف ان کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی بلکہ وہ ایک دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔ اور وہ جو بڑی مشکل سے ان کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا کر سکی تھی ان کے اس تاثر پانی ہو گئی۔

''لو بھئی سنبھالو اپنی مہمان کو' ان سے ملنے کا تمہیں بے حد اشتیاق بھی تو تھا سو ہم نے آج شوق بھی پورا کر دیا۔'' شہریار بھی بہن کے تاثرات پر طوبی کی کیفیت کو بھانپ گئے' انہوں نے کے تجسس اور تعجب کو کم کرنے کی غرض سے کہا۔

''اوہ۔ آپ... آپ طوبی کہیں ہم خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ سچ بتایئے چھوٹے آغا ہم جاگ رہے ہیں نا؟'' گو شہوار پر واقعی اس سے استعجاب ٹوٹ پڑ رہا تھا' مگر ان کی چہکیلی اور متجسس نگاہیں ان کے لہجے کی چغلی کھا رہی تھیں' ان کی نگاہوں سے تعجب اور تجسس نہیں۔ شکوک سے ہویدا تھے شہریار جلدی سے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

''میرے خیال میں ذہنی طور پر تم سو ہی رہی ہو۔ ورنہ جاگتے میں تو کوئی بھی خواب نہیں دیکھتا حال اب ان کی پچھا آؤ بھگت تو کر و' انہیں اندر لے جا کر آرام سے بٹھاؤ' یہ کیا کہ دروازے پر کھڑی وصول کرنے والوں کی طرح جانچ پڑتال کر رہی ہو' آخر تو یہ ہماری معزز مہمان ہیں۔'' شہریار کے شگفتہ لہجے میں ملاحت بھی تھی' اور تنبیہہ بھی' شہوار فوراً پینترا بدل کر بولیں۔

''جی ہاں۔ جی ہاں بصد احترام چھوٹے آغا بسر و چشم۔'' اور پھر طوبی سے مخاطب ہو کر بولیں۔

''آیئے اندر تشریف لے چلیے' چھوٹے آغا نے آپ کو اپنا مہمان ضرور کہا ہے مگر میزبانی کے فرائض وہ ہم سے ہی ادا کرانا چاہتے ہیں۔'' اور پھر وہ بھائی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگیں' اور طوبی پر جیسے ندامت کثیف سا بوجھ آ گرا' انہوں نے بھائی کے ٹوکنے کے باوجود نہ تو وہ پہلے جیسی گرمجوشی دکھائی تھی نہ ان کی آؤ بھگت کی تھی' بہن ہنس رہی تھیں اور بھائی سنجیدہ اور خاموش کھڑے تھے اور طوبی کے پیر جیسے

کا جلنا سے لیے تھے وہ اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی تھی۔

''سنو شیری۔'' شہریار نے پشتو میں انہیں مخاطب کیا۔

''تمہارا رویہ اس وقت تمہارے اس اعلا اور ارفع خیالات کی نفی کر رہا ہے جن پر تمہیں بہت ناز ہے''

''کیوں' کیا مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہو گئی چھوٹے آغا؟'' شہوار نے یکلخت اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے پشتو میں ان سے پوچھا۔

''گستاخی نہیں بد اخلاقی۔'' شہریار جز بز سے ہو کر بولے۔

''اس وقت ان کی غیر متوقع آمد کی تفصیل بتانا بالکل مناسب نہیں شیری' اور تم بھی ان سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہ کرنا' کیونکہ ایک مصیبت زدہ انسان حالات تو کیا خود اپنی ذات پر بھی اختیار نہیں رکھتا اور یہ تو ایک مہمان کی حیثیت سے چند دن ہمارے یہاں گزارنے آئی ہیں' لہٰذا میزبانی میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے' اچھا اب میں چلتا ہوں تم ان کو کھانا ضرور کھلوا دینا۔'' اور پھر شہریار تیزی سے پلٹتے اسی دم وہاں سے چلے گئے بھائی کی سنجیدگی سے کہی بات میں تنبیہہ بھی تھی اور تاکید بھی اور شہوار کے لیے ان کا اسے مصیبت زدہ کہہ دینا ہی کافی تھا' وہ اپنے رویے پر خود خجل سی ہو گئیں' اور بڑی محبت سے طوبی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی خوابگاہ میں لے گئیں۔

''آپ تو ایک دم اجنبیوں کی طرح دور سے ہی دیکھتی رہیں یہ بھی نہ ہوا کہ دوڑ کر ہمارے گلے سے لگتیں خیر آپ آرام سے یہاں دیوان پر بیٹھیے ہم آپ کے لیے کھانا منگواتے ہیں' اتنے میں آپ بھی منہ ہاتھ دھو لیں۔''

''منہ وغیرہ تو میں دھو کر آئی ہوں لیکن آپ کھانے کا تکلف نہ کریں مجھے اس وقت بالکل اشتہا نہیں ہے۔'' طوبی ان کی یگانگت پر دل ہی دل میں قدرے مطمئن ہو کر بولی۔

''خیر آپ کا یہ عذر تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا' تھوڑا بہت تو آپ کو کھانا ہی پڑے گا۔'' شہوار مصر ہونے کے سے انداز میں بولیں۔

''اچھا اگر ایسا ہی ہے تو آپ چائے پلوا دیجئے۔'' طوبی کھو کھلے انداز میں تھوڑا سا ہنس کر بولی۔

''ٹھیک ہے تو پھر چائے ہی سہی۔'' شہوار نے کہا' اور پھر بیڈ پر سرہانے لگی کال بیل کا بٹن دبا دیا' اور جو نہی ملازمہ آئی' تو انہوں نے اپنی زبان میں اسے چائے لانے کو کہا' اور طوبی سے تھوڑی دیر کے لیے معذرت طلب کر کے خود بھی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆......☆......☆

طوبی کو شہوار کے پاس چھوڑ کر شہریار بھول ہی گئے تھے کہ انہوں نے ایک بڑی ذمہ داری ان کے کمزور اور نحیف کاندھوں پر ڈالی ہے' ہاں وہ شہوار کے لیے ایک ذمہ داری ہی تھی' کیونکہ اسے شہوار کے پاس چھوڑے ایک ہفتے سے زائد عرصہ ہو گیا تھا' مگر اس عرصے میں شہریار نے ایک بار بھی پلٹ کر اس کی خبر نہ لی تھی' گو وہ بھائی کی فطرت اور مزاج سے بخوبی واقف تھیں کہ وہ اپنے اصولوں اور مزاج کے خلاف کوئی بھی کام کرنے کے عادی نہیں ہیں' نہ ان سے کسی قسم کی لغزش بھی سرزد...... ہو سکتی تھی مگر ان کے مزاج میں حد درجہ تجسس تھا' معمولی معمولی بات کی بھی انہیں جستجو لگی رہتی تھی' اس پہ طوبی نے اب تک

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

اپنے بارے میں نہیں بتایا تھا، گویا کہ ہر بات ہی ان کے تجسس کو مہمیز کا دینے والی تھی، پھر بھی... اور تحمل سے کام لے رہی تھیں، انہوں نے خود بھی طوبیٰ سے کچھ نہیں پوچھا تھا مگر ہر دم انہیں ایک سی لگی رہتی، کہ طوبیٰ چھوٹے آغا کے ہاتھ کیسے لگی۔ کیا اپنے چچا کے گھر سے بھاگ آئی؟ سامان بھی ساتھ ہے، لیکن بے حد مختصر، یوں لگتا ہے جیسے بہت عجلت میں یا چپکے سے نکل... لیکن یہ ایسی تو نہیں لگتی۔ آخر یہ معمہ کیا ہے، ان کی کچھ سمجھ میں ہی نہ آتا تھا، البتہ ان کے دل میں طوبیٰ کو دیکھ کر جو تاثرات پیدا ہوئے تھے وہ ضرور بری طرح متاثر ہو گئے تھے۔ ان چھوٹے بھائی کی خوشی کی وجہ سے اور کچھ اپنی مہمان نواز فطرت کے سبب رواداری اور اخلاق کو ملحوظ... وہ اس سے خلوص سے پیش آ رہی تھیں، لیکن یہ ساری رواداری وغیرہ خود ان کی ذات تک ہی محدود تھی، کیونکہ باپ کے ہوتے ہوئے وہ اتنی بااختیار نہیں تھیں کہ..... اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے گھر میں پناہ دے دیتیں اور باپ سے اب اس کی موجودگی کو راز رکھنا ان کے لیے اور آسان... رہا تھا، کیونکہ زنان خانے میں پرانی اور نئی ملازمائیں بھی تھیں اور سب سے بڑھ کر جاگیردار کا خاص اور پرانا نمک خوار گل داد خان، جسے گھریلو امور پر بھی پوری پوری دسترس حاصل تھی اور... زنان اور مردان خانے کا نگران تھا بلکہ نوکروں کا انچارج بھی، نوکروں کو رکھواتا بھی وہی تھا اور تنخواہیں بھی وہ خود ہی مقرر کرتا تھا حتیٰ کہ بانٹتا بھی اپنے ہاتھوں سے تھا اور اتنا بوڑھا اور پرانا کہ جاگیردار کے دونوں بچے اسے بابا خان کہتے تھے اور اس کی نگاہوں سے ایک نئے اور اجنبی... آمد پوشیدہ نہیں رہی تھی گو اس نے طوبیٰ کے بارے میں اب تک شہوار سے کوئی استفسار نہیں... شہوار اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ ان کے باپ کو ایک مہمان کی آمد سے بے خبر... انہوں نے تو یہی سوچ کر جیسا کہ شہریار نے بھی کہا تھا کہ وہ چند روز کے لیے قیام کرے گی، باپ... بات پہنچانی مناسب نہیں سمجھی تھی، مگر اسے مستقلاً گھر میں... شہوار اسی نتیجے پر پہنچیں کہ اس... کہ آغا جان خود ہمیں طلب کر کے طوبیٰ کے بارے میں استفسار کریں، خود جا کر انہیں بتا دینا... لیکن طوبیٰ کی تو ایسی مثال تھی کہ نہ بولتی تھی نہ سر سے کھیلتی تھی، اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ باپ... اس کے بارے میں کیا کہیں، اس کے یہاں جم جانے کا کیا عذر پیش کریں، آخر اس سلسلے میں بھائی سے رجوع کرنا پڑا۔

اگلی صبح ناشتے کے بعد شہوار نے بھائی کے کمرے کا رخ کیا، جبکہ وہ صبح کے وقت مردان خانے کی طرف نہیں جاتی تھیں کیونکہ جاگیردار کی عیادت کو آنے والوں کا ایک تانتا سا بندھا رہتا تھا، مگر... خانے کے آخری سرے پر ایک وسیع اور اونچا تھا، جس سے ملحق وہ چھوٹا سا تیج تھا جس کا ایک... جاگیردار کے رہائشی کمروں کی طرف کھلتا تھا، اور دوسرا ایک تنگ سی راہداری میں، اور راہداری سے ہی شہوار بھائی کے کمرے میں پہنچی تھیں، شہریار تھوڑی دیر پیشتر ناشتے سے فارغ ہو کر اخبار کا مطالعہ کرنے بیٹھے.... تھے کہ انہوں نے ان کے نزدیک جا کر کہا۔

''صبح بخیر چھوٹے آغا۔ شکر ہے ہماری توقع کے خلاف آپ تو مل گئے۔''

''اچھا تو تمہیں ہمارے ملنے کی توقع ہی نہ تھی، خیر آؤ بیٹھو اب تو ہم مل ہی گئے ہیں۔'' بھائی کے لہجے میں بشاشت تھی، مگر وہ بدستور اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے، شہوار ان کے قریب ہی کوچ پر بیٹھ گئیں۔ اور کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

''کہو سب خیریت تو ہے نا؟'' شہریار نے خلاف عادت انہیں خاموش دیکھ کر اخبار تہہ کر کے رکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں، خدا کے فضل سے خیریت ہی ہے۔'' شہوار نے رکھائی سے کہا۔

''مگر خود اپنی خیریت نہیں..... یہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟''

شہریار مسکرا کر بولے

''آپ شاید بڑے فریش موڈ میں ہیں اس وقت۔'' شہوار کو بھائی کی مسکراہٹ بالکل اچھی نہ لگی۔

''شاید کیا، حقیقت میں ہوں ہی۔'' شہریار بدستور مسکرا رہے تھے۔

''پھر تو بڑی خوشی کی بات ہے، ورنہ ہم تو آپ کے اس موڈ کے لیے ہمیشہ ترستے ہی رہے۔'' شہوار نے کہا۔

''آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو شیو؟ تم جانتی ہو میں پہیلیوں میں بات کرنے کا عادی ہوں نہ سننے کا۔'' شہریار سنجیدہ ہو گئے۔

''ہم آپ کی امانت کے بارے میں پوچھنا چاہ رہے تھے چھوٹے آغا۔''

''یہ تو مجھے بھی احساس ہے کہ تمہاری آمد بلا سبب نہیں ہو سکتی۔ لیکن میری امانت سے تمہاری مراد؟'' شہریار نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔

''وہی..... وہ طوبیٰ صاحبہ، اصل میں آج ہم انہیں آغا جان سے متعارف کرانے کا ارادہ کر چکے ہیں مگر کیا کہہ کر ملیں؟ یہ سوال ہمارے لیے ایک... ہے کہ ہم نہیں۔'' آخر شہوار کو صاف صاف بتانا ہی پڑا۔

''اوہ تو یہ کون سا ایسا لاینحل مسئلہ ہے جس کو سلجھانے کے لیے تمہیں یہاں تک زحمت کرنا پڑی، مہمان کہہ سکتی ہو، سہیلی کہہ سکتی ہو..... یا..... یا پھر کزن کہنا زیادہ بہتر رہے گا۔'' شہریار نے مسئلے کا حل بھی پیش کیا تو اس طرح جیسے کوئی خاص بات ہی نہ ہو، شہوار تو پہلے ہی ان کے اس بے نیازانہ رویے سے تنگ آ چکی تھیں، ان کی لاپروائی پر جل کر رہ گئیں۔

''دس روز سے وہ یہاں مقیم ہیں، اور نہ معلوم کتنے عشروں تک اور قیام کریں، اس صورت میں صرف یہی کہہ دینا ہی تو کافی نہ ہوگا چھوٹے آغا، آپ کو معلوم ہے کہ آغا جان اتنی سی بات سے ہرگز مطمئن نہ ہوں گے۔'' وہ قدرے ناگوار سے لہجے میں بولیں۔

''ہاں لیکن جس طرح تم ان محترمہ کے حالات سے ناواقف ہو، اسی طرح میں بھی قطعاً لاعلم ہوں، البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ اپنے حالات کے ہاتھوں بے بس ہو کر اتفاقاً مجھ سے ٹکرا گئیں تو میں ازراہ انسانیت انہیں یہاں لے آیا۔ لیکن تمہیں تو ان سے بڑی عقیدت ہے، پھر انہیں پناہ دیتے ہوئے اس قدر گھبرا کیوں رہی ہو؟'' شہریار نے بات کے اختتام پر مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تو شہوار زچ ہو کر رہ گئیں، صاف ظاہر تھا، بھائی بات ٹال رہے تھے، مگر بے ادبی کے خیال سے انہوں نے بھائی سے یہ نہیں کہا کہ میں تو یہ مان ہی نہیں سکتی، کہ آپ کو طوبیٰ کے بارے میں کوئی علم ہی نہیں، کچھ دیر خاموش رہ کر الجھتی ہوئی بولیں۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''ٹھیک ہے پھر تو ہم اپنی مرضی سے جو چاہیں گے کہہ دیں گے لیکن ادھر آنے پر کوئی پابندی نہ لگی چھوٹے آغا، نہ پردے کا ہی کوئی مسئلہ ہے۔''

''ہوں۔ لیکن چند مصلحتیں مانع ہیں۔'' شہریار نے نہایت بے نیازی سے اخبار اٹھا کر اس کا مطالعہ کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو پھر ہم اب چلتے ہیں۔'' شہوار بولیں، اور تیزی سے بھائی کے کمرے سے نکل آئیں اور سیدھا طوبیٰ کے رہائشی کمرے کا رخ کیا۔

طوبیٰ بھی ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے کمرے میں بیٹھی ایک انگلش میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی کہ شہوار نے آتے ہی اس سے کہا۔

''آپ کسی قسم کی قباحت محسوس نہ کریں تو اس وقت ہمارے ساتھ دیوان خانے چلیے۔'' تو طوبیٰ ان کے یوں اچانک آ کر دیوان خانہ چلنے کے مطالبے پر دل ہی دل میں متعجب ہی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''لیجیے، بھلا اس میں قباحت کا کیا سوال، آیئے چلیے۔'' اس نے خوشدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو شہوار نے تنقیدی سی نظروں سے اس کے لباس کا جائزہ لیا، وہ ہلکے کاہی رنگ کی کریب کا شلوار سوٹ پہنے ہوئے تھی، انہیں وہی مناسب لگا۔

''اصل میں ہم آج آپ کو آغا جان سے ملوانا چاہتے ہیں، گو اصولاً تو شروع میں جب آپ یہاں آئی تھیں ہمیں آپ کو ان سے متعارف کرا دینا چاہیے تھا، لیکن آغا جان ہر بات کی تفصیل جاننے کے عادی ہیں اور آپ کے بارے میں جب ہمیں ہی کچھ علم نہیں تو ان کو کیا بتا سکتے تھے؟'' شہوار نے دانستہ میں بڑی ترکیب سے طوبیٰ کو کریدنا چاہا۔ اور طوبیٰ کا چہرہ متغیر ہو گیا، وہ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''مجھے بھی آپ کی ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہے شہزادی صاحبہ! لیکن نہ تو میں کوئی جرم کر کے گھر سے بھاگی ہوں، نہ بے راہ روی کا شکار ہو کر..... اور یہاں آپ کے دولت کدے پر میرے آنے کا امکان تھا نہ سان و گمان ہی لیکن قسمت اور حالات نے میری تمام راہوں کا رخ ادھر ہی پھیر دیا۔'' طوبیٰ نے اپنی بے بسی کا اظہار جس عاجزی سے کیا شہوار متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

''خیر اگر ایسا بھی ہے تو اس میں قدرت کی کوئی مصلحت پوشیدہ ہوگی، بہر حال آپ فکر نہ کریں ہم آغا جان سے خود ہی نمٹ لیں گے، کیونکہ آغا جان کو آپ کی موجودگی سے آگاہ کرنا بھی بہت ضروری ہے، آیئے چلیے۔'' شہوار ولد ہی کے طور پر بولیں، اور باہر کا رخ کیا تو طوبیٰ بھی ان کے ساتھ ہو لی لاؤنج سے ہوتی وہ دونوں اس چھوٹے سے پیچ میں پہنچیں اور دیوان خانے کے بند دروازے کے آگے رک کر شہوار نے آہستہ سے دستک دی، تو کچھ ہی دیر بعد سفید ریش گل داد خان کا جھریوں بھرا چہرہ دروازے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔

''کیا آغا جان اس وقت مصروف تو نہیں ہیں بابا جان؟''

شہوار نے اس سے پوچھا اور جواب میں اس نے خاموشی سے پورا دروازہ کھول دیا، شہوار طوبیٰ کو ساتھ لیے اندر داخل ہوئیں اور جونہی ایک مستطیل مگر تنگ سے کمرے سے نکل کر وہ صدر ایوان میں داخل ہوئیں تو طوبیٰ کو یوں لگا جیسے وہ کسی طلسم زار میں آ گئی ہو، صدر ایوان کی آرائش و زیبائش، اشیاء

اور وسعت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، بہت ہی قیمتی اور خوبصورت فرنیچر بیش قیمت ایرانی قالین، بہت اونچی چھت میں لٹکتے فیل قامت جھاڑ، فانوس اور ڈیکوریشن کے طور پر جا بجا سجے نوادرات اور یہی نہیں کہ ہال ایک ہی جگہ ختم ہو گیا ہو بلکہ محرابی دروں سے گزر کر دور تک پھیلا ہوا تھا، جہاں سکون تھا، ٹھنڈک اور فرحت تھی اور کچھ عجب فسوں سا پھیلا ہوا تھا، گل داد خان پہلے تو آگے آگے چل رہا تھا پھر انہی محرابی دروں کی بھول بھلیوں میں کہیں گم ہو گیا تھا اور شہوار آگے بڑھتی رہی تھیں، پھر وہ ہال کے بائیں جانب مڑیں اور ایک بڑے سے دروازے پر جس پر وہ پردہ پڑا ہوا تھا، رک کر انہوں نے پردے کو تھوڑا سا ہٹا کر اندر جھانکا اور پھر مڑ کر طوبیٰ کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور خود بھی پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گئیں، طوبیٰ نے بھی ان کی تقلید کی، یہ ایک پر شکوہ سی خوابگاہ تھی، جس کا فرنیچر اور ہر شے ہی غیر معمولی حد تک کشادہ تھی دروازے کے عین سامنے کی سمت میں شیشے کی کھڑکیاں تھیں، گو ساری کھڑکیاں بند تھیں، لیکن پردے سمٹے ہوئے تھے اور اپنی مہاگنی کی جہازی مسہری پر تکیوں سے ٹیک لگائے آغا پور کے والی اور رئیس آغا بختیار جلوہ فگن تھے، بلند قامت، بھاری جسامت، بارعب اور باوقار جاگیردار، بھرا ابھرا چہرہ جھلکتی ہوئی سرخی مائل رنگت، کھڑی کھڑی ناک، چوڑا دہانہ، خشخشی بال بڑی بڑی مونچھوں اور غلافی آنکھوں کے مالک پر ہیبت بھی، اور مشفق بھی، جن پر نگاہ پڑتے ہی طوبیٰ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا، شیشوں سے باہر کے منظر پر نظریں جمائے خاموش بیٹھے تھے، بٹی نے قریب جا کر ادب سے انہیں سلام کیا، اور طوبیٰ نے بھی بٹی کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر ان کی تقلید کی تو انہوں نے دونوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بیٹی کی طرف مستفسر نظروں سے دیکھا۔

''یہ میری ایک سہیلی ہیں آغا جان، آپ کی مزاج پرسی کو حاضر ہوئی ہیں۔'' شہوار نے جلدی سے بتایا۔

''اچھا اچھا..... کیا نام ہے تمہارا؟..... بیٹھو۔'' جاگیردار نے طوبیٰ پر ایک غائر نظر ڈال کر براہ راست اسے ہی مخاطب کیا اور طوبیٰ نے بیٹھنے کے بجائے شہوار کی طرف سراسیمگی سے دیکھا تو شہوار بولیں۔

''ان کا نام طوبیٰ ہے آغا جان!''

''کیا تم یہیں آغا پور میں ہی رہتی ہو؟'' جاگیردار نے پھر طوبیٰ کو مخاطب کیا، ان کا لہجہ کھڑا کھڑا سا تھا۔

''یہ لاہور سے آئی ہوئی ہیں آغا جان۔'' طوبیٰ کو سراسیمہ دیکھ کر شہوار کو پھر کہنا پڑا۔

''یہاں کس کے پاس ٹھہری ہو؟'' جاگیردار نے پھر طوبیٰ سے ہی پوچھا۔

''یہ اپنے چچا کے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں آغا جان، لیکن۔''

شہوار نے پھر دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔

''تم خاموش رہو لڑکی، مجھے اپنی سہیلی سے بات کرنے دو۔'' جاگیردار نے شہوار کی بات کاٹ کر انہیں ٹوکا۔

''لیکن تم تو شہوار سے ملنے آئی تھیں، پھر اپنے چچا کے یہاں کیوں ٹھہریں؟'' جاگیردار نے طوبیٰ سے پوچھا، تو طوبیٰ نے گھبرا کر ایک نگاہ شہوار پر ڈالی اور سنبھل کر بولی۔

''جب سے شہزادی صاحبہ نے بلایا ہے میں یہیں رہ رہی ہوں.....'' اور شہوار نے دانتوں میں زبان

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

ربائی، جیسے اس نے کوئی غلط بات کہہ دی ہو۔ پھر جلدی سے بولیں۔

''لیکن ہمارے پاس تو آپ تین چار روز سے ہی رہ رہی ہیں وہ بھی بہت روکنے پر۔''

''ہم.....لیکن تمہاری تو کوئی دوست ہی نہیں تھی، پھر اس بچی سے تم نے کب راہ رسم ...'' جاگیردار نے پوچھا تو کچھ دیر کو تو شہوار کی سٹی بھی گم ہوگئی، جھوٹ بولنے کی وہ بالکل عادی نہ تھیں ... وقت انہیں اپنے ضمیر کو کچل کر غلط بیانی سے کام لینا پڑ رہا تھا۔

''تاجور کی شادی کے موقع پر جب ہم پشاور گئے تھے، تو ان سے ہماری دوستی ہوگئی تھی ... وہاں سے آ کر بھول بھال بھی گئے تھے مگر انہوں نے ہمیں خوب یاد رکھا۔''

''ہوں.....تمہارے چچا کا نام کیا ہے لڑکی؟'' جاگیردار نے پھر طوبیٰ کو مخاطب کیا۔

''اطہر علی.....وہ فوج میں ملازم ہیں۔'' طوبیٰ نے آہستہ سے بتایا۔

''اچھا.....اور تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟'' سوال ہوا۔

''جی وہ.....وہ حیات نہیں ہیں۔'' طوبیٰ نے بتایا۔

''اوہ.....صد افسوس، مگر تمہارا تعلق کس علاقے سے ہے؟''

پھر پوچھا گیا۔

''یوپی سے۔''

''اوہ، یوپی تو بہت بڑا ہے، کس شہر سے ہے؟''

''لکھنؤ سے۔''

''آغا جان ابھی ڈیڑھ سال قبل جو ریل کار کا حادثہ ہوا تھا اس میں ان کی والدہ بھی جاں بحق ہوگئی تھیں اور یہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں، چچا کے بلانے پر یہاں آغا پور آئی تھیں، مگر چچی نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، اس وجہ سے ہم نے سوچا کچھ روز انہیں اپنے پاس بلا کر رکھ لیں۔'' ... جرح کے انداز میں گفتگو کرتے دیکھ کر شہوار نے پھر دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔

''ہوں.....یہ تم نے اچھا کیا۔'' جاگیردار بولے، وہ اچھا کو اچھا کہہ رہے تھے۔

''آغا جان، آپ کے کھانے کا وقت قریب آ رہا ہے آپ اپنی گولیاں کھا لیجیے۔'' شہوار نے ان کو مزید سوالوں سے بچنے کی غرض سے گویا بات کا رخ موڑ دیا۔ اصل میں آپریشن کے بعد جاگیردار صبح ناشتے میں سوائے دودھ کے کچھ نہیں کھاتے تھے، اسی لیے ساڑھے گیارہ بجے ہی دو... کھانا کھا لیتے تھے، شہوار نے مسہری کے ساتھ پڑی سائیڈ ٹیبل کی بالائی دراز کھول کر ان کی گولیوں کی شیشی نکالی، اور چاندی کی ننھی سی نفیس تھالی میں دو گولیاں رکھ کر، سامنے ہی دیوار میں نصب کا... پر رکھے کولر سے گلاس میں پانی بھرا اور باپ کو پیش کیا، جاگیردار نے بلا تامل خاموشی سے پانی کے ساتھ دو گولیاں نگل لیں اور پھر تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، شہوار نے نہایت آہستگی سے ان کے پیروں پر پڑا کمبل ان پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

''اب تھوڑی دیر آپ آرام کریں ہم اندر جا کر آپ کا کھانا بھجواتے ہیں۔'' اور پھر وہ باپ ... کر کے طوبیٰ کے ساتھ زنان خانے میں آ گئیں۔

''دیکھا آپ نے ہمارے آغا جان کو، کتنے سادہ لوح اور اسٹریٹ فارورڈ ہیں، اور اردو بھی کس ...

بولتے ہیں۔'' شہوار اندر لاؤنج میں آ کر ذرا کی ذرا رک کر بولیں۔

''جی ہاں، بڑے عالی مرتبت انسان ہیں، اور صرف لہجہ ہی کھرا کھرا سا ہے ورنہ غلط اردو تو نہیں بولتے۔'' طوبیٰ نے خلدِ بہاراں کے باہر کے منظر پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''لیکن ہم سے اچھی تو نہیں بولتے، حالانکہ وہ عرصہ دراز تک یوپی اور دہلی میں رہے ہیں۔'' شہوار نے ایک گلدان میں سجے ہوئے پھولوں کو ترتیب سے لگاتے ہوئے کہا، گلوں کی آرائشگی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

''خیر دہلی اور یوپی پر ہی کیا موقوف۔ اردو تو ایک عام فہم زبان ہے، جو تقریباً تمام ایشیائی ملکوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، بے حد اعلیٰ، شستہ اور میٹھی۔'' طوبیٰ اپنی مادری زبان کی تعریف کرتی ہوئی بولی۔

''نہیں جناب، آپ کی اطلاع کو اتنا بتا دیں کہ ہر شخص کو خواہ وہ کسی بھی قریہ یا ملک کا ہو اپنی مادری زبان اس قدر اعلیٰ، شستہ اور میٹھی لگتی ہے۔''

شہوار بحث کرنے کے انداز میں بولیں، طوبیٰ جواب میں کیا کہتی، ان سے الجھنا مقصود نہ تھا، نہ انہیں قائل کرنا، اور پھر انہوں نے جو کچھ بھی کہا تھا، درست ہی تھا، شہوار خود بھی عجلت میں تھیں انہیں باپ کا کھانا بھجوانا تھا، اس لیے انہوں نے باورچی خانے کا رخ کیا، اور طوبیٰ بھی خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کے حالات نے اسے اس قدر بے بس و لاچار کر دیا تھا، کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی قدم بھی نہیں اٹھا سکی تھی، اور دلیر خان کی قید سے خود کو آزاد کرانے کے لیے اپنی جان پر کھیل کر جو جرأت مندانہ قدم اٹھایا تھا، اس کے نتیجے میں وہ اس وقت ذوالفقار کے محل میں نظر آ رہی تھی، اور وہ اس بات پر پچھتاتی نہیں تھی ... رہ جاتی تھی کہ ایسا کیوں ہوا، کس وجہ سے میرے رب تو نے مجھے شہریار سے ٹکرا دیا، ایک ہی جگہ تو ایسی تھی جہاں میری کچھ عزت اور وقعت ہوتی تھی، سو یہاں بھی ذلیل و خوار ہو کر رہ گئی ہوں، شہوار کی تجسس اور تشکک بھری نظریں جب مجھ پر پڑتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے نوکیلے تیروں سے کسی نے میری روح تک چھید ڈالا ہو، میں ان سے نگاہ ملا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہتی مگر وہ بھی کب تک خاموش رہیں گی اور آخر میں کب تک ان پر بار بنی رہوں گی، کب تک یہاں پڑی رہوں گی، آغا شہریار تو مجھے ان کے پاس چھوڑ کر بھول ہی گئے، اور وہ خود بھی میری طرف مشکوک ہیں، وہ زیادہ عرصے مجھے گوارا نہیں کریں گے، شاید اسی وجہ سے آج شہزادی شہوار نے مجھے بڑے جاگیردار سے ملوایا ہے کہ کہیں اچانک ہی وہ مجھے گھر سے نکال دینے کے احکامات صادر نہ کر دیں، ہو سکتا ہے شہوار اور شہریار اپنے اپنے رویے سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہوں کہ اب میرے لیے یہاں کوئی گنجائش نہیں، اور کیا دوسری حسوں کے ساتھ میری غیرت اور حمیت بالکل ختم ہو چکی ہے، جو میں اب تک یہاں پڑی ہوں، نہیں نہیں، اب میں ایک دن بھی یہاں نہ رکوں گی، میں یہاں سے چلی جاؤں گی، جدھر منہ اٹھے گا۔ ویسے بھی ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہوگا، پھر یہاں دھرنا دے کر بیٹھ جانا کون سی عقلمندی ہے۔ میں آج ہی شہزادی شہوار کو بھی بتا دوں گی۔

طوبیٰ اپنے کمرے میں آ کر دیر تک بیٹھی یہی سوچتی رہی حتیٰ کہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا، اور ایک ملازمہ نے آ کر اسے کھانا لگ جانے کی اطلاع دی۔ شہوار نے اپنے ہی اندازوں سے آغا افتخار کے سامنے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس پر وہ بڑی ندامت محسوس کر رہی تھی ان کا سامنا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر کھانا کھانے سے انکار کرنا بھی مناسب نہیں لگا، اس لیے با... اسے کھانا کھانے کے لیے جانا ہی پڑا، شہوار اس کی منتظر ہی بیٹھی تھیں، اس کے آتے ہی انہو... کھانا شروع کر دیا، مگر وہ خالی پلیٹ آگے رکھے خاموش بیٹھی چند سوچتی رہی۔

☆......☆......☆

ایک دن شفق نے ذوالفقار کاسل فون کیا، پھر وہ دیر تک شہوار سے باتیں کرتی رہیں پھر... کہہ کر ذوالفقار کاسل شہوار سے ملنے چلی گئیں، وہ کافی دیر تک شہوار کے ساتھ ڈرائنگ روم... باتیں کرتی رہیں۔

طوبیٰ کو ان کی آمد کا پتا چل گیا تھا، اور وہ پریشان تھی کہ معلوم نہیں شفق اس کے بارے میں... کیا کیا باتیں کر رہی ہوں گی، اس کو یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ کہیں شہوار اس کی یہاں موجودگی... ظاہر نہ کر دیں۔

شہوار کے رویے میں اچانک رونما ہو جانے والا تغیر طوبیٰ کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث... رہا تھا۔ جب سے شفق ان سے مل کر گئی تھیں، انہوں نے چپ سادھ لی تھی، بس بھائی کے مرنے... اتنی وضعداری نبھا رہی تھیں کہ ناشتے اور کھانے کے وقت ملازمہ کو بھیج کر اسے بلوا لیتیں... کھانے کے دوران نگاہیں نیچے کیے خاموش بیٹھی کھاتی اور چپ رہتیں یا پھر کوئی بات بھی کرتیں... رسماً، پورے پانچ روز ہو گئے تھے انہیں اسی طرح مغایرت سے پیش آتے اور طوبیٰ کو سمجھنے... لگی تھی کہ شفق کی زبانی انہیں حقیقت حال کا علم ہو چکا ہے... معلوم شفق نے ان سے کیا... معنوں میں کہا ہو، اسی فکر نے طوبیٰ کی بھوک و پیاس تک اڑا دی تھی... سے ہاتھ کھینچ لیتی، خود اسے دیر تک شہوار کے سامنے بیٹھنا اچھا نہ لگتا تھا، سب کچھ چھن چکا تھا، غیرت اور خودداری ہی تو اس کے پاس رہ گئی تھی اور اب ذوالفقار کاسل میں اپنی رہائش کا ایک ایک... اسے اپنی تحقیر اور اہانت کی گواہی دیتا لگتا تھا اور وہ یہاں سے جلد از جلد نکلنے کی تدبیریں کر رہی تھی۔

پو پھٹ رہی تھی اور مشرقی افق پر شنگرفی اجالا نیم خوابیدہ سی کائنات میں زندگی کی حرارت دوڑا... رہا تھا، اپنے جلو میں شوخ اور ولولہ انگیزی سرمستیاں سمیٹے باد سحر ہر شے میں سرشاری پھر رہی تھی... کے بعد تلاوت کلام پاک اور دعا سے فارغ ہو کر طوبیٰ کو کمرے میں گھٹن کا احساس ہوا تو وہ... میں چلی آئی، یہ وہی لاؤنج تھا جس کی آراستگی اور خوبصورتی واقعی بے مثال تھی اور جو مردانے اور... حصے کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا تھا۔

آراستہ و پیراستہ خلد بہاراں میں طلوع ہوتی صبح کے مدہم اور خنک اجالوں سے اجاگر... کے اردگرد کا منظر بے حد اچھوتا اور نظر فریب سا لگ رہا تھا، کچھ اتنا پرفسوں سا منظر تھا کہ طوبیٰ... آگے سحر زدہ سی کھڑی رہ گئی اور پھر کسی انجان سی کشش نے اس کی نظروں کا احاطہ کر لیا، ادھر... نگاہیں یکا یک گرل کے عین نیچے بنے گھاس کے قطعے پر پڑیں تو دل کی دھڑکنوں میں ایک تلاطم... اٹھا، نیچے سبز مخملیں دوب پر جس کے اطراف میں سرخ اور نارنجی گلاب کے تختے لگے تھے اور... ہار سنگھار کے پھول ہر سو اپنی مہکیں بکھیر رہے تھے وہ سنہرے دیس کا شہزادہ جو اس کے خوابوں... اور دھڑکنوں پر قابض تھا۔

اس کا دلدار تھا، محبوب تھا۔

عنابی رنگ کے ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس محو خرام تھا۔

اس کا چہرہ تھوڑا اٹھا ہوا تھا اور جھکی جھکی سی نگاہیں نو دمیدہ پھولوں کا حسن کشید کرنے میں مصروف تھیں۔

اف وہی شان دلربائی
وہی شاہانہ سا انداز
وہی آن بان۔ وہی بانکپن۔

طوبیٰ کا تن من ڈول سا گیا۔

جانے کتنی دیر کو نظارہ رہی پھر نہ معلوم ایک دم ہی کیا سوجھی قریب ہی دیوار سے لگی طویل القامت میز پر رکھے گلدان سے ٹہنی سمیت گلاب کی ایک ادھ کھلی کلی کھینچی اور نشانہ تاک کر شہریار پر دے ماری۔

شہریار کا رخ اس سے خلد بہاراں کی طرف ہی تھا۔ کلی ان کے سینے سے ٹکراتی ہوئی ان کے قدموں میں گری تو یک لخت ان کے پیروں کی جنبش رک گئی، انہوں نے جھک کر اپنے پیروں کی طرف دیکھا اور کلی اٹھا کر سیدھے ہوتے تو ان کی نگاہیں سیدھی گرل پر پڑیں تو کچھ دیر کو ہٹانا ہی بھول گئیں۔

بکھرا سحر کھلنے والے کسی نوشگفتہ پھول کی طرح حسن و نزاکت کا مرقع مجسم اور محجوب سی طوبیٰ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اپنی اس حرکت کی جسارت پر شرمندہ بھی تھی شرمسار بھی تھی۔

صبح نو کے تمام شفق رنگ اس کے حسین چہرے پر سمٹ آئے تھے۔ کیسی قاتل ادا تھی یہ کہ شہریار اپنا دل تھام کر رہ گئے۔

بعض باتیں اور جذبے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی کوئی زبان نہیں ہوتی مگر وہ بے زبان ہوتے ہوئے بھی بڑے بامعنی اور ٹھوس ہوتے ہیں، جنہیں الفاظ کے موتی بنا کر رابطے کی لڑی میں پرویا نہیں جا سکتا، وہ تو صرف اور صرف احساسات کے تاروں پر لرزاں ہو کر قلبی رابطوں کو باہم جوڑ دیتے ہیں۔ اس سے شہریار جیسے باشعور انسان نے اس کی اس پھول پھینکنے کی حرکت کا مقصد یا معنی سمجھنے کی طرف بالکل توجہ نہ دی بلکہ وہ تو مسحور سے اس کی دلربا اداؤں سے محظوظ ہوتے رہے کہ دفعتاً طوبیٰ کے عقب سے شہوار کا چہرہ نمودار ہوا، اور شہریار پھرتی سے دوسری طرف گھومے اور تیزی سے آگے بڑھ گئے اور ان کا یہ طرز عمل طوبیٰ کو نہ صرف نادم بلکہ پریشان سا کر گیا، اف، یہ میں نے کیا حماقت کی، کہیں وہ برا نہ مان گئے ہوں اور... اور نہ معلوم انہوں نے میری اس حرکت کا کیا مطلب لیا ہو، میرا کردار تو پہلے ہی ان لوگوں کی نظروں میں مشتبہ ہو کر رہ گیا ہے۔ طوبیٰ دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگی، کہ شہوار نے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔

''السلام علیکم!'' اور طوبیٰ نہ صرف ڈر کر اچھل پڑی بلکہ اندر ہی اندر دہل کر رہ گئی۔ کہیں شہوار نے مجھے پھول پھینکتے تو نہیں دیکھ لیا؟ شہوار کی آواز سن کر سب سے پہلا خیال اسے یہی آیا، اس خیال کے تحت ان کے سلام کا جواب دینا تو جانے... ان کی طرف دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہوئی۔

''ہوں، یہ منظر دلکش تو ہے... یہی ایک سحر سا طاری کر رہا ہے۔'' شہوار خود بھی اس کے عقب سے نکل کر

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں تب بھی طوبیٰ نگاہیں جھکائے کھڑی رہی۔

"ویسے اندر کی نسبت یہاں خلدِ بہاراں میں تفریح کے سامان زیادہ ہی نظر آتے ہیں۔" انہوں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیوں ہم کچھ غلط تو نہیں کہہ رہے ہیں نا؟" انہوں نے اب بطورِ خاص طوبیٰ کو مخاطب کیا تو نہ چاہتے ہوئے بھی طوبیٰ کو جواب دینا پڑا۔

"مجھے اس کا کچھ اندازہ نہیں کیونکہ مجھے تو آج پہلی بار خلدِ بہاراں میں آنے کا اتفاق ہوا ہے۔" طوبیٰ کے دھیمے لہجے میں ہلکی ہلکی درشتی شامل تھی۔

"اوہ! ہم نے تو صرف آپ کی رائے معلوم کی ہے وضاحت تو نہیں چاہی۔" شہوار نے عجیب کھٹکتے ہوئے لہجے میں مسکرا کر کہا۔

"اگر آپ کو بلا اجازت میرا یہاں آنا ناگوار گزرا ہے تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کروں گی....." طوبیٰ نے تیکھے لہجے میں کہا اور شہوار کو وہیں چھوڑ کر اپنے رہائشی حصے میں چلی آئی۔

اف یہ رئیس ابن رئیس، یہ روایات اور آن بان پر جان دینے والے لوگ، یہ اپنے ہی وضع کردہ اصولوں پر سختی سے پابند، خود کو اشرف اور افضل سمجھنے والے لوگ۔ ذہنیت اور خیالات کے لحاظ سے کس قدر کوتاہ نظر اور تنگ دل ہوتے ہیں یہ انسان کی فطری اور ذاتی صلاحیتوں اور خوبیوں سے نہیں صرف اس کے حسب نسب اور حیثیت سے ہی متاثر ہوتے ہیں۔ کیا یہ وہی شہوار ہیں جو پہلی ملاقات میں اتنی گرویدہ ہوگئی تھیں کہ بار بار مجھ سے ملنے کے لیے بیتاب نظر آتی تھیں اور ابھی چند روز پہلے قطعیت اور پختگی سے کہہ رہی تھیں کہ۔

"یہ اس جاگیر کے والی کا گھر ہے اور یہاں کی ہر مظلوم لڑکی اس گھر میں آ کر تحفظ حاصل کر سکتی ہے اور پھر آپ کی بات تو دوسری ہی ہے اب آپ ہمارے پاس ہی رہیں گی۔" ہونہہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور، اور میں یہ کیوں بھول جاتی ہوں کہ میں خود کیا ہوں ایک ذرہ ناچیز، اس قدر رلتا اور فلک ... قدرت کے ہاتھوں بے بس کہ اگر کچھ بننے کی کوشش بھی کروں تو ... موم کا ایک ہی جھونکا میری شخصیت کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتا ہے، اے بارِ الہا! پھر تو نے میری تخلیق کیوں کی؟ اور اگر تخلیق بھی کی تو ایسے گھرانے میں مجھے کیوں پیدا کیا جس کی بنیادیں ہی ... تھیں جہاں۔ جہاں مجھے خود اپنا اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ میں خود کون ہوں۔ یا میرے اردگرد کی دنیا ... امی نے تو مجھے ہر بات سے لاعلم ہی رکھا تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میری زندگی کی لگام انہی کے ہاتھ میں ہو جسے حالات کی تپش سے محفوظ رکھنے کی غرض سے وہ ہمیشہ کھینچے ہی رکھتی تھیں، خود وہ بھی تو غم و آلام کا گہوارہ لگتی تھیں۔ ابا کی زندگی میں بھی۔ شاید... شاید شکیلہ خالہ کی وجہ سے نہیں۔ نہیں ان کے اور ابا کے درمیان تو مثالی محبت تھی تو پھر۔ آخر کیا بات تھی بعد مدت ... برسوں پرانے ماضی کی دھندلائی ہوئی یادیں یادداشت کی سطح پر چشمک زنی کرنے لگیں تو وہ بھول ہی گئی کہ وہ کہاں ہے اور وقت کتنا بیت چکا ہے کہ دیوار میں نصب گھڑیال نے بارہ کا گجر بجایا تو وہ ہڑبڑا کر یادوں کے عمیق مسکن سے نکل آئی۔ بارہ بج گئے تھے اور آج اس نے ناشتا بھی نہیں کیا تھا اور ناشتے کے لیے کوئی اسے بلانے بھی نہیں آیا تھا۔

اب طوبیٰ کو شہوار سے کسی رواداری کی توقع بھی نہیں رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس سے پہلے کہ شہوار خود اپنی زبان سے اسے اپنے گھر سے نکل جانے کو کہیں، اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے مگر کس طرح اور کیسے ابھی چند گھنٹے قبل ہی تو شہریار کی آنکھوں میں اپنے تمام جذبوں کے سنہرے روپہلے رنگ جھلکتے دیکھے تھے۔

صرف چند لمحوں میں۔

ہاں صرف چند لمحوں میں۔

بے زبان جذبوں کو ان کی آنکھوں میں الفاظ اور معنی کی شدت کو یکجا ہوتے دیکھا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ شہوار نے شفق سے جو کچھ سنا ہوگا بھائی کو ضرور بتا دیا ہوگا۔ اس کے باوجود بھی ان کی آنکھوں میں چاہتوں کی فراوانی بڑی شدید تر تھی شاید... شاید اس لیے کہ وہ مجھے اچھی طرح پرکھ چکے ہیں۔ یا... یا پھر یہ محض میرا خیال ہی ہو اور وہ میری ایک بے جا حرکت کو سمجھنے کی کوشش میں مجھے غور سے دیکھ رہے ہوں، بہر حال جیسا بھی ہو، جو کچھ بھی ہو اب میں اس صورت حال سے انہیں آگاہ کر کے ہی کوئی قدم اٹھاؤں گی۔ یوں چوروں اور دھاڑیوں کی طرح چپکے سے چلے جانا کسی طور بھی مناسب نہیں لیکن شہریار سے کیونکر ملا جائے، انہیں یہاں بلا بھی تو نہیں سکتی، نہ کسی کے ہاتھ کچھ لکھ کر انہیں بھیج ہی سکتی ہوں، اس ادھیڑ بن میں جانے کتنا وقت بیت گیا، دو کا گجر بجا اور پھر تین کا، گویا دوپہر کے کھانے کا وقت گزر گیا مگر اپنی پریشانی میں طوبیٰ کو کھانے پینے کا خیال ہی نہ آیا، وہ یونہی سوچتے سوچتے کچھ دیر کے لیے بستر پر سو گئی، اور جب آنکھ کھلی تو مغرب ہو چکی تھی، طوبیٰ گھبرا کر اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آئی، باہر خلافِ معمول اس وقت سناٹا پڑا تھا، جبکہ روزانہ مغرب کے بعد ملازمائیں ادھر ادھر گھومتی پھرتی نظر آتی تھیں، لیکن اس وقت کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا، طوبیٰ نے موقع غنیمت جانا، اور تیزی سے غلام گردش کا رخ کیا، جس سے گزر کر وہ زنان خانے کے داخلی دروازے تک پہنچ سکتی تھی، کسی نے دیکھ لیا اور ٹوکا یا پوچھا کہ کہاں جا رہی ہو تو کہہ دوں گی کہ گھبراہٹ ہو رہی تھی، ذرا زنان خانے کی سیر کو نکلی ہوں، طوبیٰ دل میں سوچتی آگے بڑھتی رہی۔ قسمت بھی شاید اس وقت اس کا ساتھ دے رہی تھی کہ راہ میں کوئی نظر ہی نہ آیا۔ اور طوبیٰ بڑی آسانی سے زنان خانے کی حدود پار کر کے مردان خانے میں داخل ہو گئی۔ وہاں بھی سناٹا پڑا تھا۔ زینے کے دروازے سے لے کر سامنے دوسرے سرے پر بنے جاگیردار کے کمرے تک پوری گیلری سنسان پڑی تھی، طوبیٰ کئی مقفل کمروں کے آگے سے گزرتی، ایک کمرے کے آگے آ کر ٹھہر گئی، جس کا دروازہ کھلا تھا، اور دروازے پر پڑے دبیز پردوں کے پیچھے کہیں اندر سے کسی ٹیپ ریکارڈ پر بجتی مغربی موسیقی کی بہت مدھم سی آواز آ رہی تھی۔ بلاشبہ یہ شہریار کی خوابگاہ ہی ہے، طوبیٰ نے سوچا اور دل کڑا کر کے آہستہ سے پردہ کھسکایا، اور اندر جھانک کر دیکھا، یہ ایک جدید اور قدیم طرز پر آراستہ بڑی پُرشکوہ سی خوابگاہ تھی، سامنے ہی کھلے دریچوں پر پڑے حریری پردے باہر سے آتی شام کی کیف آگیں ہواؤں سے لہرا رہے تھے خوابگاہ کے چاروں کونوں سے پھوٹتی ہلکی ہلکی سبز روشنی کھلے دریچے سے ڈوبتی ہوئی شام کے ارغوانی اجالے سے ہم آہنگ ہو کر خوابگاہ کے اندرونی ماحول کو پرفسوں سا بنا رہی تھی، یوں جیسے کسی البیلی شام کا سارا حسن خوابگاہ میں سمٹ آیا ہو، دریچے سے کچھ فاصلے پر سفید لباس میں ملبوس ایزی چیئر پر متمکن وہ سنہرے دیس کا شہزادہ دریچے سے جھانکتے آسمان پر نگاہیں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

جمائے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا، اس پر نظر پڑتے ہی طوبیٰ کی دھڑکنوں میں ایک تلاطم سا اٹھا، جی چاہا بھاگ کر شہریار کے سینے سے جا لگے، اور اتنا روئے، اتنا روئے کہ اب تک اٹھائی ہوئی کلفتیں ڈھل جائیں، مٹ جائیں، لیکن وہ تو قدم اٹھا کر آگے بڑھنے کی جرات بھی نہ کر سکی، چند ثانیے کھڑی اپنی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی، اور ہمت کر کے اس نے پردہ کھسکایا، مگر برعکس گھر گھر کی آواز کے ساتھ بجے تو شہریار نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، اس اثنا میں طوبیٰ اندر آ چکی تھی لیکن پردے کے آگے ہی ٹھٹک گئی تھی۔

''اوہ..... آپ! آیئے آیئے۔'' شہریار سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولے، لیکن طوبیٰ وہیں کھڑی رہی۔

''آیئے! جب آ ہی گئی ہیں تو ڈر کیسا؟'' انہوں نے عجیب سے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا، پھر کھڑے ہو گئے ان کا لہجہ چبھتا سا تھا، طوبیٰ نے اب اپنے آنے کی وضاحت کرنی ضروری سمجھی۔

''میں اس وقت بڑی مجبور ہو کر یہاں آئی ہوں۔'' اس نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر بتایا۔

''ظاہر ہے وہ تو ہم بھی سمجھ رہے ہیں، بلکہ صبح ہی سمجھ گئے تھے۔''

شہریار نے معنی خیز سے لہجے میں اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے بڑھ کر کہا۔

''وہ..... وہ محض میری ایک حماقت تھی، جس پر میں سخت نادم ہوں۔'' طوبیٰ نے اپنے پچھلے رویے اور حرکت پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے تو نشانے پر پہنچ جاتا ہے، پیچھے اسے پکڑ کر لوٹا نہیں رکھا جا سکتا۔'' شہریار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''آ..... آپ غلط سمجھ رہے ہیں، میرے آنے کا مقصد صبح کے اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔'' طوبیٰ نے انہیں مسلسل طنز کرتے دیکھ کر اپنی صفائی پیش کرنی چاہی۔

''اوہ تو پھر کوئی اور مسئلہ ہے، غالباً مسز شوکت کے بارے میں آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں؟'' انہوں نے چوٹ کرنے کا سا انداز اپنایا تو طوبیٰ کے دل پر تیر سے چل گئے تھے، کتنی توقعات لے کر ان کے پاس آئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ اسے دیکھ کر کھل اٹھیں گے، ہر آنکھوں پر بٹھا لیں گے لیکن انہوں نے ایسا شکن آلود رویہ اختیار کیا کہ طوبیٰ کی ساری توقعات پر پانی پھر گیا، شدت غم سے ان کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ چھلملاتی ہوئی آنکھوں میں شکایت بھر کر اس نے ان کی طرف دیکھا اور یوں دونوں کی نظریں چار ہوئیں تو شہریار کو ایک دم ہی اس پر ترس آ گیا۔ وہ قدم بڑھا کر اس کے نزدیک آ گئے اور دھیمے لہجے میں بولے۔

''آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ آپ کا اس وقت یہاں آنا کس قدر بعید از مصلحت ہے اگر کسی نے آپ کو یہاں آتے دیکھ لیا ہوگا تو آپ کا یہاں رہنا دوبھر ہو جائے گا۔''

''لیکن..... لیکن میں خود یہاں اب ایک دن بھی رہنا نہیں چاہتی، اور آپ کو یہی بتانے کے لیے میں نے اس وقت یہاں آنے کا خطرہ مول لیا ہے۔'' طوبیٰ نے اپنے رندھے ہوئے گلے کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟ آخر کس وجہ سے؟ کیا شیری نے کچھ کہا ہے؟ یا آغا جان کے کسی رویے نے آپ کو

READING Section

اس حد تک دل برداشتہ کر دیا کہ آپ.....''

''نہیں نہیں کسی نے کچھ نہیں کہا مگر بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جو بن کہے ہی سمجھ لی جاتی ہیں اور پھر..... اور پھر میں کب تک آپ لوگوں پر بار بنی رہوں گی، ایک نہ ایک دن تو مجھے جانا ہی ہوگا۔'' طوبیٰ نے ان کی بات قطع کر کے بڑے دلگیر لہجے میں کہا، وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی کچھ غلط تو نہ تھا، شہریار کو بھی حالات کی نزاکت کا احساس تھا، اور شہوار کے خیالات کا علم بھی جن کا اظہار انہوں نے شفق کے جانے کے بعد ان پر کیا تھا۔ وہ تذبذب میں پڑ گئے کہ کہیں تو کیا کہیں، خود ان کا دل بھی شک و شبہات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، انہوں نے تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

''خیر آپ جس غرض سے بھی آئی ہیں، اطمینان سے بیٹھ کر بات کیجیے۔'' اور پھر کوچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو طوبیٰ ذرا سا آگے بڑھ کر بولی۔

''نہیں شکریہ میں نے صرف آپ کو یہی بتانے کے لیے زحمت دی ہے کہ میں کل یہاں سے جا رہی ہوں۔''

''لیکن کہاں؟'' شہریار نے پوچھا۔

''جہاں خدا لے جائے گا۔'' طوبیٰ بولی۔

''خدا تو آپ کو دلبر خان کے ہاں بھی لے گیا تھا! جہاں سے آپ اپنی جان بچا کر بھاگی تھیں۔'' شہریار نے ایک زہر خند سے کہا تو طوبیٰ اندر ہی اندر ہل کر رہ گئی، تو گویا انہیں ہر بات کا علم ہے، اس نے دل میں سوچا اور خفت بھرے لہجے میں افسردگی شامل کر کے بولی۔

''جان بچا کر نہیں عزت بچا کر بھاگی تھی۔''

''یہ تو خدا ہی جانے۔'' شہریار نے طنزاً کہا۔

''جی نہیں خدا کے علاوہ مجھے بھی معلوم ہے۔'' شہریار کے طنز پر طوبیٰ کا چہرہ لوؤں تک سرخ ہو گیا۔

''یا پھر دلبر جان اور اس کا بیٹا اور بیٹی ہی جانتے ہوں گے۔'' شہریار نے ایسی گہری چوٹ کی کہ طوبیٰ تلملا اٹھی۔

''آپ میری توہین کر رہے ہیں شہریار صاحب! مجھے اپنی عزت اپنی جان سے کہیں زیادہ عزیز ہے، اور اگر وہ تینوں باپ بیٹے اور بیٹی کچھ جانتے بھی ہیں تو بس یہی کہ میں کس کس طرح اپنی عزت کی حفاظت کرتی آئی ہوں۔'' غم و غصے کی وجہ سے طوبیٰ کی آواز لرزنے لگی مگر اس کے لہجے میں قطعیت اور خود اعتمادی تھی۔

''تعجب ہے آٹھ نو ماہ کا عرصہ ایک اجڈ، بدکردار اور جابر شخص کے ساتھ گزارنے کے باوجود آپ کا دامن آلودہ نہیں ہوا، یہ آپ کی خوش قسمتی اور بہادری کی دلیل ہی ہو سکتی ہے۔'' شہریار نے بے یقینی سے لہجے میں کہا۔ اف یہ شخص جسے وہ بہت عظیم اور بلند و بالا سمجھتی تھی، کسی دیوتا کی طرح اس کی پرستش کرتی رہی تھی جو اتنی بڑی جاگیر کا تنہا وارث تھا، خاندانی اور تعلیم یافتہ ہے وہ بھی عام مردوں کی سی ذہنیت رکھتا ہے اور پھر..... اور پھر میرا اس سے واسطہ ہی کیا ہے۔ صرف اتنا ہی احسان تو کیا ہے کہ مجھے تھوڑے عرصے کے لیے پناہ اور تحفظ دیا ہے، پھر میں کیوں اس کے سامنے کوئی صفائی پیش کروں، طوبیٰ نے جل کر دل میں سوچا، اور تن کر بولی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"آپ کو اگر میری بات کا یقین نہیں تو میں دلانا بھی پسند نہیں کرتی، آپ جو چاہیں سمجھیں... رات کا تو واسطہ ہی ہے صبح تو میں یہاں سے چلی ہی جاؤں گی۔" اپنی بات کہہ کر طوبیٰ پلٹ کر جانے لگی، اس کی صداقت اور حقیقت سے پُر باتوں سے متاثر شہریار نے اس کے پیچھے آ کر کہا۔
"سنیے۔" اور طوبیٰ کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے۔ لیکن وہ ان کی طرف گھومی نہیں۔
"ہم اپنی باتوں پر سخت نادم ہیں، اصل میں آپ شیری کے لیے ہی نہیں ہمارے لیے بھی معمہ... ہوتی رہی ہیں اگر آپ شروع ہی میں ہمیں سب کچھ بتا دیتیں تو آج..."
"بتایا اسے جاتا ہے جس کے دل میں انسان اپنے لیے درد محسوس کرتا ہے جس پر اعتماد کرتا ہے، جس سے بہت سی توقعات رکھتا ہے، یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اس کی بتائی ہوئی چھوٹی باتوں کو بھی... لے گا مگر... آپ کے دل میں اتنی وسعت و گنجائش کہاں ہو سکتی تھی، آپ تو سچی باتوں پر بھی شک کرنے والے ہیں آپ... آپ چاند نگر کے شہزادے ہیں، اور میں پستیوں میں رُلنے والی ایک ذرہ حقیر، حالات کا شکار، بے دست و پا اور بے یار و مددگار، میں تو حلف بھی اٹھاؤں تو آپ میری باتوں کو نہ سمجھیں گے۔" طوبیٰ نے اپنے تلخ سے لہجے میں آزردگی شامل کر کے کہا، اپنی بات کہتے کہتے اس کا گلا رندھ گیا اور آنکھیں بھیگ سی گئیں اور شہریار نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔
"اوہ... نو... نو نیور! ہماری نظروں میں آپ کیا ہیں؟ یہ تو ہم ہی بخوبی جانتے ہیں لیکن آپ ہمیں قابل اعتماد نہ سمجھ کر ہم پر بڑا ظلم کیا ہے بلکہ ہم اسے اپنی توہین کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔" شہریار اپنی پست ذہنی پر دل ہی دل میں نادم تھے۔
"توہین!" ان کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا کر طوبیٰ ان کی طرف گھومی اور ان کی آنکھوں میں... شاکی اور جل تھل سی نظروں کو پیوست کر کے بولی۔
"یہ کہہ کر آپ میری آزمائشوں میں اضافہ کرنے کی کوشش تو نہ کیجیے میں تو پہلے ہی خائف... ہوں۔" مگر اس کی بات کے جواب میں شہریار نے اپنی چمکیلی آنکھوں میں اپنے اندر چھپے شدید جذبوں کی لپک بھر کر کچھ اس انداز میں مسکرا کر اس کی طرف دیکھا، کہ اس کی نگاہیں جھکتی چلی گئیں۔
"آزمائش میں تو آپ نے ہمیں ڈال رکھا ہے یہ خلش جس میں عرصے سے ہم مبتلا ہیں آپ کی عطا کردہ ہے، آپ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔" انہوں نے قدرے جذباتی ہو کر کہا۔ اور پھر اس کی ٹھوڑی سے اس کا چہرہ اونچا کیا اور بولے۔
"ادھر دیکھیے ہماری طرف... کیا ہمیں اس بات کا بھی یقین دلا سکتی ہیں جانم کہ ایسا نہیں ہے... جو ہم کہہ رہے ہیں وہ غلط ہے، محض ہماری خوش فہمی ہے، دماغی اختراع ہے؟" ان کا گمبھیر سا لہجہ جذبات سے مغلوب تھا۔

اف طوبیٰ یہ کیا سن رہی تھی،
کوئی سرمدی سی تان
الوہی سا نغمہ
یا پیار کے چھل چھل برستے ساگر کی مترنم سی آواز، اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔

گلگوں عارض حیا کی تپش سے دہک سے اٹھے تھے، سب سے بڑی خواہش۔
زندگی کا نصب العین، مقصد، معنے، گویا سب ہی کچھ ہاتف غیب نے آج اس کی خالی اور حالات کی چیرہ دستیوں سے تار تار جھولی میں ڈال دیا تھا، مسرت، انبساط اور تشکر کے جذبوں سے لبریز اس کی جھلملاتی ہوئی نظریں ان کی طرف اٹھیں، اور ان کی نظروں سے پیوست ہو گئیں، اور آنکھوں میں جمع شدہ آنسو مسرت کے ایک خوشگوار دھچکے سے ٹپ ٹپ رخساروں پر گر گئے۔ مگر وہ زیادہ دیر تک ان کی وارفتہ اور سحر کار نظروں کی تاب نہ لا سکی، یا پھر تیزی سے امنڈتی ہوئی آنسوؤں کی گھٹاؤں کو ان سے چھپانے کے لیے اس نے فوراً ہی نظریں جھکا لیں اور گلوگیر لہجے میں بولی۔
"میں... میں بُری طرح حالات کے شکنجے میں پھنسی ہوئی ہوں، شہریار صاحب، اس بری طرح کہ اب خود میرا اپنی ذات پر سے بھی اعتماد اٹھ گیا ہے، اور... اور پھر آپ کی شخصیت بہت بلند و بالا ہے، میں اگر اونچی پرواز سے اڑنا بھی چاہوں تو تفریق کے عقاب مجھے بیچ میں ہی سے ہڑپ کر جائیں گے۔"
"یہ سب محض آپ کا واہمہ ہے بلکہ پریشان خیالی کا نتیجہ ہے ورنہ آپ کی قدر و قیمت کوئی ہمارے دل سے پوچھے ہم نے تو آپ کو حاصل زیست بنا لیا ہے زندگی کا سفر ایک دوسرے کے ساتھ طے کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور آپ کے حصول کے واسطے تو ہم سنگلاخ پہاڑوں اور چٹانوں سے بھی ٹکرا جائیں گے۔"
شہریار ایک عزم مصمم کے ساتھ بولے۔
"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ قول مرداں جان دارد۔ بس آپ ہم پر اعتماد کرنے کی کوشش کیجیے۔ ہماری آنکھوں میں پورے یقین کے ساتھ دیکھیے، دلی صداقتوں کے رنگ اتنے کچے... نہیں ہوتے جو محسوس نہ کیے جا سکیں۔" ان کی آواز میں خمار سا اتر آیا تھا، جذبات کی شدت میں وہ کتنے پُرجوش اور وارفتہ ہو گئے تھے۔
یوں جیسے بہک ہی پڑیں گے۔
طوبیٰ اس سے ایک خوابناک سی کیفیت سے گزر رہی تھی۔
یوں جیسے مدہوش ہو گئی ہو۔
مسحور کر دی گئی ہو۔
فلک کی بلند و بالا وسعتوں پر بکھرے جھلملاتے تاروں کو چھوتی، بے وزنی کی سی کیفیت میں بہت اونچی اڑ رہی ہو۔
اتنی اونچی کہ نیچے دیکھنے کی ہمت نہ ہو، نہ ادھر ادھر دیکھنے کی تاب نہ ہوش اور نہ کوئی سدھ بدھ۔
گزرتے ہوئے بے ثبات اور بے رحم وقت کی ہر گھڑی اور ہر چھاپ ٹوٹ اور مٹ گئی ہو۔
"کیا ہماری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں؟" ان کی جذبات میں ڈوبی گلہ آمیز آواز اس کی مدہوش کن سی کیفیت سے ٹکرائی تو اس نے بڑی ہمت کر کے ان کی طرف دیکھا اور بھی جیسے ایک بھونچال آ گیا۔
"شہریار...!" دھاڑتی ہوئی پاٹ دار آواز بادلوں کی گرج اور کڑک جیسی تھی... ان دونوں کے وجود ہی نہیں منزل عہد وفا بھی لرزہ براندام ہو کر رہ گئی۔ دونوں گھبرا کر ایک دوسرے کے پاس سے ہٹے اور سہم کر دروازے کی طرف دیکھا اور باپ کو وہاں انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں کھڑا دیکھ کر شہریار دم بخود سے ہو کر رہ...

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

گئے، مگر طوبیٰ کی حالت تو اس وقت ناگفتنی تھی۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ندامت اور خوف دہشت سے اس کی رنگت دھوئے کپڑے کی طرح سفید پڑ گئی تھی۔

کچھ دیر تک اپنی لرزتی کانپتی کیفیت پر قابو پانے کے بعد شہریار نے طوبیٰ سے کہا۔

''گھبراؤ نہیں طوبیٰ...... یہ میرے باپ ہیں اور ایک باپ کو اپنے جوان بیٹے کے خیالات سے آگاہ ہونا چاہیے۔'' اس اثناء میں بڑے جاگیردار قہر و غضب کی تصویر بنے ان دونوں کے نزدیک آ چکے تھے۔ اپنی زبان میں بولے۔

''یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ناہنجار لڑکے۔ یہ سب دیکھنے سے پہلے مجھے موت کیوں نہ آ گئی۔'' ان کی آنکھوں سے قہر و غضب کے شعلے برس رہے تھے۔ اور غم و غصے کی شدت سے ان کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ اور حقیقت تو یہ تھی کہ ان کے جاہ و جلال سے شہریار اندر ہی اندر لرز کر رہ گئے تھے۔ اپنی صفائی میں کچھ کہنے کو ان کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔

''کیا اسی لیے اس لاوارث لڑکی کو گھر میں پناہ دی تھی کہ رات کی تاریکیوں میں اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناؤ۔ لیکن کیا تم یہ بھول گئے کہ تم کس باپ کے بیٹے ہو۔ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو اور تمہارا اپنا کیا مقام ہے۔ میں جو ہمیشہ تمہارے اعلیٰ کردار پر فخر کیا کرتا تھا۔ آج اپنی آنکھوں سے وہ سب دیکھ رہا ہوں جسے دیکھنے سے بہتر تھا کہ میں مر جاتا۔ اور میں تو پہلے ہی اس خوبصورت بلا کو اپنے یہاں رکھنے کے حق میں نہ تھا مگر خدا ترسی کو میں نے یہ سمجھ کر اسے پناہ دی تھی کہ بے سہارا لڑکی ہے یہاں رہ کر عزت اور آرام سے رہ لے گی مگر اس بے حیا اور آبرو باختہ لڑکی نے تو......''

''آغا جان۔'' شہریار اپنی ساری بزدلی اور ادب و لحاظ ایک طرف رکھ کر احتجاجی انداز میں چیخے۔

''یہ لاوارث لڑکی میری پسند ہے اور میرا انتخاب ہے آغا جان اور میں کسی طور پر بھی اس کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتا۔'' اور آغا بختیار کے پیروں سے جو لگی تو سر تک جا پہنچی۔ وہ آپے سے باہر ہو کر بولے۔

''خاموش گستاخ لڑکے...... میرے سامنے زبان کھولی تو تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا۔'' ان کے تمتماتے ہوئے سرخ چہرے میں سیاہیاں سی گھل گئیں اور منہ سے جھاگ سے نکلنے لگے۔ وہ تیزی سے مڑے اور دہلیز پر کھڑے ہو کر بابا خان کو اپنی گرجدار آواز میں حکم دیا۔

''میرا پستول لاؤ گل داد خان۔'' اور گل داد خان نے لرز کر شہریار پر ایک نظر ڈالی۔ جن کے غصے سے سرخ ہوتے چہرے پر ہلکی ہلکی پیلاہٹ سی پھیل گئی تھی۔

''میں کہتا ہوں میرا پستول لاؤ گل داد۔'' آغا بختیار نے دھاڑ کر تھر تھر کانپتے ہوئے متذبذب کھڑے گل داد خان سے پھر کہا۔ جوان کا معتمد خاص تھا۔ جانثار تھا۔ بہت ہی پرانا نمک خوار تھا۔ اسے وہ لاڈ میں اپنا دایاں بازو کہتے تھے۔ اسے اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر آغا بختیار کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔

''کیا تو بھی آج میرے ہاتھوں اپنی موت بلوانا چاہتا ہے؟'' آغا بختیار اس کی طرف جھپٹے اور اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیتے ہوئے بولے۔ اور گل داد خان جسے گھر کے سب لوگ یہاں تک کہ شہریار بھی احتراماً بابا خان کہتے تھے اور جس کا بزرگوں کی طرح ادب بھی کرتے تھے۔ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑے جاگیردار کے قدموں میں گر گیا۔

''رحم کیجیے، رحم سرکار۔ چھوٹے سرکار کی خطا معاف کر دیجیے۔'' اس نے ان کے قدموں میں اپنا سر رکھ کر بے حد عاجزانہ لہجے میں کہا۔

''ہوں۔ تو تو باز نہیں آئے گا بدذات۔'' اور پھر انہوں نے گل داد خان کو اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑا کر دور جا گرا اور خود دروازے کی جانب جھپٹے مگر دہلیز پار کرنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ تھوڑے سے لڑکھڑائے اور پھر ڈگمگا کر گرنے کو تھے کہ گل داد خان نے جو فوراً ہی کھڑا ہو گیا تھا، دوڑ کر انہیں پکڑ لیا اور وہ بے ہوش ہو کر اس کی بانہوں میں ڈھے سے گئے۔

''چھوٹے سرکار، جلدی آئیے۔ دیکھیے سرکار کو کیا ہو گیا ہے۔'' گل داد خان پریشان اور ہراساں ہو کر زور سے چیخا۔ اور شہریار جو اپنے اس قدر گستاخ ہو جانے پر تھوڑے نادم، سر جھکائے، باپ کی اور گل داد خان کی گفتگو سن رہے تھے۔ گل داد کے چیخنے پر بری طرح چونکے۔ دوڑ کر گل داد خان کے پاس آئے اور باپ کو بے ہوش دیکھ کر سب کچھ بھول گئے۔ حتیٰ کہ طوبیٰ کو بھی۔ گل داد خان کے ساتھ باپ کو سہارا دے کر ان کی خوابگاہ میں لے آئے۔ اور باپ کو بستر پر لٹا کر فوراً ہی نمبر ڈائل کیا۔ اور اپنے فیملی ڈاکٹر کو فوری طور پر پہنچنے کی تاکید کی۔ اور پھر باپ کے پاس آ گئے۔ ان کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر ان کی نبض دیکھی جو بہت تیز رفتار سے چل رہی تھی۔ ان کے چہرے اور گردن پر پسینے کے ننھے ننھے سے قطرے پھوٹ رہے تھے۔ اور چہرے کی رنگت بھی متغیر سی ہو رہی تھی۔ اپنی جان سے زیادہ عزیز باپ کو ایسی حالت میں دیکھ کر شہریار ہول سے اٹھے۔

ادھر طوبیٰ کو جو ابھی تک شہریار کی خوابگاہ میں ہی ساکت و صامت سی کھڑی تھی آغا بختیار کے ہاتھوں اپنی توہین اور تذلیل اس قدر ناقابل برداشت لگی کہ اس کا جی چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ گو آغا بختیار اور گل داد خان نے جو کچھ بھی کہا تھا اپنی مادری زبان میں کہا تھا لیکن ایک تو وہ گل داد خان کے یہاں پورے آٹھ ماہ گزار کر آئی تھی۔ اور اب کچھ عرصے سے شہوار کی صحبت میں بھی رہی تھی۔ اس لیے اس میں پشتو زبان کو سمجھنے کی خاصی شدبد پیدا ہو گئی تھی۔ دوسرے وہ فقرے جن میں اسے لاوارث اور بے سہارا لڑکی کہہ کر انہوں نے اس پر بدکردار ہونے کا الزام لگایا تھا۔ انہوں نے اردو میں ہی کہے تھے۔ اس پر شہریار اسے جس بے نیازی اور بے ثباتی سے اپنی خوابگاہ میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ انہوں نے اسے کس بری طرح سے نظر انداز کر دیا تھا۔ اُف اب تو ذوالفقار کاسل میں اسے ایک لمحہ بھی ٹھہرنا گوارا نہ تھا۔ مر کر بھی نہیں۔ اس کا غیور خون اس وقت جوش کھا رہا تھا۔

وہ تیزی سے شہریار کی خوابگاہ سے نکلی اور زینہ عبور کرتی ہوئی باہر آ گئی۔ اتفاق سے ذوالفقار کاسل کا اصل گیٹ بھی اس وقت کھلا ہوا تھا۔ اور ایک کار اندر داخل ہو رہی تھی۔ گیٹ پر کھڑا مسلح پہریدار کار کو روک کر کار چلانے والے سے بات کرنے کار کے نزدیک آ گیا تھا۔ اس لیے طوبیٰ کو ذوالفقار کاسل سے نکلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ باڑھ سے لگی لگی پہریدار کی نظر بچا کر فصیل سے باہر آ گئی۔ اور جدھر منہ اٹھا کے مصداق ایک سمت روانہ ہو گئی۔

مین گیٹ سے نکل کر طوبیٰ کس سمت میں چل رہی تھی، راستہ کیسا تھا اور کدھر جا رہا تھا، اسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کا ہر احساس ختم ہو گیا ہے۔ اُف، اس کے احساسات کو ٹھیس بھی تو

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ایسی پہنچی تھی کہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ جبکہ ہوا وہی تھا جو وہ ایک عرصے سے سمجھتی آ رہی تھی کے باوجود بھی وہ شہریار کی یقین دہانیوں سے دھوکا کھا گئی تھی۔ کچھ دیر کے لیے بھول گئی تھی ... میں رہنے والی ایک ناچیز سی ہستی ہے اور اسے اتنا حق بھی حاصل نہیں کہ وہ چاند کو چھو سکے۔ کچھ دیر کے لیے شہریار نے اسے اتنا رنگین اور سندر سپنا دکھایا تھا کہ وہ خود کو بھی بھول ... پائے کتنے رنگین اور حسین تھے وہ مختصر سے لمحات جن میں زندگی کا سارا حسن، ساری خوشیاں تھیں۔ اب تک گزرنے والی تلخیوں اور تنہائیوں کا ہر احساس بھک سے اڑ گیا تھا۔ مگر وہ ... سنہرے اور حسین خواب کی تعبیر کیسی بھیانک نکلی۔ طوبیٰ کے کانوں میں اب تک آغا بختیار ... آمیز الفاظ گونج رہے تھے اور وہ سوچ رہی تھی۔ ان ڈھائی سالوں میں جب سے شہریار ... متعارف کرایا گیا تھا تو انہوں نے اپنے مختلف رویوں سے ہمیشہ اسے ایک مخمصے میں پھنسا ... وہ کبھی کھل کر سامنے نہیں آئے تھے۔ اور آئے بھی تھے تو آج ہی۔ وہ بھی ایک عام مرد کی ... کیا وہ میری باتوں اور حسن سے متاثر ہو کر مجھے اپنی محبت کا یقین دلانے پر مجبور ہو گئے تھے ... دیکھی۔ کبھی تو باپ کو خونخوار موڈ میں دیکھ کر کتنے بدل گئے تھے کہ چلتے چلتے ایک لفظ بھی میرے ... کہا۔ اتنا بھی نہ کہا کہ تم اندر جاؤ، میں آغا جان سے اپنی بات منوا کر رہوں گا یا پھر آغا جان ... سے لڑ کر آ جاؤں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ بلکہ انہوں نے تو مجھے نظر انداز کر دیا تھا۔ جیسے دنیا میں میرا کوئی ... حیثیت اور کوئی حقیقت ہی نہ ہو۔ پھر اب میں کس کے لیے جیوں، کیوں جیوں، جی کر پھر غلاظت ... پر جاؤں یا مجبور ہو کر بازار حسن کی زینت بن جاؤں۔ خودکشی حرام ہے۔ انسان ہمیشہ کے لیے ... ایندھن بنا رہتا ہے مگر ایسی ذلت آمیز اور گناہ آلودہ زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے کہ میں خود ...

طوبیٰ اپنے سلگتے ہوئے ذہن میں ایسے خیالات کی کھچڑی پکاتی شکستہ راستوں اور کچی پگڈنڈیوں ... ہوتی ایک جگہ نکل آئی۔ جہاں ایک طرف کھیت تھے اور دوسری طرف میدانی سا علاقہ جس میں ... پودے اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا۔ اس ... طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ آگے جا کر کچھ فاصلے پر ایک عمارت سی بنی ہوئی نظر آئی۔ جو ... سے تاریک پڑی تھی۔ طوبیٰ خود کو گھسیٹتی اس عمارت تک آئی تو چند گز کے فاصلے پر ہلکی ہلکی لہریں ... پانی نظر آیا۔ اور جیسے طوبیٰ کی دلی تمنا بر آئی۔ خوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ ایک نہر ...

طوبیٰ نہ جانے کیا کیا سوچتی اس کی طرف بڑھی تو عقب سے کسی کے قدموں کی چاپ ... اصل میں تو طوبیٰ ابھی اپنے خودکشی کے ارادے پر عمل پیرا ہونے کی ہمت ہی باندھ رہی تھی کہ ... محسوس کیا کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ اور قدموں کی چاپ نزدیک تر ہوتی جا رہی تھی تو وہ بھاگ ... نہر کے کنارے پر آ گئی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک سایہ سا تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا ... نے پانی میں جھانک کر دیکھا۔ ایک جھرجھری لی اور آنکھیں بند کر کے پانی میں چھلانگ لگا دی۔

صبح کی تلخ گفتگو کے بعد اور سب سے بڑھ کر دونوں کو ایک دوسرے میں کھویا دیکھ کر شہوار ... بد دل تو تھی ہی، بدظن بھی ہو گئی تھیں۔ اب تک تو وہ اسے مصیبت کی ماری ایک بے سہارا اور ... ہی سمجھتی آ رہی تھیں مگر یک طرفہ عشق کی گفتگو سن کر اور پھر صبح کے واقعے نے انہیں اس طرف سے ... کر دیا تھا۔ اور پھر شروع سے لے کر آخر تک اس کے واقعات پر بھی ان کی نظر تھی۔ اس ...

... اس پر سے سینہ زوری کے مصداق اس کے دوبدو بات کرنے کا انداز اور خر دماغی انہیں سخت ناگوار گزری تھی اور اسی وجہ سے انہوں نے دوپہر کے کھانے اور شام کی چائے کے لیے اسے نہیں بلوایا تھا بلکہ اس کی وجہ سے کھانا اور چائے اپنے کمرے میں ہی منگوالی تھی۔ یہی سوچ کر کہ بس اب تکلفات ختم کر دینا چاہئیں۔ وہ گھر کی ایک فرد بن چکی ہے، اسے خود چائے اور کھانے کے لیے میز پر آنا چاہیے۔ وہ حسب معمول والد کو کھانا کھلوا کر خود بھی کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔ اور کھانے کے بعد پڑ کر سو گئی تھیں۔ سہ پہر کو اٹھیں تو چائے پینے کے بعد بھی کمرے سے نہ نکلیں۔ البتہ مغرب کی نماز کے بعد کمرے سے باہر آئیں تو زنان خانے کے اندرونی حصے کا ایک چکر لگانے کے بعد انہوں نے ایک ملازمہ گل مہر سے جو اوپری کاموں کو انجام دینے پر مامور تھی، اپنی زبان میں پوچھا۔

"کیا تو نے اس مہمان لڑکی کو کھانا پہنچا دیا تھا؟"

"نہیں۔ میں اس کا کھانا لے کر گئی تھی تو وہ سو رہی تھی۔" گل مہر نے بتایا۔

"اچھا۔ چائے کے وقت تو اٹھی ہو گی؟"

"میں نے دیکھا نہیں۔" گل مہر دبی زبان میں بولی۔

"کیوں نہیں دیکھا، کیا اسے چائے نہیں دی گی؟"

"نن..... نہیں؟"

"کیوں نہیں دی؟"

"وہ تو نے بتایا تھا، وہ سو رہی ہے۔"

"اوہ اتنی لمبی نیند!" شہوار نے تھوڑا اچنبھا کر جیسے خود سے کہا اور پھر گل مہر سے بولیں۔

"اچھا ٹھیک ہے تو جا کر اپنا کام کر، ہم خود دیکھ لیتے ہیں۔" اور پھر اسی وقت طوبیٰ کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ جس میں روشنی تو ہو رہی تھی۔ لیکن طوبیٰ کا کہیں پتا نہ تھا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" شہوار نے بڑے معنی خیز انداز میں زیر لب کہا۔ یقیناً وہ اس وقت خلد بہاراں میں ہو گی۔ تو کیا چھوٹے آغا اس حد تک بھی گر سکتے ہیں؟ نہیں نہیں، بلکہ وہ خود ہی بڑی چلتر ہے۔ ایک بلا کی حسین بھی ہے۔ اور چھوٹے آغا ہی تو اسے یہاں لائے تھے۔ یہی سب سوچتی اور پیچ و تاب کھاتی شہوار خلد بہاراں میں پہنچیں تو وہاں بھی سناٹا پڑا تھا۔ کہیں وہ اندر زنان خانے میں ہی نہ ہو۔ انہوں نے سوچا اور لوٹ کر اندر آئیں تو مہر گل بھاگتی ہوئی ان کے پاس آئی اور پھولے پھولے سانس کے ساتھ بولی۔

"شہزادی بیگم..... وہ..... وہ بڑے سرکار۔ انہیں کچھ ہو گیا ہے۔" اور شہوار کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا بکتی ہے گل مہر، آغا جان کو خدانخواستہ کیا ہو گیا؟" وہ بدحواس سی ہو کر چیخیں۔

"توشہ خان بتا رہا تھا وہ بے ہوش ہیں اور ان کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ ابھی ابھی ڈاکٹر آیا ہے۔" گل مہر نے سہمے سہمے انداز میں بتایا اور پھر رونے لگی۔ مگر پریشانی میں شہوار سے رویا بھی نہ گیا۔

"حالت غیر ہے۔ ڈاکٹر آیا ہے۔" شہوار کے سچ مچ ہوش ہی اڑ گئے۔ وہ منہ ہی منہ میں بولیں اور بھاگتی ہوئی خلد بہاراں سے گزر کر باپ کی خواب گاہ میں آ گئیں جہاں اپنی پرشکوہ مسہری پر آغا بختیار بے سدھ پڑے تھے۔ ان کے چہرے کی رنگت متغیر سی ہو رہی تھی۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اور پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ ڈاکٹر اپنے نائب کے ساتھ ہاتھ میں سرنج لیے انجکشن لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔ سرہانے کی طرف گل داد خان ساکت وصامت سی حالت میں یوں کھڑا تھا جیسے کوئی سنگی بت ایستادہ ہو۔ اس کی نگاہیں آغا بختیار پر مرکوز تھیں۔ اور پائنتی کی طرف ڈاکٹر کے پاس ہی شہریار کھڑے باپ کو ایک ٹک دیکھے جا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ دل چاہا چیخ چیخ کر سب سے پوچھیں کہ یہ کیا ہو گیا میرے آغا جان کو؟ مگر موقع ہی ایسا تھا کہ جاندار وں کی موجودگی میں بھی کمرے پر موت کا سا سکوت طاری تھا۔ شہوار بھی دوسری طرف پٹی کے پاس کھڑی ہو گئیں۔ پریشانی اور بدحواسی میں بے پردگی کا بھی خیال نہ رہا۔ ڈاکٹر اپنے کام میں مصروف رہا۔ انجکشن لگانے کے بعد اس نے ہاتھوں میں تیز اثر کرنے والی کسی گولی کا پاؤڈر پانی میں آغا بختیار کے منہ میں ڈالا۔ پھر بڑی دیر تک ان کی نبض پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ اور شہوار اس کی ایک ایک نقل وحرکت دیکھتی رہیں۔ اور بڑی دیر بعد ڈاکٹر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور شہریار سے کچھ کہہ کر گل داد کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر اسے اپنے ساتھ لے کر بمعہ اپنے نائب کمرے سے نکل گیا۔ شہوار ذرا ہوش میں آئیں اور بڑھ کر بے تابانہ بھائی سے پوچھا۔

"یہ ایکا ایکی ہی آغا جان کو کیا ہو گیا چھوٹے آغا۔"

تو شہریار نے منہ پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور جھک کر باپ کی نبض دیکھنے لگے۔ شہوار بھی پریشان ہو کر باپ پر جھک گئیں۔

"فکر کی کوئی بات نہیں شیری آغا جان کی حالت اب اطمینان بخش ہے۔" کچھ دیر تک نبض دیکھنے کے بعد شہریار نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے بہت آہستگی آواز میں کہا۔

"مگر ہوا کیا تھا، آخر آپ یہ کیوں نہیں بتاتے؟"

شہوار ان کے گول مول جواب پر چڑ کر بولیں۔

"ہائی بلڈ پریشر کا دورہ پڑ گیا تھا۔ شکر ہے جلد ہی ڈاکٹر نے قابو پا لیا۔" شہریار نے مختصراً کہا۔

"مگر.... مگر آپریشن سے پہلے ہی۔" شہوار نے کہنا چاہا تو شہریار قدرے بیزاری سے ان کی بات کاٹ کر بولے۔

"میرے خیال میں اب تم اندر جاؤ۔ ممکن ہے کوئی ملاقاتی آ جائے۔ میں بعد میں تم کو سب بتا دوں گا۔" اور اس احساس کے باوجود کہ کسی ملاقاتی کے آ جانے کا امکان ظاہر کر کے بھائی ٹال رہے ہیں، شہوار ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"اوہ ہاں، ہمیں تو اپنی پریشانی میں بے پردگی کا بھی خیال نہ رہا۔ اور ہم ڈاکٹر اور اس کے اسسٹنٹ کے سامنے۔"

"کوئی مضائقہ نہیں۔ ڈاکٹر سے ویسے بھی کون پردہ کرتا ہے۔" شہریار نے پھر ان کی بات قطع کر دی۔ ان کا لہجہ بھی بہت اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ شہوار کو برا تو بہت لگا مگر انہوں نے لحاظ میں بھائی سے کچھ کہا نہیں۔ اور اسی وقت زنان خانے میں واپس چلی آ گئیں۔

گو بھائی نے باپ کی طرف سے اطمینان دلایا تھا۔ لیکن پھر بھی شہوار کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اپنی جگہ آئیں تو باپ کی طرف سے ان کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔ ادھر ملازماؤں نے آتے ہی انہیں گھیر لیا

کچھ دیر تک وہ انہیں اطمینان دلاتی رہیں یوں طوبیٰ کا خیال ان کے دماغ سے بالکل ہی محو ہو گیا۔ دل تو باپ ہی میں اٹکا ہوا تھا اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً ہی جا کر باپ کی خبر لائیں لیکن... بھائی نے جو لب ولہجہ اور رویہ اختیار کیا تھا۔ اس کے پیش نظر انہیں پھر باپ کے پاس جانا کسی طور گوارا نہ ہوا اور یوں شہریار کا انتظار کرتے کرتے دو گھنٹے بیت گئے۔ گو رات کے کھانے کا وقت بھی ٹل گیا مگر شہوار کو کھانے کا ہوش کہاں تھا۔ اور جب وہ مہر گل کو توشہ خان کے پاس بھیج کر اس کے ذریعے شہریار کو بلانے کا ارادہ کر ہی رہی تھیں، تبھی شہریار خود ہی آ گئے۔

"کیوں، خیر تو ہے چھوٹے آغا!" وہ بھائی کو دیکھ کر مطمئن ہونے کے بجائے سراسیمہ سی ہو گئیں۔ مبادا باپ کے بارے میں کوئی بری خبر سنانے آئے ہوں۔

"ہاں ہاں، سب خیر ہی خیر ہے گڑیا۔" شہریار تھوڑا سا مسکرا کر بولے۔

"ہائے اللہ پلیز، سچ سچ بتائیے۔ کیا واقعی آغا جان کی حالت خطرے سے باہر ہے!"

"ہاں ہاں بھئی، ورنہ خدا نہ کرے کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو میں تم کو یہاں نظر آتا۔" شہریار ان کی پریشانی کے پیش نظر اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کر کے بولے۔

"اوہ شکر... لیکن آپ بتائیے کہ آغا جان کو بیٹھے بٹھائے یہ دورہ کیسے پڑا!" شہوار کو جیسے صرف اور صرف وجہ جاننے کی دھن تھی۔ شہریار ان کے سوال پر چپ سے ہو گئے۔ پھر انہوں نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

"وہ تمہاری مہمان کہاں ہیں؟" اور تب اتنی دیر بعد شہوار کو طوبیٰ کا خیال آیا۔ جس کے ساتھ ہی انہوں نے سوچا۔ اس نے آغا جان کی اس اچانک علالت کا تو سنا ہوگا۔ پھر بھی میرے پاس نہیں آئی اور پھر بڑی بیزاری سے بولیں۔

"پتا نہیں، شاید اپنے کمرے میں ہوگی۔ شام سے نظر ہی نہیں آئی۔"

"ٹھیک ہے میں خود جا کر دیکھ لیتا ہوں۔ آخر وہ اپنے کمرے میں کیا کر رہی ہیں!" شہریار اٹھنے کے ارادے سے بولے۔

"نہیں۔ آپ کا وہاں جانا کچھ مناسب نہیں۔ ہم خود جا کر دیکھ آتے ہیں۔" شہوار نے بھائی کو اس کے کمرے میں جانے سے باز رکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر اٹھ کر اس کے کمرے میں پہنچیں اور اسے وہاں نہ پا کر الٹے پیروں واپس آ گئیں۔

"وہ تو اب بھی اپنے کمرے میں نہیں ہے۔" انہوں نے ہلکی ہلکی ناگواری سے کہا۔ اور پھر شام کو اس کے غائب ہو جانے کی تفصیل سنائی۔

"ہوں... تو اس کا مطلب ہے وہ چلی گئیں۔" شہریار نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔

"وہ نہیں اس کا سامان جوں کا توں رکھا ہے اور پھر وہ یہاں سے نکل کیسے سکتی ہے؟" شہوار بولیں۔

"یہ تو خدا ہی جانے لیکن انہوں نے یہاں سے کوچ کر جانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔" شہریار نے بتایا۔

"اچھا چھوٹے آغا۔ کیا واقعی؟" شہوار نے بھنویں اچکا کر کچھ اس انداز میں پوچھا۔ جیسے کہنا چاہ رہی ہوں کہ آپ کو کیسے معلوم؟ شہریار افسردہ سے انداز میں مسکرائے اور پھر ساری بات بہن کو بتا دی۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"چھپے شکر کریں چلی گئی تو اچھا ہی ہوا ہے، ورنہ جاتے جاتے ہماری پریشانیوں میں اضافہ کر جاتی۔ چھوٹے آغا ایسی لڑکیوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کچھ روز اور رکتی تو نہ جانے کیا گل کھلاتی۔" شہوار نے جس انداز میں طوبیٰ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا، شہریار ملول ہو گئے۔

"تم نے بہت غلط اندازہ لگایا شہوار آپا۔ بقول تمہارے وہ ویسی ایسی ویسی لڑکی ہوتی تو … اتنا بے قیمت اور غیر ذمہ دارانہ … ذوالفقار کا … حدود میں بھی قدم رکھنے نہ دیتی۔" اور بھائی کی ذہنی … پر شہوار فوراً ہی اپنی بات بدلتے ہوئے بولیں۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ میں تو اس کی پراسرار زندگی کے پیش نظر کہہ رہی تھی۔ نا، اس کی کزن شفیق کو بھی اتنے عرصے سے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں … ویسے تو … آپ کی خفگی کا خیال آ گیا۔"

"ٹھیک ہے آپا، میری خفگی کا ایسا ہی خیال ہے تو آپ اس کے بارے میں کوئی غلط تصور نکالنا۔" شہریار ایک دم ہی اٹھتے ہوئے بولے۔ "ہونہہ تو گویا چھوٹے آغا واقعی اس کی ذات میں دلچسپی رکھتے ہیں۔" بھائی کے تنبیہی لہجے سے خاموش ہو کر شہوار نے دل میں سوچا۔ اور خود … کھڑی ہو گئیں۔

"تھوڑا سا کچھ کھا تو لیجیے چھوٹے آغا، ہم بھی آج آغا جان کی پریشانی میں کھانا پینا بھول گئے۔"

"نہیں، مجھے بھوک نہیں مگر تم ضرور کچھ کھا لو۔" شہریار نے اپنی بات کہہ کر بہن کی صورت دیکھی اس خیال سے کہ جواب میں وہ بھی نہیں کہیں گی۔ "پھر ہم بھی پھر نہیں کھاتے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا، ایسا کرو کہ چائے بنوا لو اسٹرونگ سی اور اس کے ساتھ کوئی ہلکی پھلکی سی چیز … بھی تمہارا ساتھ دے دیں گے۔" اور شہوار نے خوش ہو کر فوراً ہی چائے کا آرڈر دے دیا۔ پھر بھائی سے مخاطب ہو کر بولیں "آغا جان تو اس وقت کچھ بھی کھانے کی پوزیشن میں نہ ہوں گے۔ کم از کم … سوپ تو …"

"نہیں، ڈاکٹر نے انہیں نیند کی گولی کھلا دی ہے اور اس وقت کسی طور بھی انہیں ڈسٹرب نہیں کیا جا سکتا۔" پھر تھوڑی دیر بعد ہلکے پھلکے لوازمات کے ساتھ چائے بھی آ گئی۔ شہوار اصرار کر کر کے کھانے پر مجبور کرتی رہیں مگر شہریار بڑی بے دلی سے صرف چکھتے ہی رہے۔ اس سے وہ بہت الجھے اور چپ چپ سے نظر آ رہے تھے۔ شہوار اندازہ نہ لگا سکیں کہ ان کی یہ کیفیت باپ کی اچانک علالت کی وجہ سے ہے یا طوبیٰ کے چلے جانے کی وجہ سے۔ چائے پی کر شہریار مردان خانے میں چلے گئے اور … لباس تبدیل کر کے اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔

شہریار نے وہ تمام رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ آغا بختیار کو ہوش تو رات ہی کو آ گیا تھا مگر … نے چونکہ انہیں سلیپنگ ڈوز دیا تھا۔ اس لیے وہ تمام رات سوئے رہے تھے۔ اور اس وقت تک شہوار … مرتبہ ان کی خوابگاہ کے چکر لگا چکی تھیں اور باپ کو سوتا دیکھ کر واپس چلی گئی تھیں۔ جونہی آغا بختیار … ہوئے ان کا ہاتھ منہ دھلا کر گل داد خان نے شہوار کو فوراً ہی ان کے بیدار ہونے کی اطلاع کرا دی۔ اس وقت ناشتا کرنے بیٹھی تھیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوڑی دوڑی باپ کے کمرے میں جا … اس سے آغا بختیار اپنے کمرے میں تنہا لیٹے تھے۔ نرس شاید باہر گئی ہوئی تھی۔ شہوار نے باپ …

کر کے ان کی خیریت پوچھی۔ اور ابھی وہ جواب ہی دینے والے تھے کہ گل داد خان نرس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور آغا بختیار کو ڈاکٹر کے آنے کی اطلاع دی تو شہوار اسی دم ان کی خوابگاہ سے نکل کر زنان خانے میں آ گئیں۔ اور آتے ہی باپ کے ہوش میں آ جانے پر سجدہ شکر ادا کیا۔ یہ بات انہیں بہت کھلی تھی کہ بھائی باپ کے لیے فکر مند اور ان کے پاس موجود ہونے کے بجائے اس وقت کہیں غائب تھے۔ جبکہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شہریار کا اس وقت کمرے میں موجود ہونا کسی طور پر بھی مناسب نہ تھا کیونکہ انہیں دیکھ کر آغا بختیار کی طبیعت پھر بگڑ سکتی تھی۔ اس کے باوجود بھی چونکہ بھائی کے خیالات کا علم ہو چکا تھا۔ اس لیے اور کچھ اس لیے بھی کہ وہ ان ساری باتوں کا ذمے دار طوبیٰ کو سمجھ رہی تھیں۔ اور اس سے حد درجہ بدظن ہو چکی تھیں۔ انہوں نے بھائی کی غیر حاضری کو ان کی ہٹ دھرمی اور بے حسی پر محمول کیا۔ اندر آ گئیں تو ایک بار پھر سارے واقعات پر نظر کر کے پیچ و تاب کھانے لگیں۔

پھر کچھ سوچ کر اٹھیں اور طوبیٰ کے رہائشی کمرے میں جا پہنچیں جس کی ہر شے اب بھی جوں کی توں رکھی تھی۔ اصل میں انہوں نے رات کو اس کا کمرہ مقفل کرا دیا تھا۔ اس لیے اس کی جھاڑ پونچھ تک نہ ہوئی تھی۔ بہرحال شہوار جس ارادے سے آئی تھیں اس کے تحت انہوں نے اس کی الماری اور سوٹ کیس کو کھنگال کر رکھ دیا۔ لیکن ماسوا ایک پوٹلی کے کوئی بھی چیز کام کی نہ نکلی اور پوٹلی بھی اس کے سوٹ کیس کی تہ میں سے برآمد ہوئی تھی۔ جسے ایک کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹ کر بڑی احتیاط سے رکھا گیا تھا۔

گو وہ پوٹلی ایسی کوئی قابل توجہ چیز نہ تھی پھر بھی وہ اسے سوٹ کیس سے نکال کر اپنے کمرے میں لے آئیں۔ اور اپنے بستر پر بیٹھ کر اسے کھولا تو ایک بہت پرانا کارچوبی سرخ دوپٹا اس سے برآمد ہوا۔ جس کی تہ میں ایک پاسپورٹ سائز کی تصویر اور ایک انگوٹھی رکھی نظر آئی۔ انگوٹھی تو وہی تھی جو وہ ایک مرتبہ طوبیٰ کو پہنے ہوئے بھی دیکھ چکی تھیں۔ مگر یہ تصویر۔ یہ بہت پرانی تھی شکستہ اور دھندلی سی۔ جس میں ایک خاتون ایک ننھے سے بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھیں۔ تصویر کی طرح خاتون کی صورت بھی واضح نہ تھی۔ پھر بھی شہوار سمجھ گئیں کہ طوبیٰ کی والدہ کی تصویر ہے جو انہوں نے طوبیٰ کو گود میں لے کر کھنچوائی ہوگی۔ شہوار نے بڑی غیر دلچسپی سے وہ تصویر دوپٹے کی تہ میں رکھ دی۔ اور پوٹلی کو اسی طرح باندھ کر رکھ دیا۔ مگر انگوٹھی کو مضبوطی سے اپنی مٹھی میں بھینچے رہیں اور پھر اپنے کمرے میں آ کر بڑی دیر تک اس انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھتی رہیں۔ اس سے ان کے چہرے سے شدید الجھن کے آثار ہویدا تھے۔ کبھی ان کی تیوریاں چڑھ جاتیں۔ اور کبھی وہ ہونٹ کاٹنے لگتیں۔ پھر کچھ سوچ کر یا اپنی الجھن کو کسی طرح سلجھا کر وہ اٹھیں اور الماری سے ایک چھوٹی سی مخملیں ڈبیا نکالی اور انگوٹھی کو اس میں رکھ کر الماری مقفل کر دی۔

"السلام علیکم چھوٹے آغا۔" شہریار ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد کہیں جانے کے لیے تیار ہی کھڑے تھے کہ شہوار ان کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ جب کہ تین چار روز سے وہ ان سے کھنچی کھنچی اور روٹھی روٹھی سی نظر آ رہی تھیں۔ اور ان کی ناراضگی کی وجوہات سے وہ بھی واقف تھے۔ خود ان کا ضمیر بھی مجرم تھا۔ اور انہیں معلوم تھا کہ یہ جو کچھ بھی حالات پیدا ہوئے ہیں یعنی آغا جان کا بلڈ پریشر کے شدید دورے میں مبتلا ہو جانا اور طوبیٰ کا گھر سے چلا جانا یہ سب انہی کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے بھی وہ بہن سے کٹے کٹے رہتے تھے اور کچھ اس لیے بھی کہ اس روز طوبیٰ کے بارے میں بہن کے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

خیالات بن چکے تھے۔ بہر حال انہیں شہوار کی آمد پر تھوڑا سا اچنبھا ضرور ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے بے حد روکھے انداز میں کہا۔ اور ٹائی درست کرتے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جا کھڑے ہوئے۔ ایک انچ کی خلیج میں پڑ گئی تھی اس لیے شہوار ان سے بات کرتے ہوئے جھینپ رہی تھیں۔ اور ادھر بھائی کا خاموش اور بیگانہ سا طرز عمل پھر بھی کر کے اپنی زبان میں بولیں۔

"میں اس وقت آپ کو ایک خاص بات بتانے آئی ہوں چھوٹے آغا۔"

"وہ تو ظاہر ہی ہو رہا ہے مگر اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں۔" شہریار اسی طرح اکھڑے سے انداز میں بولے۔

"لیکن آپ سن تو لیں۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔" شہوار نے ... کے سامنے سے ہٹتے ہوئے کہا۔

"اب سننے کو رہ ہی کیا گیا ہے جو تم وقت ضائع کرنے کا احساس دلا رہی ہو۔" ان کا ... اور روٹھا روٹھا سا انداز، زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جو وہ ان سے ناراض ہو گئے تھے۔ کم از کم ... سمجھ رہی تھیں۔ ان کا دل چاہا کہیں کہ ناراض تو مجھے ہونا چاہیے تھا کہ آپ کی وجہ سے ... از جان آغا جان کی جان خطرے میں پڑی۔ اور گھر کا ماحول الگ تلخ ہو گیا۔ مگر ایک دم ... دل میں بھائی کی چاہت جاگ اٹھی۔ انہوں نے پیار بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"آخر مجھ سے ایسی کیا خطا ہوئی چھوٹے آغا جو آپ مجھ سے خفا ہو گئے۔ اگر کوئی ... پلیز چھوٹے آغا مجھے معاف کر دیجئے۔" اپنی بے گناہ پن سے کہی بات کے اختتام پر ان کی آنکھیں جھلملا اٹھیں اور بہن کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر شہریار کا دل بھی موم ہو گیا۔ اس ... انہوں نے روکھے منہ سے کہا۔

"نہیں تم سے ناراض ہونے کا بھلا کیا سوال۔ تمہیں شاید وہم ہو گیا ہے۔" اور شہوار آنکھیں پونچھ کر ان کی طرف دیکھا کہ کیا واقعی وہ سچ کہہ رہے ہیں۔

"ہاں تو کہو تم کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔" شہریار نے ان سے نظریں کترا کر پوچھا۔ تب ... شہوار کو وہ اہم بات یاد آ گئی جسے کہنے کے لیے وہ اپنی ناراضگی اور انا ایک طرف رکھ کر ان ... تھیں۔ انہوں نے اپنی مٹھی کھول کر اپنی ہتھیلی ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"چھوٹے آغا یہ انگوٹھی" اور شہریار نے انگوٹھی پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر کہا۔

"کیوں۔ کیا خاص بات ہے اس انگوٹھی میں؟!"

"ذرا غور سے دیکھیے بات بھی معلوم ہو جائے گی۔" شہوار نے عجیب سے انداز میں مسکرا کر ... یار نے پہلے ایک نظر ان کو دیکھا اور پھر انگوٹھی پر ان کی نگاہیں مرکوز ہو گئیں۔

"یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟" انہوں نے متحیر انداز میں پوچھا۔

"یہ طوبیٰ کے سوٹ کیس کی تہ میں سے نکلی ہے۔" اور ان کی بات پر شہریار نے ایک دو قدم ... کر کہا۔ "طوبیٰ کے سوٹ کیس کی تہ میں سے؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچ ہی کہہ رہی ہوں۔" شہوار برابر مسکرائے جا رہی تھیں۔ مگر ان کی ...

شدت جذب سے شہریار کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور کشادہ پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"ہوں۔ تو تم نے اسے چور ثابت کرنے کو یہ حربہ آزمایا ہے۔ مگر مجھے تم سے اس قدر گر جانے کی توقع نہ تھی۔ میں تو مر کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ تم اتنی پست ذہنیت اور تنگ نظر بھی ہو سکتی ہو کہ ایک اتنی رکیک حرکت کی مرتکب ہو گی۔"

شہریار غصے میں گرج اور برس رہے تھے اور شہوار اپنی صفائی پیش کرنے میں کوشاں نظر آ رہی تھیں۔ بھائی نے بات بھی تو کتنی بڑی کہہ دی تھی کہ وہ تلملا ہی اٹھی تھیں۔

"کمال ہے چھوٹے آغا آپ نے ہمیں ایسا...." انہوں نے تیوری چڑھا کر کہنا چاہا تو شہریار بیچ ہی دھاڑنے کے انداز میں بولے۔

"میں تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی سننے کا متحمل نہیں تمہاری عزت اسی میں ہے کہ جہاں سے یہ انگوٹھی نکال کر لائی ہو وہیں رکھ آؤ۔ جاؤ فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ اچھا ٹھیک ہے میں خود ہی چلا جاتا ہوں۔"

غصے میں بپھرے ہوئے شہریار نے کہا اور تیزی سے اپنی خواب گاہ سے باہر نکل گئے۔ اور شہوار جیسی نازک طبع غیور اور خوددار لڑکی پر جیسے خواب گاہ کی چھت آ گری۔ ان کا دل چاہا خود کو شوٹ کر لیں یا پھر اپنا گلا گھونٹ کر اسی جگہ دم دے دیں۔ زندگی میں پہلی بار بے عزت بھی کی گئی تھیں تو اپنے ماں جائے کے ہاتھوں خوار بھی ہوئی تھیں تو اپنے سگے بھائی کی نظروں میں۔ خواب گاہ کی چھت ان کے حواسوں پر آنا پڑ ... پر بلکہ پورے وجود پر گرتی محسوس ہوئی تھی۔ مگر خواہش کے باوجود زمین نہیں پھٹی تھی کہ اس میں سما کر وہ اپنی اتنی ذلت اور خواری کا ازالہ کر لیتیں۔ شہریار نے بھی تو اپنی بدگمانی اور روانی میں انہیں کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ یہ بتانے کی مہلت بھی نہیں دی کہ سب سے پہلی ملاقات میں یہ انگوٹھی انہوں نے طوبیٰ کی انگلی میں پڑی دیکھی تھی۔ اور طوبیٰ سے اس کے بارے میں استفسار بھی کرنا چاہا تھا۔ لیکن چونکہ نئی نئی ملاقات تھی اور پُر تکلف سا ماحول اس لیے انگوٹھی کے بارے میں طوبیٰ سے وہ بھی شفق کی موجودگی میں کچھ پوچھنا انہیں اپنے وقار کے منافی لگا تھا۔ اور دوسرے اس وقت انہوں نے اس انگوٹھی کی طرف کوئی خاص توجہ بھی نہ دی تھی بلکہ یہ سوچ کر خاموش ہو گئی تھیں کہ ایک سے ڈیزائن کی انگوٹھیاں کیا کسی کے پاس نہیں ہوتیں جو خوامخواہ میں طوبیٰ سے کچھ پوچھ کر اپنی بات گراؤں۔

مگر اب یہی انگوٹھی ان کی ذلت اور خواری کا موجب بن گئی تھی۔ اور یہ سب کچھ طوبیٰ کی وجہ سے ہوا تھا۔

گھر کے ماحول میں ایک زہر سا گھل گیا تھا۔

باپ کے احساسات اور اعتماد مجروح ہوا تھا۔

بہن بھائی کی مثالی محبت میں بدگمانی اور نفرت کا رنگ بھر گیا تھا۔ اب انہیں طوبیٰ سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ اتنا روئیں، اتنا روئیں کہ جل اور تھل بھر گئے۔ اس قدر روئیں کہ اگر باپ یا بھائی مر جاتا تو اس کے غم میں بھی نہ روتیں۔

شفق کو میکے آئے ایک ماہ سے زائد عرصہ ہو گیا تھا جب کہ وہ پندرہ بیس دن قیام کی غرض سے آئی تھیں۔ لیکن پریشانی ہی کچھ ایسی لاحق ہو گئی تھی کہ شفق کو شوہر کی ناراضگی کا خیال رہا تھا نہ گھر بار کا واقعہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

کچھ یوں تھا کہ میجر صاحب اچانک ہی کہیں غائب ہو گئے تھے۔ پورے ایک ہفتے سے ان کا کوئی نام و نشان نہیں ملا تھا۔ جب کہ آصف جہاں جہاں ان کے ملنے کے امکانات تھے وہاں وہاں ڈھونڈ چکے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے ہیڈ کوارٹر تک ہو آئے تھے۔ اور وہاں سے بھی ان کا کوئی سراغ نہ ملا تھا۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ انہوں نے چند روز کی چھٹی لے رکھی ہے۔ اور یہ بات شفق آصف اور صوفیہ بیگم کے لیے پریشان کن ہی نہیں سخت حیران کن بھی تھی کیونکہ آج تک تو ایسا ہوا ہی نہیں تھا کہ یوں بتائے بغیر اطلاع کیے۔ میجر صاحب کہیں گئے ہوں۔ وہ بھی اس طرح کہ صرف تن کے کپڑوں وردی کی صورت میں وہ پہنے ہوئے تھے ان کا ایکا ایکی غائب ہو جانا۔ طوبیٰ کو نکال دینے پر ایک بار ناراض ہو کر گئے بھی تھے تو بیوی سے کہہ سن کر مگر اس دفعہ تو انہوں نے اشارتاً بھی اپنے کہیں آنے جانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اور اب تو وہ کسی سے ناراض بھی نہیں تھے۔ بلکہ نواسے کی محبت میں جلد ہی گھر آ جاتے تھے۔ لہٰذا شفق آصف اور صوفیہ بیگم کی پریشانی ایک قدرتی بات تھی اور صوفیہ بیگم کا تو نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ پریشانی میں ان کا کھانا پینا بھی چھٹ گیا تھا۔ اور شفق اور آصف سے بھی کچھ کھایا جاتا تھا۔ شگون کے طور پر کھانا ضرور پکتا تھا مگر فریج اور ہاٹ پیس میں جوں کا توں پڑا رہتا۔

آصف نے تو اب مایوس ہو کر گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا دونوں بھائی بہن کا شروع سے یہی خیال تھا کہ انہیں کسی انتہائی خفیہ مشن پر بھیجا گیا ہے۔ دونوں ماں کو یہی کہہ کر تسلی دلاسے دینے کی کوشش کرتے مگر وہ تھیں کہ کسی طرح مانتی ہی نہ تھیں لہٰذا انہی کی حالت کے پیش نظر اس روز آصف اسٹیشن ماسٹر احسان الحق کے پاس جا رہے تھے تاکہ باپ کی گمشدگی کے متعلق ان سے کچھ معلوم کریں اور ابھی گاڑی لے کر سڑک پر آئے ہی تھے کہ دیو مرسے تیزی سے ایک فوجی جیپ بنگلے کے گیٹ میں داخل ہوتی نظر آئی۔

خدا خیر کرے آصف نے دل میں کہا اور کار موڑ کر فوراً ہی گھر واپس آئے تو سامنے ہی کھڑی جیپ میں باپ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر طوبیٰ کو بیٹھا دیکھ کر انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ بے یقینی کی لرزہ براندام سی منزل سے گزرتے آنکھیں پھاڑ کر وہ طوبیٰ کو دیکھنے لگے تو طوبیٰ نے گھبرا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ میجر صاحب بھی ایک فاخرانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ آصف کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کی اس ہیئت کذائی پر وہ اپنا قہقہہ نہ روک سکے۔ باپ کو ہنستا دیکھ کر آصف کچھ اور بوکھلائے کہ بھاگتے ہوئے اندر چلے گئے۔

''بجیا۔ بجیا۔'' وہ دور ہی سے چلائے۔ اور شفق جو اپنے بچے کو نہلانے لے جا رہی تھیں۔ ان کے اس طرح چلانے پر دہل ہی اٹھیں اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگتی ہوئی باہر آ گئیں اور بھائی کے چہرے پر ایک ناقابل فہم تاثر دیکھ کر انہوں نے سہم کر پوچھا۔

''کیوں خیر تو ہے؟ آصف اتنا چلا کیوں رہے ہو۔''

''ہاں خیر ہی ہے۔ وہ پاپا آ گئے ہیں بجیا اور ان کے ساتھ وہ وہ بھی آ گئی ہیں۔'' فرط مسرت سے آصف سے ڈھنگ سے بتایا بھی نہ جا سکا۔

''اگر تم کسی قسم کا مذاق کر رہے ہو تو کیا تمہیں اس پریشانی کا بھی احساس نہیں جو پورے بارہ دن سے ہم اٹھاتے آ رہے ہیں۔'' اور برا ماننے کے بجائے آصف نے سر پھوڑ کر کہا۔

''بھئی واہ آپ تو ہر بات کو مذاق ہی سمجھتی ہیں بجیا۔ اگر یقین نہیں آ رہا تو خود باہر جا کر دیکھ لیجئے۔''

اس اثنا میں صوفیہ بیگم بھی دونوں کی باتوں کی آواز سن کر باہر آ گئی تھیں اور پوچھنا ہی چاہ رہی تھیں کہ کیا ماجرا ہے کہ میجر صاحب طوبیٰ کو ساتھ لیے اندر آ گئے۔ اور سچ مچ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر شفق کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ باپ کو سلام کرنا بھی بھول گئیں اور دوڑ کر اس سے لپٹ گئیں۔ اور ٹپ ٹپ ان کے آنسو گرنے لگے انہوں نے ماں کی طرف مڑ کر روندھے ہوئے گلے سے کہا۔

''امی جان مبارک ہو یہ آ گئی ہیں آپ کی بیٹی۔ آج تو اسے سینے سے لگا لیجئے۔ تاکہ پچھلی تمام کسر پوری ہو جائے۔''

شفق نے یہ فقرے طوبیٰ انہیں حد درجہ جذباتیت سے مغلوب ہو کر کہے تھے۔ صوفیہ بیگم نے جن کا دل پہلے ہی بھرا چلا آ رہا تھا کچھ کہنے کے بجائے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ اور طوبیٰ دوڑ کر ان کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ صوفیہ بیگم نے بھی اپنے رکے ہوئے اشکوں کو بے دریغ بہانا شروع کر دیا۔ شفق بھی رونے میں اس کا ساتھ دینے لگیں۔ یہ منظر ایسا تاثر انگیز تھا کہ آصف کی آنکھوں میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ اور میجر صاحب بھی دلگیر سے نظر آنے لگے مگر پھر انہوں نے خود پر قابو پا کر کہا۔

''بھئی یہ کیا لغویت ہے خوشی کے موقع پر بھی کوئی آنسو بہاتا ہے جاؤ شفو تم اپنی امی کو گلوکوز پلاؤ۔ اور طوبیٰ کو اندر لے جا کر آرام سے بٹھا دو یہ ہسپتال سے سیدھی یہیں آ گئی ہیں۔'' تو صوفیہ بیگم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''نہیں یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ مگر وہ شن لو پاز کیا یہ کچھ بیمار تھی جو ہسپتال سے آ رہی ہے؟''

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں اب تو آپ اپنے کمرے میں جائیے اور انہیں بھی لے جائیے۔'' میجر صاحب نے ان کے سوال کا جواب گول کرتے ہوئے کہا۔

''خیر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری بچی صحیح سلامت واپس آ گئی۔ مگر آج میں تم سب کے سامنے اس سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ رہی ہوں' میری ہی وجہ سے اسے نو دس مہینے تک'' صوفیہ بیگم نے رقت بھری آواز میں پھر کہنا چاہا۔ تو طوبیٰ ایک بار پھر ان سے لپٹ کر بولی۔

''مجھے شرمندہ نہ کیجئے خالہ بیگم انسان کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے پورا ہو کر ہی رہتا ہے پھر اس میں آپ کا کیا قصور۔''

''خیر جو کچھ بھی ہوا اس میں بھی قدرت کی کوئی مصلحت پوشیدہ ہو گی یاد رکھنا تم سب میری یہ بات۔ اب تو تم دوسری باتیں کرو اور پرانے قصے بھول جاؤ۔''

میجر صاحب نے بات کے اختتام پر شفق کو کچھ اشارہ کیا۔ تو شفق نے فوراً ہی اپنے بچے کا ذکر چھیڑ دیا۔ میجر صاحب باہر چلے گئے۔ آصف سب کی نظر بچا کر اتنی دیر سے طوبیٰ کو دیکھے جا رہے تھے۔ جو کافی بدلی بدلی سی لگ رہی تھی چہرے پر وہ گلوں کی شگفتگی اور نکھار باقی رہا تھا نہ صحت مندی زردی مائل رنگت، ستا ستا چہرہ۔ لاغر سا جسم یقیناً یہ کافی عرصے بیمار رہی ہیں انہوں نے کڑھ کر دل میں سوچا۔ اور باپ کے پیچھے باہر چلے گئے۔ صوفیہ بیگم کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ طوبیٰ انہیں سہارا دے کر ان کے کمرے میں لے آئی شفق بھی بچے کو لے کر وہیں آ گئیں۔ اور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اسے طوبیٰ کی گود میں ڈالتی ہوئی بولیں۔
"لو بھئی بہت اُٹھا لیے تمہارے نخرے اب تم جانو اور تمہاری یہ خالہ۔"
اور پھر صوفیہ بیگم سے مخاطب ہو کر بولیں۔
"امی جان اگر سچ پوچھیے تو یہی تو شہزاد کی اکلوتی خالہ ہے اور پھر سگی ہی ہوئی۔" اپنی بات کہتے شفق کے چہرے پر مسرت اور صداقت کی رنگ جھلک رہے تھے۔ کتنی اپنائیت تھی ان کی باتوں میں، طوبیٰ متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر اس کی پیشانی چومی اور غور سے اس کی شکل دیکھتی ہوئی بولی۔
"ماشاء اللہ بہت ہی پیارا بچہ ہے بالکل دولہا بھائی پر گیا ہے۔"
"ہاں جو اولاد باپ کی شکل پر جاتی ہے بہت بھاگوان ہوتی ہے۔" صوفیہ بیگم بولیں۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو کر بار بار طوبیٰ کی طرف دیکھ رہی تھیں پھر انہیں طوبیٰ کو کچھ کھلانے پلانے کا خیال آیا تو انہوں نے شفق سے کہا۔
"ارے کچھ کھلاؤ پلاؤ تو میری بچی کو۔ دیکھو تو کیسا پچکی سا منہ نکل آیا ہے بے چاری کا۔"
"نہیں شکریہ خالہ بیگم میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ناشتہ کر کے آئی ہوں۔"
طوبیٰ جو شہزاد کی نوک پلک درست کرنے میں لگی ہوئی تھی جلدی سے بولی۔
"چلو اب تھوڑی دیر بعد کھانے کا وقت ہونے ہی والا ہے۔ اتنے میں تم ایک کپ ملک شیک کا پی لو۔ واقعی بہت کمزور نظر آ رہی ہو۔" شفق بولیں اور پھر گل کو آواز دے کر بلایا۔
"جاؤ فریج سے ملک شیک کا بڑا گلاس لے آؤ۔" انہوں نے گل سے کہا تو گل الٹے پیروں واپس چلا گیا۔
"کیا تم بیمار پڑ گئی تھیں جو اسپتال میں رہنا پڑا۔ اور یہ تمہارے چچا تمہیں کیسے مل گئے تھے؟" صوفیہ بیگم نے جنہیں اپنے تجسس پر اب قابو پانا محال ہو رہا تھا۔ دوہرا سوال کیا تو شفق نے سر کے اشارے سے انہیں کچھ پوچھنے سے منع کیا۔ طوبیٰ بھی ان کے سوالوں سے کچھ گھبرا گئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ جواب میں کیا کہے کہ گل ملک شیک کا گلاس لے کر آ گیا۔
"اُف اتنا سارا تو میں پی ہی نہیں سکوں گی بھیا۔" اس نے گل کے آنے کو غنیمت جانا۔ اور بات تھوڑی دیر کو ٹل گئی۔
"اے لو۔ جیسے پانی پیا ویسے دودھ۔ یہ بھی رقیق غذا ہوتی ہے شاباش پی لو میری بچی ہاتھ پیروں میں تھوڑا دم تو آئے گا۔" صوفیہ بیگم بولیں وہ آج کس قدر لگاوٹ اور چاہت کا مظاہرہ کر رہی تھیں طوبیٰ کو اپنے کانوں اور آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جاگتے میں کوئی حسین خواب دیکھ رہی ہو۔ کبھی تو استعجاب اور تجسس اس پر غالب تھا۔ شفق اور صوفیہ بیگم نے اصرار کر کے بالآخر اسے وہ پورا گلاس پلوا کر چھوڑا۔ اور ابھی اس نے خالی گلاس گل کو تھمایا ہی تھا کہ میجر صاحب بمع آصف کمرے میں داخل ہوئے۔
"ارے تم اب تک بیٹھی ہی ہو بیٹی جب کہ ڈاکٹر نے تو تمہیں تاکید کی تھی کہ ایگزرشن بالکل نہ ہونے پائے نہ کسی قسم کا سٹریس ڈالنا اپنے دماغ پر۔" انہوں نے طوبیٰ کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے ہاں وہ تو چہرہ ہی بتا رہا ہے۔ بے چاری کا معلوم ہوتا ہے کافی بیمار رہی ہے یہ۔" صوفیہ بیگم جھٹ سے بولیں۔
"ارے بیماری کیسی یہ کہو کہ جان ہی بچ گئی تو بڑا کرم ہوا اس کا۔" میجر صاحب نے کہا۔
"لیکن ہوا کیا تھا انہیں جو یہ حالت ہو گئی ان کی۔ سچ میں تو ایک دم پہچان نہیں سکی انہیں۔" اب تو شفق کو بھی اپنے تجسس پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔
"یہ تو بعد میں پوچھ لیجیے گا۔ پہلے انہیں کہیں آرام سے تو لٹوا دیں۔" آصف نے بھی لب کشائی کی۔
"ارے نہیں اب تو میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں آپ لوگ خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہے ہیں۔" طوبیٰ نے کہا۔
"پھر بھی تھوڑی دیر تو تمہیں آرام کرنا ہی چاہیے۔ چلو آؤ میرے کمرے میں چلو۔ میں تو ننھے کو نہلانے جا رہی تھی مگر اب تو یہ سو گیا ہے جب اُٹھے گا تو دیکھا جائے گا۔" شفق اُٹھتی ہوئی بولیں۔ اور طوبیٰ کو بچے سمیت اپنے کمرے میں لے آئیں۔ اور طوبیٰ کو زبردستی اپنے بستر پر لٹوا کر بچے کو اس کے پہلو میں لٹا دیا۔ اور پھر دروازہ بھیڑ کر صوفیہ بیگم کے کمرے میں آ گئیں۔
"دیکھا پاپا بھیا نے کس خوبصورتی سے انہیں یہاں سے ٹالا ہے۔ اور کس پھرتی سے واپس بھی آ گئیں۔" آصف انہیں چھیڑنے کی غرض سے بولے۔
"ہاں۔ یہ انہوں نے اچھا ہی کیا میں خود بھی اس کے سامنے کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔" میجر صاحب بولے۔
"آپ نے تو حد ہی کر دی۔ ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور یہاں پریشانی میں ہماری جانوں پر بن گئی۔" صوفیہ بیگم نے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔
"تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ جب جنگی مشقیں ہوتی ہیں تو مجھے بھی انسپکشن کے لیے وہاں موجود رہنا پڑتا ہے کیونکہ میری کمپنی بھی وہاں موجود ہوتی ہے۔ آغا پور کا شمال مشرقی میدانی علاقہ چاند ماری کے لیے مختص کر دیا گیا ہے جہاں کسی زمانے میں پہاڑوں سے گرتے ہوئے چشموں کے پانی کو کاٹ کر کھیتوں اور باغات میں پانی کی فراہمی کے لیے ایک نہر تعمیر کی گئی تھی یہ نہر اتنی چوڑی تو نہیں ہے مگر اب دریا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس لیے کافی گہری ہے اور اس نہر سے چند گز کے فاصلے پر ہی ایک غیر آباد عمارت بھی بنی ہوئی ہے۔ جسے ہم ایمونیشن وغیرہ رکھنے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ علاقہ ممنوعہ بن گیا ہے۔
اس روز میں سہ پہر کو ہی اپنی ڈیوٹی بھگتا کر انسپکشن کے لیے وہاں پہنچ گیا تھا۔ ارادہ تو یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ رات کے دس بجے تک اپنا کام نمٹا کر گھر چلا جاؤں گا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ رات ہو گئی تھی۔ اور تھوڑی دیر کے لیے سستانے اور کھانے کے لیے بریک ہوا تو مختلف کمپنیوں کے سپاہی الگ الگ ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ اور میں عمارت کے نزدیک ہی ایک دوسری کمپنی کے میجر سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ کبھی نہر کے کنارے کی طرف سے ایک شور سا اُٹھا اور چونکہ یہ ایک غیر معمولی بات تھی اس لیے ہم دونوں چونک کر اس طرف دیکھنے لگے جہاں تیز سرچ لائٹس پانی میں ڈالی جا رہی تھیں۔ تبھی ایک سپاہی بھاگا بھاگا میرے پاس آیا اور بولا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''سر ایک عورت نہر میں کودی ہے۔''

''اوہ! عورت، مگر کسی عورت کا یہاں کیا کام۔'' میرے ساتھی میجر نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں سر کہ وہ کس طرح یہاں آئی مگر ہمارے چند جوان اسے بچانے کے لیے نہر میں کود دیے تھے اور اب اسے نکال لانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔'' سپاہی نے بتایا۔

''ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' میں نے کہا اور میجر کے ساتھ وہیں آ گیا۔ جہاں فوجیوں کا ایک جمگھٹا سا لگا ہوا تھا وہ لوگ اس عورت کے پیٹ سے پانی نکالنے کی ترکیبوں میں کوشاں تھے۔ سرچ لائیٹس کی چندھیا دینے والی روشنی میں وہاں دن کا سماں ہو رہا تھا۔ میں ہجوم میں اپنا راستہ بنا کر اس عورت کے نزدیک پہنچ گیا۔ اور جھک کر اسے دیکھا تو دنیا مجھے اپنی نظروں سے چکر کھاتی ہوئی لگی۔ کیونکہ یہ طوبیٰ تھی۔

اتفاق سے ہماری رجمنٹ کا ہی ایک کیپٹن آفتاب انصر اسے پانی سے نکال کر لایا تھا اس کا بیان تھا کہ وہ عمارت کے قریب ہی کھڑا تھا کہ اسے ایک سایہ تیزی سے حرکت کرتا نظر آیا۔ اس کا رخ نہر کی طرف تھا۔ آفتاب کو شک گزرا اور وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ شاید طوبیٰ نے اسے اپنے پیچھے آتے دیکھ لیا تھا اس لیے وہ بھاگ کر نہر میں کود گئی۔''

میجر صاحب کہہ رہے تھے اور آصف کو بہت عرصے بعد اپنا پانی میں ڈوب جانا یاد آ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک مہربان اور وجیہہ پیکر بھی، وہ کچھ دیر کے لیے ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو گئے اور میجر صاحب کہتے رہے۔

''بہرحال میری نظر جونہی طوبیٰ پر پڑی کچھ دیر کے لیے تو میری سٹی ہی گم ہو گئی کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ روؤں تو کیا کروں۔ اس بچی کے بارے میں ان لوگوں سے کیا کہوں، انہیں کیسے بتاؤں کہ یہ میری گمشدہ بھتیجی ہے۔

بہرحال زیادہ سوچنے اور غور کرنے کا موقع نہ تھا وہاں ایک نہیں دو دو ڈاکٹر موجود تھے۔ جو زخمیوں کو فوری طبی امداد دینے پر مامور تھے۔ انہوں نے طوبیٰ کی غیر ہوتی حالت کے پیش نظر اسے جلد سے جلد ہسپتال پہنچانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اور کیپٹن آفتاب انصر ام کے ساتھ اسے لے کر ہسپتال پہنچا۔ جہاں دو روز تک تو طوبیٰ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہی اور جب ہم سب اس کی زندگی کی طرف سے بالکل ہی مایوس ہو گئے تو تیسرے روز اسے ہوش آ گیا۔ پھر بھی اس کی زندگی خطرے سے باہر نہ ہوئی۔ اصل میں پانی کا اسے ہو کس انگس پر پڑنے کی وجہ سے سانس اور کھانے کی نالی پر خون جم گیا تھا جسے ٹیوب کے ذریعے دو روز تک نکالا جاتا رہا۔ تب کہیں جا کر پانچویں چھٹے روز طوبیٰ کی زندگی خطرے سے باہر ہوئی۔ پھر بقیہ چھ روز تک مکمل آرام اور سخت دیکھ بھال میں گزرے اور مجھے بھی اس کے پاس رُکنا پڑا اگر اب بھی وہ بہت کمزور ہے تھوڑا سا ایکزریشن یا دماغ پر کوئی اسٹرین اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے لہٰذا سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔'' میجر صاحب ایک تسلسل سے بولنے کے بعد خاموش ہوئے تو صوفیہ بیگم بولیں۔

''چلو خیر اللہ کا بھی کیا کم احسان ہے کہ اس نے میری بچی کو نئی زندگی سے نوازا۔ انشاءاللہ اب وہ

جلد ہی صحت یاب بھی ہو جائے گی۔''

''بہرحال تم لوگ ابھی اس سے کچھ نہ پوچھنا۔ صحت یاب ہونے کے بعد وہ خود ہی سب کچھ بتا دے گی۔'' میجر صاحب نے گویا تاکید کی۔

''جی ہاں پاپا پوچھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ وہ بے چاری تو ہمارے جور و ستم کا شکار ہوئی ہے۔ جو کچھ بھی جھیلا ہو گا اس نے جھیلا ہو گا۔'' شفق طوبیٰ کی دردمندی سے بولیں۔

''ارے جب اسے کچھ معلوم ہی نہیں تو اس کا دل مجھ سے ٹوٹا ہی ہو گا۔'' صوفیہ بیگم نے کہا تو میجر صاحب یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''وہ بڑی سمجھدار لڑکی ہے تم اس سے حسن سلوک سے پیش آؤ گی تو اس کا دل خود بخود ہی صاف ہو جائے گا۔'' اور پھر لباس تبدیل کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں چلے گئے تو آصف بھی باپ کے ساتھ ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ البتہ شفق ماں کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔

☆......☆......☆

طوبیٰ کی آمد نے صوفیہ بیگم پر دوا سے زیادہ اثر کیا تھا۔ وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھیں مگر اتنا آرام اتنی دیکھ بھال، خلوص و اپنائیت کی انتہا ہونے کے باوجود طوبیٰ کے پژمردہ رخساروں پر تازگی نہیں آئی تھی ایک تو وہ اس قدر چپ چپ سی رہتی تھی کہ اس سے بات کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا کہ جانے کس بات سے اس کے دل کے آبگینے کو ٹھیس لگ جائے اور وہ بکھر کر رہ جائے۔ دوسرے تو وہ ان لوگوں کا اپنا ضمیر مجرم تھا اس لیے بھی وہ اس سے کچھ کہتے ہوئے کتراتے تھے جب کہ صوفیہ بیگم ہی کو نہیں خود شفق کو بھی اس کے حالات جاننے کی ایک بے چینی سی ہو رہی تھی اور شفق کو اب ڈیڑھ ماہ سے زائد عرصہ ہو گیا تھا میکے آئے ہوئے میاں سے جدائی اب انہیں شاق گزر رہی تھی۔

اس پر خود شوکت حسین کے بھی بلاوؤں کے کئی خط آ چکے تھے۔ فون پر بھی بات ہو گئی تھی۔ اس لیے شفق کسی دن بھی اپنے گھر واپس جانے کے لیے پر تولے بیٹھی تھیں مگر آصف کے اپنی ملازمت پر جانے کے دور دور تک آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اصل میں تو انہیں خانہ بدوشوں کی طرح جگہ جگہ گھومنے پھرنے والی ملازمت ذرا بھی پسند نہیں آئی تھی۔ اور انہوں نے باپ اور ماں کے علم میں لائے بغیر بالا ہی بالا ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اب تو وہ کراچی جا کر کسی اچھے فائدہ بخش بزنس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ وسیع پیمانے پر کوئی اچھا کاروبار شروع کر سکیں۔ گو ابھی تک اپنے ارادوں اور منصوبوں کے بارے میں انہوں نے ماں باپ اور بہن کو آگاہ نہیں کیا تھا۔

اور اب تو طوبیٰ آ گئی تھی۔ طوبیٰ جس کی اہمیت کچھ اس کے چلے جانے کی وجہ سے اور کچھ باپ کی تعریفوں کی وجہ سے ان کے دل میں بہت بڑھ گئی تھی اور حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اپنے ناروا سلوک پر اس سے بہت نادم تھے اور اس سے معافی بھی مانگ چکے تھے۔ ایک منگیتر اور محبوبہ کی حیثیت سے ہر دم اس کی ناز برداریوں میں لگے رہتے مگر وہاں وہی اک خاموشی تھی۔ سب کے جواب کے مصداق طوبیٰ کا طرز عمل پہلے ہی جیسا تھا ویسے بھی وہ ہر دم گم صم اور کھوئی کھوئی سی رہتی تھی۔ اور یہی بات آصف کو بڑی کھٹکتی تھی۔ طرح طرح کے اندیشے ان کے دل میں سر ابھارنے لگتے تھے۔ نہ معلوم کیا بات ہے۔ ایسی کیا افتاد پڑی ہے اس پر، یہاں سے جانے کے بعد جو یہ اپنی زندگی سے ہی بیزار نظر آتی ہے اپنے ان

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

شکوک اور وسوسوں کا اظہار کئی بار وہ شفق پر بھی کر چکے تھے جو انہیں یہی کہہ کر ٹال دیتی تھیں۔

''لو بھلا اس پر تو یہاں آتے ہی غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ مصیبتوں کے باب کھل گئے تھے۔ اس پر ہم نے اسے در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے گھر سے ہی نکال دیا تھا۔ وہ بے چاری تنگ ہو گئی اپنی حفاظت کرتے کرتے اسی لیے خودکشی کے سوا اسے کوئی چارہ ہی نظر نہ آیا ہوگا۔'' یا پھر کہتیں

''تمہیں اس انداز میں نہیں سوچنا چاہیے۔ اگر اسے تمہارے خیالات کا علم ہو گیا تو وہ بھلا دل میں کیا سوچے گی۔

بھئی، اگر تم اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہو تو پھر اس کا خیال ہی چھوڑ دو۔ لیکن تم اگر یہ چاہو کہ اسے مجبور کر کے کچھ پوچھوں تو یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔'' اور آصف جھلا کر کہتے۔

''آپ میری بات کو ہمیشہ اُلٹا ہی سمجھتی ہیں میں اگر ان کی طرف سے بدگمان ہوتا تو انہیں پلٹ کر پوچھتا تک نہیں میں تو اس خیال سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کی یہ خاموشی جس وجہ سے بھی ہو اس کے بارے میں ہمیں علم ہو جائے تو کم از کم ہم اس کا کوئی تدارک تو کر سکیں۔'' اور یہ الفاظ کہتے ہوئے آصف اندر ہی اندر خود کو ملامت بھی کرتے جاتے۔ کہ وہ اتنا گر کر کیوں سوچتے ہیں۔ بہر حال انہیں یہ اطمینان تو تھا کہ وہ ان کی منگیتر ہے۔ اور وہ اس پر تھوڑا بہت حق تو رکھتے ہیں۔

ادھر طوبیٰ کو بس ایک فکر کھائے جا رہا تھا کہ شفق اپنے گھر واپس جا رہی ہیں۔ اور ان کے جانے کے بعد اس کا تمام تر واسطہ آصف سے پڑے گا۔ آصف جو ہر دم گھر میں ہی جمے نظر آتے تھے۔ گو جب بھی سامنا ہوتا ان کی پُر اشتیاق اور متجسس سی نظریں اس کے وجود کا احاطہ سا کرتی نظر آتیں۔ وہ اس سے بات کرنے کے بہانے تلاش کرتے۔ اس سے بڑے خلوص اور یگانگت سے بات کرتے۔ اس کی بہت سی باتوں کا خیال رکھتے۔ لیکن جانے کیوں طوبیٰ کو ان کی ان باتوں سے وحشت سی ہوتی۔ دل میں تو کوئی اور ہی بسا تھا گو اپنی دانست میں وہ اسے کبھی کا اپنے دل سے نکال کر پھینک چکی تھی۔ اور آصف سے تو وہ شروع ہی سے الرجک سی لگتی تھی۔ شفق کے جانے میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔ اور انہوں نے اسے اپنے ساتھ اپنے کمرے میں رکھ رکھا تھا۔ ماں بیٹیاں اسے بستر سے ہلنے نہ دیتی تھیں اور ہر وقت اس کی ناز برداریوں میں لگی رہتی تھیں اس کے باوجود بھی وہ صوفیہ بیگم اور آصف کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔ اسی وجہ سے اس روز جس کے اگلے دن صبح کو شفق کی روانگی تھی طوبیٰ نے ان سے کہا۔

''میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں بجیا۔ لیکن لیکن صرف اس خلوص کے بل بوتے پر جو آپ بے دریغ مجھ پر لنڈھاتی رہی ہیں۔'' اور شفق پورے دو ہفتے بعد طوبیٰ کو اتنے تم کردہ بھی ایک نرالے انداز میں بات کرتا دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہیں وہ ان کے خلوص کے حوالے سے بات کر رہی تھی انہوں نے تجسس پر قابو پا کر کہا۔

''ہاں ہاں ضرور کہو جو کہنا چاہتی ہو۔ اگر تمہاری بات میری مرضی کے خلاف بھی ہوگی تو یقین جانو میرے خلوص میں ذرہ برابر بھی کمی نہ آئے گی۔''

''آپ لاہور کے کسی ایسے اسکول میں جہاں بورڈنگ بھی ہو میرے لیے کوشش کریں۔'' طوبیٰ نے دھیمے سے لہجے میں آخر دل کی بات کہہ ہی دی۔ اور شفق کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔

''کیوں کیا دوبارہ اسکول میں داخل ہونے کا ارادہ ہے، اور پڑھنا چاہتی ہو تو کالج میں ہی کیوں نہ داخلہ لے لو۔ میٹرک تو تم نے کر ہی لیا ہے۔''

''نہیں میں ٹیچنگ کے خیال سے کہہ رہی تھی۔'' طوبیٰ نے سپاٹ سے لہجے میں بتایا۔

''اچھا اچھا تو تم سروس کرنا چاہتی ہو۔'' شفق نے مسکرا کر کہا اور طوبیٰ خاموش رہی۔

''لیکن میری بہن تم تو صرف میٹرک ہی ہو اور ٹیچر بننے کے لیے گریجویشن کے ساتھ ساتھ بی ایڈ کرنا ضروری ہوتا ہے۔'' شفق نے بڑے ٹھنڈے انداز میں سمجھایا۔

''مگر ہیلپر کے طور پر تو میٹرک کو بھی گوارا کر لیتے ہیں۔'' طوبیٰ بحث کرنے کے سے انداز میں بولی۔

''اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ لیکن تمہیں بیٹھے بٹھائے یہ سروس کرنے کی کیا سوجھی۔ سچ سچ بتانا کیا یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہے۔'' شفق نے اس کی بات پر کچھ دیر تک چپ رہنے کے بعد پوچھا۔

''یہ سوال کر کے تو آپ مجھے شرمندہ ہی کر رہی ہیں مجھے بھلا یہاں کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟'' طوبیٰ نادم سی ہو کر بولی۔

''تو پھر تم یہاں سے کیوں جانا چاہتی ہو۔'' شفق نے بھی صاف گوئی سے کام لیا۔ اور طوبیٰ یوں چپ ہو گئی جیسے اس سے ان کے سوال کا جواب ہی نہ بن رہا ہو۔

''میرے خیال میں تم بوریت کے خیال سے۔'' شفق نے کہنا چاہا مگر طوبیٰ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں بوریت کیسی، البتہ ایک خدشہ ضرور ہے بجیا۔'' طوبیٰ اپنی صاف گو فطرت کے باوجود اپنی بات کہتے ہوئے جھجکی تو شفق نے کہا۔

''ہاں ہاں کہو۔ کیا کہنا چاہ رہی ہو۔ کم از کم مجھ سے تو کچھ نہ چھپایا کرو کیا تمہیں میرے خلوص پر اعتماد نہیں۔'' شفق کے لہجے میں گلہ سا شامل تھا۔ قدرے توقف کے بعد طوبیٰ نے دبی زبان سے کہا۔

''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کن وجوہات کی بنا پر میں یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئی تھی۔ اور اب آپ کے جانے کے بعد کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو گئی۔ میرا مطلب ہے آج کل تو آصف صاحب یہیں موجود ہیں۔'' طوبیٰ کی بات میں وزن تھا جو شفق کے دل کو بھی لگی تھی مگر کچھ دیر تک وہ اس کی بات سن کر ہنستی ہی چلی گئیں۔

''اس وقت حالات دوسرے تھے میری بہن کیونکہ امی جان کو تمہاری حقیقت سے یکسر لاعلم رکھا گیا تھا مگر تمہارے جانے کے بعد جب امی جان کو حقیقت کا علم ہوا تو وہ آٹھ آٹھ آنسو روئیں بلکہ اب بھی روتی ہی رہتی ہیں۔ کیا تم نے ان کے طرزِ عمل میں اتنی زبردست تبدیلی محسوس نہیں کی رہ گئے آصف تو وہ آزاد خیال اور خود سر ضرور ہیں مگر ایسے گرے پڑے نہیں کہ تمہیں ان کی ذات سے تقدس حفظ و امن کا خطرہ ہو۔''

شفق اسے اطمینان دلاتے ہوئے بولیں تو طوبیٰ کو اتنی سنجیدگی میں بھی ان کے تقدس حفظ و امن کا خطرہ کہنے پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ جسے اس نے فوراً ہی دبا لیا۔ شفق پھر بڑی دیر تک اسے صوفیہ بیگم کے بارے میں بتاتی رہیں کہ حقیقت کا علم ہونے کے بعد وہ اپنی زیادتیوں پر وہ کس قدر کلسی، روتی اور تڑپی

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

تھیں سب کچھ سن کر طوبیٰ کو قدرے اطمینان ہوا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''اب یہ ننھا منا سا ہوا چلا جائے گا تو اس کے بغیر کیسے رہ سکوں گی۔'' اس نے یہ فقرہ شہزاد کے پھول سے رخساروں کو چھو کر کہا تھا جو اس کے پاس ہی بستر پر سو رہا تھا۔ اس کی بات پر شفق نے اپنی آنکھوں میں حد درجہ شوخی بھر کر کہا۔

''فکر نہ کرو ڈیڑھ دو سال میں ان شاء اللہ تمہیں بھی ایک ایسا ہی ننھا منا سا ہوا مل جائے گا۔'' اور اس کی بات ناگوار گزرنے کے باوجود شرم سے سرخ پڑتا طوبیٰ کا چہرہ جھک گیا۔ شفق بچے کی چیزوں میں مصروف تھیں اور اس کے کپڑے استری کر کے اس کے ننھے سے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھیں۔ انہوں نے سوٹ کیس کا ڈھکنا بند کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا میں ذوالفقار محل گئی تھی۔'' اور طوبیٰ کو اچانک یوں لگا جیسے اس کے سینے [illegible] نے گھونسہ مار دیا ہو۔ وہ کچھ بھی نہیں بولی۔ بلکہ چہرہ جھکا کے شہزاد کو دیکھتی رہی۔ ''شہزادی [illegible] بہت پوچھ رہی تھیں۔ اب میں انہیں کیا بتاتی بس یہی کہہ دیا کہ اپنی جائیداد فروخت کرنے کے سلسلے میں تم لاہور گئی ہوئی ہو۔'' شفق نے اس کی خاموشی کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور خود ہی کہتی رہیں۔

''اگر تم سے ان کی ملاقات ہو تو تم بھی یہی کہنا۔ ہاں کہیں میں جھوٹی نہ پڑوں۔'' شفق نے [illegible] اس کا دل چاہا ان سے کہہ دے کہ مجھے شہزادی صاحبہ کی صورت تک دیکھنی گوارا نہیں مگر وہ خاموش رہی۔

''اب تو امی جان بھی تم پر کوئی پابندی عائد نہیں کریں گی۔ تم ایسا کرنا کہ مہینے میں ایک دو بار یہاں چلی جایا کرنا۔ بڑی دلچسپ شے ہیں۔ ذرا اچھا [illegible] پاس ہو جایا کرے گا تمہارا۔'' اور [illegible] ہی گھبرا کر طوبیٰ نے کہا۔

''نہیں نہیں میرا دل اب کسی سے بھی ملنے کو نہیں چاہتا۔ ویسے بھی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

جس طرح گھبرا کر اور بلبلا کر طوبیٰ نے کہا تھا شفق متعجب سی اس کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ عجیب [illegible] ہے انہوں نے سوچا یا تو شہوار سے ملنے کے لیے پھڑکا کرتی تھی یا اب اس طرح گھبرا رہی ہے جیسے [illegible] اسے سالم ہی تو نگل لیں گی۔ شاید پے در پے مشکلات اور صدمات کا سامنا کرنے کی وجہ سے اس کا دل ہر چیز سے بھر گیا ہے بے چاری نے مصیبتیں بھی تو کتنی اٹھائی ہیں۔ پھر ایک دم ہی اس خیال سے ان کا دل اس کی ہمدردی سے لبریز ہو گیا۔ استری کو اسٹینڈ کے پہلو میں رکھ کر یہی سوچتی وہ کمرے سے باہر آ گئیں۔ موضوع سخن چونکہ شہوار بن گئی تھیں اس لیے باہر نکلتے ہی انہیں خیال آیا کہ کیوں نہ میں چلتے چلتے فون پر ہی شہوار سے ملاقات کر لوں۔ اس روز تو طوبیٰ کے ذکر سے کچھ ایسی سٹ پٹائی تھیں کہ ڈھنگ سے بات ہی نہ ہو سکی تھی۔ اور پھر اب تو خدا کے فضل سے طوبیٰ آ ہی گئی ہے۔ آخر اپنے جھوٹ کو گھر تک پہنچانا بھی تو ضروری ہے۔ ابھی صرف بارہ ہی بجے ہیں ابھی تو انہوں نے کھانا بھی نہ کھایا ہو گا۔ لہٰذا طوبیٰ کی آمد پر ایک سرخروئی کا احساس لیے وہ فون کی طرف بڑھ گئیں۔ ہمیشہ کی طرح فون شہوار نے ہی ریسیو کیا اور شفق کی آواز سنتے ہی بولیں۔

''اوہ آپ مسز شوکت کہیے آج کیسے یاد کر لیا۔'' مسز شوکت اور پھر روادارانہ سا لہجہ۔ ایک عجیب سی کھنک تھی ان کے فقرے میں۔ شفق کے فون کرنے کی ساری لگن سرد پڑ گئی۔

READING Section

''بس وہ کل میری روانگی ہے نا۔ اس لیے سوچا کہ چلتے چلتے فون پر ہی آپ سے ملاقات کرتی جاؤں سب خیریت تو ہے نا؟''

''جی ہاں بفضل تعالیٰ خیریت ہی ہے۔ مگر ہم تو سمجھ رہے تھے کہ آپ اب تک اپنے گھر پہنچ کر پرانی بھی ہو چکی ہوں گی۔'' شہوار کا لہجہ کیسا پرایا پرایا سا تھا۔ شفق محسوس کیے بغیر نہ رہیں۔

''جی ہاں جانے کا ارادہ تو بہت پہلے ہی تھا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ طوبیٰ آ گئیں۔ بس ان کی وجہ سے ٹھہرنا پڑا۔''

''کیا کہا۔ طوبیٰ آ گئیں؟ کہیں آپ مذاق تو نہیں کر رہی ہیں بجیا؟'' شہوار نے کچھ اس قدر بے ساختہ انداز میں پوچھا کہ شفق سنجیدہ ہو کر بولیں۔

''میرا آپ سے مذاق کرنے کا کوئی رشتہ تو نہیں ہوتا۔ ویسے بھی آپ کا بہت احترام کرتی ہوں اور ان کا آنا کوئی ایسی غیر ممکن یا تعجب خیز بات تو نہیں۔ لاہور میں ان کا کام ختم ہو گیا تو وہ واپس ہمارے پاس چلی آئیں۔''

''اچھا اچھا۔ مگر اس وقت وہ کیا کر رہی ہیں؟'' شہوار خود اپنے سوال کرنے کے انداز پر خفیف سی ہو کر بولیں۔ اور شفق کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں وہ جلدی سے بولیں۔

''اس وقت تو وہ امی جان کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہیں۔''

''ہوں تو گویا آپ واقعی کل جا رہی ہیں۔'' شہوار بڑے بے تکے پن سے بات کر رہی تھیں۔

''جی ان شاء اللہ یقیناً۔'' شفق بولیں۔ اور پھر انہوں نے عجلت دکھاتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب اجازت۔ اب تو کراچی بہت دور ہے۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ پھر ملاقات ہو گی۔''

''بہتر ہے خدا حافظ۔'' شہوار نے کہا اور فوراً ہی ریسیور رکھ دیا۔ اور شفق بھی ریسیور کریڈل پر ڈال کر سوچنے لگیں کہ طوبیٰ کو بتائیں یا نہ بتائیں کہ انہوں نے شہوار کو فون کیا تھا۔ بہر حال طوبیٰ کی آمد کی اطلاع دے کر ان کے دل سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔

☆......☆......☆

دل میں کہیں تھا کوئی تو جلتے رہے چراغ
جاتے ہوئے وہ شوخ انہیں بھی بجھا گیا

وقت کی اڑان دنوں اور ہفتوں کو اپنے پیچھے چھوڑتی آگے بڑھتی ہی جا رہی تھی اور یوں چار ہفتے ہو گئے تھے طوبیٰ کو ذوالفقار کا محل چھوڑے۔ آغا بختیار اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکے تھے۔ ذیابیطس اور بلڈ پریشر کی بیماری تو انہیں ورثے میں ملی تھی۔ مگر اب تو ان کا بلڈ پریشر بھی کافی حد تک اطمینان بخش تھا۔ رہا پرہیز تو وہ گردے کے آپریشن سے بہت پہلے ہی سے کرتے آ رہے تھے۔ جب سے آغا بختیار علیل ہوئے تھے۔ شہوار دن میں دو تین بار انہیں دیکھنے ضرور آتی تھیں مگر شہریار اول تو دن کا بیشتر وقت گھر سے باہر ہی رہ کر گزارتے تھے۔ دوسرے اگر گھر میں بھی ہوتے تو اپنے کمرے میں بند رہتے تھے۔ صبح کی چہل قدمی اور شام کے تفریحی مشاغل تقریباً انہوں نے ترک ہی کر دیے تھے۔ انہیں اس بات کا بہت ملال تھا کہ طوبیٰ کے ساتھ سخت زیادتی ہوئی ہے۔ اس گھر سے جہاں سے ناداروں اور بے سہاروں کو امداد اور تحفظ ملتا ہے۔ طوبیٰ کو ذلیل و خوار اور بے ٹھکانہ کر کے نکالا گیا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

جانے کیسا جذبہ تھا کیسی محبت تھی انہیں طوبیٰ سے کہ جب تک وہ ان کی پناہ میں تھی انہوں نے اس کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے کچھ سوچنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ مگر اب جبکہ وہ چلی گئی تو ان کے سارے جذبے بیدار ہو گئے تھے۔ سارے احساسات جاگ اُٹھے تھے۔ پہلے وہ ان کے لیے معمہ بنی ہوئی تھی وہ اس کی طرف سے مشکوک بھی رہتے تھے۔ اور تجسس بھی۔ اور اس کے بارے میں وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے تھے۔ جی چاہتا اس سے بات کریں اور ربط ضبط بڑھائیں کچھ اپنی کہیں کچھ اس کی سنیں مگر طبیعت گوارا نہ کرتی۔ اپنی برتری۔ اپنے اصول اور روایات آڑے آ جاتے۔ اس لیے انہوں نے کبھی اسے کریدنے کی کوشش نہ کی تھی۔ کبھی یہ جاننے کی ضرورت بھی نہ سمجھی تھی کہ کون وہ بے چاری بنا پر وہ گھر سے بے گھر ہو کر اِدھر اُدھر ماری ماری پھر رہی ہے۔

اگر وہ انہیں گل رُخ کے روپ میں نہ ملتی تو وہ کبھی یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہ کرتے کہ اس نے اس روپ میں خود کو ڈھالنے پر اسے کس بات نے مجبور کیا تھا انہیں یاد تھا کہ جب وہ نہایت اتفاق سے گل رُخ کے روپ میں اس سے ٹکرائی تھی تو کسی قبائلی لڑکی نے اسے آواز دی تھی اور اس کے بعد ایک جیپ کے اسٹارٹ ہونے اور روانہ ہونے کی آواز آئی تھی اور یہ جیپ بلاشبہ اسی کی تھی جب وہ گل رُخ کا پیچھا کرتے تیزی سے اس پگڈنڈی تک آئے تھے تو انہوں نے دور ہوتی جیپ کو دیکھ لیا تھا۔ لیکن اس وقت تک تو ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ طوبیٰ ان کے ایک ملازم دلبر خان کے قبضے میں بھی ہو سکتی ہے اسی وجہ سے محض ایک مغالطہ سمجھ کر انہوں نے اس معاملے کو نظر انداز کر دیا تھا جب خود طوبیٰ ہی حادثتاً ان کی گاڑی سے ٹکرائی اور وہ اسے اٹھا کر کرنل شفیق کے کلینک میں داخل کر آئے تو انہیں اس کے بارے میں ایک چینک سی لگ گئی۔ خود بار بار دلبر خان سے اس کے بارے میں معلومات کرنا انہیں اپنے وقار کے منافی لگا۔ اس لیے انہوں نے اپنے ایک پرانے نمک خوار کے ذریعے معلومات کرائیں تو سب کچھ کھل کر سامنے آ گیا۔

اور یہ ان دنوں کی بات تھی جب وہ طوبیٰ کے خیال میں اسے شہوار کے سپرد کر کے یکسر بھلا چکے تھے اور ان کے لیے یہ واقعی بڑی ہتک کی بات تھی کہ وہ ایک مغویہ لڑکی کو جس کے ماضی کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ بلا سوچے سمجھے اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھا لیتے جب کہ وہاں تو غیرت کی دھار پر اگر ہلکا سا بھی دندانہ پڑ جاتا تو جانوں کی بازیاں لگ جاتیں۔ حق اور ناحق جانے کتنے ہو جاتے۔ اس کے باوجود بھی وہ اسے دل سے پسند کرتے تھے بلکہ اس سے محبت کرتے تھے۔ اور یہ غیر فطری اور غیر امکانی بات تھی۔

پھر اس نے اچانک ان کے کمرے میں داخل ہو کر ہر تصور اور ہر احساس بھک سے اڑا دیا تھا مردان خانے میں شام کے وقت وہ بھی ان کی خوابگاہ میں اس کی آمد.... ناقابل یقین ہی نہیں ان کے اصولوں کے خلاف تھی۔

کیونکہ وہ خواہ کتنے ہی بلند مرتبہ ہی ایک مرد کا.... دل اور ذہنیت رکھتے تھے۔

اور مرد خواہ کتنا ہی عالی ظرف اور اعلا وارفع خیالات کا حامل کیوں نہ ہو۔ ذہنیت ایک عام سی ہی رکھتا ہے۔ سو شہریار نے بھی بڑے واضح طریقے سے اپنی ذہنیت کا اظہار کیا۔

انہوں نے بلا یہ جانے اور سمجھے کہ چونکہ انہوں نے ہی اس گھر کا راستہ اسے دکھایا ہے اسے پناہ دی

ہے لہٰذا یہاں سوائے ان کے وہ اپنی کوئی الجھن کوئی دشواری کوئی بات کسی اور سے نہیں کہہ سکتی۔ اس کی آمد کو ایک غلط رنگ دے کر وہ بات بھی اگل ڈالی جسے نہ اگلنے کا وہ تہیہ کر چکے تھے۔

انہوں نے اپنی مرد کی عاجلانہ اور بدگمان فطرت سے مجبور ہو کر اسے دلبر خان کے یہاں رہنے کا طعنہ دے ہی دیا۔ لیکن وہ جس قدر حسین تھی اسی قدر صاف گو غیور اور کھری تھی۔ اس نے اپنی صفائی میں جو کچھ بھی کہا تھا ان کے خیال میں کوئی بھی مشتبہ اور بے کردار لڑکی نہیں کہہ سکتی تھی۔ جبھی تو وہ قائل ہی نہیں نادم سے ہو کر رہ گئے تھے۔ بلکہ اپنے جذبے کو اس کے سامنے عیاں کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور اب اس کے لیے بے چین اور بے قرار تھے۔

مگر بہت ٹھوس اور اٹل طبیعت پائی تھی۔ باپ سے معافی بھی مانگ چکے تھے۔ اور باپ نے یہ کہہ کر ان کی جان بخشی کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے یہ تمہاری پہلی غلطی ہے اس لیے معاف کرتا ہوں مگر تم اسے اپنی آخری غلطی سمجھنا۔ اور آئندہ ایسی کوئی غلط بات سوچنا بھی نہیں۔"

باپ کی جہاندیدہ نظروں سے بیٹے کی زبوں حالی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اور باپ تو باپ بہن بھی ان کی حالت زار سے واقف تھیں لیکن وہ بھائی کو اس معاملے میں حق بجانب نہ سمجھتی تھیں اور پھر سب سے بڑھ کر وہ بھائی کے ہاتھوں کی گئی اپنی توہین پر ان سے سخت بددل اور کشیدہ ہو گئی تھیں۔ اس پر مستزاد دونوں اپنے طور پر ایک دوسرے سے ناراض تھے حتیٰ کہ بات چیت بھی بند تھی۔

چونکہ بہن کی ذہنیت اور خیالات جان کر شہریار کے احساسات کو دھچکا لگا تھا اس لیے وہ ناراض ہونے میں خود کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ لیکن شہوار کا معاملہ ان کے یکسر برعکس تھا وہ بھائی کے ہاتھوں کی گئی اپنی توہین کا ذمہ دار طوبیٰ کو سمجھتی تھیں۔ بھائی کو بے انتہا چاہتی تھیں اور زندگی میں پہلی بار آپس کی اس شکر رنجی پر بہت متاسف اور ملول رہتی تھیں۔

مگر بڑے باپ کی وہ بھی تھیں۔

شہریار کی طرح غیور خوددار اور حساس۔

بھائی سے بات کرنے میں پہل کرنا ان کے وقار کے منافی تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے کہ تنہا کمرے میں بیٹھ کر بھائی کی ناراضگی کا خیال زیادہ ستاتا تھا۔ وہ صبح دس بجے سے دوپہر کے کھانے تک کا عرصہ باپ کے پاس بیٹھ کر گزارتی تھیں۔ اور اگر اس دوران میں شہریار بھی وہاں آ جاتے تو انہیں اشارے سے سلام کر کے وہ زنان خانے میں آ جاتیں یا اگر بیٹھی بھی رہتیں تو ایسی لاتعلق جیسے بھائی سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ باپ بھی اپنے بچوں کے رنگ دیکھ اور محسوس کر رہے تھے مگر انہوں نے انہیں ٹوکا یا ان سے کچھ پوچھا نہ تھا۔

اس روز شہوار ناشتے کے بعد ملازمہ کو کھانا تیار کرنے کی ہدایت دے کر باپ کی طرف جا رہی تھیں کہ ایک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اور جاتے جاتے شہوار نے پلٹ کر فون ریسیو کیا اور شفیق کی آواز سن کر ان کا جی چاہا کہ فون بند کر دیں مگر ہیلو کہہ کر انہیں اپنی آواز سنا چکی تھیں۔ اور پھر اب ان کا دل چاہ رہا تھا کہ ان کو غلط بیانی سے کام لینے پر ذرا قائل اور شرمندہ تو کریں۔ اور انہیں یہ بھی بتا دیں کہ طوبیٰ خاصے دنوں سے تک ہمارے ہاں بھی رہی ہے مگر انہوں نے ابھی بات کی ابتدا ہی کی تھی کہ شفیق نے انکشاف کیا کہ وہ ان کے پاس آ گئی ہے۔ ایک دم ہی تو انہیں یقین نہیں آیا۔ لیکن جب اس نے سنجیدگی اختیار کی تو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

انہیں یقین ہی کر لینا پڑا۔ اس کی وجہ سے اتنا کچھ ہوا تھا کہ باپ بیمار پڑ گئے تھے۔ بھائی سے ... گھر کے ماحول میں تلخیاں رچ گئی تھیں اس پر شفق نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگلے دن صبح ...

جب کہ شہوار چاہ رہی تھیں کہ کسی طرح شفق سے مل کر طوبیٰ کی اصلیت کو بے نقاب کر ... سے کرا دیں۔ مگر اب تو موقع تھا نہ وقت' اسی وجہ سے کچھ دیر سوچ کر شہوار طوبیٰ والے رہائشی ... پہنچیں سوٹ کیس کھولا اور اس کی تہہ میں پڑی پوٹلی سے وہ تصویر نکالی اور باہر دھوپ ... دالانوں میں آ کر اسے غور سے دیکھا یہ کسی خوبصورت عورت کی تصویر تھی جس نے انہی کا ... پہن رکھا تھا۔ اور موٹی موٹی چوٹیاں سینے پر ڈالے وہ کسی نومولود بچے کو گود میں لیے مسکرا رہی ... کہ پہلے روز اس تصویر کو دیکھ کر شہوار نے یہی سمجھا تھا کہ وہ طوبیٰ اور اس کی ماں کی تصویر ہے ... خاتون کی شکل و صورت اور لباس ان کے خیال کی نفی کر رہا تھا۔ وہ طوبیٰ کی دلبر خان کے ... کی رہائش سے بھی قطعی لاعلم تھیں' ورنہ تصویر دیکھ کر انہیں اتنا الجھنا نہ پڑتا بلکہ وہ یہی سمجھتیں کہ ... خان کے کنبے میں سے ہی کسی کی ہوگی۔ بہر حال کچھ سوچ کر وہ تصویر کو ہاتھ میں لیے اپنے ... پہنچیں اپنی نوٹ بک میں تصویر کو رکھا' الماری کھول کر انگوٹھی نکالی اور اسے انگلی میں پہن ... کمرے کا رخ کیا۔ اس سے ان کے دل و دماغ میں عجیب کھد بد ہو رہی تھی۔

آغا بختیار اپنے بیڈ پر تکیوں کے سہارے فروکش تھے اور صبح کے کسی اخبار کا مطالعہ کر رہے ... نے آ کر انہیں سلام کیا اور خود بھی سائیڈ ٹیبل پر پڑا ایک اخبار اٹھا کر اس کا مطالعہ کرنے لگیں ... کی اوٹ سے بار بار باپ کی طرف دیکھتی جا رہی تھیں۔

شہوار کی سمجھ میں نہ آیا کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتی تھیں کس طور پر اس کی ابتدا کریں اور ان ... پر آغا بختیار نے اخبار ایک طرف رکھ کر غور سے ان کی طرف دیکھا۔

''کیا تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی نہیں آغا جان۔ وہ بس۔ وہ میں آپ کو کچھ دکھانا چاہ رہی تھی۔''

''اچھا۔ مگر کیا چیز ہے وہ؟ تم کیا دکھانا چاہتی ہو؟'' آغا بختیار نے بیٹی کے جھجک جھجک کر بات ... پر متجسس ہو کر پوچھا۔

''یہ۔ یہ آغا جان۔'' شہوار نے انگلی سے انگوٹھی اتار کر ان کی طرف بڑھا دی۔ اور آغا ... انگوٹھی ان کے ہاتھ سے لے کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

''یہ تمہارے پاس کیسے آ گئی؟'' اور تبھی نہ جانے کیونکر شہریار اندر آ گئے اور شہوار اتنی بوکھلا ... باپ کو جواب دینا بھی بھول گئیں۔

''بتاؤ لڑکی یہ تمہارے پاس کیسے آئی۔ جب کہ اسے تو۔'' اور ان کی بات قطع کر کے شہریار نے کہا ...

''غالباً یہ چرائی گئی ہے آغا جان!'' ان کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ شہوار نے گھبرا کر بھائی ... اور بولیں۔

''وہ نہیں نہیں یہ۔ طوبیٰ کے سامان میں سے ملی ہے۔ آغا جان اور۔ اور۔''

''وہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ یہ چرائی گئی ہے۔'' شہریار بہن پر آنکھیں نکال کر بڑے ... میں بولے۔

''ہائیں تو کیا وہ چور بھی تھی؟ پھر تو اس نے اور بھی بہت کچھ چرایا ہوگا۔'' آغا بختیار نے شہریار کی طرف ملامت بھری نظروں سے دیکھ کر گرج کر کہا۔ تو شہریار کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا انہوں نے بہن پر ایک شعلہ باری نظر ڈالی اور بولے۔

''یہ تو شیری کو ہی معلوم ہوگا آغا جان! انہوں نے ہی طوبیٰ کے سامان کی تلاشی لی ہے۔''

''اوہ نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ دور تک بھی نہیں ہے آغا جان۔ یہ تو طوبیٰ کی انگوٹھی ہے جو پہلی بار ملاقات پر بھی میں نے ان کی انگلی میں پڑی دیکھی تھی۔'' بات اس حد تک بگڑتی دیکھ کر آخر شہوار کو اپنے حواسوں پر قابو پانا ہی پڑا۔

''ہیں! یہ طوبیٰ کی انگوٹھی ہے؟'' دونوں باپ بیٹے کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''مگر یہ طوبیٰ کی کیسے ہو سکتی ہے؟'' آغا بختیار پہلو بدل کر بولے۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' شہریار نے کہا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر جب وہ پہلی بار اپنی کزن کے ساتھ ہم سے ملنے آئی تھیں تو انہوں نے یہی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔'' شہوار... انگوٹھی کے انکشاف کا اتنا شدید ردعمل دیکھ کر خود ہی چور سی بن گئیں۔

''اگر تم نے اپنی آنکھوں سے انہیں یہ انگوٹھی پہنے دیکھا تھا تو بتایا کیوں نہیں؟'' شہریار نے اپنی دانست میں بہت تیز دھار سا سوال کیا۔

''کیونکہ میں نے یہی سوچا تھا کہ ایک سے ڈیزائن کیا کسی کے پاس ہوتے نہیں۔ اور پھر میں نے زیادہ توجہ بھی نہیں دی تھی جب کہ یہاں رہائش کے دوران بھی شروع شروع میں' میں نے انہیں پہنے دیکھا تھا۔'' شہوار نے گویا تفصیل بیان کی۔

''پھر تو وہ یقیناً تمہاری نظروں کا دھوکا ہی ہوگا۔ جاؤ شہر (وہ لاڈ میں شہریار کو شہر کہتے تھے) ذرا سیف میں تو جا کر دیکھو اور کیا کیا اڑایا گیا ہے؟'' آغا بختیار نے کہا ان کے تیور بگڑ چکے تھے۔ اس لیے اس معاملے میں شہوار نے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

شہریار نے فوری طور پر باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ ان سے سیف کی چابی لے کر وہ ان کی خوابگاہ سے ملحق ایک چھوٹے سے پارلر کی طرف بڑھے جس کی سامنے والی دیوار پر ان کے آباؤ اجداد کی تصویریں آویزاں تھیں اور جن کی بیچوں بیچ آغا بختیار کی ایک فریم شدہ قد آدم تصویر لگی ہوئی تھی جسے انہوں نے بڑی احتیاط سے اتارا اور دیوار میں لگی کیل کو دبایا تو دیوار آہستہ سے سرک کر ایک طرف سمٹ گئی اور آہنی سیف نظر آنے لگا۔ جسے کھول کر بڑی دیر شہریار اسے کھنگالتے رہے۔ اور پھر اسے بند کر کے ان دونوں کی طرف واپس پلٹے۔ آغا بختیار اس دوران بڑے مضطرب اور متجسس سے رہے تھے انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

''کیا کچھ باقی بھی رہا؟'' اور شہریار جو بڑے الجھے الجھے سے نظر آ رہے تھے دھیمے سے لہجے میں بولے۔

''سب کچھ جوں کا توں ہے آغا جان۔''

''اور وہ انگوٹھی؟'' بے یقینی کی ناؤ میں ہچکولے کھاتے آغا بختیار نے تھوڑا سا اچک کر پوچھا تو جواب میں شہریار نے اپنی بند مٹھی کھول کر ان کے سامنے کر دی آغا بختیار کچھ دیر ہکا بکا سے اس انگوٹھی کی طرف دیکھتے رہے پھر انہوں نے طوبیٰ والی انگوٹھی کا اس سے موازنہ کیا کچھ سوچا اور پھر بستر سے اتر کر کھڑے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ہو گئے۔

''کہاں ہے وہ لڑکی جلدی بتاؤ؟'' وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ شہوار تو شہوار۔ شہریار بھی [illegible] گئے۔

''وہ۔ وہ تو اسی روز بلکہ اسی وقت چلی گئی تھی۔'' شہوار نے سہمے سہمے سے انداز میں دبی زبان بتایا۔

''مگر کہاں؟ کہاں چلی گئی وہ؟'' آغا بختیار یہ بھی بھول گئے کہ اس کے جانے کی خبر انہیں دی [illegible] ہے۔

''معلوم نہیں آغا جان۔ جس طرح آئی تھی اسی طرح چلی بھی گئی۔ اب تو نہ جانے کہاں [illegible]'' شہوار نے کہا۔

''کیا طوبیٰ کے سامان میں کوئی اور بھی قابلِ ذکر چیز ملی ہے؟''

''نہیں۔ ایک بہت ہی پرانا دوپٹہ اس انگوٹھی کے ساتھ برآمد ہوا تھا۔'' شہوار نے سوچا [illegible] بارے میں کچھ کہنا بیکار ہی ہے۔ ''مگر یہ دونوں چیزیں کیا کسی ڈبے وغیرہ میں بند تھیں؟'' شہریار نے تفتیش کرنے کے سے انداز میں پوچھا اصل میں تو وہ باپ سے طوبیٰ کے بچا اور [illegible] بارے میں مزید کسی استفسار سے بچ رہے تھے۔

''نہیں ایک بڑے سے دست مال میں لپٹی ہوئی تھیں اور ہاں ایک چھوٹی سی بہت پرانی تصویر [illegible] تھی۔''

''تصویر؟'' آغا بختیار جو خاموش بیٹھے بظاہر دونوں انگوٹھیوں کو ملا کر دیکھ رہے تھے [illegible] ان دونوں کی گفتگو پر لگے تھے چونک کر بولے۔ اور شہریار اور شہوار نے تعجب سے ایک دوسرے کی [illegible] دیکھا کہ باپ اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔

''کہاں ہے وہ تصویر؟ جاؤ لے کر آؤ۔'' آغا بختیار نے دونوں کو خاموش دیکھ کر کہا اور شہوار [illegible] خاموشی سے گود میں رکھی نوٹ بک سے وہ تصویر نکال کر انہیں تھما دی۔ آغا بختیار تصویر ہاتھ میں [illegible] بستر پر تک گئے اور تکیے کے قریب رکھی اپنی نظر کی عینک اٹھا کر آنکھوں پر لگائی پھر شہریار سے بولے۔

''یہ ادھر کی لائٹ کھول دو۔'' شہریار نے بڑھ کر سوئچ دبا دیا اور آغا بختیار غور سے وہ تصویر دیکھنے [illegible] اور پھر یوں ساکت اور صامت سے ہو گئے کہ دونوں کو تشویش سی ہونے لگی کہ کہیں انہیں سکتہ تو [illegible] ہو گیا۔ شہوار گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کہاں رہتا ہے اس کا چچا تم نے بتایا نہیں؟'' اور تبھی آغا بختیار نے اپنی مخصوص پاٹ دار آواز [illegible] پوچھا تو شہوار جو پہلے سے ڈری ڈری سی کھڑی تھیں ان کی آواز سن کر اچھل سی پڑیں۔

''کینٹ ایریا میں آغا جان۔'' شہریار نے بتایا۔

''اچھا۔ کینٹ ایریا میں۔ تو چلو مجھے ابھی اس کے پاس لے چلو۔'' آغا بختیار پھر اٹھ کھڑے [illegible] تو شہریار گھبرا سے گئے۔

''آپ۔ آپ طوبیٰ کے چچا کے یہاں جانا چاہتے ہیں آغا جان؟'' شہوار اپنی حیرت پر قابو نہ پا [illegible] انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

''ہاں ابھی اور اسی وقت۔'' آغا بختیار اٹل لہجے میں بولے۔

''اُف یہ آغا جان وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں۔'' شہریار کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ انہیں میجر صاحب کے یہاں جانے سے باز رکھنے کی کوشش میں بولے۔

''لیکن آغا جان آپ کا ان لوگوں کے یہاں تشریف لے جانا کسی طور پر بھی مناسب نہیں۔ اور پھر طوبیٰ کے وہاں ملنے کا کوئی امکان بھی نہیں۔ انہی کے یہاں سے نکل کر تو وہ در در کی ٹھوکریں کھاتی ہوئی یہاں پہنچی تھی۔''

''تو پھر تمہارے خیال میں وہ یہاں سے نکل کر کہاں گئی ہوگی؟'' آغا بختیار نے پوچھا وہ بار بار تصویر کو دیکھ رہے تھے۔

''یہ تو خدا ہی جانے کہ وہ کہاں گئی ہوگی لیکن جہاں تک مجھے یقین ہے وہ در در کی ٹھوکریں ہی کھا رہی ہوگی۔'' شہریار نے کہا۔

''نہیں نہیں ایسا نہ ہو۔ میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔''

آغا بختیار مضطرب سے ہو کر بولے تو ان کو اس قدر بے چین اور مضطرب سا دیکھ کر شہریار نے افسردگی سے کہا۔

''خدا بہتر کرے آغا جان ابھی کچھ دن ہوئے ملک شاہنواز بتا رہا تھا کہ کوئی عورت خوشہ نہر میں خود کشی کے ارادے سے کودی تھی۔''

''ہیں خودکشی کے ارادے سے کودی تھی مگر کب؟'' آغا بختیار اچھل سے پڑے۔

''نہیں نہیں چھوٹے آغا وہ کوئی اور عورت ہوگی ورنہ طوبیٰ تو آج کل اپنے بچا کے پاس ہی رہ رہی ہیں۔'' شہوار نے مسکرا کر بتایا تو ان کی مسکراہٹ پر شہریار جز بز سے ہو کر بولے۔

''یہ تم کس موڈ میں بات کر رہی ہو شیری کیا تمہیں آغا جان کا بھی لحاظ نہیں۔'' اور شہوار برا مان کر بولیں۔

''میں بھلا آغا جان کے سامنے کوئی غلط بات کہہ سکتی ہوں چھوٹے آغا؟''

''لیکن بچی تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ لڑکی اپنے بچا کے یہاں ہے؟'' آغا بختیار نے بھی قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی طوبیٰ کی کزن کا فون آیا تھا۔ انہی سے معلوم ہوا ہے۔'' شہوار نے کہا۔

''نیلم، اس کی کزن غلط بھی تو کہہ سکتی ہے جیسا کہ اس نے اس روز تم سے جھوٹ بولا تھا۔'' شہریار [illegible] باپ کی موجودگی کا بھی خیال نہ رہا وہ بے یقینی سے بولے۔

''ہائیں! کس نے جھوٹ بولا تھا۔ کیا بات تھی؟'' آغا بختیار نے پھر دوہرا سوال کیا۔

''وہ طوبیٰ کی کزن ایک روز مجھ سے ملنے آئی تھی۔ لیکن۔ آپ یقین کریں آغا جان طوبیٰ آج کل انہی لوگوں کے پاس ہے۔'' شہوار نے شفق کی غلط بیانی والی بات کا جواب گول کر کے باپ کو یقین دلایا۔

''اگر تمہاری بات سچ ہے تو جاؤ اس لڑکی کو فون کر کے کہو کہ وہ فوراً یہاں چلی آئے۔'' آغا بختیار نے اپنی سادہ لوح فطرت سے زیر ہو کر کہا۔

''لیکن آغا جان، وہ بھلا اتنے جلد یہاں کیسے آ سکتی ہے۔'' شہریار نے جلدی سے کہا۔

''جی ہاں آغا جان یہ ناممکن ہی ہے کیونکہ وہ بہت خود دار اور غیور قسم کی لڑکی ہے اور ہمارے ہاتھوں

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

اس کی بڑی توہین ہوئی ہے۔'' شہوار نے کہا تو طوبیٰ کی طرفداری میں تھا۔ لیکن شہریار نے ان کی بات کو طنز پر محمول کیا۔

''اگر وہ خوددار اور غیور نہ ہوتی تب بھی اس حد تک اپنی ذلت گوارا نہیں کرتی۔'' انہوں نے بھی چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے پھر تو ہم خود اس کے پاس جائیں گے۔ تم شہوار اور میں۔ جاؤ بیٹی تم ابھی ان لوگوں کو فون پر اطلاع دے دو کہ آج سہ پہر پانچ بجے ہم ان کے یہاں آرہے ہیں۔'' آغا بختیار نے گویا بات کو تصفیہ ہی کر دیا۔ اور تھوڑے سے تامل کے بعد شہوار اٹھ کر جانے لگیں تو آغا بختیار بولے۔

''اندر جانے کی کیا ضرورت ہے یہیں سے فون کر لو۔'' شاید انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ اندر جا کر شہوار طوبیٰ کو فون کر لیں گی۔ ان کی بات پر شہوار نے پلٹ کر بھائی کی طرف دیکھا۔

''لیکن آغا جان کیا ہمارا ان لوگوں کے یہاں یوں بن بلائے جانا مناسب رہے گا؟'' شہریار بہن کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر باپ سے پوچھا۔

''کیوں۔ کیا وہ انسان نہیں ہیں۔ اور پھر ہماری رعیت میں سے بھی نہیں ہیں۔ ویسے بھی اچھے شریف خاندان کے لوگ ہیں۔'' آغا بختیار اتنی دیر میں پہلی بار مسکرائے۔ اور تب شہریار اپنے تجسس پر قابو نہ پا سکے۔ آخر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

''آغا جان! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ طوبیٰ سے کیوں ملنا چاہ رہے ہیں؟'' مگر اس سے ان کی تمام تر توجہ شہوار کی طرف تھی۔ جو پارلر میں رکھے فون پر شفق سے بات کر رہی تھیں یا پھر انہوں نے بڑی ان سنی کر دی۔ کچھ ہی دیر بعد ریسیور کریڈل میں ڈال کر باپ کے پاس پلٹ آئیں اور بولیں۔

''میں نے طوبیٰ کی کزن کو اطلاع دے دی ہے کہ آپ آج ساڑھے پانچ بجے ان کے یہاں آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

''تم نے براہ راست طوبیٰ سے بات کیوں نہیں کی؟'' آغا بختیار نے پوچھا۔

''وہ اس وقت اپنی چچی کے ساتھ کہیں باہر گئی ہوئی ہے۔'' شہوار نے شفق کی صبح کی کہی ہوئی بات دہرا دی اور پھر بولیں۔

''آپ کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے کیا اب میں اندر جا سکتی ہوں؟''

''ہاں ہاں جاؤ۔ مگر صرف سوپ اور ویجی ٹیبل مش لے کر آنا۔ میں اس وقت اور کچھ نہیں کھاؤں گا۔'' انہوں نے کہا تو شہوار اسی وقت چلی گئیں۔

''وہ میں جاننا چاہ رہا تھا آغا جان کہ۔'' شہریار نے شہوار کے جاتے ہی پھر اپنا سوال دہرانا چاہا تو ان کی بات قطع کر کے آغا بختیار نے کہا۔ ''ہاں ہاں مجھے معلوم ہے کہ تم کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟'' اور پھر انہوں نے وہ تصویر ان کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''ذرا پہچانو تو یہ کس کی تصویر ہے؟'' اور شہریار ان کے ہاتھ سے تصویر لے کر بڑے غور سے دیکھنے لگے۔

''کچھ پہچانا؟'' آغا بختیار نے کچھ دیر انتظار کر کے پوچھا۔

''جی نہیں آغا جان۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ صورت دیکھی دیکھی سی ہے۔'' شہریار نے تصویر پر نظریں جمائے جمائے کہا۔

''یہ گل جانہ ہے شہر۔'' آغا بختیار نے بتایا ان کے چہرے سے رنج و تاسف سا ہویدا تھا۔ اور اس انکشاف پر شہریار اس بری طرح چونکے کہ تصویر ان کے ہاتھ سے چھٹتے چھٹتے بچی۔ کچھ دیر کو زمین و آسمان ایک ہوتا گیا مگر پھر انہوں نے خود پر قابو پا کر کہنا چاہا۔

''لیکن۔ لیکن آغا جان۔ یہ تصویر۔'' مگر پھر جو وہ کہنا چاہ رہے تھے ان کی خود ہی سمجھ میں آ گیا اور باپ سے مزید کوئی استفسار کرنے کے بجائے ان کے پاس بیٹھ گئے وہ.....

☆☆☆

''امی جان!'' شفق نے تیزی سے صوفیہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو صوفیہ بیگم ہی نہیں طوبیٰ کا بھی جو صوفیہ بیگم کے پاس ہی بیٹھی تھی دل دھک سے رہ گیا۔ الٰہی خیر صوفیہ بیگم نے دل ہی دل میں خیر و عافیت کی دعا مانگی۔ اور بیٹی سے کچھ پوچھنے ہی والی تھیں کہ وہ خود ہی بولیں۔

''امی جان آج سہ پہر کو جاگیردار بمع فیملی ہمارے یہاں آرہے ہیں۔'' شفق ہانپ سی رہی تھیں۔

''اچھا! مگر جاگیردار کا آنا تعجب خیز ہے ان سے تو تمہارے پاپا بھی واقف نہیں۔'' صوفیہ بیگم بولیں اور طوبیٰ اندر ہی اندر دہل اٹھی۔

اس اثنا میں طوبیٰ جو بظاہر بالکل خاموش اور لاتعلق سی بیٹھی تھی مگر دل ہی دل میں ہول سے اٹھ رہے تھے۔ آخر جاگیردار کی آمد کوئی معمولی بات تو نہ تھی۔ ''اف وہ کیوں آرہے ہیں؟ کس وجہ سے آرہے ہیں؟ آخر ایسی کیا ضرور پڑ گئی؟ انہیں یہاں آنے کی؟'' یہی سوچ سوچ کر اس کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ اور اس پریشانی میں وہ دونوں ماں بیٹی کی گفتگو بھی ڈھنگ سے نہ سن سکی تھی۔ جونہی شفق کمرے سے باہر نکلیں وہ بھی اٹھ کر ان کے پیچھے پیچھے ان کے کمرے میں چلی آئی۔ شہزاد واقعی رو رہا تھا۔ اور شفق اس کی ڈنگری بدل رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی بولیں۔

''لو دیکھو۔ ان بچوں کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ماؤں کسی کام میں لگنے والی ہیں ورنہ تو یہ اچھا بھلا سو رہا تھا۔ ابھی تو اس کی فیڈ کا ٹائم بھی نہیں ہوا کہ خواہ مخواہ ہی چیخنا چلانا شروع کر دیا۔'' شہزاد کو گود میں لیے شفق اسے تھپکتی ہوئی بڑی بیزارگی سے بولیں۔ مگر اس کے پیٹ میں تو اچھا رسا اٹھ رہا تھا اور خاموش سی کھڑی رہی۔

''دراصل میں تو تمہاری وجہ سے بڑی اپ سیٹ ہو گئی تھی اس لیے میرا ابھی صفائی ستھرائی کی طرف خیال ہی نہیں گیا مگر اب مجھے ہی یہ ساری کھکھیڑ بھگتنی پڑے گی۔'' اسے خاموش دیکھ کر شفق مسکرا کر بولیں۔

''ارے لو میں بھلا تم سے کوئی کام لوں گی اتنی تو کمزور ہو رہی ہو تم۔ بس دیکھتی رہو میں ایسے چٹکی بجاتے میں گھر کا سارا نقشہ ہی الٹ دیتی ہوں۔''

''لیکن پھر بھی تھوڑا سا آپ کا ہاتھ تو بٹانا ہی۔'' طوبیٰ نے کہنا چاہا۔

''نہیں نہیں میں تنہا اپنا کام اچھی طرح کر لیتی ہوں۔ البتہ اتنا ضرور کرو کہ اس جونک کو گود میں لے کر سلا دو۔ دیکھو کیسا چمٹا ہوا ہے مجھ سے۔'' شفق نے شہزاد کو محبت سے بھینچتے ہوئے کہا اور پھر اسے طوبیٰ کی گود میں دے دیا۔

''پتا نہیں' یہ یکا یک اور بلا نوٹس دیے جاگیردار کو یہاں آنے کی کیا سوجھی۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

''لیکن اطلاع تو انہوں نے دے دی ہے۔'' طوبیٰ شہزاد کو لے کر بستر پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ دل و دماغ تو وسوسوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔

''ہاں یہ تو اچھا ہی کیا۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ لوگ تم سے ہی ملنے آ رہے ہیں۔'' شفق نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''مجھ سے ملنے؟'' طوبیٰ کو جیسے کرنٹ سا لگا۔

''مگر انہیں تو معلوم ہی نہیں کہ میں واپس آ گئی ہوں۔'' وہ ہراساں ہو کر بولی۔

''میں نے شہزادی شہوار کو بتایا تھا۔ آج صبح فون پر میری ان سے بات ہوئی تھی۔'' شفق نے بتایا۔

اف یہ کیا غضب کیا آپ نے۔ طوبیٰ نے ہول کر دل میں کہا۔

''ویسے بھی تمہاری واپسی کے بارے میں انہیں اطلاع دینی ضروری تھی۔'' شفق پھر بولیں۔

''اچھا۔'' طوبیٰ یوں بولی جیسے کہہ رہی ہو۔ آخر کیوں۔ ایسا کیا تعلق ہے۔ ان لوگوں کا مجھ سے جو آپ نے انہیں میرے آنے کی اطلاع دینی ضروری سمجھی۔ شفق بھی اس کے ''اچھا'' کا مطلب سمجھ گئیں اور بولیں۔

''اصل میں وہ میں تمہارے آنے سے چند روز قبل ہی ذوالفقار کا سل گئی تھی اور مجھے تب ہی لگا کہ شہزادی صاحبہ تمہیں بڑا پوچھ رہی تھیں میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ تم اپنی جائیداد فروخت کرنے کے سلسلے میں لاہور گئی ہوئی ہو۔ اب تم آ گئی ہو تو میں نے سوچا اگر ان کے کانوں میں تمہارے متعلق کوئی غلط بات پڑی ہوگی تو کم از کم میرا جھوٹ تو نہ پکڑا جائے گا۔'' انہوں نے سناٹوں کی زد میں آئی ہوئی طوبیٰ کو ایک نظر دیکھا اور پھر بولیں۔

''ظاہر ہے اسی وجہ سے وہ تم سے ملنے آ رہی ہیں۔ تم نے تو نہ معلوم ان پر کیا سحر پھونکا ہے کہ جب میں نے انہیں بتایا کہ طوبیٰ واپس آ گئی ہیں تو فون پر بھی میں نے صاف محسوس کیا کہ وہ خوشی سے اچھل پڑی تھیں۔''

''اف توبہ۔ میں یہاں کھڑی باتیں مٹھار رہی ہوں اور وہاں سارے کام جوں کے توں پڑے ہیں۔ ذرا دیکھوں تو یہ گل کا بچہ کہاں ہے اس کو ہی ساتھ لگاؤں گی اپنے۔'' اتنا کہہ کر شفق جھپ سے باہر نکل گئیں اور طوبیٰ کا دل چاہا انہیں روک کر سب کچھ بتا دے۔ یہ بھی کہہ دے کہ میں ڈھائی ماہ کا عرصہ انہی کے یہاں گزار کر آئی ہوں اور یہ بھی کہ جاگیردار نے مجھے بہت بے عزت کر کے گھر سے نکالا ہے۔ مگر بات اتنی آگے بڑھ گئی تھی کہ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ بے عزتی تو اس کا مقدر ہو چکی تھی۔ وہ لوگ یقیناً میرے بارے میں ہی بتانے آ رہے ہیں ورنہ بھلا جاگیردار کے یہاں آنے کا کیا سوال بہر حال اب تمہیں برے سے برے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے طوبیٰ۔ ویسے بھی آج تمہاری باری ہے طوبیٰ۔ تمہیں ان لوگوں پر ثابت کرنا پڑے گا کہ تم کیا ہو۔ لیکن اتنا کچھ سوچ کر بھی طوبیٰ مطمئن نہ ہو سکی۔ عجب سے وسوسے اور ہول اندر ہی اندر اٹھتے رہے۔ جنہوں نے اسے کسی کام کے قابل نہ رکھا۔

ادھر شفق تھیں کہ کسی جفاکش کوہ کن کی طرح کدال اور پھاوڑا لیے اپنے کام میں جتی نظر آ رہی تھیں۔ گل کی تو جیسے شامت ہی آ گئی تھی۔ اس پر مالی اور جمعدار کو بھی نہیں بخشا تھا انہوں نے دونوں کو لان وغیرہ کی صفائی میں لگا دیا تھا۔ اور پھر اندر آ کر سب سے پہلے میجر صاحب کو فون کیا

تھا۔

''او پاپا آپ! آداب عرض۔'' باپ کی آواز سنتے ہی انہوں نے کہا۔

''جیتی رہو کہو خیریت تو ہے؟''

''جی ہاں پاپا۔ سب خیریت ہی ہے۔ وہ بس ذرا ایک ایمرجنسی پڑ گئی تھی اس لیے آپ کو فون کرنا پڑا۔''

''تو گویا کچھ ہے ضرور۔''

''جی ہاں۔ وہ آپ ذرا وقت سے پہلے گھر آ جائیں میرا مطلب ہے ساڑھے چار تک۔''

''بھئی صاف بتاؤ آخر بات کیا ہے؟'' میجر صاحب پریشان سے ہو اٹھے۔

''وہ اصل میں آج ہمارے یہاں بڑے جاگیردار مع فیملی تشریف لا رہے ہیں۔''

''بڑے جاگیردار آ رہے ہیں؟ مگر کس خوشی میں؟''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں بس ابھی کچھ دیر پہلے ہی شہزادی شہوار نے مجھے فون پر اپنے آنے کی اطلاع دی ہے۔''

''مگر فون پر تم نے شہزادی شہوار کی آواز بھی اچھی طرح پہچان لی تھی؟''

''جی ہاں پہچان لی تھی۔''

''بہر حال اگر یہ عارف کی کوئی شرارت نہیں تو پھر ٹھیک ہے لیکن یہ آصف کہاں ہیں اس وقت؟''

''وہ اپنے کسی فارنر دوست سے ملنے گل پاشا گئے ہوئے ہیں۔''

''اچھا پوری کوشش کروں گا کہ ساڑھے چار تک پہنچ سکوں۔'' باپ نے کہا تو شفق نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اور پھر پہنچ گئی گل کی شامت آ گئی۔ وہ غنیمت ہوا کہ کچھ ہی دیر بعد میجر صاحب کا اردلی بخت آ گیا جس نے گل کے ساتھ مل کر جھٹ پٹ سارا کام کرا دیا۔

اور ان سب کاموں سے فارغ ہو کر شفق اندر آئیں تو پانچ بج رہے تھے۔ اور طوبیٰ شہزادے کے ساتھ بے غل وغش پڑی سو رہی تھی۔ انہوں نے شہزادے کے جاگ جانے کے خیال سے اسے نہیں جگایا۔ کیونکہ شہزادی کی فیڈ کا وقت بھی کب کا گزر چکا تھا۔ اور انہیں تیار ہونے کی جلدی بھی۔ انہوں نے آہستہ سے الماری کھول کر بینگنی پر نگلی جامدانی کی فاختئی رنگ کی ساڑھی نکالی اور غسل خانے میں گھس گئیں۔ اور کوئی دس منٹ بعد غسل خانے سے نکلیں تو دیکھا طوبیٰ بستر پر بیٹھی جمائیاں لے رہی ہے۔

''ارے بھئی اب یہ سستی چھوڑو اور جھٹ پٹ تیار ہو جاؤ۔ وہ لوگ کسی دم بھی پہنچنے والے ہیں۔'' شفق اپنے بال سکھانے کی غرض سے چھت کے پنکھے کے نیچے کھڑی ہو کر بولیں تو طوبیٰ نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

''میرا ان لوگوں کے سامنے جانا ایسا کچھ ضروری تو نہیں بھابی۔''

''ہائیں۔ یعنی کہ شہوار خاص طور پر تم سے ہی ملنے آ رہی ہیں اور تم ہو کہ ان کے سامنے جانے سے جی چرا رہی ہو کمال ہے۔'' شفق نے کہا۔

''اصل میں اس وقت میرا موڈ ہی نہیں ہو رہا یہاں سے اٹھنے کا ویسے بھی میرے سر میں سخت درد ہے۔''

''دیکھو بھئی یہ بہانے نہیں چلیں گے اور پھر تم ان کے سامنے نہ گئیں تو وہ یہی سوچیں گی کہ میں نے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

خواہ مخواہ میں تمہارے بارے میں گپ ہانکی ہے۔" شفق تھوڑی بیزار ہو کر بولیں۔ لیکن طوبیٰ خاموش بیٹھی رہی۔

"پلیز اب اٹھ بھی جاؤ۔ اور جلدی سے کپڑے بدل لو۔ لاؤ میں تمہارے کپڑے نکالتی ہوں۔" شفق نے اس کے پاس آ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اب مزید انکار کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اس لیے طوبیٰ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج تو تم بھی ساڑھی پہن لو۔ وہ کامدانی کی پیازی ساڑھی جو میں تمہارے لیے لائی تھی۔ شاباش جلدی کرو۔ مجھے ابھی کچن میں بھی جا کر دیکھنا ہے کہ خانساماں نے کیا تیاری کی۔" شفق پکارتے ہوئے بولیں۔ اور ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہو کر میک اپ کرنے لگیں۔

"جوڑا تو میں بعد میں بناؤں گی ابھی تو بال بھی گیلے ہیں پہلے ذرا کچن ہو آؤں۔ اتنے میں تم تیار ہو جاؤ۔" شفق نے جلد جلد ہلکا سا میک اپ کر کے کہا اور پھر کمرے سے باہر نکل گئیں اور ابھی کچن میں کھڑی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں کہ گل نے آ کر مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی۔

شفق شہزادے کے دودھ کی بوتل لے کر بھاگی بھاگی اپنے کمرے میں پہنچیں۔ شہزادہ ابھی تک سو رہا تھا اور طوبیٰ ابھی تک غسل خانے میں ہی تھی۔ انہوں نے جلد جلد کنگھا کر کے جوڑا بنایا اور شہزادے کے منہ میں بوتل لگا کر باہر جاتے جاتے انہوں نے غسل خانے کے دروازے پہ رک کر کہا۔

"وہ لوگ آ گئے ہیں طوبیٰ! میں انہیں ریسیو کرنے جا رہی ہوں۔ تم بھی تیار ہو کر جلدی سے ڈرائنگ روم میں آ جاؤ۔" اور پھر شفق نے تیزی سے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ تینوں مہمان ابھی اندر نہیں آئے تھے۔ شفق ان کے سواگت کو داخلی دروازے پہ جا کھڑی ہوئیں اور گل ان کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ ان کے پیچھے قدم ملا کر چلتے ہوئے وہ دونوں بہن بھائی کوریڈور سے داخلی دروازے کی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔

لمبے تڑنگے سے آغا مختیار پتلون پر اوورکوٹ پہنے سر پہ سمور کی ٹوپی اوڑھے تھے جس کے عین درمیان میں پیشانی سے اوپر چھوٹے چھوٹے پروں کے درمیان قیمتی پتھروں سے مزین جیغہ لگا ہوا تھا اور کوٹ کی جیب سے تھرڈ پیس کی طلائی چین لٹک رہی تھی اور انگلیوں میں بیش قیمت انگوٹھیاں پیروں میں سوئیڈ لیدر کے گرگابی رنگین پمپ پہنے وہ بڑے وقار سے چل رہے تھے۔ کچھ ایسا رعب اور دبدبہ تھا ان کے ہر انداز میں کہ شفق مرعوب اور متأثر سی ہو کر رہ گئیں اور پھر جوں ہی وہ قریب آئے شفق نے سر ڈھانپ کر بڑے ادب سے انہیں سلام کیا اور بڑے تپاک سے شہوار اور شہریار سے ملیں۔ شہوار نے ان کا تعارف باپ سے کرایا اور پھر سب صوفوں پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد سب اپنی اپنی جگہ چپ چپ سے تھے۔ اور شفق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے کیا بات کریں۔ میجر صاحب بھی اب تک نہیں آئے تھے۔ اور اسی بات پر شفق سخت کوفت ہو رہی تھی۔ اور ابھی اس کوفت میں انہیں یاد نہ رہا کہ طوبیٰ بھی گھر میں موجود ہے۔ جو اسے نہ بلاتیں۔ تبھی آغا مختیار نے اپنے گھرے سکوت کو توڑا۔

"تمہارے شوہر کیا کام کرتے ہیں؟"

"وہ منسٹری آف فارن افیئرز میں ڈپٹی سیکریٹری لگے ہوئے ہیں مگر آج کل سفارت خانے سے منسلک ہیں۔" شفق نے سنبھل کر بتایا۔

READING Section

"تمہارا تعلق یوپی سے ہے؟"

"جی ہاں۔ ہمارا آبائی وطن ویسے تو الہ آباد ہے لیکن ہمارے والدین زیادہ تر لکھنؤ میں ہی رہے ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ الہ آباد تمہارا آبائی وطن ہے۔" آغا مختیار نے سوچتے ہوئے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ اور پھر بولے۔

"اور الہ آباد میں شیخ حسنات محمد نامی ایک آرمی کونٹریکٹر ہوتا تھا مگر تمہارا تو پیدائش بھی نہ ہوئی ہوگی اس وقت!"

"جی ہاں میں بہت چھوٹی تھی اس وقت جب ان کا انتقال ہوا تھا۔" شفق مسکرا کر بولیں۔

"اچھا۔ تو تم ان سے واقف ہو؟" آغا مختیار نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"جی ہاں! وہ میری والدہ کے قریبی عزیز ہوتے تھے۔ اور یہ جو میری کزن طوبیٰ ہیں ان کے سگے دادا بھی تھے۔"

"خوب! طوبیٰ کے والد کا کیا نام ہے؟" آغا مختیار نے سر ہلا کر پوچھا۔

"اعظم علی۔" شفق نے بتایا۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔" آغا مختیار کچھ سوچنے کے بعد بولے۔

"جی؟" شفق کے پلے ان کی بات نہیں پڑی۔

"کچھ نہیں۔ تمہارے والد اس وقت کہاں ہیں؟"

"وہ یوپی میں لیکن اس وقت تو شاید رات میں سو رہے ہوں گے۔"

"تمہارے گھر پر اس وقت کوئی مرد موجود نہیں؟" ایک دم جرح کرنے کے سے انداز میں آغا مختیار نے جو پے در پے سوالات کرنے شروع کیے تو شہوار سے رہا گیا وہ جلدی سے بولیں۔

"آغا جان ان کے ہاں صرف دو ہی مرد ہیں اور دونوں ہی آج کل آغا پور سے باہر ہیں۔"

"نہیں آصف تو ابھی آغا پور ہی میں ہیں۔ البتہ صبح سے اپنے ایک فارنر دوست سے ملنے گل پاس گئے ہوئے ہیں۔" شفق نے کہا۔

"آصف کیا چھٹی پر آئے ہوئے ہیں؟" خاموش اور کھوئے کھوئے سے شہریار نے بھی سب اشتیاق کی۔

"جی ہاں آئے تو چھٹی پر ہی تھے مگر اب انہوں نے یہ سروس چھوڑ دی ہے۔"

"سروس چھوڑ دی ہے؟" شہریار نے پوچھا۔

"اصل میں بزنس کرنے کا ارادہ ہے ان کا۔ ویسے بھی اس جاب میں زیادہ اسکوپ نہیں تھا ترقی کرنے کے لیے۔" شفق نے بتایا اور تبھی اپنی فوجی وردی میں ملبوس میجر صاحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

"اوہ۔ پاپا آ گئے۔" شفق انہیں دیکھ کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں... تو وہ تینوں بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور بلا تعارف ہی میجر صاحب آغا مختیار کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

"اوہ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے۔ حقیقتاً آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

باعث عزو شرف ہے۔'' میجر صاحب نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو آغا بختیار نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور میرے لیے گنجینہ مسرت۔'' اور ان کے اس تصنع سے پاک فقرے پر شفق اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی اور بولیں۔

''اب تو گویا تعارف کی ضرورت ہی نہیں رہی پاپا۔''

''قطعاً ہی نہیں شفق۔ گو آپ کے نیاز حاصل کرنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لیکن محسوس یہی ہوتا ہے کہ میں عرصے سے ہز ایکسیلنسی سے واقف ہوں۔'' میجر صاحب بڑے مخلصانہ سے انداز میں بولے۔ وہ بڑے شگفتہ موڈ میں نظر آرہے تھے۔ فوجی زندگی نے انہیں قابل رشک صحت عطا کر رکھی تھی۔ عمر بھی پینتالیس چھیالیس برس کے لگ بھگ تھی۔ دیکھنے میں وہ آصف کے بڑے بھائی ہی معلوم ہوتے تھے۔ فوجی وردی ان پر بہت سج رہی تھی۔ آغا بختیار انہیں بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

''پاپا آپ چھوٹے جاگیردار پرنس شہریار صاحب ہیں اور آپ شہزادی شہوار ہیں۔'' شفق باپ سے دونوں بہن بھائیوں کا تعارف کراتے ہوئے بولیں۔

''اور آپ دونوں کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ آپ میرے والد بزرگوار کرنل اطہر علی صاحب ہیں۔'' شفق نے جس انداز میں تعارف کرایا دونوں بہن بھائی کے چہروں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

تعارف مکمل ہوتے ہی دونوں نے میجر صاحب کو سلام کیا۔ اور ان کے بیٹھنے کی پیشکش پر دونوں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ پھر شفق شہوار سے باتیں کرنے لگیں۔ اور میجر صاحب اور آغا بختیار سے حالات حاضرہ پر گفتگو ہونے لگی۔ اور ابھی میجر صاحب نے باتیں کرتے کرتے شفق سے پوچھا۔

''یہ طوبیٰ کہاں ہیں بیٹا؟''

''اندر ہیں پاپا۔ وہ مجھے تو ان کو بلانے کا خیال ہی نہیں آیا۔'' شفق نے یہ فقرہ جیسے خود سے کہا۔ اور فوراً ہی اٹھ کر دیوار میں نصب گھنٹی کا بٹن دبایا اور اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئیں تو میجر صاحب آغا بختیار سے کہنے لگے۔

''طوبیٰ میری بھتیجی ہے۔ میرے بھائی کا انتقال تو بہت پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن دو سال قبل ریل کا جو حادثہ ہوا تھا اس میں میری بھاوج بھی جاں بحق ہو گئی تھیں۔ تب سے یہ بچی ہمارے پاس ہی ہے۔'' اور آغا بختیار سپاٹ سا چہرہ لیے سر ہلا کر رہ گئے لیکن شہوار شفق کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں اور شہریار پہلو بدل کر رہ گئے۔ اسی دم گل ٹرالی میں انواع و اقسام کی چیزیں سجائے اندر داخل ہوا اور سب کو سلام کر کے ٹرالی شفق کے آگے رکھ کر جانے لگا تو شفق نے اس سے کہا۔

''ارے سنو گل۔ ذرا جلدی سے چھوٹی بی بی کو یہاں بھیج دو کہنا چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' تو گل سر ہلا کر واپس چلا گیا۔ شفق طوبیٰ کا انتظار کر رہی تھیں اس لیے انہوں نے اب تک چائے بھی سرو نہیں کی تھی۔ تھوڑا انتظار کرانے کے بعد اسی کی منتخب کردہ ساڑھی میں ملبوس طوبیٰ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو دہلیز کے آگے ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔

''آؤ آؤ بیٹی ادھر آؤ۔ یہ بہت ہی معزز مہمان تم سے ملنے کے لیے بہت مشتاق ہیں۔ آؤ ان سے ملو۔'' میجر صاحب دیکھتے ہی کھڑے ہو کر بولے تو شہوار اور شہریار بھی کھڑے ہو گئے مگر طوبیٰ نے کسی کی

طرف بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھا اس کے دل کا اس سمے عجب عالم ہو رہا تھا۔ شرمندگی بھی اور غصہ اور کھسیاہٹ بھی۔ وہ ان معزز مہمانوں کا سامنا کرنے کی بالکل روادار نہ تھی۔ بس مجبوراً ہی سامنے آ گئی تھی۔ اس نے بڑے نروٹھے انداز اور اونچی آواز میں صرف ''سلام علیکم'' کہا اور شفق کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اور میجر صاحب جو بہت پر زور طریقے سے۔ اس کا تعارف آغا بختیار اور شہریار سے کرانا چاہ رہے تھے۔ اس کے نروٹھے پن پر خفیف سے ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ شفق کو بھی اس کی یہ بد اخلاقی بڑی شاق گزری مگر انہوں نے مہمانوں کی موجودگی کے خیال سے اپنی ناگواری کا اظہار نہیں کیا اور اس سے بولیں۔

''تو بھئی اب یہ چیزیں تم آفر کرو۔ میں چائے بناؤں گی۔'' گو یہ بھی تو طوبیٰ کے لیے ایک آزمائش ہی تھی۔ طوبیٰ نے خاموشی سے اٹھ کر سب کو پلیٹیں تھمائیں اور پھر چیزیں آفر کرنے لگی۔ آغا بختیار نے تو اس کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر تپائی پر رکھ دی تھی مگر شہریار کو پلیٹ تھماتے سمے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی کانپ کانپ اٹھا۔ خصوصاً جب انہوں نے ایک اوپری سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور جب اس نے پیٹیز آفر کیں تو آغا بختیار نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بڑے کھردرے سے انداز میں کہا۔

''شکریہ میں اس وقت کچھ بھی کھانے اور پینے کا عادی نہیں؟'' تو پیٹیز کی پلیٹ ٹرالی میں رکھ کر طوبیٰ شفق کے پاس بیٹھتی ہوئی آہستہ سے بولی۔

''اب آپ ہی آفر کیجیے یہ ساری چیزیں۔ یہ میرے بس کا کام نہیں۔'' شفق کو اس کی یہ بات بھی کھلی تو بہت مگر وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور سب کو چیزیں پیش کرنے لگیں۔ البتہ پرہیز کرنے کی وجہ سے آغا بختیار نے چائے پی نہ کچھ کھایا ہی۔

چائے کے وقفے کے دوران بھی طوبیٰ حد درجہ بے نیاز اور بیزار سی بیٹھی رہی۔ شفق خاطر مدارات میں لگی رہیں اور میجر صاحب باتیں کرتے رہے۔

چائے ناشتے سے فارغ ہو کر آغا بختیار نے جو محض اپنے میزبانوں کا دل رکھنے کی غرض سے کوک پی رہے تھے اپنا گلاس خالی کر کے تپائی پر رکھتے ہوئے میجر صاحب ہی کی کسی بات کے جواب میں کہا۔

''بہر حال آمدم بر سر مطلب کرنل میں اس وقت آپ سے ایک اہم اور نجی مسئلے پر گفتگو کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔''

''اہم اور نجی مسئلے پر گفتگو کرنے؟'' میجر صاحب نے متعجب ہو کر دل میں سوچا اور اپنے تجسس کو چھپا کر بولے۔

''بہتر ہے ارشاد میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

''لیکن۔'' آغا بختیار نے شفق وغیرہ کی طرف دیکھ کر کہنا چاہا تو میجر صاحب فوراً ہی سمجھ گئے۔

''کیا اس کے لیے تخلیہ کرانے کی ضرورت ہوگی؟'' انہوں نے پوچھا۔

''میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر رہے گا۔'' آغا بختیار نے کہا۔ شفق شہریار اور شہوار سے عارف کی شرارتوں کا تذکرہ کر رہی تھیں مگر طوبیٰ کے کان میجر صاحب اور آغا بختیار کی گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے نہ جانے وہ تخلیے میں چچا جان سے کیا کہیں؟ اس خیال سے اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"بھئی شفو۔ تم بچے یہاں بزرگوں کے درمیان بھنچے بھنچے کیوں بیٹھے ہو؟ جاؤ ذرا اپنے ان مہمانوں کو میری لائبریری ہی دکھاؤ؟" میجر صاحب نے شفق کو مخاطب کر کے کہا اور پھر شہریار سے بولے۔

"گو میرا لائبریری روم بہت مختصر سا ہے لیکن میری لائبریری میں قدیم اور جدید ہر قسم کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔"

"اوہ۔ یہ تو آپ کے اعلیٰ ذوق کی دلیل ہے۔" شہریار نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

صاف ظاہر تھا یہ سب کہنے سے میجر صاحب کا مطلب یہی تھا کہ شفق سب کو ان کی لائبریری میں لے جائیں جو ایک چھوٹے سے کمرے پر مشتمل تھی۔ شفق فوراً ہی سمجھ گئیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ طوبیٰ سمیت سب کو لے کر ڈرائنگ روم سے باہر نکلیں تو طوبیٰ نے ان سے کہا۔

"میں ابھی دو تین منٹ میں آتی ہوں۔ ذرا خالہ اماں کو دیکھ آؤں۔ ان کی دوا کا وقت بھی ہو گیا ہے۔" اور پھر وہ شفق کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی اندر چلی گئی تو شہریار بولے۔

"اوہ معاف کیجیے گا ہمیں تو خیال ہی نہیں رہا کیا آپ کی والدہ اب تک صاحب فراش ہیں؟"

"نہیں۔ خدانہ کرے ایسی سیریس کنڈیشن میں تو نہیں ہیں البتہ حد درجہ کمزور ضرور ہیں۔" شفق نے کہا۔

"آپ نے ہمیں تو ان سے ملوایا ہی نہیں کہ کم از کم ان کی مزاج پرسی ہی کر لیتے۔" شہوار بولیں۔

"اصل میں کمزوری کی وجہ سے انہیں جلد ہی اگزرشن ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم انہیں ابھی چلنے پھرنے نہیں دیتے۔" شفق نے بہانہ کیا تو شہوار خاموش ہو گئیں۔ دونوں شفق کے ساتھ چلتے لائبریری میں آئے تو شہریار نے لائبریری کی نفاست اور الماریوں میں رکھی کتابوں کی ترتیب کو بہت سراہا۔ پھر پرانے قلمی نسخے نکال نکال کر دیکھتے رہے اور شفق شہوار سے کتابوں کے متعلق ہی باتیں کرتی رہیں گو اندر ہی اندر وہ بھی بہت متعجب اور بے چین سی ہو رہی تھیں۔ کہ ایک تو شہوار نے طوبیٰ کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔ جب کہ ان کے خیال میں وہ اسی کی وجہ سے آئی تھیں۔ دوسرے انہیں طوبیٰ پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اندر چلی گئی تھی۔ جب کہ صوفیہ بیگم کی دوا کا وقت ہو رہا تھا نہ انہیں اس کی ضرورت تھی۔ بلکہ اب تو صوفیہ بیگم بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ اس پر باپ نے بھی کسی خاص مقصد سے ہی ان سب کو سر سے ٹالا تھا۔ شفق کا ذہن اس وقت الجھا ہوا تھا۔ اور دھیان بھی بٹا ہوا تھا۔ اس پر بھی وہ رواداری اور مہمانداری نبھائے جا رہی تھیں۔ کہ شہوار نے بات کرتے کرتے ایک دم ہی موضوع بدل کر کہا۔

"جہاں تک ہمارا اندازہ ہے ہم نے یہاں آ کر بڑی غلطی کی ہے۔"

"ہائیں! کیوں؟ آپ نے یہ اندازہ کیونکر لگایا؟" شفق نے گڑبڑا کر پوچھا۔

"کیونکہ ہمارا یہاں آنا طوبیٰ بہن کو بہت ناگوار گزرا ہے۔ تبھی تو انہوں نے ہم سے کلام بھی نہیں کیا۔ اور اب چلی بھی گئیں۔"

"اوہ نہیں نہیں۔ ایسی تو کوئی بات ہی نہیں۔ اصل میں پچھلے دنوں وہ کافی علیل رہی ہیں۔ آپ نے شاید نوٹ نہیں کیا وہ کتنی کمزور لگ رہی ہیں۔ اس پر فطرتاً کم گو بھی ہیں۔ اور بہت شائی قسم کی ہیں۔ اسی وجہ سے بڑے جاگیردار صاحب اور پاپا کے سامنے شرما رہی ہوں گی۔" شفق نے جس انداز میں طوبیٰ کی طرف سے صفائی پیش کی۔ شہوار نے مسکرا کر دل میں سوچا کہ بات بنانے میں آپ کا جواب نہیں۔ شہریار جو بظاہر کتابوں کو الٹ پلٹ رہے تھے۔ ان کے کان ان دونوں کی گفتگو پر ہی لگے ہوئے تھے۔ اس پر اس نے ان کے ساتھ جو بیگانہ اور بے نیازانہ رویہ اختیار کیا تھا اور انہیں بیچ میں سے ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی تو ان کا دل کسی بات میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تو یہاں صرف اور صرف اسے دیکھنے کی تمنا میں آئے تھے۔

یہ اطمینان کرنے کے لیے آئے تھے کہ آیا شفق کی بات سچی بھی ہے۔ یعنی وہ ان کے ہاں آ بھی گئی ہے یا انہوں نے اپنی بات اونچی رکھنے کو محض بہلاوا ہی دیا تھا۔

انہیں اپنے باپ اور بہن کی طرح اس بات سے غرض نہ تھی کہ وہ انگوٹھی جو طوبیٰ کے پاس آئی تھی گل جانہ کی تھی۔

اور اگر تھی تو طوبیٰ کے پاس کہاں سے آئی۔

وہ تو صرف اسے پانے کی چاہ میں یہاں آئے تھے۔

مگر وہ ان کی دسترس سے دور ہوتی لگ رہی تھی۔

شفق کی وضاحت پر کتابیں الماری میں واپس رکھ کر شہریار نے اپنی ریسٹ واچ میں وقت دیکھا اور بولے۔

"اوہ مغرب کا وقت ہو گیا شیری اور ادھر آغا جان کا ڈاکٹر آنے والا ہو گا۔"

"تو پھر چلیے۔ آغا جان سے چل کر کہتے ہیں۔" شہوار نے کہا تو شفق دونوں کو لے کر پھر ڈرائنگ روم میں آ گئیں اور انہیں آتا دیکھ کر دونوں بزرگ باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے۔ از راہ اخلاق شہریار نے آتے ہی باپ سے واپسی کا تقاضا نہیں کیا۔ بلکہ شہوار کو اشارے سے بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی بیٹھ گئے۔ اور شفق ڈرائنگ روم کی بتیاں جلانے لگیں۔ اور تب خود ہی اپنی زبان میں آغا بختیار نے شہریار سے کہا۔

"یہ عقدہ کسی قدر تو حل ہو گیا ہے باقی آئندہ کریں گے اب تو چلنا چاہیے۔"

"جی ہاں آغا جان ڈاکٹر بھی اب آنے والا ہی ہو گا۔" شہریار نے بھی اپنی زبان میں جواب دیا۔ تو انہی کی زبان میں میجر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"مگر آیا اپنی مرضی سے جاتا ہے اور جایا دوسرے کی اجازت سے شاید آپ یہ بھول گئے ہیں۔" اور ان کو اپنی زبان میں بات کرتا دیکھ کر آغا بختیار پھڑک ہی اٹھے۔

"ارے تو کیا آپ کو پشتو بھی آتی ہے۔" انہوں نے پوچھا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"جی ہاں بفضل تعالیٰ مجھے پشتو پر خاصا عبور حاصل ہے۔" میجر صاحب نے بھی اٹھتے ہوئے پشتو میں ہی کہا۔

"واہ۔ جزاک اللہ پھر تو آپ ہماری ہی قبیل سے ہوئے۔" آغا بختیار نے خوش ہو کر میجر صاحب کو گلے لگا لیا۔ تو میجر صاحب نے مزاحاً کہا۔

"واہ یہ زبان کی محبت میں بھی کیسی مقناطیسیت ہوتی ہے کہ ہر تفریق کو ہی مٹا دیتی ہے۔" تو آغا بختیار کچھ جھینپ کر بولے۔

"ظاہر ہے زبان تو انسان کی۔ علاقی ماں ہوتی ہے۔ لیکن آپ نے پشتو بولنی کیسے سیکھی۔؟"

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

"اصل میں ایک طویل عرصے تک سرحدی علاقوں میں تعینات رہا ہوں اور میری بٹالین میں بھی زیادہ تعداد سرحدی جوانوں کی ہے۔ بس انہی کی سن کر اور ان سے بول کر پشتو سیکھ گیا۔" میجر صاحب نے کہا۔ "لیکن آپ تشریف تو رکھیں۔"

"نہیں بس اب اجازت دیجیے۔ مغرب ہو گئی ہے اور میرا ڈاکٹر گھر پر انتظار کر رہا ہوگا۔" آغا صاحب نے کہا۔

"بہتر ہے میں خود کسی دن حاضر ہوں گا۔ ویسے آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے تشریف لا کر میرے غریب خانے کو عزت بخشی۔" میجر صاحب ممنون سے لہجے میں بولے۔

"اور ہم بھی آپ کے اور آپ کی صاحبزادی کے مشکور ہیں کہ آپ نے ہمیں اپنے خلوص اور محبت سے نوازا۔" آغا بختیار نے کہا۔ ادھر شفق، شہوار اور شہریار کے درمیان بھی ایسے ہی رسمی مگر پرخلوص الفاظ کا تبادلہ ہوتا رہا اور پھر شفق اور میجر صاحب اپنے مہمانوں کو ان کی جیپ تک رخصت کرنے آئے۔ اور جب مہمان چلے گئے تو شفق متاثر سی بولیں۔

"مجھے تو ان لوگوں کی سادگی نے بہت متاثر کیا ہے۔ ورنہ میں تو یہ سوچ سوچ کر ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ کہ ہمارے اس چھوٹے سے گھر کو دیکھ کر نہ معلوم یہ لوگ کیا تاثر لیں اور کس طرح ناک بھوں چڑھائیں آخر کوئی معمولی ہستی تو نہیں۔ آغا پوری جاگیر کے مالک تھے۔"

"ہاں خیال تو میرا بھی کچھ ایسا ہی تھا لیکن میں ان لوگوں کی فطرت سے بھی بخوبی واقف ہوں یہ لوگ فطرتاً سادہ لوح اور سادگی پسند ہوتے ہیں۔" میجر صاحب نے کہا۔

"یہ طوبیٰ نے تو آج حد ہی کر دی پاپا۔ ایسا شرمندہ کیا ہے ان لوگوں کے سامنے کہ میں تو بات ہی بھول گئی۔" شفق اصل میں جو کہنا چاہ رہی تھیں انہوں نے کہہ ہی دیا۔

"اچھا۔ ایسی کیا بات کی اس نے؟"

"اس کی بد اخلاقی کا مظاہرہ تو آپ نے خود اپنی آنکھوں سے ہی دیکھ لیا ہوگا اس پر یہ کیا کہ لان سے جاتے ہوئے بیچ میں سے ہی ہٹ کر اندر چلی گئی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ شہوار صرف اس سے ملنے کی غرض سے ہی آئی تھیں۔"

"اچھا۔ کوئی ایسی بات بھی تھی مگر تم نے فون پر تو مجھے نہیں بتایا۔" میجر صاحب نے قدرے چونک کر پوچھا۔ وہ کچھ الجھے الجھے سے نظر آ رہے تھے۔

"انہوں نے فون پر تو مجھ سے نہیں کہا تھا لیکن وہ شروع سے ہی طوبیٰ کی حد درجہ مداح ہیں۔" شفق بولیں۔

"ویسے پاپا جاگیردار صاحب کی آمد بلا مقصد تو نہیں ہو سکتی۔ آپ ہی سوچیے۔ ہمارا ان سے کوئی واسطہ تھا نہ تعلق۔ اور پھر وہ اتنے ملنسار بھی نہیں ہیں۔"

شفق نے باپ کو کھویا کھویا سا دیکھ کر اظہار خیال کیا۔ اصل میں تو شفق کو ایک کرید لگی ہوئی تھی کہ تخلیے میں آغا بختیار کی ان سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔

"ہیں۔ ہاں ہاں وہ اصل میں جاگیردار کے متعلق ہی کوئی مسئلہ ہے اور جب کسی کو کسی سے کوئی کام پڑتا ہے تو چھوٹائی بڑائی کا فرق مٹانا ہی پڑتا ہے اور پھر ہم بھی کسی سے کیا کم ہیں۔" میجر صاحب ایک دم چونک کر بولے۔ اور شفق کے ساتھ اندر آ گئے۔ اس روز پہلی بار شفق طوبیٰ سے سخت کبیدہ ہو گئی تھیں مگر اندر آ کر انہوں نے طوبیٰ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی۔ اس پر بچہ بھی بری طرح رو رہا تھا اور صوفیہ بیگم کی گود میں تھا۔ اس لیے وہ اندر جاتے ہی اس کو بہلانے میں مصروف ہو گئیں۔

آغا بختیار کو گئے ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اور میجر صاحب انہیں رخصت کر کے سیدھے اپنے کمرے میں آ گئے تھے اور جب سے ہاتھ پشت پر باندھے برابر ٹہلے جا رہے تھے۔ ان کے چہرے سے عجیب سی فکر مندی جھلک رہی تھی۔ اور پیشانی کی شکنیں الجھنوں کی غمازی کر رہی تھیں۔ کیونکہ ایک تو آغا بختیار کی آمد ہی ان کے لیے سخت تعجب اور تجسس کا باعث ثابت ہوئی تھی اس پر انہوں نے تخلیہ کرا کے جو کچھ بھی کہا تھا اس پر یقین کر لینا ایسا ہی تھا جیسے کوئی یہ کہے کہ اب دنیا کی اختتامی صدی میں مردوں کی پسلیوں سے بچے پیدا ہونے لگے ہیں اور چونکہ یہ بات بالکل ہی غیر مستند تھی اس لیے انہوں نے پوچھنے کے باوجود شفق کو بھی اس کی ہوا تک نہ دی تھی۔ اور وہ بڑی بے چینی سے منتظر تھے کہ کسی طرح رات کھانے سے فارغ ہو کر سب اپنے کمروں میں چلے جائیں تو وہ صوفیہ بیگم کو اس بات سے آگاہ کریں۔ انہوں نے ابھی تک لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد گل کھانا دینے کی اطلاع دینے آیا۔ تو وہ اپنی اسی وردی میں کھانے کی میز پر جا پہنچے۔ جب سے شفق سے سنا تھا صوفیہ بیگم کو بھی ایک کرید لگی ہوئی تھی۔ مگر انہوں نے شوہر کو اس قدر خاموش اور الجھا سا دیکھ کر خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ میجر صاحب نے کھانے سے بھی جلد ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور طوبیٰ تو اس روز نے کھانے معلوم جاگیردار نے ان سے کیا کہا ہو سر میں شدید درد کا بہانہ کر کے سو گئی تھی۔ بس شفق، صوفیہ بیگم اور میجر صاحب ہی کھانے پر موجود تھے۔ شفق بھی اس وقت خلاف معمول چپ چپ سی تھیں۔

میجر صاحب نے اپنے کمرے میں آ کر منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کیا اور ٹہل ٹہل کر سب کے سونے کا انتظار کرنے لگے۔ اور جب کافی دیر بعد انہیں یقین ہو گیا تو انہوں نے صوفیہ بیگم کے کمرے میں جھانکا۔ صوفیہ بیگم شاید غسل خانے سے آئی تھیں اپنے بیڈ پر جھکی چادر کی شکنیں درست کر رہی تھیں۔ تو میجر صاحب اندر داخل ہو کر بولے۔

"لو میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم سو گئی ہو گی۔"

"میں تو آپ سے پوچھنے والی تھی کہ آپ اب تک کیسے جاگتے نظر آ رہے ہیں؟"

"بس آج نیند نہیں آ رہی۔" میجر صاحب بولے۔

"کیوں خیر تو ہے آپ تو نیند کے بڑے پکے ہیں پھر آج نیند کیوں نہیں آ رہی۔"

"بس پتا نہیں کیا بات ہے آج نیند ہی اُچاٹ ہو گئی ہے۔" میجر صاحب ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"آج جاگیردار کے آنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی آپ کا تو ان سے کوئی تعلق ہی تھا نہ جان پہچان اور پھر وہ تو کسی کے ہاں جاتے ہی نہیں۔ آج یہ بلی کے بھاگوں چھینکا کیسے ٹوٹا۔"

"ہوں لیکن کبھی کبھی چھینکا ٹوٹے بغیر بھی بعض غیر امکانی باتیں وقوع پذیر ہو جاتی ہیں۔ بیگم یہ دنیا ہے اور دنیا میں محیر العقول واقعات رونما ہوتے ہی رہتے ہیں۔" میجر صاحب نے کہا تو صوفیہ بیگم جل کر بولیں۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''اے جائیے بھی' کبھی سیدھی طرح بات ہی نہیں کرتے ادھر کے روڑے اس طرف اور ادھر کے روڑے اس طرف' بس یہی کرتے رہتے ہیں آپ کی یہی عادت آصف میں بھی آئی ہے۔ پوچھا بھئی اچھی خاصی لگی لگائی نوکری کیوں چھوڑ دی تو کہہ دیتا کہ وہاں ترقی کے امکانات نہیں اور جفاکشی کا کام ہے۔ مگر وہاں تو جواب ملا کہ آپ کو میرے ملازمت چھوڑ دینے کی اتنی فکر کیوں ہے ملازمت چھوڑ کر میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر تو نہیں بیٹھوں گا۔''

''مگر تمہارا کچھ پوچھنا ہی بیکار تھا کیونکہ جس وجہ سے اس نے یہ کام چھوڑا ہے اس سے تم بھی واقف ہو۔'' میجر صاحب بولے۔

''ارے ہاں وہ تجارت وغیرہ کرنے کا ارادہ ہے نا اس کا' مگر پوچھنا کوئی گناہ تو نہ تھا؟'' صوفیہ چٹخے ہوئے انداز میں بولیں۔

''نہیں گناہ تو نہ تھا مگر وہ بزنس وزنس کرنے کے ارادے سے ملازمت چھوڑ کر نہیں بیٹھا۔ بلکہ طوبیٰ کی وجہ سے یہاں نظر آ رہا ہے۔ اس نے بھی تو اتنے عرصے کتنی پریشانی اٹھائی ہے۔ گو منہ سے کچھ نہیں کہا مگر تم نے غور نہیں کیا کہ اس نے اپنی تمام تفریحات ترک کر دی تھیں۔''

''اے چھوڑیے روزانہ تو بن ٹھن کر کلب جاتا ہے۔ گھر میں اس کا ٹکوا کبھی ٹکا تھا جواب ٹکتا۔ اور طوبیٰ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں وہ تو آپ کے لحاظ سے مروت میں بلکہ آپ کی خوشنودی کی خاطر اس نے یہ رشتہ منظور بھی کر لیا تھا۔'' صوفیہ بیگم بولیں اور یوں گویا میجر صاحب کو جو صوفیہ کے پاس ان سے کچھ معلوم کرنے کے ارادے سے آئے تھے اور اتنی دیر سے ان سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے باندھ رہے تھے اصل بات کہنے کی ایک راہ سی مل گئی۔

''بیگم ایک بات تو بتاؤ۔ یوں تو تم عشمہ بھابی پر دم و دیوانہ تھیں۔ ان کی محبت کا دم بھرتی تھیں آج بھی ان کے لیے غمگین اور ملول رہتی ہو مگر عشمہ بھابی کی زندگی میں جب بھی میں نے آصف اور طوبیٰ کے رشتے کی بات اٹھائی تم ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال ٹال گئیں۔ خیر جس وقت یہ رشتہ ہوا تھا اس وقت تو تم طوبیٰ کی اصلیت سے واقف ہی نہ تھیں لیکن اب سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد بھی تم ٹال مٹول سے کام لیتی ہو جب کہ میں برابر دیکھ رہا ہوں کہ آصف طوبیٰ کے لیے کس قدر بے چین رہتا ہے اور اس سے کس محبت اور نرمی سے پیش آتا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟'' میجر صاحب نے بھویں چڑھا کر پوچھا۔ تو صوفیہ بیگم قدرے سٹپٹا کر بولیں۔

''اے وجہ کیا ہوگی۔ جب آپ نے یہ نسبت وسبت وغیرہ کا شوشہ اٹھایا تھا اس وقت تک میں اور آپ نے طوبیٰ کو دیکھا تھا اور نہ کسی اور نے۔ اور میں آصف کے مزاج اور خیالات سے بھی واقف تھی کہ۔''

''تمہارے اس عذر میں اب جان نہیں رہی صوفیہ۔'' میجر صاحب قدرے ناگواری سے ان کی بات کاٹ کر بولے۔

''تم نے اب تک جس راز کو مجھ سے چھپائے رکھا وہ کسی حد تک مجھ پر عیاں ہو گیا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ مرد ہو کر میں نے کبھی تم سے اپنی کوئی بات نہیں چھپائی۔ مگر بیوی ہو کر تم نے۔''

''اے ہے آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں کیسا راز اور کس کا راز۔ میری زندگی تو بڑی سیدھی سادی ہے۔ میرا راز ہی کیا ہو سکتا ہے۔'' صوفیہ بیگم وجھی شوہر کی بات کاٹ پڑی۔

''دیکھو بیگم اس طرح پہلو بچانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تو آج آیا ہی اسی مقصد سے ہوں کہ تم سے وہ راز اگلوا لوں۔'' تو صوفیہ بیگم چپ سی ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔ پھر تھوڑے سے توقف کے بعد بولیں۔

''اگر یہ میرا اپنا کوئی راز ہوتا تو میں آپ سے ہرگز نہ چھپاتی مگر یہ ان لوگوں کا راز ہے جو اس دنیا سے کب کے کوچ کر چکے ہیں۔ اور جن سے میں نے زبان بند رکھنے کا عہد کر رکھا ہے۔''

''لیکن جب کسی راز سے خود بخود پردہ ہٹ جائے تو وہ راز کہاں رہتا ہے۔ سچ سچ بتانا کیا طوبیٰ اعظم بھائی کی ہی لڑکی ہے؟'' میجر صاحب نے معنی خیز سے لہجے میں پوچھا۔

''اے اعظم بھائی کی لڑکی نہیں تو اور کس کی لڑکی ہے طوبیٰ۔'' صوفیہ بیگم قدرے چمک کر بولیں۔

''اکرم بھائی۔ کہہ دو یہ بھی غلط ہے۔ کسی نے بھڑا اڑائی ہوگی۔'' میجر صاحب نے بڑے طنز سے کہا تو صوفیہ بیگم چپ سی رہ گئیں۔

''لیکن آپ کو ان باتوں کا آخر کس سے علم ہوا؟'' صوفیہ بیگم نے پہلو بدل کر پوچھا۔

''جس کسی سے بھی ہوا ہے اس کا نام نشان میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تو یہ بتاؤ کہ اصل معاملہ کیا ہے اور یہ طوبیٰ کی ولدیت اچانک ایک بھائی سے دوسرے بھائی کی طرف کیونکر منتقل ہو گئی۔'' میجر صاحب بولے تو کچھ دیر توقف کرنے کے بعد صوفیہ بیگم ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔

''اے ستار العیوب تو گواہ رہنا میں نے مرحومین سے ہوا عہد خود نہیں توڑا۔ میں نے کسی کے راز پر سے پردہ نہیں اٹھایا بلکہ خود پہل نہیں کی۔ تو روز محشر مجھ سے سوال نہ کیجو۔'' انہوں نے گویا خدا کو گواہ بنایا۔ اور پھر میجر صاحب سے مخاطب ہو کر بولیں۔

''اے ہاں اس چند روزہ زندگانی میں لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ روز محشر ان کی پور پور اور روئیں روئیں سے حساب لیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تو جگہ جگہ یہی کہتا ہے کہ میں اپنے بندوں کے عیبوں پر پردہ ڈال دیتا ہوں لہٰذا تم بھی دوسروں کے عیب چھپایا کرو۔''

''اچھا تو کیا کوئی ایسی ویسی بات ہے۔'' میجر صاحب نے ان کی باتوں سے یہی مطلب اخذ کیا۔

''نہیں نہیں۔ خدا نہ کرے ایسی ویسی بات کیوں ہونے لگی۔'' صوفیہ بیگم نے فوراً ہی ان کے خیال کی تردید کی۔

''اچھا تو پھر جلدی سے بتا دو۔ اب تو تم نے خدا کو بھی گواہ بنا لیا ہے۔''

''سردی کافی ہے آپ آرام سے بیٹھیے۔ لیجیے یہ لحاف پیروں پر ڈال لیں۔ یہ قصہ کافی طویل ہے۔'' اور ان کی بات سننے کے اشتیاق میں میجر صاحب نے پائنتی کی طرف رکھا لحاف اٹھا کر اپنے پیروں پر ڈال لیا۔ تب صوفیہ بیگم تکیے سے ٹیک لگا کر بولیں۔

''یہ تو آپ کو بھی یاد ہوگا کہ باجی جان کس قدر مہربان شفیق اور محبت کرنے والی ہستی تھیں۔ دولت میں کھیلنے کے باوجود ان میں ذرا بھی غرور نہ تھا۔ انہوں نے میٹرک تک تعلیم پائی تھی اور ادھر ہمارے باوا جان تعلیم نسواں کے سخت مخالف تھے۔ پردے کے اس قدر پابند کہ بازار میں گھومنے پھرنے والی عورتیں مثلاً چماریوں' کا چھنوں اور منہاریوں وغیرہ کو بھی زنان خانے میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ ادھر مجھے پڑھنے لکھنے کا بے انتہا شوق تھا اور اسی قدر باجی جان سے انسیت اس وجہ سے میں زیادہ تر خالہ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اماں کے یہاں رہتی تھی۔ اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ خالو ابا بھی مجھ پر جان چھڑکتے تھے اور ان انہوں نے آپ سب سے میرا رشتہ کرایا تھا۔ گو خدا کے فضل سے باوا جان کافی آسودہ حال تھے لیکن خالو ابا نے اپنی محبت کی وجہ سے ہی میری شادی کے اخراجات خود اٹھائے تھے۔ حتیٰ کہ جہیز اور زیورات خود ہی دیے تھے۔ اور باجی جان نے میرے تعلیم حاصل کرنے کے شوق کے پیش نظر جو کچھ انہیں آتا تھا مجھے پڑھایا سکھایا تھا اور جب آپ سے دور لام پر چلے گئے تھے تو میری دگرگوں حالت دیکھ کر باجی جان آپ کی والدہ سے اجازت لے کر مجھے اپنے گھر لے آئی تھیں اور ہمہ وقت میری دلجوئی اور خاطر میں لگی رہتی تھیں۔ شاید ان کی کوئی سگی بہن بھی ہوتی تو وہ اسے اتنا نہ چاہتیں۔ جتنا وہ مجھ کو چاہتی تھیں خیر ان لوگوں کے احسانات تو مجھ پر اتنے ہیں کہ گوائے ہی نہیں جا سکتے۔ لیکن میں تو ان کی عادت مزاج کے بارے میں آپ کو بتا رہی تھی مگر پہلے ذرا سا تمباکو پھانک لوں۔ مواحلق خشک ہو رہا ہے۔

صوفیہ بیگم نے بات کرتے کرتے کہا تو ان کے ایک دم ہی ایک میں دوسری بات ملانے صاحب کو ہنسی آ گئی مگر وہ کچھ بولے نہیں۔ صوفیہ بیگم نے پاندان، اپنے آگے سرکا کر پان پر چونا کتھا بٹوہ کھول کر الائچی اور کتری ہوئی چھالیہ اور زردے کی چٹکی ڈال کر پان منہ میں رکھ لیا اور پھر پاندان ڈھکنا بند کر کے بولیں۔

''ماں باپ نے انہیں اتنے ناز و نعم سے پالا تھا کہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً بگڑ ہی جاتی مگر آ ہے باجی جان پر کہ وہ بگڑنے کے بجائے نکھرتی چلی گئیں۔ ہنس مکھ، ملنسار، خلیق، مخلص اور غمگسار ہی صفات تھیں ان میں اور سب سے بڑا وصف صبر و تحمل تھا گو آپ کے پھوپھی زاد بھائی سے شادی کر دینے میں ان کی مرضی کو بڑا دخل تھا اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ باجی جان اکرم بھائی وجان سے چاہتی تھیں۔

ہم رشتے کی بہنیں بچپن ہی سے اکرم بھائی کا نام لے کر ان کو چھیڑتی تھیں مگر شادی کے بعد ا بھائی کی سرد مہری اور لاپروائی نے انہیں بددل کر دیا تھا اس کے باوجود بھی وہ ان کی دم دو دیوانہ تھیں۔ ان کی بے اعتنائیوں کا شکار ہو کر بھی کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتی تھیں۔

اور ادھر میرا دل و دماغ ہر وقت باجی جان میں پڑا رہتا تھا جن کا عرصے سے کچھ اتا پتہ نہ تھا۔ فسادات کی آگ بھی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ اور آپ ان دنوں ایبٹ آباد میں تعینات تھے۔ آصف بیمار تھا اس آپ مجھے لاہور میں ہی چھوڑ گئے تھے۔'' صوفیہ بیگم ایک تسلسل اور روانی سے بولتے بولتے ایک دم ہی خاموش ہو گئیں۔

''ہاں غالباً وہ رہائش کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس لیے میں تمہیں لاہور چھاؤنی کے بنگلے پر ہی چھوڑ تھا۔'' میجر صاحب نے گویا اتنے عرصے بعد لاہور چھوڑ جانے کی وضاحت کی۔

''ہاں بس انہی دنوں ایک روز میں بچوں کے لیے کچھ چیزیں خریدنے انارکلی گئی تھی اور دوکان دوکان پھر کر چیزیں خرید رہی تھی کہ میں نے محسوس کیا ایک برقع پوش عورت کچھ دیر سے میرا پیچھا کر رہی ہے میں جس دوکان پر جاتی ہوں وہ بھی میرے پیچھے وہیں آ جاتی ہے۔ اس زمانے میں آپ نے میرا ترک کرا دیا تھا۔ اسے اپنا تعاقب کرتا دیکھ کر میں یہی سمجھی کہ کوئی چور اچکی ہے۔ اور میرا بٹوہ یا سامان اڑا چاہتی ہے۔ اس خیال سے ایک دوکان پر جب وہ میرے پیچھے پہنچی تو میں نے ڈپٹ کر کہا۔

''اے سنو بڑی بی جو کچھ لینا ہے مانگ کر لے لو۔ یوں نظر بچا کر کوئی چیز اچکنے کی کوشش نہ کرنا۔'' اصل میں اس عورت کا حلیہ ہی کچھ ایسا تھا کہ میں اسے کوئی عمر رسیدہ عورت ہی سمجھی۔ اس پر اس نے نقاب بھی ڈال رکھا تھا۔

میرے پھنکارنے پر کچھ دیر تک وہ عورت خاموش کھڑی میری طرف دیکھتی رہی پھر نحیف سی آواز میں بولی۔

''آپ بہت غلط سمجھیں میرا ارادہ آپ کو لوٹنے کھسوٹنے کا نہیں ہے بلکہ آپ کی شکل میری خالہ زاد بہن صوفیہ بیگم سے بہت ملتی جلتی ہے اس لیے میں آپ کو غور سے دیکھنا چاہ رہی تھی کہ کہیں آپ صوفیہ نہ ہوں۔'' ''میری خالہ زاد بہن، یہ کون ہو سکتی ہے میں نے سوچا۔ کیونکہ مجھے تو گمان تک نہ تھا کہ وہ باجی جان بھی ہو سکتی ہیں لہٰذا میں نے کہا۔

''میرا نام صوفیہ ضرور ہے مگر میری کوئی ایسی خالہ زاد بہن نہیں ہے جیسی تم نظر آ رہی ہو۔''

''ہاں وقت وقت کی بات ہے۔ آج مجھ سے سب کچھ چھن گیا ہے۔ وطن، گھر بار، والدین، عزیز و اقارب اور شوہر تو تم مجھے پہچاننے سے انکار کر رہی ہو۔'' باجی جان نے یہ کہہ کر ایک دم ہی نقاب الٹ دیا تو انہیں دیکھ کر میں ہکا بکا سی رہ گئی۔

''ارے باجی آپ۔ خدا کی قسم میں آپ کو بالکل نہیں پہچانی یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔'' میں نے کہا اور روتی ہوئی بیچ بازار میں باجی جان سے لپٹ گئی۔ پھر ان کو زبردستی اپنے گھر لے آئی۔ اور تب انہوں نے بیٹھ کر اپنی ساری روئیداد سنائی۔'' صوفیہ بیگم نے کہا اور سائڈ ٹیبل پر رکھے جالی سے ڈھکے گلاس میں سے پانی کے دو تین گھونٹ پیے، پان کی گلوری بنا کر منہ میں رکھی۔ میجر صاحب اس نے ماضی کی بھول بھلیوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ اس لیے انہوں نے ان کے خاموش ہو جانے پر کچھ نہیں کہا۔ صوفیہ بیگم کچھ دیر بعد خود ہی گویا ہوئیں۔

''یہ تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ باجی جان نے اعظم بھائی سے عقد ثانی کر لیا تھا۔ لیکن جن وجوہات پر کیا تھا وہ بالکل ہی دوسری نوعیت کی تھیں یہ محبت کا جذبہ بھی کچھ عجیب ہی ہوتا ہے۔ باجی جان اکرم بھائی کو دل و جان سے چاہتی تھیں اور اعظم بھائی شروع ہی سے ان کے دم دیوانہ تھے اور اپنی محبت کا اظہار بھی ان پر کر چکے تھے۔ اور اسی بات پر باجی جان نے نہ صرف ان کو ڈانٹا پھٹکارا تھا بلکہ ان سے نفرت بھی کرنے لگی تھیں مگر یہ حالات بھی انسان کو کیسا مجبور کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اعظم ان کی ڈانٹ پھٹکار کے باوجود انہیں دل کی گہرائیوں سے چاہتے رہے حتیٰ کہ کلثوم خالہ کی لڑکی سے خالو ابا نے ان کی نسبت ٹھہرائی تھی۔ انہوں نے اسے بھی ٹھکرا دیا اور اپنا تبادلہ دہلی کا کرا کے بھائی اور بھاوج کے پاس ہی آ گئے اور یوں باجی جان کی نفرت شدید تر ہو گئی۔ لیکن حالات نے اچانک ہی پلٹا کھایا۔ اعظم بھائی فرشتہ رحمت بن کر ایک بُرے اور آڑے وقت ان کی مدد کو آ پہنچے اور انہیں فسادات کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں سے نکال کر لاہور لے آئے۔ اور انہوں نے اپنی اعلیٰ ظرفی بلند کرداری اور ایثار کا کچھ ایسا مظاہرہ کیا کہ باجی جان کے دل میں بھری کدورت دور ہو گئی، ویسے بھی حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے باجی جان جوان اور کم عمر تھیں اور اس بھری دنیا میں ان کو سہارا دینے والا کوئی نہ تھا۔ اعظم بھائی نے سارا معاملہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا اس لیے اپنی مجبوریوں کے تحت انہوں نے اعظم بھائی سے نکاح کر لیا اور ان

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

دنوں جب باجی جان اچانک مجھے مل گئی تھیں اعظم بھائی فکرِ روزگار کے چکر میں شہر شہر کی خاک چھان رہے تھے۔ سب کچھ تو ہندوستان میں چھوڑ آئے تھے۔ اس لیے کھانے پینے کے بھی لالے پڑ رہے تھے اور اس وجہ سے ان کی غیر حاضری میں باجی جان بچا کھچا ایک آدھ زیور بیچنے کی غرض سے برقع اوڑھ کر بازار میں گھوما کرتیں۔ ہائے کیسا عبرت کا مقام تھا۔

وہ لڑکی جس کے باپ کے گھر لنگر جاری رہتا تھا۔ جو دولت کی ریل پیل میں پلی بڑھی تھی اور کبھی گھر سے باہر قدم نہ نکالا تھا وہ اپنا پیٹ پالنے کی غرض سے برقع اوڑھے بازار میں گھومتی نظر آتی تھی۔'' صوفیہ بیگم نے ایک سرد آہ بھر کر کہا تو میجر صاحب بولے۔

''ہاں واقعی مقام عبرت ہی تھا مگر جو بات میں تم سے پوچھنا چاہ رہا تھا۔ وہ تم نے بتائی ہی نہیں۔''

''میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بڑی طویل داستان ہے۔ پوری رات گزر جائے گی تب بھی ختم نہ ہوگی۔ میرے خیال میں آپ اب آرام کریں باقی باتیں میں کل آپ کو بتادوں گی۔ ارے ہاں آپ کو تو صبح منہ اندھیرے ڈیوٹی پر بھی تو جانا ہوتا ہے۔'' صوفیہ بیگم نے کہا تو میجر صاحب بولے۔

''نہیں نہیں۔ تم مجھے آج ہی سب بتادو۔ میں آج کا کام کل پر چھوڑنے کا قائل نہیں۔'' تو صوفیہ بیگم پھر شروع ہوگئیں۔

''بیچ میں بول کر بات ہی بھلوا دیتے ہیں آپ۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی؟''

''وہی عشرہ بھابھی کے کشائش کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں تم۔'' میجر صاحب نے یاد دلایا۔

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ باجی جان کو یک و تنہا اور حالات کا شکار دیکھ کر میں نے بہت کوشش کی کہ باجی جان میرے پاس آ کر رہیں مگر انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ یہ عذر کر کے کہ اعظم نے یہ مکان بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے اگر میں نے اسے چھوڑ دیا تو کوئی دوسرا اس پر قبضہ کر لے گا۔ اور میں نے اس لیے مزید اصرار نہ کیا کہ ان دنوں چونکہ پاکستان نیا نیا وجود میں آیا تھا اس لیے اتنی ٹھوکریں کھا کر اور جانیں گنوانے کے باوجود یہاں بڑی نفسا نفسی پھیلی ہوئی تھی۔ کل چار پانچ ماہ ہی تو ہوئے تھے پاکستان کو قائم ہوئے۔''

صوفیہ بیگم ذرا کی ذرا سانس لینے کو رکیں اور پھر بولیں۔

''میں خود تانگہ منگوا کر باجی جان کو ان کے گھر چھوڑنے گئی تو میرے دل پر ایک گھونسہ سا پڑا۔ دو چھوٹے چھوٹے کمروں اور تنگ سے آنگن پر مشتمل یہ اینٹوں کا پرانا سا گھر تھا۔ یقین جانیے اس دن میں اتنا روئی کہ شاید زندگی میں کبھی نہ روئی تھی۔ پھر اس کے بعد باجی جان سے ایک دو مرتبہ ہی ملاقات ہو سکی۔ وہ بھی میں خود ہی ان سے ملنے جاتی تھی مگر زیادہ تر ان کے مکان میں تالا ہی پڑا ملتا تھا۔ جانے کیا بات تھی اعظم بھائی سے شادی ہو جانے کے باوجود باجی جان سخت ہراساں اور پریشان نظر آتی تھیں ان دنوں۔ اور جب آپ نے ٹکٹ بھیج کر مجھے اور بچوں کو پشاور بلایا تو میں روانہ ہوتے وقت بھی باجی جان سے ملنے گئی مگر تالا ہی میرا منہ چڑاتا نظر آیا۔ اور میں باجی جان سے ملنے کی حسرت لیے پشاور چلی گئی۔''

صوفیہ بیگم نے تھوڑی دیر رک کر آپ ہی آپ کچھ حساب لگا کر پھر کہا۔

''یہ تو آپ ہی کو یاد ہوگا پشاور میں ہمارا قیام کتنے عرصے رہا تھا۔ مگر جب آپ کو اپنے کسی مشن پر کراچی بھیجا گیا تھا تو آپ مجھے اور بچوں کو لاہور چھوڑتے ہوئے گئے تھے۔ میجر حق کے بنگلے میں اس میں نے جاتے ہی سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ سیدھی باجی جان کے یہاں پہنچی تھی۔ باجی جان ہی نہیں اعظم بھائی بھی گھر میں موجود تھے اور مجھ سے بڑی خندہ پیشانی سے ملے تھے۔ باجی جان کے حالات بھی اب کافی حد تک سدھر گئے تھے۔ اور خدا نے ان کی گود بھی ہری کر دی تھی اور ایک چھ سات ماہ کی حسین بچی سے انہیں نوازا تھا۔ بچی کیا تھی واقعی چاند کا ٹکڑا تھی۔ جو دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ سوائے اعظم بھائی کے جنہیں اس بچی سے ذرا بھی اُنسیت نہیں تھی۔ ویسے بھی اعظم بھائی اب بالکل بدل گئے تھے۔ ان کی زندہ دلی اور خوش مزاجی سب کچھ حالات کی نذر ہو گئی تھی۔ ہنستے بھی تو بڑی کفایت سے کام لے کر۔ بات بھی کرتے تو ضرورتاً۔ البتہ مجھ سے آپ کے بارے میں بہت پوچھتے تھے۔ ہمیشہ مغموم اور ملول ہی نظر آتے تھے۔ کہتے تھے صوفیہ بنیادیں جب نحوسیت ڈھ جاتی ہیں تو عمارت ہی زمین بوس ہو جاتی ہے۔ ہم تو بس آثار ہیں اس عمارت کے ہمارے اندر رہا ہی کیا ہے۔ باپ بھائی عزیز و اقارب سب ہی ساتھ چھوڑ گئے۔ پھر کس کے لیے ہنسیں۔ کس کے لیے خوش ہوں اور کسے خوشیوں سے نوازیں۔

اور جب میں بچی کے لیے کہتی کہ آپ اس کے لیے جئیں۔ اس کو پروان چڑھائیں اور اس کے لیے خوشیاں مہیا کریں۔ تو وہ پھیکی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے۔

''دنیا میں کوئی بھی رشتہ پائیدار نہیں ہوتا۔ تو میں اس بچی کے لیے بھی تگ و دو کیا کروں گا۔ جو شکل و صورت اور واقعات سے کسی طور پر بھی میری نہیں لگتی۔'' حد تو یہ تھی کہ اگر باجی جان کسی کام میں مشغول ہوتیں اور بچی ہوتے سامنے چاہے چیخ چیخ کر رو رو کر ہلکان ہوتی رہتی تب بھی اعظم بھائی کے کان پر جوں نہ رینگتی وہ یا تو گھر سے باہر نکل جاتے یا چپ چاپ بیٹھے تماشہ دیکھتے رہتے مگر بچی کو ہاتھ نہ لگاتے۔ ویسے بھی میں نے محسوس کیا تھا کہ باجی اور اعظم بھائی ایک دوسرے سے کشیدہ رہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی مجھے اچھی طرح معلوم تھی۔ کہ باجی نے اپنے حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان سے نکاح کیا تھا۔ ورنہ ان کے دل میں اعظم بھائی کی طرف سے جو بال پڑا تھا وہ ختم نہیں کیا تھا۔ بہر حال لاہور میں میں چند ماہ ہی رہی تھی کہ آپ نے مجھے کراچی بلا لیا۔

اس وقت بھی میں نے باجی جان اور اعظم بھائی سے بہت اصرار کیا کہ میرے ساتھ کراچی چلیں لیکن دونوں میں سے ایک بھی راضی نہ ہوا۔'' صوفیہ بیگم بولتے بولتے تھک گئی تھیں اس لیے انہوں نے تھوڑا توقف کر کے تکیے پیٹھ کے پیچھے سے نکال کر سائڈ میں رکھے اور ان پر کہنی ٹکا کر جمائی لیتی ہوئی بولیں۔

''اے آپ کو نیند تو نہیں آ رہی۔''

''نہیں نہیں۔ نیند تو آج اُڑ ہی گئی ہے!'' میجر صاحب نے کہا اور خود بھی لحاف کا گٹھڑ سا بنا کر اس پر کہنی ٹیک کر بیٹھ گئے تو صوفیہ بیگم نے کہنا شروع کیا۔

''جس روز میری روانگی تھی اس روز میرا دل منہ کو آ رہا تھا اور میں بہت آزردہ خاطر ہو رہی تھی۔ باجی جان سے جدائی کا غم مجھے تڑپائے دے رہا تھا۔ یقین جانیں میرا دل آپ کے پاس جانے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ اعظم بھائی صبح صبح ہی باجی جان کو مع بچی کے میرے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اور ہم دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے بیتے دنوں کو یاد کر رہے تھے۔ باجی جان روئے جا رہی تھیں۔ اور میں بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں کو روک رہی تھی کہ باجی جان نے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
Reading Section

''تم جانتو رہی ہو صوفیہ اور میری دُعا ہے کہ تم اپنے شوہر اور بچوں کے سر پر سلامت رہو۔ لیکن ...
دل کو کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ ہم شاید ہی پھر کبھی مل سکیں۔'' او
میں اپنے اشکوں پر قابو نہ پا سکی۔ باجی جان کے گلے سے لگ کر خوب روئی۔ اور پھر آنسو پونچھ کر مسکرا
ہوئی بولی۔

''اصل میں آپ پر جو افتاد پڑی ہے اس نے آپ کے دل کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ ورنہ انشاء اللہ
زندگی رہی تو ہم جلد ہی ملیں گے اگر آپ کراچی نہ آ سکیں تو میں خود لاہور آ کر آپ سے مل جاؤں گی
بلکہ اب کے آؤں گی تو آپ کے یہاں ٹھہروں گی۔''

''ہاں خدا کرے ایسا ہی ہو مگر اب میں نے ہوائی قلعے بنانے چھوڑ دیے ہیں۔ میرے سارے
آئندہ خواب بکھر چکے ہیں۔ صوفیہ۔ اور اب میرا رہا ہی کون ہے۔ محبت کرنے اور جان چھڑکنے والے
ماں باپ سدھار چکے۔ محبوب شوہر ساتھ چھوڑ چکا۔ گھر بار سب چھن گیا۔'' باجی جان ایسے دل شکستہ
انداز میں بولیں کہ میرا دل کٹ کے رہ گیا۔ پھر بھی میں نے دلدہی کے طور پر کہا۔

''باجی جان آپ کے تو صرف باپ اور شوہر ہی ساتھ چھوڑ گئے ہیں مگر ذرا ان لوگوں کو بھی تو دیکھیں
جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے پورے پورے خاندان تہ تیغ کر دیے گئے ہیں۔ مال و متاع
لوٹ لیا گیا ہے۔ ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی۔ جب انہیں اپنے والدین بہن بھائی اور بیوی
آتے ہوں گے۔ آپ کا تو شوہر بھی موجود ہے اور قدرت کا عطیہ بچی بھی۔ آپ اب ان کے لیے
جئیں۔''

''ہاں اسی کے لیے تو جی رہی ہوں۔ ورنہ سچ پوچھو تو مجھے اب اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی کوئی لگاؤ نہیں
رہا۔ اور تم نے بچی کے ساتھ اعظم کے رویہ تو دیکھ ہی لیا ہوگا۔ ان کا بس چلے تو بچی کا گلا ہی گھونٹ کر
دیں۔'' باجی جان اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بولیں۔

''خیر رویہ تو ان کا آپ کے ساتھ بھی کچھ اچھا نہیں اور اس بات پر مجھے تعجب بھی ہوتا ہے کہ
انہوں نے آپ سے نکاح ہی کیوں کیا جب نبھا نہیں سکتے تھے تو۔'' میں نے بھی اپنے دل کی بات
دی۔

''نہیں۔ مجھ سے تو خیر وہ بُرا رویہ اختیار ہی نہیں کر سکتے۔ البتہ اس بچی سے ہی انہیں کچھ ایسی پرخا
ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ سے بھی منہ پھلائے رکھتے ہیں۔''

''لیکن آخر کس وجہ سے۔ اعظم بھائی کو تو شکر کرنا چاہیے کہ خدا نے ان کی دلچسپی کے لیے ایک کھلو
عطا کر دیا ہے۔ وہ بھی ایسی حسین و جمیل بچی کی صورت میں کہ جس کی مثال ندان بھر میں نہیں ملتی۔''

''لیکن انہیں یقین ہی کب ہے کہ یہ ان کی بچی ہے اور سچ پوچھو تو یہ حقیقت بھی ہے۔'' باجی جان دل
زبان سے بولیں۔

''ہیں تو کیا یہ اعظم بھائی کی بچی نہیں ہے؟'' میرے دل میں مجھے شبہات ایک دم ہی اُبھر آئے
اصل میں یہ بچی کو دیکھ کر مجھے بھی کچھ ایسا ہی احساس ہوا تھا۔ کیونکہ چند ماہ پیشتر جب میں پشاور گئی تھی
باجی جان کے حاملہ ہونے کے دور دور تک آثار نہ تھے۔

''نہیں یہ بچی اعظم کی نہیں ہے۔'' باجی جان نے کہا تو میرے دل پر ایک دھماکہ سا پڑا۔ تو کیا یہ

جان اس قدر بھی گر سکتی ہیں۔ مجھے ایک دم ان کا گھومنا پھرنا اور گھر سے غائب رہنا یاد آ گیا۔ جس کے
متعلق میرے استفسار پر انہوں نے یہی بتایا تھا کہ وہ کسی شکیلہ نامی لڑکی کی تلاش میں ادھر ادھر گھومتی
رہتی ہیں۔ مگر اب مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اصل قصہ کیا ہے۔ یعنی باجی جان پیٹ بھرنے کی خاطر۔ نہیں
نہیں یہ غلط ہے باجی جان کے حاملہ ہونے کے تو دور دور تک آثار نہ تھے۔ میں اپنے آپ سے ہی الجھنے
لگی۔ اور مجھے گم صم سا دیکھ کر باجی نے کہا۔

''پہلے تم ساری حقیقت سن لو پھر خود ہی جان جاؤ گی۔ حالانکہ میں نے قسم کھائی تھی کہ اس راز کو سینے
میں چھپائے لحد میں اتر جاؤں گی مگر حالات نے کچھ اس طرح پلٹا کھایا ہے کہ بتانے کے سوا کوئی چارہ
ہی نظر نہیں آ رہا۔ البتہ ایک شرط ضرور ہے کہ تم میرے سامنے قسم کھاؤ کہ تم اس بات کو اپنے تک ہی
رکھو گی۔ اور کسی کے کان میں اس کی بھنک بھی نہ پڑنے دو گی۔'' اور میں نے بات سننے کی جلدی میں قسم
کھالی۔

''تم یہ نہ سمجھنا صوفیہ کہ میں تم پر اعتماد نہیں کرتی۔ جو یہ شرطیں وغیرہ لگا رہی ہوں بلکہ معاملہ ہی کچھ ایسا
نازک ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تم اپنی مروت اور ہمدردانہ فطرت سے زیر ہو کر کسی کو نہ بتا دو۔ اعظم اس لیے
مجھ سے بدظن اور بدگمان ہیں کہتے ہیں کہ اگر یہ لڑکی تمہارے بطن سے ہوتی تو میں بھی اتنا ناتجربہ کار نہیں
کہ اس کے عالم وجود میں آنے کے اسباب سے لاعلم رہتا اندھا بھی نہیں ہوں جو دیکھ اور محسوس نہ کر سکتا
اور اگر تم نے اسے گود ہی لیا ہے تو صاف صاف کیوں نہیں بتاتیں کہ کہاں سے لی ہے اور کس سے لی
ہے۔ اور ان ساری باتوں کے جواب میں میں کہتی ہوں کہ یہ میری ہی بچی ہے۔ آپ چونکہ کئی ماہ
تک لاہور سے باہر رہے تھے اس لیے مجھے آپ کو بتانے کا موقع نہ ملا تھا مگر چھ سات ماہ کے عرصے میں
تو کوئی بچہ نہیں ہوتا۔ وہ جب یہ کہتے ہیں تو میں فوراً کہتی ہوں۔ اے بچے کیوں نہیں ہوتا۔ سوا نو بچے
بھی ہوتے ہیں یہ تو خدا کی دین ہے جب بھی دے دے لیکن میری باتیں انہیں مطمئن نہیں کرتیں۔ خیر
اعظم کی تو مجھے پرواہ نہیں کیونکہ میرے دل میں آج بھی ان کی طرف سے گرہ پڑی ہوئی ہے گو ایمان کی
بات ہے وہ اتنے بُرے نہیں جتنا میں انہیں سمجھتی تھی۔ لیکن اس دل کا کیا کروں صوفیہ جو آج بھی اکرم
کے لیے ہی دھڑکتا ہے۔ پھر تم یہ بتاؤ صوفیہ کہ ضدی اور سرکش دل کسی دوسرے مرد کا دخل کیسے برداشت
کر سکتا ہے؟'' باجی جان نے کہا اور ہچکی اور سسکی سے رونے لگیں اور میں نے بھی رونے میں ان کا ساتھ
دیا۔

کیسی لازوال محبت تھی۔ کیسا صادق اور ٹھوس جذبہ تھا۔ وہ بھی ایک طرفہ تشنہ اور نا تمام۔

اکرم بھائی نے تو بے اعتنائی اور بیگانگی کے سوا انہیں دیا ہی کیا تھا۔ میں جو اعظم بھائی کے لیے ان
سے پُرزور سفارش کرنا چاہ رہی تھی۔ اس لازوال اور ٹھوس جذبے کے سامنے مہر بلب رہ گئی اپنے آنسو
پونچھ کر باجی پھر بولیں۔

''میں آج یہی طے کر کے آئی تھی کہ تم پر سب کچھ عیاں کر دوں گی۔ کیونکہ تمہیں بتانا اس لیے ضروری
ہے کہ کل کلاں اگر میری آنکھ بند ہو جائے تو کم از کم تم تو اس حقیقت سے باخبر ہو۔'' اور پھر باجی جان
نے مجھے اکرم بھائی کے بیگانہ سے رویے۔ ہر وقت دور دور اور لاتعلق رہنے اور پھر دم آخر اپنی کوتاہیوں
اور زیادتیوں کی معافی مانگ کر اپنا ایک راز ان پر عیاں کرنے کے ساتھ ساتھ وصیت کرنے کی پوری

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section

پوری روئیداد میرے گوش گزار کر دی اور میں ہمہ تن گوش اور سراپا مدہوش بنی سب کچھ سنتی رہی پھر ساری بات بتا کر باجی جان نے کہا۔

"تمہیں یاد ہوگا جب میں پہلی بار نہایت اتفاقی طور پر تم سے ملی تھی تو سارا سارا دن ماری ماری پھرا کرتی تھی اور تمہارے پوچھنے پر میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں کسی شکیلہ نامی لڑکی کی تلاش میں سرگرداں ہوں جس کا کچھ ضروری سامان امانت کے طور پر میرے پاس رکھا ہوا ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہی تھی میں شکیلہ کو نہیں اکرم کی محبوبہ اور منکوحہ کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔" باجی جان نے کہا تو میرے احساس کو ایک دھچکا سا لگا۔

"ہیں۔ اکرم بھائی کی منکوحہ کو......" میرا استعجاب انتہا سے باہر ہو گیا۔

"ہاں۔ اکرم کی منکوحہ کو۔ کیونکہ بوقت رخصت جو پتا اکرم نے مجھے دیا تھا تلاش بسیار کے بعد وہاں پہنچی تو معلوم ہوا کہ وہ مکان تو خالی پڑا ہے۔ میری مایوسی کی انتہا نہ رہی لیکن نیک ارادوں اور خواہشات کا ساتھ قدرت ضرور دیتی ہے۔ اعظم ان دنوں بغیر بتائے روزگار کی تلاش میں کہیں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اور یہ میرے لیے بہت ہی غنیمت ثابت ہوا ورنہ ان کی موجودگی میں میں اتنی بے فکری اور آزادی سے گھوم پھر نہ سکتی تھی ان دنوں مجھے لاہور آئے چار پانچ ماہ کا عرصہ ہوا تھا اور روز بروز میری بے چینی اور بے قراری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

کیونکہ وہ میرے محبوب شوہر اکرم کا نہیں میرا اپنا فریضہ تھا۔ میری ذمے داری تھی۔ عالم نزع میں انہوں نے کس بے بسی اور بیچارگی سے مجھ سے التجا کی تھی۔ ان کا زرد، کمھلایا ہوا نیم جاں سا چہرہ، ڈوبتی ہوئی نظریں۔ سراپا التجا وجود سب کچھ میری نظروں میں گھوم جاتا۔ آہ انہوں نے زندگی میں کبھی پیار محبت کے دو بول بھی بولے تھے۔ تو بھلا کس وقت؟ کس موقع پر جب وہ زندگی کے سارے ناتے توڑ رہے تھے۔ اور جب موت میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔ عزت و ناموس کی دھجیاں اڑنے والی تھیں۔ بادشمنان خدا آگ اور خون کی ہولی کھیل رہے تھے۔ تم ہی بتاؤ کیسا بے بسی اور بے کسی کا سماں تھا میری بہن۔

میں اپنے دل کا کوئی ایک ارمان بھی پورا نہ کر سکی۔" باجی جان پھر اختیار رو دیں اتنا روئیں کہ میں گھبرا اٹھی بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا۔ خوب تسلی دلاسے دیے۔ دل بھر کے غمگساری کی۔ تب کہیں جا کر باجی جان سنبھلیں اور بولیں۔

"ہاں صوفیہ تم ٹھیک ہی کہتی ہو آخری ساعتوں میں ہی سہی انہوں نے مجھے اپنا پیار تو دیا۔ میری بے پناہ محبت کے آگے جھکتے تو سہی۔ انہوں نے اپنی سب سے قیمتی پونجی بھی تو مجھے بخش دی تھی۔ بہر حال میں اپنے شوہر کی محبوبہ کی تلاش میں سارا دن ماری ماری پھرتی تھی۔ لیکن مجھے ہر روز ناکامی اور مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ اکثر لوگ مجھے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے بعض لوگ میری تحقیر تک کر کے رکھ دیتے مگر میں کسی کی پرواہ نہ کرتی۔ اصل میں جس محلے کا پتا مجھے دیا گیا تھا اس کا نام میرے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ اور میں انکل سے جس مکان کا اندازہ لگا کر گئی تھی۔ اس میں تالا پڑا تھا۔ البتہ مکان کا نمبر مجھے بخوبی یاد تھا۔ اس لیے میں دوسرے محلوں میں کھوج لگاتی رہی۔

جب ضبط نہ ہو سکا تو میں نے پوچھا کہ پھر اکرم بھائی کی منکوحہ آپ کو ملی بھی یا نہیں؟ تو باجی جان نے کہا۔

"ہاں۔ ڈھونڈے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ ایک روز جونہی میں نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا جس کا نمبر اکرم کے بتائے ہوئے نمبر کے مطابق تھا تو ایک خرانٹ سی عورت دروازے پر نمودار ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہاں کون رہتا ہے تو کٹ کھنے سے انداز میں بولی۔

"تمہیں اس سے کیا غرض کہ کون رہتا ہے۔ چلو دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔" عورت کا لب و لہجہ کھرا کھرا اور بہت سخت تھا۔ ایک دم مردمار عورت لگ رہی تھی۔ اور میں اس سے خائف بھی ہو گئی تھی۔ اور واپسی کے لیے پلٹنا ہی چاہ رہی تھی کہ مکان کے اندر سے کسی نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اور مجھے یوں لگا جیسے وہ آواز میرے پیروں کی زنجیر بن گئی ہو۔ ویسے بھی میرا دل کہہ رہا تھا کہ میری منزل یہی ہے۔ وہ عورت دروازہ بند کر کے جا چکی تھی میں نے دل کڑا کر کے پھر دروازے پر دستک دی۔ اور کچھ ہی دیر بعد پھر وہی عورت دروازے پر نمودار ہوئی۔ اور مجھے دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو کر بولی۔

"تو پھر آ گئی فقیرنی۔ ٹھہر میں تجھے ابھی بتاتی ہوں۔" اور وہ مجھے مارنے کے لیے مجھ پر جھپٹی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"سنو۔ میں بھکارن نہیں ہوں بلکہ اپنی ایک جاننے والی کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ مکان کا نمبر بھی یہی ہے جو مجھے بتایا گیا ہے۔" تو وہ قدرے نرم پڑ کر بولی۔

"تمہیں کسی نے غلط پتا بتایا ہے ورنہ اس مکان میں تو میں اور میری بہن ہی رہتے ہیں۔ اور یہاں ہمارا جاننے والا کوئی نہیں۔"

"دیکھو مجھے ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر خانم تمہاری بہن کا ہی نام ہے تو مجھے ان سے ملوا دو۔" اور میری اس بات پر وہ بدحواس سی ہو گئی کہنے لگی۔

"میں کسی خانم وانم کو نہیں جانتی۔ جاؤ اپنا راستہ لو۔ اور مجھے زیادہ پریشان نہ کرو۔ ورنہ میں تمہیں پیٹ ڈالوں گی۔" اور اسے بدحواس اور گھبرایا ہوا دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا۔ کہ وہ جان بوجھ کر مجھے ٹال رہی ہے۔ میں نے کچھ سوچ کر فوراً ہی کہا۔

"دیکھو مجھے اکرم صاحب نے بھیجا ہے وہ آج کل سخت علیل ہیں اور انہوں نے اپنی بیوی اور بچے کی خیریت پچھوائی ہے۔ اور ایک رقعہ بھی بھجوایا ہے۔" میری بات سن کر اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ کچھ دیر تک گم صم سی میری شکل دیکھتی رہی۔

"تم میری طرف سے مشکوک مت ہو میں تمہاری مالکہ کے تمام حالات سے واقف ہوں اور میں نے انہیں ڈھونڈنے میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے تم یہ رقعہ اپنی بیگم صاحبہ کو دکھا دو۔ وہ ساری بات خود ہی سمجھ جائیں گی۔" میں نے رومال میں بندھا ہوا رقعہ اسے تھماتے ہوئے کہا تو کچھ دیر وہ تذبذب کے عالم میں کھڑی کبھی رقعے کو اور کبھی مجھے دیکھتی رہی پھر بادل ناخواستہ اس نے وہ رومال میرے ہاتھ سے لیا اور مجھے باہر رکنے کا کہہ کر دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔ پھر میں کافی دیر تک مضطرب سی اس کے آنے کا انتظار کرتی رہی۔ اتنے دن کے جھمیلے کے بعد مجھے کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ میرے مرحوم شوہر کی پہلی اور آخری خواہش تکمیل تک پہنچ رہی تھی۔ اس لیے سرخروئی اور مسرت کا احساس میری روح

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تک کو سرشار کر گیا تھا۔ کافی دیر تک انتظار کرنے کے بعد آخر پھر دروازہ کھلا اور اسی عورت نے درواز[ے] پر نمودار ہو کر نہایت شائستگی اور نرمی سے مجھے اندر چلنے کے لیے کہا۔ اور میرا تو بس نہیں چل رہا تھا [کہ] دروازہ توڑ کر اندر گھس جاؤں میں فوراً ہی مکان کے اندر داخل ہو گئی۔ عورت نے دروازے کی کنڈی لگائی۔ اور صحن اور برآمدہ عبور کر کے ایک چھوٹے سے کمرے تک میری پذیرائی کی۔

وہاں ایک بان کی چارپائی پر ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی گود میں ایک بچہ لیے بیٹھی نظر آئی۔ ایسی حسین کہ کیا بتاؤں میں نے پورے انصاف سے دل میں سوچا کہ اکرم جیسے وجیہہ انسان کے ایسی ہی حسین و جمیل لڑکی موزوں ہو سکتی تھی، مجھے دیکھتے ہی اس نے نہایت خندہ پیشانی سے مجھے سلام کیا۔ اور مجھ سے اکرم کی علالت کے بارے میں پوچھنے لگی۔ "کہ یہ خط تو انہوں نے مجھے کئی دن پہلے بیماری کی حالت میں لکھا تھا اب وہ کیسے ہیں خود مجھ سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ میں تو ان کی طرف سے سخت پریشان رہی ہوں۔" اُف ایک بیقراری کے عالم میں اتنے سارے سوالات وہ بھی اس معصومانہ انداز میں کہ میرا دل کٹ کے رہ گیا اب میں اسے کس دل اور کس زبان سے بتاتی کہ اکرم کا انجام بخیر ہو چکا ہے۔ دل تو بھرا چلا آ رہا تھا اس کے المیہ پر بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر کہا۔

"اکرم ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوئے؟"

"ہائے تو ابھی تک بیمار ہے میرا شوہر۔ خدارا آپ صرف ایک بار ہی ان سے مجھے ملوا دیں۔" بڑا ہی اور دل کو پارہ پارہ کرنے والا سوال تھا۔

"اکرم ابھی تک دلی میں ہی ہیں؟"

"اچھا آپ میرا خط تو ان تک پہنچوا سکتی ہیں۔" وہ اکرم سے ملنے کے لیے کیسی بے قرار ہو رہی تھی میں نے اس کا دل رکھنے کو خط پہنچانے کی ہامی بھر لی۔ تو اس نے میرے سامنے ہی پنسل سے جلدی جلدی اکرم کو خط لکھا خط لکھنے کے دوران وہ برابر روتی رہی اور جب میں اس سے خط لے کر چلنے لگی تو میں نے کہا۔

"آپ کا یہ خط تو خیر میں اکرم تک پہنچانے کی پوری کوشش کروں گی لیکن اکرم نے اپنے خط میں آپ سے جس خواہش کا اظہار کیا ہے اور جو تاکید کی ہے اس کے تحت آپ کی بہبود اسی میں ہے کہ آپ اس بچے کو میرے حوالے کر دیں۔" اور تب اس نے ایک دم ہی میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے اور روتی ہوئی بولی۔

"خدا کے لیے باجی میرے اس جگر کے ٹکڑے کو مجھ سے جدا نہ کریں۔ اکرم نے جن وجوہات کی بنا پر اس بچی کو آپ کی تحویل میں دینے کے لیے کہا ہے وہ خطرات اب ٹل گئے ہیں اور پھر میں اس بچی کی ماں ہوں۔ اپنی جان پر کھیل کر اس کی حفاظت کر سکتی ہوں۔ آپ اکرم سے کسی طرح کہلوا دیجیے۔ میں نے وہ مکان تبدیل کر لیا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو اس کا پتا چل گیا تھا۔ کسی طرح وہ مجھے دلی بلا لیں تو میں خود اپنی بچی کی پرورش کروں گی۔ کیا اب انہیں مجھ سے ملنے کی کوئی امید نہیں۔ کیا میرا ساتھ دینا انہیں نہیں جو انہوں نے ایسا مطالبہ کیا ہے؟" اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ادھر اس کی التجا کی ہائے بے چارگی۔ اور اس لمحے پر میری آنکھیں بھی جل تھل کا سماں پیش کرنے لگیں۔ وہ ماں تھی اور میں ماں بننے کی نعمت سے محروم۔ اور اس سے زیادہ مجھے اولاد کی قدر تھی مجھے معلوم تھا کہ اولاد کیا شے ہوتی ہے

کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے۔

عورت کا مقصد اور ملتجا۔ میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ میں ایک ماں کی گود سے اس کے جگر کے ٹکڑے کو چھین کر لے جاؤں۔ وہ بھی ایک غمزدہ اور حرماں نصیب عورت سے اور پھر میں نے سوچا کہ بچی بھی ابھی بہت چھوٹی ہے۔ اور اب تو ملاقات ہو ہی گئی ہے۔ جب خانم کو اصل واقعات کا علم ہوگا تو آئندہ پیش آنے والے حالات کے تحت خود ہی بچی کو میرے حوالے کر دے گی۔ اس لیے اس روز میں اسے بہت تسلی دلاسے دے کر گھر چلی آئی۔

ایک دو روز بعد آنے کا کہہ کر آئی تھی مگر اب برداشت کا مادہ نہیں رہا تھا۔ دل پر اتنے چرکے لگے تھے کہ گھر آتے ہی بخار نے آ لیا۔ کوئی حلق میں بوند ٹپکانے والا بھی نہ تھا۔ بہرحال چار پانچ روز میں لوٹ پوٹ کر ٹھیک ہوئی اور سب سے پہلا کام یہی کیا کہ خانم کے پاس جا پہنچی مگر دروازے میں اتنا موٹا تالا پڑا دیکھ کر دل دھک سے رہ گیا۔ یہ سوچنے میں دیر نہ لگی کہ وہ ارادے اور نیت دیکھ کر یہاں سے بھی بھاگ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال آیا کہ کہیں وہ لوگ تو اسے پکڑ کر نہیں لے گئے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر بچی کی جان کی خیر نہیں۔ وہ تو پہلے ہی بھرے سے بیٹھے ہیں اور بچی کے تو خون کے پیاسے ہوں گے۔ افسوس میں نے کتنی بڑی غلطی کی۔ اسی روز اسے سب کچھ بتا دیتی تو آج یوں ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ گویا سارے کیے کرائے پر پانی پھر گیا تھا۔ شکستہ قدموں سے واپس لوٹ رہی تھی کہ تانگوں کے اڈے کے پاس ایک برقع پوش عورت نے میرا راستہ روکا۔ اور اشارے سے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا میں سمجھ گئی کہ یہ وہی خرانٹ سی عورت ہے مگر میں نے اس سے کچھ پوچھا نہیں چپ چاپ اس کے پیچھے چل دی۔ اس عورت نے تانگہ روک کر اپنے ساتھ مجھے اس میں بٹھوایا اور ایک دوسرے محلے میں آ گئی جس میں غریب طبقہ آباد تھا۔ اور مجھے لے کر ایک شکستہ سے مکان پر پہنچی۔ وہیں ایک تنگ و تاریک سے کمرے میں خانم نے بڑھ کر میرا استقبال کیا۔ بچی کو اب بھی اس نے سینے سے لگا رکھا تھا۔ فکروں اور پریشانیوں سے اس کا حسین سا چہرہ ستا کر رہ گیا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں سے ہراسگی اور سوگواری صاف عیاں تھی۔ پھر بھی وہ بڑے تپاک سے ملی اور چھوٹتے ہی پوچھا۔

"کیسے اکرم کی بھی کوئی خیر خبر ملی۔ کیا آپ نے میرا خط ان کو بھجوا دیا۔ پتا تو وہی ہے نا "چگو بیاں روڈ والا"۔" آگے پیچھے کتنے بڑے تیز تھے سوال اس پر وہی معصومانہ انداز وہی لگن وہی اشتیاق۔ میرے دل پر ایک گھونسا سا پڑا۔ اور میں سٹ پٹا کر رہ گئی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیونکر اسے بتاؤں۔ کس طرح اسے حقیقت سے آگاہ کروں۔ بہت سوچ سمجھ کر بولی۔

"آپ کے خط کا جواب ابھی تک تو نہیں آیا۔ شاید اس لیے کہ اکرم آج کل سخت علیل ہیں۔ اور چونکہ ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ آپ کا خط ان تک پہنچا ہی نہ ہو۔" اور وہ اکرم کی شدید علالت کا سن کر زرد پڑ گئی۔ آنکھوں میں تھلملاہٹیں لیے میری طرف دیکھا اور ملتجی سے انداز میں بولی۔

"آپ نے میرا اتنا خیال رکھا ہے ایک احسان اور کر دیجیے کہ کسی طرح مجھے دلی بھجوا دیجیے۔ اس میں شک نہیں کہ میں آپ کے لیے بالکل اجنبی اور غیر ہوں۔ لیکن میرے شوہر سے تو آپ کوئی نہ کوئی نسبت رکھتی ہیں۔ اور اسی تعلق کے واسطے سے میں آپ سے درخواست کر رہی ہوں۔"

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

وہ بہت صاف اور شستہ اردو بول رہی تھی۔ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا پھر بھی میں نے بڑے ضبط سے کام لے کر بات گھمائی۔

''آپ نے وہ جگہ کیوں چھوڑ دی۔ وہاں تالا پڑا دیکھ کر تو میرے ہوش ہی اڑ گئے تھے۔''

''ان لوگوں کو اس جگہ کا بھی پتا چل گیا تھا۔ اسی لیے تو آپ سے کہہ رہی ہوں کہ کسی طرح مجھے دلی بھجوا دیں۔ اس طرح کب تک ان لوگوں سے بچی چھپائے پھروں گی۔ اور پھر اکرم بھی تو سخت علیل ہیں۔ اس وقت مجھے ان کے پاس ہونا چاہیے تھا ہائے باجی میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ حالات مجھے ان سے اس طرح جدا کر دیں گے۔ میں نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا ان سے جدا ہونے کا۔'' وہ ایک بار پھر رونے لگی۔ اور میں نے حیران ہو کر دل میں سوچا کہ آخر اتنے عرصے تقریباً نو دس ماہ وہ کہاں رہی جو اسے حالات کی سنگینی کا علم بھی نہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس عرصے میں ہندوستان کے مسلمانوں پر کیا قیامتیں گزر گئی ہیں۔ اس نے تو اشارتاً بھی فسادات کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔ آخر میں دل کڑا کر کے بولی۔

''تو یہ آپ نے ٹھیک ہی کہا کہ آپ ان لوگوں سے کب تک چھپتی پھریں گی اور آپ کا دلی جانا بھی کسی طور پر ممکن نہیں۔ کیونکہ فسادات کی وجہ سے وہاں کی فضا اب تک خراب ہے۔ اور پھر اکرم کی زندگی کا بھی کیا بھروسہ ایسی نازک حالت ہی ہوگی جو انہیں ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے۔'' اور اس نے جلدی سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر کہا۔

''خدا کے لیے ایسی بدفال تو منہ سے نہ نکالیے ہم نے تو ایک دن بھی سکھ کا سانس نہیں لیا۔ بس چند یوم ہی ساتھ رہ کر گزارے ہیں وہ بھی وحشت اور دہشت میں۔''

''ذرا تحمل سے کام لے کر میری بات سنیے۔ مجھے دیکھیے کہ میں اب سے کچھ دن پہلے کیا تھی اور اب کیا ہو گئی ہوں۔ اپنے مال و متاع' اپنے والد اور اپنے شوہر کو آزمائشوں کی صلیب پر چڑھا کر برہنہ پا اور تن تنہا یہاں آئی ہوں یعنی مرنے والوں کے ساتھ مری نہیں بلکہ ان کی رفاقت کے زخم چھپائے آپ کے سامنے بیٹھی ہوں۔ اور آپ کا معاملہ تو یکسر مختلف ہی ہے۔ آپ کے تو خدا رکھے سب ہی عزیز و اقارب زندہ و سلامت ہیں۔ آپ کے لیے تو اصل مسئلہ یہ بچی بنی ہوئی ہے۔ آپ اگر اکرم کی خواہش کے مطابق اسے میرے سپرد کر دیں تو کوئی رخنہ ہی باقی نہ رہے۔ آپ کو اپنے عزیزوں سے تعلقات استوار کرنے کا۔'' میں نے بڑی رسانیت سے کام لے کر سمجھایا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں وہ لوگ تو کسی حالت میں بھی مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اصل میں آپ ہمارے یہاں کے قوانین اور اصولوں سے واقف نہیں اور پھر جب خدا کے فضل سے میرا شوہر موجود ہے تو پھر میں ان لوگوں کے پاس کیوں جاؤں۔'' وہ بڑے مان سے بولی اور میرا دل کٹ کے رہ گیا مگر میں تو آج آئی ہی اس نیت سے تھی کہ اسے حقیقت سے آگاہ کر دوں۔ آخر میں نے دل مضبوط کر کے کہہ ہی دیا۔

''لیکن میری پیاری بہن۔ اب اکرم کی امید فضول ہی ہے وہ کئی ماہ پیشتر ہی اس دنیا سے ناتا توڑ گئے ہیں۔''

''ہیں۔'' اس نے پوری آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کا حسین تر چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا۔ اس نے بچی کو چارپائی پر لٹایا اور مجھ پر آنکھیں نکال کر بولی۔

''نہیں' نہیں۔ آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ آپ محض میری بچی کو مجھ سے چھیننے کے لیے مجھے دھوکا دے رہی ہیں۔'' اور پھر اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔

''نہیں۔ یہ سچ ہے میری بہن۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں آتا تو یہ ان کا وصیت نامہ ہے جو مرتے وقت انہوں نے مجھے دیا تھا۔ آپ اسے دیکھ سکتی ہیں۔''

میں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر وہ وصیت نامہ یا خط جو اکرم نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں مجھے اپنے بچے یا بچی کا مختار کل بنانے کے طور پر دیا تھا' اسے تھما دیا۔ اور پھر میری پلکیں جھک گئیں کیونکہ اس وصیت نامے کا ردعمل اس پر دیکھنے کی مجھ میں تاب نہ تھی۔ اس نے جلد جلد وہ وصیت نامہ پڑھا اور پھر ایک چیخ مار کر وہیں فرش پر بیٹھ گئی اور بین کرنے کے سے انداز میں با آواز بلند رونے لگی۔ اپنے اپنے ضبط کی بات ہوتی ہے مجھ پر پے در پے اتنے سانحے ٹوٹے تھے۔ اصل میں میرے اندر ضبط و تحمل کا مادہ بہت تھا۔ مگر وہ ایک ناتجربہ کار نوعمر اور الہڑ سی لڑکی تھی جو ضبط و تحمل کی بندشوں سے ناآشنا تھی اور بلک بلک کر بین کر رہی تھی۔ پھر اس کی ملازمہ اس کی چیخیں سن کر بھاگی بھاگی آئی اور اسے سہارا دے کر پلنگ پر بٹھا دیا۔ اور خود بھی اس کے ساتھ بین کرنے لگی۔ گو میرا دل بھی پھٹا جا رہا تھا مگر میں نے ضبط کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اس کے لیے ملازمہ سے پانی منگوایا' جس قدر الفاظ دل وہی' دلجوئی اور غمگساری کے آتے تھے انہی سے اس کی ڈھارس بندھاتی رہی تب کہیں جا کر وہ خاموش ہوئی۔

''آپ کے لیے اب یہی بہتر ہے کہ آپ اپنوں میں چلی جائیں آپ بہت معصوم اور ناتجربہ کار ہیں اور یہ دنیا بڑی بری جگہ ہے۔ یہاں آپ جیسی حسین اور نوخیز لڑکی کے لیے جگہ جگہ خطرات بکھرے پڑے ہیں۔ آپ یہاں تنہا زندگی نہیں گزار سکیں گی۔'' میں کہتی رہی اور وہ خاموش بیٹھی ہچکیاں لیتی رہی۔

''اکرم کی وفات کا غم مجھے آپ سے کچھ کم نہیں لیکن مجھے دیکھیے میں نے کیسی ہمت سے اپنے زخموں پر صبر کا پھاہا رکھا ہے' ویسے بھی بہن مشیت ایزدی میں کس کو دخل ہے صبر تو بہر حال کرنا ہی پڑتا ہے۔ گو آپ کا زخم تازہ ہے پھر بھی میں کہوں گی کہ صبر سے کام لیں اور اس بچی کو اکرم کی وصیت کے مطابق میرے حوالے کر دیں اگر میرا اعتبار نہیں تو مجھ سے حلف اٹھوا لیں کہ میں اس کی پرداخت و نگہداشت اور محبت میں کبھی کوتاہی سے کام نہ لوں گی۔ اپنی جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کروں گی۔ ہتھیلی کا پھپھولا سمجھ کر اس کی پرورش کروں گی۔'' میں اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر کہتی رہی اور وہ میری بات کاٹ کر زور سے چلائی۔

''نہیں نہیں۔ میں اپنی اس لخت جگر کو کسی کے حوالے نہیں کروں گی۔ اکرم نے اگر وصیت بھی کی تھی تو یہی سمجھ کر کہ ہو گی کہ میں اپنے حالات کے تحت اس کی پرورش بہتر طور پر نہ کر سکوں گی۔ لیکن میں اس کی ماں ہوں اور ایک ماں اپنے بچے کے لیے سائبان ہی نہیں ایک قلعہ ایک حصار ثابت ہوتی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں آپ پر زبردستی نہیں کرتی مگر اچھی طرح سوچ لیجیے کہ آپ کی ضد کا انجام کیا ہوگا۔ اگر آپ کا سائبان قلعہ یا حصار ناپائیدار ثابت ہوا تو یہ معصوم اور شیرخوار بچی دنیا کے سرد و گرم سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔ اور پھر یہ آپ کے ہی نہیں میرے محبوب شوہر کی بھی خواہش ہے آپ نے وہ خط اور وصیت نامہ تو پڑھ ہی لیا ہے ذرا غور سے خط کو دیکھیے اس میں چھ سات ماہ پہلے کی تاریخ درج ہے۔ اصل

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں تو وہ عین فسادات کے پرآشوب دور میں ہی ختم ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے بوقت رخصت التجا کی تھی کہ میں اس بچے کی پرورش کا ذمہ اپنے سر لے لوں جو آپ کے بطن سے پیدا ہوگا۔"

اور میری بات پر رونا دھونا بھول کر اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا کہ میں گڑبڑا کر رہ گئی۔

"آپ۔ آپ اکرم صاحب کی پہلی بیوی عشرہ بیگم ہیں؟ آپ نے مجھے اب تک کیوں نہیں بتایا" اس نے گلوگیر لہجے میں پوچھا اور میں چپ سی رہ گئی۔ اب اسے کیسے بتاتی کہ میں نے اپنی اصلیت سے اس لیے چھپائے رکھا کہ ایک سوکن ہونے کی حیثیت سے تم مجھ سے ملنا پسند کرو گی نہ میری بات اور نہ ہی بچی کو میری تحویل میں دینا گوارا کرو گی۔ میں بہت سوچ سمجھ کر دبی زبان سے بولی۔

"کیونکہ یہ بات آپ کے لیے خوشی کا باعث نہ ہوتی۔ میرا مطلب ہے ایک سوکن سے ملنا۔ درمیان ایک تکلف سا پیدا ہوتا' ایک جھجک سی پڑ جاتی۔ اور میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اپنے مرحوم آخری خواہش کا احترام کرتے ہوئے کیا ہے۔ جب وہ آخری سانسیں لے رہے تھے اس وقت نے آپ کے متعلق مجھے سب کچھ بتایا تھا' کاش اپنی زندگی میں ہی بتا دیتے تو آج آپ کو یوں خاک چھاننی نہ پڑتی۔ عشرہ اپنا دل چیر کر آپ کے لیے اس میں جگہ بنانے سے بھی دریغ نہ کرتی افسوس کہ آج عشرہ آپ ہی کی طرح تہی دست ہے۔ وہ اپنے محبوب کی محبوبہ کے لیے تھوڑا سا آسرا مہیا نہیں کر سکتی۔" میں کہتی رہی اور وہ اپنا منہ..... تھوڑا وا کیے اور جھیل سی شفاف آنکھوں میں اشکوں جھلملاتے لیے میری صورت دیکھتی رہی۔

"واقعی اکرم نے خدا انہیں غریق رحمت کرے آپ کے متعلق جو کچھ کہا تھا آپ اس سے کہیں نکلیں۔ آپ بہت عظیم ہیں بڑے ہی فراخ دل کی مالک ہیں۔"

اس نے کہا تو میں شرمندہ سی ہو گئی۔ میں تو خود کو اس سے کہیں کمتر سمجھ رہی تھی۔

"آپ مجھے شرمندہ تو نہ کیجئے۔ یہ ضروری نہیں اگر مجھے اکرم سے والہانہ عشق تھا تو وہ بھی اس پابند ہوتے۔ دل پر کسے اختیار ہوتا ہے۔ اکرم کو آپ سے والہانہ عشق تھا۔ اب میرا جذبہ ایسا ناپاک اور بودا تو نہیں تھا کہ میں آپ سے دل میں کپٹ لے کر بیٹھ جاتی۔ جب کہ میں تو جو چیز میرے کو پیاری ہو میں اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتی ہوں۔"

"آپ۔ آپ واقعی بڑی اعلیٰ ظرف ہیں عشرہ باجی جب کہ مجھے دیکھیے کہ میں ہمیشہ آپ سے کرتی رہی۔" اس نے بڑی صداقت سے اپنے جذبہ رقابت کا اعتراف کیا۔ اس کے چہرے خجالت سی ہویدا تھی۔

"اگر حسد بھی کرتی رہی ہیں تو یہ ایک فطری بات ہے اور سچ پوچھیے تو اگر اکرم اچانک یوں سفر نہ باندھ بیٹھے ہوتے اور ان کی زندگی میں مجھے آپ کی موجودگی کا علم ہوتا تو میں بھی حسد اور جلن کی آگ میں جل اٹھتی۔" میں نے محض اس کی شرمندگی دور کرنے کی غرض سے کہا۔ وہ کچھ دیر خاموش آہستہ آہستہ بہتے آنسوؤں کو پونچھتی رہی۔ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے ٹھیک ہی کہا۔ میں یوں تن تنہا حالات کا مقابلہ نہ کر سکوں گی۔ مجھے ان کے پاس جانا ہوگا۔ نہ معلوم وہ مجھ سے کیسا ہی سلوک روا رکھیں۔ کیسا ہی ظلم توڑیں۔ لیکن میں کم از کم اپنوں میں تو

گی۔ افسوس تو صرف اس بات کا ہے کہ یہ نئی اور انجانی زندگی ہمیں راس نہ آئی۔ ایک دن بھی ہم دونوں سکھ سے نہ رہ سکے۔ حتیٰ کہ اکرم نے انکھوں کی قربان گاہ پر اپنی زندگی بھینٹ چڑھا دی ورنہ ورنہ۔"

مگر اس کا گلا رندھ گیا تھا اس لیے وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی اور ایک بار پھر ہچکیوں اور سسکیوں سے رونے لگی۔ میری روئیداد بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔ اس پر اپنی محرومی کا احساس جو میری محبت کے جواب میں اکرم کی طرف سے مجھے ملی تھی میرا بھی دل بھر آیا۔ اور ٹپ ٹپ ناتمام حسرتوں اور نامرادیوں کے موتی میری پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے اور جب ذرا آنسو تھمے تو میں نے پوچھا۔

"پھر اب بچی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کیا خیال ہوگا۔ بس اس کو خود سے جدا کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" وہ بھی اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

"لیکن وہاں لے جاتی ہیں تو اس کی جان کو خطرہ لاحق رہے گا۔ اور پھر ابھی تک تو ان لوگوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی کہ آپ ایک بچی کی ماں بھی بن چکی ہیں۔" میں نے اس کے [illegible] سے جواب پر اسے خطرات سے آگاہ کیا۔

"ہاں اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں ماں بھی بن چکی ہوں تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

میں نے کہا۔

"شاید آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ورنہ میں نے اپنی خدمات پیش کر دی ہیں آپ جس طرح چاہیں اپنا اطمینان کر لیں۔"

"اطمینان وہ بھی آپ کی طرف سے؟ سچ کہتی ہوں اگر اتنی بے بسی نہ ہوتی تو ساری زندگی آپ کی محبت میں رہ کر گزار دیتی۔ مگر آپ اطمینان رکھیے یہ بچی اب آپ کی ہی سرپرستی میں پروان چڑھے گی۔ کیونکہ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ میرے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ اپنی اس لخت جگر کو آپ کے حوالے کر دوں۔" اتنا کہہ کر اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے بچی کی طرف دیکھا جو دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہی تھی۔

"کاش۔ اکرم زندہ ہوتے تو اسے دیکھ کر پھولے نہ سماتے۔ ان کے دل میں کیسے کیسے ارمان تھے اسے پروان چڑھانے کے مگر یہ کیسی تیرہ بختی ہے کہ عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی باپ کے سائے سے محروم کر دی گئی۔ اور اب ماں۔ ماں۔" اس نے ہچکی لے کر کہا۔ تو میری ہچکی اور بھی بندھ گئی۔

"خدا کے لیے بہن ایسی باتیں مت کرو۔ میرے دل میں اب اتنی تاب نہیں ہے۔" مجھے اپنا دل ڈوبتا سا محسوس ہوا تو میں نے کہا اور پھر اس کا دھیان بٹنے کی غرض سے بولی۔

"اچھا اب اجازت دیں۔ میں بہت دیر کی گھر سے نکلی ہوئی ہوں اور بچی کی ضرورت کی جو خاص خاص چیزیں ہیں وہ بھی مجھے دے دیجیے۔" اور پھر میں کھڑی ہو گئی اور وہ ہراساں سی ہو کر بولی۔

"خدارا بہن' میری بچی کو چند روز اور میرے پاس رہنے دیجیے پھر نہ معلوم میں اسے دیکھ بھی سکوں یا دیکھنے کی حسرت دل میں لیے مر جاؤں۔"

اور پھر اس نے جلدی سے بچی کو چارپائی سے اٹھا کر یوں سینے سے بھینچ لیا۔ جیسے میں اسے چھین کر لے جاؤں گی۔ میرا دل خود بچی کو اس کی ماں سے جدا کرنے پر خون ہو رہا تھا۔ میں نے رسان سے کہا۔

READING Section
UrduPhoto.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''اچھا جیسی آپ کی مرضی لیکن یہ سوچ لیجئے کہ اگر اس بچی کی خاطر وقت ضائع کیا تو...''

''نہیں، نہیں۔ بس اسے کل اور پرسوں تک کے لیے اور میرے پاس چھوڑ دیجئے۔ پھر جس وقت آپ کا دل چاہے آ کر لے جائیں۔'' وہ میری بات قطع کرکے بولی۔ اور میں چوتھے روز آنے کا کہہ کر اپنے گھر چلی آئی۔

''باتوں ہی باتوں میں کھانے کا وقت ہو گیا تھا اور باجی جان ہی توشہ دان میں ہمارے لیے کھانا بھر کر لائی تھیں مگر دل کس کا چاہ رہا تھا کچھ کھانے پینے کو۔ میں نے نوکر سے کہہ کر بچوں کو کھانا کھلوا دیا اور خود بیٹھی ان کا قصہ سنتی رہی اور سچ پوچھیے تو اس وقت مجھے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ میں سہ پہر کی ٹرین سے کراچی روانہ ہونے والی ہوں بہرحال باجی جان اپنا قصہ کہتی رہیں۔

''بہرحال میں اس کی بے قراری اور تڑپ کے پیش نظر اس سے تیسرے روز آنے کا کہہ آئی تھی۔ یہ تین روز میں نے جس اضطراب اور پریشانی میں گزارے میرا ہی دل جانتا تھا۔ کبھی یہ ڈر کہ اس عرصے میں دونوں ماں بیٹیاں دشمنوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور نہ جانے وہ ان دونوں کا کیا حشر کریں۔ کبھی یہ خدشہ کہ کہیں خانم خود ہی بچی کو لے کر کہیں روپوش نہ ہو جائے اف اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی اور خصوصاً بچی کی جان کی خیر نہ ہوگی۔ کبھی یہ سہم کہ کہیں اعظم اچانک وارد ہو کر سارا اپنا بنایا کھیل بگاڑ دیں۔ جب کہ میں چاہتی تھی کہ ان کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر ان کو یہ باور کرا دوں کہ یہ بچی ان کی ہے۔ بہرکیف وہ تین روز ایسے ہی وسوسوں اور اندیشوں میں گزار کر چوتھے روز صبح ہی صبح وہاں پہنچ گئی۔'' باجی نے تھوڑا سا توقف کیا اور پھر بولیں۔

''ہاں یہ بھی سن لو کہ ان دنوں میں کوڑی کوڑی کو محتاج تھی۔ چھوٹے چھوٹے چند زیورات ہی میرے پاس تھے جنہیں کوڑیوں کے مول بیچ کر میں اپنا کام چلاتی آ رہی تھی۔ اور میرے پاس آخری زیور بیچ کر جو تھوڑی سی رقم بچ رہی تھی اس سے میں نے بچی کے دودھ کی بوتل، دودھ کا ڈبہ، دو تین فراکیں اور اٹھا کر دو ہریں وغیرہ بنائی تھیں اور اس روز مجھے خیال آیا تھا کہ آخر خانم کس طرح اپنا خرچ اٹھاتی ہوگی اس کی کفالت کرنے والا تو کوئی بھی نہ تھا اور اسی خیال نے مجھے بے چین کرکے رکھ دیا تھا۔

میں اس کے یہاں پہنچی تو وہ میری منتظر ہی کھڑی تھی جاتے ہی مجھ سے لپٹ گئی تو میں نے پوچھا۔

''مجھے یہ خیال کل سے بڑا پریشان کر رہا ہے کہ آخر آپ اپنا خرچ کس طرح چلاتی ہوں گی۔ جب آپ بھی میری طرح تہی دست اور نادار ہیں؟'' تو وہ آہستہ سے بولی۔

''بس چل ہی جاتا ہے کسی نہ کسی طرح۔'' اس کا انداز ٹالنے کا سا تھا۔

''وہی تو میں حیران ہوں کہ کس طرح چلتا ہے...؟'' میں نے کہا۔

''دو ہزار روپے کی رقم آخری بار رخصت ہوتے وقت اکرم مجھے دے گئے تھے۔ اس پر میرے پاس اپنا کچھ زیور بھی تھا مگر۔ مگر اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ اتنا بھی نہیں کہ اگلے ماہ کا کرایہ بھی ادا کر سکوں۔'' اس نے جھینپے جھینپے سے انداز میں اپنی ناداری کا پول کھولا تو میرا دل چاہا دنیا کے سارے خزانے اس پر لٹا دوں مگر میں تو خود ہی تہی دست اور کوڑی کوڑی کی محتاج تھی بس خاموش کھڑی اپنی بے بسی پر افسوس کرتی رہی۔

''انہی حالات کے پیش نظر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پرسوں تک یہ مکان چھوڑ دوں گی۔'' وہ خود ہی بولی۔

''اصل میں راستہ چونکہ بہت طویل اور دشوار گزار ہے اور میرے پاس زادِ راہ بھی نہیں ہے اس لیے میں نے ان لوگوں کو لکھ دیا ہے کہ وہ خود آ کر مجھے یہاں سے لے جائیں اور مجھے یقین ہے کہ کل نہیں تو پرسوں تک کوئی نہ کوئی وہاں سے ضرور مجھے لینے آ جائے گا۔'' اس نے بتایا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔

''لیکن۔ لیکن اگر ان لوگوں میں سے کوئی آج آ گیا تو پھر۔ تو پھر؟'' میں نے سراسیمگی سے پوچھا تو فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھی۔

''ابھی تک تو کوئی آیا نہیں۔ اور اگر آ بھی گیا تو آپ تو یہاں موجود ہی ہیں۔ بچی کو برقعے میں چھپا کر لے جایئے گا۔ ویسے بھی میں نے آج آپ کو اسی غرض سے بلایا تھا کہ بچی کو آپ کی تحویل میں دے دوں۔

اس نے کہا تو میرے سینے سے ایک بوجھ سا اترتا ہوا محسوس ہوا۔ یہ سوچ کر کہ آج وہ بچی کو میرے حوالے کر دے گی۔ میری نظریں بچی پر جم سی گئیں۔ جو اس وقت خلاف معمول جاگ رہی تھی اور چارپائی پر پڑی ہاتھ پیر چلا کر آہستہ آہستہ غوں غاں کر رہی تھی۔ میں کئی مرتبہ یہاں آئی تھی۔ مگر میں نے نظر بھر کر اس بچی کو نہ دیکھا تھا کیونکہ ایک تو وہ ہمیشہ سوئی ہوئی ملتی تھی دوسری ماں کے سینے سے لگی لپٹی لپٹائی۔ مگر اس بچی سے جو مجھے ایک قلبی وابستگی پیدا ہو گئی تھی اس وجہ سے ہمیشہ اور ہر لمحہ مجھے اسی کا خیال پریشان کیے رہتا تھا۔ اب جو میں نے اس بچی کو غور سے دیکھا تو انگشت بدنداں سی بس ایک ٹک دیکھتی ہی رہ گئی۔

بچی کیا تھی چاند کا ایک ٹکڑا تھی۔

قدرت کا ایک نادر اور انمول عطیہ ہی لگ رہی تھی۔

اتنی چھوٹی عمر میں اس قدر حسین بچی کم از کم میں نے تو کہیں نہ دیکھی تھی۔ میں مبہوت سی کھڑی اسے دیکھنے لگی اور مجھے بچی کی طرف متوجہ دیکھ کر خانم بھی اس کی طرف دیکھنے لگی اور پھر اسے گود میں لے کر بے اختیارانہ چوم کر سینے سے چمٹا لیا اور رقت آمیز لہجے میں بولی۔

''بچی دیکھو تمہاری ماں کس قدر بدنصیب اور بے بس ہے کہ تمہیں اپنی گود میں پروان بھی نہیں چڑھا سکتی۔ اپنی اس لاچار ماں کو معاف کرنا بیٹی جو تجھے تیرے حق سے بھی محروم کر رہی ہے۔ جو۔ جو تجھے دودھ بھی نہیں پلا سکتی۔'' اور پھر بچی پر ہی سر رکھ کر رونے لگی تو مجھے اپنا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا لگا۔ میں نے بڑے ضبط سے کام لے کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ تسلی اور دل دہی کے طور پر کچھ کہنے کو میرے پاس رہا ہی کیا تھا اور تب کچھ دیر بعد اس نے اپنے آنسو پونچھ کر ملازمہ سے اپنی زبان میں کچھ کہا جو اپنے کام سے فارغ ہو کر ہمارے قریب ہی آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گئی اور کچھ ہی دیر بعد ایک دست مال میں بندھی ایک پوٹلی سی لیے اندر آ گئی۔ اور پوٹلی کو پلنگ پر رکھ دیا۔

''جب دل و دماغ قابو میں نہیں ہوتا تو انسان اخلاق و آداب سے بھی عاری ہو جاتا ہے۔ آپ اتنی دیر سے کھڑی ہیں اور مجھے بٹھانا بھی یاد نہ رہا۔'' خانم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے پلنگ پر بٹھاتے ہوئے کہا اور خود بھی ایک طرف ٹک گئی مگر میری توجہ اس بھیجے پوٹلی کی طرف تھی۔ اسی لیے میں نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ بچی کو چارپائی پر لٹا کر خانم وہ پوٹلی کھولتی ہوئی پھر کہنے لگی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

"گو یہ بہت حقیر اور معمولی سی اشیاء ہیں لیکن یہ میری پوری زندگی کا سرمایہ ہیں۔"

مجھے خود اس پوٹلی کے بارے میں سخت تجسس ہو رہا تھا اور میں اس میں سے برآمد ہونے والی اشیاء کو غور سے دیکھ رہی تھی مگر مجھے اس میں... ایک چھوٹی سی آہنی صندوقچی اور چند کاغذات کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ خانم نے بہت سے پیلے کاغذات کا ایک پلندہ اٹھایا اور بولی۔

"اس میں اکرم کے چند خطوط جو میری زندگی کا سرمایہ ہیں نکاح کے کاغذات ہیں اور میری اور اکرم کی چند تصویریں ہیں جو میں بطور ثبوت اپنے پاس ہی رکھوں گی' البتہ یہ صندوقچی بطور بچی کی امانت میں آپ کو سونپتی ہوں۔ اس میں ہمارا خاندانی تحفہ چند زیورات اور شادی کے موقع پر لی گئی میری اور اکرم کی چند تصویریں ہیں۔ جب یہ بچی خدا اسے عمر دے بڑی ہو جائے تو آپ یہ ساری چیزیں اس کے حوالے کر دیجئے گا۔ ممکن ہے قدرت کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ ساری چیزیں اس کے لیے کارآمد ثابت ہو جائیں۔" پھر اس نے نکاح نامہ اور خطوط نکال کر صندوقچی کو اسی دستی ماں میں باندھ دیا اور اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتار کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ ہماری خاندانی انگوٹھی ہے اسے بھی بطور امانت آپ اپنے پاس رکھ لیجئے۔ خدا میری بچی کو پروان چڑھائے۔ جب یہ بالغ ہو جائے تو یہ اس کی انگلی میں ڈال دیجئے گا۔ اس تاکید کے ساتھ کہ یہ کہیں گم نہ ہونے پائے۔" میں نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی لی تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ جانے درد اور کرب کی کس منزل سے گزر رہی تھی وہ کہ گلگوں رنگت بھی اڑی اڑی سی لگ رہی تھی۔ میں نے انگوٹھی کو غور سے دیکھا۔ یہ عام نگینوں سے ہٹ کر بنی ایک سادہ سی مردانہ نمونے کی انگوٹھی تھی۔ جس پر ننھے ننھے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

"یہ انگوٹھی میرے پردادا کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ چونکہ ہمارے خاندان میں بھائیوں کی نرینہ اولادوں سے بہنوئی کی بیٹیاں بیاہے جانے کا رواج تھا اس لیے میرے پردادا نے ایک نئی رسم کا داغ بیل ڈالی۔ انہوں نے ایک ہی نمونے کی یہ دو انگوٹھیاں تیار کرائی تھیں اور خود اپنے ہاتھ سے دولہا دلہن کو یہ انگوٹھیاں پہناتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ رسم میرے دادا انجام دیتے رہے اور ان کے بعد میرے والد۔ اور یہ اتفاق کی بات ہی تھی کہ میرے پردادا۔ دادا اور والد کے یہاں نرینہ اولاد ایک ایک ہی ہوئی حتیٰ کہ بھائی کے یہاں بھی ایک ہی بیٹا ہوا اور اس انگوٹھی کا اصل حق دار وہ میرا بھتیجا ہے۔"

خانم بڑی تفصیل سے اپنی خاندانی روایات اور رواج کے بارے میں بتاتے ایک دم ہی خاموش ہو گئی اور میں انگوٹھی ہاتھ میں لیے خاموش بیٹھی اس کی صورت دیکھتی رہی۔

"مگر آہ اس بچی کے جوان ہونے تک کون جانے کہ حالات کیا صورت اختیار کریں۔ لیکن اتنا سمجھ لیں کہ ہمارے یہاں لڑکیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرنے کا رواج نہیں ورنہ یہی انجام ہوتا ہے جو میرا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر میرے بھتیجے تک آپ کی رسائی نہ ہو سکے تو خواہ یہ تمام عمر کنواری ہی رہے آپ اس کی شادی کسی اور جگہ نہ کیجئے گا۔"

اس نے بہت رک رک کر اور سوچ سوچ کر گویا بچی کے لیے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ اس کا گلوگیر سا لہجہ بہت نحیف تھا اور حسرت ناک تھا۔ میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی

دی۔

"ارے نہیں۔ آپ اتنی مایوس کیوں ہوتی ہیں' حالات تو کسی کے بھی ایک سے نہیں رہتے۔ اور پھر آپ ان لوگوں میں ہی تو جا رہی ہیں۔ خدا نے چاہا تو اپنے ہاتھوں سے اس کی شادی کریں گی اور اس کی بہاریں دیکھیں گی۔"

"نہیں نہیں' اب رہا ہی کیا ہے۔ آس کی ہر ڈور ٹوٹ چکی ہے۔ ارمانوں کا چمن جل کر خاکستر ہو گیا ہے۔ سر کا تاج پیوند خاک ہو چکا ہے اور اب یہ آخری اثاثہ بھی چھن رہا ہے۔ یہ دل و جگر کا ٹکڑا اور۔ اور اب وہاں جا کر نا معلوم میرا کیا حشر ہو۔ آپ نہیں جانتیں ہمارے یہاں کے اصول کتنے سنگین ہوتے ہیں۔ باجی پھر میں کس امید پر ارمانوں کا کوئی نیا محل تعمیر کروں؟ کس آس پر حالات کے سازگار ہونے کا انتظار کروں۔ جب کہ دل کے اس اجڑے نگر میں کوئی ولولہ کوئی امنگ نہیں رہی۔" اپنی بات کہتے کہتے اس کا گلا پھر رندھ گیا اور وہ رونے لگی۔

"اپنا دل سنبھالیے بہن۔ میں اب بھی یہی کہوں گی کہ انشاء اللہ یہ بچی آپ ہی کے زیر سایہ پروان چڑھے گی۔ لیکن اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوا تو آپ کی ہر خواہش کا احترام بہر طور مجھ پر لازم ہوگا۔" اس کی مایوسانہ گفتگو سے دل گیر ہو کر میں نے ایک بار پھر اسے دلاسہ دیا اور پھر اٹھنے کے ارادے سے بولی۔

"بہر حال احتیاط ضروری ہے' اگر اس وقت ان لوگوں میں سے کوئی یہاں آ گیا تو آپ کی حالت دیکھ کر بہت واویلا مچائے گا اس لیے اب مجھے اجازت ہی دے دیں تو بہتر ہے۔ ویسے بھی مجھے یہاں آئے خاصی دیر ہو چکی ہے۔"

"اچھا۔" خانم نے ایک سرد آہ بھر کر بڑی بے بسی سے کہا تو میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بچی خود ہی پڑے پڑے سو گئی تھی۔ میں نے چاہا کہ اسے اٹھا کر گود میں لے لوں۔ مگر پھر سوچا یہ مناسب بات نہیں جب تک خود ماں بچی کو میرے حوالے نہ کرے مجھے خود سے ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ خانم بھی شاید میرے ارادے کو بھانپ گئی تھی۔ اس نے رقت بھری آواز میں التجا کی۔

"تھوڑی دیر اور ٹھہر جائیے۔ میں آخری بار پیٹ بھر کے اسے دودھ تو پلا لوں۔ ورنہ کہیں روز محشر خدا کے سامنے مجھے اس محروم کر دینے پر میری شکایت نہ کر دے۔"

ہائے کیا بے بسی تھی اور کیسا دل شکستہ انداز ضبط کے باوجود چند آنسو میری پلکوں کا حصار توڑ کر میری پلکوں پر ڈھلک آئے۔ میں اس سے کچھ کہہ بھی نہ سکی۔ اس نے خود ہی بچی کو گود میں لیا۔ پیٹ بھر کے دودھ پلایا۔ اور اپنے سینے سے لگا کر بھینچ بھینچ کر بلند آواز میں رونے لگی۔ بچی کے چہرے گردن سینے حتیٰ کہ پیروں پر بھی اس نے بوسوں کی بارش کر دی۔ اس کے چہرے کو اس طرح غور سے دیکھتی رہی۔ جیسے اس کا ایک ایک نقش آنکھوں کی راہ دل میں اتار لینا چاہ رہی ہو۔ نیند میں اس مداخلت بے جا پر بچی کسمسانے لگی تو ماں پر تو ایک جنون سا سوار تھا اشک ایک سیل رواں کی طرح بہہ رہے تھے۔ پورا بدن کانپ رہا تھا اور وہ نڈھال سی ہو رہی تھی۔ مگر دیوانہ وار بچی کو چومے جا رہی تھی ٹوٹے ٹوٹے لہجے میں اپنی زبان میں کچھ کہتی بھی جا رہی تھی۔ مگر شدت گریہ کی وجہ سے آواز ہی نہیں الفاظ بھی ڈھنگ سے نہیں نکل رہے تھے۔ اف کیسا دل شکن اور دل سوز نظارہ تھا۔ جس کی تاب لانا مشکل ہی ہو رہا تھا اور میرا دل

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

آنکھوں کی راہ پانی بن کر بہہ رہا تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔ ظاہر تھا ایک ماں کا جگر گوشہ زندہ حالت میں ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو رہا تھا۔ وہ دل پر صبر کی آہنی چٹانیں رکھ کر اپنی ممتا کا کلیجہ پاش پاش کر رہی تھی۔ گویا دوسرے معنوں میں وہ جیتے جی موت کی اذیت سے گزر رہی تھی اور اس سے المناک اور ستم ظریف سے لمحات میں' میں خود کو اس کا مجرم سمجھ رہی تھی۔ اسی لیے مجھ سے ایک لفظ بھی ہمدردی یا دلدہی کے طور پر نہ کہا جا سکا۔ میرا ضبط پارہ پارہ ہونے لگا تو میں روتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی اور کچھ دیر ضبط کے ٹوٹے ہوئے بند کو جوڑنے کی ناکام سی کوشش میں مصروف رہی اور تبھی وہ بھی روتی ہوئی بچی کو سینے سے چمٹائے باہر آ گئی۔ اور ایک سیاہ کامدانی کے کپڑے میں لپیٹ کر میری گود میں دیتی ہوئی رقت بھری آواز میں بولی۔

"لیجیے۔ سنبھالیے اپنی امانت۔ بس ایک درخواست ہے باجی کہ اس سے کبھی کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے تو اسے کوئی سخت سزا نہ دیجیے گا۔" اور پھر وہ رونے لگی۔ اور میں نے جھلملاتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بچی کو گود میں لینے کے لیے بے تابانہ ہاتھ بڑھا دیے۔

"لائیے۔ بسم اللہ۔ اس دنیا کا کاروبار تو ایک معینہ مدت تک ہی چلے گا۔ مگر آخرت کی زندگی کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو گی اور اگر اس بچی کی پرورش کے سلسلے میں مجھ سے کوئی زیادتی یا کوتاہی ہو جائے تو آپ بھی پیدا کرنے والے کی قسم آپ اس کی عدالت جلیلہ میں میرا گریبان پکڑ کر مجھ سے باز پرس کیجیے گا۔" اور وہ تڑپ کر بولی۔

"نہیں نہیں باجی یوم حساب کا واسطہ نہ دیجیے۔ مجھے اگر آپ پر اعتماد نہ ہوتا تو میں اپنے اس جگر کے ٹکڑے کو یوں آنکھیں بند کر کے آپ کے حوالے نہ کر دیتی۔ میں نے تو جو کچھ مجھ پر گزر چکی ہے اس کے پیش نظر آپ سے ایک درخواست کی ہے۔ ورنہ آپ تو میری محسنہ ہیں اس فریبی اور مطلبی دنیا میں میری واحد ہمدرد اور غم گسار ہیں۔ میں بھلا۔ میں بھلا۔" صدق و ندامت کے موتی اس کی کجلائی ہوئی آنکھوں سے لڑیوں کی صورت میں گرنے لگے اور میں نے اس پھول سی بے وزن بچی کو اس سے لے کر اپنے سینے سے لگا لیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے

جیسے میرے امنگوں اور آرزوؤں سے خالی سینے میں لازوال لافانی' طوفانی اور عظیم جذبہ کسی بپھرتے ہوئے سمندر کی طرح اچانک ٹھاٹھیں مارنے لگا ہو۔

میری سوکھی ہوئی بے آب و نخل کوکھ میں ہری ہری نرم و نازک سی کونپلیں پھوٹنے لگی ہوں۔

خشک اور ویران چھاتیوں میں اچانک ہی پھوٹ نکلنے والی جوئے شیر کی جھر جھر نوائے سروش بن کر میری روح میں ایک نغمگی سی گھولنے لگی۔ تو میری نمناک آنکھوں میں یورش کرتا خوشی کا نتھرا ہوا شفاف پانی پلکوں کا حصار توڑ کر میرے رخساروں پر بہنے لگا۔

ایک ماں کے لیے اپنی اولاد میں کیا کشش اور محبت ہوتی ہے۔ اور ایک ماں کے لیے اولاد کتنی بڑی نعمت ہے یہ راز بھی اسی وقت مجھ پر کھلا۔ اور وہ بے چاری غم نصیب ممتا کی ماری اور بے بس ولاچار بے یار و مددگار جوان بیوہ آنکھوں کی راہ خون جگر بہا بھی رہی تھی تو بھلا کس طرح؟ اندر ہی اندر تڑپ تڑپ کر اور جی روک روک کر۔ میں نے تڑپ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

تو وہ بالکل ہی ریزہ ریزہ ہو گئی۔ ایسی بلک کر روئی کہ میرا دل چاہا بچی کو اسے واپس دے کر لوٹ

جاؤں مگر اس نے جلد ہی اپنے ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے وجود کو سمیٹ کر کہا۔

"میرے دل کو کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں اب کبھی اپنی بچی سے نہ مل سکوں گی آپ اگر مناسب سمجھیں تو میری ملازمہ کو اپنے ساتھ لے جائیں تاکہ یہ آپ کا گھر دیکھ آئے۔" وہ ذرا سی ذرا رکی اور پھر گویا اپنی بات کی وضاحت کرتی ہوئی بولی۔

"مجھے یقین نہیں کہ پرسوں تک ان لوگوں میں سے کوئی یہاں ضرور پہنچ جائے گا کیونکہ فاصلہ اتنا طویل ہے کہ آتے آتے دن لگیں گے لہٰذا اگر میں چند دن اور ٹھہر گئی تو آپ کو بلا کر کم از کم اپنی بچی تو دیکھ لوں گی۔"

"نہیں نہیں آپ کا یہاں تھوڑی دیر بھی تنہا رہنا ٹھیک نہیں۔ اب آپ نے مجھ سے کہہ دیا ہے تو آپ اطمینان رکھیے۔ جب تک آپ یہاں ہیں۔ میں روز اسے لے کر آپ سے ملوا جایا کروں گی۔"

میں نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا اور پھر پوٹلی سنبھالی اور اس سے رخصت ہو کر بچی کو سینے سے لگائے باہر آ گئی۔ وہ بھی برہنہ پا دروازے تک میرے پیچھے آئی۔ اور جب تک میں گلی کے موڑ تک نہ پہنچ گئی وہ دروازے پر کھڑی زار و قطار روتی رہی اور اپنی بچی کی رخصتی کا منظر دیکھتی رہی۔ ادھر خوشی کے مارے میرے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ تانگے کا کرایہ ادا کرنے کے قابل نہ تھی۔ اور بچی کو بس سے لے جانا نہ چاہتی تھی۔ اس لیے خود کو گھسیٹتی گھساتی پیدل چل کر ہی ڈھائی تین میل کا فاصلہ طے کیا۔ گھر آ کر میں نے بچی کو ڈبے کا دودھ پلانا شروع کیا۔ جو اسے راس نہ آیا تو پھر گائے کا دودھ شروع کرا دیا۔ مختصر یہ کہ حسب وعدہ تیسرے دن وہاں پہنچی تو خانم وہاں سے جا چکی تھی۔ میں ٹوٹا ہوا دل لیے وہاں سے لوٹ آئی۔" پھر باجی جان نے ساری تفصیل سنا کر انھیں اور اپنے ساتھ لائی ہوئی ٹوکری میں سے ایک پوٹلی نکال کر لائیں اور صندوقچی کھول کر وہ ساری چیزیں دکھائیں جو اس میں رکھی تھیں۔ صرف دو تصویریں تھیں ایک اکرم بھائی اور خانم کی شادی کے موقع پر لی گئی اور دوسری خانم کی۔ ایک ہنسلی نما جڑاؤ ہار تھا جو بہت پرانے زمانے کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اور جس کے سارے پتھر اصلی تھے۔ اس کے ساتھ کانوں کے بڑے بڑے جھمکے تھے اور ناک میں پہنی جانے والی ایک طلائی بلاق تھی۔ یا پھر وہ انگوٹھی جسے زیورات کے ساتھ باجی جان نے بہت سینت کر رکھا تھا اور بس اللہ اللہ خیر صلا۔ تمام چیزیں دکھا کر باجی نے ایک ننھا سا کرتا مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔

"ذرا اس کرتے کو دیکھو۔ یہ ان ساری چیزوں سے قیمتی اور متبرک ہے۔ یہی وہ کرتا ہے جس میں ممتا کا سارا نچوڑ ماں کی دم توڑتی ہوئی آرزوئیں اور ارمان سب کچھ جذب ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ ایک غم زدہ ماں کی ناتمام حسرتوں کے آنسوؤں سے بھیگ کر چوڑا ہو گیا تھا۔ میں نے اسے بچی کے جسم سے اتار کر نشانی کے طور پر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیا ہے۔ اب میری تم سے ایک درخواست ہے کہ اگر میری عمر جلدی میرا ساتھ چھوڑ دے تو تم اس انگوٹھی کے حق دار کو تلاش کرنا اور اگر وہ نہ ملے تو اس بچی کو میری امانت سمجھ کر اپنے پاس حفاظت سے رکھنا۔ میں اگر زندہ رہی تو انشاء اللہ اسے ایسی تربیت دوں گی کہ یہ کندن بن جائے گی۔ دیکھو صوفیہ میری بات یاد رکھنا اور یہ راز خود سے بھی چھپا کر رکھنا ورنہ قیامت کے دن۔"

باجی جان کی بات پر میں نے بے چین ہو کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"نہیں نہیں باجی آپ اطمینان رکھیے میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ میں اس راز کو ہمیشہ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اپنے سینے میں ہی محفوظ رکھوں گی بلکہ قبر میں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

"بس بس! اب مجھے اطمینان ہو گیا اور یہ صندوقچی بھی تم ہی سنبھال لو ہو سکتا ہے یہ میرے پاس [illegible] رہ سکے یہ میری ہی نہیں اس بچی کی بھی امانت ہے اور جب اس سلسلے کی کوئی راہ نکل آئے [illegible] کے حوالے کر دینا۔"

انہوں نے وہ کرتا صندوقچی کے اندر بند کر کے وہ صندوقچی مجھے تھماتے ہوئے کہا۔ اور تبھی [illegible] آ گئے۔ اور مجھے جلدی سے وہ صندوقچی چھپانی پڑی اور صندوقچی اپنے پاس رکھنے کے سلسلے میں [illegible] جان سے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملا۔ کیونکہ ادھر وقت بھی بہت تنگ ہو رہا تھا اور ٹرین کی روانگی [illegible] پون گھنٹہ ہی رہ گیا تھا۔ پھر ملازم سے تانگے منگوا کر اور سامان ان میں رکھوا کر ہم اسٹیشن [illegible] باجی جان میرے گلے سے لگ کر اتنا روئیں کہ میرا دل بھی پانی پانی ہو کر بہنے لگا اور [illegible] آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔

اُف! واقعات اور حالات بھی کیسے ظالم ہوتے ہیں کہ انسان کی پوری شخصیت کو مسخ کر کے [illegible] ہیں۔ اعظم بھائی کی وہ سدا بہار۔ پر مزاح سی شخصیت غم اور سنجیدگی کے سانچے میں کچھ ایسی ڈھل [illegible] کہ وہ مسکرانا تک بھول گئے تھے آہ۔ بے چاروں پر افتاد ہی ایسی پڑی تھی۔ اس پر عمر نے بھی وفا [illegible] جلد ہی دنیا کے جھمیلوں سے آزاد کرا دیا۔ مگر باجی جان بے چاری بڑی سخت جان نکلیں کہ بے [illegible] بے یار و مددگار ہوتے ہوئے بھی زندگی کی صعوبتوں [illegible] سامنے بھی دست سوال دراز نہ کیا۔" صوفیہ بیگم نے اپنے [illegible]

"ہاں بے چاری کی موت بھی کیسے حسرت ناک طریقے سے واقع ہوئی حادثے کی موت [illegible] حسرت ناک ہی ہوتی ہے۔" میجر صاحب جو بڑی دیر سے دم سادھے یہ ساری روداد سن رہے [illegible] ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولے۔

"ہاں لیکن آفرین ہے ان پر کہ بچی کو اتنے نامساعد حالات میں پروان بھی چڑھایا تعلیم [illegible] زیور بھی رکھا اور تعلیم بھی دلوائی مگر آہ۔ اس کی بہاریں نہ دیکھ سکیں۔" صوفیہ بیگم مغموم سے لہجے میں بولیں۔

"ہوں تو گویا یہی وجہ تھی کہ جب بھی میں طوبیٰ کو آصف سے منسوب کرنے کا خیال کرتا تو تم [illegible] طرح کے عذر ڈھونڈنے لگتی تھیں۔" میجر صاحب نے کہا۔

"ہاں کچھ یہ وجہ بھی تھی اور یہ تھا اس لیے بھی میں آپ کی خواہش کو ٹال جایا کرتی تھی کہ طوبیٰ کا آصف سے کچھ رشتہ ہی ایسا تھا کہ ان دونوں کی شادی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔" صوفیہ بیگم نے قدرے جھجکتے ہوئے آخری فقرے سے۔

"کیا مطلب؟ آخر بتانا چاہ رہی ہو۔ کیسا رشتہ ہے دونوں کے درمیان؟" میجر صاحب نے [illegible] چونک کر ذرا تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"دودھ شریک بھائی اور بہن کا۔" صوفیہ بیگم میجر صاحب کے چونک اٹھنے پر مسکرا کر بولیں اور [illegible] صاحب اپنی جگہ پر اچک کر بیٹھتے ہوئے پیشانی پر ہاتھ مار کر بولے۔

"[illegible] یہ تو ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ طوبیٰ کم و بیش آصف سے تین چار سال چھوٹی ہے۔" مگر [illegible]

بیگم پر ان کے لب و لہجے کا ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے اسی دھیمے لہجے میں بولیں۔

"لیجیے آپ کو خود اپنی اولاد کی عمروں کا بھی اندازہ نہیں کچھ یاد بھی ہے فسادات سے ڈیڑھ سال قبل آصف کی ولادت ہوئی تھی۔"

"پھر تو اس وقت دو سوا دو سال کا ہو گا آصف۔ سوا دو برس کے بچے کو بھی کوئی ماں دودھ پلاتی ہے۔" میجر صاحب کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں صوفیہ بیگم کی بات پر بالکل یقین نہ آیا ہو۔

"اے دو برس تو کیا ماں تو تین چار برس کی عمر کے بچے کو بھی دودھ پلا سکتی ہے بشرطیکہ دودھ کی فراوانی ہو اور خدا نے تو مجھے اس نعمت سے مالا مال کر رکھا تھا۔" صوفیہ بیگم قدرے فخر سے بولیں۔

"ہاں تا کہ تم ساری دنیا کو اس سے فیضیاب کر سکو۔" میجر صاحب نے طنز بھرے انداز میں لقمہ دیا تو صوفیہ بیگم چیخ کر بولیں۔

"اے آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ وہ تو میری روانگی کے دن جب باجی جان بچی سمیت مجھ سے ملنے آئی تھیں تو یہی سوچ کر بچی کا دودھ ساتھ نہیں لائی تھیں کہ بازار سے منگوا لیں گی لیکن اتفاق سے اس روز بازار میں دودھ ہی نہ ملا۔ ایک بوتل لائی تھیں وہ آتے ہی پلا دی تھی اور بچی دودھ پی کر ایسی سوئی کہ میری روانگی سے کچھ دیر پہلے ہی اٹھی تھی۔ اب جو دودھ نہیں ملا تو بچی نے رو رو کر گھر سر پر اٹھا لیا۔ اب باجی جان سخت پریشان کہ کریں تو کیا کریں۔ یہی دیکھ کر میں نے بچی کو اپنا دودھ پلا دیا۔" صوفیہ بیگم نے تفصیل بتائی تو میجر صاحب قدرے برہمی سے بولے۔

"اگر بالفرض محال مجھ لیا تو ایسا اتفاق ہو گیا تھا تو تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی۔ میرا مطلب ہے اس سے تو افشاں کے راز کا کوئی خدشہ نہ تھا۔"

"ہاں بعض اوقات ذرا سی چوک بڑی مشکل پیدا کر دیتی ہے اس پر آپ نے مجھے افشاں کی اصلیت سے لاعلم رکھ کر بڑا ظلم کیا ہے۔"

"ہوں۔ میں نے افشاں کی اصلیت سے تمہیں اور تم نے طوبیٰ کی اصلیت سے مجھے لاعلم رکھا۔" میجر صاحب نے طنزاً کہا۔

"اے میں نے تو سوچا تھا کہ اب باجی جان خود آ رہی ہیں وہ خود ہی اس معاملے کو نمٹا لیں گی۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ بے چاری ساری حسرتیں لیے لیے ہی لحد میں جا سوئیں۔"

"ہاں۔ لیکن آصف کو یہ باور کرانا کہ طوبیٰ نے تمہارا دودھ پیا ہے یا وہ طوبیٰ کا دودھ شریک بھائی ہے مشکل ہی ہے۔" میجر صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"ہاں ہے تو مشکل۔ مگر اب کیا کیا جائے۔ کسی نہ کسی طرح تو اسے یقین دلانا ہی ہو گا۔ مگر دیکھیے اس میں بھی قدرت نے ایک مصلحت ہی رکھی تھی۔"

"کیسی مصلحت؟" میجر صاحب نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"یہی کہ میں اگر طوبیٰ کو اپنا دودھ نہ پلاتی تو اس وقت باجی جان نہیں بلکہ طوبیٰ کی ماں کی وصیت پوری کرنی مشکل ہو جاتی۔" صوفیہ بیگم نے وضاحت کی۔

"خیر وہ تو اب بھی مشکل ہی نظر آ رہی ہے اور ویسے بھی امکانات ہی کہاں ہیں۔" میجر صاحب بولے تو صوفیہ بیگم کچھ دیر غور سے ان کی طرف دیکھتی رہیں اور پھر بولیں۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''خیر' قدرت کو منظور ہوگا تو امکانات بھی پیدا ہو جائیں گے لیکن آپ نے پوری داستان یوں سن لی مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ طوبیٰ اکرم بھائی کی بیٹی ہے۔''

''مجھے تو صرف اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ طوبیٰ اکرم بھائی کی بیٹی ہے۔ باقی تفصیل سے تو تم نے ہی آگاہ کیا ہے۔ بہرحال مزید کچھ معلوم ہوگا تو وہ بھی جلد ہی تم پر منکشف ہو جائے گا۔ اس وقت تو مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں تھک بھی تو بہت گیا ہوں۔'' میجر صاحب اُٹھنے کے ارادے سے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

سائے لمبے ہو کر سمٹنے لگے تھے۔ کمرے کو دن بھر کی گرمی اور حبس سے نجات دلانے کی غرض سے کھڑکیوں کے پٹ کھول کر پردے سمیٹ دیے گئے تھے۔ صوفیہ بیگم بستر پر بیٹھی نوکری میں ایک خوبصورت پاندان آگے رکھے چھالیہ کاٹتی آصف سے جو کچھ دیر پہلے ہی آ کر بیٹھے تھے۔ باتیں کر رہی تھیں کہ شفق روتے ہوئے شہزاد کو گود میں لیے اندر داخل ہوئیں اور پٹخنے کے سے انداز میں اُسے ماں کی گود میں ڈالتی ہوئی بولیں۔

''لیجیے اب آپ ہی سنبھالیے اپنے لاڈلے کو۔ اس نے تو رو رو کر میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔''

''اے تو بچے نہیں روتے تو کیا بڑے روتے ہیں۔ بچوں کا کام ہی رونا ہنسنا اور موج اُڑانا ہوتا ہے۔ تم نے اسے دودھ بھی پلایا؟''

''جی ہاں پلا دیا۔ ویسے بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''اگر سچ پوچھتی ہو تو یہ مقولہ کہ پہلا مکتب ماں کی گود ہوتا ہے غلط ہی ہے کیونکہ تربیت تو اصل میں باپ دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے گھر میں ایک مطلق العنان بادشاہ کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ باپ اگر اپنی اولاد کو کوئی عطیہ دے سکتا ہے تو وہ اس کی اعلیٰ تربیت ہے۔ اے ماں بیوی تو صرف مخلوم ہی نہیں شطرنج کا ایک مہرہ ہوتی ہے جسے ایک شاطر کی حیثیت سے شوہر ادھر ادھر گھماتا رہتا ہے۔'' صوفیہ بیگم نے کہا تو آصف جو خاموش بیٹھے ماں اور بہن کی گفتگو سن رہے تھے ہنس کر بولے۔

''لیجیے بجیا امی جان نے تو گویا ساری بساط ہی الٹ کر رکھ دی۔''

''اے بساط کیسی' دور کیوں جاؤ اب میری ہی مثال لے لو میں نے تو تم بچوں کو عمدہ سے عمدہ تربیت دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ تمہارے باوا خدا انہیں خوش رکھے سدا اپنی ہی چلاتے رہے اور حد شریف میں بلاوجہ تو نہیں لکھا ہوگا۔'' صوفیہ بیگم آصف کی بات پر چڑ کر بولیں۔

''خیر یہ تو سراسر الزام ہی ہوگا پاپا پر۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے ہمیں غلط تربیت دی ہے۔ انہوں نے تو رفتارِ زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں بہت سی آسانیاں دی تھیں۔ اب یہ تو خود ہماری ہی غلطی ہے کہ ہم ان کی دی ہوئی چھوٹ سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔'' شفق نے کہا۔ صاف ظاہر تھا کہ ان کا اشارہ آصف کی طرف تھا سمجھنے کے باوجود آصف خاموش ہی رہے۔

''ہاں۔ اولاد کو نیکی بھی خدا ہی دیتا ہے۔'' صوفیہ بیگم ایک گہرا سانس چھوڑ کر بولیں۔ ''میری دعا ہے کہ خدا تمہارے بچے کو نیکی اور سعادت مندی عطا فرمائے۔ یہ بات گرہ میں باندھ لو بیٹی کہ میاں بیوی میں اتفاق ہی اولاد کے کردار کو عمدہ بناتا ہے۔ اور بیوی خواہ وہ گھر کی رانی ہی کیوں نہ کہلائے مرد کی نگہ ہی ہوتی ہے جو تمہارے میاں کی مرضی ہو وہی کرنا ورنہ تھوڑا سا اختلاف بھی ازدواجی زندگی میں زہر گھول

دیتا ہے۔'' اصل میں صوفیہ بیگم بیٹی کے خیالات سے متفق نہیں تھیں۔ اس لیے انہوں نے ناصحانہ انداز اپنایا۔

''خیر امی جان میں چھوٹے بچوں کو کہیں لے جانے کی قائل ہوں اور نہ گھر پر تنہا چھوڑنے کی روادار۔ اس معاملے میں اگر شوکت نے میری مخالفت کی تو میں بھی ان سے اپنی بات منوا کر رہوں گی۔'' صوفیہ بیگم کی نصیحت کے باوجود بھی شفق نے یہی کہا تو صوفیہ بیگم شہزاد کو جو ان کی گود میں سو گیا تھا اپنے بستر پر آہستہ سے لٹاتی ہوئی بولیں۔

''خیر اب یہ تم جانو اور تمہارے میاں۔ میں نے تو ماں ہونے کی حیثیت سے تمہیں ایک بات سمجھائی تھی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پاپا نے آخر کس وجہ سے مجھے روک رکھا ہے۔ ادھر وہ شوکت خوامخواہ ناراض ہو گئے ہوں گے۔'' شفق نے بات کا موضوع بدل کر نہایت ناگواری سے کہا۔

''کوئی مصلحت ہوگی پاپا کی۔'' آصف دبی زبان سے بولے۔

''تم تو بس خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگلی صبح کو میری روانگی ہے۔ پھر بھی شام کو نکل کر آئے گل پاش سے ذرا بھی تو میرا خیال نہیں۔'' شفق اپنی ساری جھلاہٹ آصف کی طرف منتقل کرتی ہوئی بولیں۔

''اے یہ تو ہے ہی سدا کا بے پرواہ۔ تمہارے آنے سے پہلے میں نے کیسی کیسی پریشانی اٹھائی' کیا کیا نہیں بھگتا مگر اس بچے نے پلٹ کر یہ بھی نہیں پوچھا کہ اماں تم جیتی ہو یا مرتی' جب اسے میری پروا نہیں تو یہ تمہارا خیال کیا کرے گا؟'' صوفیہ بیگم نے بھی آصف کو نشانہ بنایا تو وہ برا مان کر اٹھتے ہوئے بولے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ میرا یہاں بیٹھنا آپ دونوں کو گوارا نہیں۔ تو لیجیے میں چلا جاتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

''دماغ تو دیکھو ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے صاحبزادے۔'' آصف کے بگڑ کر چلے جانے پر صوفیہ بیگم جلے کٹے انداز میں بولیں۔

''اب تو طوبیٰ بھی آ گئی امی جان اور اتفاق سے آصف بھی یہیں ہیں۔ اب تو آپ دونوں کی شادی ہی کر دیجیے ویسے بھی منگنی ہوئے تقریباً دو سال ہو چکے ہیں۔''

''ہوں۔'' صوفیہ بیگم نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔

''جی ہاں امی جان۔ اب اس معاملے کو مزید طول دینے سے فائدہ بھی کیا ہوگا۔ اور پھر شادی کے بعد آصف یقیناً سدھر جائیں گے۔'' شفق نے ماں کے مغموم سے چہرے پر پھر کہا۔

''ہاں دیکھا جائے گا۔ ابھی تو خیر سے تم اپنے گھر سدھار رہی ہو۔ اور یہ شادی بیاہ کا اہتمام اکیلے میرے بس کا تو نہیں۔ خیر سے جب تم آؤ گی تو خود ہی کر لینا ساری تیاریاں۔'' صوفیہ بیگم نے جواب دیا۔ انداز نالنے کا سا تھا۔ شفق نے ایک لمحے کو ان کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''امی جان آخر کیا بات ہے آپ آصف کی شادی کے ذکر کو ہمیشہ ٹال جاتی ہیں۔ جب کہ اصولاً تو آپ کو مجھ سے پہلے آصف کی شادی کرنی چاہیے تھی؟''

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"ہاں اگر طوبیٰ کے علاوہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو میں منگنی کرنے کے بجائے اسی وقت دو بول پڑھوا دیتی۔" صوفیہ بیگم نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا پاندان اٹھا کر اپنے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ کیوں کس لیے امی جان؟" ان کی بات پر شفق متعجب سی ہو کر بولیں۔ مگر صوفیہ بیگم جواب دینے کے بجائے بے نیازی سے اپنے لیے پان بناتی رہیں۔

"آخر طوبیٰ میں ایسی کیا برائی یا خامی ہے۔ امی جان جو آپ شروع ہی سے اس نسبت کی مخالفت کرتی رہی ہیں؟"

شفق کا تجسس انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے قدرے ناگواری سے پوچھا۔

"کیونکہ وہ آصف کی دودھ شریک بہن ہے۔" صوفیہ بیگم نے پان کی گلوری منہ میں رکھ کر نہایت پُرسکون لہجے میں بتایا۔

"ہیں امی جان؟" شفق کا استعجاب انتہا کو پہنچ گیا۔ تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"نہیں نہیں امی جان بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ میں کس طرح اس پر یقین کر لوں؟" استعجاب سے زیادہ اُن کے لہجے سے بے یقینی مترشح تھی۔

"اگر تم سمجھتی ہو کہ ماں جھوٹ نہیں بول سکتی تو بالکل ممکن اور حقیقت ہے۔" صوفیہ بیگم نے قدرے درشتی سے کہا اور پھر وہ تمام واقعات جن کے تحت وہ طوبیٰ کو اپنا دودھ پلانے پر مجبور ہوئی تھیں شفق کے گوش گزار کر دیے۔ لیکن میجر صاحب کے سختی سے ممانعت کرنے کی وجہ سے اُس کی اصلیت کو چھپا گئیں۔

"اف امی جان آپ نے یہ کیا غضب کر دیا۔ یہ بات آصف سے کیوں چھپائی؟ اب تو اگر آپ ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج لے کر بھی اسے یقین دلائیں گی تو ہرگز نہیں مانے گا۔" شفق پیشانی پر ہاتھ مار کر بولیں۔

"ہاں یہی تو غلطی ہوئی مجھ سے مگر تم لوگوں کی وجہ سے ہی ہوئی ہے کہ تم لوگوں نے اصل حقیقت کو چھپا کر طوبیٰ کو ایک اجنبی لاوارث لڑکی کی حیثیت سے مجھ سے ملوایا۔" اور اس بات پر تو شفق بھی قائل سی ہو گئیں۔ لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ انہیں ماں کی بات پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"لیکن یہ بات اتنی آسان تو نہیں امی جان جتنی آسانی سے آپ کہہ رہی ہیں۔" شفق خفیف سی ہو کر بیٹھتی ہوئی بولیں۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ آصف لاپروا اور خودسر ہے۔ میں نے کہہ کر تو اسے طوبیٰ کی طرف راغب کیا تھا ورنہ وہ تو اُسے کبھی خاطر میں نہ لاتا تھا مگر اب تو آپ بھی دیکھ ہی رہی ہوں گی کہ وہ طوبیٰ کی طرف مائل ہے۔ ابھی چند روز پہلے ہی میں نے اس کا عندیہ لینے کی غرض سے شادی کا ذکر چھیڑا تو کہنے لگا مجھے تو کوئی تامل نہیں، البتہ امی جان، ہی اس معاملے میں سیریس نظر نہیں آتیں اور اب اُسے معلوم ہو گا کہ حقیقت کیا ہے تو ظاہر ہے وہ آپ سے۔"

"ہاں ہاں۔ وہ مجھ سے بدظن ہو جائے گا۔ متنفر ہو جائے گا میری صورت دیکھنے کا روادار بھی نہ رہے گا۔ یہی ہو گا نا مگر وہ ایسا کا مجھ کا الو بھی نہ ہو گا کہ اصل واقعات کو بھی نہ سمجھ سکے۔ اس بات کو بھی تسلیم کرے گا کہ منگنی کے وقت میں حقیقت حال سے یکسر لاعلم تھی۔" شفق کی بات کاٹ کر صوفیہ بیگم تیز لہجے میں بولیں۔

"یہ تو خدا ہی جانے کہ اس انکشاف کے ردِعمل میں آصف کا رویہ کیسا ہو گا مگر وہ ہمارے پاپا صاحب اُن کے دل میں دل کون ڈالے گا۔ وہ تو اس بات کو ایک مفروضہ ہی سمجھیں گے۔" شفق نے گویا مزید ایک تاویل پیش کی۔

"اُن کی تم فکر نہ کرو۔ انہیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔"

"اچھا کیا پاپا کو بھی معلوم ہو گیا ہے۔" شفق نے تعجب سے بھنویں اُچکا کر پوچھا۔

"یہ تم ہر بات میں مجھے جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔" صوفیہ بیگم نے فہمائشی سے انداز میں کہا۔

"لیجیے بھلا میں آپ کو جھٹلانے کی جرات کر سکتی ہوں امی جان۔" شفق جلدی سے بولیں تو صوفیہ بیگم نے کچھ سوچ کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"اصل میں مجھ سے بھی ایک بڑی چوک ہو گئی کہ میں نے اُسی وقت ہی کیوں نہ بتا دیا جب تمہارے پاپا نے اس نسبت کا شوشہ اٹھایا تھا۔ بس اسی خیال میں رہ گئی کہ اب تو باجی جان خود آ رہی ہیں۔ اُن کے آنے کے بعد خود ہی سب کو معلوم ہو جائے گا لیکن افسوس کہ بے چاری کو آنا ہی نصیب نہ ہوا۔" اور شفق نے ایک گہرا سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اس مرتبہ تو آ کر میرے لیے تیرے پر اطلاع کھڑے ہو گئے ہیں۔ امی جان اب گھر پہنچوں گی تو ان کا نہ جانے کس طرح پھولا ہوا ہو گا۔ پہلے ہی دیر ہو گئی تھی اس پر پاپا نے نہ معلوم کیوں مجھے جاتے جاتے روک لیا۔"

"کوئی مصلحت ہی ہو گی اُن کی تمہیں روکنے میں۔" صوفیہ بیگم نے مڑ کر سائیڈ ٹیبل پر پاندان واپس رکھتے ہوئے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔ مگر شفق نے انہیں مسکراتے دیکھ لیا۔ بڑی ناگواری سے بولیں۔

"یہ پاپا کی بات بات میں مصلحت برتنے کی عادت تو مجھے بھی لے ڈوبی۔ دیکھ لیجیے گا اب شوکت شاید ہی کبھی مجھے یہاں آنے کی اجازت دیں۔"

"ارے نہیں اب وہ ایسا بھی نہیں ہے اور تمہارے پاپا تو کہہ رہے تھے کہ فون پر اس سے ان کی بات ہو گئی ہے۔" صوفیہ بیگم بولیں۔

"لیکن پھر بھی امی جان یہ کوئی مناسب بات تو نہیں ہے۔ دوسرے کی مروت سے فائدہ۔" شفق نے اسی تلخ ترش سے انداز میں کہا۔

"اصل میں کل جاگیر دار دونوں بچوں سمیت رات کے کھانے پر مدعو ہیں شاید اسی وجہ سے تمہارے پاپا نے تمہیں روک لیا ہو گا۔"

صوفیہ بیگم نے ان سے نظریں کترا کر باہر دیکھتے ہوئے بتایا۔

"ہائیں۔ کل رات جاگیر دار کو ڈنر پر بلایا ہے پاپا نے اور مجھے بتایا تک نہیں؟" شفق ایک دم تلملا ہی اٹھیں۔

"اس میں بھی کوئی مصلحت ہو گی ان کی۔" صوفیہ بیگم پھر مسکرا دیں۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"خدارا امی جان آپ پاپا کی باتوں کے ساتھ مصلحت کی ہیچ نہ لگایا کیجیے۔ مجھے تو ایک دم گالی کی طرح لگتا ہے یہ لفظ۔"

"ہیں ہیں یہ کیا بک رہی ہو زبان سنبھال کر بات کرو بچی۔" صوفیہ بیگم نے فوراً ہی انہیں پھٹکارا۔

"خدا نہ کرے پاپا کی شان میں تو گستاخی نہیں کر رہی امی جان۔ میں تو اس لفظ مصلحت سے عاجز آ گئی ہوں اس لیے کہہ رہی تھی۔ اس نے تو سب کا بیڑہ ہی غرق کر کے رکھ دیا ہے۔" شفق معذرتی لہجے میں فوراً صفائی پیش کی۔

"پھر بھی بیٹی۔ بڑوں کے توسط سے جو بات بھی کہی جائے اس میں بہر طور ادب و آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔" صوفیہ بیگم نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"بہر حال امی جان پاپا نے مجھے کسی قابل نہیں سمجھا تو میرا یہاں رکنا ہی بیکار ہے۔ میں تو ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گی۔" شفق اٹھتی ہوئی بولیں۔

"اے دیوانی تو نہیں ہو گئیں تم۔ بھلا کسی قابل نہ سمجھتے تو پھر تمہیں خاص طور پر روکتے ہی کیوں۔ کہ انہیں وقت ہی نہ ملا ہوگا۔ بتانے اور جتانے کا۔ صبح جلدی میں بھی تو بہت تھے۔ تڑکے ہی پریڈ پر جانا تھا۔" صوفیہ بیگم بیٹی کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں بولیں۔

"ہونہہ۔ پتا نہیں کس خوشی میں ڈنر پر مدعو کیا گیا ہے جاگیردار کو مجھے تو ایک دم خوشامد ہی معلوم ہوتی ہے۔" شفق تنک کر بولیں۔

"دیکھو شفو۔ میاں اور بچے والی ہو گئی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ گستاخ بھی ہو جاؤ۔ سب ہی گھر کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ ہمیں کسی کی خوشامد کرنے کی کیا پڑی ہے۔" صوفیہ کو ایک بار پھر ٹوکنا پڑا۔ اور شفق جو تھوڑی سی آگے بڑھ گئی تھیں۔ انہوں نے گھوم کر ماں کو دیکھا۔

"تم ماشاء اللہ اتنی سمجھدار ہو اتنا بھی نہیں سمجھیں کہ جاگیردار کی آمد بلا وجہ تو نہیں ہو سکتی تھی۔" بیگم نے بیٹی کے مڑ کر دیکھنے پر قدرے نرم پڑ کر کہا۔

"ہیں تو کیا وہ کسی خاص مقصد کے تحت آئے تھے مگر وہ مقصد کیا تھا؟" حد درجہ تجسس کے باعث شفق پھر ماں کی طرف لوٹ آئیں۔

"ہاں لیکن وہ تمہارے باوا کو جو لیپا پوتی کا مرض ہے اس کی وجہ سے انہوں نے کچھ بتایا ہی نہیں اتنا ضرور کہہ رہے تھے کہ جاگیردار کل خود سب کچھ آشکار کر دیں گے۔

تم بھی آصف سے اس دعوت کا ذکر نہ کرنا۔ بلکہ بہتر یہی ہوگا کہ کل کسی بہانے سے آصف کو کہیں ٹال دینا۔"

"لیجیے۔ آصف ہی کو تو سب سے زیادہ جاگیردار سے ملنے کا شوق ہے اس روز بھی ملاقات نہ ہونے پر بڑے پچھتا رہے تھے۔ اور آپ کہہ رہی ہیں کہ انہیں کہیں بھیج دوں۔ لیکن یہ احتیاط کس وجہ سے کی جا رہی ہے امی جان؟" شفق نے بات کرتے کرتے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔

"کیونکہ وہ لوگ پردے کے بڑے سختی سے پابند ہیں۔ اور اس بات کو بالکل پسند نہ کریں گے کہ ان کی بیٹی کا سامنا آصف سے ہو۔" صوفیہ بیگم نے کہا۔ بات معقول تھی اسی لیے شفق نے مزید کچھ نہیں پوچھا صوفیہ بیگم خود ہی بولیں۔

"اسی وجہ سے تو میں کہہ رہی تھی کہ آصف سے اس دعوت کا ذکر ہی نہ کرنا۔"

"لیکن پاپا نے آصف کو بتا دیا تو؟" شفق نے پوچھا۔

"تو پھر وہ خود جانیں لیکن ابھی تک تو بتایا نہیں ورنہ آصف مجھ سے ضرور ذکر کرتا۔" صوفیہ بیگم نے کہا۔

"اور ہاں جب تک یہاں ہو آصف کو طوبیٰ کے پاس کم ہی جانے دیا کرو۔"

"خیر جاتے تو وہ کم ہی ہیں مگر انہیں روکنا یا باز رکھنا میرے بس کا کام نہیں اور پھر میں کل نہیں تو پرسوں تک تو چلی ہی جاؤں گی۔ اس کا ذمہ تو آپ ہی لے لیں تو بہتر ہے۔" شفق نے کہا اور پھر جیسے کچھ یاد کر کے بولیں۔

"اب سے نہیں شروع ہی سے ایک بات تو میں نے بھی نوٹ کی ہے۔"

"کیا؟" صوفیہ بیگم نے پوچھا۔

"طوبیٰ آصف کی طرف بالکل مائل نہیں ہے۔ اس نے کبھی آصف کو ایک منگیتر کی حیثیت نہیں دی۔ ہمیشہ ان سے بچتی اور کتراتی ہی نظر آئی۔ اسی وجہ سے بیچ میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ آصف اس منگنی کو توڑ دینے کے درپے نظر آتے تھے۔ کیونکہ وہ بھی کچھ خرد ماغ نہیں ہیں۔"

"ہوں۔" صوفیہ بیگم کسی گہری سوچ سے ابھر کر بولیں۔

"کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ باجی جان نے اسے حقیقت سے آگاہ کر دیا ہو۔"

مگر بیٹی پر یہ خیال ظاہر کرتے وقت صوفیہ بیگم دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں کہ کہیں باجی جان نے خانم کی حقیقت سے طوبیٰ کو آگاہ تو نہیں کر دیا۔

"جہاں تک میرا اندازہ ہے اسے کچھ بھی معلوم نہیں مگر وہ صاف گو نہیں بلکہ نہایت منہ پھٹ لڑکی ہے۔ منگنی کے وقت صاف صاف کہہ دیتی۔" شفق نے کہا۔ وہ ابھی تک باہر جانے کے ارادے سے کھڑی ہی تھیں۔

"ٹھیک ہے وہ خواہ کیسا ہی رویہ کیوں نہ اختیار کر لے تم اپنی روش نہ بدلنا۔ کیونکہ وہ بری ہی سہی مگر اپنے ہی گوشت پوست کا ایک ٹکڑا ہے۔" صوفیہ بیگم بولیں۔

"میں تو بس اس کے اس روز کے رویہ سے کبیدہ خاطر ہو گئی تھی ورنہ مجھے بھلا اس سے کیا پرخاش۔" اتنا کہتی ہوئی شفق ماں کے کمرے سے باہر نکل آئیں اور اتنا کہنے کے باوجود بھی وہ طوبیٰ سے سخت کبیدہ تھیں۔

اس سے شام اپنا حنائی آنچل لہراتی ہر شے پر محیط ہونے میں کوشاں تھی۔ گھر میں ہمیشہ کی طرح سناٹے کا راج تھا۔ میجر صاحب بھی اب تک اپنی ڈیوٹی سے نہیں لوٹے تھے۔ پتا نہیں آصف گھر میں ہے یا کہیں چلا گیا؟ اپنے کمرے کا رخ کرتے کرتے شفق نے سوچا اور یہی دیکھنے کے لیے آصف کہاں ہیں۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ آصف کے کمرے کی طرف چل دیں۔ اصل میں تو انہیں آصف پر آج بڑا ترس آ رہا تھا اس پر وہ بدگمان کر گئے تھے اس لیے وہ بھی وہ آصف سے بات کر کے ان کی خفگی دور کرنا چاہتی تھیں پھر آصف کے کمرے کا رخ کرتے ہوئے جونہی وہ ڈرائنگ روم کے قریب سے گزرنے لگیں انہیں اندر سے کسی کے باتیں کرنے کی دھیمی دھیمی آواز آئی۔ شاید آصف کا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
READING Section

کوئی ملنے والا آیا ہوا ہے۔ انہوں نے سوچا اور ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے پر رُک کر انہوں نے پردہ تھوڑا سا سرکا کر اندر جھانکا۔ ڈرائنگ روم میں آصف نہیں طوبیٰ نظر آئی۔ جو سامنے ایک کونے میں بیٹھی فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر انتہائی اچنبھے کے ساتھ ساتھ شفق کو سخت تجسس ہوا اور وہ پردہ کی اوٹ میں کھڑی ہو کر اس کی باتیں سننے لگیں۔ بڑی دھیمی آواز لیکن انتہائی خوشگوار لہجے میں طوبیٰ کہہ رہی تھی۔

''جی ہاں۔ آپ کا یہ احسان تو زندگی بھر میری گردن جھکائے رکھے گا۔''

''نہیں شرمندہ کرنا کیسا۔ میں غلط بات کہنے کی عادی ہوں نہ سننے کی۔''

''ٹھیک ہے۔ آئندہ محتاط رہوں گی۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ کاش آپ یہ احسان ہی نہ کرتے تو۔''

''ارے نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔ ویسے تو دیا ردل میں بڑا احترام ہے تیرا۔''

''نہیں۔ پہلا مصرعہ محفوظ کر لیا ہے۔''

''اس لیے کہ شاید کوئی ایسا موقع پڑ جائے کہ قسم کھا کر پچھتانا پڑے۔''

''نہیں احسان کا کوئی بدل ہی نہیں ہوتا اور میں بدلا چکانے کی اہل ہی کہاں ہوں۔''

''دیکھیے میں کسی عہد کی پابند نہیں ہو سکتی۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ یہ گلہائے عقیدت اور تحسین ہیں جو میں اپنے محسن پر نچھاور کر رہی ہوں اور دوستی کا جذبہ تو بہت پاک اور عظیم ہوتا ہے۔''

''جی ہاں۔ دل تو میرا بھی چاہتا ہے مگر چند مجبوریاں ہیں جن کی وجہ سے فی الحال ملاقات کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔''

''جی ہاں۔ بصد شوق۔ جب دل چاہے بات کر لیا کیجیے لیکن دوپہر میں اس وقت تو اتفاق ہی تھا کہ بات ہو گئی۔''

''اب اس قدر جلد بھی نہیں۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے تو کل۔ مگر یاد رہے دوپہر کو۔ اچھا خدا حافظ۔''

طوبیٰ نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے لہجے سے ہی نہیں چہرے سے بھی خوش خیالی مترشح تھی۔ کھنکھناتا ہوا لہجہ ہنستی ہوئی آواز۔ شفق ششدر سی سوچتی رہ گئیں کہ یہ آخر کس کا فون ہو سکتا ہے۔ آخر وہ کون سا ایسا واقف کار ہے جس سے طوبیٰ اس قدر بے تکلفی اور خوش دلی سے بات کر رہی تھی۔ کیا شہوار سے؟ نہیں نہیں۔ وہ تو یقیناً کوئی مرد ہی تھا۔ تو کیا شہریار سے اس قدر کھل کر باتیں ہو رہی تھیں۔ ورنہ اور تو یہاں کوئی بھی اس کا واقف کار نہیں۔ ارے کہیں آصف سے تو بات نہیں ہو رہی تھی۔ ممکن ہے وہ کہیں گھومنے پھرنے چلے گئے ہوں اور وہاں سے انہوں نے فون کیا ہو۔ لیکن نہیں آصف سے تو وہ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی۔

شفق ورطہ حیرت میں غوطے کھاتی پردے کی اوٹ میں کھڑی آپ ہی آپ خیالی پلاؤ پکا رہی تھیں۔ کہ انہوں نے دیکھا طوبیٰ کھوئی کھوئی سی کیفیت میں دروازے کا رخ کر رہی ہے تو وہ جلدی سے دروازے سے ہٹ آئیں۔ دل چاہا کہ کیوں نہ خود طوبیٰ ہی سے پوچھ لیں۔ مگر پھر یہ سوچ کر فوراً ہی دل کی اس خواہش کو سختی سے دبا دیا کہ اس منہ پھٹ لڑکی نے اگر کہہ دیا کہ آپ کو مطلب جس سے بھی بات

کر رہی تھی تو پھر میری کیا رہ جائے گی۔ ٹھیک ہے۔ کل دوپہر کو اسے رنگے ہاتھوں پکڑوں گی۔ اس وقت جب یہ فون پر بات کر رہی ہو گی۔ تبھی پتا چلے گا کہ ماجرا کیا ہے؟ شفق الجھے الجھے ذہن کے ساتھ سوچتی آصف کے کمرے تک آئیں تو باہر سے دروازے کو مقفل دیکھ کر اپنے کمرے میں واپس لوٹ گئیں۔

جاگیردار کی آمد کے بعد سے گھر کی فضا بڑی عجیب سی ہو گئی تھی۔ صوفیہ بیگم کا ہی نہیں شفق اور میجر صاحب کا رویہ بھی کافی حد تک بدل گیا تھا۔ گو خفا کوئی نہ تھا مگر افراد خانہ کے رویوں میں احتراز اور اجنبیت سی پائی جاتی تھی۔ طوبیٰ تو پہلے ہی جاگیردار کی آمد سے طرح طرح کے وسوسوں اور اندیشوں میں گھری رہتی تھی۔ اس پر سب کا ناقابل فہم رویہ کہ بس ضرورتاً بات کرلی۔ ورنہ نہ وہ لاڈ نہ وہ چوچلے نہ وہ آؤ بھگت اور نہ ہی وہ دل دہی اور دلجوئی۔ طوبیٰ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ جاگیردار نے آ کر سارا بھانڈا پھوڑ دیا ہے اور ان سب پر یہ بات آشکارا ہو گئی ہے کہ میں کچھ عرصہ تک ان کے یہاں رہی ہوں۔ مگر اب اسے کیا معلوم تھا کہ صوفیہ بیگم احساس ندامت اور پچھتاوے کے باعث اور میجر رنج و تاسف کی وجہ سے روگردانی اختیار کیے ہوئے تھے۔ ایک بس آصف ہی تھے جو اگلے روز ہی گلاس سے واپس آگئے تھے اور جاگیردار کی آمد کی غرض و غایت سے بے خبر لاعلم تھے اور اسی سے انتہائی حلم اور اخلاق سے پیش آ رہے تھے۔ خیر جاگیردار کی آمد کی غرض و غایت سے تو شفق بھی یکسر لاعلم تھیں۔ وہ تو طوبیٰ کے اس روز کے غیر اخلاقیانہ رویے اور اس کے فطری غرور سے تنگ آ کر اس سے سخت کبیدہ ہو گئی تھیں۔ اس پر پریشان کن بات یہ تھی کہ میجر صاحب نے بابا جی کو انہی چند روز کے لیے مزید روک لیا تھا اور ظاہر ہے شوہر کی بات کا بھی تو پاس تھا۔ اس وجہ سے وہ طوبیٰ سے کترائی کترائی سی رہتی تھیں۔

طوبیٰ خود بھی الجھ کر رہ گئی تھی۔ کبھی سوچتی کہ اگر جاگیردار اپنے یہاں میری رہائش کے متعلق ان لوگوں کے متعلق ان لوگوں کو آگاہ کر دیتے تو پھر کوئی اور نہ سہی کم از کم بچیا ضرور مجھے جتا کر رہتیں۔ کبھی خیال آتا کہ ممکن ہے ان لوگوں نے اس بات کو مجھ سے مخفی رکھنے کی تاکید کر دی ہو یا پھر کچھ بتایا ہی نہ ہو ورنہ آصف بھی مجھ سے اتنی یگانگت سے پیش نہیں آتے مگر پھر... یہ جاگیردار آخر کس مقصد سے یہاں آئے تھے۔ یا الٰہی کچھ تو پتا چلے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ بس انہیں وسوسوں اور اندیشوں کی لرزہ بر اندام سی کیفیت میں کوئی خوش کن اور خوش آئند سا خیال بھول کر بھی اس کے پاس نہ پھٹکتا تھا حتیٰ کہ اس محبوب ہستی کا ہلکا سا تصور بھی اس کے ذہن کو چھو کر نہ جاتا تھا جو اب بھی اتنی تلخیاں اور اذیت اٹھانے کے باوجود اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ بس اس پر تو ایک وہم سا سوار تھا جسے وہ اپنی مضبوط قوت ارادی اور اپنی ازلی طبیعت سے دور کرنے میں کوشاں رہتی تھی۔ جب ذلت و خواری ہی تقدیر بن جائے تو انسان کو پیٹھ نہیں دکھانی چاہیے۔ بلکہ ڈٹ کر اسے بھی اپنے اوپر سے گزار لینا چاہیے۔

پھر یہ ڈر۔ یہ وہم۔

یہ قدم قدم پر پھیلا ہوا ہراس۔

یہ سب بے سود ہی ہے اور یوں طوبیٰ خود اپنی ذات میں سمٹ کر رہ گئی تھی ورنہ گھر کے مکین نہ کسی بات سے واقف تھے اور نہ ہی اس کی طرف سے مشکوک نظر آتے تھے مگر اس کے لیے تو گویا پریشانی اور ہراس کا ایک نیا باب کھل گیا تھا۔ اس پر ایک دن جاگیردار کی آمد کے کوئی پانچ روز بعد سہ پہر کی چائے کے دوران صوفیہ بیگم نے چائے کی چسکی لے کر کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
UrduPhoto.com
READING Section

''آج رات کے کھانے پر جاگیردار اپنے بچوں سمیت آرہے ہیں تم بھی وقت سے ذرا پہلے تیار ہو جانا۔ بار بار نوکر کو بھیج کر بلوانا اچھا نہیں لگتا۔'' تو طوبیٰ جو خاموشی سے بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اس کی پر اندر ہی اندر کچھ اس طرح دہل اٹھی جیسے قریب ہی کہیں بم کا دھماکا ہوا ہو۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے جاگیردار رات کے کھانے پر نہیں بلکہ اس کی روح قبض کرنے آرہے ہوں۔ دل چاہا پوچھے کہ وہ ابھی چند روز پہلے ہی تو ہو کر گئے ہیں پھر ان پر کیا افتاد پڑ گئی جو آج پھر آرہے ہیں۔ مگر یہ پوچھنے کے بجائے اپنے حواس مجتمع کرنے کی کوشش میں وہ صرف اسی قدر کہہ سکی۔

''جی بہتر۔''

''ہاں کوئی عمدہ سا لباس پہننا اور ہلکا پھلکا سا زیور بھی ہاتھ اور کانوں میں ڈال لینا اسے ہاں آخر ہم بھی تو عزت دار ہیں۔ اور ہاں دیکھو مہمانوں سے خوش اخلاقی اور مروت سے پیش آنا بیٹی دنیا میں اخلاق ہی ایک ایسی چیز ہے جو دشمن کو بھی رام کر لیتی ہے۔ ویسے تو باجی جان نے تمہیں اچھی تربیت ہی دی ہوگی۔ لیکن تنہا ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے تم علم مجلس سے کم ہی واقف ہو۔ اگر انسان کسی سے جلدی گھلنے کا عادی نہ ہو تو کم از کم ہنس کر بات تو کرے۔ خلوص و اخلاق سے تو پیش آئے بس یہی گر تو دوسرے کا دل موہ لیتا ہے۔'' صوفیہ بیگم نے در پردہ اس کے روکھے پن پر چوٹ کرتے ہوئے سمجھایا۔

''لیکن خالہ بیگم میرا تو ان لوگوں سے کوئی تعلق ہے نہ واسطہ پھر ان کے سامنے آنا کیا ضروری ہے۔'' طوبیٰ ان کی باتوں پر جز بز سی ہو کر بولی۔

''تمہارا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہ سہی لیکن افراد خانہ میں تو شامل ہو نہیں اور شہزادی شہوار سے تو تمہاری اچھی خاصی شناسائی ہے اور اگر مجھے اپنی خالہ سمجھتی ہو تو میں یہ ہوں گی کہ مجھے تمہاری یوں سب سے منہ چھپا کر بیٹھنے کی عادت بالکل پسند نہیں۔ تم تو ماشاءاللہ یکتائے حسن ہو خاصی پڑھی لکھی اور باشعور ہو پھر تمہارا کسی احساس کمتری میں مبتلا ہو جانا عقل کی بات تو نہیں تم کو تو شکر کرنا چاہیے کہ ہم لوگ بھی خدا کے فضل سے عزت دار ہیں صاحب ثروت نہ سہی صاحب حیثیت ضرور ہیں اور یہ چھوٹائی اور بڑائی کے درجے تو خدا ہی بناتا ہے کوئی بادشاہ ہوتا ہے تو کوئی بالکل ہی کنگال اور نادار۔ اب ہر کوئی تو بادشاہ بننے سے رہا۔'' صوفیہ بیگم نے پہلی بار اسے بڑے دبے دبے انداز میں لتاڑا۔

''اف نہیں نہیں خالہ بیگم میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔ خیر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو میں وقت سے پہلے ہی تیار ہو جاؤں گی۔'' صوفیہ بیگم کی ملامت پر طوبیٰ خجل سی ہو کر بولی اور پھر اٹھ کر اپنے رہائشی کمرے میں چلی آئی۔

اف یہ کیسا امتحان تھا۔

کیسی آزمائش تھی۔؟

جو طوبیٰ کی بہت سی دوسری آزمائشوں سے کہیں کڑی اور کٹھن تھی۔ اب تو اس میں اتنا بھی بوتہ نہ تھا کہ گھر سے کہیں نکل جاتی اپنی مرضی سے نہ سہی۔ دوسروں کے مجبور کر دینے پر گھر سے نکلی بھی تھی تو اس کا انجام دیکھ لیا تھا۔

حتیٰ کہ موت کو بھی گلے لگا کر دیکھ لیا تھا مگر وہ بھی اس سے کترا کر نکل گئی تھی۔

پورا گھر روشنیوں کی جگمگاہٹ سے بقعہ نور بنا ہوا تھا جب کہ لانز میں مہمانوں کو بٹھانے کا کوئی امکان نہ تھا پھر بھی شفق نے لانز میں بجلی کا کنکشن لگوا کر تیز روشنی کر رکھی تھی اور اندر برآمدے اور ڈرائنگ

روم بھی خوب روشن تھے۔ تینوں مہمان آچکے تھے شفق آصف اور میجر صاحب کے علاوہ آج ان کا استقبال کرنے والوں میں صوفیہ بیگم بھی شامل تھیں۔ جنہوں نے ہلکے آسمانی رنگ کی شگفتائی کا غرارہ جس پر چھوٹے چھوٹے ہلکے زرد رنگ کے پھول پڑے تھے۔ پھولوں کے رنگ کا سلکن کرتا اور ڈبل پاٹ کا جارجٹ کا دوپٹہ جس پر نازک سی سنہری بانکڑی ٹکی تھی۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے ہیرے کے ٹاپس۔ ناک میں ہیرے کی کیل۔ گلے میں کندن کے طلائی بٹن اور کلائیوں میں طلائی کنگن زیب تن کر رکھے تھے اور سادہ سے لباس اور زیبائش میں وہ بہت زیادہ جچ رہی تھیں۔ بلکہ اپنی جوان بیٹی شفق سے جنہوں نے عنابی کامدار ساڑھی باندھ رکھی تھی اور جڑاؤ سیٹ پہن رکھا تھا وہ کہیں اچھی لگ رہی تھیں۔ طوبیٰ بھی کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی اور صوفیہ بیگم کے برابر والے صوفے پر بیٹھی تھی۔ شہوار شفق سے باتوں میں مصروف تھیں۔ آصف شہریار سے باتیں کر رہے تھے اور آغا بختیار میجر صاحب کی پر مزاح باتوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔ صوفیہ بیگم بھی انہی کی طرف متوجہ تھیں۔ یعنی بظاہر کوئی ایسی علامت نظر نہیں آرہی تھی۔ جو طوبیٰ کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیتی۔ اس کے باوجود بھی طوبیٰ پر ایک وہم سا سوار تھا۔ ایک بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ایک طرف محبوب بیٹھا تھا' دوسری طرف منگیتر اور آصف کی موجودگی اسے بہت کھل رہی تھی اس پر آصف تھے کہ سب کی موجودگی کو فراموش کر کے بار بار اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور شہزادی شہوار ان کی اس حرکت پر مسکرا مسکرا کر شہریار کی طرف دیکھتیں اور سخت کوفت کے ساتھ ساتھ طوبیٰ دل ہی دل میں اس بات پر سخت متعجب تھی کہ آغا بختیار نے اپنے اجتماعی سنگین اصولوں اور روایات کو بالائے طاق رکھ کر شہوار کو آصف کے سامنے بیٹھنے کر دیا۔

بہر حال کچھ دیر تک مختلف موضوعات پر آپس میں تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ پھر میجر صاحب نے اٹھ کر مہمانوں کی کھانے کی میز تک پذیرائی کی۔ اور کھانے کے دوران بھی آصف طوبیٰ کے گرد منڈلاتے رہے' اور کمال کی بات یہ کہ شہوار اور شہریار نے اس کی طرف تھوڑا سا بھی رخ نہ دیا' البتہ شہریار گاہے گاہے اس پر ایک آدھ نظر ضرور ڈال لیتے' اور اگر اتفاقاً اس سے نگاہیں چار ہو جاتیں تو فوراً ہی نظریں کترا لیتے' اور ان کی یہ ادا طوبیٰ کے دل پر چرکے سے لگا جاتی۔ گو وہ ان سے اب ہر تعلق اور واسطہ توڑ چکی تھی مگر پھر بھی وہ اس کے محبوب تھے' بھلانے کی انتہائی کوشش کے باوجود اس کے دل کے سنگھاسن پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے' اس کے خیالوں میں بسے ہوئے تھے۔ اس کے خوابوں میں سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔

وہ ان کو بھلانے اور بھول جانے کے باوجود بھی سرتاپا ان کی محبت میں غرق تھی گو خود پر یہی ظاہر کرتی تھی کہ وہ ان سے ہر ناتا توڑ چکی ہے۔

ان کا ہر نقش دل سے مٹا چکی ہے۔

اور ان کی محبت کو بہت گہرائی میں دفن کر چکی ہے۔

اور اب میجر صاحب کے یہاں آنے کے بعد تو اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب اتنی اونچی اڑان کبھی نہ اڑے گی۔

وہ سمجھ دار تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

حالات کے تلخ تجربات کی ماری ہوئی تھی۔

بائیس تئیس سال کی عمر میں بھی وہ تجربہ کار اور معمر لوگوں کا سا شعور رکھتی تھی۔

بلکہ وہ اپنے اس بے پناہ حسن سے سخت عاجز تھی۔ نالاں تھی۔ اس کی نظر میں سب سے اہم چیز تھی جو اچھی ہو تو ایک بدصورت انسان بھی دولت حسن سے مالا مال ہو جاتا ہے' اور یہ اس کا حسن اس کے لیے عذاب جان بن گیا تھا۔

اور اب تک جو کچھ اس پر گزری تھی یا گزرتی آئی تھی۔ اس کی روشنی میں عقل کی آنکھیں وا کر کے اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اسے آصف کو ہی سب کچھ سمجھنا چاہیے۔

مگر اب اس کا کیا علاج کہ کوشش کے باوجود اس کا دل کسی طور پر بھی آصف کی طرف مائل نہ تھا' پھر بھی اس نے حالات سے گویا سمجھوتہ کر لیا تھا' کہ اچانک جاگیردار نے بیچ میں ٹپک کر اس کے ارادوں کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ شہریار کا نظریں تو اتنا صاف ظاہر کر رہا تھا کہ انہیں اس سے ذرا قلبی وابستگی نہیں ہے۔ اور یہ بات اسے افسردہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

ڈنر کتنی دیر جاری رہا اور کب ختم ہوا طوبیٰ کو اپنے انہی پریشان خیالوں میں کچھ پتا ہی نہ چلا۔ آداب مجلس کے پیش نظر جب آغا بختیار کھانا کھا کر اٹھے تو ان کے ساتھ سب ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ صوفیہ بیگم نے جو اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھی تھیں' اس کا شانہ آہستہ سے دبا کر کہا۔

"آؤ اٹھو بیٹی؟" تب وہ حقیقت کی دنیا میں واپس لوٹی اور جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ دھونے کے بعد جب سب اپنی اپنی جگہ آ کر بیٹھے تو طوبیٰ یہ سوچ کر کہ اب اس کا یہاں کیا کام' اندر جانے لگی تو میجر صاحب نے کہا۔

"تم کہاں جا رہی ہو بیٹا' تمہاری یہاں موجودگی تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔"

اور طوبیٰ کے جیسے کسی نے قدم ہی نہیں دل بھی پکڑ لیا ہو۔ ہراساں سی صوفے پر جا بیٹھی اور تب تھوڑی دیر آغا بختیار' میجر صاحب سے پشتو میں باتیں کرنے کے بعد صوفیہ بیگم کو مخاطب کر کے بولے۔

"محترم ہمشیرہ صاحبہ! آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ ہماری آپس میں قرابت داری ہے گو یہ کوئی غیر امکانی یا انہونی بات نہیں لیکن اس بات کی تہہ میں بہت سے راز پوشیدہ ہیں' راز اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تئیس چوبیس سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود حالات اور اتفاقات نے اس حقیقت کو ایک سربستہ راز ہی بنا کر رکھ دیا تھا' حالانکہ حتی الامقدور میری یہی کوشش رہی کہ کسی طور پر اس کی تہہ تک پہنچ سکوں مگر ہر بات قدرت کو جب اور جس وقت منظور ہوتی ہے اسی وقت ہو کر رہتی ہے' خواہ انسان اس کی تکمیل کے لیے پوری عمر سرگرداں رہے یا زندگی کا سفر ختم کر کے ابدی نیند سو جائے' بہرحال اب خدا کا شکر ہے کہ گمشدہ کڑیوں کو باہم ملا دیا ہے اور اب ان کو ترتیب دینا اور جوڑنا ہمارا کام ہے۔" ایک تسلسل سے بولتے وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے۔ تقریباً تمام میزبان ہی خاموش بیٹھے بڑی توجہ سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ بلکہ اس کا مفہوم بھی سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے' مگر کسی کے لیے کچھ بھی نہ پڑ رہا تھا سوائے میجر صاحب کے جو اطمینان سے اپنا پائپ پینے میں مصروف تھے' صوفیہ بیگم بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہی تھیں اور طوبیٰ سمیت سب کے ہی چہروں سے تجسس اور تحیر نمایاں تھا۔ خاصے توقف کے بعد آغا بختیار پھر گویا ہوئے۔

"قدرت کا یہ بھی کیسا عجیب مذاق ہوتا ہے کہ انسان کی مطلوبہ چیز جس کی تلاش میں وہ عرصے سے سرگرداں ہوتا ہے اس کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی اور میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی اتفاق ہوا۔" آغا بختیار نہ معلوم اپنا کون سا فلسفہ جھاڑ رہے تھے' شفق' آصف اور طوبیٰ کا ہی نہیں صوفیہ بیگم کا ذہن بھی الجھ کر رہ گیا تھا لیکن چاروں کے دل میں ایک خیال ضرور جاگزیں تھا کہ وہ جو یہ ناقابل فہم سی تمہید باندھ رہے ہیں اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے۔

"جی ہاں درست فرمایا آپ نے' بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تیر کان کے پاس سے سنسناتا ہوا گزر جاتا ہے' مگر انسان کو خبر تک نہیں ہوتی' اصل میں قدرت کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔" میجر صاحب نے آغا بختیار کی بات کی تائید میں پھر وہی اپنی پرانی مصلحت والی منطق جھاڑی تو صوفیہ بیگم نے جز بز سی ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"دریں چہ شک برادرم۔ اگر قدرت نے ہر بات میں کوئی مصلحت نہ رکھی ہوتی تو انسان اپنی مرضی اور فیصلوں سے دنیا کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا اور اسی کو قانون قدرت کہتے ہیں۔" آغا بختیار نے میجر صاحب کی بات پر صاد کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں وہ عالم الغیب ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ انسان کی کس خواہش میں اس کی بھلائی مضمر ہے اور کس میں برائی پوشیدہ ہے' تقاضائے مصلحت بھی شاید اسی کو کہتے ہیں۔" میجر صاحب نے مزید لقمہ دیا۔

"بالکل بالکل' آپ طوبیٰ کی ہی مثال لے لیجیے کہ دو ڈھائی ماہ کے عرصے تک یہ میرے یہاں مقیم رہیں اور مجھے خبر تک نہ ہوئی کہ۔"

"کہ بچہ بغل میں ہے۔" میجر صاحب نے ہنس کر ان کا فقرہ اچکا تو جاگیردار نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ شہریار اور شہوار بھی مسکرانے لگے۔ مگر شفق' آصف اور صوفیہ بیگم نے ذرا سا بھی حظ نہیں اٹھایا۔ ان کے لیے یہ انکشاف سخت تعجب خیز اور چونکا دینے والا تھا کہ طوبیٰ دو ڈھائی ماہ تک ان کے یہاں مقیم رہی ہے اور طوبیٰ پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ صوفے میں ہی کہیں ایسی سما جائے کہ پھر کسی کو نظر نہ آئے۔

"یہ۔ طوبیٰ آپ کے یہاں؟" شفق کے متحیر سے لہجے سے بے یقینی سی ہویدا تھی۔

"جی ہاں' دو ڈھائی ماہ تک یہ ہماری معزز مہمان بن کر رہی ہیں۔" آغا بختیار کے کچھ کہنے سے پہلے شہوار بول اٹھیں۔

"طوبیٰ بیٹی یہاں میرے قریب آ کر بیٹھو بیٹی' میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" آغا بختیار نے اپنی آواز میں تمام تر شفقتیں شامل کر کے براہ راست اسے مخاطب کیا مگر طوبیٰ نے جیسے سنا ہی نہیں' اپنی جگہ پر ساکت سی چہرہ جھکائے بیٹھی رہی۔

"اٹھو بیٹی' جاگیردار صاحب تمہارے معزز مہمان ہی نہیں تمہارے بزرگ بھی ہیں۔ جاؤ ان کے پاس جا کر بیٹھو۔" میجر صاحب نے ان کے بات نہ سننے پر قدرے فہمائشی انداز میں کہا۔ اور تب بادل نخواستہ اسے اٹھنا ہی پڑا اور آغا بختیار نے اس پر ایک پرشفقت نظر ڈال کر کہا۔

"میں نے لاعلمی کی وجہ سے تم پر جو زیادتی کی ہے سب سے پہلے میں اس پر تم سے معذرت طلب کرتا ہوں' لیکن میں نہایت صفائی قلب سے اعتراف کرتا ہوں کہ بے خبر ہوتے ہوئے بھی تمہیں گھر سے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

نکال دینے پر میں بڑا پشیمان رہا۔ یہ خیال میرے ضمیر پر کچوکے لگاتا رہا۔ کہ میں نے ایک مہمان کی توہین کی ہے ایک بے سہارا لڑکی کو بے ٹھکانے کر دیا ہے۔" آغا بختیار نے نہایت سنجیدگی اور تاسف سے اپنی بات کہی' ان کا لہجہ بھاری سا ہو رہا تھا۔ مگر طوبیٰ کو ایسا محسوس ہوا جیسے انہوں نے بھری محفل میں اسے بے لباس کر دیا ہو۔ اف گل داد خان اور شہریار کے سامنے ذلیل کرنے میں کچھ کسر رہ گئی تھی' جو اس وقت ان سب کے سامنے پوری کی جا رہی ہے' وہ ندامت کے بار میں گردن تک دھنس گئی۔

"میں تمہارے اس وقت کے احساسات سے اچھی طرح باخبر ہوں بچی۔ لیکن تم پر اور اپنے میزبانوں پر حقیقت کو آشکارا کرنا میرے لیے ضروری ہو گیا ہے۔" آغا بختیار نے درمیان میں توقف کیا اور پھر طوبیٰ کے جھکے ہوئے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور گلوگیر لہجے میں بولے۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم حد درجہ غیور ہو اور یہ وصف تمہیں تمہاری ماں کی طرف سے ورثے میں ملا ہے لیکن میری نگاہوں میں تمہاری عزت شہوار سے کم نہیں۔" طوبیٰ خواہ کتنی ہی غیور اور خوددار تھی اور جاگیردار سے کیسی ہی کبیدہ اور متنفر تھی پھر بھی ایک نرم و نازک دکھی سا دل رکھتی تھی' جاگیردار کی پر اثر ہمدردی سے لبریز گفتگو نے اور کچھ احساس ندامت اور احساس توہین نے اسے اتنا متاثر کیا کہ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں' اور اس نے بہت دھیمی آواز میں خفت سی شامل کر کے کہا۔

"آپ مجھے شرمندہ نہ کریں' میں..... میں حالات کی شکار ایک بے سہارا لڑکی ہوں اور کسی کی کسی بری بات کا بھی برا نہیں مانتی۔" صاف ظاہر تھا کہ آغا بختیار کے عذر و معذرت کو قبول کرنے پر تیار نظر نہیں آ رہی تھی' آغا بختیار نے بے بسی سے میجر صاحب کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا۔

"بیٹی شاید تمہارا ذہن اس حقیقت کو قبول کرنے پر تیار نہیں کہ محترم جاگیردار صاحب سے تمہاری قرابت داری ہوتی ہے' لیکن اس بات کی تصدیق میں پورے وثوق کے ساتھ کر سکتا ہوں۔" اور انہوں نے جاگیردار کو مخاطب کر کے کہا۔

"بہتر یہی ہوگا یور ایکسیلنسی کہ آپ انہیں تمام واقعات سے آگاہ کر دیں۔"

"اور آپ کے لیے بھی یہی بہتر ہوگا کرنل کہ آپ یہ القابات کا تکلف ختم کر دیں کیونکہ اب ہماری آپس میں عزیزداری ہو گئی ہے۔" آغا بختیار نے فوراً انہیں ٹوکا۔

"ارے نہیں سر تکلف کیسا' یہ تو عقیدت اور احترام کا اظہار ہوتا ہے ہماری طرف سے۔" میجر صاحب نے کہا۔ باقی سب لوگ طوبیٰ سمیت بالکل گم سم سے بیٹھے تھے۔ مگر صوبیہ بیگم خاصی مضطرب سی نظر آ رہی تھیں' کچھ دیر ڈرائنگ روم میں مکمل سکوت طاری رہا' پھر آغا بختیار اپنی پلکوں کی نمی کو دستی رومال میں جذب کر کے گویا ہوئے۔

"ماضی' حال' مستقبل تین ایسے ادوار ہوتے ہیں جن میں انسان کی زندگی حالات کے دھارے میں خس و خاشاک کی طرح ڈوبتی ابھرتی آگے بڑھتی رہتی ہے۔ حال جس پر انسان کسی حد تک قابو پا لیتا ہے۔ مستقبل جو آس کی ڈور سے بندھا رہتا ہے۔ جس میں ہماری امنگوں' آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کی امیدیں پنہاں ہوتی ہیں' لیکن ماضی پیچھے رہ جانے والا طویل' اذیت ناک' تلخیوں سے لبریز دور ہوتا ہے جو ہمیں زندگی بھر کے لیے ایک ایسی کسک' ایسی خلش' اور ایسی تڑپ دے جاتا ہے کہ اس کا ازالہ ہم حال اور مستقبل میں بھی نہیں کر سکتے۔"

آغا بختیار ایک تسلسل سے بات کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئے۔ شاید اس لیے کہ ان کی آواز

اشکوں کی یلغار کو روکنے کی کوشش میں دب گئی تھی' رنج و تاسف اور کرب کی پرچھائیوں نے ان کے بارعب چہرے کو دھواں دھواں سا کر رکھا تھا۔ سب انتہائی متجسس سے ہمہ تن گوش بیٹھے تھے' شفق بار بار آصف کی طرف دیکھ رہی تھیں' اور طوبیٰ حیران تھی کہ یہ دیباچہ کس سلسلے میں رقم کیا جا رہا ہے' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آغا بختیار نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولے۔

"یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب اتحادی افواج جرمنی اور ہٹلر کو تہہ و بالا کر کے فتح کے ڈنکے بجا رہی تھیں' اور جنگ بندی کا اعلان ہو چکا تھا۔ لیکن ہندوستان ہی نہیں بلکہ انگلستان کے زیر نگیں تمام ممالک میں ہنوز ایک ٹینشن سی قائم تھی اور جاپان کے لڑاکا طیارے کلکتے پر بمباری کرتے رہتے تھے اور میں ان دنوں وزارت خارجہ میں ایک اہم اور اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور صوبہ بنگال میں مقیم تھا لیکن جنگ کی نازک صورت حال کے پیش نظر جنگ بندی کے دوران ہی مجھے دہلی بھیج دیا گیا۔

میری فیملی جو کل چار نفوس پر مشتمل تھی' یعنی میں میری اہلیہ' میری بہن اور میرا بیٹا' میرے ساتھ تھی مجھے اپنے بیٹے سے زیادہ اپنی نازو جسے پیار سے سب گل جاناں کہتے تھے عزیز تھی' کیونکہ ایک تو وہ مجھ سے پورے پندرہ برس چھوٹی تھی' دوسرے میری والدہ اس کی کم سنی میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔ اور کچھ عرصے بعد والد بھی رحلت کر گئے تھے۔ اس لیے میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھ کر پالا تھا' ہماری خاندانی روایات کے مطابق میری بیوی میری سگی پھوپھی کی لڑکی تھی' بس اس قدر تعلیم یافتہ تھی کہ معمولی پڑھ لکھ لے' لیکن میری بہن نازو کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا' اور کلکتے میں میں نے اس کے لیے ایک یورپین گورنس کا بندوبست بھی کر دیا تھا مگر دہلی آنے کے بعد اس کی تعلیم کا سلسلہ بالکل ہی منقطع ہو گیا تھا۔

اس زمانے میں اتفاق سے میری ماتحتی میں کام کرنے والے عملے میں ایک نوجوان افسر نیا نیا ٹرانسفر ہو کر آیا تھا وہ نہایت خوبرو' بردبار اور مستعد تھا اور کسی اعلیٰ گھرانے کا چشم و چراغ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی حسن کارکردگی' بردبار شخصیت اور شرافت نے مجھے بہت متاثر کیا تھا' اور میں اس سے بڑی مہربانی اور التفات سے پیش آنے لگا۔

ادھر نازو بھی کہ استانی رکھنے کے لیے روز تقاضا کرتی تھی' ادھر دلی میں میری کسی سے واقفیت بھی نہیں تھی۔ لہٰذا پہلے میں نے یہی سوچا کہ اخبار میں استانی کے لیے اشتہار دے دوں' لیکن پھر ایک دم ہی مجھے اسی افسر سے مدد لینے کا خیال آیا تو میں نے اشتہار دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور اسی افسر سے کسی استانی یا گورنس کا بندوبست کرنے کو کہہ دیا۔ افسر نے بھی وعدہ کر لیا' لیکن ان دنوں جنگ نے جو ایسی تباہی اور افراتفری مچا رکھی تھی کہ کوشش کے باوجود وہ افسر اپنا وعدہ ایفا نہ کر سکا۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔

"سر آپ کی مطلوبہ گورنس تو تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہ مل سکی' انگریز اور یورپین گورنس جنگ کی وجہ سے ہندوستان چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ اور دیسی استانیاں جتنی بھی ہیں ایک تو اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں' دوسرے گھر پر آ کر تعلیم دینے کے لیے راضی نہیں ہوتیں۔"

"تو اس کا مطلب ہے میری عزیز از جان بہن تعلیم سے محروم ہی رہے گی۔" میں نے اس کے جواب پر مایوس ہو کر دل میں سوچا۔

"بہرکیف سر آپ اس کے لیے تردد نہ کریں' میری کوششیں ابھی جاری ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی کوئی

UrduPhoto.com
Reading Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا۔'' مجھے خاموش دیکھ کر اس نے تسلی دی۔
''نہیں تردد کی بات نہیں' اصل میں مجھے اپنی بہن کو مایوس کرنا پسند نہیں۔'' میں نے بجھے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ پھر جھجکتے ہوئے بولا۔
''سر اگر ناگوار خاطر نہ گزرے تو ایک بات عرض کروں؟''
''ہاں ہاں کہو۔'' میں نے کہا۔
''گورنس کا ملنا تو مشکل ہی ہے لیکن اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ فریضہ میں بھی انجام دے سکتا ہوں۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا اور مجھے اس کی بات رائفل کی گولی کی طرح لگی' یعنی اس کی یہ مجال' یہ میری عفت مآب اٹھارہ سالہ بہن کو پڑھائے' میرا خون کھول کر رہ گیا لیکن پھر میں نے یہ سوچ کر ایک شہری آدمی ہے' ہمارے طور طریقوں اور روایات سے یکسر ناواقف ہے' اپنے غصے پر قابو پا کر کہا
''ہمارے اصول بڑے سنگین ہیں' ہم روایات کے سختی سے پابند ہیں اور ہمارے گھر کی خواتین نشین ہیں ہم کسی غیر اور اجنبی شخص سے اپنی بہن کو پڑھوانا ہرگز پسند نہیں کریں گے۔''
''سر آپ میری پیش کش کو گستاخی پر محمول نہ کریں' میں نے آپ کی پریشانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک خیال پیش کیا تھا۔'' میرے تیور دیکھ کر وہ گھبرا اٹھا اور میں نے سوچا آدمی برا نہیں کافی دن میرے عملے کے ساتھ کام کر رہا ہے' ایک ہیرو کے سے اوصاف رکھتا ہے' مجھے اس کی پیش کش کو ٹھکرانا نہیں چاہیے' شہریار کو بھی تو ایک ٹیوٹر کی ضرورت ہے' اس لیے میں نے بڑی حلیمی سے کہا۔
''میری بہن کو صرف پڑھنے کی نہیں' اعلا تربیت اور آداب مجلس سیکھنے کی بھی بڑی ضرورت ہے' یہ کام ایک گورنس ہی انجام دے سکتی ہے' کیونکہ کہلاتے میں بھی اس پر ایک گورنس مامور تھی' بہرحال تمہارے پاس فالتو وقت ہو تو تم میرے خانوادے کو پڑھا دیا کرو' وہ پانچویں برس میں لگ چکا ہے۔''
''بسر و چشم جناب' آپ کے خانوادے کو پڑھانا میرے لیے باعث مسرت ہوگا۔''
''اور اس طرح میں نے اس افسر کو شہریار کو پڑھانے پر مقرر کر دیا۔'' آغا بختیار کا حلق خشک ہو گیا تھا اس لیے بات کے اختتام پر وہ کھانسنے لگے تو میجر صاحب نے آصف کو اشارہ کیا' جس نے اٹھ کر آغا بختیار کو پانی کا گلاس پیش کیا صوفیہ بیگم نے کچھ بولنا چاہا تو میجر صاحب نے انہیں بھی اشارے سے منع کر دیا۔ البتہ شفق شہوار سے کھسر پھسر کرنے لگیں' پانی کے چند گھونٹ حلق سے اتار کر آغا بختیار کشائی کرنے ہی والے تھے کہ میجر صاحب نے ان سے پوچھا۔
''آپ قہوہ پینا پسند کریں گے یا چائے۔؟''
''سبز قہوہ' اس کو بھی ہماری روایات میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔'' آغا بختیار نے کہا' پھر میجر صاحب نے شہریار اور شہوار سے ان کی پسند پوچھی اور گل کو بلا کر سبز قہوہ لانے کا حکم دے دیا۔
''اب اگر آپ درمیان میں حائل نہ ہوتے تو پھر سبز قہوہ کیونکر پینے کو ملتا۔'' آغا بختیار نے خوش خلقی سے کہا' اور پھر ماضی کی طرف لوٹتے ہوئے بولے۔
''دو تین ماہ تک وہ افسر بڑی باقاعدگی سے شہریار کو پڑھانے آتا رہا' میرا کام چونکہ داخلی امور نمٹانے کی نوعیت کا ہوتا تھا' اس لیے اس دوران میں کئی بار دورے پر جا چکا تھا' ان دنوں میرے ذہن میں عام خیال یہی تھا کہ مجھے صوبہ سرحد کا گورنر بنا کر پشاور بھیج دیا جائے گا' میری خود بھی شروع سے یہی خواہش تھی' اور میں اسی سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا تھا' اور دو تین ماہ تک اتنا مصروف رہا تھا کہ اپنے

خانہ کی طرف دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی' البتہ میری بیوی بعض اہم گھریلو باتوں سے مجھے ضرور آگاہ کرتی رہتی تھی' چار ماہ کی تگ و دو کے بعد آخر میری دلی مراد بر آئی' اور حکومت کی طرف سے مجھے صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کرنے کی منظوری دے دی گئی تو میں نے سکھ کا سانس لیا۔
ایک روز میں اپنی خواب گاہ میں بیٹھا اپنی اہلیہ سے باتیں کر رہا تھا کہ میری اہلیہ نے مجھے کشمیری قہوہ پیش کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔
''کیا آپ نے نازور کے لیے کوئی استانی رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا؟''
''ہائیں۔'' میں نے لہجے سے ہنکارے کے ساتھ کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''نہیں ترک تو نہیں کیا مگر اب تو حالات ہی دوسری نوعیت اختیار کر گئے ہیں' کسی وقت بھی میرے پشاور جانے کے آرڈر آ سکتے ہیں' اس لیے محض چند روز..... کے لیے کسی استانی کو مقرر کرنا بے سود ہی ہوگا۔''
''اچھا میں تو سمجھی تھی کہ شاید آپ نے.....'' میری اہلیہ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی' میں نے غور سے اس کی صورت دیکھی' یہ اس کی عادت تھی کوئی ایسی بات جس کو مجھ پر ظاہر کرتے ہوئے اسے جھجک محسوس ہوتی تھی' کہتے ہوئے وہ ایسا ہی جھجکا اور سہما سا انداز اختیار کرتی تھی۔ میں نے پوچھا۔
''تم چپ کیوں ہو گئیں کیا کوئی خاص بات ہے؟''
''نہیں بس استانی کے متعلق ہی پوچھ رہی تھی۔'' صاف ظاہر تھا وہ بات ٹال گئی تھی۔
''خانم شہ پارہ۔ تم اس بات سے اچھی طرح واقف ہو کہ مجھے بات بدل کر پیش کرنے سے کتنی نفرت ہے؟'' اور تب تھوڑے سے توقف کے بعد اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔
''میرے سرکے تاج! میں نے بات نہیں بدلی' میں تو صرف نازور کی معلمہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی' کیونکہ پچھلے کچھ دنوں سے اس نے چپکے چپکے شہریار کے ماسٹر سے پڑھنا شروع کر دیا ہے۔''
''ہائیں۔'' مجھے جیسے بجلی کا زبردست جھٹکا لگا' اور میں قہوے کی پیالی تپائی پر پٹخ کر کھڑا ہو گیا' اور میں نے سوچا' میری اہلیہ میری اور نازور کی سگی پھوپھی کی بیٹی ضرور ہے لیکن جب رشتہ نند اور بھاوج کا ہو جاتا ہے تو سگے رشتوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ ورنہ بھلا میری بھولی بھالی' روایات کی پابند' غیور اور خوددار نازور اپنی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر بھلا ایسی حرکت کر سکتی ہے؟ میں نے اپنے اندر ابلتے ہوئے غصے کے لاوے پر یہ سوچ کر فوراً ہی قابو پا لیا' اور شہ پارہ کو شانوں سے پکڑ کر بولا۔
''خانم شہ پارہ۔ نازور میری بہن ہے اور آئندہ تم اس کے متعلق کوئی بات کہنے سے پہلے یہ نہ بھولنا۔'' خانم کی شہابی رنگت سفید پڑ گئی۔
''گل جاناں میری بھی بہن ہے۔ مولائی آغا۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔
مگر میں اس سے کئی روز تک ناراض رہا۔
میں ابھی تک اپنی پرانی ملازمت پر ہی فائز تھا' کیونکہ ابھی تک میری گورنری کے آرڈر نہیں آئے تھے اور میں بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ کہ خارجی امور کے سلسلے میں منعقد ہونے والی ایک میٹنگ میں شرکت کرنے مجھے بمبئی جانا پڑا اور میں تین ہفتے وہاں گزار کر آیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی' میرے پشاور جانے کے آرڈرز آئے رکھے تھے اور مجھے صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کر دیا گیا تھا' نہ صرف یہ بلکہ اس کے ساتھ ہی دو ماہ کی رخصت بھی دے دی گئی تھی' اور اس روز میں خوش خوش سا بیٹھا

UrduPhoto.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نازور اور شہ پارہ سے باتیں کر رہا تھا شہ پارہ میری اس تقرری پر پھولے نہ سما رہی تھی اور نازور بھی بہت خوش تھی کہ شہریار ایک ہاتھ میں ٹافیوں کا پیکٹ اور دوسرے ہاتھ میں ایک رقعہ لیے بھاگا ہوا آیا اور سیدھا نازور کے پاس جا کر رقعہ اس کی گود میں ڈال دیا اس کی اس حرکت پر نازور بری طرح بوکھلائی جلدی سے میری اور شہ پارہ کی طرف دیکھا اور رقعہ چھپانے کی کوشش کرنے لگی اس کی اس حرکت سے مجھے تشویش ہوئی۔

میں نے شہریار کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ ٹافیاں تمہیں کس نے دی ہیں؟ تو وہ معصومیت سے بولا!

''ماسٹر صاحب نے دی ہیں۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''اور یہ رقعہ تم کہاں سے لائے؟'' تو شہریار نے ایک نظر پہلے میری طرف دیکھا اور پھر نازور کی طرف دیکھ کر بولا۔

''وہاں باہر سے۔''

''باہر سے؟ مگر کہاں سے؟ کیا یہ خط تم کو کسی نے دیا تھا؟'' میں نے بڑی نرمی سے پوچھا شہریار پھر نازور کی طرف دیکھا اور گردن ہلا کر بولا۔

''کسی نے بھی نہیں یہ۔ یہ وہاں میز پر پڑا تھا۔''

''میں نے پھر شہریار سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا'' کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ساڑھے چار سالہ شہریار جھوٹ بات بھی نہیں کہتا' ادھر نازور سخت حواس باختہ ہو رہی تھی' اس کی شہابی رنگت بھی پھیکی پڑ گئی تھی میں نے نازور سے وہ رقعہ مانگا تو وہ اور بھی گھبرا گئی۔ میرے دل میں شکوک جڑ پکڑنے لگے نازور رقعے کو پھاڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن [illegible] دیا اور جھپٹ کر اس سے وہ رقعہ چھین لیا۔ اور وہیں کھڑے کھڑے کھول کر دیکھا مخاطب کا نام تھا نہ مخاطب [illegible] نشانہ بس ایک مختصری عبارت درج تھا۔

''جب منزلِ عہد وفا میں قدم رکھ ہی دیا تو پھر خطرات سے گھبرانا کیسا۔ آتش عشق میں کود کر کوئی یہ سوچے کہ مع بال و پر جل بھن کر رہ جائے گا تو یہ اس کی نادانی ہی نہیں بزدلی بھی ہوگی' گھبرائیے نہیں ہمت اور حوصلے سے کام لیجیے' آئیے آگے بڑھیے' جذبات کے اس آتش کدے میں قدم جمائیے' یہ لپکتے ہوئے شعلے بھی ایک دن گلزار بن جائیں گے۔''

محض رومان اور جذبات میں ڈوبی عبارت ہی نہ تھی' بلکہ یہ ترغیب' ترغیب اور بغاوت کا ایک پیغام تھا' ایک دعوت تھی' میرے پورے وجود میں غصے کی آگ بھڑک اٹھی' میں نے گرج کر نازور سے پوچھا

''یہ خط کس کا ہے لڑکی۔ یہ کس نے تجھے بھیجا ہے؟'' مگر تھر تھر کانپتی نازور خاموش بیٹھی رہی۔

''او ننگِ خاندان' بتاتی کیوں نہیں کہ یہ تجھے کس نے لکھا ہے؟'' نازور کی خاموشی نے مجھے مشتعل کر دیا' میں اپنے آپے میں نہ رہا' زندگی میں پہلی بار میرا ہاتھ اس پر اٹھا تو قہر و غضب کی بجلیاں گرا گیا' ہاں زندگی میں پہلی بار اپنی نازوں کی پالی ہوئی جان سے زیادہ عزیز اور پیاری اپنی ماں جائی پر میرے ہاتھ اٹھے تھے۔

جنہوں نے ہمیشہ اسے پدرانہ اور برادرانہ شفقت سے بھرپور تھپکیاں ہی دی تھیں' جنہوں نے ہمیشہ اس پر عزت اور تحفظ کا سائبان تانے رکھا تھا۔

اور جن کے سہارے پالنے سے لے کر جوانی کی حدود میں داخل ہونے تک اس نے اپنی زندگی کا اٹھارہ سالہ سفر طے کیا تھا۔

وہی ہاتھ اب اس پر قہر و غضب کی بجلیاں گرا رہے تھے۔

میں نے اسے اتنا مارا تھا، اتنا مارا تھا کہ وہ ادھ موئی ہوگئی تھی، میری بیوی نے درمیان میں آ کر مجھے باز رکھنا چاہا تو میں نے اسے بھی دھکا دے دیا تھا، بلکہ ایک آدھ تھپڑ اس کے بعد بھی جڑ دیا تھا، لیکن مجھے اس غضب و غصے کی حالت میں بھی احساس تھا کہ نازور میری ہی بہن ہے، اگر اس نے نہ بتانے کا تہیہ کر لیا ہے تو خواہ اس کی جان بھی چلی جائے، وہ خاموش ہی رہے گی، اس کے باوجود بھی میں اسے مارتا رہا اور یہ منظر دیکھ کر شہریار ڈر کر رونے لگا اور چلا کر بولا۔

''میں بتاتا ہوں آغا جان! یہ ماسٹر نے دیا ہے۔''

اور میرے تیزی سے اٹھتے ہوئے ہاتھ یک بیک رک گئے، اور اس کے ساتھ ہی ندامت سے میرا سر جھک گیا۔ میں شہ پارہ سے نظر ملانے کے قابل نہ رہا، یہ بھی غنیمت ہوا کہ وہ افسر شہریار کو پڑھا کر چلا گیا تھا۔ ورنہ میرے غضب و جلال کا نشانہ سب سے پہلے وہی بنتا۔ میری اہلیہ بڑی معاملہ فہم خاتون تھی' دھکا کھانے کے باوجود مجھے شرمندگی سے بچانے کی غرض سے بولی۔

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ رقعہ ماسٹر نے کسی اور کو لکھا ہو اور شہریار اٹھا کر لے آیا ہو۔'' مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ محض بات کو رفع دفع کرنے کی غرض سے کہہ رہی ہے، بہرحال مجھے نازور پر سخت غصہ تھا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اسٹور روم میں بند کر کے دروازہ مقفل کر دیا، جبکہ میری بیوی احتجاج ہی کرتی رہ گئی لیکن میرا غصہ بے قابو تھا۔ ہمارے رواج اور اصول بہت سخت تھے، حتیٰ کہ روایات بھی اسی قدر سخت تھیں...... ہمارے خاندان کی لڑکیاں اپنے قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ کرلی تھیں۔ اور خاندان سے باہر بیٹی بیاہنے کا تو ہمارے یہاں کوئی تصور ہی نہیں تھا کجا کہ میری سگی بہن۔

میری اپنی ماں جائی نے چپکے چپکے کچھ ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ایک غیر اور نامحرم شخص اسے خط لکھنے کی جرات کر بیٹھا۔ اور خط کی عبارت میں بھی اس نے محض اپنی ذات سے کوئی نسبت نہیں رکھی تھی بلکہ نازور کے جذبات کے حوالے سے اس کی ذات کو ملوث کر دیا تھا، بہن کا معاملہ تھا۔

گویا عزت و ناموس کا معاملہ، اس لیے میں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا، اور اس شخص سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ جبکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اسے ملازمت سے ہی برخاست کر دوں۔

بہرکیف، اب تو میں نے اپنی سابقہ ملازمت سے بھی استعفیٰ دے دیا تھا، اصل میں میرے ساتھ ساز و سامان بہت تھا، خصوصاً قیمتی نوادرات کا ایک ذخیرہ سا رکھتا تھا۔ اس وجہ سے بڑی احتیاط سے سامان کی پیکنگ ہو رہی تھی اور اسی وجہ سے اب تک دہلی میں ہی مقیم تھا مگر اب ان نازک اور عزت پر بنا دینے والے حالات کے تحت میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گل داد خان اور اپنے ایک مرحوم ملازم کی نگرانی میں سارا سامان چھوڑ کر میں دو تین روز بعد ہی پشاور کوچ کر جاؤں گا، اسی اثنا میں میری اہلیہ نے خوشامد درآمد کر کے نازور کی سزا میں تھوڑی تخفیف بھی کرادی تھی، اور اب وہ اسٹور روم کے بجائے اپنی خوابگاہ میں مقفل رہتی تھی، پر میں اس کی صورت تک دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ حتیٰ کہ شہریار کو بھی اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں تھی، مجھے غصہ تھا تو اس بات پر کہ اگر بقول شہ پارہ وہ بے قصور بھی ہے تو پھر اس نے فوری طور پر اپنی صفائی پیش کیوں نہیں کی، اس خاموشی کا مطلب تو یہی ہے کہ وہ قصوروار ہے اور میرے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

نزدیک اس کی اسی خطا یا قصور کی تلافی اور معافی ممکن ہی نہ تھی۔ بہر حال وہ ہمارے خاندانی روایات کے مطابق میرے ماموں زاد بھائی اسفندیار سے منسوب تھی، جو کابل میں پیدا ہوا تھا وہیں پلا بڑھا تھا اور وہیں رہتا تھا۔ اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پشاور پہنچتے ہی اپنی بیوہ ممانی کو لکھوں گا کہ وہ اسی ماہ کے آخر تک بارات لے کر پشاور آ جائیں، اور ناز ور کو بیاہ کر لے جائیں، ویسے بھی ہمارے خاندان میں پندرہ برس کی عمر میں لڑکیوں کو بیاہنے کا رواج تھا، لیکن ناز ور جب پندرہ برس کی تھی تو میرے ماموں انتقال کر گئے تھے، اور ان کا سمور کا سارا کاروبار اسفندیار کے کاندھوں پر آ پڑا تھا، اس لیے ناز ور کی شادی کا معاملہ۔ اب تک کھٹائی میں پڑا ہوا تھا لیکن اب چونکہ میں نے تہیہ کر لیا تھا اس لیے میں بڑی حد تک مطمئن ہو گیا تھا میں نے اپنی اہلیہ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر سختی سے ممانعت کر دی تھی وہ اس معاملے میں منہ سے بھاپ بھی نہ نکالے، ویسے بھی مجھے احساس تھا کہ میری بہن اتنی زیادہ قسمت دار نہیں ہے کیونکہ وہ خط ماسٹر نے اسے لکھا تھا اور وہ ماسٹر یا افسر اس روز کے بعد سے کہیں نظر نہ آیا تھا آغا بختیار سانس لینے کو رُکے اور اپنے دست مال سے پیشانی پر آیا پسینہ پونچھنے لگے، اور حاضرین محفل شہوار اور شہریار سمیت دم بخود سے بیٹھے رہے، قہوے کی پیالی جوں کی توں پڑی تھی۔ جس سے ایک گھونٹ لے کر آغا بختیار نے پھر کہنا شروع کیا۔

''لیکن وائے افسوس کہ جس روز میری روانگی تھی، اس کی گزشتہ شب ناز ور نے میرے سارے منصوبوں اور ارادوں پر پانی پھیر دیا۔ حتیٰ کہ میری پشاور جانے کی قلبی خوشی کو بھی پامال کر دیا، میری عزت اور آن بان کو خاک میں ملا دیا۔ وہ ساری عمر مجھے تعزیر و مذلت کے تاریک غاروں میں دھکیل رات کے کسی پہر میں گھر سے فرار ہو گئی اور میرے نام ایک خط چھوڑ گئی، جس کا متن کچھ یوں تھا۔

''آج بھی میری جان سے زیادہ عزیز بھائی!''

مجھے افسوس ہے کہ آج میں آپ کے مجبور کر دینے پر یہ گھر اور آپ کا مشفقانہ ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہی ہوں۔

آپ کے وہ ہاتھ جو کبھی میرے سر پر شفقت سے پھیرے جاتے تھے۔

پیار سے میری پیٹھ تھپتھپایا کرتے تھے۔

میری بہبود اور سلامتی کی دعا کے لیے اُٹھتے تھے۔

اس روز قہر بن کر مجھ پر ٹوٹے۔

آپ غصے اور غلط فہمی میں یہ بھی بھول گئے کہ میں آپ کی بہن ہی نہیں بیٹی بھی ہوں۔

میرا اور آپ کا خون ایک ہے۔

میں نے اور آپ نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے۔

اور زندگی کے یہ اٹھارہ سال میں نے آپ کی غیرت بن کر گزارے ہیں۔ میں نے آپ کی عزت اور آن بان کو ڈھال بنا کر اپنے ناموس کی حفاظت کی ہے، اور آپ نے اپنی اس بہن کو جو آپ کی عزت اور غیرت کی محافظ رہی ہے، یہ صلہ دیا کہ اس پر ذرا سا بھی اعتماد نہیں کیا، اس کی انا اور غیرت کو تہ تیغ کر ڈالا، آپ کو یہ غصہ ہے کہ میں نے زبان کیوں نہیں کھولی، کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ سب جھوٹ ہے یا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے یا اپنی صفائی اور برات میں ایسی ہی کوئی بات، لیکن آغا

جان میں آپ ہی کی تو بہن ہوں نا۔ جھوٹ اور ریا سے کام لینا مجھے نہیں آتا اور میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے محبت کی ہے آپ کے ایک ماتحت اکرم علی شیخ سے، اکرم ایک اعلا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ شریف اور جدی رئیس ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ انسان ہیں اور انسانیت ذات پات، اور رواجوں کے فرق کو نہیں گردانتی، یہ دل کا معاملہ ہے آغا جان اور اسفندیار سے مجھے نفرت ہے، وہ ایک کاروباری اور نہایت اجڈ قسم کا انسان ہے اور آج میں نے اپنی زندگی کا سب سے نازک سب سے اہم ترین فیصلہ کر لیا ہے، میں ہمیشہ کے لیے آپ کو چھوڑ کر جا رہی ہوں، اور میرے جانے سے آپ پر جو قیامت ٹوٹے گی اس کا بھی مجھے بخوبی اندازہ ہے مجھے یہ بھی احساس ہے کہ میں نے آپ کی اتنی شدید محبت کا کیسے سنگدلانہ طریقے سے جواب دیا اور یہ کہ میں ننگِ خاندان ہوں، آپ کی عزت کو بٹہ لگا رہی ہوں کہ بے غیرت اور بے حمیت ہوں۔

میں نے اپنے خاندانی رسم و رواج، روایات، آن بان، عزت و وقار اور اپنی نسوانی شرم و حیا کو خود اپنے ہی ہاتھوں خاک میں ملا دیا ہے، اور آپ کو مجھ سے جتنی نفرت بھی ہو کم ہے اور نفرت تو اسی روز سے ہو گئی ہے جبھی تو آپ میری صورت تک دیکھنی گوارا نہیں کرتے میری اکلوتی غیور بھاوج کی نظروں میں بھی میرے لیے حقارت اور نفرت ہی ہوتی ہے، میرا جان سے زیادہ عزیز شہریار بھی مجھ سے دور دور ہی رہتا ہے، آپ ہی بتائیے ان حالات میں میں کس طرح اس گھر میں گزارہ کر سکتی ہوں، جبکہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اب زندگی بھر مجھے آپ لوگوں کی طرف سے وہ پہلے جیسی محبت اور عزت کبھی نہیں ملے گی، کیونکہ میرا یہ جرم آپ سب کی نظروں میں ناقابلِ معافی اور تلافی ہی ہو گا، میرا یہ گناہ آپ بھی معاف نہ کریں گے، اس لیے آغا جان میں جانے پر مجبور کر دی گئی ہوں، خدارا مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کیجیے گا، البتہ ایک آخری التجا ضرور ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں۔

آپ کو اس دودھ کا واسطہ جس میں میں اور آپ برابر کے شریک ہیں کہ آپ مجھے معاف کر دیجیے۔'' یہ تو میں نے مختصر اً خط کا متن سنایا ہے ورنہ ناز ور نے تو اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔''

آغا بختیار نے خط کا متن سنانے کے بعد کہا۔

''بہر حال واقعی قیامت تھی جو گزر گئی تھی، قہر تھا جو ٹوٹ پڑا تھا، اس نے منع کر دیا تھا کہ اسے تلاش نہ کیا جائے، اور میں بھی اب اس کو دوبارہ قبول کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا، لیکن غم و غصے نے مجھے پاگل سا کر دیا تھا۔ میں نے اپنے طور پر گل داد کے ذریعے اسے ہر جگہ تلاش کیا۔ اکرم علی شیخ کی رہائش گاہ کی بھی کڑی نگرانی کرائی، مگر مجھے اس کا کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ اور اگر سچ پوچھتے ہیں تو یہ تلاش بھی میرے غصے اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے تھی، کیونکہ ایسی بے غیرت اور بے حیا بہن کو جان سے مار کر ہی میں اپنی انا کو تسکین دے سکتا تھا۔ میں اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ اکرم کی قیام گاہ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بھی ویران پڑی تھی، کیونکہ وہ بھی کہیں روپوش ہو گیا تھا۔

میں نے اپنی روانگی کا ارادہ تو اسی روز ترک کر دیا تھا، جس روز ناز ور میرے منہ پر بدنامی اور بے غیرتی کی غلاظت لتھیڑ کر گئی تھی، مگر اس کی تلاش میں پندرہ بیس روز تک مجھے مزید رکنا پڑا۔ لیکن جب اس کا کہیں پتا ونشان تک نہیں ملا تو میں مایوس ہو کر پشاور چلا آیا۔''

آغا بختیار اپنی بات کہہ کر خاموش ہوئے تو شفق جو آصف اور طوبیٰ سمیت اکرم علی شیخ کے نام پر بری طرح چونکی تھیں، انہوں نے صوفیہ بیگم سے پوچھا۔

''امی جان یہ اعظم چچا والے اکرم علی شیخ تو نہیں؟''

''ہاں بیٹی وہی ہیں۔'' صوفیہ بیگم نے کہا تو طوبیٰ کے منہ سے بڑے غیر ارادی طور پر نکلا۔

''وہ......وہ میرے تایا جان اکرم صاحب۔'' اس کے لہجے سے حد درجہ تحیر نمایاں تھا۔

''تمہارے تایا جان......ہاں...... ہاں۔'' میجر صاحب نے ہاں ہاں کہتے ہوئے جس طرح آغا بختیار، شہوار، شہریار کی طرف دیکھا تو ہر بات سے لاعلم طوبیٰ شرمندہ سی ہو گئی۔

''ہاں بیٹی۔ تایا کہو یا کچھ...... اکرم صاحب سے تمہارا خونی رشتہ ہے۔'' آغا بختیار نے کہا اور پھر شروع ہو گئے۔

☆......☆......☆

''سامان پیک کر کے مال گاڑی میں روانہ کیا جا چکا تھا اور دہلی سے میرا کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا۔ پھر بھی میں گل داد خان کو خاص طور پر ناز ور کا سراغ لگانے کے لیے وہیں چھوڑ آیا تھا۔ لیکن تلاش بسیار کے باوجود بھی گل داد خان کو ناز ور کا سراغ نہ مل سکا۔ اور یوں مجھے ناکامیوں کا سامنا کرتے کرتے ایک ماہ گزر گیا۔ اس دوران میں میرا غصہ بھی کچھ کم ہو گیا تھا اور میں مایوس ہو کر گل داد کو دہلی سے بلوانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ انہی دنوں پورے ہندوستان میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

اور یہ آگ اچانک ہی نہیں...... بھڑک اٹھی تھی۔ بلکہ تقسیم کے سوال پر بہت عرصے سے اسے آہستہ آہستہ بھڑکانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

تاکہ مسلمان کے گلوں سے ایک کی غلامی کا طوق اتار کر دوسرے کی غلامی کا طوق ڈال دیا جائے۔ انہیں کبھی آزادی حاصل نہ ہو۔ ان کی اپنی ایک نئی مملکت کے خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں۔ مگر تقسیم ہو کر رہی۔

جس کے نتیجے میں خصوصاً مسلمانوں کو ہی آگ اور خون کے دریا سے گزرنا پڑا۔ لاکھوں جانیں قربان کرنی پڑیں۔ اپنے عزت و ناموس کی دھجیاں اڑانی پڑیں۔

لیکن یہ تو مسلمانوں کی روایت ہے، شان ہے، طرۂ امتیاز ہے۔ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی اس امانت کو...... اسی تحریک کو لے کر جس کی وہ صدیوں سے سینہ بہ سینہ حفاظت کرتا آ رہا ہے۔ خوں آشام تلواروں کے نیچے سے ہی گزرتا رہا ہے۔

وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر ہی آوازۂ حق بلند کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔''

آغا بختیار نے اتنا کہہ کر تھوڑی دیر توقف کیا۔ تقریباً سب ہی ان کی باتوں سے متاثر نظر آ رہے تھے۔ اسی لیے کمرے میں سکوت سا چھایا ہوا تھا۔

READING Section

''بہرحال۔'' آغا بختیار ایک گہرا سانس لینے کے بعد پھر گویا ہوئے۔

''فسادات کی آگ کچھ اس طرح بھڑکی کہ پورا ہندوستان اس کی لپیٹ میں آ گیا اور دو ماہ تک تو مجھے گل داد خان کا بھی کوئی پتا ونشان نہ ملا۔ میں یہی سمجھا کہ دوسرے بے گناہ مسلمانوں کی طرح وہ بھی فسادات کی نذر ہو گیا ہے۔ مگر ایک روز جبکہ میں قطعی طور پر گل داد خان کی طرف سے بھی مایوس ہو چکا تھا ایک شخص میرے پاس رقعہ لے کر آیا میں نے کھول کر پڑھا یہ گل داد خان نے مجھے لاہور سے لکھا تھا جس میں صرف یہ اطلاع درج تھی کہ اس نے لاہور کے ایک گنجان محلے میں ناز ور کی حلالی بخت رجائی کو ایک گھر میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ گو بخت رجائی برقعے میں لپٹی ہوئی تھی مگر اس کی چال ڈھال اور سب سے بڑھ کر اس کے گھبرا اٹھنے کی وجہ سے وہ اسے پہچان گیا ہے اور اب وہ ناز ور کو بہت جلد ہی میرے سامنے پیش کر دے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے ایک جیپ اور ڈرائیور کو جلد از جلد بھیجنے کی تاکید بھی کی تھی۔

میں تو اپنی بہن کے حصول کے لیے دیوانہ ہو رہا تھا ان دنوں میں پچھتاوے کی آگ میں جل رہا تھا۔ اپنی زیادتیوں اور کوتاہیوں کا احساس مجھ پر قہر بن کر ٹوٹتا تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنے ایک نمک خوار کو جیپ دے کر لاہور روانہ کر دیا۔ مگر افسوس کہ کئی روز کے جانگداز انتظار کے بعد جیپ واپس آئی تو گل داد خان تنہا ہی نظر آیا۔ یہ اتنا ملازم تھا اور بچپن کا ساتھی۔ ورنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یوں ناکام اور نامراد آنے پر میں اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دیتا۔ بہرحال قصہ مختصر کہ گل داد کی ناکامی کے بعد میں ناز ور کی طرف سے بالکل ہی مایوس ہو گیا تھا اور میں نے اس کی بازیابی کا خیال تک چھوڑ دیا تھا۔

ان دنوں میری اہلیہ کے یہاں ولادت بھی ہونے والی تھی اور وہ کافی علیل تھی۔ میں ناز ور کی پریشانی میں اس کی طرف سے بالکل غافل ہو گیا تھا اس لیے میں نے اپنا دھیان بٹانے اور اپنے دل آزار خیالوں سے چھٹکارا پانے کو اپنی تمام تر توجہ اپنی اہلیہ کی طرف مبذول کر دی تھی۔ کہ ایک روز صبح کی ڈاک سے مجھے ایک خط موصول ہوا اور میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ یہ ناز ور کا خط تھا۔ وہ بیمار اور خستہ حال تھی اور اس نے اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کے بعد مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اسے جلد از جلد اپنے پاس بلا لوں۔ اس نے اپنی رہائش گاہ کا پتا بھی لکھ دیا تھا اور میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاؤں۔ مگر میری غیرت اور انا نے مجھے خود جانے کی اجازت نہ دی۔ ویسے بھی ناز ور نے ایسا کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا تھا کہ فخر و مسرت سے میرا سینہ تن جاتا، میری گردن اکڑ جاتی۔ اس نے تو پورے خاندان کی پیشانی پر کالک تھوپ دی تھی۔ اور ایک چاہنے والے بھائی کی حیثیت سے، ایک سرپرست اور بزرگ ہونے کے ناتے سے میں اپنی گمشدہ بہن کے غیر متوقع مل جانے پر اپنے تاثرات اپنے آپ تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا۔''

آغا بختیار سانس لینے کو رکے اور پھر شروع ہو گئے۔

''ادھر ان دنوں میں اپنی اہلیہ کی طرف سے سخت فکر مند تھا کیونکہ وضع حمل کا وقت آ چکا تھا اور وہ کئی روز سے دردِ زہ میں مبتلا تھی ادھر پورے ملک میں کچھ ایسی افراتفری پھیلی تھی کہ میں اسے کسی اسپتال میں بھی داخل نہیں کرا سکا تھا۔ صرف ایک کرسچین لیڈی ڈاکٹر ہی مہیا ہو سکی تھی جو زیادہ تجربہ کار اور ماہر نہیں تھی یا پھر شاید پارہ کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ وہ ایک بچی کو جنم دے کر ہمیشہ کے لیے میرا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ساتھ چھوڑ گئی۔ اپنی رفیقِ حیات کی مفارقت کا غم میرے دل سے بہن کے ملنے کی خوشی کو بھی غارت کر گیا بلکہ مجھے پاگل کر گیا۔ اب میں ہر بات کا ذمہ دار اور قصور وار نازور کو ہی ٹھہراتا تھا اور یوں میرا دل چاہتا تھا وہ آئے تو اس کی تکہ بوٹی کر ڈالوں یا اسے اتنا ماروں، اتنا ماروں کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو جائیں اور اسے بھی شہ پارہ کے بے جان لاشے کی طرح کفن میں لپیٹ کر لحد میں اتار دوں کیونکہ اس کی وجہ سے میں شہ پارہ کی طرف سے لاپرواہ ہو گیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ میرا سلوک بھی اس کے ساتھ بہت ناروا تھا پھر پورے ایک ہفتے بعد ایک شام نازور بھی آ گئی مگر اس قدر بیمار اور نڈھال تھی کہ اس پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے..... گویا ہوش و حواس ہی میں نہ تھی تو پھر اس کو مزید کوئی ایذا پہنچا کر مجھے حاصل ہی کیا ہوتا۔

وہ تو خود اپنے ضمیر کی مار سے فگار تھی۔ پچھتاوے کی آگ میں جل رہی تھی۔ نیم مُردہ اور نیم جان ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا انسان کو اس کے کیے کی سزا قدرت خود ہی دے دیتی ہے اور میری بہن وہ سزا بھگت رہی ہے۔

اس لیے میں نے اسے سب سے الگ تھلگ ایک کمرے میں ڈلوا دیا۔ سوائے اس کی کھلائی بخت رجائی کے اور ساری ملازماؤں کو اس کے پاس جانے کی ممانعت کر دی۔ حتیٰ کہ اس کی وجہ سے ہی شہریار کو اس کی ماں کے آبائی گاؤں بھیج دیا نوزائیدہ بچی کو بھی میں نے وہیں بھیج رکھا تھا۔

پھر بہت سے دن یونہی چپ چاپ گزر گئے۔ میں شہ پارہ کے غم میں گوشہ نشین ہو کر رہ گیا تھا۔ ہر دم ماضی کے دریچے کھولے گزرے ہوئے زمانے کی یادیں تازہ کرتا رہتا۔ یا پھر تلاوتِ کلامِ پاک اور دیگر کتب کے مطالعے میں وقت گزارتا بار ہا میرا دل چاہا جا کر نازور سے پوچھوں کہ بتا وہ تجھے تباہی کے غاروں میں دھکیلنے والا کہاں ہے؟ وہ ہماری برس ہا برس سے بنی عزت اور ساکھ کی دھجیاں اڑانے والا کہاں روپوش ہو گیا ہے؟ اور تجھے ایک اتنا سنگین اور گھناؤنا قدم اُٹھا کر آخر حاصل ہی کیا ہوا؟ مگر میں اس سے کچھ بھی نہ پوچھ سکا۔ وہ نہ جانے کیا روگ لگا کر آئی تھی، میں نے علاج معالجہ کرانے میں کوئی کسر نہ اٹھا چھوڑی تھی۔ پھر بھی دن بدن اس کی حالت گرتی جا رہی تھی۔

گلابی جاڑا شروع ہو چکا تھا اور کسی وقت بھی سردی بڑھ جانے کا امکان تھا۔ اور اسی خیال سے کہ کہیں برف باری ہونے کی وجہ سے راستے بند نہ ہو جائیں میں نے شہریار کو اس کی ننھیال سے بلوا لیا تھا۔ اور اس روز، جس روز شہریار گھر پہنچا تھا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر، میں قیلولے کی غرض سے لیٹا ہی تھا کہ بخت رجائی حیران پریشان اور ڈری ڈری سی میری خواب گاہ میں آ گئی۔ اور یوں جیسے پابہ رکاب ہو۔ اس نے جلد جلد مجھے بتایا کہ نازور کی حالت غیر ہو رہی ہے اور اس نے ابھی ابھی مجھے بلایا ہے اور میں نے بخت رجائی پر ایک بڑی ہی کڑی نظر ڈالی اصل میں آرام میں خلل پڑ جانے کی وجہ سے میں بھنا گیا تھا مگر بخت رجائی کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑ رہی تھیں اور اس کی آنکھیں متورم سی ہو رہی تھیں۔ میرے دل کو دھکا سا لگا۔ اور میں جلدی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شہریار میرے پاس ہی لیٹا تھا اور اس پر غنودگی سی طاری تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بستر سے اُٹھایا اور اسے ساتھ لے کر نازور کے کمرے میں آ گیا۔

واقعی نازور کی حالت غیر ہو رہی تھی بیماری کی وجہ سے رنگ پیلا اور سانولا پڑ گیا تھا اور زردی کھنڈ رہی

تھی۔ وہ بوجھل پپوٹوں کو بند کیے آخری سانس لے رہی تھی میں نے پورے ایک سال بعد اس کی صورت دیکھی تھی۔ کچھ دیر تو میں خاموش کھڑا اس کی صورت دیکھتا رہا پھر خون کی کشش یکلخت ہی جوش کھانے لگی تو میں دوڑ کر اس پر جھک گیا۔

"گل جانہ! آنکھیں کھولو۔ دیکھو میں آ گیا ہوں۔" میں نے بے تابانہ کہا۔

اس سمے میرے دل سے ہر کدورت، غم و غصہ سب کچھ چھٹ گیا تھا اس لیے بھی کہ میں حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ میرے کئی مرتبہ پکارنے پر اس کے بند پپوٹے آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگے۔ اور پھر اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ اُف، ندامت، شرم و غیرت، دم توڑتی تمنائیں اور ہزار ہا شکوے نہ جانے کیا کیا پنہاں تھا ان موت کے سایوں سے تاریک ہوتی آنکھوں میں صرف پہچان کی حد تک ہی زندگی کی رمق باقی تھی۔ اس کی آنکھوں میں۔ بس ایک دو لمحے کو ہی وہ میری طرف دیکھ سکی تھی پھر اس کی پلکیں خود بخود ہی جھکتی چلی گئیں اور چند موٹے موٹے اشک پلکوں کا حصار توڑ کر اس کے مرجھائے ہوئے رخساروں پر ڈھے گئے۔

"آغا جان! سوچا تو یہی تھا کہ اب زندگی بھر کبھی آپ کو اپنی یہ رسوائی میں لپی داغدار صورت نہیں دکھاؤں گی مگر...... سینے میں جو یہ اک ناسور سا ہو گیا ہے، بڑی اذیت دے رہا ہے بھائی جان!"

وہ اپنے اکھڑے ہوئے سانسوں پر قابو پا کر نحیف سی آواز میں کہنے لگی اور اسے اس حالت میں دیکھ کر مجھ پر غم و اندوہ کی چٹانیں سی ٹوٹنے لگیں۔

"میں۔ میں نے آپ کو بڑی اذیتیں پہنچائی ہیں آغا جان میں نے آپ کی عزت خاک میں ملا دی۔ میں نے آپ کا ہر مان توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور زندگی کی ان آخری ساعتوں میں اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لیے مجھے الفاظ بھی نہیں مل رہے۔"

اس کا سانس پھر اکھڑنے لگا تھا اس لیے کچھ دیر کے لیے خاموش ہو کر خود کو سنبھالنے میں کوشاں ہو گئی۔ اور میں اس کی پیشانی سے ان شبنمی قطروں کو خشک کرنے لگا جو کمزوری کی وجہ سے اُبھر آئے تھے۔

"لے۔ لیکن۔ آغا جان۔ م۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آپ کو اذیت پہنچا کر میں ایک لمحہ بھی سکھ کا سانس نہ لے سکی میں۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں آغا جان میں میں نے اس شخص سے نکاح کر لیا تھا لیکن یہ شادی ہم دونوں کو راس نہیں آئی۔ ہم چند دن ہی ساتھ رہ سکے پھر ایسے جدا ہوئے کہ ملنا ہی نصیب نہ ہو سکا۔ اور اسی غم میں ایک دن میرا شوہر بھی ہمیشہ کے لیے مجھ سے منہ موڑ گیا۔"

اتنا کہتے کہتے گل جانہ پر رقت طاری ہونے لگی۔ لیکن کمزوری کی وجہ سے اس سے رویا بھی نہ جا سکا۔ وہ خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی جیسے اب کچھ دیکھنے کو باقی نہ رہا ہو۔ میرا دل کٹ کٹ کر آنکھوں کی راہ بہنے لگا۔ پھر بھی میں تسلی کے لیے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ وہ خود کو سنبھال کر خود ہی بولی۔

"خاندانی روایات کو توڑنا آسان نہیں آغا جان۔ اپنی شرافت، پاکدامنی اور غیرت کا گلا گھونٹ کر ہی ایک لڑکی اپنی روایات اور اصولوں سے ٹکراتی ہے مگر اس طرح وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔ معاشرہ اسے قبول کرے یا نہ کرے مگر خود اس کے ضمیر کی مار اس پر قہر بن کر ٹوٹتی رہتی ہے۔ اور میں ایک ایسے ہی عذاب میں مبتلا ہوں اور۔ اور آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دیجیے۔ خدارا میرے قابل

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

احترام اور عزیز از جان بھائی جان۔ میری خطاؤں کو بخش دیجیے۔ بخش دیجیے۔"

اپنی بات کہتے کہتے گل جانہ پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا جس سے اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ میں گھبرا کر اٹھا اور اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اور اس کا سر اپنے زانوؤں پر رکھ لیا۔ بخت [illegible] سے اسے کوئی عرق پلایا۔ کھانسی میں کمی آ گئی مگر تنفس قابو میں نہ آیا۔ وہ کچھ دیر تک ہانپتی رہی پھر ٹوٹے ٹوٹے لہجے میں بولی۔

"کیا آپ نے مجھے معاف نہیں کیا آغا جان؟"

"نہیں نہیں میں نے تجھے معاف کیا میری بچی۔ میری گل جانہ۔ صدق دل سے معاف کیا۔" [illegible] احساس ہو گیا کہ اس کی زندگی کی لو کسی بھی لمحے بجھنے کو ہے، میں تڑپ کر بولا۔ تو وہ ڈوبتی آواز میں بولی۔

"شکر خدا۔ اب میں اطمینان سے مروں گی۔ مگر۔ مگر آغا جان میری آپ سے ایک آخری درخواست۔ میرا شوہر بڑا شریف اور خاندانی تھا آغا جان اس سے میری ایک بچی بھی ہے... بچی اکرم [illegible] بیوی کے پاس ہے آغا جان میرا شوہر غیر خاندان سے تھا۔ مگر۔ مگر میری درخواست ہے کہ آپ۔ آپ ہمارے دستور کے مطابق اسے شہریار سے منسوب کر دیں۔ میری خاطر آغا جان۔ اپنی مرتی ہوئی [illegible] کی آخری خواہش اور وصیت سمجھ کر ہی آغا جان۔ وہ وہ دونوں انگوٹھیاں عجلت میں میں اپنے سامان [illegible] ساتھ لے گئی تھی۔ ایک انگوٹھی اکرم کی بیوی کو دے دی۔ دوسری یہ میرے پاس ہے۔ شہ۔ شہریار [illegible] بلائیں۔ بلائیں۔" اس کی آواز ڈوبتی ہی چلی گئی اور آنکھیں بند ہونے لگیں۔ شہریار قریب ہی کھڑا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچ کر کہا۔

"گل جانہ۔ گل میری بہن۔ دیکھو یہ شہریار آ گیا ہے۔" اور نازور نے اپنی سلب ہوتی تمام قوت مجتمع کر کے بڑی مشکل سے آنکھیں کھول کر شہریار کی طرف دیکھا۔ بڑی حسرت اور بے بسی سے مسکرائی اور پھر اس کی گردن ڈھلک گئی۔ اور اس المیے نے مجھے ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا۔ بیوی کا غم ہی کیا کم تھا کہ بہن نے بھی مفارقت کا داغ لگا دیا۔ میں کافی عرصے تک صاحب فراش رہا۔ پھر ٹھیک ہوا تو میں نے اپنے بچوں پر تمام تر توجہ اور محبت مبذول کر دی۔" آغا بختیار ایک تسلسل سے بولتے بولتے خاموش ہو کر آنکھوں میں پھیلی نمی کو پونچھنے لگے۔

"اوہ۔ ویری سیڈ۔" میجر صاحب نے ایک آہ بھر کر افسردہ لہجے میں کہا۔ آغا بختیار کچھ دیر تک بالکل خاموش سے بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دو انگوٹھیاں نکالیں اور انہیں ہتھیلی پر رکھ کر میجر صاحب کو دیتے ہوئے بولے۔

"یہ دیکھیے یہ ہیں وہ دونوں انگوٹھیاں جو نازور عجلت میں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ ہمارے خاندان میں آپس میں ہی شادیاں کرنے کا رواج ہے اور ہم لوگ نسبت یا منگنی قرار پا جانے پر لڑکی کی طرف سے انگوٹھی نہیں لیتے۔ اور یہ رسم صرف جائیداد یا جاگیر کے وارث کے لیے ہی مختص ہے۔ اور ہمارے خاندان میں ریاست یا جاگیر کا وارث اولاد نرینہ میں صرف ایک ہی ہوتا ہے البتہ بہنیں کئی کئی ہوتی ہیں۔ لیکن میری تو صرف ایک ہی بہن تھی۔"

آغا بختیار نے انگوٹھیوں سے متعلق ایک تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ میجر صاحب دونوں انگوٹھیوں کو ہتھیلی پر رکھ کر غور سے دیکھنے لگے۔ تو آغا بختیار قدرے فخریہ انداز میں بولے۔

"ان انگوٹھیوں کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ یہ نادر شاہ کے زمانے میں بنائی گئی تھیں یعنی اینٹیکس (نوادرات) میں سے ہیں اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ نمونہ چونکہ خصوصی طور پر تیار کرایا گیا تھا اس لیے اس ڈیزائن کی کوئی دوسری انگوٹھی آج تک بنی ہے نہ بن سکتی ہے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ نمونہ گو سادہ ہے لیکن اپنے اندر ایک ندرت اور خصوصیت رکھتا ہے۔"

میجر صاحب نے دونوں انگوٹھیاں صوفیہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے تعریفی انداز میں کہا۔

"جی ہاں۔ اور رواج کے مطابق ایک انگوٹھی جو نسبتاً بڑی ہے لڑکے کو لڑکپن میں ہی پہنا دی جاتی ہے اور دوسری انگوٹھی لڑکا خود شادی کے موقع پر لڑکی کو پہناتا ہے۔" آغا بختیار نے مزید تفصیل بتائی اور پھر بولے۔

"بہرحال نازور کو تو کچھ بتانے کا موقع ہی نہ ملا۔ مگر صحت یاب ہو جانے کے بعد خود میں نے اپنے اندازوں سے اپنے دو معتبر آدمیوں کو لاہور بھیج دیا تاکہ وہ بچی کا سراغ لگا سکیں۔ لیکن اکرم صاحب کی بیوی کا نام معلوم تھا نہ پتہ لہٰذا کافی تلاش بسیار کے بعد میں مایوس ہو کر بیٹھ رہا تھا اور اب یہ فریضہ شہریار کو سونپا تھا کہ بعد مدت وہ بچی مجھے ملی بھی تو ایسے ناسازگار حالات میں کہ میں اسے پہچان بھی نہ سکا۔"

آغا بختیار نے بات ختم کر کے صوفیہ بیگم کی طرف دیکھا جو شفق کو دونوں انگوٹھیاں دکھا رہی تھیں۔ شفق نے انگوٹھیوں پر ایک نظر ڈال کر بے تابانہ پوچھا۔

"اس بچی کا نام [illegible] تھا؟" اور آغا بختیار جواب میں اٹھ کر طوبیٰ کے پاس آ کھڑے ہوئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"اس کا نام طوبیٰ ہے۔"

اور اس انکشاف پر شفق اور آصف کے ساتھ ساتھ طوبیٰ بھی بری طرح چونک اٹھی اور گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔

"نہیں نہیں۔ آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ نہیں ہوں!"

"نہیں بیٹی تم وہی ہو۔ میری گل جانہ کی لخت جگر۔ میں تمہارا ماموں ہوں طوبیٰ۔ تمہارا شقی دل ماموں۔" آغا بختیار نے ندامت بھرے لہجے میں کہا تو طوبیٰ نے بے یقینی سے میجر صاحب اور صوفیہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"ہاں بیٹی جاگیردار صاحب تمہارے ماموں ہی ہیں اور تم اعظم بھائی کی نہیں اکرم بھائی کی بیٹی ہو۔" میجر صاحب اس کی یقین دہانی کراتے ہوئے بولے۔ طوبیٰ کچھ دیر تو خاموش کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ڈھانپ کر صوفے پر گرتی ہوئی بولی۔

"نہیں نہیں یہ ممکن ہی نہیں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

"نہیں بیٹی! اس دنیا میں اس سے بھی زیادہ ہوتا آیا ہے یہ محیر العقول واقعات جو اکثر و بیشتر وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی حقیقت تو بہر طور تسلیم کرنا ہی پڑتی ہے۔ اور تمہارا معاملہ تو ایک عام سی نوعیت کا ہے اصل میں تو حالات نے اسے اس حد تک پراسرار بنا دیا ہے۔" میجر صاحب سمجھانے کے سے انداز میں بولے مگر طوبیٰ آنکھیں ڈھانپے سسکیاں لینے لگی۔

"اٹھو بیٹی! اپنے ماموں جان کے گلے لگ جاؤ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ قدرت نے تمہیں تمہارے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اپنوں سے ملوادیا۔'' صوفیہ بیگم نے بھی لب کشائی کی۔

''ہاں ہاں اٹھو شاباش دیکھو تمہارے ماموں جان بزرگ ہو کر اب تک کھڑے ہیں۔''

میجر صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر طوبیٰ کے قریب آتے ہوئے کہا اور تب تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد طوبیٰ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اور آغا بختیار نے جلدی سے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

''میری بیٹی میری زیادتیوں کو معاف کر دے۔''

انہوں نے رقت بھری آواز میں کہا اور پھر ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ وہ طوبیٰ کے سر پر تھوڑی لگا کر آنسو بہانے لگے اور تقریباً سب ہی کو اس منظر نے بڑا متاثر کیا۔ سب کی ہی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ سوائے آصف کے جو اس چونکا دینے والے انکشاف اور درد بھرے ملن پر ذرا بھی خوش نہیں ہوئے تھے بلکہ جز بز سے ہو کر پہلو بدل رہے تھے۔ گریہ وزاری کے معاملے نے طول کھینچا تو وہ اٹھ کر جانے لگے مگر میجر صاحب نے فوراً ہی انہیں ٹوک دیا۔

''بیٹھو بیٹا جا کہاں رہے ہو؟'' اور باپ کے ٹوکنے پر نہ چاہتے ہوئے بھی آصف کو بیٹھنا پڑا۔ آغا بختیار نے طوبیٰ کے سر کو تھپتھپا کر اسے خود سے علیحدہ کیا اور اپنے آنسو پونچھ کر شہوار کی طرف مڑ کر دیکھا تو وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئیں۔ جلدی سے آگے بڑھیں اور روتی سسکتی طوبیٰ کو گلے سے لگا کر رندھی ہوئی آواز میں آہستہ سے بولیں۔

''کتنی آرزو تھی کہ ہماری بہن ہوتی اور آج خدا نے یہ آرزو بھی پوری کر دی۔'' اور پھر طوبیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس صوفے پر لا بٹھایا جہاں وہ خود بیٹھی تھیں۔ جانے شفق کیوں بجھی بجھی سی لگ رہی تھیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس مبارک موقع پر وہ بھی اسے مبارکباد دے دیتیں مگر انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ بلکہ آہستہ سے ماں سے بولیں۔

''آصف پر یہ انکشاف بہت بھاری پڑا ہے امی جان لہٰذا اس کی صورت تو دیکھیے سچ اگر وہ طوبیٰ کا دودھ شریک نہ ہوتا تو میں بھی اس کی حق تلفی نہ ہونے دیتی۔''

شفق کے لہجے میں بڑی جھلاہٹ تھی۔ صوفیہ بیگم نے ایک نظر بیٹے کے بجھتے سے چہرے پر ڈالی اور دل ہی دل میں اس پر کڑھ کر بولیں۔

''ہاں۔ خود مجھے بھی اس بات کا بڑا رنج ہے مگر خدا کی باتیں خدا ہی جانے یہ بھی اس کی کوئی مصلحت ہی ہوگی کہ طوبیٰ آصف کی دودھ شریک بن گئی۔'' ماں کا جواب شفق کو اچھا نہ لگا۔ وہ چیخ کر بولیں۔

''امی جان! یہ سب کہنے کی باتیں ہیں میں تو اس وقت سے ڈر رہی ہوں جب یہ حقیقت آصف پر منکشف ہوئی تو۔''

''تو مجھے یقین ہے کہ آصف اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ حالانکہ حقیقت بڑی تلخ ہوتی ہے۔'' صوفیہ بیگم نے کہا۔ دونوں ماں بیٹیوں کا چپکے چپکے کھسر پھسر کرنا میجر صاحب کو سخت گراں گزرا۔ انہوں نے صوفیہ بیگم کو مخاطب کر کے کہا۔

''بیگم اب مجھے جاگیردار صاحب کے سامنے اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ آپ نے بہت پہلے مجھے اس حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔''

''اچھا کیا واقعی۔'' آغا بختیار نے تعجب سے پوچھا۔

''جی ہاں۔ اور ابھی ایک راز اور رہ گیا ہے جس پر سے پردہ ہٹانا بہت ضروری ہے۔''

میجر صاحب بڑے موقع شناس تھے۔ بیٹے کے بدلے ہوئے تیور دیکھ رہے تھے اس لیے انہوں نے اپنی بات پُرزور انداز میں کہی اور پھر صوفیہ بیگم سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہا تو صوفیہ بیگم قدرے تامل کے بعد بولیں۔

''خیر یہ کوئی ایسا سربستہ راز تو نہیں صرف ایک اتفاق ہی ہے۔'' اور پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں اور کچھ توقف کے بعد بولیں۔

''اصل میں میری علالت کی وجہ سے محض اس لیے کہ باجی جان یعنی مسز اکرم ریل کے حادثے میں جاں بحق ہوگئی تھیں ان لوگوں نے طوبیٰ کی اصلیت کو مجھ سے چھپائے رکھا ورنہ یہ بات اسی روز عیاں ہو جاتی جب میجر صاحب نے آصف کو طوبیٰ سے منسوب کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔'' اور میجر صاحب جوان کے یوں بچا بچا کر بات کرنے سے بے چین سے ہو رہے تھے اکتا گئے ہوں۔ تیکھے لہجے میں بولے۔

''بھئی یہ ...... یوں سمجھانے سے کیا فائدہ جو بات ہے وہ صاف صاف کہہ ڈالیے۔''

''لیکن امی جان میرے خیال میں تو آپ اس بات کو پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔'' شفق بھائی کے دل اور احساسات کو ٹھیس پہنچنے کے خیال سے بولیں۔

''نہیں شفو جو بات ہے وہ اسی وقت صاف ہو جائے تو بہتر ہے۔'' میجر صاحب بولے۔

''آپ کا اشارہ غالباً آصف اور طوبیٰ کی منگنی کی طرف ہے۔'' آغا بختیار دوستی رہے اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہے تھے آخر انہیں کہنا ہی پڑا۔

''جی ہاں موضوع گفتگو یہی ہے لیکن بہر حال یہ بیگم ہی اس پر کچھ روشنی ڈالیں گی۔'' اور میجر صاحب کی بات پر تو شہریار بھی جو بالکل خاموش اور گم صم سے بیٹھے تھے چونک کر بیٹھ گئے۔

''اصل میں جیسا کہ میں نے آپ لوگوں کو بتایا ہے کہ مجھے اصل واقعات کا علم تھا نہ طوبیٰ کی اصلیت کے بارے میں ہی کچھ معلوم تھا ورنہ میں یہ رشتہ ہونے ہی نہ دیتی۔'' حقیقت کو منکشف کرنا صوفیہ بیگم کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا۔

''ظاہر ہے۔ ظاہر ہے۔ ہم خود بھی لاعلم ہی تھے اور میں نے تو اس کا فیصلہ آپ لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں لیکن ایک درخواست ضرور ہے کہ فیصلہ کرتے وقت انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔'' آخری فقرہ آغا بختیار نے ہنس کر ادا کیا۔

''بعض فیصلے قدرت پہلے سے خود ہی کر دیتی ہے جاگیردار صاحب تو پھر انسان کی کیا ہستی جو ان میں ترمیم یا تبدیلی کر سکے۔'' صوفیہ بیگم افسردگی سے بولیں۔

''اب اسے بھی اتفاق ہی سمجھیے کہ جس وقت طوبیٰ کی سوتیلی والدہ مجھ سے آخری بار رخصت ہو رہی تھیں تو آصف میری گود میں یہی کوئی ڈیڑھ پونے دو برس کا تھا باجی جان طوبیٰ کو میرے پاس چھوڑ کر کسی کام سے چلی گئی تھیں۔ طوبیٰ اوپر کا دودھ پیتی تھی باجی جان کو واپسی میں دیر ہوگئی تو بچی بلک بلک کر رونے لگی میری اور کچھ تو سمجھ میں نہ آیا میں نے اس سوا ڈیڑھ ماہ کی جان کو اپنا دودھ پلا دیا۔''

اف۔ جانے کیونکر آزمائش کے پل صراط سے گزرتے ہوئے صوفیہ بیگم نے یہ بات کہی تھی کہ آصف تو بڑی بات، کسی سے بھی نگاہ ملانے کی انہیں تاب نہ رہی۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اور آصف کو یوں لگا جیسے طوفانی ہواؤں میں ان کا وجود تنکے کی طرح ادھر ادھر رل رہا ہو۔ جبکہ ... کے چہرے پر ایک طمانیت سی اتر آئی تھی۔ شہوار اپنی مسکراہٹیں چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں ... آغا بختیار کے بارعب اور وجیہہ چہرے پر مسرتیں رقص کر رہی تھیں۔ لیکن شفق کا چہرہ دھواں ... ہو رہا تھا اور طوبیٰ رونا دھونا بھول کر بے یقینی سے کبھی صوفیہ بیگم اور کبھی میجر صاحب کی طرف دیکھ رہی ... اور اس انکشاف نے جیسے سب کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہریں ثبت کر دی تھیں سب اپنے اپنے تا... ڈوبے نظر آ رہے تھے۔

"ہوں، تو گویا طوبیٰ اور آصف ایک دوسرے کے دودھ شریک بہن بھائی ہیں؟"

کچھ ہی دیر بعد آغا بختیار کی گمبھیر آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔ ان کا لہجہ ان کی دلی طمانیت کا اظہار کر رہا تھا۔ اب مزید کچھ سننا آصف کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا وہ بلا کسی طرف دیکھے اپنی جگہ سے اٹھے اور اندر چلے گئے اور کسی نے بھی ان کو روکنے کی کوشش نہ کی۔

"اگر یہ سچ بھی ہے تو میں اسے ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔" جانے کیوں آصف کے ساتھ اس ناانصافی پر طوبیٰ کو دکھ سا ہوا تھا۔ وہ چمک کر بولی۔

"بی بی اگر تمہارے خیال میں اس کھچڑی سر اور ڈھلتی ہوئی عمر میں، میں غلط بیانی سے کام لے سکتی ہوں تو تم یہ تو سوچو کہ آصف میرا ہی لخت جگر ہے اور کوئی بھی ماں خواہ اس کا بیٹا کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اس کے لیے برا نہیں سوچ سکتی۔" صوفیہ بیگم نے جس انداز میں یہ بات کی طوبیٰ کا سر ندامت سے جھک گیا۔

"بہر حال اب تو ہر بات صاف ہو چکی ہے اب یہ فیصلہ بھی ہم نے آپ پر چھوڑا کہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے جائیں یا۔" آغا بختیار نے کہا تو میجر قطع کلام کر کے بولے۔

"جناب والا۔ ہمارا فیصلہ تو یہ ہے کہ یہ ابھی ہمارے پاس ہی رہیں گی۔ اگر آپ ان کو لے جانا چاہتے ہیں تو پھر اسی طرح لے جائیے جس طرح دستور کے مطابق لڑکیاں اپنے والدین کے گھر سے دوسرے گھر کو سدھارتی ہیں۔" میجر صاحب نے تو یہ بات ماحول کو شگفتہ کرنے کی غرض سے کہی تھی ... طوبیٰ ایک جھٹکے سے اٹھی اور فوراً ہی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ اور یہ بات میجر صاحب نے ہی نہیں تقریباً سب ہی نے محسوس کی تھی کہ شروع سے آخر تک نہ تو وہ آغا بختیار کی باتوں سے متاثر ہوئی تھی اور نہ اچانک ہی اپنے سگوں کے مل جانے پر اس نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا تھا تمام وقت بیزار لاتعلق سی ہی بیٹھی رہی تھی۔ اس کے ایک دم ہی اٹھ کر چلے جانے پر میجر صاحب نے خفت سے مسکرا کر آغا بختیار کی طرف دیکھا تو انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"یہ ماں کی عادت آئی ہے اس میں وہ بھی بڑی صاف گو اور دماغ دار تھی۔" اصل میں تو آغا بختیار اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ طوبیٰ کا دل ان کی طرف سے صاف نہیں ہے۔ یا وہ ان سے اب بھی خفا تھی۔

"بہر حال میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے میری بچی کو اتنی شفقت اور محبت سے نوازا اور اس کا اتنا خیال رکھا۔" آغا بختیار نے اظہار ممنونیت کے طور پر کہا۔

"دیکھیں جناب! اس معاملے میں، میں آپ سے متفق نہ ہوں گا۔ کیونکہ ہمارا بھی اس پر بڑا حق ہے۔ وہ میرے بھائی کی اولاد ہے اور ان کی بہن کی۔ ویسے بھی اولاد باپ کے نام سے چلتی ہے۔" میجر صاحب مسکرا کر بولے تو آغا بختیار بھی خوش دلی سے ہنستے ہوئے بولے۔

"دریں چہ شک کرنل۔ آپ کا حق تو کچھ اس سے بھی سوا ہے۔ ہم تو رواج کے مطابق یوں سمجھیے کہ اپنے بیٹے کا پیغام دے رہے ہیں آپ کی بیٹی پر۔"

"یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے برادر محترم۔ ویسے ہم آپ کے اس پیغام پر غور کر کے ہی تو آپ کو جواب دیں گے۔" میجر صاحب نے مذاقاً کہا۔ ورنہ دل تو ان کا بھی کٹ رہا تھا اندر ہی اندر۔ سونے کی چڑیا ہاتھ سے جو جا رہی تھی۔ اور پھر بیٹے کے احساسات کا بھی انہیں خیال تھا۔ آغا بختیار کچھ دیر تک تو خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔

"خیر مذاق تو اپنی جگہ کیا ہم دونوں بھائی اگلے ماہ تک اس فریضے سے سبکدوش ہو جائیں تو بہتر نہ ہوگا؟"

"کیوں نہیں ہوگا۔ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔" یہ کہہ کر میجر صاحب نے گویا اگلے ماہ کے لیے اپنی رضامندی دے دی۔

"دیکھیں دیکھیں امی جان! اب پاپا پھر جلد بازی سے کام لے رہے ہیں۔" شفق نے آہستہ سے صوفیہ بیگم سے کہا تو وہ بولیں۔

"لیکن یہ تو آپ کچھ ہتھیلی پر سرسوں جما رہے ہیں اطہر۔ نیک کام میں اگر دیر نہیں تو اتنی جلدی بھی نہیں کرنی چاہیے۔ میرا مطلب ہے۔ شفق خیر سے اپنے گھر جا رہی ہے۔ اتنی جلدی تو نہیں آ سکے گی۔"

میجر صاحب چونکہ زبان دے چکے تھے اس لیے اب ان کی دانست میں، ان کے تصفیہ میں کسی ترمیم کی گنجائش باقی نہ تھی۔ انہوں نے کہا۔

"خیر یہ کوئی ایسی تردد کی بات نہیں۔ شفق تو عشرے تک واپس بھی آ سکتی ہے۔" اور اس کے بعد صوفیہ بیگم کے لیے کچھ بھی کہنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔

"ٹھیک ہے پھر ہم جلد ہی کسی روز آ کر تاریخ مقرر کر لیں گے۔" آغا بختیار نے کہا اور صوفے کے پہلو میں رکھی اپنی طلائی موٹھ کی چھڑی کو ہاتھ میں لے کر اٹھنے کے ارادے سے بولے۔ "اچھا اب اجازت دیجیے آج تو ہم نے آپ کا بہت ہی زیادہ وقت لے لیا۔"

"لیجیے آپ نے تو شرمندہ ہی کرنا شروع کر دیا۔ زحمت آپ کو ہوئی کہ آپ خود چل کر آئے اور اتنی دیر تک بے آرام ہوتے رہے۔" میجر صاحب نے اٹھتے ہوئے گویا اجازت دے دی۔ آغا بختیار بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے اٹھتے ہی صوفیہ بیگم، شفق، شہوار اور شہریار بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ہر شے بہت عمدہ اور لذیذ تھی اور سب سے بڑھ کر آپ کا خلوص۔" آغا بختیار نے میجر صاحب سے بغلگیر ہو کر کہا۔

"شکریہ! خلوص اگر غذائیت سے بھرپور ثابت ہوا ہے تو یہ میری خوش نصیبی ہے۔" میجر صاحب نے ہنس کر کہا۔ تو ایک بے ساختہ قہقہہ آغا بختیار کے ہونٹوں سے ابل پڑا۔ اور ادھر شہوار پہلے صوفیہ بیگم کے گلے سے لگیں اور پھر شفق سے بغلگیر ہو کر بولیں۔

"اب ہم تو ایسے پر تکلف کلمات زبان پر نہیں لائیں گے ویسے بے حد شکریہ۔"

"اور میں شکریہ ادا کرنے کے بجائے آپ کو مبارکباد دینا زیادہ بہتر سمجھوں گی۔" شفق ہنس کر بولیں۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

"اس کا بھی شکریہ۔ مگر جن کو ہم مبارکباد دینا چاہ رہے تھے وہ تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے سخت ناراض ہیں۔ تبھی تو اٹھ کر چلی گئیں۔" شہوار نے کہا۔

"نہیں خیر ناراض تو نہیں ہو سکتیں البتہ بڑی نازک طبع ہیں۔ یقیناً انہیں زبردست شاک پہنچا ان ساری باتوں سے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ خود میری عقل بھی دنگ رہ گئی تھی۔" طوبیٰ سے کبیدہ ہونے کے باوجود بھی شفق اس کی حمایت میں بولیں۔

"بہرحال اگر ناراض بھی ہیں تو ہم جلد ہی ان کو منا لیں گے۔ ان تک ہمارا سلام ضرور پہنچا دیجئے گا۔" شہوار نے کہا اور تبھی شہریار نے آگے بڑھ کر شفق کو خدا حافظ کہا تو شفق بولیں۔

"اتفاقات بھی کبھی کبھی اس طرح حالات کا پانسہ پلٹ دیتے ہیں میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ... ویسے اگر سچ پوچھیں تو پہلی مرتبہ آپ کو دیکھ کر میرے دل میں..."

"دلکشی... آہستہ بولیں کہیں شوکت صاحب آپ کی یہ گفتگو نہ سن لیں۔" شہریار نے شفق کی بات کاٹ کر محتاط سا لہجہ اپنایا تو شفق کٹ کر رہ گئیں اور شہوار ہنستے ہنستے دوہری ہو گئیں۔ صوفیہ بیگم بھی اس مذاق سے بڑی محظوظ ہوئیں۔ پھر بڑی خوشدلی کے ساتھ تینوں مہمان اپنے میزبانوں سے رخصت ہو گئے۔

"چلو شکر ہے آج یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔" ان کے جانے کے بعد میجر صاحب نے شفق کے ساتھ کمرے کا رخ کرتے ہوئے کہا تو شفق نے گردن موڑ کر ان کی طرف چند لمحوں کو دیکھا اور پھر بولیں۔

"پاپا کیا آپ کو واقعی مسرت پہنچی ہے؟"

"مسرت؟ نہیں بیٹی میں نے تو ایک فرض پورا کیا ہے۔"

"تو اس معاملے کو بھی آپ نے اپنا فرض بنا لیا پاپا۔" شفق نے شاکی سے لہجے میں کہا۔

"ہاں بیٹی حالات ہی کچھ ایسا رخ اختیار کر گئے تھے میرا مطلب ہے اگر تمہاری امی طوبیٰ کو... بلانے کی حماقت نہ کرتیں تو میں کچھ کہنے کا منہ بھی رکھتا۔" میجر صاحب شفق کی بات کو سمجھ کر بولے۔

"لیکن پاپا کون جانے کہ ایسا ہوا بھی تھا۔" شفق نے دبی زبان سے کہا۔ آصف کے لیے ان کا دل کٹا جا رہا تھا۔

"تو کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہاری ماں جھوٹی ہیں؟" میجر صاحب نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"نہیں یہ تو کہہ ہی نہیں سکتی۔ البتہ چونکہ امی جان طوبیٰ کی والدہ کی وصیت سے آگاہ تھیں۔ آپ بھی پاپا [illegible] ہوں گے۔ کہ امی جان شروع ہی سے طوبیٰ کو آصف سے منسوب کرنے کے خلاف تھیں۔" دونوں باپ بیٹی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے برآمدے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

"ہاں لیکن کوئی بھی ماں اپنی اولاد کی راہ میں کانٹے نہیں بو سکتی۔ اور تم اس حقیقت سے بالکل واقف نہیں ہو بیٹی جس سے تمہاری امی نے مجھے آگاہ کیا ہے۔ رہ گئی آصف کی بات، تو تم فکر نہ کرو میں خود اسے سمجھا دوں گا۔"

"سمجھانا تو آپ کو طوبیٰ کو بھی پڑے گا۔ کیا آپ نے اس کے تیور نہیں دیکھے؟" شفق تھوڑا سا اس [illegible] بولیں۔

"تو [illegible] کوئی تشویش کی بات نہیں۔ وقتی تاثر ہے۔ اور پھر اس بے چاری نے سہا بھی تو بہت ہے

READING Section

نہ معلوم کن حالات میں وہ ذوالفقار کا گھر چھوڑنے پر مجبور ہوئی تھی تم نے دیکھا نہیں جاگیردار کس طرح اس سے معذرت طلب کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں اچھے سے اچھے مضبوط قوت ارادی کے انسان پر کوئی حقیقت اس قدر غیر امکانی اور اچانک طور پر منکشف ہو تو وہ بھی عدم اعتمادی کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اسے تو خود اپنی ذات پر بھی اعتبار نہ ہوگا۔"

میجر صاحب نے کہا۔ اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ مگر ان کا یہ جواب شفق کو مطمئن نہ کر سکا۔ ہونہہ۔ مروت، رواداری، بزرگوں کا ادب اور اپنوں کا لحاظ، کچھ تو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ مگر طوبیٰ نے تو سب کچھ بالائے طاق رکھ دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے آصف سے... کہہ بھی رہی تھی کہ اگر یہ سچ بھی ہے تو میں اسے ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ اور پھر اٹھ کر بھی چلی گئی تھی۔ کیونکہ آصف جو چلے گئے تھے۔ شفق اپنے کمرے کا رخ کرتے ہوئے سوچنے لگیں۔ لیکن نہیں۔ بظاہر تو دور دور تک ایسے آثار نظر نہیں آتے معاً انہیں وہ ٹیلی فون والی گفتگو یاد آ گئی جانے کون تھا وہ، اور کیسی باتیں ہو رہی تھیں۔ شہریار تو ہرگز نہیں تھے۔ اف توبہ عجیب معمہ لڑکی ہے۔ کسی طرف سے بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی سوچتی ہوئی شفق اپنے کمرے میں پہنچیں تو طوبیٰ کو چادر میں منہ ڈھانپے سوتا ہوا پایا۔ یہ بھی بے عقل [illegible] سو رہا تھا اس لیے شفق ماں سے بات کرنے ان کے کمرے میں چل دیں۔

شفق طوبیٰ کو سوتا سمجھ کر کمرے سے چلی گئی تھیں مگر طوبیٰ سو نہیں رہی تھی بلکہ رو رہی تھی۔

اپنی قسمت کو، جو بہت [illegible] اف توبہ اتنی ذلت و خواری کے ساتھ اس کے ماتھے پر [illegible] لگائی ہوئی۔ اف اس سے تو اچھا تھا وہ کسی مفلس اور [illegible] ماں باپ کی [illegible] میری [illegible] اور اصلیت کو تو چھپا لیتے۔ یا [illegible] مجھے یوں سب کی نظروں میں ذلیل و خوار کرتے۔ جیسا کہ سب کے سامنے جاگیردار نے کیا۔ اس پر کہتے ہیں کہ میں تمہارا ماموں۔ [illegible] کا بھائی ہوں۔ ہونہہ۔ ماموں اور بھائی۔ کیا ماموں اور بھائی ایسے ہی بے حمیت ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بے [illegible] اور بے حس ہوتے ہیں۔ کہ اپنے ہی گھر کی ایک شرمناک اور راز کی بات کو اپنی ہی بہن کے ایک غلط اقدام کو۔ اس کے گناہ اور فرار کی داستان کو یوں سب کے سامنے عیاں کریں۔ اف اس ظالم شخص نے کوئی بات بھی تو نہیں چھپائی۔

یہاں تک کہہ دیا کہ اس نے اپنی بہن کو مار دیا تھا اور وہ ایک شخص کے ساتھ جو اس کا ملازم تھا فرار ہو گئی تھی۔

اف۔ اس نے اپنی تھوڑی بہت شرم رکھنے کو جھوٹ کا سہارا ہی لے لیا ہوتا۔ یہی کہہ دیا ہوتا کہ میں نے اپنے اس ملازم پر اپنی بہن کو مائل دیکھ کر اپنی عزت کو بچانے کے لیے اس سے اپنی بہن کی شادی تو کر دی تھی مگر شادی کے بعد میں نے اس سے ہر تعلق قطع کر لیا تھا۔ لیکن جب میں دہلی کو خیرباد کہہ کر پشاور آ گیا اور ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی خبر سنی تو میری برادرانہ محبت پھر جوش مارنے لگی۔

یا پھر ایسی ہی کوئی بات۔ مگر۔ مگر اس سرمایہ دار شخص نے جو میرا ماموں ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جو اپنی روایات اور اصولوں پر مر مٹنے والا ہے۔ جس کے خاندان اور زندگی کی اساس غیرت پر رکھی گئی ہے۔

جس کی غیرت کو روایات کا نام دیا جاتا ہے افسوس کہ خود اس نے اپنے ہاتھوں سے غیرت کا لبادہ

UrduPhoto.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اتار کر پھینک دیا ہے لیکن میری غیرت ابھی مری نہیں ہے میں اب ان لوگوں کا سامنا سرخروئی سے کرسکوں گی میں یہ سننا ہرگز برداشت نہ کرسکوں گی کہ میری ماں نے کسی غیر خاندان شخص سے وہ بھی اپنے بھائی کے ایک ملازم سے آشنائی کی اور اس کے ساتھ فرار ہوگئی۔

اُف... کاش کہ وہ میری ماں نہ ہوتی یا میں اس کی بیٹی نہ ہوتی۔ اور کیا واقعی وہ میری ماں تھی؟ کیا مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ اس بات پر کون یقین کرے گا کہ اس نے جائز طریقے سے ہی میرے باپ کی رفاقت میں چند دن گزارے تھے۔ کون اس بات کو ماننے پر تیار ہوگا کہ میں ان دونوں کی جائز اولاد ہوں وہ لاوارث اور مشتبہ لڑکی جو ریل کے اس حادثے میں ان لوگوں کے ہاتھ لگی تھی۔

اور جس کا نام بھی ان لوگوں نے تبدیل کر دیا تھا نہ صرف یہ بلکہ ایک روز اس پر ایک گھناؤنا سا الزام لگا کر اسے اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ اور جو ٹھوکریں کھاتی ایک اوباش اور بدطینت انسان کے ہتھے چڑھ گئی تھی جس نے اسے کئی ماہ تک اپنی قید میں رکھا تھا اور پھر وہاں سے نکلی تو ایک بڑے گھرانے میں پہنچی جہاں سے اسے ذلیل و خوار ہو کر نکلنا پڑا۔ اف اس کا ماضی تو صاف اور کھرا نہیں ہے۔ اور یہ سب کس وجہ سے ہوا۔ کس وجہ سے بھلا۔ آہ۔ کیا غلط اور سنگین قدم اٹھانے والے یہ نہیں سوچتے کہ ان کے بعد ان کی اولاد کا کیا حشر ہوگا۔ وہ کس کے ہاتھوں پروان چڑھے گی۔ کیونکر زندگی گزارے گی اور کس سے تو دو معاشرے میں سامنا کرے گی۔ ذلت اور رسوائیوں کے سوا اسے پھر بھی کچھ نہیں ملے گی۔ کچھ بھی نہیں۔

اف خدایا میری ماں نے ایسا غلط قدم کیوں اٹھایا تھا۔ یہ ذلت اور خواری کیوں مول لی تھی۔ جہاں کے مرنے کے مدتوں بعد میرے پورے وجود کو آلودہ [illegible] مجھے بھی طعنہ دیں گے کہ ہے نا اپنی بھگوڑی اور بدکردار ماں کی اولاد۔ جس نے برسوں سے بنی اپنے خاندان کی عزت خاک میں ملا دی تھی اور اپنے شریف اور غیور بھائی کے منہ پر رسوائی اور ذلت کی کالک تھوپ دی تھی۔ اف۔ اس نے تو مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہ چھوڑا۔ اوہ۔ اور میں ذوالفقار کاسل تو مر کر بھی نہیں جاؤں گی۔ اس گھرانے میں جہاں میں نے اجنبیوں اور مشتبہ لوگوں کی طرح کچھ دن گزارے تھے۔ اور جہاں سے مجھے ذلیل و خوار ہو کر نکلنا پڑا تھا۔

اور میرا کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کسی رشتے کو نہیں مانتی۔ نہ ان لوگوں کے نہ ان لوگوں کے۔ میں یہاں رہوں گی بدو بال۔

ہاں یہ لوگ بھی، دیکھیں گے کہ اگر میری ماں بے غیرت تھی تو اس کی بیٹی اس قدر حساس اور غیور ہے۔ اللہ اُدھر بھٹکتی رہی لیکن پیسے وقتی ملے۔ آصف نے میرے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ اور شہریار جیسی دلدار اور محبوب ہستی کا قرب تک حاصل ہوا مگر میں نے دامنِ پندار ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ میری غیرت نے مجھے اپنی حد سے بڑھنے کی اجازت نہیں دی اور اب تو حالات ہی دوسرے ہیں۔ میرا یہاں رہنا ممکن ہی نہیں تو پھر میں کہاں رہوں؟ کہاں جاؤں؟

غم و غصے سے چٹختی ہوئی خودداراور غیور طوبیٰ نے اپنے تیز سوال کا جواب خود سے ہی طلب کیا۔ اور معاً اسے وہ گفتگو یاد آگئی۔

''دیارِ دل میں بڑا احترام ہے تیرا''

''اوہ نوازش۔ لیکن پہلا مصرعہ کیوں حذف کرلیا؟''

''وہ کسی اور موقع کے لیے محفوظ کرلیا ہے۔ اس خیال سے کہ کہیں کوئی ایسا موقع نہ پڑ جائے کہ قسم کھا کر پچھتانا پڑے۔''

''اچھا تو ایسا بھی کوئی امکان ہوسکتا ہے؟''

''میرے خیال میں تو سوائے زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے اس کو پیدا کرنے کے انسان کے لیے کوئی بات بھی غیر ممکن نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ مشکل اور محال ضرور ہوسکتی ہے۔'' یہ ساری گفتگو کسی بازگشت کی طرح اس کے کانوں میں گونجنے لگی تو کچھ دیر تک اس میں کھوئے رہنے کے بعد طوبیٰ ایک دم ہی چونک اٹھی۔ ''اف نہیں نہیں یہ بھی کسی طرح ممکن نہیں۔ تو؟''

''تو پھر کیا ممکن ہے؟ اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کون سی پناہ ڈھونڈنی چاہیے؟ کس کا آسرا لینا چاہیے؟ جبکہ چاروں طرف انسانوں کے بھیس میں بھیڑیے ہی چھپے ہوئے ہیں۔ تو پھر کیا اب کی بار مجھے موت کو گلے سے لگانے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

ہاں اب تو اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ ایک آخری کوشش ضرور کرلینی چاہیے۔ بہت ممکن ہے کہ موت مجھے اس مرتبہ... یہی سوچتی ہوئی طوبیٰ موت کی تو نہیں البتہ نیند کی آغوش میں دور تک اترتی چلی گئی۔

مگر مرنا بھی کیا اتنا آسان ہے۔ موت و زیست تو اس حی القیوم کے اختیار میں ہے۔ وہ مقررہ وقت پر انسان کو پیدا کرتا ہے اور معینہ وقت پر اسے اٹھا لیتا ہے۔ پھر یہ خودکشی وغیرہ قانون قدرت کی خلاف ورزی اور اس کے فطرت میں خلل ڈالنے کا ایک ناکام ترین طریقہ ہوتا ہے یعنی خدائے عزوجل کے نافذ کردہ قوانین اور احکامات سے کھلی بغاوت اور باغیوں اور سرکشوں کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوتا ہے۔ یہ زندگی تو خدا کی امانت ہوتی ہے۔ خدائے لم یزل کی طرف سے انعام ہوتی ہے۔ جسم کا ایک ایک اعضا اور عضو باری تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں شامل ہوتا ہے۔ پھر کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی دی ہوئی امانت کو ہلاکت میں ڈالے اور طوبیٰ کو تو خود دو مرتبہ... ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ گویا موت بھی اس سے کترا کر نکل گئی تھی اور اس مرتبہ... بہت سوچ بچار کے باوجود وہ اب تک فیصلہ نہ کرسکی تھی کہ زندہ رہے یا کسی طریقے سے خودکشی کرکے دنیا کے ان جھگڑوں، جھمیلوں سے ہمیشہ کے لیے نجات پالے۔

پچھلے روز دیر تک جاگنے کی وجہ سے طوبیٰ کی آنکھ دن چڑھے کھلی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی کمرے میں خاموشی چھائی تھی یعنی شفق کا سارا سامان غائب تھا حتیٰ کہ بچے بھی جو سونے کا وقت ہونے کی وجہ سے اس وقت کاٹ میں نظر آتا تھا۔ ہائے تو کیا بھیا چلی گئیں؟ مگر مجھ سے مل کر بھی نہیں گئیں۔ مجھ سے کبیدہ اور ناراض بھی تو ہیں۔ مگر کیوں؟ آخر کس لیے؟

تمہارے اجنبیت بھرے رویے کی وجہ سے ہی طوبیٰ۔

کوئی یوں بے دریغ اپنی بے لوث محبت کے خزانے لٹائے تو کیا اس سے اسی قدر بیگانگی سے پیش آیا جاتا ہے جس طرح تم بھیا سے آتی رہی ہو۔ جنہوں نے بیگانگی اور اجنبیت کے باوجود تمہیں ایک سگی بہن کی طرح عزیز رکھا ہے۔ ہمیشہ تمہاری طرفداری ہی کی ہے تمہاری ایک ایک بات کا خیال رکھا ہے۔ تمہاری اشک شوئی اور غمگساری کی ہے، ہمیشہ خلوص جیسی بے بہا دولت تم پر نچھاور کی ہے۔

ان نازک ترین لمحوں میں جب تم یک و تنہا اور... بے یار و مددگار تھیں۔ دنیا تم کو لاوارث اور مشتبہ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

سمجھ رہی تھی بجیا ہی تو ایک ایسی ہستی تھیں جنھوں نے تمہیں سہارا دیا تھا۔ تمہاری عزت بنائی تھی۔ اور وہ غیر تو نہیں۔ ان سے تمہارا ایک خونی رشتہ بھی ہوتا ہے۔ اور اگر نہیں بھی ہوتا تو دنیا میں انسان جب تک کسی پر اعتماد کر کے اسے اپنا راز دار دوست نہیں بناتا بالکل ایسا ہی ناکام اور ناتمام رہتا ہے جیسی میں ہوں۔ اور اتنے سارے اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی میں آج ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہوں جس کے آگے اونچی اونچی رکاوٹیں کھڑی ہیں جن سے گزر کر آگے بڑھنا میرے لیے مشکل ہی نظر آ رہا ہے۔

کاش میں بجیا کو ہی سب کچھ بتا دیتی تو آج اتنی ذلت اٹھانے کی نوبت نہ آتی۔ طوبی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ جلد منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گئی۔ باہر بھی تنا تنا پڑا تھا۔ جو کہ عموماً پڑا ہی رہتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی صوفیہ بیگم کے کمرے کے قریب آ گئی اور اندر داخل ہونا ہی چاہتی تھی کہ آصف کی آواز نے اس کے قدم دروازے کے باہر ہی روک دیے۔

''سنے میں تو یہی آ رہا ہے کہ مائیں اپنی اولاد کی خوشی اور بہبود کے لیے اپنی ہزاروں خواہشیں اور ارمان حتی کہ اپنی جانیں تک قربان کر دیتی ہیں مگر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ مائیں اپنی اولاد کی راہوں میں کانٹے بھی بو سکتی ہیں۔ اور اس کی تیغ کنی کرنے میں دریغ نہیں کرتیں۔''

آصف کا لب و لہجہ گستاخی کی حد تک تیز تھا۔

''اے لو یہ کیا رہی ہو شفو۔ وہی مثل ہے کہ بہار میں پیس نہ چلا تو گدھیا کے کان اینٹھے۔ باپ سے [illegible] لینے کے بجائے پیڑ کا سارا الزام میرے سر [illegible] [illegible] صوفیہ بیگم [illegible]

''آپ ان سے کیا کہہ رہی ہیں۔ مجھ سے بات کیجیے امی جان۔ کیا آپ اس حقیقت سے انکار کر سکتی ہیں کہ آپ شروع ہی سے اس رشتے کی مخالفت کرتی رہی تھیں؟'' آصف اسی گستاخانہ انداز میں بولے۔

''ہاں اگر کرتی بھی رہی تھی تو اسی وجہ سے کرتی رہی تھی جواب تم کو بھی معلوم ہو گئی ہے اور یہ میری کمی تھی کہ میں نے اس بات کو تم لوگوں سے چھپائے رکھا۔'' صوفیہ بیگم نادم سی ہو کر بولیں۔

''لیکن اگر آپ نے چھپائے بھی رکھا تو سارا قصور تو خود ہمارا ہی تھا کہ ہم نے آپ کو حقیقت سے لاعلم رکھا تھا۔''

شفق نے ماں کو خفیف ہوتے دیکھ کر ان کی حمایت میں کہا اور پھر آصف کو قائل کرنے کی غرض سے بولیں۔

''تم بھی کمال ہی کرتے ہو آصف! امی جان کو اس وقت معلوم ہی کب تھا کہ افشاں کون ہے۔ وہ تو اسے ایک لاوارث لڑکی ہی سمجھتی تھیں۔''

''وہ افشاں یا طوبی کی حقیقت معلوم ہونے کا نہیں بلکہ یہ جو امی جان نے دودھ میں طوبی کو میرا شراکت دار ٹھہرا دیا ہے۔ اسے میں کسی طور پر مان ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جب یہ اسی قدر نازک مسئلہ تھا تو امی جان کو یہ بات اسی وقت واضح کر دینی چاہیے تھی۔ جب طوبی کے یہاں آنے سے پہلے بابا نے یہ بات اٹھائی تھی۔'' آصف اسی ہٹ دھرمی سے انداز میں بولے۔ مگر صوفیہ بیگم نے ان کی بات کا کوئی جواب

نہ دیا۔ خاموشی سے بیٹھی کچھ سوچتی رہیں۔

''کچھ واقعات ہی ایسے تھے کہ امی جان نے اس وقت بتانا مناسب نہیں سمجھا۔'' شفق نے ماں کو خاموش دیکھ کر کہا۔

''میں اب اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گی کیونکہ جو حقیقت تھی تمہارے گوش گزار کر دی ہے۔ میں تو ایسی اولاد سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں جو بڑی ہو کر ماں باپ کے منہ لگے اور سر چڑھے بلکہ والدین کا احترام ہی کھو دے۔'' صوفیہ بیگم برہم سے انداز میں بولیں۔

''اف توبہ آصف! کان پکڑ کر معافی مانگو امی جان سے۔ یہ تمہاری وجہ سے خدا کی پناہ مانگ رہی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم کچھ زیادہ ہی سرکش اور منہ زور ہو گئے ہو۔ یہ تمہارے لیے بڑی شرم کی بات ہے کہ اب تم اس کے لیے اپنے دل میں کوئی برا خیال لاؤ کیونکہ وہ میری طرح تمہاری بہن ہی ہے۔'' غصے سے زیادہ شفق کو موقع ملا تھا آصف کو لتاڑنے کا۔ انہوں نے بڑے تہدیدی انداز میں آصف کو لتاڑا اور بہن کے لتاڑنے پر آصف نے تیوریاں چڑھا کر ان کی طرف دیکھا اور بولے۔

''یہ سب تو اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے نا جب میں اس حقیقت کو تسلیم کر لوں جبکہ میں تو مر کر بھی یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ طوبی میری بہن ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ جاگیردار کی ثروت نے آپ لوگوں کی آنکھیں خیرہ کر دی ہیں۔'' اتنا کہہ کر آصف تیزی سے باہر نکل گئے اور باہر دروازے سے لگی طوبی جسے ان کے یوں ایک دم ہی باہر نکل آنے کی بالکل توقع نہ تھی خود کو ان کی نظروں سے چھپا بھی نہ سکی۔

''ہوں تو چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سننے کا بھی وصف رکھتی ہیں آپ؟'' انہوں نے اس کے پیچھے رک کر بڑی حقارت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

ان کے لہجے میں بڑی کاٹ تھی۔ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اس لیے طوبی سے فی الفور کوئی جواب نہ بن سکا۔

''بڑی نازاں ہیں آپ اپنی اتنی بڑی آسامی ہاتھ لگی ہے مگر میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں اور یہ بات میں آپ پر جلد ہی ثابت کر دوں گا۔''

انہوں نے اپنے ترکش کے تقریباً سارے ہی تیر اس پر چلا دیے۔ اور پھر غصے میں دھب دھب کرتے اپنے کمرے میں چلے آئے اور طوبی کو ان کی رکیک سی باتوں پر غصہ نہیں بلکہ ترس آیا۔ ویسے بھی گزشتہ روز سے وہ اپنے دل میں برابر ان کے لیے ہمدردی سی محسوس کر رہی تھی۔ آصف اپنے کمرے میں پہنچے تو طوبی بھی ان کے پیچھے کمرے میں آ گئی۔

''آصف بھائی!'' اس نے بھاری سی مگر کانپتی آواز میں انہیں پکارا تو آصف جو کمرے میں آتے ہی چیسٹ پر جھک کر کوئی چیز اٹھا رہے تھے تھوڑی دیر کو تو یونہی کے یونہی ساکت سے رہ گئے پھر سیدھے ہو کر اس کی طرف مڑے اور اس پر ایک نظر ڈال کر بولے۔

''جہاں تک میرا خیال ہے میں نے آپ سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے آپ کو اس قدر تکلیف پہنچی ہے کہ آپ کو آج میرے کمرے میں آنا پڑا۔''

''تکلیف ہی نہیں اذیت پہنچی ہے زبردست اذیت۔ آخر آپ نے کیا سمجھ کر یہ کہہ دیا کہ میں اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
READING Section
UrduPhoto.com

رشتے اور ملاپ پر بہت نازاں ہوں۔ یا پھر اچانک ہی اتنی موٹی آسامی میرے ہاتھ لگی ہے تو میرا دماغ عرش معلیٰ پر پہنچا ہوا ہے؟''

طوبیٰ نے جس طرح تن کر اپنی بات کہی آصف دل میں حیران ہوئے بغیر نہ رہے اور یہی سمجھے کہ چونکہ وہ جاگیردار کی بھانجی ہے اور ان کی بہو بننے والی ہے اس لیے اسی زعم میں بات کر رہی ہے۔ انہوں نے کچھ زیادہ ہی تلخ لہجے میں کہا۔

''ظاہر ہے میں ہی کیا یہ تو ایک بے وقوف سے بے وقوف انسان بھی آسانی سے محسوس کر سکتا ہے۔''

اور طوبیٰ بڑے ضبط سے کام لے کر بولی۔

''خیر کسی بے وقوف کا تو مجھے معلوم نہیں لیکن اگر آپ میرے بارے میں اتنے ہی غلط خیالات رکھتے ہیں تو پھر میں اسے آپ کی کم فہمی ہی سمجھوں گی کیونکہ اس رشتے تو کیا میں تو اس ملاپ سے بھی ذرا خوش نہیں ہوں۔''

''لیکن اب یہ سب کہنے سے کیا حاصل، جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا۔'' آصف اسی طنز بھرے انداز میں بولے۔

''نہیں یہ جو کچھ بھی ہوا محض بزرگوں کی مرضی سے ہوا۔ ورنہ میری مرضی کو اس میں بالکل دخل نہیں۔''

''یہ بھی بڑی پرانی بات ہے محترمہ آپ کی مرضی تو اس وقت بھی نہیں تھی جب مجھ کو زبردستی آپ کے سر تھوپا جا رہا تھا۔ آپ نے تو اس وقت بھی بزرگوں کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔'' یہ کہہ کر گویا آصف نے اسے شرمندہ کرنا چاہا اور طوبیٰ ان کی بات پر بڑی دلکشی سے مسکرا کر بولی۔

''ہاں اس وقت بھی یہی ہوا تھا مگر اس وقت حالات مختلف تھے مجھے آپ کی حقیقت کا کچھ علم ہی نہ تھا۔ اور پھر حقیقت تو یہ ہے کہ اس میں خدا کی کوئی مصلحت تھی ورنہ۔'' بات ادھوری چھوڑ کر طوبیٰ نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

''یعنی آپ یہ جتانا چاہ رہی ہیں کہ حالات نے ایک نیا رشتہ نکال کر میرے اور آپ کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل کر دی ہے جسے پاٹا ہی نہیں جا سکتا۔'' اس کی بات پر آصف بھی جل بھن کر بولے۔

''نہیں، رشتہ تو ایسا قائم کیا ہے کہ ایک تو ہر رشتے سے افضل دوسرے ایسا اٹوٹ رشتہ ہے کہ کوئی توڑ ہی نہیں سکتا۔ یقین جانیں آصف بھائی ہمیشہ سے یہی تمنا تھی کہ میرا بھی ایک بھائی ہوتا اور خدا نے مدت بعد سہی ایک بھائی سے نوازا ہے تو بھائی بہن کو ماننے پر تیار نہیں۔'' طوبیٰ بڑی اپنائیت جتاتی ہوئی بولی۔

''ہرگز نہیں۔ میری صرف ایک ہی بہن ہے اور میں اسی پر شاکر ہوں مجھے مانگے کی یا زبردستی کی بہن نہیں چاہیے۔ اور میں بچہ ہوں کہ کھلونے دے کر بہلا دیا جاؤں اور ان طفل تسلیوں میں تو میں ہرگز نہیں آؤں گا کہ آپ میری ہمشیر ہیں۔ کیونکہ یہ ایسی کوئی ناک کٹنے کی یا راز کی بات نہیں تھی۔ جسے امی جان نے اس قدر پوشیدہ رکھا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ سب بہانے ہیں مجھے بے وقوف بنانے کے۔''

''ٹھیک ہے اگر یہ بہانے بھی ہیں تو میں نے تو نہیں گھڑے۔'' طوبیٰ زچ سی ہو کر بولی۔

''اگر آپ نے نہیں بھی گھڑے تو یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اور ہو رہا ہے آپ کی وجہ سے ہی ہو رہا ہے۔ آپ ہی کے اس بے مثال اور لازوال حسن کے کرشمے ہیں سارے۔ اس کی وجہ سے ہمارے والد ماجد

READING Section

بھی آپ جیسی سونے کی چڑیا کے سحر میں پھنس گئے تھے اور شہریار تو بے چارے چاروں خانے ہی چت ہو گئے ہوں گے اور یہ بھی کسے معلوم کہ دو تین مہینے کی مہمانی کے دوران آپ نے وہاں کیا کیا گل کھلائے ہوں۔''

اف تو یہ حد ہو گئی تھی سفلہ پن کی۔ وہ تو ان کی دلداری کرنے اور ان کے دل سے غلط خیالات نکالنے کی غرض سے ان کو اتنی دیر سے طرح دیے جا رہی تھی اب جو انہوں نے اس حد تک اپنی کم ظرفی کا اظہار کیا تو وہ سلگ ہی اٹھی۔

''اف مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے متعلق آپ اس قدر گرے ہوئے اور سفلہ خیالات رکھتے ہیں۔ میں تو اتنے روز آپ کی منگیتر بھی رہ چکی ہوں میں نے تو آپ کے سامنے بھی کبھی کسی پست اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا۔''

''مجھ سے تو آپ ہمیشہ کتراتی اور نفرت ہی کرتی رہیں مگر شہریار کی تو بات ہی دوسری ہے وہ آپ کے کزن بھی ہیں اور محبوب بھی کہ جس کی تو فرما رہے تھے کہ یہ حقیقت تو اب منکشف ہوئی ہے مگر ہم نے تو انہیں ہمیشہ سے ہی عزیز رکھا ہے۔''

آصف نے شہریار کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ اف تو کیا شہریار ایسی اوچھی بات بھی کہہ سکتے ہیں!؟ وہ شہریار سے کچھ زیادہ کبیدگی محسوس کرتے ہوئے بولی۔

''بہرحال میں تو خود اس رشتے سے سخت عاجز ہوں جس میں یہ بزرگ خواہ مخواہ ہی مجھے باندھنا چاہتے ہیں مگر یہ سب تو بس آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اور میں ابھی وہاں فون کر کے انکار کیے دیتی ہوں۔''

''انکار کریں یا اقرار یہ آپ کے بقول آپ کا نجی معاملہ ہے مجھے اس سے کیا غرض۔''

آصف نے ہونٹ نکال کے اور کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا تو شفیق جوماں کے کمرے کے باہر آصف کو تیز لہجے میں کسی سے گفتگو کرتے، جلدی سے اٹھ کر یہ دیکھنے آئی تھیں کہ آصف کس سے مخاطب ہیں۔ انہوں نے باہر آ کر طوبیٰ کو تیزی سے آصف کے پیچھے جاتے دیکھا تو خود بھی اس کے پیچھے آ گئی تھیں اور دروازے کی اوٹ میں ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔ معاملہ اس حد تک بگڑ گیا دیکھ کر خود پر قابو نہ پا سکیں اور جلدی سے کمرے میں آ گئیں۔ فون اتفاق سے اس وقت آصف کے کمرے میں ہی رکھا ہوا تھا اور اسی اثنا میں غصے میں بھری طوبیٰ فون کی طرف بڑھ چکی تھی۔ انہوں نے اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کے لیے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

''ارے ارے۔ کہیں ایسا غضب نہ کر بیٹھنا۔ آصف کی باتوں میں نہ آؤ۔ ان کی آنکھوں پر تو اس وقت خود غرضی کی تہہ چڑھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے انہیں رشتوں کے تقدس کا پاس بھی نہیں رہا۔'' مگر طوبیٰ پر تو اس وقت سخت غصہ سوار تھا۔ اس نے ان کی بات کا کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ اور ان کا ہاتھ جھٹک کر فون کی طرف بڑھی اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ کچھ ہی دیر بعد گل داد خان کی آواز آئی۔

''ہلو ہلو۔ کون بولتا ہے؟''

''میں طوبیٰ ہوں بابا خان۔ وہی لڑکی جسے آپ کے آقاؤں نے اپنے گھر سے بے عزت کر کے نکالا تھا۔ پہچان گئے نا آپ مجھے؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"بی بی جان آپ یہ کیا بول رہی ہیں؟" گل داد خان کے لہجے میں حد درجہ تحیر شامل تھا۔

"بولنا کیا ہے بابا خان! جب کوئی گنجائش ہی نہیں۔ بس آپ تو اپنے مالک تک میرا پیغام پہنچا دو کہ میرا ان سے پہلے کوئی رشتہ تھا نہ اب ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور جو رشتہ وہ زبردستی مجھ پر ٹھونسنا چاہ رہے ہیں وہ مجھے مر کر بھی منظور نہیں۔ سمجھ گئے نا آپ میری بات؟"

"ہیں ہیں خدا خیر..... اتنا ناراضگی کیوں دکھاتی ہے بی بی جان، آخر اس کا وجہ کیا ہے؟" گل داد خان ایک دم ہی پریشان ہو گیا۔

"وجہ یہی ہے کہ جس گھر سے مجھے بے عزت اور ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا تھا کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ایسی ہی بے غیرت اور ذلیل ہوں کہ اس میں دوبارہ قدم رکھوں گی؟ میں تو مر کر بھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ جاگیر دار صاحب کی عفت اور عزت مآب صاحبزادی کے سامنے ساری عمر آنکھ نیچی کر کے رہوں۔" اس نے ایک دم ہی سب کچھ اگل دیا اور اس کی یہ بات سن کر گل داد خان سناٹے میں آ گیا۔

"اور ہاں سنو بابا خان ان کو یہ بھی بتا دینا کہ اس سلسلے میں مجھ سے یا میرے چچا چچی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ اس صورت میں بھی انہیں تھپڑ کا ہی کھا کر منہ دیکھنا پڑے گا۔ کیونکہ آپ نے تو گل جانہ کی بیٹی کا ہے۔ جس نے ان کی سنہری روایات سے ٹکر لے کر خود کو ہلاک کر ڈال دیا تھا، سمجھے؟" اور اتنا کہہ کر گل داد خان کو وہیں کا وہیں چھوڑ کر طوبیٰ نے ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور شفق جو پریشان سی کھڑی اس کی گفتگو سن رہی تھیں بہت مضطربانہ اپنی ہتھیلیوں کو مسلتی ہوئی بولیں۔

"یہ تم نے کیا بے وقوفی کی طوبیٰ! خوامخواہ ہی آصف کی وجہ سے ان لوگوں کو بھی پریشان کر ڈالا۔ بلکہ تمہارے اس فیصلے سے آصف کو کوئی فائدہ تو پہنچنے سے رہا۔"

"لیکن میں نے ان کے فائدے کے لیے تو یہ سب نہیں کیا بلکہ میں تو شروع ہی سے اس رشتے کے خلاف تھی مگر صاف صاف کہنے کا حوصلہ نہ پڑ رہا تھا۔ بہتر ہوا آج ضرور ہوا کہ آپ کے بھائی نے مجھے صاف بات کہنے کا حوصلہ دلا دیا۔" طوبیٰ فون کے پاس سے اٹھتی ہوئی بولی۔

آصف اس دوران غصے میں بھرے کھڑکی کے آگے جا کھڑے ہوئے تھے۔ شفق کو ان پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کیونکہ وہ ان کی ساری گفتگو سن چکی تھیں ان کے قریب جا کر بولیں۔

"لو اب تو خوش ہو جاؤ آصف کہ تمہارا پھینکا ہوا پانسہ ٹھیک نشانے پر پڑا ہے مگر اس سے تمہیں حاصل..... تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہ بے چاری تو شروع ہی سے حالات کا شکار رہی ہے۔ تم یہی چاہتے ہو کہ اسے ساری عمر چین نہ ملے۔ اور اگر تم نے اس سے غلط توقعات وابستہ کر رکھی ہیں تو پھر میں یہ کہوں گی کہ تم سا بے غیرت دنیا میں شاید ہی کوئی ہوگا۔" اور بہن کی سخت سست پر آصف تیزی سے ان کی طرف پلٹ کر بولے۔

"کہتے تو یہی ہیں کہ اگر چھوٹے بڑوں کا احترام کریں تو بڑوں کو بھی یہ لازم ہے کہ چھوٹوں کا لحاظ رکھیں مگر آپ اس وقت اپنی بڑائی کا بڑا ان ڈو ایڈوانٹیج اٹھا رہی ہیں شرم تو آپ کو آنی چاہیے کہ ایک شفیق آدمی کی بیوی ہو کر ایک دوسرے مرد کی پسندیدگی میں خود اپنے ہی سگے بھائی کی آرزوؤں اور خواہشوں کو قربان کرنا چاہ رہی ہیں۔" آصف نے اتنا کہا اور ایک جھپاکے سے باہر نکل گئے۔

اُف یہ آصف اس قدر بے ادب اور گستاخ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی اتنی بڑی بات کہہ گئے ہیں۔ اتنی رکیک اور غلط بات۔ کچھ دیر کے لیے تو شفق سن سی کھڑی رہ گئیں پھر ایک دم ہی دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔ طوبیٰ بھی آصف کی باتوں پر تاؤ پیچ کھا رہی تھی۔ انہیں روتا دیکھ کر بڑی الدہی سے بولی۔

"آپ خوامخواہ ہی میری وجہ سے بُری بنیں بجیا۔ خیر آپ اپنا دل بُرا نہ کیجئے یہ سب کچھ تو میری وجہ سے ہی ہو رہا ہے۔ سچ بجیا میں اتنی شرمندہ ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی۔ پلیز بجیا آپ روئیں نہیں۔" خود طوبیٰ کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں گو موقع تو اس کے رونے کا تھا اتنا بڑا فیصلہ کر کے اس کی طبیعت ریزہ ریزہ ہو رہی تھی۔ مگر وہ بڑے ضبط و تحمل سے کام لے رہی تھی۔

انہیں شفق کو کچھ کہنا کر رہا۔

"انہوں نے تمہیں کیا کہا ہے؟ مجھے دیکھیے میں تو بالکل نہیں روئی جبکہ آپ تو ان کی بہن ہیں اور بہن بھائیوں میں تو اس سے بھی زیادہ زیادہ باتیں ہو جاتی ہیں۔"

"وہ بے غیرت سمجھیں ہوئی ہوں گی جو میری جوتی کو اتنا سر چڑھا لیتی ہیں مگر میں تو آصف کے ہوش ٹھکانے لگا دوں گی۔ وہ تو اسی وقت یہاں سے بھاگ گیا ورنہ میں اس کی ایسی درگت بناتی کہ حلیہ ہی بگڑ جاتا اس کا۔" شفق خود ہی اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بولیں اور باہر جانے لگیں تو طوبیٰ بھی ان کے ساتھ ہو لی۔

"میرا ایمان تو زرد رکھا ہے اور بھی مجھے چھوڑنے بھی جا رہا ہے مگر اب میں اس کو کھانی دوں گی اس وقت تک نہیں جاؤں گی جب تک اس بدذات کی ناک سے لکیریں نہ کھنچوا لوں۔ خواہ میرا سر ہی کیوں نہ اجڑ جائے۔"

شفق طوبیٰ کے ساتھ آصف کے کمرے سے باہر نکلتی ہوئی بولیں۔ وہ اب بھی سرسر کرتی ساڑھی کے آنچل سے اپنی آنکھیں پونچھے جا رہی تھیں۔ ان کا رخ صوفیہ بیگم کے کمرے کی طرف تھا۔ اور صوفیہ بیگم کے کمرہ آصف کے کمرے کے دوسرے سرے پر تھا۔ اور اسی لاؤنج سے گزر کر جانا پڑتا تھا جو خود شفق، عارف اور ڈرائنگ ڈائننگ روم کے درمیان میں تھا۔ شفق لاؤنج میں پہنچیں تو طوبیٰ ان کے کمرے کی طرف جانے لگیں کہ لاؤنج طے کرتے ہی آصف نے ڈرائنگ روم میں سے وارد ہو کر ان کا راستہ روک لیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"پلیز بجیا فور گاڈ سیک بجیا! آئی ایم ویری سوری، مجھے معاف کر دیجیے۔" اور انہیں دیکھ کر تو جیسے شفق کی آنکھوں میں خون اتر آیا چیخ کر بولیں۔

"دور ہو جاؤ میری نظروں سے... میں تمہاری بجیا وجیا نہیں ہوں... میں تو ایک بدچلن اور بدکردار عورت ہوں۔" شفق کی آواز اتنی بلند تھی کہ طوبیٰ بھی جلدی سے باہر نکل آئی مگر آصف کو دیکھ کر وہ کمرے کے دروازے پر ہی ٹھٹھک گئی۔

"نہیں نہیں بجیا خدا نہ کرے... میرا مطلب یہ تو نہیں تھا۔ خدا کی قسم میں نے تو غصے میں یونہی بک دیا تھا۔ ایم ناؤ آئی تھنک مائی وزبیک۔" آصف نے بدستور ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس نہیں لیے جا سکتے اور تمہاری جرات ہی کیسے ہوئی اتنی غلیظ بات

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

کہنے کی۔ صاف ظاہر ہے تمہارے دل میں میری طرف سے ایسے ہی خیالات ہوں گے۔ جبھی تو تم ان کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن میں بھی اتنی بے غیرت اور بے شرم نہیں ہوں میں آج ہی شوکت کو بلا کر ہوں پھر ان کے سامنے پاپا اور شہریار کو بٹھا کر تم سے تمہارے اس خیالات کی تصدیق کرواؤں گی۔ اسی وجہ سے آج میں نے اپنا جانا بھی کینسل کر دیا ہے! قسم ہے کلام پاک کی جب تک تمہیں جوتے نہ لگوا لوں گی اپنے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی تم نے کیا مجھے الماس یا افزیہ سمجھا ہے؟" شفق پھٹ ہی تو پڑیں۔

"جوتے لگانے ہیں تو بندہ حاضر ہے آپ دل بھر کے لگا لیجیے مگر خدارا کسی طرح بھی معاف کر دیجیے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں بجیا کہ آج کل میرا دل اور دماغ میرے قابو میں نہیں ہے۔ نہ جانے غصے میں کیا اول فول بک گیا۔ مگر ان ڈزنٹ مین سو۔" آصف بہن کے نزدیک ہو کر ان کے سامنے گھٹنے ٹیک گئے۔

"اگر دماغ پر زیادہ گرمی سوار ہے تو دیواروں سے سر پھوڑو۔ تمہارے لیے یہی نسخہ بہتر رہے گا۔ کیونکہ تمہارے سر پر شیطان سوار ہے۔ تم رشتوں کا تقدس بھی بھول گئے ہو۔" شفق کی آواز کچھ زیادہ ہی اونچی ہو گئی۔ اپنے کمرے میں بیٹھی صوفیہ بیگم کے کانوں تک ان کی آواز پہنچی تو وہ باہر نکل آئیں۔

"یہ ہے خیر تو ہے شفو۔ یہ تم اتنا چلا کیوں رہی ہو؟" انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے کہا تو ماں کی آواز سن کر آصف سیدھے ہو کر بہن سے بولے۔

"اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا بجیا تو میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔ کیونکہ جیسا کہ آپ سمجھ رہی ہیں میں اتنا بے غیرت بھی نہیں ہوں۔"

ماں قریب آ رہی تھیں اس لیے آصف نے ذرا دھیمی آواز میں کہا۔ مگر ان کا لہجہ بہت اٹل تھا فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ اپنے غصے اور کم ظرفی میں بہن سے کتنی بڑی اور غلیظ بات کہہ گئے ہیں۔ اور اس بات کا تو شفق کو بھی احساس تھا کہ آصف اتنی آسانی سے کسی سے معافی مانگنے والے نہیں۔ خواہ ان کے والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ وہ نادم ہی نہیں شرمسار بھی ہیں۔

ادھر ماں نزدیک آ گئی تھیں ادھر بھائی نے خود کو شوٹ کرنے کی دھمکی دی تھی اور اس پر مستزاد اس مقدس رشتے کی محبت مانع ہو رہی تھی جس کے ایک ہی خمیر۔ ایک خون اور گوشت پوست سے وہ اور آصف ڈھلے ہوئے تھے۔ ماں نے ان کی چراغ پائی کا سبب پوچھا تو جلدی سے آنکھیں رگڑ کر بولیں۔

"بس وہی بات ہے امی جان جس کی وجہ سے آپ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اتنی آزردہ ہو رہی تھیں۔ میں نے بھی ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو یہ میرے منہ لگنے لگے اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ کس قدر بے لگام ہو گئے ہیں آپ کے صاحبزادے۔ بس میں ذرا ان کی لگام کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔"

"ہاں یہ تو میں سمجھ گئی تھی مگر آہستہ تو بولتیں۔ بچی۔ آخر گھر میں نوکر چاکر بھی تو ہیں اور ان ہی لوگوں کے ذریعے گھر کی باتیں باہر پھیلتی ہیں۔ جبکہ اب تو ہمارا جائیداد سے سمدھیانہ بھی ہو گیا ہے۔" ماں کا لہجہ خفا خفا تھا۔ شفق نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ آنکھوں کو جھکا کر تیزی سے امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کرنے لگیں۔

"تمہیں تو نہ معلوم کب عقل آئے گی لڑکے۔ بہنیں تو بگر کنواری بھی ہوں تو شریف اور محبت کرنے والے بھائی ان کی کڑوی کسیلی برداشت کر لیتے ہیں۔ اور یہ نکوڑی تو بیاہتا ہے۔ ایک بچے کی ماں ہے۔ تم سے دو ڈھائی سال بڑی ہے مگر تم تو نہ معلوم کس ماحول میں رہتے ہو۔ کم از کم میں نے تو تم کو ایسی تربیت نہیں دی۔ اور اگر تم کو یقین نہیں آتا کہ طوبیٰ تمہاری دودھ شریک نہیں ہے تو آؤ آج میں کلام مجید پر ہاتھ رکھ کر تمہیں اس بات کا یقین دلا دیتی ہوں۔" صوفیہ بیگم نے دل ہی دل میں بیٹی کے لیے کڑھ کر آصف کے لتے لیے تو آصف بگڑنے یا آپے سے باہر ہونے کے بجائے ندامت بھرے انداز میں بولے۔

"نہیں نہیں۔ امی جان آپ مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں مجھے بالکل یقین آ گیا ہے۔ وہ اصل میں اتنی نوبت کبھی یوں آئی امی جان کہ میری طبیعت ایک دم ہی اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر سکی تھی۔ آپ ہی انصاف کریں امی جان میں بھی تو آخر انسان ہوں۔ ادھر سونے کی چڑیا کہہ کر میرے خیالات پر کمندیں پھینکی جاتی تھیں اور ادھر یہ کہا جاتا تھا کہ تم اس سے بڑی غفلت برتتے ہو۔ اسے محبت دو، تحفظ دو، یہ کرو، وہ کرو۔ اور اب اتنے عرصے بعد اچانک ہی غیرت اور شرم کا احساس دلایا جا رہا ہے یہ کہہ کر اور جتا جتا کر کہ طوبیٰ میری بہن ہیں، میری ہمشیرہ ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے میری طبیعت اور دماغ کیونکر ایک دم ہی اس بات کو قبول کر سکتا تھا؟"

آصف ندامت بھرے انداز میں بولے۔ ان کے لہجے میں آزردگی سی شامل تھی وہ جو کچھ کہہ رہے تھے کچھ غلط تو نہ تھا۔ ماں اور بہن کو پہلے ہی سے اس کا احساس تھا صوفیہ بیگم کا دل بیٹے کے لیے کٹ کر رہ گیا۔ انہوں نے پہلی بار بڑی حسرت سے دل میں سوچا کہ کاش اگر میں طوبیٰ کو اپنا دودھ نہ پلاتی تو آج وہ میری بہو ہوتی۔ وہ آصف سے اپنی دلی کیفیت چھپانے کی غرض سے یہ کہتی ہوئی جلدی سے باہر نکل گئیں۔

"ہے ہے کہیں بچہ نہ مر جائے میں تو اسے اپنے بینگ پر لٹا کر آئی ہوں۔" اور ماں کے جاتے ہی آصف شفق کے نزدیک ہو بیٹھے۔

"کیا آپ نے مجھے معاف نہیں کیا بجیا؟" ان کے لہجے میں کچھ ایسی عاجزی تھی کہ شفق نے جو اپنے آنسو چھپانے کی غرض سے چہرہ تھوڑا سا جھکائے کھڑی تھیں منہ اونچا کر کے ان کی طرف دیکھا اور پھر روتی ہوئی ان سے لپٹ گئیں۔ موقع ہی کچھ ایسا تاثر انگیز تھا۔ آصف کی آنکھوں سے بھی رم جھم سی ہونے لگی اور طوبیٰ جو پہلے ہی دل برداشتہ اور دل گرفتہ سی کھڑی تھی باقاعدہ شفق کا ساتھ دینے لگی۔ اور تبھی عارف نے دہلیز پر قدم رکھا اس کے ساتھ شوکت حسین بھی تھے۔ اور تینوں کو روتا دیکھ کر انتہائی تعجب کے باوجود اس نے گردن گھما کر شوکت حسین پر ایک نظر ڈالی اور بولا۔

"میرے خیال میں تو یہ ایکشن ری پلے ہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ رخصتی وغیرہ کا مرحلہ تو بہت پہلے ہی گزر چکا ہے۔ کیوں شوکت بھائی؟"

شوکت بھائی؟ شفق تو پہلے ہی عارف کی آواز سن کر چونک اٹھی تھیں۔ اب جو اس نے شوکت حسین کا نام لیا تو جلدی سے بھائی کے پاس سے ہٹ کر آنسو پونچھنے لگیں۔ آصف نے بھی قدرے جھینپ کر اپنے آنسو پونچھے اور طوبیٰ جلدی سے رخ پھیر کر کھڑی ہوئی۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''ویسے جہاں تک طوبیٰ آپا کا تعلق ہے ان کے لیے تو یہ رونا دھونا ہے بھی۔ کیونکہ بچھڑ رہی ہیں۔ لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ دونوں کس خوشی میں آنسوؤں کی ریہرسل کر رہے ہیں۔'' عارف نے شفق اور آصف کے قریب آ کر پوچھا تو آصف تو جھینپی جھینپی سی ہنسی ہنستے شوکت حسین کی طرف بڑھ گئے جو ابھی تک دہلیز پر ہی کھڑے تھے مگر شفق جو میاں کو دیکھ کر جھینپ سی گئی تھیں انہوں نے بڑے اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا۔

''بس ابھی ابھی روانہ ہونے ہی والی تھی کہ ایک دم ہی دل بھر آیا۔''

''بہت خوب۔ تب تو میرا خیال درست ہی تھا کہ ایکشن ری پلے ہو رہا ہے۔'' عارف چہکا تو آصف ہنسنے لگے۔ مگر شوکت حسین سنجیدہ سی صورت بنائے خاموش ہی کھڑے رہے۔ شفق کو معلوم تھا کہ وہ ان کی اتنے دنوں کی غیر حاضری کی وجہ سے ان سے سخت کبیدہ ہو گئے ہیں۔ کچھ روز سے ان کا کوئی خط آیا تھا نہ فون۔ بلکہ وہ خود ہی آ گئے تھے۔ اور اگر آ بھی گئے تھے تو ان کا آنا خالی از مصلحت نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ان سے نگاہ ملاتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں۔

''چلیے یہ بھی اچھا ہوا کہ آپ خود ہی آ گئے۔ ورنہ میں انہیں ابھی چھوڑنے ہی جا رہا تھا۔'' آصف نے بہنوئی کے رویے میں تبدیلی محسوس کرتے ہوئے گویا شفق کی بات کی تائید کی۔

''بھئی یہ منہ دیکھنے کی بھی خوب ہے۔ اتنے روز سے ان کے انتظار میں سوکھ رہا تھا۔ بلا بلا کر تھک گیا تھا مگر یہ آئی نہیں اور اب خود آ گیا ہوں تو کہا جا رہا ہے کہ ابھی روانہ ہی ہونے والی تھیں۔'' شوکت حسین چبھتے سے لہجے میں بولے۔

''جناب بھائی صاحب.... کوئی گولڈ میڈل جیتنے کا [illegible] جو میں آپ سے جھوٹ بولتا۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ ابھی روانہ ہونے ہی والی [illegible]۔ ان کا تو سارا سامان بھی بندھا پڑا ہے۔'' آصف کو شوکت حسین کی بات اچھی نہ لگی تو انہوں نے بھی سنجیدہ ہو کر کہا۔

''ارے آپ تو بڑی سنجیدگی سے مواصلاتی نظام درہم برہم کرنے پر تلی ہوئی ہیں طوبیٰ آپا بھی اتنے دن بعد آئے ہیں تو کچھ خاطر تواضع تو کیجیے، ہم دونوں کی۔'' عارف نے ماحول اس قدر سنجیدہ ہوتے دیکھا تو موضوع ہی پلٹ دیا۔ ویسے بھی وہ تاڑ گیا تھا کہ کوئی گڑ بڑ ضرور ہے۔

''یہ تم اچانک کہاں سے نازل ہو گئے۔'' شفق نے عارف سے پوچھا۔

سوال ذو معنی تھا۔ عارف نے جلدی سے پھر بات سنبھالی۔

''لیجیے بھئی یہ ہے ہماری قدر اس گھر میں۔ اتنی مشقت بھگت کر آ رہا ہوں اور پوچھا جا رہا ہے کہ کیسے نازل ہو گیا گویا آسمانی صحیفہ ہوں یا پھر قہر۔ جو میرے نزول کا بھی کوئی وقت مقرر ہو۔''

''اچھا اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ امی جان سے بھی ملے تم؟'' شفق نے کہہ کر گویا شوہر کو جتایا کہ ان کا بھی موڈ اچھا نہیں ہے۔

''بھئی کیا کروں میں تو سیدھا امی جان کے آداب کو ہی جا رہا تھا مگر یہ آپ کے شوہر نامدار خواہ مخواہ ہی بیچ میں اڑ بیٹھے کہ نہیں شفق کے درشن کیے بغیر میں کسی کی شکل نہیں دیکھوں گا۔'' عارف مسکین سی شکل بنا کر بولا۔

''انتہائی بے ادب ہو۔ اتنے دنوں بعد آتے ہو تب بھی بدتمیزی سے باز نہیں آتے۔'' اپنا نام لینے پر

شفق بگڑ کر بولیں۔

''بھئی واہ غصہ کسی پر آ رہا ہے اور تختہ مشق مجھے بنایا جا رہا ہے۔ خیر میں تو چلا بھائی جان اور طوبیٰ آپا آپ بھی آ جائیے۔ تنہائی میں اگر فری اسٹائل بھی ہوگی تو بات ساؤنڈ پروف ہی ہو کر رہ جائی ہے۔'' عارف بھی ایک ڈھیٹ تھا۔ بڑے چلبلے پن سے بولا۔ اور پھر اسی ڈر سے کہ شفق سچ مچ اسے مار ہی نہ بیٹھیں جلدی سے کمرے سے نکل گیا۔

''چلیے بھئی آپ لائن کلیئر کر دیجیے۔'' اس کے جاتے ہی آصف نے طوبیٰ سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ عارف کی باتوں پر روتے روتے ایک دم مسکرانے لگی تھی وہ جانے کے لیے مڑی تو شوکت حسین اکھڑے سے لہجے میں بولے۔

''نہیں آپ دونوں کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میرا ایک بچہ بھی یہاں موجود ہے۔ میں پہلے اسے دیکھ آؤں۔'' اتنا کہہ کر وہ دہلیز سے ہی پلٹ گئے۔ آصف بھی ان کے پیچھے باہر نکل گئے۔ اور طوبیٰ شفق کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''دیکھا یہ ہوتے ہیں شوہر۔ اب مجھے یہاں سے جانے میں دیر ہو گئی تو غبارے کی طرح منہ پھول گیا ہے صاحب بہادر کا۔ مجھ سے بات تک کرنی گوارا نہ کی۔ اور خود ماں کے پاس اٹھ آیا جاتے ہیں تو پھر وہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔'' شفق رقت آمیز آواز میں بولیں۔

طوبیٰ جواب میں کیا کہتی خاموش ہی کھڑی رہی۔

''اب [illegible] ان کی خوشامد میں ان کے پیچھے پیچھے جاؤں گی مگر میری جوتی۔ زیادہ نخرہ [illegible] کا پاتے ہی نہیں۔ جب سے ان کی والدہ اور بہن یہاں سے ہو کر گئی ہیں یہی حال ہو گیا ہے ان کا۔ لیکن یقین مانو میں نے تو ہمیشہ ان کی والدہ اور بہن کو اپنا ہی سمجھا۔ کبھی ان کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ حاملہ ہونے کے باوجود ان کی دھیڑوں ٹہلیں کیں۔ سخت سست برداشت کیں مگر یہ صلہ ملا ہے مجھے میری خدمت گزاری کا۔ شروع شروع میں تو ہر وقت یہ سنایا جاتا تھا کہ نرینہ اولاد چاہیے۔ جائیداد کا وارث چاہیے۔ اور اب خدا کے فضل سے وارث بھی پیدا ہو گیا تب بھی ان کی تیوری کا بل کسی طرح سیدھا نہیں ہوتا۔ ہمیشہ میرے خلاف بیٹے کے کان ہی بھرتی رہتی ہیں۔ اصل میں تو وہ شروع سے ہی اس رشتے سے خوش نہیں تھیں۔''

شفق جیسے جلے پھپھولے پھوڑنے لگیں۔ طوبیٰ ان ساری باتوں سے یکسر لاعلم تھی۔ وہ تعجب سے ان کی باتیں سنتی رہی۔

''تعجب ہے بظاہر تو شوکت بھائی ایسے نہیں لگتے میرا مطلب ہے اتنے بردبار اور حلیم الطبع ہیں وہ تو۔''

''ارے میری بہن تقریباً سارے ہی مرد دیکھنے میں اسی قدر معقول اور بردبار لگتے ہیں مگر اپنی نجی اور گھریلو زندگی میں وہ بالکل ہی مختلف ثابت ہوتے ہیں۔ اب ہمارے پاپا کو ہی دیکھ لو۔ امی کو اتنا چاہنے کے باوجود ہمیشہ اپنی ہی چلاتے آئے ہیں۔ مگر پھر بھی میں یہ ہوں گی کہ میرے باپ دوسروں سے کہیں بہتر اور افضل ہیں۔ اور شوکت کی عادات و مزاج تو بالکل ہی مختلف ہیں جس قدر حلیم الطبع اور با اخلاق ہیں اسی قدر اسٹرک بھی۔ اب یہی دیکھ لو کہ کتنی ہی مرتبہ محکمے کی طرف سے فری پیسج ملا ہے باہر جانے کے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

لیے لیکن آج تک مجھے کہیں بھی نہیں لے گئے کیونکہ والدہ ماجدہ نے پٹی پڑھا دی تھی کہ اگر بہو کو لے کر جاؤ گے تو گھر چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ حد تو یہ ہے کہ کبھی مجھے انڈیا بھی نہیں لے گئے۔ اب میں یہاں کسی خوش وقتی میں تو نہیں رکی تھی چلہ نہا کر پیر پھیرنے یہاں آئی تھی کہ تمہاری پریشانی میں لگ گئی۔ اب ان کو بچہ بتا بھی تو نہیں سکتی۔ انہیں تو تمہارے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں۔" شفق نے کہا تو طوبیٰ نادم اور شرمساری ہو کر بولی۔

"ہاں یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا بجیا۔ اصل میں میں ان لوگوں میں سے ہوں جو خود پر تو بار ہوتے ہی ہیں مگر دوسروں کے لیے بھی جنجال بن جاتے ہیں۔"

"ارے نہیں وہ جو کسی نے کہا ہے کہ.....

تاریخ ہر موڑ پر دیتی ہے گواہی ☆ قدرت کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں

تو تمہارے ساتھ بھی وہی ہوا ہے۔ تم نے اتنی پریشانیاں بھی تو اٹھائی تھیں۔ اب ان کا صلہ بھی تو تم کو مل گیا ہے مگر تم نے یہ کچھ اچھا نہیں کیا میری بہن۔ خوامخواہ وہ لوگ پریشان ہوں گے۔ اور ہوتے ہوا ہے گا کچھ بھی نہیں۔" شفق اپنی بات کہہ کر خود شرمندہ ہی ہو گئی تھیں۔ انہوں نے طوبیٰ کا دل رکھنے کو کہا۔

"نہیں ہو گا کیوں نہیں۔ یوں تو میں ساری زندگی ہی دوسروں کے رحم و کرم پر رہی ہوں اور دوسروں کی مرضی پر چلی ہوں۔ مگر یہ معاملہ خالصتاً میری زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور میں نخرہ کر رہی ہوں نہ کسی پر اپنی اہمیت جتانا چاہ رہی ہوں۔ بلکہ جو کچھ کہا ہے بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے اور کسی کی بھی باتوں سے مرعوب یا خائف ہو کر نہیں کہا۔ بلکہ میں نے تو گزشتہ رات ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا۔" طوبیٰ نے بڑی قطعیت سے اپنی بات کہی تو شفق مسکرا کر بولیں۔

"اچھا کیا واقعی؟" کیونکہ وہ تو یہی سمجھ رہی تھیں کہ وہ غصہ اور تاسف میں یہ سب کچھ کہہ رہی ہے۔

"میں ہزار کمزور اور گری ہوئی سہی لیکن تھوڑی بہت غیرت ضرور رکھتی ہوں بجیا۔ اس گھر سے مجھے ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا تھا تو میں خود چل کر یہاں واپس نہیں آ گئی بلکہ حالات مجھے لے آئے تھے۔ اور پھر آپ سب میرے اپنے تھے۔ خالہ بیگم حقیقت سے لاعلم تھیں اس لیے میں نے یہاں رہنا گوارا بھی کر لیا۔ لیکن اس گھر سے جس طرح مجھے ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا وہاں تو مر کر بھی قدم نہیں رکھوں گی۔" شفق کے مسکرانے پر طوبیٰ کچھ چڑ کر بولی۔

"ہاں یہ تو تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو مگر یہ بھی تو حالات ہی پر منحصر ہے۔ جنہوں نے ایک دم ہی پلٹ کر تمہاری قدر و منزلت اور عزت اتنی بڑھا دی ہے کہ اب تم کو سب سر آنکھوں پر بٹھانے کے لیے تیار ہیں۔ یہی دیکھ لو کہ وہ معبود حقیقی کسی کے اجر کو تلف نہیں کرتا۔ جلد بازی اور غصے میں کوئی فیصلہ کرنا ٹھیک نہیں تم ذرا ٹھنڈے دل سے اس معاملے پر غور کرو۔"

شفق نے کہا تو طوبیٰ جل کر خاموش ہو گئی۔ گو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انہیں صاف صاف بتا دے کہ غصہ مجھے اس بات پر نہیں ہے کیونکہ میرے ماموں نے مجھ سے سب کے سامنے معافی بھی مانگ لی ہے بلکہ ایک ایسے شخص کے ساتھ میں اپنی زندگی گزارنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں جسے صرف اور صرف اپنی روایات سے پیار ہے۔ جو اپنے اصولوں سے عقیدت رکھتا ہے جو دوسرے کی تو بڑی بات ہے خود اپنے جذبات اور احساسات کی پروا نہیں کرتا اور جو دلبر خاں کے یہاں میری رہائش پر اتنا

مشکوک ہو گیا تھا کہ طرح طرح سے مجھے کراس ایگزامن کرتا تھا۔ شاید خون کی کشش تھی یا پھر میرے اس حسن کا کمال جو اس نے اپنے یہاں اتنے روز میری رہائش کو بھی گوارا کر لیا۔ ورنہ تو شاید اسی روز نکال باہر کرتا جب آپ شہوار سے ملنے آئی تھیں۔ اور شہوار کا رویہ بھی کیا کم غیر روادارانہ تھا۔ اور اپنی پرائی کا احساس تو ان کی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ورنہ برا وقت ہی ہوتا ہے دوست اور دشمن کی پہچان کا ان کے رویے کی وجہ سے ہی تو گھر کی ملازمائیں بھی مجھ سے کافی اہانت آمیز سلوک کرنے لگی تھیں اور اور جو شخص میرا ماموں ہونے کا دعوا کرتا ہے آپ کو کیا معلوم کہ اس نے کس کس طور پر مجھے ذلیل و خوار کیا تھا اور مجھے کیا تھا سو کیا تھا میری مری ہوئی ماں کو خوار اور رسوا کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جبکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میری ماں نے ان کے زدوکوب کرنے پر ہی ایسا غلط قدم اٹھایا ہو گا۔ جو میری پوری زندگی پر سیاہی پھیر گیا ہے اور اب آپ ہی انصاف کریں بجیا کہ ان ساری باتوں کے پیش نظر میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ غلط ہے؟"

مگر ہمیشہ کی طرح وہ یہ ساری باتیں دل میں ہی سوچ کر رہ گئی۔ اور شفق یہ سمجھیں کہ ان کا مشورہ اس نے قبول کر لیا ہے۔ روتے روتے ان کی آنکھیں سوج گئی تھیں اور چہرہ بھی گدلا گدلا سا ہو رہا تھا اسی لیے وہ منہ دھونے غسل خانے میں چلی گئیں اور طوبیٰ اسی خیال سے کہ کہیں شوکت حسین نہ آ جائیں باہر جا رہی تھی کہ واقعی شوکت حسین آ گئے جنہیں دیکھتے ہی وہ گھبرا کر باہر جانے لگی تو انہوں نے اس کی طرف گھوم کر کہا۔

"کیوں بھئی کیا میں اسی قدر خونخوار اور ہیبت ناک ہو گیا ہوں کہ سلام نہ دعا اور آپ ہیں کہ ڈر کر بھاگی جا رہی ہیں؟" تو طوبیٰ کے بڑھتے ہوئے قدم ایک دم ہی رک گئے۔

"جی نہیں۔ میں نے تو آتے ہی آپ کو آداب کیا تھا۔" وہ جھینپے جھینپے انداز میں مسکرا کر بولی۔

"کیا ہو گا۔ بھئی ہمیں کیا خبر... ہم نے تو دیکھا تک نہیں۔" شوکت حسین بولے وہ ہمیشہ اسے دیکھتے ہی کھل سے اٹھتے تھے۔

"اچھا آپ نے جب نہیں دیکھا تو..... میں ایک مرتبہ پھر کہتی ہوں کہ آداب!" طوبیٰ ماتھے تک ہاتھ لے جا کر بولی۔

"بھئی یقین جانیے ابھی پچھلے دنوں یورپ کے ٹور پر گیا تھا مگر کوشش کے باوجود آپ جیسی حسین لڑکی کہیں نظر ہی نہیں آئی۔" انہوں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ستائشی انداز میں کہا۔

"اچھا پھر تو میں یہی کہوں گی کہ آپ نے خوبصورت لوگ دیکھے ہی نہیں۔" طوبیٰ شرما کر بولی۔ اسی اثناء میں شفق بھی منہ دھو کر باہر آ گئی تھیں۔ شوکت حسین نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں اب کیا کریں قسمت سے بیوی بھی ملی ہے تو اتنی بدصورت کہ اگر رات کو کہیں نظر پڑ جائے تو دیکھ کر گھگھی ہی بندھ جاتی ہے۔" ان کے انداز میں جو شوخی پنہاں تھی اس پر طوبیٰ ہنستی ہوئی بولی۔

"جی نہیں ہماری بجیا تو اتنی خوبصورت ہیں کہ پورے آغا پور میں شاید کوئی ہی ان کا ثانی ہو گا۔" اور شفق جو منہ پھلائے کھڑی تھیں جلے کٹے انداز میں بولیں۔

"نہیں بھئی۔ اب اتنی زیادہ بھی مبالغہ آرائی نہ کرو کہ الٹا لوگ میرا تمسخر اڑائیں اور ان کا گزر تو بڑے بڑے پرستانوں سے ہوتا ہی رہتا ہے۔ یہ کیوں منتخب نہیں کر لیتے اپنے لیے کوئی پری پیکر؟"

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''اجی جناب آپ کے سامنے جب کوئی ان نظروں کو جچے تبھی نا؟'' شوکت حسین شفق کی طرف بڑھتے ہوئے بولے تو طوبیٰ جلدی سے وہاں سے کھسک آئی۔

☆☆☆

گل داد خان کچھ دیر تو واقعی سناٹوں کی زد میں بے حس سا کھڑا ریسیور کو دیکھتا رہا۔ جو ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ پھر اس نے ریسیور کریڈل پر ڈالا۔ اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا نشست گاہ سے باہر نکل آیا۔ پرانا ملازم تھا اور نازو رکو اس نے گودوں میں کھلایا تھا۔ اب سے پہلے طوبیٰ اپنے مالکوں کی طرح اس کی نظروں میں بھی مشتبہ اور مشکوک تھی۔ مگر اب ہر فاصلہ اتنے جلد سمٹ آیا تھا کہ وہ اسے بے حد عزیز ہوگئی تھی۔ اس کی قدر و منزلت اس کی اہمیت اور محبت ہر چیز گل داد خان کی نظروں میں بہت بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ نمک حلال اور جاں نثار ملازم تھا اپنے احساسات اور جذبوں کو زبان نہیں دے سکتا تھا اور پھر یہ اس کی عزیز ہستی کا فون تھا اور اس نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ اتنی ہمت نہیں رکھتا تھا کہ طوبیٰ کا پیغام اپنے آقا تک پہنچا دے۔ کیونکہ یہ پیغام اس کے آقا کے لیے سخت تکلیف دہ ثابت ہوتا۔

اس نے شہوار سے بھی کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ان کے ماحول میں لڑکیوں کو بیرونی باتوں سے آگاہ نہیں کیا جاتا تھا لہٰذا وہ اس ذکر سے مستثنیٰ تھیں اور اب صرف شہر یار ہی رہ جاتے تھے مگر وہ صبح سے اپنے محل نما اس گھر کا معائنہ کرنے گئے تھے جو دریا کے کنارے آدھے سے زیادہ تعمیر ہو چکا تھا اور جس کا ڈیزائن فرانسیسی طرز تعمیر پر ڈھالا گیا تھا۔ گزشتہ رات ہی مجید صاحب کے یہاں سے واپسی پر یہ طے پایا تھا کہ تعمیر کا کام تیز کر دیا جائے تاکہ نئے گھر میں رہنے کی ابتدا ایک بہت بڑی خوشی سے کی جائے۔ اور اب گل داد خان کو معلوم نہیں تھا کہ شہر یار کب واپس لوٹیں گے۔ بہر حال وہ اس کو غنیمت سمجھ رہا تھا کیونکہ بعد مدت ایک اتنی بڑی خوشی نصیب ہوئی تھی اس کے آقاؤں کو اور وہ اس میں کھنڈت ڈالنا نہیں چاہتا تھا یہ خبر بد سنانے کے خیال سے ہی اپنے عزیز از جان خانوادے کے لیے اس کا دل کٹا جا رہا تھا۔ اتفاق سے اسی روز شہر یار جلد ہی آ گئے تھے۔ لیکن گل داد خود کو ان سے کچھ کہنے کے لیے تیار نہ کر سکا مگر اگلے روز جب اس نے دیکھا کہ شہر یار نے کہیں باہر جانے کے آثار نظر نہیں آ رہے تو آغا بختیار کے وہ کام انجام دے کر جو اس کے ذمے تھے۔

وہ شہر یار کے کمرے میں چلا آیا۔ شہر یار وِنگ چیئر پر بیٹھے کسی انگلش ناول کا مطالعہ کر رہے تھے۔ گل داد خان نے مکان کی تکمیل کی مدت کے بارے میں پوچھ کر کب تک پورا ہونے کا امکان ہے۔ جھجکتے ہچکچاتے انہیں اصل بات بتا دی مگر اس کی توقع کے مطابق شہر یار چونکے یا اچھلے نہیں بلکہ کتاب بند کر کے انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ طوبیٰ ہی فون پر بات کر رہی تھیں؟''

''ہاں وہی تھیں۔ میں نے فوراً ہی ان کی آواز پہچان لی تھی۔ مگر بہت غصے میں معلوم ہوتی تھیں۔'' گل داد خان نے کہا۔ یہ دونوں گفتگو اپنی زبان میں کر رہے تھے۔ شہر یار نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''بی بی نے یہ بھی کہا ہے کہ ان سے یا ان کے بچا سے بھی بات نہ کی جائے ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ شہر یار کو خاموش دیکھ کر گل داد نے مزید بتایا اور اس بات پر شہر یار پہلو بدل کر بولے۔

''ٹھیک ہے دیکھا جائے گا مگر کیا تم نے آغا جان کو بتا دیا؟''

''نہیں وہ پرسوں سے اتنے خوش ہیں کہ میں نے پہلے کبھی انہیں اتنا خوش نہیں دیکھا۔'' گل داد خان نے کہا۔

''ہاں یہ تم نے اچھا ہی کیا۔ اصل میں تو اب یہ میرا نجی معاملہ ہے اور میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔'' شہر یار لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے بولے مگر گل داد خان خاموش سا کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

''آپ فکر نہ کریں بابا خان۔ میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔''

''نہیں میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ آخر ہے کس ماں کی اولاد۔ وہی بی بی گل جانہ کا غصہ اور خودداری اس میں بھی آ گئی ہے۔ آپ کو یاد نہیں جب وہ یہاں رہتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ملکہ یا شہزادی ہو۔'' گل داد خان بولا۔

''ہاں بابا خان۔ وہ شہزادی ہی ہے۔ بڑا طنطنہ اور طمطراق ہے اس کے مزاج میں۔'' شہر یار نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر کتاب کھولتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ بی بی گل کی طرح اپنی ضد پر اڑ گئی تو پھر کیا ہوگا۔ مالک تو اب برداشت ہی نہیں کر سکیں گے۔'' گل داد خان نے اپنے اندیشوں کا اظہار کیا جو اسے ہراساں کیے ہوئے تھے تو شہر یار مسکرا کر بولے۔

''ارے نہیں۔ کچھ بھی نہیں ہوگا بابا خان آپ اطمینان رکھیں۔'' تو گل داد خان خاموشی سے باہر نکل گیا اور اس کے جاتے ہی شہر یار کو کتاب بے کار سی لگی کیونکہ وہ ان کی جان جاناں اپنی پوری حسن و رعنائی کے ساتھ کتاب کے صفحوں پر جلوہ گر ہونے لگی تھی۔ اس وقت سے جب سے اسے ذلیل و خوار کر کے گھر سے نکالا گیا تھا۔

روایات کی پرستش اور اسیری اصولوں سے عقیدت اپنی بڑائی اور انفرادیت کا احساس اپنی ذات سے محبت سب پچھ ان کی نظروں میں پامال ہو کر رہ گیا تھا اور پرسوں سے تو وہ بہت مسرور اور سرشار سے نظر آ رہے تھے۔ مسرت و انبساط کے جھولوں میں جھول رہے تھے۔ جانے کیا کیا منصوبے بنا ڈالے تھے اپنی آئندہ زندگی کے لیے جب کہ انہیں اس بات کا بھی شدت سے احساس تھا کہ طوبیٰ اس ملاپ سے ذرا بھی خوش نہیں ہوئی بلکہ تمام وقت اور حقیقت کا انکشاف ہو جانے کے بعد بھی۔ وہ حد درجہ بیگانہ اور لاتعلق سی نظر آتی رہی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کا دل ہماری طرف سے صاف نہیں ہوا بالخصوص آغا جان کی طرف سے۔ جبھی تو اس نے کسی انداز میں بھی آغا جان کے گلے لگتے ہوئے وہ تڑپ نہیں دکھائی جو ایک بچھڑے ہوئے سگے ماموں کے اچانک مل جانے پر ہونی چاہیے تھی۔ اسے تو کرنل اطہر اور ان کی بیگم نے ہی زبردستی گلے ملوایا تھا۔ اسی لیے تو وہ بیگم اطہر کی بات کی تردید کر کے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اور اب اس نے ان کی زبانی سنا ہوگا کہ اگلے ماہ اسے میرے ساتھ ازدواجی رشتے میں منسلک کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے وہ یہ سب برداشت نہ کر سکی ہوگی۔ ورنہ وہ لوگ اتنے گئے گزرے تو نہیں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ آصف کی ہمشیرہ ہے۔ ان کی نیت بدل گئی ہو۔ مگر کیا۔

آصف نے تو کوئی ہنگامہ نہیں کھڑا کر ڈالا؟ اس روز بھی بڑا اکڑ رہا تھا۔ شروع شروع میں تو میری خاطروں میں بچھا جا رہا تھا مگر جب اصل بات ہوئی تو نگاہ تک نہیں ملائی اور غصے میں اٹھ کر چلا گیا۔ لیکن

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

بظاہر تو وہ بہت ذہینت معلوم ہوتا ہے۔ پتا نہیں کتنی ہی دیر وہ یونہی خیالات کے تانے بانے بنتے رہے۔ وہ تو جب ملازم دوپہر کے کھانے کی اطلاع دینے آیا تو ان کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔ ان دنوں خوشی میں تینوں باپ بیٹے آغا بختیار کے کمرے میں ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ پہلے تو شہریار نے سوچا کہ کھانا کھانے سے انکار ہی کر دیں لیکن پھر یہ سوچ کر انکار کی صورت میں باپ کے استفسارات کا جواب دینا پڑے گا وہ بے دلی سے اٹھ کر باپ کے کمرے میں چلے آئے۔ کھانا کھانے کے دوران آغا بختیار نے ان سے نئے مکان کی تعمیر کے بارے میں تفصیلات پوچھنے کے بعد ان سے کہا۔

''میں نے نئے مکان میں جا کر رہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے شہر۔''

''کیا؟ ایک دن ایک ہی رات میں آغا جان۔'' شہریار نے کچھ عجیب بے ربط سے لہجے میں پوچھا۔ جسے آغا بختیار نے محسوس تو کیا مگر کوئی تاثر دیے بغیر بولے۔

''ہاں بیٹے؟''

''لیکن کیوں آغا جان؟'' شہریار نے تجسس سے انداز میں پوچھا۔

''کیونکہ میں یہاں رہنے کا کچھ اتنا عادی ہو گیا ہوں کہ اور کہیں دل ہی نہیں لگتا۔'' انہوں نے یہ کہہ کر قدرے توقف کیا اور پھر بولے۔

''میں کافی عرصہ بمبئی بھی رہا اور دہلی، کلکتہ، لکھنؤ اور بہت سے دوسرے شہروں میں۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اپنا دل یہیں ذوالفقار کاسل میں ہی چھوڑ کر جاتا تھا۔ اصل میں اس کے پیچھے میرے بچپن کی ایک ایک یاد وابستہ ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر تو میں بھی نئے مکان میں نہیں جاؤں گا۔ میں تو ان کی وجہ سے آمادہ ہو گیا تھا کہ آپ بھی وہیں اقامت اختیار کریں گے۔ خود مجھے بھی اپنے اس گھر سے بڑی انسیت ہے۔'' شہریار بولے۔

''خیر گھر تو وہ بھی تمہارا ہی ہے اور میں ایک مسرت کے موقع پر اسی گھر میں تمہارے قیام کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔'' آغا بختیار سمجھے بیٹے کو ان کی بات گراں گزری ہے۔

''تو پھر ایسا کریں گے کہ شادی کی تمام رسومات اور تقریب اسی گھر میں انجام دے لیں۔ امید تو نہیں کہ اس وقت تک وہ گھر مکمل ہی ہو جائے کیونکہ ابھی بہت کام باقی ہے۔'' شہریار نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''لیکن تم ابھی کہہ رہے تھے کہ وہ پچیس دن میں ہی مکمل ہو جائے گا۔'' آغا بختیار نے ان کی بات پکڑی۔

''جی ہاں اطمینان تو یہی دلایا ہے ٹھیکیدار نے لیکن اگر وہ مکمل بھی ہو گیا تب بھی اب ساری تقریبات ذوالفقار کاسل میں ہی انجام پائیں گی۔'' شہریار نے ایک قطعیت سے اپنی بات کی۔ اور پھر باپ سے معذرت کر کے اٹھ گئے۔ کچھ عجیب بجھا بجھا اور کھویا کھویا سا انداز تھا ان کا۔ آغا بختیار محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔ تعجب کے ساتھ ساتھ تجسس بھی ان پر یورش کرنے لگا۔ مگر انہوں نے بیٹے سے کچھ پوچھنا اپنی بزرگی اور وقار کے منافی سمجھا۔ باپ کے کمرے سے نکلتے ہی انہوں نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ کمرے میں آتے ہی میجر صاحب کے گھر کا فون نمبر ڈائل کیا۔ اصل میں تو وہ طوبیٰ سے بات کرنا

چاہتے تھے۔ انہیں تو یہی معلوم تھا کہ شفق لاہور چلی گئی ہوگی۔ اس لیے امکان بھی طوبیٰ کے ہی فون ریسیور کرنے کا تھا۔

☆☆☆

''کیا آصف صاحب اس وقت گھر پر ہی ہیں؟''

''جی ہاں ہیں تو مگر اصطبل میں بیٹھے سائیس سے تیل مالش کرا رہے ہیں۔'' جواب ملا۔

''ٹھیک ہے تو پھر آپ طوبیٰ کو فون پر بھیج دیجئے۔'' باوجود تلملا اٹھنے کے شہریار نے بڑے ضبط سے کام لے کر کہا۔

''ہائیں طوبیٰ! یہ کس چڑیا کا نام ہے؟'' عارف نے اپنی فطری ظرافت سے کام لے کر پوچھا۔

''دیکھو لڑکے تم جو کوئی بھی ہو میں کرنل اطہر سے تمہاری مرمت کرائے بغیر نہ رہوں گا۔'' شہریار نے دانت کچکچا کر کہا۔

''اجی اطلاعاً عرض ہے کہ کرنل اطہر کوئی مکینک یا مستری نہیں ہیں۔ جو آپ یہ صفائی اور مرمت کا کام ان سے لینا چاہتے ہیں۔ چلو خیر اگر پھر بھی ایسا ہی ارادہ ہے تو کم از کم آپ مجھے اپنا نام تو بتا دیں تاکہ میں اپنے بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کر سکوں۔''

اف توبہ کیسے چرب زبان شخص سے پالا پڑا تھا۔ کچھ ایسی جھنجھلاہٹ سی تھی کہ شہریار کو مجبوراً ہتھیار ڈالنے پڑے۔ انہوں نے پر رعب سی آواز میں کہا۔

''جی میں علی ایس منتظر یا مشکور ہی کہیں ہوں۔ طوبیٰ کا کزن آغا شہریار ہوں۔''

''آغا شہریار۔'' عارف نے زبان کو دانتوں میں دبا کر اور گردن جھٹکا کر آہستہ سے کہا۔

''اف مارے گئے آج تو۔''

''ہیلو!'' شہریار نے ادھر خاموشی دیکھ کر کہا۔

''جی جی۔ السلام علیکم سرکار۔ جی میرا نام گل ہے میں ادھر کام کرتا ہوں جی۔'' عارف نے گل کے سے لب ولہجہ میں کھڑی کھڑی اردو بولتے ہوئے کہا۔ مگر شہریار کو اس کی بات پر کسی طرح یقین ہی نہیں آیا کہ وہ گل ہی ہے۔ پھر بھی انہوں نے رسانیت سے کام لے کر کہا۔

''ٹھیک ہے جاؤ جلدی سے طوبیٰ کو فون پر بھیج دو۔''

''نہیں جی سرکار پہلے یہ وعدہ کریں کہ ادھر ہمارے صاب سے ہماری شکایت نہیں کریں گے تو ہم بی بی کو ابھی ابھی ادھر بھیج دے گا۔''

''چلو ٹھیک ہے وعدہ رہا۔ اب تم کسی طرح جلدی سے طوبیٰ بی بی کو بلا لاؤ۔'' شہریار نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا اور ادھر عارف بغیر جواب دیے جلدی سے اندر بھاگا۔ وہ ریسیور کو کریڈل میں رکھ کر گیا تھا۔ شہریار پیچ و تاب کھاتے رہ گئے۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ گل تھا۔ تو کیا آج گل کی مت ماری گئی تھی جو وہ اتنی بدتمیزی سے بات کر رہا تھا۔ نہیں نہیں وہ گل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ گل اگر مر کر دوبارہ بھی پیدا ہو جائے تو اتنی فصیح و بلیغ اردو نہیں بول سکتا۔ یہ یقیناً کسی لڑکے کی ہی شرارت ہے۔ مگر کون ہو سکتا ہے یہ؟ وہ دیر تک اسی سوال کا جواب تلاش کرتے رہے۔ پھر انہوں نے سوچا کہ فون پر طوبیٰ سے بات کرنا ٹھیک نہیں۔ اگر اس لڑکے کی جگہ آصف ہوتے تو نہ معلوم کیا سمجھتے کہ میں طوبیٰ سے کیوں بات کرنا چاہ

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

رہا ہوں۔ اور اگر میرے بلانے پر ان کے سامنے طوبیٰ آنے سے انکار کر دیتی تو یہ بات اور بھی اہانت کا باعث بنتی۔ اب تو میں خود ہی کرنل کے یہاں جا کر طوبیٰ سے بات کروں گا۔

وہ چاہتے تو باپ اور بہن کو بھی اس بات سے آگاہ کر سکتے تھے۔ لیکن اول تو اس بات کو انہوں نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ دوسرے وہ باپ کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی ہونے والی بیوی خواہ وہ ان کے باپ کی سگی بھانجی ہی کیوں نہ تھی کی طرف سے ان کا امپریشن خراب ہو یا انہیں دکھ پہنچے۔ کیونکہ خود آغا بختیار کو بھی اس بات کا بڑا ملال تھا کہ طوبیٰ کا دل ان کی طرف سے صاف نہیں ہوا ہے کیونکہ یوں اچانک ملاپ پر وہ جس محبت اور یگانگت کے اس سے متوقع تھے وہ طوبیٰ سے انہیں ملی ہی نہیں تھی۔ پھر بھی اس بات پر مطمئن اور مگن تھے کہ وہ جلد ہی ان کی بہو بن کر ان کے گھر میں آ جائے گی۔ اور کرنل اطہر اور ان کے خاندان کے تو بے حد ممنون اور مشکور تھے کہ انہوں نے انتہائی شرافت کا ثبوت دیا تھا۔ اب بالفرض ان لوگوں کی وجہ سے طوبیٰ نے یہ فیصلہ کیا تھا تو باپ کو بتانے سے معاملہ الجھ بھی سکتا تھا اس لیے وہ اس بات کو اپنے آپ تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔

حالانکہ طوبیٰ نے ان تینوں کے ساتھ جس قدر بیگانگی اور بیزاری کا مظاہرہ کیا تھا اس پر وہ اس سے بہت شاکی بھی تھے تو یہ بات انہیں بھی کھلتی تھی کہ ان کے والد نے کرنل اطہر کے خاندان کے سامنے اپنی مرحومہ بہن کے سارے عیب کھول کر رکھ دیئے تھے مگر حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ انہیں سب کچھ پوری تفصیل اور وضاحت سے بتانا ضروری ہو گیا تھا۔ بہر حال اگر آغا جان نے یہ ساری باتیں بتانے میں غلطی بھی کی تو یہ خود ان کی ہی عزت اور وقار کا معاملہ تھا کیونکہ پھوپھی ناز و ان کی ہی سگی بہن تھیں اور یہ بات طوبیٰ کو پہلے سمجھ لینی چاہیے تھی۔ اب خواہ مخواہ [illegible] کا اظہار ہونے سے فائدہ [illegible] جو بات اور دوسروں نے محسوس نہیں کی انہیں بھی اس کا احساس دلاتا۔ [illegible] اب وہ اتنی بدلحاظ اور سرکش بھی نہیں ہو سکتی کہ بزرگوں کے فیصلے کو مسترد کرنے کھڑی ہو جائے۔ یہی سب سوچ کر شہریار نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کر لینا ہی بہتر سمجھا۔

آصف شوکت حسین کے ساتھ گئے تو تھے ماں باپ کے پاس ہی لیکن ابھی کچھ دیر پہلے جو کچھ ہوا تھا اس کی وجہ سے ماں کا سامنا کرتے ہوئے کترا رہے تھے اس پر اچانک ہی ان کا ضمیر جاگا تو انہیں اپنی نامناسب حرکتوں اور رویے کا احساس بڑی شرمندگی اور ندامت سے دوچار کر گیا۔ بہن کو تو انہوں نے منا لیا تھا مگر طوبیٰ سے معذرت کے طور پر کچھ بھی کہنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ادھر طوبیٰ نے غصے میں آ کر جو فیصلہ کیا تھا اس کا ذمہ دار اور قصوروار بھی وہ خود ہی کو ٹھہرا رہے تھے۔ اور چاہ رہے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے وہ طوبیٰ سے اپنے رویے کی معافی مانگ کر اسے اس کا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیں۔ اس لیے وہ ماں کے کمرے میں زیادہ دیر رکے نہیں۔ بلکہ کچھ ہی دیر بعد باہر نکل آئے۔ شفق کے کمرے تک آ کر انہوں نے اندر جھانک کر دیکھا تو شفق اور طوبیٰ کو باتیں کرتا ہوا پایا۔ وہ کچھ دیر تو دروازے پر کھڑے ان کی باتیں سنتے ہی سوچتے رہے کہ اندر جائیں یا نہ جائیں کیونکہ شفق کے سامنے طوبیٰ سے معذرت طلب کرنا انہیں اچھا نہیں لگ رہا تھا اور ابھی وہ کچھ فیصلہ بھی نہیں کر پائے تھے کہ شوکت حسین آ گئے۔ اور انہیں دروازے پر کھڑا دیکھ کر انہوں نے شوخ سی معنی خیزی سے پوچھا۔

"کیوں بھئی یہ اندر جاتے ہوئے بہت شرم آ رہی ہے میاں نوشہ۔" اصل میں تو شوکت حسین کو تو

READING Section

یہی علم تھا کہ آصف اور طوبیٰ ایک دوسرے سے منسوب ہیں اور جلد ہی ان کی شادی ہونے والی ہے آصف نے بھی ان کے اشارے کو سمجھتے ہوئے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی ہاں۔ بس کیا کروں آج کل کچھ زیادہ ہی شرم آنے لگی ہے۔" جانے کیوں اپنی بات کہتے سے قدرت کی اس ستم ظریفی پر ان کے دل میں ایک کسک سی ہونے لگی۔

"اچھا تو گویا تاک جھانک کرنے سے ہی کام چل جاتا ہے لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ ان کے سامنے ہی کھڑے تھے۔ آپ اس انتظار میں تو نہیں کھڑے کہ کب وہ باہر نکلیں اور کب آپ۔" فقرہ ادھورا چھوڑ کر شوکت حسین معنی خیز سے انداز میں ہنسنے لگے مگر آصف کا دل دکھ کر رہ گیا۔ اور زبردستی مسکراتے ہوئے بولے۔

"اوہو۔ اگر آپ کا کچھ ایسا ہی خیال ہے تو لیجیے میں یہاں سے ہٹ ہی جاتا ہوں۔" اور پھر جلدی سے ہٹ کر بیچ میں جا کھڑے ہوئے اور شوکت حسین ہنستے ہوئے کمرے میں چلے گئے مگر ان کی باتوں نے آصف کے خیالات کو پھر منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔

"اف میرے خدا۔ میرے ساتھ یہ اتنی زیادتی کیوں کی تو نے؟

میری کس خطا کی پاداش میں یہ سب ہوا ہے میرے معبود!"

وہ اپنے لہولہان ہوتے احساس کے ساتھ بڑے کرب سے ایسے ہی سوالات کرتے رہے۔ انہیں واقعی طوبیٰ سے بڑی انسیت ہو گئی تھی۔ گو وہ اپنی لاابالی فطرت اور کچھ اپنی شخصیت کے زعم میں اسے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے مگر ایک تو وہ ان کی منگیتر تھی اس پر اس قدر حسین و جمیل اور شباب و رعنائی کا مجسمہ بھی کہ اس کا ثانی [illegible] ملنا ہی مشکل تھا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ زر، زمین اور زن جب کہ عام مقولہ زن، زمین اور اسپ کا ہی ہے مگر آج کل کے مشینی اور ترقی یافتہ سائنسی دور میں اسپ کی اہمیت گھٹ کر رہ گئی ہے لہٰذا اسپ کی جگہ زر استعمال ہونے لگا ہے اور یہ زر، زمین اور زن کے تنازعات! ایک ماں کی کوکھ سے جنم والے ماں کے مقدس اور مطہر دودھ میں برابر کے شرکت دار بھی ان زر، زمین اور زن کے تنازعات میں خود اپنے ہی خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اپنی ہی نسل کشی کرنے کے درپے نظر آتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی جانیں لینے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔

مگر قدرت نے تو آصف کو اس قابل بھی نہیں رکھا تھا کہ وہ اپنے حق کے لیے کمربستہ ہو کر آغا بختیار اور ان کی امارت اور دبدبے سے ہی ٹکر لے سکتے۔ بلکہ وہ اس معاملے میں اس قدر بے بس اور تہی دست ہو گئے تھے کہ کف دست ملنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ ہی نہ رہا تھا۔

اس پر ایک شوکت حسین ہی پر کیا موقوف تھا وہ تو ملنے جلنے والے دوست احباب وغیرہ سب ہی یہی جانتے تھے کہ طوبیٰ ان کی منگیتر ہے۔ ان کی ملکیت ہے۔

اور اب یہی ملکیت آغا پور کے والی موالی آغا شہریار کے قبضے میں جا رہی تھی۔

قدرت نے ان کے ساتھ یہ کس قدر ناانصافی کی تھی۔

واقعات اور تقدیر نے انہیں کتنی بڑی شکست دی تھی۔

تبھی تو وہ اتنے ٹھٹھر کر رہ گئے تھے کہ کسی کا لحاظ رہا تھا نہ رشتوں کے تقدس کا پاس اور اب جو بھی ان کے دل سے کثافت اور بے حسی کا گرد و غبار چھٹا تو ضمیر کی ملامت نے انہیں بے کل سا کر کے رکھ دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

طوبیٰ پر اس وقت سخت جھنجلاہٹ سوار تھی۔ ایک دم ہی اتنا بڑا فیصلہ کر بیٹھنا آسان تو نہ تھا۔ گو یہ سچ تھا کہ اس نے محض آصف کی رکیک باتوں پر مشتعل ہو کر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کی غیرت اور انا کو شدید زک پہنچی تھی البتہ یہ ضرور تھا کہ آصف کی رکیک باتوں نے ہی اس کے اندر اتنی ہمت اور حوصلہ پیدا کر دیا تھا اس نے بلا سوچے سمجھے ایک دم ہی اتنا بڑا اقدم اٹھا لیا تھا۔ دماغ کچھ اس قدر ماؤف تھا کہ اس وقت وہ تنہائی چاہتی تھی مگر جونہی وہ شفق کے کمرے سے نکلی آصف کو سامنے ہی ٹہلتا دیکھ کر انہیں نظر انداز کرتی وہ صوفیہ بیگم کے کمرے کی طرف جانے لگی تو آصف نے بھاگ کر اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

''اوہ بہت ناراض معلوم ہوتی ہیں آپ؟''

''نہیں۔ مجھے ناراض ہونے کا بھلا کیا حق پہنچتا ہے اور وہ بھی آپ سے؟'' راستہ روک لیے جانے کی وجہ سے طوبیٰ کو بھی مجبوراً رکنا پڑا تھا ورنہ وہ آصف سے اس قدر کبیدہ اور بدظن ہو گئی تھی کہ ان کی شکل تک دیکھنی اسے گوارا نہ تھی اس نے بڑی رکھائی سے جواب دیا۔

''لیجیے دنیا میں صرف ایک میں ہی ایسی ہستی ہوں جس پر آپ کو ہر طرح کا حق حاصل ہے آخر بھائی جو ٹھہرا۔''

''اوہ۔ بہت جلد احساس ہوا ہے آپ کو۔'' طوبیٰ نے [illegible] کہا۔

''دیر سے ہی سہی ہوا تو گیا نا؟''

''اوہ۔ تب تو میں اسے اپنی خوش بختی ہی سمجھوں گی۔'' طوبیٰ کے لہجے کی تلخی آصف کو ملول سا کر گئی۔

''سنو طوبیٰ آخر میں بھی انسان ہی ہوں اور یہ جو کچھ بھی [illegible] تمہارے ساتھ ہوا [illegible] میرے لیے اس قدر غیر متوقع اور ناقابل قبول تھا کہ [illegible] ایک دم [illegible] اور [illegible] انسان میں ہوتی ہیں اور میری ایک سب سے بڑی کمزوری یہ بھی ہے کہ میرے اندر ذرا سا بھی برداشت کا مادہ نہیں ہے۔ یا پھر اسے میری کم ظرفی سمجھ لو کہ میں ایک دم ہی اس حقیقت کو قبول نہ کر سکا۔'' آصف بڑے سنجیدہ اور ملول لہجے میں کہنے لگے۔ ''مگر اب تو مجھے اپنی ہر غلطی اور زیادتی کا احساس ہو گیا ہے بلکہ میں ان پر سخت نادم بھی ہوں اور تم سے معافی کا خواستگار بھی۔'' آصف نے جس سادگی سے اپنی صفائی پیش کر کے اس سے معذرت طلب کی تھی۔ طوبیٰ تو خود ہی اس بات پر شروع سے ان سے ہمدردی محسوس کر رہی تھی۔ مگر ان کی اتنی وضاحت پر بھی اس کے دل سے کبیدگی دور نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح منہ پھلائے پھلائے بولی۔

''اس المیے پر جو آپ پر اچانک ٹوٹا ہے میں خود بھی آپ کے لیے ہمدردی محسوس کر رہی تھی۔ اور اسی وجہ سے یعنی محض ایک بہن کا مان لے کر آپ کے پاس پہنچی تھی مگر آپ نے میرا یہ مان بھی توڑ دیا۔'' اس کے لہجے سے گلہ نہیں ناراضگی عیاں تھی۔

''دیکھو دیکھو۔ میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ اب مجھ پر یوں رعب ڈالنے کی کوشش کی تو میں سچ مچ تمہاری گوشمالی ہی کر دوں گا۔'' آصف نے اسے نرم پڑتی دیکھ کر فوراً ہی اپنا رعب جمانا چاہا۔

''اصل میں مجھے یقین ہی نہیں آ رہا کہ یہ آپ ہی بول رہے ہیں۔''

''میں نہیں بول رہا تو کیا تمہارے خیال میں کوئی الو یا گدھا بول رہا ہے۔''

''نہیں نہیں میرا یہ مطلب تو نہیں۔ بلکہ یہ اچانک جو اتنی بڑی خوشی ملی ہے۔ اس پر یقین ہی

نہیں آ رہا۔'' طوبیٰ ہنس کر بولی۔

''ہاں کبھی کبھی اس قدر اچانک اور غیر متوقع ایسی خوشیاں مل جاتی ہیں کہ یقین ہی نہیں آتا بلکہ انسان ڈھنگ سے انہیں انجوائے بھی نہیں کر سکتا۔ شاید اس لیے کہ ان میں ایک کسک سی شامل ہوتی ہے۔ گزرے ہوئے وقت میں اٹھائی جانے والی کلفتوں کی کسک۔'' دل میں ہوتی کسک کے ساتھ آصف نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''لیکن ہونی نہیں چاہیے۔ کیونکہ خوشی خواہ کیسی بھی ہو خوشی ہی ہوتی ہے جسے پانے کی انسان ہمیشہ تمنا ہی کرتا رہتا ہے۔'' طوبیٰ دل ہی دل میں ان پر کڑھ کر بولی۔

''اچھا اب زیادہ فلسفہ نہ بگھارو پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے مجھے معاف کر دیا؟'' آصف کوئی رنج آمیز بات کر کے [illegible] نہیں کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے بات پلٹی۔

''لیجیے آپ تو مجھے شرمندہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں جب کہ معافی تو مجھے آپ سے مانگنی چاہیے کہ میری وجہ سے آپ کو اتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔''

''دیکھو پھر وہی تکلفات اس پر [illegible] رکھا ہے کہ تم میری بہن ہو جب کہ یہ ساری مشکلات بھی تمہیں میری وجہ سے اٹھانی پڑی ہیں۔ بہر حال میں تمہارے اس احمقانہ فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کروں گا۔ اور پھر میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ تمہیں میری ہر بات ماننی پڑے گی۔'' آصف اپنی بڑائی جتاتے ہوئے [illegible] ایک تو انہوں نے پھر وہی تکلیف دہ ذکر چھیڑ دیا تھا جس کے بارے میں وہ سوچنا تک نہ چاہتی تھی [illegible] اور خوشدلی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اف یہ دل بھی کیسی عجیب شے ہوتا ہے کہ احساسات کی ایک ہی ضرب میں ساری تلخیاں، ساری کدورتیں آن کی آن میں صاف کر کے آئینے کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ بشرطیکہ انسان اتنا ظرف رکھتا ہو کہ اسے آئینہ تمثال بنا سکے۔ طوبیٰ نے ان کی ہمدردی سے لبریز دل کے ساتھ سوچا اور بڑی افسردگی سے مسکرا کر بولی۔

''اچھا اب اپنی بڑائی کا زیادہ رعب نہ ڈالیے اتنے زیادہ بڑے بھی نہیں ہیں۔ صرف ڈیڑھ سال کا ہی فرق ہے۔''

''نہیں چار چھ مہینے اضافے کے ساتھ یعنی پونے دو یا دو سال کا جب کہ فرق تو ایک دن کا بھی بہت ہوتا ہے سمجھیں آپ؟''

''جی ہاں۔ جی ہاں۔ بالکل سمجھ گئی۔ محترم قبلہ بھائی جان صاحب!'' طوبیٰ نے اپنی اداسی کو ہنس کر مٹایا اور تبھی پیچھے سے عارف کی آواز آئی۔

''ہائیں۔ آواز نہیں آ رہی۔ ذرا زور سے اپنا پورا ڈائیلاگ دہرائیں طوبیٰ آپا۔'' دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ عارف ڈرائنگ روم کے دروازے کے آگے کھڑا اپنے دائیں کان کو تھوڑا جھکائے اور ہتھیلی کی اوٹ بنائے کھڑا تھا۔ اس کے انداز پر دونوں ہنسنے لگے۔

''معلوم بھی ہے عارف یہ تمہارے بھائی جان میرے بھی بڑے بھائی ہیں۔'' طوبیٰ نے ہنستے ہوئے بتایا تو عارف نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے بھویں اچکا کر منہ پر انگلی رکھتے ہوئے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''ششش۔ ذرا آہستہ بولیے۔ خالہ مریم نے سن لیا تو غضب ہی ہو جائے گا۔''

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''ظالم سماج نے سنا ہی نہیں بلکہ یہی فیصلہ بھی صادر کیا ہے کہ ہم دونوں بھائی اور بہن ہیں۔'' آصف مسکرا کر بولے۔

''ارے ارے بھائی جان! کچھ تو خدا کا خوف کریں۔ یہ اگر مذاق کر رہی ہیں تو آپ کم از کم اس میں شریک ہو کر خود کو گنہگار نہ کریں کہ آپ دونوں کا نکاح نہیں ہوا ورنہ...''

''یہ کیا بک رہے ہو عارف؟ شی از ریلی مائی سسٹر۔'' آصف نے مزید کچھ کہنے سے باز رکھنے کے لیے ڈانٹ کر کہا۔

''اچھا گویا انگلش میں آپ انہیں اپنی بہن ظاہر کر رہے ہیں مگر مصنوعی اعتبار سے تو کوئی خاص فرق نہیں۔'' عارف بھلا کیونکر یقین کر لیتا جب کہ وہ حقیقت سے یکسر لاعلم تھا۔

''یہ معنے اور فرق تو تم امی جان سے جا کر پوچھو۔ مگر آئندہ ان سے مجھے نسبت دے کر کوئی بیہودہ مذاق نہ کرنا۔'' آصف نے تنبیہی انداز میں کہا تو عارف نے ایک جھرجھری لے کر چھت کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

''اوہ۔ معاملہ پیچیدہ لگتا ہے...'' اور پھر بھاگتا ہوا صوفیہ بیگم کے کمرے میں چلا گیا تو طوبیٰ دونوں بھائیوں کی گفتگو سن کر جو اب تک جاری تھی اس نے آصف سے کہا۔

''آپ نے ناحق اسے ڈانٹ دیا اس بے چارے کو تو نسبت کی کچھ خبر ہی نہیں۔''

''خیر اب تو سب کچھ معلوم ہو ہی جائے گا اور!'' آصف نے ایک گہرا سانس لے کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ بات کرنے کا انداز بھی عجیب سا تھا۔

''ہاں ہاں۔ اور۔ کیا۔ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟'' طوبیٰ نے متجسس ہو کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ بس یونہی ایک خیال سا آ گیا تھا۔'' آصف نے ٹالنے کے سے انداز میں کہا۔

''کیسا خیال جناب بھائی صاحب؟'' طوبیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

''پوچھوں؟ برا تو نہیں مانو گی؟''

''بڑوں کی بات کا برا نہیں مانا جاتا۔ البتہ کڑوے گھونٹوں کی طرح حلق سے ضرور اتارنا پڑتا...'' طوبیٰ بولی۔

''اوہو بڑی باتیں بنانی آتی ہیں تمہیں۔'' آصف ہنس کر بولے۔

''اب ٹالنے کی کوشش نہ کیجئے جناب۔''

''نہیں۔ وہ میں پوچھنا تو بہت کچھ چاہ رہا تھا لیکن قدرت نے جب تمہارے لیے ایک فیصلہ کر دیا ہے تو پھر پوچھنے سے فائدہ؟'' آصف نے گول مول سے انداز میں کہا۔

''نہیں فیصلہ قدرت نے نہیں بلکہ جاگیردار نے کیا ہے۔'' طوبیٰ ان کی بات کو سمجھ کر بولی۔

''ٹھیک ہے اگر جاگیردار نے بھی کیا ہے تو کیا تم اس سے مطمئن ہو؟''

''اطمینان، سکون اور خوشی یہ سب میری کتاب زندگی میں کہیں رقم ہی نہیں۔ اسی لیے تو جب بڑے بابا نے میرے بارے میں ایک فیصلہ کیا تھا تو میں نے خاموشی سے سر جھکا دیا تھا۔ اور اب یہ فیصلہ ہوا...'' طوبیٰ بات کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

''تو میں ظالم سماج بن کر بیچ میں کود پڑا۔'' آصف نے ہنس کر اس کا فقرہ پورا کیا تو طوبیٰ کو ہنسی آ گئی۔

''نہیں خیر یہ بات تو نہیں۔ اصل میں تو مجھ پر پہلے ہی غصہ سوار تھا آپ کی باتوں نے اسے اور بھڑکا دیا۔''

''وہی بات ہوئی نا کہ جو کچھ بھی ہوا میری وجہ سے ہوا۔ لہٰذا اب میرا بھی یہ فرض ہے کہ میں اس کا ازالہ ضرور کروں گا۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' طوبیٰ نے ان کی بات ان سنی کر کے پوچھا۔

''ایک نہیں دس باتیں پوچھ لو۔ مگر اصل بات کو گول کرنے کی کوشش نہ کرو۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔

''خیر وہ سب تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ مگر کیا آپ ال۔ الماس میں واقعی انٹرسٹڈ ہیں؟'' اور طوبیٰ کے منہ سے ایک انتہائی غیر متوقع بات سن کر آصف سن سے کھڑے رہ گئے۔ تو کیا یہ الماس سے بھی واقف ہے؟ یقیناً بھیا جانی نے ہی اسے الماس کے اور میم سے افیئر کے بارے میں بتایا ہوگا۔ انہوں نے دل میں سوچا اور بولے۔

''الماس میری ان دوستوں میں سے نہیں ہے جنہیں زندگی کے رفیق کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔'' ان کا لہجہ سنجیدہ سا تھا۔

''اچھا تو پھر ان دوستوں کے بارے میں پوچھ سکتی ہوں جنہیں آپ کوئی حیثیت دے سکیں۔'' طوبیٰ نے شوخ سے انداز میں پوچھا۔

''اوہ...''

نہیں اذنِ گفتگو سے غم اذنِ گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہو جو نہ کہہ سکوں دوبارہ

پھر زخموں پر نمک چھڑکنے سے فائدہ؟'' آصف ایک دم ہی اداس ہو کر بولے۔ اور طوبیٰ جھینپ کر رہ گئی۔ رشتہ ہی ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ آصف اس معاملے میں مزید کوئی وضاحت نہیں کر سکتے تھے۔ اور طوبیٰ کو یہ بات بخوبی معلوم تھی۔

''خیر آپ کو اپنے لیے ایک نہ ایک دن تو کسی کا انتخاب کرنا ہی ہوگا۔ یوں تنہا تو زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔'' طوبیٰ نے مسکرا کر اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

''انتخاب ایک بار کیا جاتا ہے طوبیٰ بار بار نہیں۔ کیونکہ بار بار انتخاب کرنے والے آشفتہ سر اور آوارہ گرد ہی مانے جاتے ہیں۔'' آصف نے ایک افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''جیسا کہ تم اور سب ہی مجھے سمجھتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ برے سے برے شخص کے اندر ایک اچھا انسان چھپا ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ شخص اندر کے انسان کی ہدایات پر عمل نہ کرے۔'' آصف نے بڑے یاس بھرے انداز میں کہا۔

''تو اس کا مطلب ہے آپ کبھی شادی ہی نہیں کریں گے؟'' طوبیٰ نے ان کے خیالات پر حیران ہو کر پوچھا۔

''ابھی تو دور دور تک کوئی ایسا خیال یا ارادہ نہیں ہے...''

''اگر نہیں تو پھر دوسروں کو کیوں مجبور کرتے ہیں کہ وہ آپ کی بات مان لیں۔ بہرحال میں بھی صرف

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ایک بار ہی فیصلہ کرتی ہوں۔ بلا کسی ترمیم یا تبدیلی کے۔" طوبیٰ نے ان کے خیالات پر آزردہ ہو کر کہا۔ اور آصف کو وہیں چھوڑ کر پھر صوفیہ بیگم کے کمرے میں آ گئی۔

زندگی میں پہلی بار اس نے اس قدر کھل کر آصف سے بات کی تھی۔ ان کی طرف سے دل میں بھری کدورت جو پل کی پل میں چھٹ گئی تھی اور پھر ان سے اسے ہمدردی بھی تھی اور یہ احساس بھی کہ وہ اس کے دودھ شریک بھائی ہیں۔ ایک ایسی شخصیت ایسی ہستی جسے اس بھری دنیا میں وہ بھائی کہہ کر پکار سکتی ہے۔ آصف کے یاس انگیز لب و لہجے اور مایوسانہ باتوں نے اسے بہت دل گرفتہ کر دیا تھا۔ صاف ظاہر تھا۔ ان کی باتوں کا مقصد یہی تھا کہ تمہارے بعد اب زندگی کے شریک کی حیثیت سے اور کے بارے میں سوچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ واقعی ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے وہ بھی قدرت کی طرف سے ورنہ اگر جاگیردار صاحب میرے معاملے میں ہیکڑی دکھاتے تو میں آصف بھائی کے حق میں ان کے اس دعوے سے دستبردار ہو جاتی کہ میں شہریار کی امانت ہوں۔ بہرحال اب میں آصف بھائی کو شادی کر لینے پر آمادہ کرنے کے لیے اپنی ہر ممکن کوشش کرواؤں گی۔ بلکہ شرط ہی یہی رکھوں گی کہ پہلے وہ اپنے لیے کسی اچھی سی لڑکی کا انتخاب کر کے اس سے شادی کریں تب ہی میں ان کی بات مانوں گی۔ طوبیٰ اس روز زیادہ تر آصف کے بارے میں سوچتی رہی۔

شوکت حسین کو آئے کئی روز ہو گئے تھے۔ اصل میں تو انہیں فوری طور پر یورپ کے دورے پر جانا تھا اور وہ شفق کے آنے کا انتظار ہی کر رہے تھے کہ ایک روز اچانک ہی میجر صاحب نے فون پر انہیں بتایا کہ طوبیٰ کی شادی کے سلسلے میں شفق مزید چند روز آغا پور میں ٹھہریں گی تو وہ خود بھی آ گئے۔ ناراض تو بہت تھے مگر جونہی ان کی قربت میسر ہوئی سارے گلے شکوے بھول گئے اور شفق دلہن کی ماں بھی میجر صاحب نے ہی بلایا تھا۔ بقول اس کے ان کے آرڈرز پر۔ اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اس میں جس میں ٹرین سے اتر کر وہ آغا پور جانے کے لیے سوار ہوا تھا۔ شوکت حسین بھی اسی بس میں تھے۔ جب کہ آئے بھی دونوں اتفاق سے ایک ہی ٹرین سے تھے۔ ورنہ عام طور پر تو شوکت حسین کار سے ہی سفر کرتے تھے۔ لیکن چونکہ بیرون ملک کے دورے پر جا رہے تھے اس لیے اس بار ٹرین کے ذریعے آئے تھے بہرحال ان دونوں کے آ جانے سے گھر میں خاصی رونق ہو گئی تھی اور عارف صاحب نے طوبیٰ کے جہیز کی شاپنگ کے سلسلے میں لاہور بھیجنے کی غرض سے بلایا تھا۔ عارف کو تمام حقیقت کا علم ہوا تھا وہ پنجے جھاڑ کر طوبیٰ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ ہر وقت اسے چھیڑتا اور ستاتا رہتا تھا۔ مگر شہریار سے جس انداز میں فون پر اس کی بات ہوئی تھی اس ڈر سے کہ کہیں میجر صاحب سے ڈانٹ نہ کھانی پڑے اس نے طوبیٰ کو شہریار کے فون کے بارے میں لاعلم ہی رکھا تھا۔

دوپہر کے بارہ بجے کا عمل تھا۔ شفق صوفیہ بیگم کے کمرے میں بیٹھی ان سے باتوں میں مصروف تھیں۔ عارف دیوان پر لیٹے ہاتھ پاؤں مارتے شہزادے سے کھیل رہا تھا کہ آصف نے کمرے میں داخل ہو کر کہا:

"ابھی پاپا نے فون پر بتایا ہے کہ آج شام جاگیردار صاحب شادی کی تاریخ مقرر کرنے آ رہے ہیں۔ لہٰذا ذرا اچھا اہتمام کیا جائے۔" تو شفق نے اطلاع ملنے پر ماں کی طرف دیکھ کر پر تشویش لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے گل داد خان نے ان لوگوں تک طوبیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا۔"

صوفیہ بیگم کے کچھ کہنے سے پہلے آصف پرخیال انداز میں بولے۔

"ہاں پرانا نمک خوار اور سمجھدار ملازم ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے ان لوگوں کو نہ بتایا ہو۔" صوفیہ بیگم نے کہا۔

"مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ خود ان لوگوں نے طوبیٰ کی اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی ہو۔" آصف نے پھر اظہار خیال کیا۔

"خیر اگر ایسا کیا ہے تو سخت غلطی ہی کی ہے ان لوگوں نے۔ کیونکہ طوبیٰ تو بڑی سنجیدہ ہے اس معاملے میں بہت صاف گو لڑکی ہے اگر منہ پر انکار کر دیا تو یہ اور بھی بری بات ہو گی۔" شفق بولیں۔

"ارے نہیں بچی۔ اب وہ ایسی بھی منہ پھٹ اور خودسر نہیں ہے اور میں نے تو اسے سمجھانے بجھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں چھوڑی۔" صوفیہ بیگم نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے امی جان لیکن اس نے بڑی گہری اور ٹھوس طبیعت پائی ہے اور سچ پوچھیں تو غلطی جاگیردار کی ہے۔ انہیں سب کے سامنے اس کی مری ہوئی ماں کا کچا چٹھا نہیں کھولنا چاہیے تھا۔" شفق کو طوبیٰ کی طرف سے بالکل اطمینان نہ تھا۔

"ارے تو اگر انہوں نے اپنی سادگی میں سب کچھ اگل بھی دیا تو یہ ان کی بھی عزت کا معاملہ تھا۔ آخر تو ناز وران کی بہن ہی تھی۔ میرا مطلب ہے طوبیٰ تو بعد میں پہلے تو وہ اس کے بھائی تھے اور کچھ موقع بھی ایسا تھا کہ بتائے بغیر کام ہی نہیں بن سکتا تھا۔ طوبیٰ محض اتنی سی بات کو اپنی ناک کا سوال بنا کر خواہ مخواہ ادھر ادھر سے پھر رہی ہے۔ اے عارف ذرا بلا کر تو لا دو اسے۔" صوفیہ بیگم نے بڑی بیزاری سے کہہ کر عارف کو مخاطب کیا تو عارف جو خلاف عادت و معمول خاموش بیٹھا تھا اٹھ کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ طوبیٰ خود ہی آ گئی۔ اور عارف اسے آتا دیکھ کر بولا۔

"لیجیے وہ جو کہتے ہیں کہ تھنک آف دی ڈیول۔ تو وہ ایک عورت تین کہانیاں خود ہی تشریف لے آئی ہیں۔" جب سے عارف کو سارا واقعہ معلوم ہوا تھا وہ اسے ایک عورت تین کہانیاں کہہ کر چھیڑنے لگا تھا۔ مگر اس وقت تو عارف کے مذاق پر صوفیہ بیگم نے کچھ اس بری طرح گھور کر اس کی طرف دیکھا کہ وہ پھر جلدی سے دیوان پر بیٹھ گیا۔

"بھئی آؤ۔ تمہارا ہی ذکر خیر ہو رہا ہے اس وقت۔" شفق نے عارف کے بیٹھنے کے انداز پر مسکراتے ہوئے طوبیٰ سے کہا۔

"اچھا! خیر تو ہے؟" طوبیٰ نے بھی مسکرا کر کہا۔

"ہاں ہاں خدا کے فضل سے سب خیر ہی ہے آؤ تو یہاں میرے پاس بیٹھو۔" صوفیہ بیگم اپنے بیڈ پر تھوڑا سا پیچھے سرک کر اس کے لیے جگہ بناتی ہوئی بولیں تو طوبیٰ چپ چاپ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"ابھی ایک تازہ خبر ایک اچھی خبر۔

آج شادی کی تاریخ ہو رہی ہے مقرر۔"

عارف دیوان سے اٹھ کر ان لوگوں کے قریب کھڑا ہو کر بولا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے عارف ایک دم ہی آؤٹ ہو جاتے ہیں۔" شفق نے اسے ڈانٹا اصل میں وہ ایک دم ہی طوبیٰ کو بتانا نہیں چاہ رہی تھیں۔

READING Section
UrduPhoto.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"نہیں جناب یہ مجھ پر الزام ہی ہے ورنہ آج تک اوپننگ بیٹس مین سے ناٹ آؤٹ لاسٹ مین کا اعزاز ہی حاصل کرتا رہا ہوں۔ صدر ایوب تو کیا صدر آئزن ہاور بھی مجھے آؤٹ کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آپ کی اطلاع کو۔" صدر ایوب اور آئزن ہاور کا نام لینے پر طوبیٰ ہنستی ہوئی بولی۔

"ہاں ہاں۔ وہ تو تمہاری باتوں سے ظاہر ہی ہو رہا ہے کہ تم کس قدر پائے کے کرکٹر ہو۔"

"ارے چھوڑو انتہائی لغو اور طفلانہ باتیں ہوتی ہیں اس کی۔ نہ وقت دیکھتا ہے نہ موقع بس اپنی ہی بڑبڑ کیے جاتا ہے۔" شفق نہایت بیزاری سے بولیں۔

"ارے تو اس میں بے ہودگی کی کیا بات ہے۔ چھوٹا بھائی ہے اس لیے چھیڑ رہا ہے۔ تم اس کی باتوں کا برا نہ مانا کرو طوبیٰ۔" صوفیہ بیگم کو شفق کا اس قدر ٹوکنا اچھا نہ لگا تو انہوں نے کہا۔

"لیجیے ایسا ویسا برا مانتی ہیں یہ۔ کل میرے ذرا سے مذاق پر گلدان ہی کھینچ مارا۔ وہ تو [illegible] ہو گیا ورنہ میرا بھیجہ پھٹ کر دور جا گرتا۔" عارف بولا۔

"ہے ہے۔ کیسی بدفالیں منہ سے نکال رہا ہے بچے تو چل [illegible] بیٹھ کر۔" صوفیہ بیگم نے [illegible] بھری ملامت کی۔

"یہ بدفالیں منہ سے نکالنے کی بات کچھ ٹھیک نہیں ہے صرف اتنا کہنا ہی کافی ہو سکتا ہے کہ بدفالیں کیوں نکال رہے ہو۔ کیونکہ بہرکیف فالیں ہاتھوں سے تو نہیں نکالی جاتیں۔" عارف نے آہستہ سے کہا۔

"اُفوہ۔ اب اس کی زبان چلی ہے تو یہ کسی کو بولنے کا موقع ہی نہ دے گا۔" شفق جھلائے ہوئے انداز میں بولیں۔

"جسٹ پلیز عارف۔ اب تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ وی آر ٹاکنگ سم تھنگ سیریس۔" آصف اپنی مسکراہٹ دبا کر بولے۔

"اوہ۔ جسٹ او کے باس۔" عارف پھر بھی ان کا فقرہ پکڑنے سے باز نہ آیا۔ اور شہزاد کے پاس چلا گیا۔

"خیر سیریس تو کیا البتہ غور طلب ضرور ہے۔" شفق اس بات کو اتنی اہمیت نہیں دینا چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے کہا۔

"ارے یہ تم لوگوں کو بات کا بتنگڑ بنانے کی عادت ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے [illegible] شام کو جاگیردار شادی کی تاریخ مقرر کر رہے ہیں۔ میں یہی خوش خبری تو طوبیٰ کو بتلا رہی تھی [illegible] آ گئیں۔" صوفیہ بیگم نے چٹخا ہوا لہجہ اختیار کیا۔

"خوشخبری!" طوبیٰ نے جو پہلے ہی سمجھ گئی کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ اس نے جل کر دل میں سوچا۔ "ہاں بہت بڑی خوشخبری ہے یہ بھی میرے لیے کہ آغا پور کے رئیس مجھے اپنی بہو بنا لینے کا شرف بخشنے والے ہیں۔" دل تو چاہا صاف صاف کہہ دے کہ نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں کو یہاں آنے کی۔ مگر صوفیہ بیگم کی وجہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

"لیکن آ کون رہا ہے آصف؟" شفق نے اسے خاموش دیکھ کر بات کا رخ پلٹا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن اندازہ یہی ہے کہ تینوں ہی آئیں گے۔" آصف بولے۔

"ارے تم تم آ گئیں۔ وہ تو اب اپنے ہی ہو گئے ہیں۔ کوئی غیر تو نہیں ہیں۔" صوفیہ بیگم نے گویا لقمہ دیا۔

"امی جان ایسے موقعوں پر تو مٹھائی وغیرہ کا بھی اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اب پہلے سے معلوم ہوتا تو آرڈر دے کر بنوا لیتے کیونکہ ان لوگوں کے یہاں کم از کم من سوا من مٹھائی تو بھیجنی ہی پڑے گی۔" شفق نے پوچھا۔

"نہیں۔ رواج کے مطابق تو مٹھائی ان لوگوں کو لانی چاہیے۔ اور اس کے ساتھ ترکاری یعنی پھل پھول وغیرہ بھی۔ جب تاریخ مقرر ہو جائے گی تو ہم بھی شگون کے طور پر یہی چیزیں ان کے یہاں بھجوا دیں گے۔" صوفیہ بیگم نے بتایا تو طوبیٰ کچھ جز بز سی ہو کر بولی۔

"لیکن خالہ بیگم ان تکلفات کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ ایسی کسی بات کا امکان ہی نہیں ہے۔"

"ہیں ہیں۔ یہ کیسی بدشگونی کی باتیں کر رہی ہو بچی۔ انشاء اللہ وہ لوگ ضرور آئیں گے انہیں تو زندگی میں یہ پہلا موقع ملا ہے خوش ہونے کا۔" صوفیہ بیگم نے فہمائشی انداز میں سمجھایا۔

"ہاں بھئی۔ اب تم اپنی یہ ضد چھوڑ دو۔ بلکہ غصہ تھوک دو۔ ویسے بھی اب یہ بات طے ہی سمجھو۔ خوامخواہ تلخیاں پیدا کرنے سے فائدہ؟" شفق قدرے تیکھے لہجے میں بولیں۔

"مگر بجیا!" طوبیٰ نے پہلو بدل کر کچھ کہنا چاہا تو آصف اس کی بات قطع کرتے ہوئے۔

"ارے ان کی بھلی چلائی۔ ہم بڑے بھائی ہیں اور ہم ان کی شادی کرا کے رہیں گے۔"

"ارے تو کیا میں سگی ہوں [illegible] اس کے لیے میں تو اس کی چچی بھی ہوں اور ماں بھی میں نے اسے اپنا دودھ پلایا ہے کیا میرا اس پر کوئی حق نہیں ہوتا۔" صوفیہ بیگم برہم سے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولیں تو طوبیٰ نے جلدی سے کہا۔

"جی ہاں اس دنیا میں سب سے زیادہ حق آپ کا ہی میرے اوپر ہوتا ہے۔"

"بس بس تو جب مجھے اپنی ماں سمجھتی ہو تو پھر یہ سارا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ یوں بھی تم ابھی ناتجربے کار اور کم عقل ہو۔ اور بزرگ جو کچھ بھی فیصلہ کرتے ہیں اپنے بچوں کی فلاح و بہبود دیکھ کر ہی کرتے ہیں۔ اور پھر تمہارا معاملہ تو بہت پہلے ہی طے کر دیا گیا تھا۔" صوفیہ بیگم تیز لہجے میں بولیں تو اس نے دل میں سوچا۔

"ہونہہ طے کر دیا گیا تھا بلکہ زبردستی میرے سر تھوپا جا رہا ہے۔"

"ہاں واقعی امی جان بعض حالات کے ہاتھوں بڑے بڑے صاحب اقتدار اور مضبوط طبیعت کے مالک لوگ بھی کس قدر بے بس و مجبور ہو جاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا نہیں اس روز جاگیردار جیسے سخت مزاج آدمی کس قدر بے بس لگ رہے تھے مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے بس کسی وقت بھی رو پڑیں گے۔" شفق بولیں۔

"ہاں مجھے افسوس ہے تو اس بات کا کہ طوبیٰ نے ان کے جذبات اور محبت کی ذرا بھی قدر نہیں کی۔ اے بی ایسا بھی کیا مزاج کہ انسان ناک پر مکھی بھی نہ بیٹھنے دے۔ اے تمہاری تو یہ خوش بختی تھی بچی کہ خدا نے تمہیں تمہارے کسی سگے سے ملوا دیا تھا۔ وہ بھی ایسے صاحب حیثیت انسان سے۔ ورنہ دنیا والوں کو تو کوئی دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ تم نے ماموں جان مجبور کر کے ان سے سیدھے منہ بات کر لی ہوتی۔ مگر تم

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تو نہ جانے کون کون سے بکھیڑے نکال کر بیٹھ گئیں۔ دیکھو اپنے سگوں کو کانٹا خدا کو بھی پسند نہیں۔ اگر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی بھی کی تھی تو تمہارے بزرگ ہو کر انہوں نے سب کے سامنے معافی بھی مانگ لی تھی۔ اب تمہارے پیر پکڑنے سے تو رہے تھے۔'' صوفیہ بیگم بولنے پر آئی تھیں تو ایک تسلسل سے بولے ہی جا رہی تھیں گو ڈھکے ڈھکے انداز میں اسے جھاڑ پلا رہی تھیں مگر انداز کچھ ایسا تھا کہ شرمندگی اور تاسف کے مارے طوبیٰ کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''چھوڑیے امی جان اس قصے کو غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے اور یہ چونکہ فطرتاً نازک طبع ہیں اس لیے یہ انکشاف ان پر بہت بھاری پڑا ہوگا کہ جاگیردار ان کے سگے ماموں ہیں۔ صاف ظاہر ہے یہ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے پر خود کو آمادہ نہ کر سکی ہوں گی کیونکہ خود ہم لوگوں کو بھی تو مشکل سے یقین آیا تھا۔'' شفق نے طوبیٰ کو اس قدر شرمندہ اور ملول دیکھ کر جلدی سے کہا۔

''ارے دور کیوں جائیں اب مجھے ہی دیکھ لیجئے۔ مجھ پر گویا رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ کچھ ایسا شاک لگا تھا کہ میں بڑی مشکل سے خود پر قابو پا سکا۔'' آصف بولے تو صوفیہ بیگم بڑی دردمندی سے بولیں۔

''چلو چھوڑ بیٹے۔ اب تو کچھ ہونا تھا سو ہو گیا کہ قسمت میں یہی لکھا تھا۔ مگر تمہارے لیے لڑکیوں کی کیا کمی ہے۔ میرے خیال میں تو اب تمہیں بھی اپنا گھر بسا لینا چاہیے کیونکہ شفق..... تو خیر سے کب کی اپنے گھر کی ہو گئیں۔ اب یہ طوبیٰ بھی ہو رہی ہیں اور میں تو بالکل ہی تمہارہ جاؤں گی۔''

''ہاں۔ واقعی یہ خیال اکثر مجھے پریشان کرتا ہے کہ امی جان اب بالکل تنہا رہ جائیں گی۔ تم واقعی اس معاملے میں سنجیدگی سے غور کرو۔ اگر تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہو تو بلا شرم و جھجک مجھے بتاؤ..... میں۔''

''اے کبھی تو عقل سے کام لیا کرو بچی یہ کام تو بہنوں کا ہوتا ہے کہ بھائیوں کے لیے لڑکیاں تلاش کریں اور تم ہو کہ الٹا بھائی سے کہہ رہی ہو کہ وہ اپنے لیے کوئی لڑکی تلاش کرے۔'' صوفیہ بیگم شفق کی بات کاٹ کر چڑتے ہوئے انداز میں بولیں تو شفق نے مسکرا کر آصف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اسی صورت میں نا امی جان جب انہیں کوئی لڑکی نہ مل رہی ہو۔ اور پھر یہ معاملہ تو خالص انہی کا نجی معاملہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اپنی پسند کو ہی ترجیح دیں گے۔'' شفق کے مسکرانے پر آصف سمجھ گئے کہ ان کا اشارہ الماس کی طرف ہے۔ قدرے ناگواری سے بولے۔

''جی ہاں آپ کا خیال درست ہی ہے مگر اس چھوٹے سے آغا پور میں میری پسند کی کوئی لڑکی شاید آپ کو بھی نظر نہیں آ سکے گی۔''

''جی ہاں وہ بھی طوبیٰ آپا کی ٹکر کی۔'' عارف بولا تو صوفیہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم چپ رہو عارف! تمہارا کیا کام ان باتوں میں دخل دینے کا۔''

''جی ہاں۔ ہم تو جیسے کسی لنگور سے انسان بنائے گئے ہیں۔'' عارف منہ پھلا کر بولا۔ مگر اس نے جو کچھ کہا تھا اس کے متعلق طوبیٰ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی اور وہاں سے اٹھ کر باہر چلی آئی۔

صوفیہ بیگم نے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ شفق نے اتنا سمجھایا تھا مگر طوبیٰ کو دل پر بھی ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا کیونکہ پورے پانچ روز ہو گئے تھے اسے آغا بختیار کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیے مگر ان کی طرف سے اب تک ردعمل پیش نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ شام کو شادی کی تاریخ مقرر کرنے آ رہے تھے۔ یہ تو ممکن

ہی نہیں کہ گل داد خان نے ان تک میرا پیغام ہی نہ پہنچایا ہو۔ صاف ظاہر ہے انہوں نے میری بات کو ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی مگر انہوں نے مجھے کیا سمجھ کر ایسا کیا۔ کیا ان کے خیال میں میں اتنی ہی بے حیثیت اور بے وقعت ہوں۔ اور کیا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو چاہیں گے میں بے چوں و چرا اسے تسلیم کر لوں گی۔ نہیں نہیں ایسا کبھی نہ ہوگا۔ کبھی نہیں۔ میں آج سب کے سامنے انہیں ایسی چوٹ دوں گی کہ انہیں سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملے گا۔'' صوفیہ بیگم کے کمرے سے نکل کر طوبیٰ باہر کھڑی سوچتی رہی۔ اس کے اس پر سخت غصہ سوار تھا۔

''اف! وقت بھی تو کتنا قلیل ہے۔ صرف چند گھنٹے۔ شام کو تو وہ لوگ آ ہی رہے ہیں۔ گویا جو کچھ بھی کرنا ہے دوپہر اور شام کے اسی درمیانی عرصے میں ہی کرنا ہے اور جو کچھ وہ کرنا چاہ رہی تھی اس کے بارے میں تو وہ اسی روز سے سوچتی آ رہی تھی جس روز جاگیردار اپنا فیصلہ سنا کر گئے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ سوچ اور سمجھ لینے کے باوجود ایک اتنا بڑا قدم اٹھانے کی اسے ہمت نہیں پڑ رہی تھی حتیٰ کہ آصف کی رکیک باتوں کی وجہ سے غصے میں آ کر اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے باوجود بھی وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی تھی اور اس وقت بھی کوئی عملی قدم اٹھانا اسے بڑا دشوار لگ رہا تھا۔ جب کہ تنگی وقت کے پیش نظر یہی سب سے بہترین موقع تھا کچھ کر گزرنے کا۔ کیونکہ عارف اور آصف سمیت سب ابھی تک صوفیہ بیگم کے کمرے میں ہی بیٹھے تھے اور کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے اس نے اپنے دل سے ایک مرتبہ پھر سوال کیا۔

''جو کچھ کرنا چاہ رہی ہو کیا اس پر ثابت قدم رہ سکو گی؟ کیا دل سے حالات کی اس تبدیلی کو قبول کر لو گی؟

اور کیا شہریار کی محبت کو دل سے نکالنے میں کامیاب ہو سکو گی؟

بتاؤ طوبیٰ۔

اور پھر سب سے بڑھ کر اس کے ساتھ زندگی گزار کر خوش رہ سکو گی؟

کیا تم یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی خوشیوں کا گلا نہیں گھونٹ رہیں۔

اور خالہ بیگم ابھی ابھی یہ جو کہہ رہی تھیں کہ طوبیٰ نے خواہ مخواہ ہی ایک ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا لیا ورنہ ناز و جاگیردار کی بہن پہلے تھیں اور طوبیٰ کی ماں بعد میں اور یہ تو خود جاگیردار کی ہی عزت کا معاملہ تھا۔ گو ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں مگر انہیں کیا خبر کہ یہ میری غیرت اور وقار کا معاملہ ہے۔ کیونکہ وہ آج بھی مجھے لاوارث اور بے یار و مددگار لڑکی سمجھتے ہیں۔ وہی حیثیت دے رہے ہیں جس حیثیت سے کبھی میں ان کے گھر میں داخل ہوئی اور نکالی گئی تھی۔ کبھی تو انہوں نے میرے فیصلے کا ذرا سا بھی نوٹس نہیں لیا۔

اس پر بجیا کہتی ہیں کہ میری عزت اور وقعت وہاں جا کر دو چند ہو جائے گی۔

مگر وہاں سب کو میری ماں کا رتی رتی حال معلوم ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ میں اس گھر میں ایک لاوارث اور مشتبہ لڑکی کی حیثیت سے داخل ہوئی تھی اور بدچلن اور آوارہ سمجھ کر نکالی گئی تھی اور اب وہاں جاگیردار کی بہو کی حیثیت سے قدم رکھوں گی تو یہ سب لوگ ظاہری طور پر نہ سہی مگر دل میں تو وہی سمجھیں گے۔

لاوارث۔ آوارہ اور ایک بھاگی ہوئی ماں کی لڑکی۔

Urdu Photo.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اور پھر سب سے بڑھ کر بڑی آن بان اور شان اور اپنی خاندانی روایات کے رکھوالے پرنس شہریار جنہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا۔

"تو مجھے معلوم نہیں کہ آپ میرے ایک ادنیٰ سے ملازم کے یہاں اتنے عرصے کس حیثیت سے رہیں۔ لیکن میں نے آپ کو پناہ دی ہے تو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ کہیں جانے کا خیال کریں تو اپنے ارادہ سے مجھے ضرور آگاہ کر دیجئے گا۔ چپکے سے اپنی گٹھڑی لے کر بھاگنے کی کوشش کبھی نہ کیجئے گا۔ اور پھول پھینکنے کی حرکت پر بھی۔ کس قدر گہری چوٹ کر گئے تھے۔ جب کہ بات صرف اتنی تھی کہ بہت دن بعد وہ اتفاقاً نظر پڑ گئے تھے اور میں انہیں دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ مگر میری حرکت سے انہوں نے یہی سمجھا اور ظاہر کیا تھا کہ میں ان پر ڈورے ڈال رہی ہوں۔ انہیں بیوقوف بنانے اور پھانسنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ صاف ظاہر تھا کہ ان کو مجھ پر ذرا سا بھی اعتماد نہ تھا۔ اس پر مجھے ہمیشہ یقین کر لے تھے کہ میں ان پر اعتماد کروں۔

اف کیا کوئی کسی کو چاہتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے تو اس قدر اجنبیت اور مغائرت کا اظہار کرتا ہے؟

اسی طرح اپنے محبوب سے پیش آتا ہے؟

قدم قدم پر شکوک، بے اختیاری، بے نیازی اور لاتعلقی جب کہ میں تو آنکھیں بند کر کے ان پر اعتماد کر بیٹھی تھی۔

بالا سوچے سمجھے اور جانے بوجھے ہی دل میں بسا لیا تھا۔

شاید اسی لیے کہ یہ جذبہ ہوتا ہی اندھا ہے۔

اور میں اتنے عرصے کتنی شدت سے انہیں چاہتی رہی۔ ان کی محبت کی ہلکی ہلکی آنچ میں جلتے جلتے میرے دل پر یہ کیسے گہرے گہرے گھاؤ پڑ گئے ہیں۔ یہ دل پر لگے گھاؤ کیسے کاری زخم بن گئے ہیں کہ وقت کا مرہم بھی شاید انہیں کبھی نہیں بھر سکتا۔

اس لیے کہ میرا جذبہ یک طرفہ ہے۔

جو ہمیشہ یک طرفہ ہی رہے گا۔

کیونکہ اگر میں نے شہریار کی رفاقت منظور بھی کر لی.... طور طریق، خیالات، نظریات، رکھ رکھاؤ، عادات و مزاج اور طبیعتوں میں زبردست اختلاف ہمارے درمیان کبھی ذہنی اور قلبی ہم آہنگی نہیں ہونے دے گا۔

وہ ہمیشہ اپنے احساس برتری میں جکڑے رہیں گے اور میں احساس کمتری کا شکار رہوں گی۔ اس پرانے گھر کا پابند اور اصولوں میں جکڑا بے کیف اور بوجھل بوجھل سا ماحول۔

نہیں نہیں۔ میں شہریار کی رفاقت میں زیادہ دیر ان کا ساتھ نہ دے سکوں گی۔ طوبیٰ سوچتی رہی۔ سوچتی گئی۔

پل کی پل میں کسی برقی رو کی طرح یہ خیالات، یہ سوالات اس کے ذہن سے گزرتے چلے گئے اور پھر چشم تصور میں ایک بے حد مہربان سانولا سلونا اور پرکشش سراپا ابھرتا چلا آیا۔

کیپٹن ہشام بن صاحب کا سراپا۔

جو انسان کے بھیس میں کوئی فرشتہ ہی ثابت ہوا تھا اس کے لیے۔

جس نے نہ صرف نہر سے اسے نکال کر اس کی جان بچائی تھی۔

بلکہ جب وہ ہسپتال میں موت و زیست کی کشمکش سے نکل کر اعصابی تناؤ اور ذہنی انتشار کا اس حد تک شکار ہو گئی تھی کہ اس نے میجر صاحب کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا اور نہ صرف یہ وہ ہذیانی انداز میں ڈاکٹروں اور نرسوں سے چیخ چیخ کر کہتی تھی کہ اسے مرنے کیوں نہیں دیا گیا۔

اسے کیوں بچا لیا گیا۔

حتیٰ کہ وہ دوائیں کھاتی تھی نہ کسی اور ٹریٹمنٹ کے لیے آمادہ ہوتی تھی۔

بس تمام وقت روتی اور چلاتی ہی رہتی تھی۔ تو ان مایوس کن لمحات میں کیپٹن ہشام کی دلداری، سلوک اور ہمدردانہ باتوں نے ہی اس کو سہارا دیا تھا۔

اس کے اندر جینے کی لگن پیدا کی تھی۔

وہ جو دراز قامت، سانولا سلونا اور بے حد دلکش نقوش اور پرکشش شخصیت کا حامل تھا۔

اس سے برا بھلا سننے کے باوجود بھی اس کے سامنے ڈٹا رہتا۔ آہستہ آہستہ بڑی نرمی اور رسانیت سے اسے سمجھاتا کہ ابھی اچھے اور مہربان لوگوں سے دنیا خالی نہیں ہوئی ہے۔

اور اس دنیا میں وارد ہونے والے ہر ذی روح کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود اپنے زندہ رہنے کے لیے راہیں متعین کرے اور اپنی مرضی سے ان پر چلنے کی کوشش کرے اور خوش قسمتی سے آپ کے ایک چاہنے اور جان چھڑکنے والے چچا بھی موجود ہیں۔ جنہوں نے آپ کی پریشانی میں اپنی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ کتنے دنوں سے ایک منٹ کے لیے بھی ہسپتال سے باہر نہیں نکلے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے گھر والوں کی شکل تک نہیں دیکھی۔ اور بھی تمہیں عارف کی طرح وہ نہایت شگفتہ مزاج تھا۔ ایسی پر مزاح باتیں کرتا کہ اس کے ہر تاثر سے خالی چہرے پر مسکراہٹ دوڑ جاتی۔ اور بات بھی اتنے دلنشیں انداز میں کرتا کہ دل اور ذہن میں جم کر رہ جاتی۔

وہ کبھی اس سے شکوہ کرتی کہ آپ نے مجھے نہر میں سے نکالا کس وجہ سے میری جان بچائی۔ مجھے مرنے کیوں نہیں دیا تو وہ ہنس کر کہتا۔

"سچ دیکھیں۔ عالم بالا پر ابھی تک پاسپورٹ سسٹم رائج نہیں ہوا جو بعض لوگ زبردستی اور غیر قانونی طور پر وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ اجل آنے کا فلسفہ بھی یہی ہے۔ یعنی جب تک انسان کا وقت نہیں آتا وہ خواہ خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تمام تدبیریں کرے لیکن مرتا نہیں۔ یہی وہ قدرت کی مصلحتوں زندگی کے فلسفے اور زندگی کی معنویت اور اہمیت کے بارے میں ساری تفصیل بتاتا اور کبھی وہ عالم اسباب میں انسان کے وجود کی مقصدیت کے بارے میں بتاتا کہ چونکہ انسان خدا کا نائب ہے اس لیے اس کی زندگی اور جان بھی خدا کی امانت ہوتی ہے اور اپنی ابدی زندگی سنوارنے کی غرض سے اسی دار العمل میں کڑے امتحان سے گزرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ ہشام کی شخصیت کی طرح اس کی باتیں بھی بڑی سحر انگیز ہوتی تھیں اور بڑی دلچسپ اور شروع شروع میں تو وہ یہی سمجھتی رہی تھی کہ یہ سب اس کے حسن کی کارفرمائیاں ہیں جو یہ اجنبی شخص مجھ پر اتنا مہربان نظر آتا ہے اور میری خاطر اپنے خالی وقت کا زیاں کرتا ہے جو کم ہی کسی کو میسر آتا تھا مگر کچھ روز بعد اس کا اپنا خیال بھی

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

باطل ہو گیا۔

کیونکہ ہشام نے کبھی اشارتاً بھی اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس میں اس کی کوئی ذاتی غرض شامل ہوتی یا دل میں چھپے کسی جذبے کی تشہیر ہوتی۔ مگر جس روز وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر میجر صاحب کے گھر آنے لگی اس روز وہ بہت خاموش خاموش اور اداس اداس سا نظر آ رہا تھا اور اسی روز بوقت رخصت طوبیٰ کو اس کی آنکھیں بہت سی ان کہی کہانیاں کہتی نظر آئی تھیں۔

''ملاقات تو ممکن نہیں لیکن کیا کبھی فون پر بات کر سکتا ہوں۔'' اس نے طوبیٰ سے جھجکتے جھجکتے پوچھا اور طوبیٰ کا دل تو چاہا تھا کہ پوچھے کیوں۔ کیا فون پر بات کرنا بہت ضروری ہے۔ اور میں تو یہاں محض ایک مریضہ کی حیثیت سے ٹھہری ہوئی تھی۔ اب جا رہی ہوں تو پھر میرا آپ سے کیا تعلق باقی رہے گا مگر وہ یہ سب نہ کہہ سکی کیونکہ شہریار کے بعد صرف وہی ایک ایسا شخص تھا جو اس کے من کو بھایا تھا جس سے جدا ہوتے ہوئے وہ اپنے دل میں ایک کسک سی محسوس کر رہی تھی۔ گو وہ شہریار کے پاسنگ بھی نہ تھا۔ مگر صرف شکل و صورت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی اور نہ صرف صورت و شکل سے دوسرے کے دل کو مسخر کیا جاتا ہے بلکہ انسان کا اخلاق۔ شرافت اور خلوص ہی پتھر سے پتھر دل کو موم کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہی تو انسانیت کے اصل جوہر ہوتے ہیں جو مس خام کو کندن بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ ہسپتال سے آ کر صرف تین مرتبہ ہی ہشام کا فون آیا تھا اور یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ تینوں مرتبہ اس نے خود ہی اس کا فون ریسیو کیا تھا جب کہ فون پر ہشام کی گفتگو کا انداز یکسر مختلف ہوتا تھا مگر شائستگی اور اخلاق کے دائرے سے اندر ہی رہتا تھا اور وہ اسے اپنا ہمدم اپنا خیر خواہ اور دوست لگتی تھی۔ [illegible] تھی مگر وہ اپنے حالات پر غور کرنے کے بعد ایک یکسر فیصلے پر پہنچ کر [illegible] کہانیوں کو زبان دینا چاہ رہی تھی۔ یا پھر محض دیگر جاگیردار کی دھاندلی کا دندان شکن جواب وہ سب ابھی تک صوفیہ بیگم کے کمرے میں ہی تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی جہاں اس وقت فون رکھا تھا اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کے اندر سے کسی نے ٹوک کر کہا۔

''یہ کیا غضب کر رہی ہو طوبیٰ! تم اپنے ہوش میں بھی ہو؟ تمہاری محبت کیا محض یہیں تک محدود ہے؟

کیا تمہارا جذبہ اس قدر بودا اور کھوکھلا ہے۔

ورنہ محبت میں تو بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں کہ ایک محب کو اپنی جان پر سے بھی گزرنا پڑتا ہے اور تم ابھی سے ہمت ہار گئیں۔''

اُف! اس کا دل اس بری طرح دھڑکا کہ اس کا وجود لرز اٹھا۔

جانے کیسے ہاتھ تھے۔ بھیگے بھیگے۔ جل تھل کرتے۔

جو اس پر سے گزرے تو آنکھوں سے بدلیاں سی برسنے لگیں۔ اور جنہیں بے دریغ بہاتی وہ کچھ دیر ساکت سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔ جانے اس کے بیاہے سچے جذبے میں کچھ دیر کے لیے گھوٹ ٹل جانے پر تاسف کے آنسو تھے۔

یا اپنی بے بسی اور شکست کے احساس کے۔

پھر وہ اتنا کچھ سوچ اور سمجھ لینے کے باوجود بھی اپنے حالات سے سمجھوتا نہیں کر پا رہی تھی۔

پھر تو وہ آنکھوں کو ہاتھ لگائے بلا جنبش ویران اور تاریک سا چہرہ لیے چھم چھم نیر بہاتی

رہی۔

سب سے زیادہ ملال تو اسے اس بات پر تھا کہ حالات نے اسے اس قدر بے بس اور مجبور کر کے رکھ دیا اور گردشِ زمانہ کی چکی میں وہ اس طرح پسی تھی کہ اس کی شخصیت ایسی ریزہ ریزہ ہو کر رہ گئی تھی کہ اسے خود اپنی پہچان بھی نہ رہی تھی۔

اسے وہ دن یاد آ رہے تھے جب ریل کے حادثے میں اس کی امی بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھیں اور وہ اس بھری دنیا میں یک و تنہا اور بے یار و مددگار رہ گئی تھی اور اس کے بیاہتا ہونے کے باوجود عرصے تک اس کی طرف سے مشکوک ہی نظر آتے تھے۔ جبھی تو انہوں نے صوفیہ بیگم کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور خود صوفیہ بیگم نے یہ جاننے کے باوجود بھی کہ عشرت بیگم نے جس لڑکی کو گود لیا تھا وہ نہایت حسین و جمیل تھی اسے شباب کی دہلیز پر کھڑا دیکھ کر نہیں پہچانا تھا اور ان کے نہ پہچاننے کی وجہ سے ہی اسے اتنے شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اتنی ذلت و خواری اٹھانی پڑی تھی۔

ورنہ وہ اگر اسے پہچان لیتیں تو یہ سب ہرگز نہ ہوتا۔

اور اگر یہ سب ہونا مقدر ہی تھا تو کم از کم یہ تو نہ ہوتا کہ جاگیردار سے میری کوئی رشتے داری بھی نکل آتی۔ مجھے تو ابھی بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سب جھوٹ ہے۔ کوئی ڈھونگ ہے۔ کیونکہ ان کو سمجھانے کے باوجود میرا دل یہ ماننے پر کسی طرح تیار ہی نہیں ہوتا کہ جاگیردار میرے سگے ماموں ہو سکتے ہیں۔

[illegible] اور قدرت سے شکوہ تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس کے ساتھ حالات [illegible] ہمدردی کا شکار ہو گئی تھی۔

حتیٰ کہ جب اپنے انہی حالات سے مایوس ہو کر اور تنگ آ کر خودکشی کی کوشش کرنے کے بعد چچا کے ہاں واپس آئی تھی۔ اور صوفیہ بیگم نے اپنی ساری زیادتیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ اپنی ساری محبت اور شفقت اس پر نچھاور کرنے کی صورت میں کیا تھا۔ تب بھی ارتباط اور اپنائیت کے یہ سارے رشتے اپنی مرحومہ ماں (عشرت بیگم) کے توسط سے ہی قائم لگتے تھے۔ اور اسے کسی پر بھی اعتماد نہ تھا کہ یکلخت حالات نے مزید ایک زبردست پلٹا کھایا اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ ہستی جس کی گود میں وہ پروان چڑھی اور جو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھی وہ بھی اس کی سگی ماں نہیں تھی تو اس انکشاف نے تو ہر رشتے پر سے اس کا اعتماد اٹھا دیا تھا۔ اس کے بعد تو ہر رابطہ اور ہر رشتہ اسے باطل اور بودا نظر آنے لگا تھا۔ حتیٰ کہ وہ جس کا تعلق براہ راست دل اور روح سے ہوتا ہے۔ وہ بھی اسے باطل اور جھوٹا نظر آنے لگا تھا۔

جبھی تو صوفیہ بیگم وغیرہ کے اتنا سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ کیپٹن ہشام کا سہارا لینا چاہ رہی تھی لیکن اپنی اس عدم اعتمادی کی وجہ سے ایسا نہ کر سکی تھی۔ مزاج میں طنطنہ اور غیرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی جن حالات سے وہ گزر رہی تھی ان کے پیش نظر جاگیردار نے سب کے سامنے اس کی مرحومہ ماں کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا اسے ذلیل و خوار کیا تھا کہ اب انہوں نے اس کے پیغام کو بھی ذرا سی اہمیت نہیں دی تھی اور ہشام کا تاریخ مقرر کرنے آ رہے تھے۔ اور سارا قصہ اسے اسی بات کا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے اصول سے بندھے ہوئے ماحول سے بھی واقف تھی۔ اور اسے یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ اس کی بے بسی سے یہ لوگ آئندہ بھی خوب خوب فائدہ اٹھائیں گے۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

وہ کچھ دیر تو یہی سوچتی رہی کہ کرے تو کیا کرے۔ پھر معاً اس کے ذہن میں ایک خیال سا کوندا تو اس کے خوبصورت چہرے کی ساری ویرانی اور ساری تھکاوٹ یک لخت کافور ہوگئی۔ خیال تو بہت ہی نیک اور بہت ہی عمدہ ہے لیکن امکانات.....؟ خیر اس طرح کم از کم ان لوگوں کا اندازہ تو ہو ہی جائے گا کہ کتنے پانی میں ہیں؟

اس نے یہی سب سوچ کر جلد جلد اپنے آنسو پونچھے اور ذوالفقار محل کا نمبر ڈائل کیا۔ حسن اتفاق سے شہریار اسی وقت کھانا کھانے کی غرض سے باپ کے کمرے میں آئے تھے۔ اس لیے انہوں نے ہی اس کا فون ریسیو کیا۔

''ہیلو۔ ہوز اسپیکنگ؟'' انہوں نے حسب عادت پوچھا تو طوبیٰ کو اپنے ہاتھ پاؤں چھوٹتے سے لگے۔ دھڑکنیں بھی یکبارگی منتشر سی ہوگئیں۔ ایک دم ہی کچھ کہا بھی نہ جا سکا۔

''ہیلو بھئی آخر کون بول رہا ہے؟'' جواب نہ ملنے پر شہریار جھلا اٹھے۔

''سنیں۔ شہریار صاحب۔ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگ آج شام کو یہاں آ رہے ہیں۔'' آخر طوبیٰ خود پر بڑی حد تک قابو پا کر بولی۔

نہ سلام نہ دعا..... یہ بلا تمہید بات کرنے کا انداز شہریار کو ذرا اچھا نہ لگا۔

''ہاں ٹھیک ہی سنا ہے آپ نے۔ لیکن صرف آغا جان اور شہوار ہی آ رہے ہیں۔ میرا وہاں آنے کا کوئی ارادہ نہیں۔'' شہریار نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

''خیر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون آ رہا ہے اور کون نہیں۔ میں نے تو صرف یہ معلوم کرنے کی غرض سے فون کیا تھا کہ.....'' تو شہریار قطع کلام کر کے بولے۔

''میں آپ کی بات کی غرض و غایت جاننے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مجھ جان ناتواں پر یہ اتنا عتاب کیوں نازل کیا جا رہا ہے۔ آخر مجھ سے ایسی کیا تقصیر ہوگئی؟'' شہریار کا لہجہ گلہ آمیز تھا۔

''ان ساری شکایات کا جواب آپ گل داد خاں سے طلب کیجیے۔ کیا اس نے میرا پیغام آپ تک نہیں پہنچایا؟'' وہ تلخ سے انداز میں بولی۔

''جی ہاں۔ ہمیں آپ کا پیغام مل گیا تھا۔''

''اور اس کے باوجود بھی آپ کے والد بزرگوار شام کو تشریف لا رہے ہیں؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں۔ کیونکہ آغا جان ہر بات سے لاعلم ہیں۔ ہم نے انہیں آپ کی ہٹ دھرمی سے آگاہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' شہریار نے بھی اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

''نہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ آپ کی نظروں میں میری بات کی کوئی وقعت نہیں ہے اس لیے آپ نے اسے اہمیت نہیں دی۔'' طوبیٰ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا کہ اس کے فیصلے سے آغا مختیار کو لاعلم رکھا گیا ہے۔

''آپ نہ معلوم کس وجہ سے اتنے کمپلیکسز کا شکار ہوگئی ہیں ورنہ میں نے تو آغا جان کو اس لیے نہیں بتایا کہ ہمارے یہاں بزرگوں کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ اور آغا جان قسمت سے میرے والد ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کی طرف سے ان کا امپریشن خراب ہو۔ وہ بھی اس صورت میں کہ آپ کی محبت میں وہ اپنی اکلوتی اولاد کو بھی بھلا بیٹھے ہیں۔'' شہریار نے کڑوے کسیلے لہجے میں کہا۔

''خیر ان کا امپریشن تو بہت پہلے ہی خراب ہو چکا ہے۔'' طوبیٰ نے ان کی باتوں کو نظر انداز کر کے کہا۔

''افوہ۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے طوبیٰ۔ آپ تو خاصی سمجھدار اور معاملہ فہم ہیں۔ پھر اتنی سی بات کو اپنے وقار کا مسئلہ کیوں کر بنا لیا جب کہ آپ سے زیادہ یہ میرے عالی مرتبت باپ کی عزت کا معاملہ ہے۔ اور پھر انہوں نے بزرگ ہوتے ہوئے بھی آپ سے معذرت تو کر لی ہے۔ آپ کچھ تو سمجھنے کی کوشش کیجیے طوبیٰ۔'' اس کے اس قدر غیر روادارانہ اور گستاخانہ انداز میں بات کرنے کے باوجود شہریار نے نہایت رسانیت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ انداز سمجھانے کا سا تھا۔

''جی ہاں۔ میں خوب سمجھ گئی ہوں۔ اور اپنے رویے پر نادم بھی ہوں۔ اور یہ بھی بہت اچھا ہوا کہ براہ راست آپ سے رابطہ قائم ہو گیا کیونکہ میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ صرف ایک شرط پر آپ کے والد کی دیرینہ خواہش کا احترام کر سکتی ہوں۔''

''کیسی شرط؟'' ادھر سے تیکھے انداز میں پوچھا گیا۔

''یہی کہ اگر آپ کے والد صاحب یعنی کہ میرے ماموں جان آصف بھائی کو اپنی فرزندی میں لے لینا گوارا کر لیں تو میں بھی بسر و چشم.....'' طوبیٰ نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی اور ادھر کچھ دیر تو سناٹا چھایا رہا پھر شہریار کی برہم سی آواز آئی۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے طوبیٰ۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شہوار اسفندریار سے منسوب ہیں۔ پھر ایسی شرط لگانے سے فائدہ جو پوری نہ کی جا سکے یا جس کے پورے ہونے کا کوئی امکان ہی نہ ہو۔''

''میں یہ سب نہیں جانتی مسٹر شہریار۔ میں خود غرض اور ناانصاف نہیں ہوں۔ آصف بھائی کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اس کا ازالہ بھی اسی صورت میں ہو سکتا ہے لیکن ایسا کوئی قدم اٹھانے سے تو آپ کی خاندانی روایات مجروح ہو جائیں گی نا؟''

''سوال روایات کے مجروح ہونے کا نہیں ہے طوبیٰ بلکہ اس رشتے کا ہے جو بہت عرصے سے بندھا ہوا ہے۔ اگر اسے توڑ دیا تو روایات ہی کیا ہم خود بھی مجروح ہو جائیں گے اور پھر ہم نے یا آپ نے تو آصف پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ یہ جو کچھ بھی ہوا قدرت کی طرف سے ہی ہوا ہے۔'' سخت کوفت اور غصے کے باوجود بھی شہریار نہایت تحمل سے کام لے کر بولے۔

''جی ہاں۔ یہ تو میں مانتی ہوں لیکن ذرا سوچیے اگر یہ سب نہ ہوتا یعنی وہ میرے ہمشیر ثابت نہ ہوتے تو پھر کیا ہوتا۔ کیا وہ اتنی آسانی سے آپ کے حق میں مجھ سے دستبردار ہونا گوارا کر لیتے؟'' طوبیٰ ان کی کسی بات کا کوئی بھی اثر لیے بغیر بولی۔

''پھر تو یہ بھی حالات پر ہی موقوف ہوتا یعنی اس صورت میں بھی آپ کو حاصل کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر کرنی پڑتی۔ خیر اگر آپ ازالہ ہی کرنا چاہتی ہیں تو آصف کے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہاں آغا پور میں بھی کوئی نہ کوئی تو مل ہی جائے گی۔'' شہریار اس کی برافروختہ کر دینے والی باتوں کو اب بھی طول ہی دیے جا رہے تھے۔

''مگر یہاں آغا پور میں تو صرف قبائلی لڑکیاں ہی دستیاب ہو سکیں گی جناب پرنس۔''

طوبیٰ نے چوٹ کرنے کے انداز میں کہا تو غصے سے شہریار کا خوبصورت چہرہ سرخ پڑ گیا۔ دل تو چاہا

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کہ اسے بے نقط سنا ڈالیں مگر باپ سامنے ہی بیٹھے تھے اسی لیے وہ پھر ضبط سے کام لے کر بولے۔
''مگر قاتل لڑکیاں اچھے اچھوں کو بھی گھاس نہیں ڈالتیں اور جو کچھ تم چاہ رہی ہو وہ کبھی نہیں ہو سکتا کسی قیمت پر بھی نہیں اگر شیری پہلے سے منسوب بھی نہ ہوتی تب بھی نہیں۔ اور میں کوئی ایسی بے ضابطگی کی بات خصوصاً تمہارے منہ سے سننا پسند نہیں کرتا۔ اور اگر یہ ان لوگوں کا پیدا کردہ کوئی فتنہ ہے تو میں ان سے بھی اچھی طرح نمٹ لوں گا۔'' شہریار آخر کہاں تک ضبط کرتے مگر ان کا لہجہ محتاط اور آواز نیچی تھی۔ لیکن طوبیٰ اپنی ہی بات اونچی رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے بھی بڑے درشت لہجے میں کہا۔
''تو آپ کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے اتنا تکدر بھرا ہوا ہے ورنہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں اس میں کسی کا دخل برداشت نہیں کر سکتی۔''
''ہوں۔ اگر یہی بات ہے تو اب کوئی معاملہ بھی آپ کا ذاتی معاملہ نہیں رہا بلکہ ہر معاملے میں آپ کا برابر کا حصہ دار ہوں۔ سمجھیں آپ۔'' شہریار اس کی کسی بات کو بھی نہیں گردان رہے تھے طوبیٰ بھلا کیسے یہ برداشت کر لیتی۔ بگڑ کر بولی۔
''میں کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتی۔ بس آپ اپنے والد سے صرف اتنا کہہ دیجیے کہ وہ شام کو یہاں آنے کی زحمت گوارا نہ کریں۔''
''نہیں۔ میں یا آغا جان آپ کی کسی بھی ایسی شرط کے پابند نہیں ہیں۔ آغا جان اور شہوار آج وہاں ضرور آئیں گے۔ بلکہ اب تو مجھے بھی ان کے ساتھ آنا پڑے گا۔'' شہریار نے بھی جیسے اس کی کوئی پیش نہ چلنے دی۔ اور وہ ابھی ان کی اس بات کا جواب ہی سوچ رہی تھی کہ انہوں نے پھر کہا۔
''سنیں طوبیٰ یہ اندازہ تو آپ کو بھی ہوگا کہ مجھے لفظوں کی آرائش سے ... میں خوبصورت الفاظ میں بات کو پرو کر پیش کرنے کا عادی ہوں۔ میں تو صرف آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جس روز آپ آغا جان کے غصے کا شکار ہو کر میرے گھر سے نکلی تھیں۔ اس روز میں نے قسم کھائی تھی کہ آپ کا کھوج لگانے کی مقدور بھر کوشش کروں گا اور اگر ناکام رہا تو اپنی ساری عمر آپ کے انتظار میں ہی گزار دوں گا اور شاید یہ میرے جذبے کی صداقت کا نتیجہ ہی تھا کہ آپ مجھے ملیں بھی تو میری امانت کی صورت میں ہی۔''
شہریار یہ جو کچھ بھی کہہ رہے تھے اپنے غصے اور تپے میں طوبیٰ کو بناوٹ ہی لگ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ کہے ''مگر اس سے پہلے تو آپ ہمیشہ میری طرف سے مشکوک ہی نظر آتے تھے۔ پھر اچانک یہ قسم کھانے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟'' مگر اس سے یہ کچھ بھی نہ کہا جا سکا۔
''حسین لوگوں کا یہ بھی خاصہ ہوتا ہے کہ وہ شکوہ بھی کرتے ہیں۔ ناز بھی اٹھواتے ہیں اور ترساتے تڑپاتے بھی بہت ہیں۔ اب اتنے دن تک تڑپانے اور ترسانے کے بعد فون بھی کیا ہے تو اتنے بگڑے موڈ میں کہ اپنے جذبے کو زبان دینے کی ہمت بھی نہیں کر سکا۔ جس نے ایک عرصے سے میرا چین دا... بھی اوٹ رکھا ہے۔'' شہریار پھر بولے تو اس نے بگڑ کر کہا۔
''میں کچھ نہیں جانتی شہریار صاحب۔ میری صرف ایک ہی شرط ہے۔ اگر آپ لوگوں کو منظور ہو تو پھر یہاں آنے کی زحمت بھی گوارا نہ کریں۔'' اور شہریار کا دل چاہا کہیں کہ ابھی آنے والے پر چار حرف ... کوئی ایسا ہی منہ توڑ جواب۔ مگر انہوں نے نہایت برہمی سے کہا۔
''اوہ ڈیم اٹ۔'' اور پھر اتنے زور سے ریسیور پٹخا کہ دوسری طرف بیٹھی طوبیٰ دہم سی ہو کر رہ گئی۔

اس نے ان کا سارا موڈ غارت کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ تو اتنے عرصے بعد اس کی آواز سن کر اور اس سے مخاطب ہو کر کھلے پڑ رہے تھے۔ اور خود پر بہت ضبط کر کے اس کی تلخ اور قدرے گستاخانہ باتوں کو برداشت کرتے ہوئے اس کی غلط فہمی دور کرنے میں کوشاں تھے۔ بلکہ اسے اپنے جذبات اور احساسات سے آگاہ کرنا چاہ رہے تھے۔ اور وہ تھی کہ ان کی اور ان کے قابل صد احترام باپ کی اہانت کرنے پر تلی نظر آ رہی تھی۔ گو غصہ تو انہیں ایسا آ رہا تھا کہ وہ اس رشتے کو یہیں سے ختم کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے مگر باپ سامنے ہی بیٹھے تھے اور وہ باپ کے علم میں اس معاملے کو لانا نہ چاہتے تھے۔ ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر باہر جانے لگے تو باپ نے پوچھا۔
''کس کا فون تھا شہری؟'' تو شہریار کا دل چاہا کہ بتا دیں یہ آپ کی اسی بے مروت بھانجی کا فون تھا جس کے لیے آپ ہر دم کڑھتے اور رنج کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر انہوں نے بھاری لہجے میں کہا۔
''میرے ایک واقف کار کا فون تھا آغا جان۔'' اور پھر باہر جانے لگے۔
''ٹھہرو شہری۔ پہلے کھانا کھا لو پھر کہیں جانا۔'' باپ یہی سمجھے کہ انہیں اچانک کوئی ضروری کام پڑ گیا ہے۔ باپ کے روکنے پر شہریار نے رک کر ان سے کہا۔
''کھانے ہی کا پرابلم سالو کرنا ہے آغا جان۔''
''کیا مطلب؟ کیا تمہارا وہ واقف کار بھوکا ہے؟'' آغا بختیار کی بال کی کھال نکالنے کی عادت تھی۔
''اصل میں میرا ایک دوست فارنر ہے۔''
''فارنر ہے اور تم اس سے اردو میں بات کر رہے تھے تعجب ہے۔''
''وہ... وہ آغا جان اسے اردو بھی آتی ہے۔'' شہریار یہ کہہ کر بڑا ہنستے گئے۔
''ٹھیک ہے جاؤ۔ مگر جلدی آ جانا۔'' آغا بختیار بیٹے کی باتوں سے مطمئن نہیں ہوئے تھے شہریار کو جانا تو کہاں تھا۔ سخت کوفت اور غصے کے عالم میں سیدھے اپنے کمرے میں آ گئے اور طوبیٰ کی بے جا اور غیر روادارانہ باتوں پر پیچ و تاب کھاتے جانے کیا سوچتے رہے۔
دوپہر کا وقت تھا اور سب آرام کرنے کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں لیٹے تھے۔ شوکت حسین چونکہ صبح سے گلپاشی گئے ہوئے تھے۔ اس لیے شفق کھانے کے بعد بچے کو سلا کر ماں کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ جب سے شوکت حسین آئے تھے طوبیٰ صوفیہ بیگم کے کمرے میں سونے لگی تھی۔ لیکن چونکہ اس روز شوکت حسین گئے ہوئے تھے طوبیٰ شفق کے کمرے میں ہی لیٹ گئی تھی۔ اس نے غصے اور جھنجھلاہٹ میں ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا۔ بس چند لقمے بمشکل حلق سے اتار سکی تھی اور شفق کے کمرے میں آ کر اپنے خیالات میں ابھی ابھی سوئی تھی اور ماں کے پاس بیٹھی شفق اسی کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں کہ عارف گھبرایا ہوا سا اندر داخل ہوا اور بولا۔
''بجیا۔ وہ شاید چھوٹے جاگیردار صاحب آئے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک خاتون بھی ہیں۔''
''خدا خیر کرے وہ اس وقت کیسے آ گئے؟'' شفق گھبرا کر اٹھتی ہوئی بولیں۔
''اب مجھے کیا معلوم!'' عارف کندھے اچکا کر بولا۔
''ارے تم نے انہیں اندر بھی بٹھایا؟'' صوفیہ بیگم بھی بڑی متجسس سی دکھائی دے رہی تھیں۔
''نہیں۔ ابھی تو وہ کار ہی میں بیٹھے ہیں۔'' عارف لاپروائی سے بولا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''تو تم جا کر جلدی سے انہیں اندر تو بٹھاؤ۔'' شفق عجلت سے بولیں۔

''سوری بجیا۔ یہ کام گل ہی بہتر طور پر کر سکتا ہے۔ میرا تو ان سے تعارف بھی نہیں ہوا۔'' عارف منہ بنا کر بولا۔

''تو یہ ہے۔ تم کون سے لاٹ صاحب ہو جو بلا تعارف ان کے سامنے نہ پڑو گے۔'' شفق باہر کا رخ کرتی ہوئی بولیں۔

''یہ کون سی تہذیب ہے۔ بچے جاؤ جلدی سے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔'' صوفیہ بیگم نے فہمائشی انداز میں کہا۔

''بٹھا دیا بٹھا دیا امی جان۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔'' عارف ان کے پاس ہی بیٹھتا ہوا بولا۔

''اے تم یہاں کیوں بیٹھ رہے ہو۔ جاؤ بہن کے ساتھ مہمانوں کی آؤ بھگت کرو۔'' صوفیہ بیگم فوراً سے ٹوکا۔

''نہیں امی جان۔ مجھے شرم آتی ہے اور پھر میرا لباس بھی تو ٹھیک نہیں۔'' عارف نے چہرہ جھکا کر کہا تو صوفیہ بیگم غور سے اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''لباس تو برا نہیں اور آج یہ انوکھی بات کیا ہوئی کہ تم کو شرم بھی آ رہی ہے۔ مجھے تو تم کچھ خائف نظر آ رہے ہو۔''

''جی ہاں امی جان' ظاہر ہے وہ لوگ اتنے بڑے بھی تو ہیں ڈر تو لگنا ہی چاہیے۔'' عارف [illegible] ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

''اے جا بچے بے وقوفی کی باتیں نہ کر۔ جا کر دیکھ بھال کر کسی چیز کی ضرورت تو نہ ہو۔ آخر سمدھیانے والے ہیں۔ نہ معلوم اس وقت کیوں آئے ہیں جا کر یہی دیکھ لو۔'' صوفیہ بیگم بھی اس کے رگ و ریشے سے واقف تھیں۔ انہوں نے دھمکانے کا سا انداز اپنایا تو عارف سر کھجاتا ہوا اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

شہریار اور شہوار کے اچانک آ جانے کی خبر پا کر شفق کچھ اس طرح بوکھلائیں کہ اپنے بے ترتیب بالوں کو سنوارنے کا خیال بھی نہ رہا۔ لباس بھی وہ گھریلو سا پہنے ہوئے تھیں۔ صوفیہ بیگم کے کمرے سے ہی پہلے گل کو پکارا۔ پھر خود ہی کچن کی طرف لپکیں۔ مگر کچن خالی پڑا تھا۔ آخر انہوں نے خود ہی تیزی سے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچیں تو شہریار سامنے ہی کھڑے نظر آئے۔ مگر وہ تنہا تھے اور ان کے چہرے سے..... پریشانی ہویدا تھی۔ شفق خود بھی ان کے بے وقت آنے سے نروس سی ہو رہی تھیں۔

اس پر کسی حد تک حلیے سے بے حلیہ یعنی انہوں نے میک اپ بھی نہیں کر رکھا تھا۔ شاید صبح ہی کسی وقت لپ اسٹک لگائی تھی جو کھانے پینے میں ہونٹوں پر کہیں کہیں سے بالکل ہی اتر گئی تھی۔ بال بھی بے ترتیب سے تھے اور لباس بھی۔ اس پر مستزاد شہریار کی اچانک آمد پر چہرے پر چھایا تردد اور تجسس۔ شہریار نے بڑے اوپری سے انداز میں ہاتھ کے اشارے سے انہیں سلام کیا اور غور سے ان کی شکل دیکھنے لگے۔

''کہیے۔ سب خیریت تو ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔ تو جواب میں رشتے کی نزاکت کو ملحوظ

ہوئے یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے ہاں تو خیریت ہے۔ مگر آپ اپنی سنائیے۔ آپ نے اس وقت کیسے زحمت کی۔ ویسے بھی وہ ان کے دیکھنے کے انداز پر کچھ زیادہ ہی متجسس ہو گئی تھیں۔

''جی ہاں' مگر آپ تشریف تو رکھیں۔'' وہ یہی کہہ سکیں۔

شہریار چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئے۔ مگر ان کے ہر انداز سے ایک بے چینی سی ہویدا تھی۔ شفق نے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔

''بھئی واہ۔ آپ سے تو چند گھنٹے بھی صبر نہ ہو سکا مگر جناب اطلاعاً عرض ہے کہ اب کچھ روز کے لیے آپ سے ان کا پردہ کرا دیا گیا ہے اور اب وہ آپ کے سامنے نہیں آئیں گی۔'' شفق نے یہ بات محض اپنا تجسس دور کرنے کی غرض سے کہی تھی مگر شہریار کو ان کی یہ بات شاید بہت ہی ناگوار گزری۔ انہوں نے ناگوار سے لہجے میں کہا۔

''مگر ہم اس وقت کسی خوش وقتی میں یہاں نہیں آئے۔ آپ ہمیں یہ بتائیے کہ طوبیٰ کیسی ہیں؟''

بات کرنے کا انداز تیکھا ہی نہیں چبھتا سا تھا۔

شفق یہی سمجھیں کہ ان کا مذاق شہریار کو بہت ناگوار گزرا ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ مسکرا کر بولیں۔

''کس اعتبار سے؟ کیونکہ ویسے تو ماشاء اللہ خوب ٹھیک ٹھاک ہیں۔''

''تعجب ہے۔'' شہریار نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

''کس بات پر؟'' شفق کی سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے بھی تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''اس پر کہ طوبیٰ خیریت سے ہیں اور ہمیں آپ کو اس وقت زحمت دینی پڑی۔'' شہریار کے لہجے میں بیزاری صاف عیاں تھی۔ شفق کو ان کا لب ولہجہ ناگوار سا گزرا۔

''نہیں۔ زحمت تو آپ کو اٹھانی پڑی کہ اس جلتی دوپہر میں یہاں آئے ہیں۔''

''نہیں۔ آئے نہیں بلکہ بلائے گئے ہیں۔'' شہریار چبھتے سے لہجے میں بولے۔

''اچھا۔ بلائے گئے؟'' شفق نے متحیر انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں۔ ورنہ ہم تو آرام سے اپنے کمرے میں لیٹے تھے کہ شہوار حیران و پریشان سی کمرے میں داخل ہوئیں اور کہنے لگیں کہ آپ ہمارے ساتھ فوراً چلیے طوبیٰ کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' شہریار کے ہر انداز سے آج بے رخی برس رہی تھی۔ شفق ان کی طرف دیکھ کر ایک دم ہی ہنس پڑیں۔

''اچھا تو یوں کہیے کہ شہوار بہن نے اس بہانے ملاقات کا ایک موقع فراہم کیا ہے؟''

''نہیں۔ شہوار تو بھول کر بھی ایسی حماقت نہیں کر سکتیں۔ خیر وہ بھی ہمارے ساتھ ہی آئی ہیں' ابھی ہم ان سے پوچھ لیں گے۔'' شہریار کچھ زیادہ ہی سنجیدگی سے بولے۔

''اچھا' کیا وہ بھی آئی ہیں۔ مگر وہ اندر کیوں نہیں آئیں؟'' اصل میں عارف کے یہ بتانے پر کہ شہریار کے ساتھ ایک خاتون بھی آئی ہیں۔ شفق نے ڈرائنگ روم میں آ کر جب شہریار کو ہی تنہا دیکھا تو اپنی گھبراہٹ اور بدحواسی میں انہیں خیال ہی نہ آیا کہ عارف نے کیا کہا تھا۔ اور اب شہریار کے جتانے پر کہ شہوار بھی ان کے ساتھ آئی ہیں وہ یہی سمجھیں کہ شاید وہ ابھی تک کار ہی میں بیٹھی ہیں۔

''وہ باہر کار میں نہیں بیٹھیں بلکہ اندر طوبیٰ کی خیریت معلوم کرنے گئی ہیں۔'' شہریار نے بتایا تو شفق کو سب سے پہلے اپنے کمرے کی ترتیب کا خیال آیا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"اچھا کیا واقعی؟ کمال ہے۔ میں نے تو انہیں دیکھا بھی نہیں ہاں۔ مگر میں تو امی جان کے کمرے میں تھی اس وقت۔" شفق کھڑی ہوئی ہوئی بولیں۔

"یہ گل ہی انہیں اندر لے گیا ہوگا۔ مگر ہے سدا کا احمق۔ اس نے مجھے بتایا تک نہیں۔" انہوں نے اٹھ کر کہا۔

"نہیں وہ گل تو نہیں تھا کوئی اور ہی تھا۔ کوئی دوسرا لڑکا۔" شہریار نے بھی اٹھتے ہوئے کہا تو شفق فوراً سمجھ گئیں کہ ہو نہ ہو وہ عارف ہی ہوگا۔

"اوہ تو پھر عارف نے آپ کو ریسیو کیا ہوگا۔ ہاں ہاں انہوں نے مجھے بتایا تو تھا کہ آپ کے ساتھ ایک خاتون بھی آئی ہیں۔"

شفق ابھی اسی قدر کہنے پائی تھیں کہ عارف ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور شفق منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ اس نے اپنی اسٹیل گرے پینٹ پر جو وہ پہنے ہوئے تھا آصف کی سیاہ گرم شیروانی پہن رکھی تھی اور آنکھوں پر ڈارک گلاسز چہرے پر بھی کچھ ایسی حماقت طاری کر رکھی تھی کہ شفق دانت کچکچا کر رہ گئیں۔ جی تو چاہا کہ اس کا کان پکڑ کر اسے کمرے سے نکال باہر کریں مگر شہریار کی وجہ سے انہوں نے اپنے غصے پر قابو پا کر شہریار سے پوچھا۔

"یہی تھے نا وہ جنہوں نے آپ دونوں کو ریسیو کیا تھا؟" اور پھر انہوں نے بڑھ کر عارف کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مگر کچھ اس طرح انگلیاں گڑو کر کہ عارف سسک کر کے رہ گیا۔

"جی ہاں۔" عارف کی ہیئت کذائی پر اتنے خراب موڈ میں بھی شہریار کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"یہ میرے چھوٹے بھائی عارف ہیں لیکن اتنے معصوم اور احمق نہیں ہیں جتنے نظر آ رہے ہیں۔" شفق نے شہریار سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ شہریار نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن ان سے ہاتھ ملانے کے بجائے تھوڑا سا پیچھے سرک کر عارف نے سلام کرنے پر اکتفا کیا اور اس کی اس حرکت پر..... شفق چیں بجبیں ہو کر رہ گئیں۔ شہریار اسی کی طرف متوجہ تھے شفق جلدی سے بولیں۔

"تم نے مجھے بتایا بھی نہیں کہ شہزادی شہوار کو طوبیٰ کے کمرے میں پہنچا کر آ رہے ہو۔"

"کیسے بتاتا' آپ تو کچھ اتنی خائف ہو گئی تھیں ان لوگوں کے آنے کی خبر سن کر کہ میں بھی مارے امی جان کے کمرے میں چھپا رہا۔" عارف نے حد درجہ بھولپن سے کہا تو شہریار اس کی بات پر مسکرانے لگے اور شفق کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ اگر شہریار کی موجودگی کا لحاظ مانع نہ ہوتا تو یقیناً وہ اس کا ایک آدھ تھپڑ جڑ دیتیں۔ وہ اندر شہوار کے پاس جانا چاہ رہی تھیں مگر اس ڈر سے کہ کہیں عارف شہریار سے الٹی سیدھی ہانکنے نہ بیٹھ جائے وہ دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہتی پھر صوفے پر بیٹھ گئیں تو عارف نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"ارے آپ اندر جائیے نا بیچاری معلوم وہاں آپ کی مہمان کا کس طرح استقبال ہو رہا ہو۔؟"

گو عارف نے کہا تو بہت آہستہ سے تھا مگر شہریار نے سن لیا۔ وہ گھبرا کر پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں بھی آپ کے ساتھ اندر چلتا ہوں۔" انہوں نے عجیب سے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا تو شفق کھا جانے والی نظروں سے عارف کو گھور کر بولیں۔

"جی ہاں۔ بائی آل مینز۔ ضرور چلیے۔" انہیں مجبوراً یہی کہنا پڑا جب کہ وہ شہریار کو اندر لے جانے کے حق میں نہ تھیں اور ابھی شہریار کے ساتھ اندر جانے کے ارادے سے اٹھ ہی رہی تھیں کہ شہوار خود ہی آ گئیں۔ شفق بڑھ کر ان سے گلے ملیں اور ان کی آمد اور اندر جانے پر اپنی لاعلمی کا اظہار کر کے گویا اپنی صفائی پیش کرنے لگیں۔ اپنی باتوں کی روانی میں انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ شہوار کے چہرے سے کیسا تاثر ہویدا ہے یا ان کا موڈ کیسا ہو رہا ہے۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکیں تو شہوار نے بیٹھتے ہوئے بڑے ناگوار سے لہجے میں بھائی سے کہا۔

"ناحق ہی آئے ہم لوگ اس وقت۔ بیکار میں ان لوگوں کو بھی زحمت دی ورنہ طوبیٰ تو ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"ہاں یہ اطلاع مجھے بھی مل چکی ہے۔" شہریار کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"مگر تعجب ہے اتنی غلط اطلاع کیوں دی گئی تھی ہمیں۔" شہوار نے بھی تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

"کیسی اطلاع؟" شفق نے چونک کر پوچھا۔ انہیں شہوار کے بات کرنے کا انداز ذرا نہیں بھایا تھا۔

"ہم سونے کے لیے لیٹے تھے کہ آپ کے یہاں سے فون پر کسی بچی نے اطلاع دی کہ طوبیٰ پر کوئی جنونی سا دورہ پڑ گیا ہے۔ وہ برتن توڑ رہی ہیں' کپڑے پھاڑ رہی ہیں' بال نوچ رہی ہیں اور دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر خود کو زخمی کر لیا ہے۔ ان کی جان خطرے میں ہے اور ہمیں فوراً یہاں پہنچنا چاہیے۔" شہوار نے بڑے جلے کٹے انداز میں بتایا۔

"ہائیں۔ تعجب ہے ہمارے یہاں تو کسی بچی کا دور دور تک وجود نہیں۔ صرف میرا بچہ ہی ہے۔ وہ بھی چند ماہ کا۔" شفق کی ایک دم ہی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے متحیر سے الجھے الجھے انداز میں کہا۔

"آہا سمجھ گیا..... سمجھ گیا۔ یقیناً یہ گل کی کارستانی ہوگی۔ اسی نے فون کیا ہوگا۔" عارف جو اتنی دیر سے ہونقوں کی طرح سب کا منہ تک رہا تھا' ایک دم ہی بھڑک کر بولا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔ گل کی آواز تو بھونپوں کی سی ہے خصوصاً فون پر تو وہ ایسا زہرہ پھاڑ کر بولتا ہے کہ کئی مرتبہ ڈانٹ بھی پڑ چکی ہے اسے اور پھر اسے ایسا بیہودہ مذاق کرنے کی بھلا کیا ضرورت پڑی تھی۔" شفق نے اسے گھرکا۔

"بیہودہ مذاق؟" عارف نے آنکھیں بھینچ کر کندھے اچکائے۔

"ہاں یہ بیہودہ مذاق نہیں سخت بداخلاقی ہے۔ بلاوجہ ہی دوسرے کو پریشان کرنا۔" شہریار نے برہم سے انداز میں کہا۔

"بے شک بے شک۔ ویسے بھی آج صبح سے چھوٹے آغا کی طبیعت ناساز تھی۔" شہوار بھی تیوری پر کئی بل ڈال کر بولیں۔

"جی ہاں۔ اگر نہ بھی ہوتی تو بھی یہ کوئی شرافت تھی بھلا اس بھری دوپہر میں پریشان کرنے کی مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ بچی کون ہو سکتی ہے جس نے یہ حماقت کی؟" شفق اپنے دماغ پر زور ڈالتی ہوئی بولیں۔

"او..... یس ناؤ آئی ہیو کم ٹو دی پوائنٹ!" عارف نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"یہ طوبیٰ آپا خود ہی ہو سکتی ہیں۔ تبھی تو کھانا کھاتے ہی چپکے سے کھسک گئی تھیں۔ اور جب میں

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ڈرائنگ روم سے باہر نکلا تھا تو پیٹ پکڑ پکڑ اتنا ہنس رہی تھیں کہ مجھے بھی بے ساختہ ہنسی آ گئی۔'' عارف نے پھر اپنا قیاس لڑایا۔ اس کے کہنے کا انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ شہوار کو ہنسی آ گئی مگر شہریار شکن آلود پیشانی لیے خاموش ہی بیٹھے رہے۔

''بے کار باتیں نہ کرو جاؤ گل سے کہو کہ کولڈ ڈرنکس وغیرہ لے کر آئے۔'' شفق کو آخر اسے ڈانٹنا ہی پڑا۔

''نہیں شکریہ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ ہم بس ابھی جا رہے ہیں۔'' شہوار جلدی سے بولیں۔

''ارے واہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جاؤ بھئی جا بھی چکو کسی طرح۔'' شفق نے بڑی بیزاری سے پھر عارف کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ اس کے لباس سے زیادہ اس کی بے تکی حرکتوں اور الٹی سیدھی باتوں کی وجہ سے اپنے مہمانوں کے سامنے گڑی جا رہی تھیں۔ ان کے کہنے پر عارف فوراً ہی اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''یہ آپ کے چھوٹے بھائی ہیں نا؟'' عارف کے جانے کے بعد شہوار نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں۔ قسمت سے یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔'' شفق جلے کٹے انداز میں بولیں۔

''بڑا افسوس ہوا ان کے بارے میں سن کر۔'' شفق کے انداز پر شہوار نے دردمندی سے کہا۔

''ہائیں کیا سن کر؟'' شفق نہ جانے کیا سمجھیں انہوں نے چونک کر پوچھا۔

''اگر کچھ سنا بھی ہے تو خاموش ہی رہو۔'' شہریار نے اپنی زبان میں بہن کو ٹوکا۔

''نہیں ایسی کوئی بے جا بات تو نہیں ہے چھوٹے آغا بلکہ یہ تو ہمدردی کی ہے۔'' شہوار نے بھائی کو جواب دیا اور پھر شفق سے بولیں۔

''ہمیں واقعی بڑا دکھ پہنچا ہے یہ جان کر کہ ان کے بھائی مینٹل ہیں مگر اس وقت تو بڑے سینس میں بات کر رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں مگر چونکہ پاپا اور امی جان مجھے اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے اس لیے زبردستی مینٹل ہاسپٹل میں بھیج دیتے ہیں۔ اور جب میں وہاں کے دہشت زدہ ماحول سے گھبرا جاتا ہوں تو چپکے سے وہاں سے بھاگ آتا ہوں۔ ہمارے خیال میں شاید انہیں کبھی کبھی فٹس پڑتے ہوں گے۔''

''جی ہاں فٹس تو عموماً پڑتے ہی رہتے ہیں مگر پاگل پن کے نہیں بلکہ شرارت کے۔'' انہوں نے پھیکی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو شہوار نے اپنے بھائی کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ بے چاری بہن ہیں نا آخر اس لیے بھائی کے پاگل پن کو شرارت سے تشبیہ دے رہی ہیں۔ شفقت نے بھی ان کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ لیا تھا مگر عارف نے اس وقت ان کی پوزیشن کچھ ایسی آکورڈ کر دی تھی کہ وہ اب شہوار کی اس بات کی تردید بھی نہ کر سکیں کہ عارف پاگل ہے موضوع پلٹنے کی غرض سے بولیں۔

''خیر اب تو آپ نے خود ہی طوبیٰ کی طرف سے اپنا اطمینان کر لیا ہوگا۔ انہیں ساتھ کیوں نہ لے آئیں تاکہ یہ پرنس بھی...'' شفق نے مسکرا کر بات ادھوری چھوڑ دی تو شہوار نے شہریار پر نظر ڈال کر جو بہت بیزار اور برہم سے نظر آ رہے تھے کہا۔

''ایک تو ہم نے انہیں سوتے میں ڈسٹرب کیا۔ اب انہیں زبردستی یہاں لا کر انہیں مزید بے آرام کرتے...'' شہوار نے جس انداز میں بات بنا کر کہی تھی۔ اپنے اپنے طور پر شہریار اور شفق فوراً ہی سمجھ گئے

تھے جب کہ طوبیٰ کے سرد سے رویے سے شہوار خود بھی بڑی شرمندگی اور ہتک سی محسوس کر رہی تھیں۔ ان کا خوبصورت چہرہ پھیکا پھیکا سا نظر آ رہا تھا۔ پھر گل لیمونیڈ کے ٹھنڈے گلاس اور اسنیکس کے طور پر پھل اور چپس ٹرالی میں سجائے اندر آ گیا۔ شفق کے بے حد اصرار کے باوجود دونوں بہن بھائیوں نے کھایا تو کچھ بھی نہیں البتہ مشروب کے گلاس ضرور اٹھا لیے اور پھر شفق انہیں شوکت حسین کے اچانک آ جانے اور بیرون ملک کے دورے پر بھیجے جانے کے متعلق بتانے لگیں مگر انہوں نے محسوس کیا کہ دونوں بہن بھائی ان کی باتوں میں ذرا سی بھی دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔ پھر لیمونیڈ کے چند گھونٹ پینے کے بعد دونوں واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اچھا اب اجازت۔'' شہریار نے یوں کہا جیسے برسوں ترالی چاہ رہے ہوں۔

''ارے کیا سچ مچ آپ لوگ تو چل ہی دیے۔'' شفق بھی اٹھتی ہوئی بولیں۔

''تو کیا یہیں بیٹھے رہیں؟'' شہریار نے چبھتے سے لہجے میں کہا تو شفق کو فوراً ہی ان کی اس وقت کی تکلیف کا خیال آیا۔ وہ کچھ شرمندگی سے جلدی سے بولیں۔

''ہاں واقعی آپ دونوں کو اس وقت سخت تکلیف پہنچی ہوگی۔ جانے کون بدتمیز تھا جس نے ایسی بداخلاقی کا ثبوت دیا۔ خیر چھوڑیے اسی بہانے ملاقات تو ہو گئی ویسے بھی آپ شام کو تو آ رہے ہیں نا...؟''

''جی نہیں۔ میرا تو پہلے آنے کا ارادہ تھا اب...''

''بھلا کیوں نہیں ہے۔ آپ کا آنا تو بے حد ضروری ہے بلکہ آپ ضرور آئیں گے۔'' شفق بڑی دھونس جما کر بولیں۔

''جی ہاں [illegible] آپ کے ساتھ ضرور آئیں گے۔'' شہوار نے گویا قصہ ختم کرنے کی غرض سے کہا اور پھر شفق سے رخصت ہو کر دونوں بہن بھائی اپنے گھر روانہ ہو گئے۔

مگر شہریار کا موڈ اس قدر آف ہو چکا تھا کہ تمام راستے وہ خاموش ہی رہے شہوار ہی فون کرنے والی بچی پر اپنی قیاس آرائیاں کرتی رہیں۔ انہوں نے طوبیٰ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اور شہریار سمجھ گئے کہ طوبیٰ ان سے بھی اچھی طرح پیش نہیں آئی ہے۔ اس بات کا تو انہیں شروع میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا دل شہوار کی طرف سے صاف نہیں۔ اور گل داد خان کی زبانی ان کا پیغام پا کر تو شک دور [illegible] یقین میں بدل گیا تھا۔ اور اس کے بعد آج خود طوبیٰ نے جو بے جا مطالبہ کیا تھا تو اس سے تو صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ شہوار سے نہ صرف کدورت رکھتی ہے بلکہ ان کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جب کہ شہوار اس کے ساتھ اپنے رویے پر اتنی نادم تھیں کہ ہمیشہ رنجیدہ ہی نظر آتی تھیں اور اسے بھابی بنا کر لانے کی خوشی میں پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ ہر دم طوبیٰ کا ذکر۔ اس کے قصیدے پڑھتی نظر آتی تھیں۔ جب سے فون آیا تھا اسی وقت سے شہریار ایک الجھن میں گرفتار ہو گئے تھے کہ کریں تو کیا کریں۔ اور کیونکر اسے اس کی بے جا ضد سے باز رکھ سکیں۔

وہ باپ کی طبیعت سے ان کی فطرت سے بھی واقف تھے کہ ان کے دل میں ایک بار جو بات بیٹھ جاتی ہے وہ مشکل ہی سے نکلتی ہے۔ اسی لیے وہ طوبیٰ کے بے جا مطالبات اور باغیانہ خیالات سے لاعلم ہی رکھنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ طوبیٰ کی بے جا شرط کو باپ پر ظاہر کر کے ہمیشہ کے لیے اس سے ہاتھ دھو لیں کیونکہ اس کی شرط پوری کرنی کسی بھی حالت میں ممکن ہی نہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ کھانا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔ کوئی ڈھائی بجے کے قریب شہوار نے آ کر یہ خبر سنائی کہ طوبیٰ پر

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

دیوانگی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ اگر طوبیٰ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ مر کر بھی جانا گوارا نہ کرتے۔ لیکن طوبیٰ کا نام سنتے ہی وہ بے چین ہو اٹھے۔ یہی سمجھے کہ اس پر واقعی پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔ جبھی تو وہ اتنے دن سے الٹے سیدھے مطالبات کر رہی تھی۔ وارننگ دے رہی تھی۔ اب میری طرف سے ٹکا سا جواب ملا تو اس کے احساسات کو ایسی زک پہنچی کہ اسے دورہ پڑ گیا ہے۔ اور یہی سوچ کر بھاگے بھاگے بہن کے ساتھ آ گئے۔ مگر میجر صاحب کے یہاں آ کر نہ صرف ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ شرمندگی بھی اٹھانا پڑی۔ اچھی بھلی ہو کر اس نے اتنی زحمت نہ کی کہ خود آ کر ان سے مل لیتی۔ اس پر بے وقوف بنائے جانے کا احساس اور یہ خیال کہ بقول عارف۔ طوبیٰ نے ہی بچی کی آواز بنا کر انہیں فون کیا ہوگا۔ پختہ ہو گیا۔

شہریار کو غصہ تو اتنا آ رہا تھا کہ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ میجر صاحب کو فون کر کے سرے سے اس رشتے سے ہی انکار کر دیں مگر باپ کی خاطر خاموش تھے۔ اس لیے سہ پہر کو جب باپ قیلولہ کر کے اٹھے۔ شہریار نے سب کچھ انہیں صاف صاف بتا دیا۔ اور آغا بختیار یوں اچھلے جیسے انہیں بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔

"نہیں نہیں ایسا تو مر کر بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ لڑکی تو نازو سے بھی کہیں زیادہ مغرور اور ضدی معلوم ہوتی ہے اس سے صاف صاف کہہ دو ہم ایسے ناجائز مطالبات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں اور اگر اسے اپنے آپ پر ایسا ہی زعم ہے تو اس سے کہہ دو کہ جس طرح ہم اب تک اس کے وجود سے لاعلم اور لاتعلق رہے تھے اسی طرح آئندہ بھی رہ لیں گے۔ مگر اپنی شخصیت اور روایات کو اس کی خاطر مجروح نہیں کریں گے۔" آغا بختیار کچھ اس قدر مشتعل ہوئے تھے کہ [illegible] کا ساکت سا ماحول حرکت میں آ گیا تھا۔

اپنے مہمانوں کو رخصت کر کے شفق جھنجھلائی ہوئی سی [illegible] میں پہنچیں۔ انہیں رہ رہ کر عارف کی بدتمیزی پر غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے نہ صرف ان کو بڑی کوفت اور ندامت کا سامنا کرنا پڑا تھا بلکہ ان دونوں بہن بھائیوں کو بھی اس کی وجہ سے اس بھری دوپہر میں اتنی زحمت اٹھانی پڑی تھی۔ کیونکہ شفق جب نہیں تو اب سمجھ گئی تھیں کہ بچی کی آواز بنا کر فون عارف ہی نے کیا ہوگا۔ اس پر مستزاد اس نے بے ہودگی کی انتہا ہی کر دی تھی کہ ایک تو اس اکلوتی ٹی شرٹ اور جینز کی پتلون پر آصف کی کریم شیروانی اور ڈارک گلاسز لگا کر آیا تھا اس پر شہوار پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ مخبوط الحواس ہے۔ اس لیے ان دونوں کے سامنے حرکتیں بھی ایسی ہی کر رہا تھا۔ کبھی نتھنے پھڑکاتا کبھی ناک سے سیٹی بجانے لگتا۔ کبھی کندھے اچکاتا اور کبھی سر جھٹکتا۔ یعنی کہ اچھا بھلا انسان ہو کر بھی دوسروں کے سامنے یہ ظاہر کرنا کہ اس میں کوئی عیب ہے۔

آج تو واقعی شفق کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کی ٹھکائی ہی کر دیں وہ غصے میں بھری ماں کے کمرے میں پہنچیں تو گل وہیں کھڑا صوفیہ بیگم کا کوئی کام کر رہا تھا۔

"[illegible]۔ پہلے عارف صاحب کو بلا کر لاؤ۔"

"عارف صیب تو کپڑا بدل کر باہر گیا۔" گل نے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" شفق نے ڈپٹ کر پوچھا۔ وہ سمجھیں کہ عارف نے پہلے سے ہی گل کو پڑھا دیا ہے۔

"ام اپنی چھوٹا گاڑی کو دھکا مار کر آیا ہے۔ عارف صیب اسی میں گیا ہے۔" گل مسکرا کر بولا۔

"مگر چھوٹی گاڑی تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے پھر اسے دھکا مارنے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" شفق بولیں پھر خود ہی سر ہلا کر بولیں۔

"ہوں سمجھ گئی۔ اس نے اس لیے انجن اسٹارٹ نہ کیا ہوگا۔ کہ گاڑی کی آواز میں نہ سن لوں۔" صوفیہ بیگم جو ابھی تک خاموش بیٹھی معاملے کی نوعیت جاننے میں کوشاں تھیں انہوں نے شفق سے پوچھا۔

"ارے یہ تم عارف کو اتنا کیوں پوچھ رہی ہو۔ کیا وہ تمہارے پاس نہیں گیا تھا؟"

"کاش نہ ہی جاتا۔ اس نے تو آج ناک ہی کٹوا کر رکھ دی بالکل۔" اور پھر شفق نے اپنے تپے اور غصے میں ماں کو ساری تفصیل بتائی۔ جسے سن کر صوفیہ بیگم مسکرانے لگیں۔

"بدتمیزی کی بھی حد ہوتی ہے امی جان۔ ایک تو یہی کیا کم تھا اس پر ان دونوں کے سامنے ایسا گلا پھاڑ کر بول رہا تھا جیسے سب بہرے ہوں۔ میں تو دونوں کے سامنے شرم سے گڑی جا رہی تھی اور پھر مذاق کرنا ان ہی لوگوں سے رہ گیا تھا آخر رشتے کی نزاکت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے امی جان۔ سچ شہریار کو اتنا غصہ آ رہا تھا کہ وہ سیدھے منہ بات بھی نہیں کر رہے تھے۔" ماں کو مسکراتا دیکھ کر شفق نے گویا انہیں معاملے کی نزاکت کا احساس دلایا۔

"ہاں۔ یہ تو واقعی اس نے سخت حماقت کی ہے۔ لیکن اب یہ کیسے معلوم کہ ان لوگوں کو فون بھی اسی نے کیا تھا۔ اس کی آواز تو ماشاءاللہ بہت بھاری ہے وہ بھلا کسی بچی کی آواز کیسے نکال سکتا ہے۔ خواہ مخواہ ہی اسے الزام دینے سے فائدہ؟" صوفیہ بیگم نے کہا۔ تو شفق تلملا ہی اٹھیں۔

"ٹھیک ہے اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو میں آج بابا سے ضرور اس کی شکایت کروں گی۔"

"ارے چھوڑو بھی شفو۔ سالے بہنوئی میں اس سے بھی کہیں بڑھ کر مذاق ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو کیا معلوم ہوگا کہ عارف نے ہی بچی کی آواز بنا کر انہیں فون کیا تھا۔ پھر تم کیوں اتنا اثر لے رہی ہو۔" صوفیہ بیگم نے کہا۔

مگر شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ غصے میں بھری ان کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ طوبیٰ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی انہوں نے بڑے ناگوار اور بیزار لہجے میں کہا۔

"سو رہی ہو یا جاگ رہی ہو؟"

"نہیں جاگ رہی ہوں۔" طوبیٰ نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر کہا۔

"مضطرب تو بہت ہو رہی ہوگی شہوار کے آنے سے۔" شفق نے طنز بھرے انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے۔" طوبیٰ اٹھ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کیا باتیں ہوئیں شہوار سے؟" شفق بلامقصد ہی ٹوکری میں رکھے شہزاد کے کپڑوں اور نیپیز الٹ پلٹ کرنے لگیں۔

"کوئی خاص تو نہیں وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں۔ جو آپ کہہ رہی ہیں کہ ڈسٹرب ہو گئیں آپ؟" طوبیٰ نے سپاٹ سے لہجے میں بتایا۔

"اچھا کیا انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ شہریار بھی آئے ہیں اور کیوں آئے ہیں؟"

"ہاں بتایا تھا۔"

"کیا بتایا تھا؟"

"یہی کہ ادھر سے گزر رہے تھے سوچا یہاں بھی ملتے جائیں۔"

"ہاں بڑی چاندی کھل رہی ہے نا باہر بھی تو ایسے ناوقت سیر سپاٹے کو نکلے ہوئے ہوں گے۔" شفق کو اس کی سرد مہری پر غصہ آ گیا۔

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"نہیں خیر آئے تو میری خیریت ہی معلوم کرنے کو تھے۔" طوبیٰ کچھ توقف کے بعد بولی۔

"نہ معلوم تم مجھ سے ہر بات چھپاتی کیوں ہو؟ بھلا اس تپتی ہوئی دوپہر میں اچانک تمہاری خیریت معلوم کرنے کی کیا سوجھی۔ جب کہ شام کو تو یہ لوگ آ ہی رہے تھے۔" شفق سمجھیں کہ وہ حسب عادت ان سے کچھ چھپا رہی ہے۔ "لیکن انہوں نے تو یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ مجھے دیکھنے آئی ہیں۔ مجھے تو خود تعجب ہو رہا ہے کہ شہریار اس دن کیسے آ گئے جب کہ ابھی چند گھنٹے پیشتر تو یہ اتنے بیزار دکھا رہے تھے۔" یہ باقی بات طوبیٰ نے اپنے دل میں کہی۔

"بہرحال تمہیں کم از کم ڈرائنگ روم میں تو آنا چاہیے تھا۔ شہریار کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ خود تمہارے کمرے میں آ جائیں حتیٰ کہ انہوں نے خود اپنے منہ سے بھی کہہ دیا۔" شفق نے کہا تو طوبیٰ خاموش ہی رہی۔ "ویسے بھی طوبیٰ یہ مینرز اور ایٹی کیٹ کے خلاف ہے کہ کوئی اپنا آرام ترک کرا کے محبت سے ملنے آئے اور اسے یوں بے وقعت کر کے دھتکار دیا جائے۔ آج شہریار کا موڈ [?] آف تھا کہ سیدھے منہ بات ہی نہیں کر رہے تھے۔" تو طوبیٰ نے دل میں سوچا کہ موڈ اس بات پر نہیں بلکہ صبح فون پر جو گفتگو ہوئی تھی اس کی وجہ سے خراب ہوگا مگر وہ میری خیر خبر لینے آئے [?] ہیں۔ کیا اس طرح وہ مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہیں کہ میری اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شفق اٹھ بیٹھے تہ کیے کرائے کپڑوں کو کھول کھول کر پھر تہ کر رہی تھیں۔ انہوں نے ٹوکری ایک طرف رکھ کر اس پر ایک نگاہ ڈالی اور اسے اس قدر خاموش اور بیگانہ سا دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ایک بات پوچھوں بشرطیکہ سچ سچ بتا دو؟"

"پوچھیے آپ نے تو شرط ہی لگا دی بہرحال پوچھیے۔" طوبیٰ … مسکرا کر بولی۔

"کیا تم شہریار کو پسند کرتی ہو؟" شفق نے بڑا سنجیدہ سا چہرہ بنا کر پوچھا۔ طوبیٰ کو ہنسی آ گئی۔ جسے کسی سے دبا کر اس نے چہرہ تھوڑا سا جھکا کر کہا۔

"میں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا۔"

"کمال ہے۔ جانے کس ٹھنڈی اور بے حس مٹی کی بنی ہوئی ہو تم بھی جب کہ وہ تو تم پر جان چھڑکتے ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ صرف تمہاری پریشانی میں اس وقت بھی کھنچے چلے آئے۔" شفق قدرے چڑ کر بولیں۔

"خیر یہ تو مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم مجھے اپنے دل کی بات کبھی نہیں بتاؤ گی۔ مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ اور یہ بات مجھے آج ہی نہیں بہت پہلے سے معلوم ہے کہ تم انہیں پسند کرتی ہو۔ اسی روز سے جس روز تم نے انہیں پہلی بار کلب میں دیکھا تھا اور تم جس انداز میں ذوالفقار کاسل میں ان کی تصویر کو دیکھ رہی تھیں اسے تو کوئی احمق سے احمق بھی آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ اور سچ پوچھو تو میرے دل میں بھی یہ خواہش ایک آدھ بار ضرور جاگی تھی کہ کاش تمہاری شادی شہریار سے ہو تو ایسی حسین و جمیل جوڑی مشکل ہی سے کہیں دیکھنے میں آئے۔" شفق نے جس انداز میں اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ طوبیٰ کے حیرت زدہ چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"اچھا تو جب آپ کو بہت پہلے سے ہی میرے احساسات کا علم ہو چکا ہے تو پھر آپ کے شروع سوال کا کوئی تُک جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔" وہ دبی زبان سے بولی۔

"… یہ بات ہے۔ لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو تم تھوڑی کٹھور ہو جب کہ ان کے

جذبوں میں بڑی شدت ہے۔"

"کیونکہ میرے پاس صرف احساسات ہی بچا۔ وہ بھی جلتے سلگتے ہوئے مجروح سے جذبوں سے تو میرا وجود بالکل خالی ہے۔ آپ ہی بتائیں بجیا جس کا اعتماد بار بار ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکا ہو اس کے اندر کوئی جذبہ کیسے پنپ سکتا ہے۔ جبکہ خود اسے اپنی ذات پر بھی اعتماد نہ رہا ہو۔" طوبیٰ نے مزید شکستہ لہجے میں کہا۔

"تو کیا تم جو ابھی شہریار کی محبت کا اعتراف کر رہی تھیں وہ بھی غلط تھا؟" شفق نے دل ہی دل میں اس کے لیے ہمدردی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں غلط ہی تھا بجیا۔ کیونکہ شہریار کو اگر مجھ سے کوئی قلبی لگاؤ ہی تھا تو اس کا اظہار انہوں نے مجھ پر اس وقت کیوں نہیں کیا۔ جب حالات ہی نے ایسا پلٹا کھایا ہے کہ ان سے رشتہ داری نکل آئی ہے تو....."

شفق اس کی بات کاٹ کر اسے سمجھانے کے سے انداز میں بولیں۔

"اوہو تو تم ابھی ایک بات اب تک دل میں لیے بیٹھی ہو طوبیٰ۔"

"دل میں کیا لیے … سے ماتھا ہوا ہے میں بھول تو نہیں سکتی۔" طوبیٰ بولی۔

"نہیں طوبیٰ ہر انسان کو اپنا دل صاف رکھنا چاہیے وہ بھی خصوصاً مسلمان کو اگر ان لوگوں نے تم پر زیادتی بھی کی تھی تو خود جاگیردار نے … تم سے معافی بھی تو مانگ لی۔ اور معافی مانگنے پر تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے!"

"ہاں خدا معاف کر دیتا ہے کیونکہ … وقت ہے اور اس میں اور بندے میں یہی فرق ہے کہ بندہ معاف … اپنے بزرگوں کو معاف کر دوں۔ میں تو بہت کم ظرف اور حقیر ہوں بجیا۔" … انداز میں کہا تو شفق جھلا کر بولیں۔

"افوہ بھئی۔ دیکھو میری جان۔ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا رہا قدرت اور حالات کی طرف سے ہوتا رہا ہے۔ اس میں ہمارا قصور … اور پھر میں تو یہی سمجھوں گی کہ تمہارا دل ابھی جان سے بھی صاف نہیں۔ کیونکہ انہوں نے … بڑے دریک سے الزامات لگا کر تمہیں گھر سے بے گھر کیا تھا۔ انہی کی وجہ سے تم نے اتنی … اتنی ذلت اٹھائی۔"

"نہیں خیر … جو کچھ بھی کیا لاعلمی کی وجہ سے کیا اور پھر وہ تو میری ماں کی طرح ہیں۔"

"… نے انہیں لاعلم رکھا اور تم ہی تمہارے قصوروار ہیں مگر میری بہن ہم نے دوسروں سے تو تمہاری حقیقت کو نہیں چھپایا سب سے اپنی فرسٹ کزن کہہ کر تمہارا تعارف کرایا۔ تمہاری اہمیت جتائی تمہاری عزت کرائی کیا تمہارا دل ہماری طرف سے بھی صاف نہیں ہے......؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات ہی نہیں۔ صرف اور صرف آپ ہی ایک ایسی ہستی ہیں جنہیں اپنا سمجھتی ہوں۔" طوبیٰ رواداری کے طور پر مسکرا کر بولی۔

"اوہ۔ تھینک گوڈ۔" شفق نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مگر اپنے دل کو تھوڑا سا فراخ کر لو اور کبھی یہ بات بھی شہریار کے سامنے نہ کہنا ورنہ خواہ مخواہ ہی جذبہ رقابت شروع ہو جائے گا۔"

"ایسی نوبت کبھی آئے گی نہیں۔" طوبیٰ برا مان کر بولی۔

"اے ہے خدا نہ کرے۔ کیسی باتیں کرتی ہو تم بھی۔ سچ بڑی ظالم ہو۔ میں نے تو..... یہی دیکھا کہ تم ہمیشہ ان کو تڑپاتی رہی ہو۔ دیکھو اگر ان کو تم سے محبت نہ ہوتی تو وہ ایک ذرا سے فون پر بھاگے بھاگے

UrduPhoto.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

یہاں کیوں آتے۔ وہ جو سو خوشامدوں اور ہزاروں بلاووں سے کہیں آتے جاتے ہیں۔ وہ بھی ایسے بے وقت اپنا آرام تج کر تمہاری خیریت پوچھنے آ گئے۔'' اور شفق کی اتنی باتوں میں صرف فون کی بات ہی نے طوبیٰ کو چونکایا۔ وہ سمجھی کہ شفق اس فون کی بات کر رہی ہیں جو اس نے صبح کیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر بولی۔

''کیسا فون؟ بجیا میں سمجھی نہیں۔'' تو شفق نے خود ہی اس کے بارے میں ساری تفصیل اس کے گوش گزار کر دی۔ اور طوبیٰ کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

''اوہو بڑی ہنسی آ رہی ہے حالانکہ اس نے تو تمہیں بھی نہیں بخشا۔ جب شہوار نے یہ بتایا کہ کسی بچی نے فون پر طوبیٰ کی علالت کی اطلاع دی تھی تو آنکھیں پٹپٹا کر اور نہایت بدتمیزی سے گلا پھاڑ کر بولا کہ ''ہو نہ ہو یہ طوبیٰ آپا کی ہی شرارت ہو گی انہوں نے ہی بچی کی آواز بنا کر آپ کو فون کیا ہو گا۔ اور جانتی ہو وہ لوگ بھی یہی سمجھے کہ واقعی تم نے ہی انہیں فون کیا تھا۔'' شفق اس کے ہنسنے پر چڑ کر بولیں تو ان کی بات پر طوبیٰ ہنستے ہنستے ایک دم ہی خاموش ہو گئی پھر کچھ توقف کے بعد بولی۔

''اچھا یعنی وہ دونوں اتنے ہی بے وقوف ہیں کہ آنکھیں بند کر کے عارف کی بات پر یقین کر لیں۔''

''ہاں تو کیا نہ کرتے وہ عارف کی فطرت سے واقف ہی کب ہیں وہ کوئی ایسا بچہ جو مخبوط الحواس اور احمق سا لگ رہا ہو۔ اور بڑوں کی گفتگو کے درمیان چٹر پٹر بولے جائے تو دوسرے اس کی بات پر یقین ہی کریں گے کہ سیدھا سادا بچہ ہے اس لیے معصومیت میں سچ بول رہا ہے۔'' شفق چشم تصور میں عارف کی مجنونانہ حرکتیں دیکھ کر جلے کٹے انداز میں کہہ رہی تھیں۔... پھر انہوں نے عارف کا حلیہ اور پاگلوں کی حرکتوں کے بارے میں بھی طوبیٰ کو بہت کچھ بتا دیا۔ اور طوبیٰ پر ایک مرتبہ پھر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

''تم لوگوں کی انہی باتوں نے تو اسے اور بھی سرکش اور ڈھیٹ بنا دیا ہے۔'' شفق اس کے ہنسنے پر جل کر بولیں۔

''نہیں۔ اصل میں مجھے اس لیے ہنسی آ رہی ہے کہ یہ عارف تو کچھ دماغ سے ڈھال ڈھال کر شرارتیں کرتے ہیں۔'' شفق کو بگڑتا دیکھ کر طوبیٰ اپنی ہنسی روکنے کی کوشش میں بولی۔

''لیکن شرارت یا مذاق کا موقع محل دیکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔ یعنی اندھے کی لاٹھی تو نہیں کہ جس طرف چاہا گھما دیا۔ اب بھلا وہ لوگ کس قدر رسو برادر ریز روڈ ٹائپ ہیں ان کے ساتھ ایسا مذاق کرنے سے الٹی ہماری ہی سبکی ہوئی نا۔ میں نے تو آج قسم کھائی ہے کہ پاپا سے اس کی شکایت کیے بغیر نہ رہوں گی۔ ایمان سے مجھے تو اتنی شرم آ رہی تھی اس کا حلیہ اور حرکتیں دیکھ کر میں تو اسے بھائی کہنا بھی اپنی توہین سمجھ رہی تھی۔ بھلا تم ہی بتاؤ اگر ایک بیہودہ مذاق کیا تھا تو ان لوگوں کے سامنے اپنا حلیہ بگاڑ کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ خود اپنی ہی خواری نہیں ہوئی کیا؟'' شفق کو اس معاملے میں اتنا سیریس دیکھ کر طوبیٰ نے بمشکل تمام اپنی ہنسی روک کر کہا۔

''جی ہاں... اور اس پر خود کو ان کے سامنے پاگل بھی ظاہر کیا یعنی کہ حد ہو گئی۔ شرارت کی بھی۔''

''اجی شرارت کیسی... نہایت بداخلاقی... بیہودگی اور بدتمیزی کہو بدتمیزی۔'' شفق جل کر بولیں۔

اور طوبیٰ نے منہ پھیر کر ان سے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

''ہاں ہاں۔ خوب دل کھول کر ہنسو۔ دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے تمہارے مگر مایوس ہی لوٹا دیا بے چارے کو ترسا اور تڑپا کر شاید تمہیں بہت ہی مزا آتا ہے۔'' شفق گویا اس سے ہنسنے کا بدلہ لینے لیکن ابھی تو چھیڑنے کا سا تھا مگر طوبیٰ کو عارف کی شرارت پر ہنسی آئے چلی جا رہی تھی۔ اس نے چہرہ

تھوڑا سا جھکا لیا۔

''خیر اب شام کو وہ آ ہی رہے ہیں۔ اب تو انہیں اپنے درشن کرا دینا۔''

''لیکن وہ شام کو آنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ شرطیہ کہہ سکتی ہوں۔''

''کیوں کیا تم کو اب الہام بھی ہونے لگا ہے؟'' شفق نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں اصل میں آج فون پر ان سے بات ہوئی تھی۔''

''اوہو۔ تو یہ کہو۔ یعنی عارف سچ ہی کہہ رہا تھا۔'' شفق نے معنی خیز سے انداز میں کہا۔

''نہیں میں نے صبح صرف یہ پوچھنے کے لیے ان سے بات کی تھی کہ میرا فیصلہ سننے کے باوجود ان کے والد شام کو تاریخ مقرر کرنے کیوں آ رہے ہیں۔''

''اچھا تو پھر انہوں نے کیا جواب دیا۔'' شفق نے شوخی سے پوچھا۔

''یہی کہ وہ خود نہیں آ رہے بلکہ ان کے والد اور بہن آ رہے ہیں اور یہ بھی کہ اپنے والد کو میرے فیصلے سے آگاہ کرنے کی انہیں ہمت نہیں پڑی۔'' طوبیٰ بیگانے سے لہجے میں بولی۔

''ہاں بھئی جاگیردار بڑے خوش نصیب ہیں کہ اتنی تابعدار اولاد ملی ہے انہیں لیکن تم تو ایسا ظاہر کر رہی ہو جیسے ان سے تمہارا کوئی رشتہ ہی نہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے طوبیٰ۔ امی جان نے تمہیں کتنا سمجھایا بھی مگر تم انہیں ابھی تک غیر ہی سمجھ رہی ہو۔ ایمان سے مجھے تو اپنا غریب ماموں بھی اس طرح جل جاتا تو میں اس کے پیر دھو دھو کر پیتی۔'' شفق ملامت بھرے انداز میں کہتی ہوئی اٹھیں اور شہزاد کی فیڈر تیار کرنے کچن میں چلی گئیں۔

پیچھے طوبیٰ اکیلی کئی لمحوں تک ان کی دلیل کی خاصیت دیکھتی رہی کہ اتنے دنوں سے طوبیٰ اپنے وجود پر جو ایک بوجھ سا محسوس کر رہی تھی۔ وہ ہنستے ہنستے ایک دم ہی اتر گیا تو وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی اور پھر شفق کی ملامت... صوفیہ بیگم کی فہمائش اور حالات کی روشنی میں وہ سوچنے لگی کہ واقعی اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے یہ تو اس کا مقدر تھا۔ پھر کسی کو دوش دینے سے کیا فائدہ آخر میں نے کس بات پر اتنا ناز کیا۔ ایسا نخرہ اور حیا دکھایا کہ اپنے سگے ماموں کی بے پایاں محبت کو بھی ٹھکرا دیا اور اپنی محبوب ترین ہستی کا دل بھی دکھایا۔ حالات نے دیے ہوئے زخموں کی آنچ کو پورے وجود کو جلا ڈالتی ہے مگر.....

حالات بدلتے بھی ہیں اور پلٹتے بھی۔

وقت سدا ایک سا تو نہیں رہتا۔

یہ کسی کا ساتھ دیتا ہے نہ کسی سے کچھ لیتا ہے۔

نہ یہ سیدھا سیدھا بہتا ہی ہے بلکہ اس میں موڑ بھی آتے ہیں اور نشیب و فراز بھی جن میں خود انسان کو اپنا راستہ ڈھونڈنا پڑتا ہے اور وہ وقت کی پرپیچ راہوں میں اگر گم ہو جاتا ہے تو کبھی نہ کبھی تو ابھرتا ہے۔

کسی نہ کسی طرح اپنی منزل تک پہنچ ہی جاتا ہے اور.....اور مجھے بھی تو میری منزل مل گئی ہے۔ ہاں جی خالہ بیگم آصف ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ مجھے میری منزل کب کی مل چکی۔

پھر وہ خوشی سے تمتماتا ہوا چہرہ لیے اٹھی اور بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ ریسیور ہاتھ میں لیے آغا بختیار سے کہہ رہی تھی۔

''ماموں جان پلیز مجھے معاف کر دیں اور آپ جلدی سے آ جائیے۔ آج مجھے اپنی ماں کی ممتا کی مہک بہت نزدیک سے آ رہی ہے۔ دیکھیں یہاں فون سے بھی اٹھ رہی ہے۔ آپ... آپ ان کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

بختیار نے اس کے رونے کی آواز سنی تو کریڈل میز پر ہی پٹخ کر جلدی سے باہر آ گئے اور شہریار سے بولے۔

"چلو جس حالات میں ہو فوراً میرے ساتھ آؤ۔ آج میری بیٹی مجھے بلا رہی ہے آج نازو نے مجھے پکارا ہے شہر۔" ضبط گریہ سے ان کی آواز لرز رہی تھی اور ان کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔

شفق شہزاد کی فیڈر تیار کر کے کچن سے باہر آ رہی تھیں۔ صوفیہ بیگم کو ذرا سی غنودگی سی آ گئی تھی۔ عارف ابھی تک نہ لوٹا تھا۔ آصف ابھی تک سو رہے تھے حتیٰ کہ میجر صاحب بھی ابھی اپنے دفتر سے نہیں آئے تھے اور گل کو کچھ چیزیں لینے صوفیہ بیگم نے بازار بھیج دیا تھا کہ باہر بڑے زور سے جاگیردار کی شیورلیٹ کا ہارن بجا۔ شفق بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آئیں تو طوبیٰ بھی وہاں سے غائب تھی۔ انہوں نے پہلے ماں کے کمرے میں جھانکا وہاں بھی طوبیٰ نظر نہیں آئی پھر وہ بھاگ کر ڈرائنگ روم میں پہنچیں۔ ڈرائنگ روم بھی خالی پڑا تھا۔ البتہ داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شفق بھاگ کر داخلی دروازے تک آئیں تو وہیں ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ سامنے ہی جاگیردار کار سے اترے کھڑے تھے اور طوبیٰ ان کے سینے سے چمٹی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ خود آغا بختیار کے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ اور وہ آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ تھپتھپا رہے تھے۔ اور ان کے قریب ہی ڈرائیونگ سیٹ کے آگے کھڑے شہریار کا چہرہ سرخ سا ہو رہا تھا۔ اور ان کی آنکھوں [illegible] آنسو جاری ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں طے کر کے ان کے پاس ہی آ کھڑی ہوئیں۔ پھر جانے ایک دم ہی کیا ہوا کہ شفق اور شہریار کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ اور تھوڑی دیر بعد جاگیردار بھی ان کی ہنسی میں شامل ہو گئے۔ مگر طوبیٰ بدستور روتی ہی رہی۔

"بھئی واہ یہ ملاقات بھی خوب رہی۔" شفق نے شہریار کو مخاطب کر کے کہا۔ پھر آغا بختیار سے بولیں۔

"آئیے اندر تشریف لے چلیے جاگیردار صاحب!"

"نہیں ہم اندر نہیں جائیں گے۔" جاگیردار نے اپنے مخصوص کرخت لہجے میں کہا۔ پھر فوراً ہی اپنے لہجے میں لچک پیدا کر کے بولے۔ "ہم تو اب شام کو ہی آئیں گے مگر اس وقت تو ہم اپنی بیٹی کو ساتھ لے جا رہے ہیں۔ اصل میں ہم سے زیادہ تکلفات برداشت نہیں ہوتے کرنل صاحب آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ اگلے ہفتے کی کوئی تاریخ سوچ کر رکھ لیں کیونکہ ہماری بیٹی اسی گھر سے رخصت ہو گی۔" اور پھر انہوں نے شفق کے سر پر آہستہ سے ہاتھ پھیرا۔ اور طوبیٰ سے بولے۔

"آؤ چلو بیٹی۔"

تو طوبیٰ بلا چوں و چرا کار میں بیٹھ گئی۔

مگر آغا بختیار نے زبردستی اسے اگلی سیٹ پر شہریار کے پاس بٹھایا۔ اور شاداں و فرحاں اسے لے کر اپنے گھر روانہ ہو گئے۔

=== ختم شدہ ====

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY